



کتابخانه

ٹیلیفون نمبر
۳۵۲۵
۹۴۹۹۹

رجسٹرڈ ایڈیٹر
۵۳۱۲

زندگی آمیز معنوں کی آموزاؤں کا گامزن

نقوشِ شوق

شوکت نمبر

۹۹
ستمبر ۱۹۶۳ء

مدیر

محمد طفیل

فی ہر چہ
سات روپے

سالانہ چندہ بیس روپے
غریبوں کے لیے

ادارہ فروغِ اردو لاہور

ترتیب

نمبر فصل - ۶
حقیقت ہوسیدہ پوری ۵۰
شوکت قاسمی ۷

طلوع
نظروں کی نگاہ
میری سرگزشت

(۱)

بمعصروں کی نظر میں

- ڈاکٹر آبان ۹۰ فرحت اللہ بیگ ۱۰۰
خواجه حسن نظامی ۱۳۰ مرزا عبدالحق چغتائی ۱۰۰
رشد احمد صدیقی ۲۲۰ نیاز فتحپوری ۲۸۰
محمد علی خان اثر ۳۳۰ سون احمد امجد دلیا بادی ۳۸۰
سید وقار عظیم ۴۰۰ احمد جمال دہشت ۵۸۰

(۲)

۲۲۱۳۹

منتخب مضامین

- ۱ - اپنے مضامین اپنی نظریں میں ۴۹۰
۲ - سودیشی ریل ۵۳۰
۳ - شاہین بچے ۶۰
۴ - تعزیت ۶۶
۵ - لکھنؤ کا مدرس سیشن ۷۱
۶ - پراہلم ۷۶
۷ - کچھ یادیں کچھ باتیں ۸۲
۸ - شیش محل چند ایکے ۹۱
۹ - بار خاطر (چند خطوط) ۹۶
۱۰ - قاضی جی ۱۰۷
۱۱ - منشی جی ۱۱۳
۱۲ - پہاڑ تلے ۱۱۹

(۳)

غیر مطبوعہ مضامین اور ڈرامے

۱ - رعن ۱۲۵

- ۴ - وردانہ ، ۱۵۱
- ۳ - مکران آبادی ، ۱۶۵
- ۲ - ڈاکٹر صاحب ، ۱۶۹
- ۵ - دیچ ، ۱۸۰
- ۶ - رقیق ، ۱۸۷
- ۷ - پیر اور جاس ، ۱۹۵
- ۸ - نظر و نگار ، ۲۰۳
- ۹ - دوزخ ، ۲۱۳
- ۱۰ - پیر اور دوزخ ، ۲۲۲
- ۱۱ - خاک و اظہار میری قلم ، ۲۲۹
- ۱۲ - گراہی ، ۲۳۳
- ۱۳ - نقوش کے نقاش ، ۲۳۸
- ۱۴ - خواہ خواہ ، ۲۴۵
- ۱۵ - ساحل و فرقة ، ۲۶۲
- ۱۶ - خار و جینہ ، ۲۷۳

(۴)

پر حشیت میر

- ۱ - سرخ کی ایک جھلک ، ۲۷۵
- ۲ - طوفان (روزنامہ) ، ۲۸۷

(۵)

منظومات

- ۱ - ۲۵ غیر مطبوعہ غزلیں ، ۲۰۲
- مزاہیہ نظمیں
- ۲ - شاعر کی پیری ، ۲۷۷
- ۳ - مری ، ۳۲۹
- ۴ - آتما ، گراہی کی بیس ، ۳۳۳
- ۵ - الوداع ، ۳۳۳

مرثیہ

- ۶ - شاد و غم

(۶)

شخصیت

- چودھری نعیمی ازمان ، ۳۲۹
- جدا الحاجہ دریا بادی ، ۳۳۰

- ۱ - بڑا سانحہ
- ۲ - حکومت قادی مروج

(الف)

۳۴۲۱ - فہم العین حیدر	۳ - ایک مہذب خرافت نگار
۳۴۴۱ - قدرت اللہ شہب	۴ - میرادینی
۳۴۸۱ - حفیظ جانہ ہری	۵ - رخ و بہار شخصیت
۳۵۲۱ - فیض احمد فیض	۶ - شوکت قاضی کی یاد میں
۳۵۳۰ - کنیاہن چور	۷ - گورہ بون ظرافت
۳۵۴۰ - بیت لکھن رضا	۸ - صاحب طرر ادیب
۳۵۸۱ - شہد احمد و بیوی	۹ - شوکت قاضی
۳۶۸۱ - محمد شعیب	۱۰ - عجیب و غریب ادبی شخصیت
۳۶۹۰ - محبت امتیاز علی	۱۱ - جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے چلتے ہیں
۳۷۴۰ - محمد جیدہ (زکات عباسی)	۱۲ - آہ شوکت
۳۷۹۰ - اسرار نقادری	۱۳ - مسکراہٹوں کا سہ
۳۸۵۰ - امین سلووی	۱۴ - آہ شوکت قاضی
۳۹۰۰ - نسیم انور	۱۵ - شوکت اور نسیم
۴۰۰۰ - حکیم یوسف حسن	۱۶ - شوکت قاضی سو دینی ریل کے بعد

۴۱۱۰ - محمد طفیل	۱۷ - بجکت نے کہا (انٹرویو)	(ب)
۴۲۴۰ - خاقون ارشد	۱۸ - میرا جیسا	
۴۳۴۰ - ارشد قاضی	۱۹ - شوکت نسیم	
۴۵۵۰ - رشید عمر	۲۰ - آتا	
۴۶۰۰ - شوکتہ قاضی	۲۱ - پیارے آبا شوکت قہار	
۴۶۳۰ - خورشید (عمر) شوکت	۲۲ - پیارے آبا	
۴۷۳۰ - عادل رشید	۲۳ - جو نہ مرنا کوئی دن اور	
۴۸۸۰ - اقبال صفی پوری	۲۴ - شوکت جانی !	

۵۰۳۰ - امتیاز علی تاج	۲۵ - شوکت قاضی	(ج)
۵۱۱۰ - فضل احمد کریم فضل	۲۶ - شوکت قاضی سے آن کی ایام	
۵۱۵۰ - عشرت رحمانی	۲۷ - چند یادیں	
۵۲۴۰ - نادرہ بیتا پوری	۲۸ - مرحوم	
۵۳۶۰ - نسیم امتیاز	۲۹ - مردخوش گفتار	
۵۵۶۰ - ڈاکٹر ایمونہ انصاری	۳۰ - میر کے تاثرات	
۵۶۱۰ - حکیم خورشید (حفیظ جانہ ہری)	۳۱ - میں اور شوکت جانی	
۵۶۶۰ - اختر جہاں	۳۲ - شوکت قاضی جب قاضی ہی ہوتے	

(۷)

نخطوط

بنام سعیدہ خاقون، زہرا شوکت، ۵۷۰

آرٹسٹ : اسلمہ کمال

محمد طفیل پر نثر، پشیر، ایڈیٹر نے نقوش پسیر ہو رہے ہیں اگر دفتر نقوش ایک ہفت روزہ ہو رہے شائع کیا





نوکت تهاوی



سوانت اپنی نیگت لے ساتھ





والد شوکت



سعید عمر



فوزیه شوکت



خورشید عمر





... ..







مرحوم صدر واکھرن کے ساتھ





عکس جوریہ

انواع

حرف و کبریٰ نوع	دوہیں ہوتا ہے ای نوع
میرزا و فخری نوع	دوہیں ہوتا ہے ای نوع
نہیں ہوتا ہے ای نوع	نہیں ہوتا ہے ای نوع
پسینہ ہوتا ہے ای نوع	پسینہ ہوتا ہے ای نوع
پسینہ ہوتا ہے ای نوع	پسینہ ہوتا ہے ای نوع
پسینہ ہوتا ہے ای نوع	پسینہ ہوتا ہے ای نوع
پسینہ ہوتا ہے ای نوع	پسینہ ہوتا ہے ای نوع
پسینہ ہوتا ہے ای نوع	پسینہ ہوتا ہے ای نوع
پسینہ ہوتا ہے ای نوع	پسینہ ہوتا ہے ای نوع

پسینہ ہوتا ہے ای نوع

پسینہ ہوتا ہے ای نوع

قطرۂ تاریخ

وہ بزم کو جگمگانے والا نہ رہا دو عہد میں بھی ٹکڑے والا نہ رہا
یا دشوکت میں عید کے دن وہیں بننے والا ہنسانے والا نہ رہا

۶۳ ۶۱۹

حفیظ ہوشیار پوری

طلوع

بیٹھے، وہ صاحب بھی مر گئے۔ جو مجسم زندگی تھے۔
 شوکت صاحب کی شخصیت میں کچھ ایسی موسمی تھی کہ انھیں دیکھ کر پُرانے کا سال ہی
 پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جی چاہتا تھا کہ زندگی کی ساتھیوں کی طرح رہتا ہے۔
 گھر کی کوئی چیز ٹوٹ جاتی ہے تو اس کا بھی ہفتوں قلم رہتا ہے۔ پھر یہ تو شوکت صاحب ہی تھے
 ایک ایسی بھرپور سستی جسے میں اس دُکھی دنیا کیلئے خدا کی طرف سے عطیہ سمجھتا رہا۔ انھوں نے
 ہزاروں کو زندگی سے پیار کرنے کا درس دیا مگر جب ان سے پیار کرنے والوں کی تعداد بڑھی
 تو یہ چپکے سے موت کی انگلی پکڑے دوڑ نکل گئے۔
 میں یہ نہیں کہتا کہ شوکت صاحب صرف میرے دوست تھے۔ نہ ہی یہ دعویٰ کروں گا کہ
 انھیں جتنا میں جانتا تھا اتنا کوئی اور واقف نہ تھا۔ اتنی بے تعلقی آپ بھی میرا ان سے جتنا بھی
 ربط مضبوط رہا۔ اُس کی بنا پر مجھ سے اُداس ہونے کا حق کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔
 بیماری کے دنوں میں شوکت صاحب اپنے دوستوں کو دیکھ کر رو دیا کرتے تھے۔ زندگی بھر
 جننے ہنسنے والا انسان یوں ٹپ ٹپ آنسو بہائے اچھا نہ لگتا تھا۔ مگر انسانی زندگی پر
 شوکت صاحب کا یہ خاموش غم بھی بھولنے والی بات نہیں۔
 ہم سب کہتے عاجز ہیں کہ زندگی رونے کی آواز سے شروع ہو کر درد کی آواز پر
 ختم ہو جاتی ہے۔
 شوکت صاحب کی عمر ۵۹ برس کی تھی۔ مگر عمروں کو برسوں کے اعتبار سے ناپنا
 نہیں چاہیے۔ عمر اُن کی زیادہ ہوتی ہے جو کام زیادہ کرتے ہیں۔ آپ اُن لوگوں کے بائے
 میں سوچیں جو دفن ہونے سے پہلے مر جاتے ہیں اور ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو دفن ہونے
 کے بعد بھی نہیں مرتے۔

میری سرگزشت

شکست تھانوی

دس منٹ میں کوئی اپنی سرگزشت تو خیر کیا بیان کہہ نہا جت۔ سرسری سرگزشت۔ بیان کہہ قود دسری بات ہے۔ لہذا میں بھی اس محرکہ ذمے میں بیٹھنے اور اس سمندر کو قطرے میں جذب کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس اختصار کی بدولت اور کچھ نہ سہی دیکھ کر کم عمر تو سمجھ ہی لیں گے کہ کیا تھی یہ عمر کی تھی سے تفصیل ہے۔ یہ حادثہ ۲۰ فروری ۱۹۰۹ء کو ہندو راجی ضلع شہرا میں پیش آیا کہ میں نے بھی کرشن جی کی مجلس بھولی کی اپنی چھٹی ہالیا۔ کوئی مناسبت نہ سہی لیکن ایک عجیب و غریب نسبت تو ہے ہی اور اگر کوئی اس کو گستاخی کے توکل اس کے بے ساختہ گستاخی کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ جوش سے پہلے میں گوش کی باہیں کرنا چاہتا ہوں۔ بعض وہ باتیں جو میں نے اپنے متعلق سنی ہیں خود مجھ کو یاد نہیں ہیں کہ میں یہیں میں بے حد ہیار رہا کرتا تھا اور عداوت دوسری وقتی جارہی تھی کہ حضرت سیدہ کی شکایت نہایت تفصیل کے ساتھ جاری تھی اور اس کی وجہ سے نہایت سخت پرہیز ہوتا تھا۔ اتنا سخت پرہیز کہ میں والد صاحب کو کھانا نہ دے دیتا تھا اور اس کی وجہ سے خوش ہو جاتا تھا کہ میں نہ سہی میرا باپ تو کھانا کھا تا کہ ہے اور اگر وہ کبھی شو بے میں ڈوبی ہوئی انگلی چٹا دیتے تو وہ تک چٹائے لیتا تھا۔ شاہجہان کی امی دہانے میں سب سے پہلا شعر میں نے کہا تھا جس کا مطلع تھا کہ م

نہ فاما نہ پانی میں کس سے کہوں

اور سے میرے اشد میں کیا کہوں

اس وقت میری عمر پانچ سال کی تھی اور یہ واقعہ میں نے نہایت قراڑ کے ساتھ کئی مرتبہ والد محترم اور والدہ محترمہ سے سنا اور کچھ مجھ میں نہ اُسکا کہ یہ شعر مجھ سے کیونکر سرزد ہو گیا۔

میں نے اپنے جوش کی آنکھیں بھوپال میں کھولیں جہاں والد محترم یو۔ پی۔ پریس سے مانگ لیے گئے تھے اور نیکلو جزل پریس گئے۔ میں اس اسکول میں دو سال ہی رہنے لایا تھا کہ والد صاحب کھنڈ آ گئے۔ کھنڈ میں میرا واحد چرخ مشین ہائی اسکول میں چر گیا اور پھر گورنمنٹ ہائی اسکول حسین آباد میں آ گیا۔ جہاں میٹرک فیل ہونے تک رہا اس لیے کہ اس زمانے میں کھنڈ میں فیل ہونے والے کلکتہ جا کر پاس ہونا کرتے تھے لہذا مجھ کو بھی کلکتہ جانا پڑا اور پھر کھنڈ آ گیا



ہمسفر کی نظریں

(ہجرت فی کار)



ڈاکٹر سر محمد اقبال

غائب فر

آپ کا محمود بنار کے خیمہ مقام بنے دیئے ہر
ہر مر کہ نہ ہنر کہ آپ نے ہوں پناہ میں
جوت ہے اور لغت حکایت خوب تکیر
زادہ نکلے سے فاعر ہوا کہ گام سے بھلے

۵۰ - ع محمد اقبال ۱۴۱۱ھ

نور اللغات

باب نور اللغات قلعہ قاری محمد اکبر

دیباچے

(۱)

مرزا فرحت اللہ بیگ

عالمی مقدمات کی دو قسمیں ہیں، دیوانی اور ذہنی، اسی طرح کتابوں کے مقدمات بھی دو قسم کے ہوتے ہیں، تعریفی اور تعارفی، تعریفی مقدمات صرف گزشتہ اہل فکر کی کتابوں پر لکھے جاتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خود اپنی تعریف کی جائے اور لوگوں کو متاثر کیا جائے کہ

منہ نہ دہا۔ ہندوستان

وکر نہ یٹ جو درسیہ تان

۱۔ قسم کا مقدمہ لکھنے والے ائمہ کے فضل سے ہندوستان میں بہت موجود ہیں۔ تعارفی مقدمہ اس لیے لکھا جاتا ہے کہ پبلک سے مصنف کا تعارف کروایا جائے اور اس کی تحریر کی خوبیاں ظاہر کر کے لوگوں کی جیبوں میں اٹھ ڈالا جائے۔

۲۔ طوفانِ تبسم پر مقدمہ تعریفی لکھنے کی کنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ بفضلِ خدا اس کے مصنف ابھی تک بقیہ حیات میں اور خبر نہیں کہ کب تک زندہ رہیں، اب رہا دوسرے قسم کا مقدمہ یعنی مقدمہ تعارفی تو لکھے کیا کسی کو بھی اس کتاب پر ایسی کوئی تحریر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، ہندوستان کا کوئی بڑا کھانا شخص ہے جو شوکتِ قاضی کو نہ جانتا ہو اور ان کی تحریر کی خوبی سے واقف نہ ہو۔ ایسی صورت میں ان کے مجروحہ مضامین پر کچھ لکھنا بھی کے بندے کے سامنے پیسہ کی دو دوا کی موم قلیاں جلانا ہے ہاں اگر کچھ لکھا جاسکتا ہے تو اس پر لکھا جاسکتا ہے کہ آخر آج کل کے اہل قلم لکھتا اور لے دوڑی ہو کر بنے ہوئے ہیں۔ ہماری کچھ میں تو یہ آتا ہے کہ زمانہ کے افسوس اس میں سب پریشان ہیں خاص کر اہل قلم کی تو یہ حالت ہے کہ :

ہاتھ ملے نہ مٹھی ہبستانی امٹی

بیچا ہے ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں جب رزقِ کدو واڑہ کسی طرح نہیں کھاتا تو سوچتے ہیں کہ لاؤ پبلک کو ہم نے اپنی تحریر کا گدیہ تو کر ہی دیا ہے کچھ انھیں سے ٹکے کما لیں، بس ایسی کی وہی کیفیت ہے کہ ہماری پچھلے تو دھڑکی بجا کر لوگوں کو اکٹھا کر لیتا ہے اس کے بعد اپنے کمال دکھا کر ان کو خوش کرتا ہے اور پھر چھٹی ہاتھ میں لے کر

ہر ایک سے کہتا پھر تاج کہ "وہ جیت" اور "جی جیت" کہ بچانے، اہل علم اس طرح نہ کہہ رہا تھا جس کے برعکس اس شخص کے پاس علم کے اگر کوئی گارڈ پین ہے تو وہ اس مادہ سے اس دانہ کر سلاو دوسرے انہی ملک کے علم کے خصوصیات کے لیے دو خط پر خطا، نگار پر نگار اپنے حلقے میں لکھی یہ کہیں میں ہوا کہ کوئی نہ کے ساتھ منی آؤ اور بھی آپ کے اور اس طرح بچانے کو تھوڑے ہی دور کے لیے دورانی خوف سے الجھنا ہو جائے، جب یہ صورت بروز تھا کہ کے بجائے کیوں نہ چھپیں اور کیوں نہ پہلک پر علم کیا جائے کہ اس دو خرید و بیوہ کے کہ کمال اس فکر کی کتابوں کا بڑا دور سے ہوا یہ ضرور ہے کہ بعض اہل قلم تو اپنی کل برد میں برسی والا بلا غرض خاص اہل علم کے کھڑے کی جیتے ہیں اور بعض کی کتابیں واقف ایسی ہوتی ہیں کہ اس کے خریدنے کو دل چاہتا ہے: عرضا ہی مجبوری، جی ایک ایسی کتاب ہے جس کو پڑھ کر شاید ہنر مندوں سے ایک جی نہ کہے گا کہ "ہائے"۔ "ہائے" وہ بول گئے۔

طوفانِ قسم : واشند کیا عجیب غریب نام ہے۔ طوفانِ موت کے متعلق تو سننے آئے ہیں کہ ایک بڑھیا کے خور سے نکلا تھا لیکن یہ طوفانِ قسم آخر کس کے؟ اٹار بڑی دینک۔ وچارہ۔ سوچا رہا۔ آخر کچھ میں آیا کہ شاید ہی خور کی شکل ہے اور ”قسم“ ہمیشہ ہنروں ہی ہوتا ہے۔ شاید اس سبب سے یہ نام خور پر رکھا گیا ہے۔ مگر یہ بات ہے تو۔ واشند بڑی ورد کی سوجھی۔“

اس گھر کے سامنے مضامین خوش مذاقی میں تجلے ہوئے ہیں۔ میری ہمشیرے یہ دیکھ کر کہ اس طرح کے مضامین لکھنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ شعر کی تعریف کی گئی ہے جب وہ پڑھا جائے تو ہر شعر لکھے کہ میں جی ایسا شعر کہہ سکتا ہوں لیکن جب لکھنے لکھتے ہیں تو بڑے بڑے سبب مل جاتا ہے۔ وہ دفعہ غم و دہائیوں میں اور ویسا ایک شعر لکھ سکیں، بس یہی حال خوش مذاقی کا ہے۔ ہر شخص پڑھنے وقت تجلے کے کہ یہی میرے دل میں ہے۔ لیکن دل کی اسی بات کو زبانِ قلم پر لانے والے ڈھونڈنے ہی کے کچھ عین تو طیس و دور کیوں جاؤ، خود اپنے ملک کی حالت ہی دیکھ لیں یا ہزاروں اخبارات اور سینکڑوں رسالے چھپنے اور بکتے ہیں اور شاید ہی کوئی پتھر ہر گرجا میں خوش مذاقی کا ایک آؤدھ مخصوص نہ ہو تا ہر لیکن بس سمجھنے ہی دیکھئے۔

ہے اب شرط منہ نہ کھولیں

یہ ذہب جانتے ہیں کہ جسم کو طرح پرید کی جانب ایک تو شخصیت "ذکر کثر" پیدا کرنے سے، دوسرے واقعات کو اس طرح بیان کرنے سے کہ خواہ مخواہ پڑھ کر ہنسی آئے، پہلی صورت کی زندہ مثال چارلی چپلن اور دوسری کی میرلز لائیڈ موجود ہے۔ ہر انسان میں ایسے پہلو موجود ہیں جن کا سلیقہ سے بیان کرنا لطف سے خالی نہیں ہوتا اور ہر واقعہ میں کوئی نہ کوئی صورت ایسی نکل سکتی ہے کہ اس کو خوش مذاقی کا رنگ دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً کسی کا بیچ بازار میں مگر نا کوئی ہنسی کی بات نہیں ہے فطرت کا تقاضہ ہے کہ گرنے والے کی مصیبت پر ہاتھ بڑھ دی کیا جائے لیکن اگر کوئی کالے صاحب سوٹ باڑٹ سے آراستہ مینک لگائے، سگریٹ چیتے، سین بجاتے، بیت پلوتے اور منہ باز ادا والوں کو اپنا زور غرور پر ظلم سمجھتے ہوئے مارے ہوں اور ایک دفعہ ہی بیچ شرک میں ان کا پاؤں آم کی گٹھلی پر سے دپٹ

بانے اور وہ چاروں خانے چیت آریں خود بچے کہ ہیں جذبہ بند۔ وی کس طرح جلد نفس کی صورت اختیار کر لیتا ہے
عرض ہوا قصہ میں غمناک یہ پہلو موجود ہے شاید میرا ہی ایک شعر ہے سے
ہجوم یاس میں بھی کچھ نہ لکھا میدیتی ہے
بھلا کس غم میں بھی ہے اک نہ اک پہلو سرا

سی مسرت کے پہلو پر شوکت صاحب نے اپنے ضامین کی بیوہ بھی ہے۔ اب وہی کھبانی رحمت محسنہ کا نام
اور پتھر سے میرا یاد کرنا، اسی جیسے اہل محراب کا ہے۔ ورنہ مرنے والا ہے کہ عرض احباب درد منی کو سونا اور شیشے کو پیرا
سمجھ کر پتک نے بندھے پیش کرتے اور غالب زہر ہوتے ہیں کیسی پتک کچھ ایسی اندھی زہر ہے نہیں کہ مٹی اور سونے میں
یا شیشہ اور میرے میں نہیں نہ کر سکے، وہ ان چہرہ کو دیکھتی اور جس کو خاموش ہو جاتی ہے۔ اس کا فنی جوا کی کھل
ہوتے ہیں ان کی قدر کرنے کے بعد ضرور کی جاتی ہے۔ شوکت صاحب بڑے خوش نصیب ہیں کہ ان کی زندگی ہی میں
پتک ان کی تحریکیں دلا دلا دے ان کی خوش مذاقی کی مداح ہے ورنہ عام طور پر تو زمانہ کی یہ حالت ہے کہ م
نفس نمی رس کہ جیسا کہ سنتی

اے بیرو - - - ہے کہ شوکت صاحب مقدمات کے ذریعہ سے اپنا تعلوت کرانا چھوڑ دیا اور محض اپنی
تحریرے جاں میں وگوں کو چھلنے کہیں ورنہ خدا نخواستہ کہیں یہ صورت پیدا نہ ہو جائے کہ
رانے برتنے لکھتا ہوا
آج نہ مسائل ہوا

(۲)

خواجہ حسن نظامی

خدا رکھے منشی جی چالیس کے ٹک جگ ہیں مگر تیج سعدی و ساز تہ خلعے ان کو دہلے، لہذا شیخ سعدی بھی
چالیس برس کی عمر میں کر یا پڑھتے تھے اور کہتے تھے۔

چن سال عمر عزت گذشت

مزارع نواز حال غفلت

تہ چالیس برس لے جوئے کو آئے مگر پتہ نہیں نہ کیا۔

پھر اگر منشی جی چالیس سال کی عمر میں بسم اللہ پڑھنے بیٹھے اور ان کی بیوی نے دقت سے پہری کو بلایا اور اس مرتبہ
بلایا کہ خط لکھے۔ میں ہوں دیئے و تار مچھے، ریڈ نہیں ٹھڑی کھڑی بنا، اب نہیں پیر جیٹے غنوا لے دی باری کی مگر
کا موسم تھا، تو چل رہی تھی، لکھنے کے مریزوں کی بہار تھی۔ پیر جی ریل سے آترے اور سیدھے منشی جی کے گھر پہنچے، دروازہ
پر آواز دی۔ اسے بیان منشی جی وہم و گم سے اگئے۔ منشی جی نے اندر بیوی سے کہا۔ اسے بی منشی جی وہ وہ پیر جی آگئے
تہ نے تو اب تک بلاوا بھی نہیں جیسانہ کاغذ والے آئے و نہ پانی دیں آئے، نہ چھاپے خلعے والے آئے، تم کہتی تھیں کہ
ان سب کو بلاؤں گی۔ گھر میں شاوی نہ چاؤں گی، ورنہ تو پیر جی سے بے شک نہ ہواں گی۔

بیوی نے کہا تو باہر جاؤ، ایک کرسی دروازے پر ڈال دو، پیر جی بیٹھ جائیں پھر حقہ پیجے ہیں، پیتے ہوں
تو اپنا حقہ لے جا کر سلنے رکھ دو، میں ابھی پان بنائے وہی ہوں، اتنے وہ حقہ پیئیں، پان نکالیں، اتنیں تم جا کر
کاپی نویسوں کو بلالو جتنے بھی لکھنے میں لیں۔ کاغذ والے جی جہاں جاسے طے جائیں بلاوا دینے مانا، اور چھپلے خلعے
بھی جتنے رستہ میں ہیں سب کو آواز دے دینا کہ بھی آؤ ہماری بسم اللہ ہے، پیر جی دقت سے آئے ہیں، ہماری بیوی
نے بلایا ہے، دروازہ کے باہر بیٹھے حقہ پی رہے ہیں، پان نکال رہے ہیں، جلدی سے آجاؤ تو ہم سب کے سامنے بسم اللہ
پڑھیں۔

منشی جی گھر آئے، کرسی باہر بچھائی، حقہ تازہ کوکے چلم بھری، باہر لے جا کر پیر جی کے سامنے حقہ رکھ،
پان کا خاصہ ان بھی پیر جی کی گرد میں رکھ دیا اور کہہ دیا کہ پان کی پیک ویرا پر نہ ٹھوگے گا وہ جو سلنے دے گا جاتی

ہے اس میں جا کر جو کئے گا۔

منشی جی اس کام سے فارغ ہو کر بلاوا دینے چلے تو بیوی نے کہا، اے ہے میں تو قبول نہیں، ایک بڑا ضروری بلاوا تو باقی رہ گیا، وہ جو ریڈیو دے دے اس کے ہاں بھی جاوا، رکھ دینا کہ ہم دونوں میں بیوی بھلائیے اس آگاہی میں باقی کیا کرتے تھے۔ اور ہماری باتوں سے خوش ہو کر لوٹ کر توبہ جابا کرتے تھے اس وقت ہمارا نام سکونی تھا، کینہہ ہرنے کیا نام اپنا غلط بنا یا تھا، کچھ بات ہی ایسی تھی، یہ کہنا شکی نہ تھا کہ ہمارا نام شولت تھا تو ہی کچھ کینہہ ہم کو دور تھا کہ ریڈیو والوں کی بارڈر بسٹنے والوں کی ہم کو نظر نہ لگ جائے، اس واسطے ہم نے ایسا نام بنایا کہ ہم پر جی کے تھے جوئے سکونی کا ہم نام سکونی تھا۔ اب ہم آئے ہیں اور آپ سب کو بلاوا دیتے ہیں اپنے اصلی نام سے کہ ہمارا نام حضرت مولانا شولت صاحب تھا تو ہی ہے۔ ہم مروی بھی ہیں، ایڈیٹر بھی ہیں اور منشی بھی ہیں اور جی بھی ہیں اور یہ تو آب جلتے ہی ہیں کہ ہم کو ہماری بیوی نے بہت اللہ آمین کے ساتھ پالا پر سا ہے اور اب جبکہ ہم میں اور میں پورے چالیس برس کے ہو گئے ہیں تو ہماری بیوی نے ہم کو بسم اللہ پڑھانے کی شادی رکھائی ہے، اور دلی سے ایک پیر جی کو بلایا ہے، ہم کو بھی بلاوا دینے آئے ہیں، اور بیوی نے یہ جی کہہ دیا ہے کہ ریڈیو والوں سے پرہیز بھی لینا کہ جو باتیں ہم دونوں نے ریڈیو میں سنائی تھیں وہ ہم کو اپنی نوکری سے لکھو، میں گے اور چھاپے خانوں میں نافذ پر بھیج دیں گے اور وہ سب گیارہ رات کی باتیں ہوں گی۔ ایک یہ کہ منشی جی نے کافی کئی دوسرے یہ کہ منشی جی نے چائے بنائی، قہیر یہ کہ منشی جی نے خط لکھا، جو بھی یہ کہ منشی جی نے دوا پی، پانچویں یہ کہ منشی جی نے صفائی کی، اپنا داری کی نہیں، اپنے گھر کی چھتے یہ کہ منشی جی نے اپنی تصویر کھینچوائی، جرمنی کے بنے ہوئے فوٹو میں، ساتویں یہ کہ منشی جی خود بازار سے سودا لے آئے تھے کہ یہ کہ منشی جی بسم اللہ پڑھنے سے پہلے دوسروں کو سبق پڑھاوا، نویں یہ منشی جی لکھنؤ سے خبر نہیں کہاں کہاں کا سفر کیا، دسویں یہ کہ ایسی بے روزگاری کے زمانے میں منشی جی کو خدشہ نہ ہو کہ وہ لڑکے ہو گئے گیارہویں یہ کہ منشی جی نے پورا ناما مکان بدل دیا، پس کیا دھوپ شریف کی یاد میں پیر جی آئے ہیں تو یہ گیارہ راتوں کی بات جیت ہم چھاپ دینا چاہتے ہیں اور شائع بھی کر دینی چاہتے ہیں آپ سب لوگوں کی اجازت سے اور مہربانی سے جس کو ہندی زبان میں کر پا کر نا بھی کہتے ہیں، مگر دیکھنا جب تم کہ پا کا لفظ بولو تو کہہ یا نہ کہہ دینا، نہیں تو بسم اللہ کے وقت ہر شکر گونی ہو جائیگی کہہ دینا کہ اس شادی میں چا چا بھی آئیں، بدھو بھی آئیں، ماموں جان بھی آئیں، اور بھی جو دلاں بیٹھے ہوں، سوتے ہوں، جاگتے ہوں، چائے پی رہے ہوں، چرٹ پی رہے ہوں، مونچھوں والے ہوں، موچھ منٹے ہوں، سبھی کو بلاوا دے دینا، گھر بدل ہی لیا ہے، جگہ کم سہی، جیتیں گے نہیں، کھڑے رہیں گے۔

آخر منشی جی سب کو بلا لائے اور لکھنؤ کے خربوزے بھی گیارہ لڑکے بھر کر ساتھ لیتے ہوئے بیوی نے سنا تھا کہ اگلے زمانہ میں بادشاہوں اور پیروں کے لیے سوا لاکھ روپے کا جہیز بنا یا جاتا تھا آج انھوں نے خربوزوں کا جہیز بنا یا اور اس پر پیر جی کو بٹھایا۔ پیر جی نے منشی جی کو پاس بٹھا کر یوں بسم اللہ پڑھائی۔
 "پڑھو میاں بڑے طوطے بسم اللہ۔ اگر ملے۔ اگر صبر۔ اللہ کا نام لے کر شروع کرتا ہوں چالیس برس کی عمر میں"

لفظاً پڑھنا، اس اللہ کا نام لے کر جو بڑی رحمت والا ہے اور جو بڑی بندہ نواز فی کثر اور جلت ہے۔ وہ اللہ جس نے ہمیں پیدا کیا، ہمیں بڑا کیا، ہمیں بڑا کر کے، ہماری جان بوائے، شینک بوائے اور پھر اس نے شیطان کو بھی پیدا کیا اور اس سے لڑا تو نے آدمی کی دشمنی پر کمر باندھ کر کئی نوے برس تک یہ کھیلنا چلے کر دیکھیں اے آدمیوں کو کتنی ہی کرے۔۔۔

پڑھو منشی جی اپنے خیر کا نام لے کر بس نے آدمی کو حکم دیا اور قلم دی۔ جب یہ یہی نے لیا۔ قلم دی۔ تو سب نے
 ہنسنے لگے۔ پھر منشی جی کو پتہ چلا ہے کہ یا منشی جی کی ہری کو، ہون کو کہ قلم دیا۔ پھر یہی بولے "ہاں میں قلم غم دیا،
 سر کٹا ہے، اور لے گیا ہے، اور وہ بھی جس کو جیسی قلم لے گیا ہے اور وہ بھی جو آدمی غم کٹا ہے اور وہ بھی جس کو
 خیر و خیر و غالب غم، اور شرف قلم، اور غم و غم بھی گئے ہیں اور یہی آدمی کے غم میں اس سے غم ہے۔"

اس کے بعد یہ جی نے کہا۔ (ابھی بسم اللہ پڑھاوی۔ اندر خوشی جی کی ہوئی کہ ہماری طرف سے مبارکباد ملے
 فشتی جی بولے ابھی بسم اللہ کہاں ہوئی، جو آپ مبارک سلامت لے گئے اسی جناب میری اور میری جہی کی
 تیار و رات کی بات چیت جو میں ریڈیو راولوں سے چھاپنے اور شائع کرنے کے لیے زبان خود و لعلم خود مانگ کر لایا
 ہوں تاکہ سن سنے اور ضرورت کے وقت کام آئے وہ جی تو پڑھا دیجئے۔ پیر جی نے کہا ابھی داسنہ ہے اور اس کے
 بعد یہ جی نے خیر و بدوں کے چھوٹے پر جیسے جیسے یوں زبان کھولی۔

مٹھی جی اودان کی جیوی اور ریڈیو والوں اور فانی نویسوں اور کاغذیوں اور مچھاپے خانے والوں سے اگر مسکماں ہوں تو سلام اور جہد و ہوں تو رام رام کے بعد ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہر دلی سے گھنٹیں آئے ہیں اور گھنٹوں سے یہ غریبوں سے کھانے اور ٹانے کے بعد ہر چہرہ دل پر کستہ کا پیو طر خان بس میں واپس جانے والے ہیں، آج وہ گنا ہے اور پ میں لڑائی ہو رہی ہے، انحرزہ، فرائض، امگی اور جبر نہیں کون کون آپس میں لڑ رہے ہیں بہت گری ہے۔ بہت خاک ہے اور ہم کو بہت غصہ ہی آ رہا ہے۔ کیونکہ ہم اکو لے کر کر ایوینے کے لیے پانچ روپے فوٹ بازار میں کھانے کئے تو کسی نے روپے ہم کو نہیں دیئے اور ہم نے غصہ سے ماسے پر مارا تو فوٹ بیٹے والے نے منہ پر کھینچ مارا یعنی اس کو کچا ہی فوٹ سے دیا کیونکہ وہ کسی سے نہیں نہ سکا۔

بسم اور بھائیوں ہم مولانا شرکت صاحب تھانوی کو جانے ہیں اور ہم اس سے بھی آگاہ ہیں کہ انھوں نے لکھنؤ ریڈیو میں گیارہ رات تک سکونی کے نام سے جو باتیں اپنی بیوی سے کی تھیں وہ ہم نے اور سب جارت ماما کے سپوتوں نے اپنے اپنے گھروں اور دکانوں اور ہوٹلوں میں سنی تھیں اور وہ باتیں ہم کو حیثیت گھر سدھار کا کام کرنے کے گھر سدھار کے لیے بہت ہی اچھی معلوم ہوئی تھیں۔ ہم کو ان کے سننے سے ہنس بھی آتی تھی اور ہمارا مع آل اولاد و امجاد کے جی خوش بھی ہوا تھا اور ہم نے اسی سے بہت بھی بیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ جب منشی جی کی بیوی نے ہم کو دتی سے بسم اللہ پڑھانے کے لیے بلایا تو ہم نے خواہ اپنے کان میں کہا کہ جی یہ انہی گنگا کیوں بنے گی۔ ہم نے تو خود منشی جی سے گیارہ رات تک سبق پڑھا ہے، وہ ہم سے بسم اللہ کیا پڑھیں گے مگر خیر ہم کو عورت ذات کا کہنا ماننا ضروری تھا، اس واسطے ہم آگئے اور اب ہم بسم اللہ پڑھنے کے بعد یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں اپنے عقل و دھواں کی سلامتی کی حالت میں اہل تقیہ کے ساتھ کہ اب ہم

کو پاکی و پے کاوٹ نہ جسے کاغذ نہیں ہے اور خندے دل اور خندے دماغ کے ساتھ ہم یہ سب کچھ عرض ہی کر رہے ہیں اور دیا جی بے میں کہ جب نیارہ کی گیارہ کمائیاں کتاب کی صورت میں چھپ کر تیار ہوں تو پہلے مفسر نے یکم اس کو پڑھیں اور اپنے سب بچوں کو پڑھائیں۔ ان کے بعد گاندھی جی اور ان کی دھرم بھتی اور ان کے بچے اور پھر جیل اور ان کی جٹی اور پھر پھر اور پھر پنجاب اور سندھ اور دھراس اور بمبئی اور سی پنا اور لویہ اور بہار اور بنگالہ اور کسٹا اور برما کے سب نو وزیر اور وزیر اور اسکولوں اور کالجوں اور پانڈے شافروں اور مکتبوں کے پڑھنے والے اور پڑھنے والے اور وہ سب جی لاپتہ اور اپنے بچوں کے اور اپنی بیوی کے خوش کرنے کی ضرورت ہو اور سلیقہ مند اور سکھڑ بانے کی ضرورت ہو وہ سب ان گیارہ کمائیوں کو نہ پڑھیں اور معنی پڑھیں اور اشارت پڑھیں اور کنایت پڑھیں اور مچھاپہ خانے کے مشہور کالے قانون سے کہ ہے کہ جس طرف جی ملکہ ہو اس کو پڑھیں پڑھائیں اور مولانا شریعت خانوی سکونی دہلوی دہلوی کے حق میں دماغی خبر کو کہ اللہ تعالیٰ ان کو یہ بسم اللہ پڑھنی ایسا مبارک کہے کہ یہ ہمیشہ چاہیں ہی برس کے رہیں لیو کرم جس کو بسم اللہ پڑھتے ہیں تو صراطِ مستقیم ہی پڑھاتے ہیں اور مستقیم راستہ یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کے راستے میں ثابت قدم رہے یعنی نہ آگے بڑھے نہ پیچھے ہٹے بس ایک جگہ پاؤں جائے کھڑا ہے۔ لہذا مولانا شرکت بھی جی کہ ہم سب اچھی خوشی بڑے مذہب میں رکھا ہے اور جی کی عمر مبارک چالیس سال ہے وہ نہ کہیں ۹ سال کی طرف جائیں اور نہ بھی انہی کی طرف قدم بڑھائیں۔ کہیں سب حاضر ہیں! اے خدا! اے گاؤں سے پھر ایسا ہی کر۔

(۲۱)

مرزا عظیم بیگ چغتائی

ایک وکیل کو مقدموں سے کو ان تک وسیع برکتی ہے۔ اس کا اندازہ شاہد کوئی نہیں ہی لگ سکے پھرئے نہیں تو یہ نہیں دیکھتے کہ مقدمہ فوجداری کا ہے یا دیوانی کا یا کسی مذہبی بات سمیت۔ انھیں مقدمہ سے مطلب، لہذا لگے چنداں فرقہ نہیں کہ اس "مقدمہ بازاری" کے لیے کوئی معقول حد نہ لاشوں، بلکہ شاید میرے لیے یہ ناممکن ہو گا کہ اس فریت کے کسی "ادی مقدمہ" کا وجود تو بڑی چیز ہے ذکر بھی اپنے رجسٹر مقدمات سے نکال کر پیش کر سکوں۔

مجاہدان، لگے فرہے کہ میں حضرت شوکت قاضی جیسے مسلک ادیب اور مزاجیہ خارجی ایک بہترین کتب پر مقدمہ لکھ رہا ہوں کسی کتاب پر تو یہ کا لطف خاص طور پر جب حاصل ہو سکتا ہے جب مصنف کے ہم عصروں کے مضامین بھی پیش نظر ہوں۔ دراصل موازنہ ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعے سے مضامین کا حسن لطف حاصل ہو سکتا ہے۔

موجودہ دور کے مزاجیہ نگاروں کی اگر فہرست تیار کی جائے تو حضرت قاضی عوڑی سے لے کر ہر وہ شخص مزاجیہ نگار ثابت ہو جائے گا جس نے کوئی مزاجیہ مضمون دیکھا یا سنا ہے لیکن اگر واقف دیکھا جائے تو چوٹی کے مزاجیہ نگار صرف قیچہ چار ہیں۔ آقا فرحت، حضرت پطرس، مشرب شیدا محمد صدیقی اور شوکت قاضی اور بعد اس کے قاضی کے فضل سے سب ہیں چنانچہ ہم خود ہی کہتے ہیں کہ ہم بھی ہیں پانچوں سواروں میں "یعنی اگر میرا نلم یا حضرت قاضی عوڑی کا نام اس میں اور جوڑ دیا جائے چنانچہ سب پہلے ہی خود اپنے ذات سے تنقید شروع کرتا ہوں یہ محض اس وجہ سے کہ پہلے سے جلدی کی طرف چلتا زیادہ بہتر جوتا ہے۔

قلمتہ کو مختصر تو دو لفظوں میں اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ شوکت مجھ سے نہ صرف اچھا لکھتے ہیں بلکہ بہت اچھا لکھتے ہیں، بہت ممکن ہی نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ خیال کریں گے کہ میں یہ بات دل سے نہیں لکھ رہا ہوں محض اس لیے کہ شیطان ہر مزاجیہ نگار کے کان میں یہی جھوٹ گیا ہے کہ "بیٹا قلم سے اچھا کوئی نہیں لکھ سکتا" مگر واقعہ یہ ہے کہ مزاجیہ نگار میں شوکت کی میں گرد و کو نہیں پہنچ سکتا۔ اگر افسانہ نویسی اور مزاجیہ نگاری میں کوئی فرق ہے اس بات اس کو محسوس کرنا چاہتے ہیں تو میرے افسانے اور شوکت کے مضامین دیکھئے پھرے مضامین مزاج کی یک چاشنی اور

زبان کی لطافت اور شگفتگی سے خالی نظر آئیں گے۔ سونے کے میری تمام مزاحیہ نگاری کا وار و مدار محض مہم فسادیت ہے۔ یعنی پلاٹ ہمہ ہے۔ پلاٹ نکال دیکھئے تو پھر کچھ نہیں رہ جاتا۔ ایسے شوکت بغیر پلاٹ کے ایسا مضمون لکھتے ہیں کہ میل بہترین ہے۔ بہترین پلاٹ اس کے آگے کچھ نہیں۔ بھروسہ نہ رہے نظر مجموعہ میں ”بیوی کا پودہ پگینڈا“ دیکھئے ملاحظہ ہو دوست کی حماقت کہ جو رت و روتوں کے خلاف جوتی پہ ”دھار“ رکھے جو کس ہے اور شوہر صاحب میں کہ خود بخود گناہ کا پودہ پگینڈا کرنے پھر ہے جس۔ کس قدر وہاں بیات آگے کھاتے ہیں پھر شوکت ہی کا حصہ ہے اور کس خوبصورتی سے آمون کی تعریف کرتے ہیں و کچھ پیام چھوٹے ضرور ہیں اور ان کا رشتہ جی بہت بڑا ہے لیکن مجب پر کیف آم ہیں تم ان کی کٹھاس پر۔ جاؤ سبحان اللہ! اور نہ اس کی کمی پر غور کرو۔ ”مزاحیہ نگاری اس کو لکھتے ہیں۔“

اور اصل مزاحیہ نگاری کا یہاں کمال نظر آتا ہے اور یہی شوکت کا اصل رنگ ہے پھر لطف یہ کہ آخری جلد اس کا ”اور اتنے سے آم میں گھٹل نہ دیکھو! ماشا اللہ کتنی بڑی ہے۔“ بعد اس تو دس جہنوں جب بھی یہ بات ہرگز نہیں پیدا کر سکتا جو اس جلد میں ہے با انصرض کرشنش کروں یا کرتا تو لفظ ”ماشاء اللہ“ کا یہ استعمال و جدا میری دانست میں شوکت اس سے بڑھ کر مزاحیہ نگاری کی خود اپنے یہاں ہے جس کوئی مثال مشکل سے پیش کر سکیں گے مضمون کی برونی کو میڈی اس لفظ ”ماشاء اللہ“ میں بند کر دی ہے ساتھ ہی لطف یہ ہے کہ گرنی کے مضامین کا محض پلاٹ پر دار و مدار نہیں ہوتا لیکن اس سے یہ مطلب نہیں کہ شوکت کے یہاں پلاٹ کی خوبی ہی نہیں ملے گی بلکہ شامت کو ملاحظہ فرمائیے تو اس میں ایک معمولی سے واقعہ کے ساتھ قصہ کو کتنا عمدہ پلاٹ دیا ہے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ ”بیوی کا پودہ پگینڈا“ جس کی طرح پلاٹ سے خالی نہیں مضمون کے آخری حصہ میں بہترین ”ٹریڈ“ ہے۔

قصہ مختصر یہاں تک میرا اور شوکت کا تقابل یا موازنہ ہو سکتا ہے جس ایک افسانہ نویس یا ناول نویس ہی کہ شوکت کے پایہ کو چھنے کی کوشش کر سکتا ہوں تو کینیت مزاحیہ نگار کے شوکت کا رنگ میرے لیے قابل تقلید ہے نہ کہ قابل تنقید۔ اور اصل مزاحیہ نگاری اور چیز ہے اور افسانوں میں عشقیہ معاملات اور شوخی و شرارت سے جاننا اور بات ہے۔ قصہ مختصر میری مزاحیہ نگاری میں عشق و محبت کی داستان زائد ہے اور اس چیز کو دوسرے مزاحیہ نگاروں نے بالخصوص نہیں چھوایا ہے۔

اس کے بعد میں چوٹی کے دیب کو لیتا ہوں یعنی آکا فرحت۔ لوگ کہتے ہیں کہ آروان کے گھر کی لونڈی ہے اور میں کہتا ہوں کہ ادب کے تمام صیغے اور تمام حکمے ان کے غلام ہیں۔ آکا فرحت کس گھر بند ہیں۔ مزاحیہ نگاری افسانہ نویسی اور حد ہو گئی شاعری میں۔ لہذا ان کا شوکت کا مقابلہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ شوکت ایک خاص فلک ادب کے مالک ہیں ملکہ آکا فرحت کے یہاں تو وہ چنگیزی پر حملہ رآمد ہے۔ ملکہ ان اناخروہ کہوں گا کہ آکا فرحت کو زبان کی بڑی بھالی جیت ہے۔ جس میں آتا ہے پلاٹ سے مزاحیہ نگاری پیدا کر دیتے ہیں اور جی میں آتا ہے زبان ہے۔ اور جی میں آتا ہے ”یونہی“ آکا فرحت کی زبانی مزاحیہ نگاری کا کمالی اصطلاح سخن پر میرے خیالات میں آتا ہے مضامین فرحت سے ملے دیکھئے۔ اور اس ادب کے شاہکار اور زبان کی زبردستی کو دیکھئے کہ کس غضب کی مزاحیہ نگاری ہے۔ آکا فرحت کا مقابلہ شوکت

اپنے رنگ میں ضرور کہتے ہیں اور جہد تک اپنے رنگ کا پانچا برہنہ ضامی کے لئے قانع ہے شہادت بھی اس سے کم نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ آکا فحمت یہ پڑھ کر ایک پھر پڑی میں اور دوسرے کھینچیں گے۔ میں بھرتا ہوا ہوں۔
حضرت پطرس کریمؑ کو کچھ بھی چند ضامی ان کے موجود ہیں وہ مخزون میں جگہ آویزی ہیں یہ ہیں میں میں سرور
امان کے مضامین کا موازنہ کرنے سے قاصر ہوں۔ ایک عجیب قاطعی بیان عربی پورس کے جملوں میں ہے۔ شہادت کے
ہاں انہی ہی خوبصورت چیزیں ہیں مگر جنس اور ہے۔ وہ دونوں کی مزاحیہ نگاری اپنے اپنے رنگ میں خوب کامیاب ہیں
اپنے اپنے رنگ کے بادشاہ ہیں۔

حضرت علامہ موزی کسی زمانہ میں ملک کے راجہ اور ہندو جیٹھ میں اور اپنا تیار اور نور و رنگ کے
آئے اور بھل چیزیں کی اور جہاں کی قدر ہوئی وہ اس کے مستحق تھے مگر ان کے ہاں کی نئی چیزیں ان کو کر رہ گئی۔
کی جدت قابل تعریف ہے مگر بار بار ایک ہی بات دہرانے کی معیوبیت کے لئے ستم ہو گیا۔ نئے مباح کی وادہ
ایک ایسا جملہ تھا کہ تباہی کی جدت اور مزاحیہ نگاری اس میں موجود تھی لیکن یہ جملہ خود حضرت علامہ موزی نے معہ مباح
ہر معنوں میں کوئی سروقت استعمال کیا۔ حتیٰ کہ اس کا استعمال بد مذہبی فحش ہو کر رہ گیا ہے۔ جانے جنسی کے باب میں
جملہ کر پڑے کر دنا آتا ہے۔ قصہ مختصر علامہ موزی کی تمام مزاحیہ نگاری کا دار و مدار جملوں پر تھا جو بار بار دہرائے
جائے اور اب ان میں کچھ نہیں رہ گیا۔ پھر خیر سے ملا صاحب از خود مزاحیہ نگاری کو چھوڑ کر بیڈری کے چکر میں پڑ گئے
اور اپنی قسمت انہوں نے جمیعہ العلما سے وابستہ کی کچھ اور یہی کہ ناشر و راجہ کر دیا۔ یعنی فی الحال بقول مسٹر رشید احمد
صدیقی، ملا صاحب اپنا نام اور دوسروں کی نگرانی اچھلنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ پھر اس سلسلہ میں انہوں نے قصہ کا
انا زیادہ استعمال شروع کر دیا ہے کہ کوئی شائستہ آویزی پر چہ ان کے اس سبب دشمن کا قتل نہیں ہو سکتا ہے جو وہ
علی گڑھ کالج کے خلاف بالخصوص اور مذہب اور انگریزی تعلیم یافتہ جماعت کے خلاف بالعموم اپنی ذہانت پرستی کے
رنگ میں کر جاتے ہیں اور پھر لطف یہ کہ مزاحیہ نگاری اور تھارت دونوں مقاصد کو انہوں نے مدغم کر کے دکھو یا اور
ساتھ ہی اپنے ذاتی پروپیگنڈے اور کتابوں کی اشاعت کا باہمی مزاحیہ نگاری کی نازک کمر پر لا دیا۔ نتیجہ یہ کہ بدجیا
کچھ میں بیٹھ گئی۔ اور ملا صاحب کو "لاٹھی اور بھینس" کی فکر پڑی۔ مزاحیہ نگاری اور مزاحیہ نگار دونوں ملا صاحب کے
ہمیشہ ہمیشہ اگر شکر گزار اور مداح رہیں گے تو ان وجوہات کی بنا پر شاکی بھی رہیں گے۔ انہوں نے مزاحیہ نگاروں کی
اگر توہم کی تو مزاحیہ نگاری کی تدبیر کی۔ شوکت خاٹونی کو ملا صاحب کے کوئی مناسبت نہیں۔ ملا صاحب کے مقابلہ میں
صرف یہ کہ دینا کافی ہے کہ شوکت ادیب اور مزاحیہ نگار ہیں اور ملا صاحب محض ایک مغرور طلب صعل ہے نہ کہ مزاحیہ نگار۔

حضرت رشید احمد صدیقی کی اور شوکت کی مزاحیہ نگاری میں عجیب و غریب مناسبت بھی ہے۔ اور فرق بھی۔
فرق یہ کہ اگر مسٹر صدیقی ملا فحمت کے ساتھ مزاحیہ نگاری کے عجیب و غریب نمونہ پیش کر سکتے ہیں تو شوکت اپنی فصاحت
اور شستگی میں جواب نہیں رکھتے۔ مسٹر صدیقی کے رمیک فحش کے ہوتے ہیں پھر طنز کی شاید مزاحیہ نگاری میں ان کے
برابر کوئی نظیر پیش ہی نہیں کر سکتا۔ ایک جگہ جامعہ ملیہ کی "کھند نگاری" کے باب میں فرماتے ہیں کہ "کچھ پتہ ہی یہاں

جامعہ ملیہ میں نہیں جاتا کہ پروفیسر کوں ہے اور حیثیت اسی کوں ہے۔ اور اصل یہ تقدیر بھی جلد ہی ہے کیونکہ دہلی پر قبضہ بھی اسدنی خدمت و غورہ دکھائے ہیں بعض اوقات بستر و بست کر بیٹے ہیں۔ مناسبت دونوں میں یہ ہے کہ حضور۔۔۔ حضرات کے یہاں رو رہا کے واقعات۔۔۔ مہرے طرح کسی جرم کوئی واقعہ یا بلاٹ کے نظریہ تخلیق نہیں۔ شہوت اور حد بھی جس پر باطن کا سلو بعض حد کیساں ہے گا مگر جیساں جس کو چکا کا فٹ کے ساتھ مزاجیہ نگاری کا کماؤ لکھنا اور خفا نق نگاری اور حد نگاری کے ملا کر طافت نگاری کا کمال دکھانا خاص مرہ حد تقویٰ رنگ ہے اور یہ۔۔۔ ان کو شوکت سے محروم کر دیتا ہے۔ نہ وہوں اپنے رنگ میں لاجواب ہیں۔

تقدیر محض زیر سطح محروم دھنے نہ تو ان کے ہوتے ہیں رنگ میں درج ہے۔ برقعہ والا حضور دھنے۔ کوئی کسر اس مادہ نقی ایساں کی ہجو میں اٹھا نہیں سکتی۔ برقعہ بونسی کے نہ ہندو لڑائی کے وہ پول کھولے ہے کہ خدا کی نپید مکرملہ پہ اطفاف بدہ بنی ہوئی کے برقعہ میں خود۔۔۔ جہ میں بناوٹ کے کر سب کے۔۔۔ حضرت نہایت ہی خوبصورت سے نہ انجی کہنے۔۔۔ حیرت انگیز میں کی کہ کوئی نہ بھی تعارف کے ساتھ موجود ہے۔۔۔ چاہے۔۔۔ دھنے کس حد تک غریب رنگ میں شروع ہوا ہے۔۔۔ اختتام پہ گئے والا سب کچھ نہ کیا۔۔۔ ہم بلف۔۔۔ نقی وضعیت کا زارہ مضمون ہے۔۔۔ رنگین یہ اعتدال میں کہ یہ چھ ہی ہیں۔۔۔ ان کو یہ تو کافی بات۔۔۔ ہوتی خود حضرت مغرور کے ایک بہت عمدہ افسانہ کو دیکھ کر لگے بھی یہی کہن پڑا اور نہ محروم رہے گئے۔۔۔ اس بار کچھ کر جو بھی اعتراض وارد نہ کیجے ہوں گے۔

شوکت کے یہاں معمولی واقعات۔۔۔ باتوں کی ہی بعض حد تک دلچسپ اسٹیڈی موجود ہے مضمون لکھا گیا پار۔۔۔ دھنے۔۔۔ ربی کے انٹرکاس میں بول۔۔۔ اور سب ہی برقعہ پر بیٹھے ہیں مگر کتے؟ جس طرح بس ہیں جوتے رکھے جلتے ہیں یعنی ایک کی ایڑی ایک اپنیجہ اور ایک۔۔۔ ناچہ۔۔۔ اور سب کی ایڑی۔۔۔ باہر اسی مضمون میں صفحہ ۶۲ پر نسیم صاحب کے غزل پڑھنے کی مشق کا بیان جس گماں کے۔۔۔ نہ ہوا ہے کم۔۔۔ کہ۔۔۔ رعد اس کی نظیر ملنا مشکل ہے اور یہی شوکت کا کمال ہے جو آپ کو کسی دوسرے مصنف کے بہانہ میں ملنا سہولت کی ہیں۔۔۔ ان نگاری ہے جس نے شوکت کو شوکت بنا دیا ہے اور اردو اس پر جتنا بھی فکر کرے کم ہے۔

تقدیر مختصر شوکت کا یہ مجموعہ مضامین اس قابل ہے کہ اس کی نذر کی جائے اور مجھے امید ہے کہ جس طرح ان کی پہلی دو کتابیں مقبول ہوئیں یہ مجموعہ بھی مقبول ہوگا۔

اس مختصر مقدمہ میں چند دستان کے سب کے سب مزاجیہ نگاروں کی فرست وینا میرا مقصد ہرگز نہیں اور اسی وجہ سے میں نے ان مزاجیہ نگاروں کو نہیں لیا ہے جن کی مزاجیہ نگاری سے کہیں زیادہ بہتر خدا ان کی سنجیدہ تقریر کیا ہیں اور ان کا اصل رنگ ہی اور ہے۔ ان کا ذکر نہ ہونے سے خدا خواستہ یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ کسی طرح بھی مجھ سے کس طرح کم ہیں یا میں نے محض تعریفاً ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔

سب کچھ تو میں نے کھو دیا مگر آپ کہیں گے کہ شوکت کی خامیاں اور کمزوریاں بھی ہوں گی وہ آخر کہاں لگیں؟ تو عرض یہ ہے کہ کوئی ایسا کھینے والا نہیں جس میں خامیاں نہ ہوں اور یقیناً شوکت کوئی دیوتا یا فرشتہ نہیں۔ مجھ میں

آپ میں، شوکت میں سب ہی میں خامیاں بھی ہیں اور ظاہر ہے کہ ذرا بڑا مجرم بھی ان خامیوں یا خطیروں سے غلطی نہ ہو گا۔ اور بات ہے کہ میرے بچے ان خامیوں کا پتہ چلا دینا ہے۔ لیکن یہ وہ آدمی ہے کہ وہ مجرم بھی خامیوں میں وہ نہیں چھپا کر نہیں دکھائی گئی ہیں اور اسی مجرم میں، ان کو تلاش کر لیجئے ذرا وقت خرچہ ہو گی۔ مگر دشمن شرط ہے۔ خود شوکت تھانوی صاحب بھی یہی وہ انسان ہیں کہ جس کے لئے کہ وہ خود باقی ہے۔ یہ کہ یہ مجرم بھی بالکل ہے۔ مگر وقت عجیب ہوئی اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ عجیب ذیل وہ میں ماحول میں اور اس صبا پر اب اس مجرم کو لاندہ آ کر رہائی گئے۔

نقطہ

(۴۱)

پروفیسر رشید احمد صدیقی

پچھلی تعطیلاتوں میں نہ کہ صاحب نے دانش کی رہیں ان کے زیرِ نظر مضامین (دہلی کے قسطنطنیہ) پر کچھ لکھوں ہیں جو اے
رضامند ہو گیا لیکن تھیں میں کام کرنے کا جو وعدہ کر لیا جاتا ہے اسے تعبیل ہی میں پڑا کر دینا نہ میرے بس کی بات ہے اور
نہ میں اسے پسند نہ کرتا ہوں، تعطیلات میں وہ کام کسے جسے کام کرنے کا سلیقہ نہ ہو، یا جو کام نہ کرنے کے ذہن سے ناموافق ہو۔
میں نے اس میں پرتار داخل کیا ہے۔ آؤں تو کہ یہ بڑی کم عمری ہے کہ اوپر کا کام آبا، اوپر لے لے کر نہ۔ میں پہلے تو قسم
کا کام اکٹھا کرتا جاتا ہوں، اور جب کچھ لیتا ہوں تو کاموں کی اچھی خاصی مقدار جمع ہو گئی ہے تو چران کی کھستری شروع کرتا ہوں
بڑے کام، اور وسط کام، چھوٹے کام اس کے بعد اور وسط کاموں کو چھوٹے کاموں سے ٹکراتا ہوں، اس میں سائے چھوٹے کام پاش
پاش ہو کر ختم ہو جاتے ہیں اور اور وسط کام بھی اچھی خاصی نقد اور میں مجروح ہو جاتے ہیں، اب اور وسط کو بڑے کاموں سے ٹکراتا ہوں۔
ظاہر ہے کہ سائے اور وسط کام آ جاتے ہیں اور بڑوں میں بھی مختصر ہیں و مجروح ہیں کی تعداد کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جو
جانچ پڑتال کی جاتی ہے، تو صرف بعض سخت جاں بانی تھے ہیں۔ اس کو اپنی سہل انگاری، جیلہ پروانزی، ناکسی و ناامنی اور
اسی قسم کی دوسری چیزوں کی زد میں جن کا اعلان نامناسب ہے، ملا تا ہوں نتیجہ اکثر خاطر خواہ نکلتا ہے۔ میرا کچھ نہیں بگڑتا
لیکن کاموں کا مطلع صاف ہو جاتا ہے۔ دھن کے معاملہ میں بھی یہی اصول بعض جزئی ترمیم کے ساتھ کام میں لگتا ہوں۔ لیکن میں
کم سے کم یہاں خواہ خواہ غیر متعلق مسائل چھیڑنا نہیں چاہتا۔

چنانچہ شرکت صاحب کی فرمائش رفتہ رفتہ فمائش کی حد تک پہنچی اور آذر دگی پر ختم ہونے والی ہی تھی کہ میں چرکا تو
بانی سر سے گزر چکا، تعطیلاتیں ختم ہو چکی ہیں اور کچھ لکھنا تو درکنار پڑھنا اور سوچنا بھی ناممکن ہو گیا ہے لیکن ان باتوں کو
خاطر میں رکھنا تھا ہے۔ شرکت صاحب میرے بڑے عزیز و دوست سہی، لیکن میرے ہاتھوں ان کی مدد کی کا جو حال ہوا ہے،
اس سے میں یہ کہیے مان لوں کہ وہ مجھے معاف کر دیں گے اور اب تو کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں جو کچھ لکھوں گا اسے بھی
وہ معاف نہ کریں گے۔

قبل اس کے کہ میں کچھ عرض کروں ایک بات میرے ذہن میں آتی ہے جس کا اظہار کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں اور
تو یہ کہ میرے اکثر دوستوں بزرگوں اور عزیزوں نے میرے ساتھ تصویریں کھنواہیں لیکن خود مجھے وہ تصویریں کبھی دیکھنے کو

بعض عرافت نگار ہم جی سے جی موجود ہیں جو تیغ یا کمری بات کو ہنسی ہنسی میں بنا دیتے ہیں اور سننے یا پڑھنے والے کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اس نے کیا سنا اور کیونکر متاثر ہوا اس قسم کے کہنے والے بالعموم طربات سے ٹٹاؤ رکھتے ہیں جن کے اردو شاعری میں اکبر مرحوم ادا کرتے، جن کے ہاں میں انہوں نے آخری بات کہہ دی ہے۔

گئے ریت یہ او چہ ابر بہار سے

گئے خندہ او چہ تیغ اچیلے

ہر قوم اپنے تمدنی عروج و غلبہ سے مختلف مدارج پر فائز ہوتی ہے اور ایسا کبھی نہیں دیکھا کہ کسی ایک اعتبار سے وہ نہایت درجہ تمدن ہو اور دوسرے اعتبار سے غیر تمدن، یہ ستم طرب میں ہم ہندوستانیوں کی جگہ میں آئی ہے۔ شخصی اور جماعتی اعتبار سے ہماری قوم خاصی متقدم قوم ہے۔ لیکن شعر و ادب کی وادی میں پہنچ کر ہم اکثر گمراہ و نہ فائدہ راہ ہو گئے ہیں۔ اس کا سبب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا شعر و ادب ابھی پورے طور پر مکمل نہیں ہوا ہے طرز عرافت کا فن نہایت مشکل ہے۔ نہایت خطرناک جی و معمولی یا گھٹیا عرافت ایسا حربہ ہے جس سے اس شخص کو کم نقصان پہنچتا ہے جس پر حملہ کیا جائے بلکہ اس کی سب سے بڑی ضرب خود اس شخص پر پڑتی ہے جو اس حربہ سے نمٹاؤ رہتا ہے۔ سب سے بڑی اور سب سے مکمل وہ فن طرب عرافت ہوتی ہے جو غیر شعوری طور پر برسر کار آجائے اور یہ فنیز کہ مولانا جو جاتے کہ مقصود طرب یا عرافت فنی یا تلقین حقیقت، یہ بات بڑی دیر میں آئی ہے اور بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہے۔ لیکن جہلے خود یہ بات جتنی مشکل ہے اتنی ہی دلکش ہے اور اس فن کی شاید یہ آخری منزل ہے۔ اس کی مثال اردو میں قاضی عبدالغفار کے ہاں ملتی ہے۔ ان کے میں کے خطوط میں تھوڑی بہت۔ نقشِ فرنگ ہیں بدرجہ اتم اور مجنون کی ڈائری میں بالکل نہیں۔

طرزین میں جی کئی گدہ ہیں اور ان کے مسامک جی جدا گانہ ہیں۔ بعض میں جوش و ہرجان و طغیانی ہے بعض میں تنہی و زہرناکی۔ بعض میں شکستگی و دلربائی۔ ادبیات قدیم میں ان کے طبع وادارہ جملیں۔ جو دل اور پرستی اس وقت۔ ہمارے شعر و ادب میں ابوالکلام، عبدالمجید اور اکبر مرحوم ہیں۔ اس موضوع پر بالتفصیل میں نے علیحدہ بحث کی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ شوکت صاحب کی ذیل سے تبسم کو اس قسم کی بحث سے گراں ہار کر دوں۔

شوکت صاحب کو ممکن ہے یاد ہو کہ میں نے ایک بار ان سے عرض کیا تھا اور غالباً یہ وہ زمانہ تھا جب میں میڈیکل کالج لکھنؤ میں صاحب فراش تھا اور شوکت صاحب مجھے اکثر دیکھنے آیا کرتے تھے۔ ان کی عمرانی و مروت میرے دل میں اب تک قائم ہے۔ میں نے کہا تھا کہ شوکت صاحب آپ نے غریب کا جواز از اختیار کیا ہے اس کے ہاں میں میرا ذاتی خیال پہلے کہ وہ ذرا کی دنیا میں جو چاہے دیکھے، اسی لیے لیکن کتنے وقت اس دنیا میں چلے جایا کیجئے جو تماشا اور نماشانی دونوں سے الگ ہو اور تنہا ہو۔ حالات و حوادث آپس میں اور دوسری چیزوں سے بھی اتنے لے جئے یا گڈ ڈھرتے ہیں کہ ان کو جوں کا توں بیان کر دینے سے قزاق اپنے اصلی خدو خالی میں نمایاں ہوتے ہیں اور نہ ان میں کوئی لطافت یا حاذبت ہوتی ہے سننے یا پڑھنے والے اسی وقت سرمد یا متاثر ہوتے ہیں جب آپ ان کی حالات اور واقعات کی سیر اس طور پر کریں کہ وہ ہر چیز کو اس کی اصل نگاہ سے

کھینچا ہے کہ شوکت صاحب کا سخت سے سخت ناقد بھی داوڑی سے بغیر نہیں رہ سکتا۔

شوکت صاحب کی زبان اچھی ہے اور بیان بہت اچھا۔ اس موقع پر بعض لوگ کوثر و نسیم کا لفظ استعمال کے بغیر نہ رہتے لیکن محض اس ڈر سے کہ آج کل ہماری انشائیہ داری پر سب سے بڑا جرم یہ لگایا جاتا ہے کہ ہم عرب و فارس و ترکستان وغیرہ سے لئے ہوئے قسیمیہ و استعاروں کے بڑے و لداوہ ہیں جس کوثر و نسیم کے الفاظ سے مانع و مہوتا ہوں اور اپنے دوستوں کی خاطر یہ کہوں گا کہ شوکت صاحب کی زبان و بیان میں وہی لطف ہے جو کھنڈ کی بالائی اور کھنڈوں میں ہے ! شوکت صاحب نے کھنڈ کی زبان میں پورے بعض خاص الفاظ اور لہجے بڑے لطف و لطافت سے سمئے ہیں۔ کبھی کبھی ان کے فقرے شعروادب کا مزاجے جاتے ہیں۔ ان کے مضامین میں کھنڈ کے قدیم اور دہان کی وہ زانہ زندگی کا بعض بڑے مزے دار نمونے ملنے ہیں ایسے کہ جو کسی اور تمناوی کی شکل نصیب ہو سکتے ہیں، بے موقع نہ ہو گا اگر ان میں سے بعض جن کا تذکرہ یہاں کر دیا جائے مثلاً :

۱۔ کانگریس کی صدارت کھنڈ کے ایک نواب صاحب کر رہے ہیں۔ بہت کچھ تکلف و تعظیم کے بعد جناب صدر صاحب خطبہ صدارت پڑھنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔ شوکت صاحب فرماتے ہیں۔

”آپ نے سب سے پہلے تو اپنا بیڑ اپنے خدمت گار کو دیا“

۲۔ ایک مقام پر کعبہ کا خلاف بنانے کا مسئلہ درپیش ہے۔ بھائی اور جواد میں محبت ہو رہی ہے شوکت صاحب فرماتے ہیں : ”یہی خلاف باعث موازنہ انیس و دہیر ہو جاتا“

۳۔ کھنڈ اور لاہور کے موازنہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں ”ہم کو طائرانہ نظر سے مقابلہ کرنے کے لیے پہلے عماد توں پہنڈ و ناہیا کیے اس کے بعد شہر کی کلی کو چوں پر اڑانا چاہیے، پھر دونوں شہروں کے باشندوں کی ترکیب نوری کرنا چاہیے اور آخر میں دونوں کی عام حالت لکھ کر یہ کہہ دینا چاہیے کہ یہ بھی جیتے اور وہ بھی جیتے، جیسے ان دونوں کے دی پھر خدا سب کے پھیرے“

۴۔ ایک ڈاکٹر کی خستہ حال موٹر کا خاکہ کھینچا ہے : ”وہ موٹر ضرور تھا اور اگر اس میں پٹرول ڈال دیا جاتا تھا تو چلتا ہی تھا، یہ اور بات ہے کہ آواز و رفتار کے اعتبار سے وہ کسی لاری اور چھکڑے کی سول میرج کی زندہ یادگار نظر آتا تھا“ انھیں ڈاکٹر صاحب اور مالک مکان کا تذکرہ کرتے ہوئے جس کے مکان میں ڈاکٹر صاحب کرایہ ادا کر کے رہتے تھے۔ مالک مکان کے باب میں لکھتے ہیں ”مکان دار نے کچھ نامناسب طریقہ پر دروازہ پر کچھ غیر طبعی کلمات کہے“

۵۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کی بیوی کے درمیان گفتگو ہوتی ہے۔ بیوی سمجھتی تھیں کہ ڈاکٹر کی بی بی بڑی آہنی ہوتی ہے انھوں نے اپنے اس خیالی کا ثبوت یہ دیا کہ ڈاکٹر آخر دن رات موٹر میں کہاں کہاں پھرا کرتے ہیں۔ شوکت صاحب دبا ڈاکٹر صاحب جواب دیتے ہیں، یہ لوگ فضل بھی اپنے موٹر کو ادھر ادھر دوڑاتے رہتے ہیں تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ کتنا کھلی چل رہی ہے حالانکہ محض موٹر چلتا ہے۔“

۶۔ ایک مقام پر ڈاکٹر صاحب بہت نچ ہوئے ہیں۔ شوکت صاحب نے ان کا برتن یوں پیش کیا ہے : ”ڈاکٹر صاحب نے اپنے

جو ہر خطروں کی تعمیر رکھتے ہوئے کہا؟

یہ چند شائیں میں نے جہاں تھیں اُنہیں کھلی میں وہ نہ دیکھئے کہتر ہیں اس کے جگہ جگہ ایسے دلچسپ اور بقول اپنے مشہور عالموں کے "بھرپور" مصرعے کافی تعداد میں ملتے ہیں۔

ابھی چند دنوں کی بات ہے کہ ایک رات میں شوکت صاحب کی وہ تقریر سن رہا تھا جو اچوں سے ایک افرونی جنت کے تخیل پر کھڑی تھی۔ ایک افرونی ایسے کسی مرحوم دوست سے جنت میں طلب ہے اور جنت کے نام کا نصف و خالص کدو لے لے کر بیان کرنا ہے۔ جہاں تک ریڈیو کا تعلق ہے ان کی تقریر یقیناً کامیاب تھی اور غالباً یہ سنا۔ یا مجھ ہی کا ہے خود ایک ایسی چیز ہے جس کو نہ نظر رکھ کر اس تقریر پر غمی نہ لے دینی ہے سو وہاں وہ بھی مددوں سے جسکی شہوت صاحب پر ہے چھوٹے ہیں۔ مٹی پیشے یا رتبے کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس اصول کے ماتحت جو مشرق میں خود مدوں پر فخر کے حامی تھے یقیناً برطانیہ ہو رہے ہیں۔ اس تقریر کے بارہ میں شوکت صاحب نے کہنا ہوتا ہے کہ صاحب نے اس بحث پر ایک دوسری وجہ سے اظہار خیال کرتا۔ افرونی کو ممکن ہے بہشت میں گئے، دودھ، فربہ، سوہی طواہی نظر آتا ہو یا طواہی لیکن افرونی اور افرونی کے وکیل کے نقطہ نظر میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ جنت میں رفاہات سے نہیں نقطہ نظر سے جنت کرنا چاہیے افرونی کی یہ خوب خاطر نہیں اور چیز ہے اور افرونی کی شریعت دوسری چیز ہے۔ یہ بحث بڑی طویل ہے بصیرت افروز اور دلچسپ بھی لیکن یہاں اس کا موقع نہیں ہے ورنہ اس

دور ویک ساغر ہے چہ دنیا و چو دیں

چرک کچھ نہیں جاسکتا

ہاں شوکت صاحب ایک بات اور سن لیجئے اور گویہ کان میں کہنے کی ہے لیکن خیر کوئی حرج نہیں کہ سن ہم دیوار ہمارا دہاوی یا کائنات خرافات کی تابانی کا اولین اور سب سے اہم باب ہے طائفہ کی تخلیق سے جب یہ — ہر بھول بھلاؤں، فرسودہ اور بے مرہ ہونے کی ذمیت الہی نے اس میں طنز کا حصہ بھی شامل کر دیا اور ان بزرگوں کو عالم وجود میں لایا گیا جن کو ہمارے بزرگ شیطان کہتے ہیں۔ چنانچہ بقول امیر مینائی مرحوم جن کا پورا شعر مجھے یاد ہے لیکن ممکن ہے موزوں ہوں ہواور میں نے بعض بڑی جان جو کھوں قسم کے استادوں کو بھی اسے ایسا ہی پڑھتے ہوئے سنا ہے جیسے کہ یہ شعر ناموزوں ہی موزوں ہو گیا تھا۔ پانی کی چند بوندیں جو کبھی انگوڑی میں نہیں کھینچیں تو تھوڑی گئیں اور خرافات ستم ظریفی میں تبدیل ہو گئی نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہمارے کائنات وہ چیز ہے گئی ہے جس پر اس آسانی سے اظہار خیال کر سکتا ہوں۔ لیکن مجھے ڈر ہے آپ کی آسانی کے ساتھ اسے شائع نہ کر سکیں گے۔ اس لیے مجھے اس بحث کو یہیں ختم کر دینا چاہتا ہوں لیکن مجھے امید ہے اس کی بصیرتوں سے آپ کبھی نہ کبھی ضرور فیضیاب ہوں گے۔

اچھا شوکت صاحب خدا حافظ میری دعا ہے کہ آپ پر وہ مصیبت نازل نہ ہو جس نے افشاں ایسے بے پناہ کو کبھی بدھائی کر دیا تھا۔ ہر روز ایک نیا لطیفہ دریافت کرنا ممکن ہے آپ کے نزدیک استاد شوارنہ ہو جتنا میں سمجھتا ہوں لیکن احتیاط شرط ہے۔ دہلیتہ قسم میں مرتضیٰ کے ایڈیٹر کو کہاں جگہ ملے گی مجھے نہیں معلوم۔ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ چوتھیں بھی اسی دہلی پر خار سے گزرتے تھے ان کے دامن سے تو کانٹوں ہی کو گزند پہنچا۔ خدا کرے آپ کے دامن کو کون سے گزند پہنچائیں۔

(۵)

نیا ز فقیہوری

دنیا مصائب و آلام کی جگہ ہے بالطف و مسرت کی۔ اس مافیسا آج تک نہ ہوسکا، نوٹ حر و قصور، نوٹ شہ و طہیل کے قابل ہیں وہ دنیا کو دارالمن کہہ کر آخرت کی امید پر ہر تطفیل و جہیل ہے جس اور اس نے وہ دیکھنے کی جی کوشش نہیں کرتے کہ مہاو، یہاں کا ذرا سا آرام و ماں کے لذائذ میں کمی کرے، جرنہ کی دھرتی دنیا کی چیز جگتے ہیں وہ یہاں کے ہر ہر کو "شاہد و شہرست و شرب و شکر" میں بسر کر دینا چاہتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ خودی دیکھ کے لیے اگر جس کے وجود کو تقسیم بھی کر لیا جائے تو کیا۔

بہ فردوس روزن بدایار کو نظر بازی و ذوق دیدار کو
سبہی خورم گشت آبِ جہور لعل نہ ہر صبح و جامِ جہور

ایک نہ بد شیب زندہ وار کہتا ہے کہ اگر واقعی مرنے کے بعد حیات بعد ممات اور حر و قصور و جود ثابت ہو، تو پھر دنیا میں گناہ کرنے والے کیا کریں گے، ایک زندہ خوار بھی یہی کہتا ہے کہ اگر یہ سب کسی کا وعدہ فردا، نکلا تو پھر تباہی و داؤد زندگی، کس نے دی اور کون خسارہ میں رہا، بہر حال یہ جھگڑا نہ کہیں ملے جو انہ آئندہ ملے ہوگا، مرنے کے بعد خدا ہی کو معلوم ہے کہ کیا ہوگا، اور کیا نہیں، اس لیے برے نزدیک اس سے زیادہ حقاقت کوئی نہیں کہ شے حاصل اور امید و ہرجم ہیں کوئی فرق نہ کیا جائے اور موجودہ زندگی کو صرف اس لیے رو کر گزار دیا جائے کہ کہیں اور جا کر ہنسنا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ "خوش باش وے" کیا چیز ہے؟ وہ لوگ جو اپنی تمام توانائی کو پورا ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، جی کے یہاں کسی ارادہ کا پیدا ہو جانا اس کی تکمیل کا مترادف ہے، ان کے یہاں حقیقی لطف و مسرت کا وجود کبھی نہیں پایا جاسکتا ان کچھ پہلے ضرورت اس کی ہے کہ

خارم کھ دور رہ گزر چارہ گرم ریزہ

اس لیے نشاط کا مفہوم حقیقتاً اہم سے پیدا ہوتا ہے اور اس شخص کو ہم مسرت کا جستجو کرنے والا پائیں گے جس کو یہ چیز حاصل نہیں ہے یا ہاتھ سے کھو چکا ہے، غالباً یہی وہ فلسفہ ہے جس کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ وہ شخص جو تمہیں ہنسنا ہے بسا اوقات تم سے زیادہ مغموم ہوتا ہے۔ ہر چند یہ کلیہ نہیں قرار دیا جاسکتا لیکن اس میں کلام نہیں کہ اگر کوئی شخص ایسا ہے

ہے اور بہت کافی ، وہ زود رنج بھی ہیں اور خطرناک حد تک ، وہ افکار و اُلام سے بھی مغلوب ہو جاتے ہیں اور لہجہ مثبت کے ساتھ ۔۔۔ اس لیے میں یہ دہانے کے لیے تیار نہیں ، کہ ان کی مزاج نگاری حد تک ایک پھول کی شکلی ہے اور اس سے انشراح زعم کا پڑ نہیں جلا جاسکتا۔ بات میں مات بذاتی جاری ہے حجاب لذت نہیں لیکن وہ زور ہرقی جاری ہے مجھے اندازہ رائے کرنا تھا اس مجرم کے متعلق ، اور گفتگو شروع ہو گئی نفسیات مزاج نگاری پر ، شوکت صاحب کی فانی خصوصیات پر ، بہر حال میں اس کو یہیں نقل کر کے بتا دینا چاہتا ہوں کہ جس حد تک ایک مصنف کی خصوصیات کا اس کی تصنیف سے ضلع ہوتا ہے اس مجرم میں اس کی کافی جھلک دینی عانی ہے مگر میں یہ دے کے کہے تار نہیں کہ اس کے مضمون میں وہ اپنے کرا اپنی فطری کیفیت کو تکمیل کے ساتھ نمایاں کر کے ہیں۔

شوکت فطرت کی طرف سے اس قسم کی پس لے کر آئے ہیں جو ہر چیز کا نیروی حصہ حاصل کے قلع حصہ کو دھڑلے کے لیے چھوڑ دینا پسند کرتی ہے اور اس لیے قدرتا ان میں ایک لطیف قسم کی بے اعتنائی باجے رہی پیدا ہو جانا چاہیے چنانچہ آپ اس مجرم میں بعض مضامین ایسے پائیں گے جس میں یہ پُر لطف ایذا بخشی پڑے جو پر نمایاں ہے۔

شوکت ، ایک فطری ادیب و شاعر کی طرح جزئیات کے مطالعے کے بہت شائق ہیں ، اور ان کے اظہار پر بھی منت دیکھتے ہیں ، لیکن لحدت دے پن کے ساتھ اور یہی وہ چیز ہے جس نے انھیں "روح نگار" بنا دیا ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جو انھیں ملک کے دوسرے مزاج نگاروں سے جدا کرتی ہے۔ اس رنگ کے کلمے داروں میں اس وقت ، انھیں اور زوی رشید اور عظیم چغتائی بہت مشہور ہیں۔ لیکن جس طرح ان میں سے ہر ایک دوسرے سے فیر ہے اسی طرح شوکت ان سے علیحدہ ہیں ، چغتائی صاحب کی مزاج نگاری ، اکثر دہشتہ مختصر ہوتی ہے چلا یا واقعات پر یعنی وہ حالات ایسے پیش کرتے ہیں جو مشاہدے کے بعد یوں بھی ہر شخص رہنما سکتے ہیں۔ دہشتہ کی مزاج نگاری مختصر ہے اس امر پر کہ وہ الفاظ ، فقرات کا استعمال ان کے عام مقصد یعنی سے مہٹ کر کہتے ہیں ، رشید صاحب کی مزاج نگاری دو مادہ ہیں فلسفیانہ مزاج نگاری کا بہترین نمونہ تھا۔ لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید ان کا مزاج زیادہ خشک گلی ہے۔ اور وہ غور و تامل کی کلفت میں نہ خود مبتلا ہونا چاہتے ہیں نہ کسی اور کو مبتلا کرنا چاہتے ہیں تاہم کوئی نہ کوئی سنجیدہ فیجہ ان کی تحریر سے ضرور پیدا ہوتا ہے۔ پطرس کی مزاج نگاری بڑی حد تک مغربی رنگ کی ہے جس میں واقعہ و انداز بیان دونوں سے مضحک کیفیت پیدا کی جاتی ہیں ، لیکن نتیجہ کے لحاظ سے ہمارے لیے یہ کہنا دشوار ہو جاتا ہے کہ اس میں واقعی کسی تلخ حقیقت (REALITY) کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ ایک مزاج نگار کا حقیقی کمال یہی ہے۔ شوکت کی مزاج نگاری میں اس خصوصیت سے معترض ہے اور وہ بھی سلی طور پر اپنے موضوع سے گزرا چاہتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ ان کے یہاں زبان کا لطف ، مشاہدہ جزئیات اور لطافت خیالی یہ سب اس قدر خوبی کے ساتھ ملے ہوئے نظر آتے ہیں کہ وہ اپنی فضا خاص پیدا کر لیتے ہیں۔ ان کی مزاج نگاری ہوا کا وہ ہلکا جھونکا ہے جو پانی کی سطح پر ننھی ننھی موجوں کا جال بچھا کر قلب نگاہ کو فوراً اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے اور پھر سطح کو ساکن چھوڑ کر گزر جاتا ہے ان کے یہاں کبھی کوئی ایسی طوفانی ہوا نہیں ہائی جاتی جو پانی کو تہہ و بالا کر کے بھیند پیدا کر دیتی ہے۔ ان کا مقصد ایک نرم آلودہ شخص کو رہنما و رہنما ہے لیکن وہ غم کو

دوسروں کو یہ رشک کہنے کا موقع دیتے تھے کہ شوکت صاحب نسیم صاحب کیوں اس قدر بے تکلف ہیں؟ اسی طرح آگے کے سفر کا ذکر کرتے ہوئے ساعر صاحب کے متعلق اظہارِ حیرت میں وہ زیادہ ہنس مکھ بن گئے ہیں کہ اس رشک اور اس احساسِ لغزش میں خود ہی بے جذبات کا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن یہ کہنے کا مکان ضرور ہے کہ
 اس شے ہم میں غیبت بکراؤ کر کے بہت

بعض بعض مضامین اس مجموعہ کے خصوصاً شوکت کے بہت بلند شاندار ہیں جس کے لیے کیا سفر؟ بیکاری؟ سویشی عدالت؟ وغیرہ۔ ایک محزون ان کا "مٹھو بیٹے" ایسا ہے جس کو شوکت صاحب کے سرا اور کوئی سزاں شمار ہونی بلکہ لکھو سے بہرہ لایا نہیں کھ سکتا۔

بہر حال ملک کو شوکت صاحب اور اس سے زیادہ نسیم صاحب کا ممنوع ہونا چاہیے کہ پھر وہ پھر سے ایسے دلچسپ مضامین کے ان کی وجہ سے شائع ہوتے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ ضرور مشورہ دوں گا کہ قلمی مجموعہ اب دو سال سے پہلے شائع کتاب "جہانپلزم" پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

۔ نیاز ۔

نواب جعفر علی خاں اثر گھسنوی

ذہن شخص جو کام کرتا ہے اس میں وطنی کے ساتھ بیک و بے دوہی ہونا ہے۔ سو سب سے برجستہ دلوں و چہتہ بہتوں نے جسے ان صفحات سے ماہر مال ہے۔ ان کی صحبت و خانہ باں ایک سو فی نصاب ہے۔ ہر حرفی کلمے و سب آں کا ہر خیال مسترمانہ و جمیدگی ہونا ہے۔ سو کہ نے بنے وہ قیسمی و برصیری میں کھنڈ ہے۔ یہ عزتیں کسے کسے ہیں۔ اس و معیار لیا ہونا چاہیے اور اس میں دل آوری کو طرید ہوتی ہے۔ ان کے نقل و اسلوب ادا و درن میں تازگی و ندرت پائی جاتی ہے۔ گفتگو خوب جہت سے ہے۔

شعر اگر عجاز با سبب جند و پست نیست

عشق کو سیلے۔ ان کے زوہب معشوق سے طالع و دہار ہونا بھی ہوس ہے اور ہسی ہوس کی ہر جگہ یہ ہے کہ انسان محبت و خیال کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے۔

ہوس جس کو سکھا دے عجب دیدار ہو جانا

اسے کہا آئے نامحور نسب ہا ہر جانا

بزم شراب میں شور و شرابا۔ نیز زندان غرامات کی زباں راہی سے دل جھونک مستور ہے مگر شوکت لکھتے ہیں۔

خمار تشنہ ہی کو اثر دکھانا تھا

بہنچ کے لہجہ میں ساغر کو ٹوٹ جانا تھا

یہ ایسی کیفیتیں ہیں جنہیں غیر شاعر یا متشاعر عوس ہی نہیں کر سکتا نظم کرنا تو درکنار۔ وہ سلی خیل و لذت حق اوسع اجتناب کرتے ہیں اور سامنے کی بات بھی اس طرح کہتے ہیں کہ گمراہی اور بائیں پیدا ہو جائے۔

وہ کس خطا پہ ہوئے دشمنی کو آمادہ

انہیں تو میں نے کہیں دوست بھی نہ جانا تھا

دوسرے مصرع کے انوکھے انداز نے شوخیوں میں بھلیاں پس کر ملا دی ہیں معشوق سے جلی گئی ہو تو اس لطف سے ہو۔

اس شعر نے اُن زمرے سے بہت قریب کر دیا ہے ۔
 جان مجھے دیں گے ہم اے تمت و شوارپند
 مرضی خلق اگر متا بل درماں نکلا
 صریح مطالب کی کھانسی ہیں ۔ اسی غزل کا یہ شعر بھی عجیب اُن دکھتا ہے ۔
 موت برحق غنی مگر کاش نہ آتی شبِ غم
 بہ نو کھنے کو نہ ہونا تاکہ اک ارماں نکلا
 رفتہ رفتہ سے اندر بہار نے بداحت اختیار کر لی ہے ۔
 درد کیا تا وہ آخر نستی سے ، مگر
 زندہ کافی میں سکون موت شامل ہو گیا

فروں اسی کا نام ہے اور ۔ مجھے بے حد مسرت ہے کہ باوصف نوجوان ہونے کے شرکت نے وہ غلط راستہ اختیار
 نہیں کیا جس کو بعض حضرات "رقص الغلط" اور "زندہ دوشی" سے تعبیر کرتے ہیں مگر اہل نظر محض اس کو ڈھکوسلا جتے ہیں ۔
 موسیقی اور شریعت میں سوئس آجکل کے بہترین خوش گوار خوشگوند پڑھ جائے گا ، شاعروں کو مات کر سکتے ہیں ، بیان و شمار
 پیسے میں نہ مزہ پروری و صفت اسانی ہے ۔ اُن کے شری بنیاد و نوئی خیال تو ما ہے جس کے اظہار کو الفاظ لانے میں نہ کافلا
 اور روایف و قافیہ کی مدد سے کسی بھرا اور مانس تیاں کی نشانی ہوتی ، اُسے جلد کی تحب پر ہر بچا گیا ، اگر پودا اتر اتر شعر
 ہے ۔ خیال کی ناواری ، جذبات کی سے ماٹھی کچھ تو مستعار یا مسروقہ ترکیبوں میں کچھ نئے بازی میں دب گئی ، مثلاً مرہ میں
 وہاں ہو گئی ، یہی اُن و شاعری کا مال اور پورج باقی ہر صمد ہے مسئلہ کذاب کی طرح اُن کے مقبضین ہی پیدا ہو جاتے
 ہیں ۔ پر وہ جینگنڈا اھمل استعداد کو اہما واد جو دینا ہے یا فلسفہ و تصوف کے سرخو پتا ہے ۔ زبان سے اُن کی بلا و اف ہوا
 اگر کسی نے اس ناہر گرفت کی تو کہہ کر ٹالی دیا کہ شعر میں اصل شے خیال ہے ۔ الفاظ چنداں اہمیت نہیں رکھتے بس
 اتنا ہو کہ خیال کی ایک بھٹک نظر آجائے ، جو کچھ بھی ہے الفاظ کا رقص و موسیقی اور ترکیبوں کی خوبصورتی ہے ۔ ممکن ہے
 کہ مجذوب کی طرح شاعر غیر ارادی طور پر غیب کی باتیں نظم کر لیا ہو ۔ غرض اس فرقہ کے نزدیک جو شعر حسن قد منقطع ہے
 اُسی قدر عمدہ ہے کیونکہ قیاس آرائی کی پوری آزادی ہے ۔ شعر میں جو حسی چلے پہناتے ۔ اگر کسی نے اعتراض کیا کہ
 الفاظ تو اس مضمون کے متحمل نہیں تو ارشاد ہوا کہ اگر شعر کا یہی مطلب نہ ہوتا تو میرا ذہن اُدھر مقباد رکبوں ہوتا ، چلے جھگڑا
 چکا !

ایک گروہ معرب زدہ ذہنیت والوں کا ایسا ہے جو غزل کو ایک سرے سے ناقابل التفات سمجھتا ہے اور
 "نغمیات" کا دلدادہ ہے جن میں جو چاہے بکتے چلے جاؤ کئی باز پرس کرنے والا نہیں ملے گا ۔ اور اگر کوئی شامت کا مارا لہجہ
 پڑا تو اُس کو یہ جواب دے دیا گیا کہ حضرت مسلسل نظموں میں ایسی جزئیات سے بحث اصولاً غلط ہے ۔ اسی "تقبیری"
 نحوہوں اور تخلیقی "رغنائوں پر غور کیجئے اور داد دیجئے ، الغرض ہر زہ سرائی و بے راہ روی کا ہنگامہ برپا ہے ۔ لکھ

برسے کی تمیز نہ گئی ہے۔ زبان سے مبتلائی داخل ہر بھی جاتی ہے، مانتوں کا طعمہ شہا ہے، یہ مصنف احمد
 باد صحر کا اہرام نکا کر سر سے بلانا لی رہی ہے۔ غزل کی قنوت رننے، اے ہیں جہنم کے حساب لے، رات رات
 کی برخوں ستوری نے جیسے آ رہا وہیں ہی صنف موزوں ہے۔ طلوعہ بریں زبان کو دھبہ شہت لے، اس کے سایہ میں صاف
 کرتے دلتے وہی شعر جہنم میں جو زبانوں پر چڑھ کر سرسب اور مثال کا جو خاص کر بھی، - بصورتیت حوالہ کھوا اور کسی دور
 میں بھی ہے اور اگر ہے تو براے نام ہے، چنانچہ سر آقبال نے بہت کچھ لکھا، جو خوب لکھا، مگر انصاف یہ تو یہی
 ہے، انہ شہرت کا سنگ جیاد ایک نالہ مطلع ہے، اگر کسی سے فرمائیں رو کو بریں ان کا کوئی شعر سناؤ تو پتہ چلے
 جیسے نہ ہے۔

بہیں لے قنوت قطر نظر آں س مجاہدیں
 کہ ہزاروں سہ سے تڑپے ہیں مری میں نیاز ہیں
 دل کا ایک ایک شعر بشرطیکہ دل سے ظاہر ہو، اس سے طویل نظم پر جاری توجہ، قوی نظم کا جو بہ غزل کے بہ شعر میں
 لکھی آ رہی ہے، شوکت کا یہ مطلع -

کی ہے آن کو مجھ سے کیا اور میرے افسانے کی

رد ہا، بلوانہ قراب کام ویدہ لے سے کہ

سی غزل کا ہے۔ شاید ہی کوئی شخص ہر صنف کی زندگی کے کسی نہ کسی تجربے سے اس شعر کے مفہوم حاصل - ہر دانش کی
 سرگزشت کی ترجمانی نہ کرتا ہو۔

ہو تمندوں کی ایک اور جماعت غزل کو اس وجہ سے مردود قرار دیتی ہے کہ اس میں خیالی ماس جوتی ہیں کوئی ایسا
 پیغام نہیں ہوتا جو اس کے مردہ دلوں اور متصل جگہ مطلق قرن میں عمل کی روح چھوٹے، و چون ہر سیدی پڑھا ہے، جس نے
 ایسے ہی لوگوں کے باب میں لکھا تھا -

گرم اشعار سے کھلتا ہے بختہ تسلیم با -

کام کرنا ہے جنہیں کام کیا کہنے ہیں مکتب شعر میں یاد رس لیا کرتے ہیں

غالبا ایسے ہی لوگ شوکت کے ذہن میں تھے جس وقت انھوں نے یہ شعر کہا -

جس طرح گزری ہے اب تک، اب بھی گزرتی رہی

ہم نہیں بدلے تو دنیا کے بدل جانے سے کہا -

غزل میں کیا کچھ نہیں جڑا اور کیا کچھ نہیں ہو سکتا مکرر دوروں اور سرمایہ دلوں کو لڑا کر پرٹ ڈالنے والوں کے لیے نہیں، نہ
 جاپوں اور نا اہلوں کے لیے، بلکہ اہل ذوق اور اہل نظر کے لیے۔ ایسی غزل کی نمائندگی شاعری میں جسے بے وردگی و بیل کی
 شام کی کے لیے ہنسی اڑاتے ہیں، ایک سچا شاعر سیاسی واقعہ کوئی گتھیاں سلجھا دیتا ہے اور طبائع کو غور و فکر اور حقیقت
 نفع و ضرر سمجھنے پر آمادہ کرتا ہے، شہت سے

یہ کج ہے ایک حالت پر کبھی دبا نہیں ہئی

فص کو آج میں برجیچ دینا ہوں مہرتان پر

مسلمانوں کی لوری اور بخ عروج و زوال پر چھ جائیہ اسی شعر کی شرح مابت ہوگی۔

ماورے ست و یارپ کی شادی فوس کے مد سے اجماعی صفت و راحت کے حرمیں اور عک کی تربیت سے غافل عذ

وج کے دھوکے مگر اور دنیا و مآثر کا رونا سے بے خبر چمٹے ہیں، مغربی متمدن کی محض انصافی و تباہ کاری شورش پسندی و

پیدائشاں عالی سے ہم دور جس جوت نہیں لیتے اور نہیں سمجھتے کہ روحانیت کو چھوڑ کر مادیت کی طاقت بڑھنا بہیمیت و دھوکے

کا پیش حیر ہے و صحیح عقیدہ آزدی سے کوسوں دور جوتا ہے۔ ہزار ہاں بیت ہاں میں سنانے کی ہوں ماورے کی۔ شوکت

ساری انا کر کیا۔ دینے ہیں اور منہ پر کرنے ہیں، نہیں وہ غلط و خطابت سے انگ ہو کر شیریں، اور دل بھائیو اے غموں میں کہ

محنت ہو کئی ہے چہرہ دلوار عدا ہے

اسیر آب و گل عاشق چمٹے ہیں اپنے زلفاں پر

مادیت سے روحانیت کی طرف رجحان کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔ اور غمیں ہے کہ شوکت کی رجحان بونی مستقبل ذہیب میں

چوری ہو رہا ہے۔

ن سجدہ ریزیوں کا وہ دور آ رہا ہے

جب بندگی کرے کی سجدہ دی جیوں پر

خیر یہ ڈکٹر الکسانس روایا جلتے، آج اب محض روحانی انبساط حاصل کریں، ادب کا، اصلی مشا، اور صحیح مفاد ہی ہے۔

زمانہ نے مذہب و فرائض کرنے کے بعد انسان کو امید ہوتی ہے کہ اب اعلیٰان نصیب ہوگا مگر نقد پرستی ہے

اور ہستی ہے کہ بنی سر نوشت کی تکمیل کی اہمیت ایزدی کو نہ سمجھے ہو نہ سمجھو گے۔ اگر شور ہے تو آرام کی خواہش کے بدلے

اور محنت و جان کا ہی سے کام تو قہ ہونے سے بھلے داسی برضا ہو اور سر تسلیم خم ہوگا اور اپنی سسی و جدوجہد پر نازاں ہو کر اصل

مقصد کو نہ بھول جاؤ۔

میری قسمت کے بچ و شتم بکھے میوے، و نہ سے نہ نصیب فراز

خالص تغزل بلے پناہ شعریت اور اثر انگیزی میں یہ شعر آپ اپنی نظیر ہے۔

تاثر ہی بیاں میں نہ ہو جب تو کیا کروں

کیا اپنا حال اُن کو شفا نہیں ہوں میں

صرف اندازہ بیان کی اظافت نے اس شعر میں کیا کیا مزہ جہر ہے اور کس قدر محضی اضافہ کیا ہے۔

تو بہ کرونگا و عطا، لیکن ذرا ہی سن لوں

کچھ مجھ سے کہہ رہی ہیں آڈی ہوئی گھٹائیں

واقعات حسن و عشق کی مصوری کس دلکش پیرایہ میں ہوئی ہے۔

دھوا کا تھاٹھا ہوں کا ٹکڑا — قسم دے

چھڑا رہی لہروں میں تیرے نکاح کی

۔۔ کی نشتر اٹھا کی تار ۔۔

حسب راہ میں راہوں سے جانی سے

۔۔ وہ صاف سے صاف ہی لسی ۔۔

۔۔ کی جس پہ کاری دلچسپی ہے

کہ دوسرے رہا میں ہی بہ صورت پر ہو

ہیں ہوں دھڑکے ہوئے ہوں اور

دس دھڑکے صاف دھڑکے ہیں ان کا دھڑکا ۔۔

دھڑکے دھڑکے دھڑکے دھڑکے

دھڑکے دھڑکے دھڑکے دھڑکے

دھڑکے دھڑکے دھڑکے دھڑکے

دھڑکے دھڑکے دھڑکے دھڑکے

دھڑکے دھڑکے دھڑکے دھڑکے

ہر تہ کے متعلق بہت کچھ لکھا جاتا ہے مگر یہی نہیں کہ میں مدد سے ہوں جلد سوت لی جی تالیف ہے یہ نظمیں اس صفحہ
سے زیادہ نہ ہو اور صفحہ ہی بسم اللہ کی غرض کے برابر چند دھڑکے دھڑکے دھڑکے دھڑکے دھڑکے دھڑکے دھڑکے دھڑکے
کی طرف بھرتہ نہیں ہے۔

تو کت کا مجھ کو غزلت اس لئے نام کا جی مجھے مل نہیں، نول جہاں کا گنج ہے۔

ہر صفحہ پر ۳

لرشد و امن دل کی سند کہ جہاں نجاست

دعا ہے و اہل نظر میں شرف قبول پائے اور ان کی محنت ٹھکانے لگے۔ آمین۔

شیش محل

(۷)

مولانا عبدالمجید دریابادی

سراج یاران، زمانہ وقت وہ دور کے لیے بطرس جلد رستید صدیقی ملک لے پیے ایک شغلہ نفع دہی ہے۔
شوکت نے اسے اس مسکن من بنالیا ہے اور قدرتا ان کی نگاہ ایک فن کار کی نگاہ ہو گئی ہے، ان کا نام ایک فن کار کا نام ہے۔

یہ شیش محل ان کے بعد بستی کا رہا ہے۔ اپنے کھنڈواؤں میں سے ۱۱۲ کے چہرے عورت نمئی کی تربیت کے لیے
نے اس تعلیمی آئینہ میں دکھائیے ہیں، سب کے سب کسی نہ کسی جہت سے، وہ ہی سے اصل رکھنے والے ہیں۔ یہ اور بستی ہے
کہ افراط نازک حجابی سے نہیں صرف کتب و شوق کو بھی اس تعلق کے لیے کافی سمجھ لیا گیا ہے۔

یہ تعلیمی نگار خانہ، دور کیجئے کہ ایک عجائب خانہ ہے، بعض ان مشاہیر میں اتنے مشہور کہ ان کا لحدف بھی ان کی توہمیں۔
بعض ایسے گناہ کہ اتنی تعریف و فقاوت کے بعد بھی مجبور کے مجبور۔ ان میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی، بوڑھے بھی ہیں اور
جوان بھی، بعض ایسے ہیں جو سب کچھ ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو کچھ بھی نہیں۔ ایسے بھی جن کا بھیجا شہرت نہیں چھوڑتی، ایسے بھی جو
شہرت کی تلاش میں دوڑتے دوڑتے غمک چکے ہیں۔ غرض راض خیر آبادی، ڈاکٹر عبدالحی، حسرت موہانی، جگر مراد آبادی
سے لے کر فقر موہانی، امیر امیشوی اور صدیقی تک، ہر روایف، ہر قافیہ، ہر وزن، ہر بحر کے فونے اس دیوان
میں شاعر کہیں تو خالی و صرصر طرچ پڑھ کر چپ ہو گیا ہے اور کہیں دو غزلہ بلکہ سہ غزلہ چھیڑ دیتا ہے۔ نگار خانہ ظریف کا
ہے، عزت و شوخی ہر چیز پر مقدم ہے لیکن حقیقت و صداقت عموماً دوش بدوش۔ "کوما" کا مضطرب خیال میں ہے۔ غرافت کا
گلکاریاں، شہر نگاری کی رنگ آمیزیاں، موزخ کے کیمرے اور فوٹو گرافی کی قائم مقام نہیں ہو سکتیں۔ چہرے یقیناً ٹمپے
و لکش سب کے ہیں اور ہی فن کار کا مال ہے۔ البتہ کوئی چہرہ آترا ہوا، کوئی ذرا دکھا ہوا، کسی پر روحانی و زہیبائی کا نقاب پڑا ہوا۔
کسی پر روحی حسن افزا کا خازن پھرا ہوا، کسی کی پیشانی پر شکن، کسی کے چشم و ابرو پر غضب کا بانگ ہیں۔

غراف نے ہنسے ہنسنے کا سامان قدم قدم پر کیا ہے، لیکن کہیں کہیں اندازہ کو لے میں خود بھی نچا کھا گیا ہے، نازک خیال
اور پھر کھنڈ و جوار کھنڈ کے نازک خیال، نازک مزاج بھی کچھ کم ہوتے ہیں۔

حسن اور اس پر حسن ظنی، رہ گئی بواہوس کی شرم

خوب کیا شوکت صاحب دیا جد ہی میں سب سے معافی مانگ لی ورنہ محبت نہیں ہو سکتی تھی۔

یہاں اور

بستہ اور بچے کے ہونے سے ہیں

۱۔ شادی حقیقت ہو کر رہی ۱۔ تہہ خدا خواستہ سدا قد غافل غاب میں وہ وہ دیکھ رہے ہیں۔ چہ میں وہ باوجود غائب ہو
مائل تھے ہر سب سے

مے شیر شاہ اش دھرت خدا کی

صوبہ سے صوبہ تک ایک ایک رورہہ ذکر جس رنگ میں ہے وہ نفس بہت دوسرے صاحب کے دور دورہ ہے۔
کھانا۔۔۔ تبیں علی پر ہے تھا ستا پتھر اس کے بعد کچھ ہی عید میں رہا ہے۔

ہر چیز محض نفرت اور دل کی نہیں۔ اس سے بڑے بڑے سجدہ موتی خوش چینی کر کے آئندہ میں
نقاب افغانی کے حوالے کس شہدہ کے ساتھ مغرب و مشرق کے بڑے بڑے سجدہ موتی سے ہے میں۔ چہ لکھا بہادری اور
ساحر ادا گویوں کے سازندوں اور دھاروں سے بھی کئے گئے جہے ہیں۔

کی اور بڑی کی اس کتاب میں یہ ہے دیکھا جائے خود مصروف کتب سے عالی ہے۔۔۔ تجویز کاؤرہ اچھریوں
کے ہارٹ کے، ہارات بغیر فوتہ کے، ہارٹ و عرونی بغیر ہضم خود، طرف کی ہضم عرونی:

شخصیت نگار شوکت

(۸)

وقار عظیم

شوکت قاضی دنیا سے بھٹکتے ہوئے اور دوستوں کی غلط فہمیوں سے بے خبر تھے۔ شوکت کی کبھی ذہنی، ایک انجمن تھی اور جب یہ جتنی بھی انجمن اجاب کی غلط فہمیوں میں پہنچ جائے تو ایک محفل میں کئی محفلوں کی جمل میں شروع ہو جاتی تھی۔ بات بات پر فقرے اور لفظیں، ہر فقرے اور لفظ میں ذہانت، تشنگی، تازگی اور بھرپور زندگی، اور ان فقروں سے پیدا ہونے والی ہمت اور قہمت کی پیہم اختیاری اور گہرے دہش پر چھا جانے والی تھیں۔ — ہر سب کچھ شوکت کے ساتھ بھٹکتے ہوئے۔ لیکن اس نے اپنے قوی تشنگی و تازگی سے غروں اور غیروں کی بے شمار ایسی مجلسیں آج کی ہیں کہ آدمی ان میں داخل ہو جانے کو نکلنے کو بھی نہ چاہے۔ یہ علم باغیوں ان کے نادوں میں ہیں۔ مضامین میں ہیں اور ان خاکوں میں ہیں جن میں کچھ کر کے شوکت نے شخصیتوں کا آئینہ خانہ یا تیش محل تعمیر کیا ہے اور جن میں اپنے 'سے' کا مدد دے کی زینت بنایا ہے۔

انسان کو معاشرتی حیوان کہا گیا ہے اور اُس کے اس وصف کو اُن کا ایسا امتیاز قرار دیا گیا ہے جس کی بدولت اُس کی عقلی، فنی اور داخلی صلاحیتیں ابھرتی، پرواز پاتی اور ارتقا کے مرحلوں سے گزر کر باجمود و جمک پہنچتی ہیں۔ لیکن ہم میں سے اکثر کا یہ حال ہے کہ معاشرتی حیوان ہونا ہم پر ایک بڑی قہمت ہے۔ ہم معاشرتی ہیں لیکن معاشرتی ہونے کا حق ہم میں سے بہت کم ہوتا ہے۔ یہ حق زندگی میں جس طرح ادا کیا جاتا ہے، اُس کی ایک صحت یہ ہے کہ آدمی لوگوں میں مل کر بیٹھے تو اس کا ٹریک محفل ہوتا ہے سب کو بھلا معلوم ہو، لوگ اس بات کی آرزو کریں کہ یہ معاشرتی حیوان اکثر ان کی بزموں میں آتا اور بزموں میں زندگی کا رنگ اور زندگی کا نور بھرتا ہے۔ شوکت قاضی اسی قسم کے برگزیدہ معاشرتی حیوانوں کی صف میں آتے ہیں۔ انھوں نے زندگی کی زندگی کی طرح بسر کی اور دوسروں کو یہ سبق دے گئے کہ ہزار انجمنوں میں بیٹھ کر بھی آدمی — — — — — ہے اور بھٹکتے رہنے کو اپنی عادت اور معمول بنا سکتا ہے۔ شوکت کی زندگی میں اور شوکت کے ادب میں ہمارے جیسے ہی بہت بڑا سبق ہے۔

شوکت کی زندگی کے مختلف رخ ہیں لیکن زندگی کے ہر رخ میں اُن کے کردار کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ انھوں نے زندگی خوشحال اور خوش مزاجی کے ساتھ بسر کی۔ خود اپنے دوسروں کو ہنسایا اور اس طرح زندگی بسر کرنے میں ان کی نظر ہمیشہ ایسی چیزوں پر پڑی جن کے مشاہدے اور بیان 'دونوں میں لطفِ حیات' کا سامان موجود ہے۔ گھر پر ماحول سے الگ بہت کچھ شوکت کی زندگی کے اُس پہلو پر نظر ڈالنے سے جس نے زندگی کا معاشرتی رخ کہا ہے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ شوکت کو ابتدائے شباب ہی سے ایسے مشاغل اپنانے اور ہنسنے اور ہنسنے

اصناف کے ملنے میں ذیل کے دو عملے آئے ہیں، اور ان کی شہادت کے بعد جوڑوں کو بڑی خوبی کے ساتھ افحہ کئے گئے ہیں۔
”ڈاکٹر می اور چٹے نور، غائب میں اپنی آپ نظیر“

”تجارت تحت، خدمت مانتے ہیں اور شہ ترہ سے پڑھتے ہیں۔
اشفہ کھنوی سے تہ کوئے میں گئے ہیں۔

”اب جان کہ اگر کھ کے نہ ذ اور چڑی و پچا جے کی چڑیوں میں ذابھی شہ ترہ۔ بیدا ہو بلے۔
خدمت حسین کاٹنے اور اب کے سادوں میں جو مرہبہ اس کے پیش نظر اپنی امداد کی بے کھلی کا مال سے مرع بیان کیہ۔
مہ لفظ وید پر ایشین پر اکثر طقات میں موجود تھیں۔ بیا اور پرانا ادب خور کی دیر کے ہے در مان سے
اُٹھ جاتا تھا۔

ایک دعوت میں مولانا احسن ادرہوی کو صافہ ہاتھ دیکھا تو ان پر یوں چلتی گئی،
”مخاک ترموہا شہتی کے استقامت معلوم ہوتے ہیں آپ“
ریح احمد خان کے سال میں دوستوں کی غص کی آبادی اور دیوانی کا ذکر کہہ کر کہتے تھے ہیں کہ:
”پکے کانے کانے جا رہے ہیں پکے شہ ترہے جا رہے ہیں۔“
کوئی سفیدہ بزرگ آئے تو ان سے محی مسائل پر تبادلہ خیال ہونے لگا اور:
”اُن کے جاتے ہی پھر نہ۔ یہ پھول اور چہرے سے شکوہ برسنے لگے۔“

شوکت نے ان خانوں میں لفظوں کی مدد سے جو جادو جگایا ہے اُس کی یہ مٹوری سی مثالیں ہیں۔ ان مثالوں میں الفاظ کو کسی
ایسے سیاق میں استعمال کر کے جہاں وہ عام طور پر استعمال نہیں جھتا، کہیں انہیں آس پاس کے لفظوں کی دناجست سے، یکے کے معنی
اور نیا مفہوم دے کر، کہیں لفظ کے ایک مفہوم سے زیادہ دوسرے پر زور دے کر یا اُس کے دو مفہوموں میں سے دوسرے کے مفہوم میں
برت کر، کہیں لفظ کو بھتی بنا کر، کہیں امداد کو ٹکینوں کی طرح جملوں میں سما کر، اور کہیں محاد سے سے سیدھے سادے لفظ کا کام لے کر
شوکت نے طبع مزاح بھی پیدا کیا ہے اور موقع اور محل کے مطابق کوئی موثر بات بھی کہی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظوں کے
استعمال کی یہ مثالیں، الفاظ پر ان کی قدرت اور اس قدرت سے بے ساختہ مزاح پیدا کرنے کی صلاحیت کی بڑی سیدھی سادھی مثالیں
ہیں۔ اُن کی مزاح نگاہی کے زیادہ شگفتہ، زبادہ بلیغ اور زیادہ موثر ہونے اس وقت سامنے آتے ہیں، جب شوکت کی ذہانت اُن
کی رنگینی، تخیل اور تازگی فکر کو اُجھارتی اور ان کے میل جول سے لفظوں کا طعم خانہ آباد کرتی ہے۔ لفظوں کے اس میل جول کی مختلف
صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک ہی جملہ اتنی بڑی بات کہہ جاتا ہے کہ پوری شخصیت کا پھیلاؤ اس میں سما جاتا ہے اس
طرح کے چند جملے سنئے:

”طبعاً فیلسٹ اور وضع قطع میں پیرس کاؤ حلا ہو اکھڑ واقع بھٹے ہیں۔“ (یہ ہیں سائر نظامی)

۳۰۰ زخمیوں کی مرعہ کڑی، و فیصلہ کے ذریعہ اس طرحی حکم قرار دیا۔

سبوت رستمی: ۱۳۰۰/۱۲/۲۵

نصرت کے لئے اپنی جان کا قربان کر دیا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ وہ دراصل جو کسی بھی قوم کی سے محبت کرنے والے ہیں۔
 انہوں نے اپنی جان کا قربان کر دیا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ وہ دراصل جو کسی بھی قوم کی سے محبت کرنے والے ہیں۔
 انہوں نے اپنی جان کا قربان کر دیا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ وہ دراصل جو کسی بھی قوم کی سے محبت کرنے والے ہیں۔

تو کہہ رہا ہے کہ میں نے جو وہاں سے لایا ہے وہ سب کچھ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے جو وہاں سے لایا ہے وہ سب کچھ ہے۔

میں نے دوستوں کو خبر دیا تو انہوں نے بھی اسے ٹھیک کہا۔ میں نے کہا کہ میں نے یہ سب سنا ہے۔

”میں نے یہ سنا ہے کہ تم نے سب سے زیادہ افسوس کرتے ہو۔“

۴۔ مایہ نند و ذلت و جبر فی محض اسماں، و یہی نہا ٹھہری ہے: ہرے وں سائر۔ سنن ص

”اے کوس، اپنیڑو یہ جی بھاماسے ہے، یونہی پس تسری در جزیں جنت ہی اماندہ و سنی

سرمزج بہادر سپردے ملاقات ہونے کی دودھ چاہی ضرور میں فطرت میں۔ ختم آؤنی دوسرے پر یہ نہ مانگا ختم
 شاعر باکم سے کم جراثیم پیشہ :

حضرت بزرگ مکنوی کے کلام کو ہندوستان میں صرف دو مکتبوں نے پیشوایہ ہے۔ آخری باقی نہیں بادی کے
لاکھنؤ شاد احمد صاحب نے چھاپ کر دی (شاد احمد - شیش محل)

”سر میں دماغ اور ہاڈوں میں سپنجر۔ دماغ بھی جل رہا ہے اور خود بھی جل رہے ہیں۔ نہ وہ تھکتا ہے، نہ یہ تھکتے ہیں۔“ (ملکیم خوجہ شمس الدین — شیش علی)

مہوش صاحب کا بھن ہونا شاعر بھننے سے بھی زیادہ یقینی ہے، جن بھن ان کے کلام میں بھی ملے، ری، مروا گئی، جھک جاتی، سو خوابت اور غیظ و غضب نظر آتا ہے جس کو لوگ، انھیں پسند کرتے ہیں اور یہی حوش کی شاعری کا روح ہے۔

کلام میں کرمیت اور صورت دیکھ کر شفقت کو دل چاہتا ہے۔ کلام نہایت دورانی اور خود بنابست بکے پھلے۔ سناتے اس طرح میں گویا ٹھوک رہے ہیں۔ کلام کے زور میں انہیں خود اٹتے بھننے میں جتنے ہیں۔ آواز آتی ہے۔ اگلے میں نہر بھی ہے مگر حوش میں، اگر جسے نہرے ہوتے ہیں اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ خلافت فتنے سے اپنے کرنے کو تے باقیوں کے مروتا شوکت علی کو ختم تھا ہے۔

(روشن مدحتی۔ شیش میں)

مغربین صاحب کے کلام میں فتنے اور نازیباں کچھ اس طرح سے نظر آتے ہیں کہ آدمی نہیں جس کہ نازیباں کھاتا اور نازیباں کھا کر بنتا ہے۔ (غربیت طعنی۔ شیش میں)

اب خاص غریبانہ انداز کے تبصرے کا ختم کیجئے۔

”اگر یہ بھی سمجھ میں آجائے تو دماغ کا علاج کراؤ اور اگر نہ سمجھ سکو تو اس دماغ کی قدر کرو۔ یہ ضرور کسی دن تمہارے کام آئے گا۔“ (میراج۔ قاعدہ ہے قاعدہ)

”یہ پشیمان شاعر خدا سے بھی الگ ہے۔“ (جوش میں آبادی۔ قاعدہ ہے قاعدہ)

اُن کا اسلوب اُن کی ملکی بہن حاجرہ مسرور کے اسلوب کا سا جانی معلوم ہوتا ہے اور بس۔

(خدیجہ مستور۔ قاعدہ ہے قاعدہ)

”بچہ! ان..... کا کلام اگر پڑھنا ہے تو ان کی غزلیں ڈھونڈو۔ نئی شاعری میں۔ پڑھنا نہ صرف تو کو شکل سے ملے گا، اور ان کا کلام بھی سمجھنے کی کوشش نہ کرنا۔“ (ن۔م۔ راشد۔ قاعدہ ہے قاعدہ)

ادیبوں کے فن پر یہ مابہرہ تبصرے اُس وقت اور بھی مؤثر معلوم ہوتے ہیں جب اس کا مقصد ادبی مرنے کے یقین کے بجائے شاعری ادیب کی شخصیت کا تعارف ہو۔ یہ تعارف عموماً واقعات کے بیان کی صورت اختیار کرتا ہے اور واقعات کا بیان اپنی تصویریں خصوصیت کی بنا پر کسی شاعر یا ادیب کی زندگی کے ایک یا کئی پہلوؤں کو اس طرح اجاگر کر دیتا ہے کہ، ان کی شخصیت کا نقش ہمارے دل میں گہری اور دائمی جگہ بناتا ہے۔ چند چھوٹے چھوٹے تعارفی جملے سن لیجئے۔

”موتے تازے لیے تڑگے آدمی ہیں۔ ماڑی قد سے کچھ ہی چھوٹی ہوگی۔“ (ذخیں احمد۔ شیش میں)

”غرض ان کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں اور شاعر ہی اچھے نہیں نہ کہنے لگیں تو باقی شاعروں کو بھانسنے کے لیے کچھ آزاد نظمیں بھی کہہ ڈالیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب آزاد نظمیں کہنے لگے۔“ (قاعدہ ص ۱۵۹)

شعوتِ خانوی کے طے ہونے اور شاعروں کے یہ خاکے شکتِ خانوی کے اسلوبِ مزاج کی جلد خاصیتوں کے حامل ہونے کی وجہ سے پڑھنے والے کی تفریح اور افساد سے بے شمار سامان مہیا کرتے ہیں۔ تفریح اور افساد کا سرڈیا ایک طرف تو سیدھی سادی با محاورا مجلس اور صاف دستہ نہ نثر کی وجہ سے مہیا ہوتا ہے دوسرے افساد کی اس بازیگری سے جس میں شکتِ خانوی کو مدد دینے کی مہارت حاصل ہے اور جس کی مثال میں ان کے خاکوں کے مست سے ہونے، جی پیش کہنے لگنے، یکن زبان دیاں کے لطف کے علاوہ ان خاکوں کی ایک تہذیبی معاشرتی اور اخلاقی اہمیت بھی ہے۔ ان خاکوں سے بہ حیثیت کجروی تمام معاشرے کے ایک خاص دور کا تہذیبی کردار بھرتا ہے اور ہر بچہ اور شاعروں کے متعلق ہم جو کچھ پڑھتے ہیں ان میں ایسی بہت سی اخلاقی اور معاشرتی قدروں کا چھاؤ نظر آتا ہے جو رفتہ رفتہ نظر سے اوجھل ہو رہی ہے۔ شاعروں کے عارف و ظرافت کے یہ مرتعے حقیقت میں ان سعادوں کے تہذیبی طرز فکر اور طرز عمل کے دکھائے مرتعے ہیں جن کی تکمیل ایک طرف تو ان تمام ادیبوں اور شاعروں کے ذکر سے ہوئی ہے جو ان خاکوں کا موضوع ہیں اور دوسری طرف ان کے صحت کے رنگِ طبیعت سے جس نے ان کرداروں کے تہذیبی مزاج کو اپنے مزاج میں جذب کر کے یہ زندہ دہنے والی تصویریں بنائی ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان تصویروں میں سے بعض اور حوریں، ورنہ ممکن ہیں اور بعض رنگ اور نقش یا بہت بے ہیں یا بہت تیز لاؤ شوخ اور دلگداز کا یہ فرق صحت کے ذاتی مراحمہ کے رنگ کا پیدا کیا ہو ہے۔

میرے نزدیک ان خاکوں کی ایک اہم خصوصیت ان کا وہ خلوص اور یا ننداری ہے جس کی بنا پر انھیں ترتیب دیا گیا ہے اس لیے ان میں کہیں کہیں قصیدے اور بحر کا جو رنگ پیدا ہو گیا ہے اس سے قطع نظر ان کے عادت سے لاجوں اور شاعروں کی عظمت کے پسو بھی سامنے آتے ہیں اور ان کی بعض گزرواریوں کا افسانہ بھی ہوتا ہے اور اچھا نیوں اور برائیوں کا یہ، تیز مزاج انھیں مافوقِ عظمت ہونے سے بچا لیتا ہے۔ وہ شاعر اور ادیب ہوتے ہوئے بھی انسان ہیں، جو اثراتِ اخلاقیات پر کجروی خطا و نسیان کا مرکب اور بحر صاف ہے۔



منتخب مضامین

(مجازیر میرزا دودا خان خضایی)



اپنے مضامین اپنی نظریں

شوکت تھانوی

میں نے مضامین کو میرے مختلف طبقات میں تقسیم کر رکھا ہے۔ شوکت تھانوی، افسانوں، نثری مضامین، بہ نثری مضامین، میرے پیر
تھانوی، میرے کہ جب تک میں خود اس پر روشنی نہ ڈالوں، اس کی حیثیت ہی ایسے ڈاکٹر کے نسخوں کی ہے۔ محدود، نام نہاد، جسے وہاں ہر
طرح کر کے، ہذا کے چلے ضروری ہے کہ میں اپنی اصلاحات کا مفہوم خود بیان کروں۔

وفاقی مضامین میری زبان، معانی میں سے ہے جو کسی عنوان سے نہ کسی عنوان سے نہ خود موضوع ہی سے نہ اور بعض
اوقات مضمون کا نہایت تفصیل خاکہ دے کر ضمیر سے جانتے ہیں۔ کہ یہ مضمون پورا اس طرح اور اس قدر لکھ دیتے، کہ ہر مضمون تو کئی کئی
ہو کر ہے۔ ضرورت صرف یہ ہوتی ہے کہ اس صحت کو جس طرح قبول کر کے اس مضمون کو سامانہ دے، اور ہر جہہ خود تھانوی کی
نہ کروں۔ اب شے میں نے ایک مضمون لکھا سو دیکھیں یہی جو کسی زبان میں پھیل گیا، اور اس پر پھر بھی کسی نامی انداز کے پڑھ کر صاحب
کی۔ اب یا تو ان کا نہایت تفصیل خطائے گا یا اگر معافی قصبہ ہوا تو وہ خود نہایت تفصیل طور پر تشریف لے نہیں گئے کہ حسب ایسا مضمون
آپ کہہ کر بھی لکھ دیں۔ شوکت دیکھتے تانتا، چھ مضمون ہے سو دیکھیں ڈاکٹر خانہ۔ اس مضمون کو اگر آپ اس طرح لکھیں کہ شوکت آپ کوئی پادرس سے
ڈاکٹر نے لکھے ہیں اور وہ ان پادرس لکھ کر آپ کے رہے کہ وزن تو اس کا اتنا ہے کہ لکھنے تو رعایت کروں اور حسب آپ اس پادرس کے یہ
محنت خریدنے میں تو اطمینان کو کہیں تول کرنا ہے اور پھر پھر مصلح تمام آپ کو بارہ آنے کا لکھ لی جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ بڑی بھانسی ہے اس
موضوع میں عرض کیا ان سے کہ "بندہ نواز آخر آپ خود ہی لکھیں کہ لکھتے" اپنے نزدیک وہ اس کو بھی طیف لکھ کہہ لے تو خوب ہے پھر
جب اس طیف سے لطف اندوز ہو چکے تو بڑی کمر نسی سے فرمایا کہ میں لکھ سکتا تو آپ سے کیوں عرض کرتا۔

اب ان کو بتانا پڑا کہ وہ لکھ چکے ہیں ان کو بھاتے ہوئے عرض کیا۔

"مکھنے" نامی کہ اپنے تجویز کی صورت میں اس مضمون کا خاکہ بنایا ہے۔ وہی دراصل مضمون ہے۔ اس ای کو آپ لکھ دیجئے۔ میں
اس سے نہ صبر کروں کہ میں اب آخر اس میں کیا لکھوں گا۔ گریہ بات ان کی کچھ میں نہ آئی اور یہاں مصیبت یہ کہ لکھنا اپنا مطلق کے حدود سے
بھی نہ گذر سکتے تھے۔ اگر جب عاجزی آگئے تو کتنا پڑا حضور! لا آپ تو مضمون کا موضوع اس طرح سے کر آگئے ہیں۔ جیسے کسی دلدی کے
یہاں کوئی شخص اپنا کپڑا اور اپنی جاس سے کہ بیچ جاتا ہے کہ پکڑا اس جسم کے لیے سی دو۔ جی آپ کو شہرہ دوں گا کہ چلے مگر تشریف
لے جائے اور اہلخانہ سے بیٹہ کر دزدی اور انشا پر ملازمین جو طبعیت سا فرق ہے۔ اس کو عوس کوئے کی کوشش کیجئے۔

اس فائنشی معنوں سے بظاہر ہوں نجات مل گئی مگر وہ سب سے دن معلوم ہوا۔ اس نے فرائشی صورت اختیار کر لی ہے۔ یہی ہی حضرت بلک ایسے بزرگ قہر کے خدے کو پہنچ گئے جس کے اختیار میں اور کچھ نہ کسی تو یہ فوٹو ہائی کہ اگر ناراض ہو جائیں تو وہ صاحب کو کھ بھیجیں کہ کہنے صاحب دے سخت مافوق ہیں اور بزرگ اس قابل ہیں کہ میں اپنی ٹوکی کی قسمت ان سے جوڑوں۔ مالک بڑے سچا ہے۔ سے غصہ کھا گیا تھا اور بڑی سخت برس رہی تھی۔ اس خط کے بعد ہر دوسرے سے ادھر ہر حرکت ہے۔ مگر اس محبت اور اس شفقت کا نہایت ہونا کہ ابھام بھی تو نظر کے سامنے تھا کہ اب انکار کر کے دھوکہ لگایا جوتا ہے۔ ہوتا کیا؟ ہوا یہی کہ ان حضرات کے کھانے جو بنے معنوں پر گویا اپنا نام لکھ دیا اور اب دم و نیاں جراب دی کہتے پھر رہے ہیں کہ یہ آخر کیا... مگر یہی تھی کہ سو دینی دین سے جد یہ عاقبت کو پہنچے، ظاہر ہے کہ ہر ایک کو تو نہیں بھایا یا گیا کہ یہ عاقبت کن ماستور سے گدہ کر اپنے پاس آئی تھی۔ اور وہ ایسا سب سے کہ اس کو افسانہ بن گیا۔ اس قسم کے فرائشی مضامین اکثر لکھنا پڑتے ہیں۔ اس لیے کہ عزت آبرو بڑی چیز ہے۔ ورنہ لکھنے کی صورت میں ہی چیز خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ تعلقات کے انقطاع کی دھمکی دی جاتی ہے۔ دوستی کے دشمنی میں تبدیل ہو جانے کا خطرہ مدینے و کرپشن کا ہوتا ہے۔ اپنا ہم اگر نہ اچھے ایسے تو ٹوٹی اچھوٹے کی اجازت دینے لگے اس غیر فرائشی مسئلہ کی سب سے خراب حالت یہی ہے کہ ایک دوست نے یہودی کہہ کر پہلے تو وہ نہایت شرافت اور انسانیت کے ساتھ فرائشی خود لکھتے رہے مگر جب کامیاب نہ ہونے تو ایک فرائشی خدا اس معنوں کا بلکہ بھیجا کہ حضرت اگر آپ سے اب بھی معنوں نہ جیبا تو میں ایک ایسا معنوں لکھ کر آپ کے نام سے چھاپ دوں گا جس میں وہ تمام کھو ہوں ہوں گی۔ جن کے آپ معنوں نہ ہو سکیں گے۔ کوشش کرونگا کہ اٹکی میں غلطیاں ہوں، انشائی بھی ہوں، مذاق اور جذباتی کا اختیار نہ ملے گا اور جس کو آپ مزاح سمجھتے ہیں وہ پکڑیں بن کر آپ کے نام سے اس طرح صوب ہو جائے کہ آپ کو مزاح نگار سمجھنے لگے۔ مگر اگر کسی تسلیم کر کے خاتم پڑھ لیں۔ ظاہر ہے کہ اس فرائشی کے بعد کہ نہ لکھنا خواہ مخواہ اپنے کو خطرے میں ڈالنا تھا لہذا ان کے لیے اور حرج لکھا اس کو آج کل فرائشی مضامین کے ذیل میں لکھے ہوئے ہیں۔

فرائشی مضامین سے مراد ان مضامین سے ہے جو رسائل اور اخبارات کے فرائشی نبیوں کے لیے لکھنا پڑتے ہیں۔ یہ مضامین نہایت ہی طور پر فرائشی اور دوہری طور پر معاشی ہوتے ہیں۔ یعنی ان کی فرائشی بھی کی جاتی ہے اور اگر وہ رسالہ یا اخبار کا خاص نمبر نکالنے کے سلسلہ میں جانبر ہو جائے تو کچھ نہ کچھ معاوضہ بھی مل جاتا ہے۔ جب کہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ ہمارے رسائل اور اخبارات عام نمبر نکالنے سے گھبرا کر لگتے ہیں اور خاص نمبر نکالنے کے ہمارے ڈھونڈنا کرتے ہیں۔ چیلے یہ جریدے اپنے سالانہ نمبر نکالنا کرتے تھے۔ یا ایسی ہی کوئی اور اہم رسالہ ہوا، تو اس نے اپنا سالانہ نمبر نکالنے کے علاوہ ایک نصف سالانہ نمبر بھی نکال دیا۔ مگر اب عام نمبر خاص خاص موقعوں پر نکلتے ہیں۔ خاص نمبر تو نکلتے ہی رہتے ہیں۔ مثلاً اقبال نمبر، آنا دی نمبر، قائد اعظم نمبر، حیدر نمبر، بقر حیدر نمبر، حیدر نمبر، امدہ نمبر اور خدا جانے کون کون نمبر ان نبیوں کے لیے لکھ آدمی لکھنے بیٹھے تو زندگی کی ملتیں اس کو نہایت حقیر محسوس ہوں، مگر پھر بھی لکھنا ہی پڑتا ہے۔ سب اخباروں اور رسالوں کے لیے تو غیر نا ممکن ہے لکھنا مگر چند کے لیے تو لکھنا ہی پڑتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اخبارات اور رسائل کی تعداد محدود شمار سے باہر ہے۔ اور یہ سب بے شمار اخبار اور رسالے بے شمار خاص نمبر نکالتے ہی چلے جاتے ہیں۔ لکسرتہ ترین عزیز قریب ایک قسم کے ریلے میں اقبال نمبر نکال رہے تھے۔ اس لیے میںوں کے لیے مضامین لکھنا از بس ضروری تھا۔ ایسا ضروری کہ زندگی اور موت کی قسم کا سوال اچھا تھا یعنی لکھیں تو خود مریں اور نہ لکھیں تو بھی یہ دلا یا گیا تھا کہ لکھوانے والے خود کٹی کر رہے گئے لہذا

[illegible][illegible]

کیا خوب سودا خد ہے۔ اس کا دھڑلہ اس کا قصہ۔ اب اگر ان مضامین کو دیکھیں تو یہ آپ کی زندگی بڑی۔ جو مضامین اس سعادت پر لکھے جائیں کہ جتنا لڑو اگلے آتے ہی مرنے لگے۔ ان مضامین کو ادب و معیار پر جاننا نہ جاتی تھیں تو دور کیلئے۔ آپ کو کیا معلوم کہ ان مضامین کے لکھے وقت بے گھر رہتے تھے کہ ان کے خد کی۔ جگہ جو تھیں۔ وہیں، نظم کھد ہے مضمون و مدد کو کھد ہے کہ جب اس کا دھڑلہ سے لڑو ایک تو اسے کا دھڑلہ میں جن قسم کا سگرت تیس اور اس پر غور نہیں لگے اپنا سو فوکل آ کر جب سی کے سامنے سگرت نکال کر پیش کریں۔ تو وہ بھی مر جاتا ہے۔ اس قسم کی چیزیں آدمی کو خواہ مخواہ جاری جبر کہ بند ہیں، اگر نہ چاہے ایک ہی جو گزرتے ہیں اگر شاندار ہے تو جب بڑے بنیں۔ رہتہ نظم میں۔ اسے دھڑلہ میں ایک دھڑلہ سے، اگر نہ لگے کہ سگرت نکالے زیادہ ضروری ہے یا گھڑی دھڑلہ سے وقت پر چھوڑے شرم کی بات ہے۔ یہ آتہ توضیح اوقات خود سے یا اس کو چاہئے۔ زبرد کا زبرد اس وقت ایک خود بھی کام کی چیز ہے۔ نظم میں دھڑلہ اور مداح میں ایک تیسرا خیال آتا کہ اس مضمون کا معاوضہ ملے گی سب سے ملے تو دھڑلہ کا حساب چکا تا چاہئے ورنہ یہ ساری مفید ہوشی کسی دن دھڑلہ رہ جائے گی۔ اتنے بڑے دیبے سے وہ نایت بے ادبی کے ملے تھلنے میں کہنے لگتے ہیں کسی دن کپڑے ہی نہ مارے۔ ان ہی خیالات میں مضمون ملے گا جتنا ہے اور معاوضہ مل جائے۔ مگر قیامت ہے کہ ان مضامین کو بھی لوگ تنقیدی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اب ان کو کیسے بھجایا جائے کہ صاحب! اس قسم کی تنقید آخر آپ تو کاروں پر کریں نہیں کہتے جو بازار میں بکے لے یہ دھیر ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی تنقید آخر آپ کسی کباڑی کے بیٹے کی فریخ پر کریں نہیں کہتے۔ آخر یہ بھی تو بکھاؤں ہے فراموشی، فراموشی، فراموشی اور معاشی کے علاوہ مضامین کی ایک اور بھی قسم ہے یعنی آواز مٹی اس قسم کا میں نے اس سے ذکر نہیں کیا ہے کہ ان مضامین سے میں ہمیشہ بھلا ہوں اور اب تک خدا نے مجھ کو مضامین کی اس قسم سے بھلایا ہے۔ یہ وہ مقبے کے مضامین ہوتے ہیں جن کے اعلان بھی سرکاری طور پر اور کبھی بھی طور پر اجازت میں ہوتے ہیں کہ اس کو مضمون بہترین مضمون سمجھو اسے کو بھلا اتمام اتار اور دھڑلہ

اتنا اور تیسرا اتنا دیا جائے گا۔ اور یہ کہ نہیں کہا تھا کہ چوتھے نمبر پر آئے والے کو اور اس سے می ستر ہینڈ سن حاصل کرنے والے والوں کو کیا بک
مرا نہیں دی جائیں گی۔ بس ملاحظہ یہ کہ اس کے نہ مضمون آٹھ صفحات کا ہو نہ وہ چاروں پر حق کا اندازہ لکھنے والے ہوں یا آپ سائن بورڈ کے خط میں
وہ آٹھ صفحے بھر دیں۔ مصلحت کرنے والوں کی مین کا مطلق ہونا ہے۔ خدا تعالیٰ مانتا ہے۔

پھر دوسری احتیاجیں نہ لاکھڑے صرف اس حرف لکھنے۔ بانی ہاتھ میں قلم کیڑ کر نہ لکھنے اور اگر آپ کا بایاں ہاتھ دوا بنا ہو تو دلہنے
ہاتھ سے جو آپ کا بایاں ہو نا قلمی پر ہر بکریں۔ میں اس جگہ سے میں قلمی نہیں پڑا اور یہ می اتفاق ہے کہ انعام کی بڑی سے بڑی رقم بھی مجھ کو
اس حرف متوجہ نہ کر سکی۔ اس لیے کہ میرا ہاتھ دیکھ کر فراموش امید کا ایک ماہر یہ ہاتھ پیٹے ہی۔ اس کا ہے کہ نہ کو کسی لاٹری کسی معنی اور اس
قسم کے کسی مقابلے کا انعام کہیں نہ ملے گا۔ وہ مٹی اب ایک آخری قسم مٹی پیدا انٹی مضامین۔ یہ مضامین وہ ہیں جن کے متعلق مرزا غالب نے
ایک دن لکھ دے کہا تھا کہ ط

آتے ہیں خیال میں یہ مضامین خیال میں

یہ مضامین وہ ہیں جن خود اپنے سے لکھا ہوں اور آپ سے زیادہ خود ہی خوش ہوتا ہوں خود لکھتا ہوں اور خود ہی اپنے کو سنا ہوں
خود ہی اپنے کو دہنیا ہوں اور خود ہی کمر نفس سے اس داؤ کو دھول کرتا ہوں۔ نہ میں کس قابل ہوں۔ مگر ان کے مضامین بہت کم ہوتے
ہیں۔ لوگ میرے مضمون سودیشی رال "نوسے اڑسے اور میں محض اس خیال سے ہپ ہو رہا کہ عیس نہ لگ سنے۔ اب اپنا مضمون شاہین پتے
مجھ کو سودیشی۔ یہ سے کہیں زیادہ پسند ہے اس لیے کہ اقبال۔ نہ لکھ کر مجھ کو وہ مسرت اور اجنبی حاصل نہیں ہوا جو خوشی شاہین پتے
لکھ کر حاصل ہوئی۔ اسی طرح بے شمار ایسے مضامین ہیں جن کو دوسرے پسند کرتے ہیں۔ مگر میں ان کو اتنا پسند نہیں کرتا۔

اب اگر مجھ کو کلمہ بعد کا ر اور فکر معاش دو نوں سے آزاد کر کے خود اپنے مضامین پر نظر ڈالنے کا موقع دیا جائے تو میں آپ کو تین
دہاتا ہوں کہ بہت ہی کم صحت جاں مضامین اتنے نہیں گئے جن کو میں باقی چھوڑ دوں۔ باقی سب مٹی کی ٹوکری میں نظر آئیں گے۔ لہذا غیرت
اسی میں ہے کہ مجھ کو اس حرف متوجہ نہ کیجئے اور میرے مضامین کو میری نظر سے بچا لیں۔

سوڈیشی ریل

دن بھر کے نکلے ماندے جی تھے اور رات کو سو رہی وہ۔ بچے تا مگر بیسے۔ ترے کے نعروں پر کای کھڑے کرینا۔ وہ ہمیشگی عادت ہے اور ان نعروں کو میری طرف سے نہ پانا پہلے وہ صبح بولتی ہوئی ہوتی ہے۔ ہوں میں فردی کامت ہر ۴۔ ۵ بجے ہوں یا وہ کوئی تجربہ ہو مگر یہ کچھ نہیں دیکھنے اور اپنی طرف ہر کوئی کشاں کشاں کھینچ کر جھوٹے ہیں۔ یہ بچہ آغا جی بنی ہوا کہ حق کا نچہ اور مرزا حیاں ایک دکان پر یہ کہہ کر کہہ دین کہ "بھائی ابھی آتے ہیں" اور میرے ساتھ ان پر گھس گئے ہیں ایک صاحب جو صورت سے بہتر معلوم ہوتے تھے یعنی سر پر گارٹھے کی گارڈھی کیپ ڈاڑھی موٹے سے فاسٹ ابلن ایک با سا کھتر کا کرتہ ہاتھوں میں دی کھتر کی دھوٹی اور پہل پہنے ہوئے تھے ایک ہاتھ کو اپنی پشت پر رکھے ہوئے اور دوسرے ہاتھ کو جمع کی طرف اشارے ہوئے اس طرح حرکت دے رہے تھے جیسے جیتا سڑاپنے پید کو حرکت دیتا ہے۔ وہ کچھ کہہ بھی رہے تھے مگر معلوم نہیں کیا اس لیے کہ کبھی تو کہتے تھے مشرق کی طرف ٹھوم جاتے تھے کبھی مغرب کی طرف اور کبھی کسی ایک طرف سے نیچے جی رہا بنے تھے۔ مرنے فیصلہ کرنا کہ ہم ان کی پشت کی طرف بھاگنا یا سامنے اس لیے مشکل تھا کہ ان کو نو ذرا نہیں تھا۔ وہ غصہ میں رہ کھڑے ہوئے وہ ٹھوم رہے تھے جمع کے وسط میں تھا اور تمام مجمع کا رخ تخت کی طرف کبھی کسی کی طرف نہ کبھی کسی طرف مثبت ہو جانے کا سدھار دیا تھا اور اسی طرح ان کے الفاظ کبھی نہایت صاف کبھی دور کی آواز کی طرح اور کبھی ناگہان نہیں ہمارے کانوں میں بچ رہے تھے۔ ہاں ایک بات یہ تھی کہ ہمارے طرف کے لوگ غصہ میں آئے۔ دھن اور پتھر کے لوگوں سے زیادہ مابہر معلوم ہوتے تھے اس لیے ہم تقریر سننے کے معاملہ میں ذرا گھٹنے میں تھے۔ پھر بھی جو کچھ سننا وہ بہت کافی تھا اس لیے کہ شروع سے آخر تک الفاظ بدل بدل کر کبھی انگریزی میں کبھی اردو میں کبھی شریں کبھی نظمیں کبھی ہنس کر کبھی چیخ کر کبھی ادھر سے ادھر گھوم رہی ان کے لئے جارہے تھے جو ہم نے سن لیے تھے۔

.....
 "بھائیو! اب وہ وقت نہیں ہے کہ بڑی بیوشن پاس ہوں اور وہ جاگیر.....
 تجاویز منظور ہوں اور شرمندہ عمل نہیں..... سرگرمیاں..... اب نیار.....
 ہو جاؤ..... ہوشیار رہو..... کہ تم کو..... ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کے
 بعد اپنا کام اپنے اہلکاروں انجام دینا ہے..... اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے

دوسری طرف گھوم گئے (آخاب خضت سے بیداری کا وقت ہے۔۔۔۔۔ اور وہاں تم۔۔۔۔۔ برٹش گورنمنٹ۔۔۔۔۔ سوراخ سوراخ مڑو۔۔۔۔۔ لکڑی۔۔۔۔۔ (چیز کے بعد تقریر ہو)

دو گھنٹہ میں ہم لے دیتے ہیں سنا اور سمجھا کر ۳ دسمبر ۱۹۲۹ء کے ساراغ ذوال جانے گا۔ ذاب اس سے زیادہ انہوں نے کچھ کامی نہیں ہوگا اور اگر کامی ہو تو ہم کیے کریں۔ ہمارے سب سے زیادہ خا کہ ۳۰ رات کو سوراخ لگے گا۔ یہی خیال میں حق جمع کر کے چیلنے شروع کر دے گا۔ کسی دربار پر مل آئے۔ وہاں پرستہ کا جو کیا۔ مرا جاں ایکے پر وہاں لگے آئے۔ باہر کا کانا کایا۔ خدہ بھرا آرام نہ رہی پریش تر شوق فرمے۔ نئے گازی کے وقت میں ابھی ہمارے دو گھنٹے سے اس بے اہمیاں بھی نصیب تھا مگر احتیاطا تیروانی نہیں ماری تھی کہ جیسے ہی ڈیڑھ گھنٹہ لانی ہو جائے گا اسٹیشن روار سرجاں لگے۔

پھر کا خیال اور ۳ دسمبر کے بعد سوراخ کا ل جا دیا جس پھر لگا۔ : خاگر ہمارے کچھ سوچا یہ بات میں آتی تھی کہ آخر سوراخ کے لیے ۳۱ دسمبر کیوں منتخب کی گئی ہے۔ اگر آٹن ۳۱ دسمبر کو تو ہم این ریل پر سو کرے نہ مرنے کی کوڑا خاڑا لگائی ہو نہ۔ نیٹو لائیو کا عیدہ درج ہو۔ ہم خود ہی ریل نے ملک سیتے جاتے تھے وہیں جھٹے چاہے خدمت میں ہم سے کوئی کچھ کہے وہ نہ ہوتا۔ ہم خود فرسٹ میں بیٹھے اندر لکڑیوں کو کھڑے ہیں بھاگ کر خوش ہوتے ہوتے نہ کر کے ہم سوراخ رہے تھے کچھ سوچ سے گاہ میں پھر مری بندے مارم کی آواز آئی اور تم ایڈم سے کہ جسے ہو گئے۔ کھوت باہر نکلے دیکھتے کیا جس کا ایک ڈاکٹر جھنڈوں، جھنڈیوں اور ٹیسوں سے بجا ہوا بندے مارم کے ضرور سے آسمان اور زمین کو گھرا تا ہوا مارے مکان کے سامنے سے گزر رہے ہیں۔ ہم نے لوگوں سے پوچھا کہ بھائی کیا ہے : جواب ملا : "کجا سو رہے تھے۔ جو نہیں کہ سوراخ لگ گیا : ہم نے جڑا سامنے کھول کر کہا : "سوراخ : "جواب ملا : "ہاں سوراخ : "ہم نے اپنے دل میں کہا کہ : "واہ جی واہ : "اما تو قبول ہو گیا اور سوراخ لگ گیا ان لوگوں کو اسے ہم کو ملتا تو ایک بات بھی تھی۔ پھر سوچا کہ ہم اور یہ لوگ کچھ خیر توڑی ہیں۔ ان کو ہلاک کر دیکھ ہی بات ہے مگر واہ کمال ہوا کہ سوراخ لگ گیا۔ دن کو کسی طرف یقین ہی نہیں آتا تھا کہ سوراخ لگ گیا ہوا سا کچھ اسی ملک جیسوں نظروں سے اچھل نہیں ہوا تھا۔ جب جیسوں کی طرف نظر کیا تو یقین ہو جانا کہ سوراخ لگ گیا اور۔ جب سوراخ لگنے پر غور کیا تو روشن کہتے تو دل کا نا اچھ نہیں ملا ہے۔ یہی آخر جب ہر شخص نے سوراخ لگنے کی خوشخبری سنائی تو شک دور ہوا اور ایک آواز و خود دھوا نا زانہ سانس لے کر ہم نے پہلی مرتبہ اپنے آپ کو آزاد کیا۔ ابھی ہم اپنے آپ کو آزاد ہو رہے تھے کہ گھنٹہ نے ٹی ٹی کے دس بجادے یعنی ہم کو خود چلی پے جانے کا حکم دیا۔

ہمارے ایسے آدمی کے لیے سفر شروع کرنے کا جتنی لوگوں کو اس وقت ہوتا ہے جب ہم ٹھٹ خدیج میں۔ چنانچہ ہم نے بھی اپنی یہ عادت ڈال رکھی ہے کہ سفر کرنے سے پہلے ٹھٹ خدیج میں آجے۔ چنانچہ ہم کو جو سب سے پہلا مرحلہ اسٹیشن پہنچ کر دیکھنا ہے وہ جگہ آفس کی کھڑکی میں جھانک کر ٹھٹ خدیج کی درخواست چیں کہنا ہے۔ چنانچہ آج بھی ہم نے داخل اسی پر دگرام پر عمل کیا کہ وہ جگہ آفس کی کھڑکی میں داخل کر لیا۔

"بہرہی اکانچہ کا سیکڑا کلاس لاکٹ دے دیتے۔"

ہر شخص کے لئے سلامتی - جسے خود آپ کو گھر پر ہی امن حاصل ہو سکے۔

”ایک بات کہیں اس عمل میں“

میں کی اپنی خالق کریم ہے جس نور میں جس رہا۔ میرے ہنسنے، اور میرے چہرے

”جواب کے لئے وہ کہتا ہے: ”خیر، یہاں سے کہیں۔“

اب قلمیہ دنیا و فخریہ عالمیہ

[illegible]

اپنے سیکڑوں :

۱۱۱ می خدمت شروع کردی

خبردار! میں جو سیر میں تھا، اچانک پڑا۔ میں ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا۔ میرے پاس تو بڑا کڑی

[illegible]

میں۔ کیا پر صاحب! جی ہر گز تو ایک سہریلوں کی دنیا کا آج ہی ہو گا۔ اب وہ بڑھ چکا۔

۱۰۔ گل کی بات گل کے ساتھ کسی دشمن ہمارے ہم کو سداخو گیا ہے۔

ہیں۔ یہاں کے سربراہ ریناکوچ ہیں۔ ان کی فزکس میں وہ کانفرنس ہوئی ہے۔

باب ۱۔ - مہینے روپے۔ اچانک آپ کی بات نہ رہا۔ نہات کھل روپے سے دیجئے اور گٹ سے بچنے۔

اور صاحبِ اُمّی تمام دنوں پر کچھ تو بستی، یہی تھی اور کچھ خُصاً رات کا وقت تھا اور باغوں میں وقت نہ تھی جو ہے۔ اُن کا میں

جہیز لگنی تو لادہ بہت آئے گی۔ جھٹ روک سب دھوا رہے ہوں گے۔ آخر کار میں نے ملے کر یہاں جہیز کف سے سرسبز کرادیا۔

سورہ کرمی بکلت اُن سے چنے ۱۵۔ جو کوہتا ہوا دیکھ کر ہوا صاحب نے پیر آغا دہق۔

”نئے توہاب! ظہریئے توہاب! دیکھئے توہاب! اچھا دودھ دے دیکھئے۔ (آنحضرتؐ) ایک سو پیر مرادینے ۳۶

وہ بھی نہ بچے گا، اچھا آپ بھی کیا کہیں گے۔ دہشتہ ڈیڑھ سویرے۔ اب اس سے زیادہ کم کر نہیں سکتے۔ ۲۰ اخصو چور ہے۔

مہم ہونے لگتے ہیں بازار کا بھاؤ اس طرح گرتے ہوئے دیکھا تو پھر اکڑ گئے اور ایک جہنم پر جا کر رہا گئے۔ زمین کی کئی

دھیسے کہہ رہا۔ "ایک روپیہ دیں گے۔ ایک روپیہ کو دینا ہو تو دسے دو۔"

ہم کہتے تھے کہ ابو صامع اس پر راضی نہ ہوں گے مگر واقعہ کلاں کیا انہوں نے کہ گروں کا کردار اچھی آگاہی سے تھے۔

”اے صاحبِ لایعے۔ بومنی کا رقت ہے۔ آپ ہی کے انھوں بومنی کر رہے۔“

محکمات تو مجھ نے سے یا لیکن وہ محکمات ریل کا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ نہ اس پرستانہ بیخ پرشی ہوتی تھی اور نہ اس پر کچھ عجیب ہوتا تھا۔

بابر صاحب نے ایک گاہک کے ٹکڑے پر دربار و دام خیزہ لکھ کر ایک جیل سی پیکر کیسج دی تھی جو غائبان کے دستخط پر مرنے

فلکٹ کو دوسرے دیکھا اور دوسرے الٹ پٹ کر دیکھنے کے بعد باہر صاعب کا نہ دیکھنے لگے۔ باہر صاعب

جی فدا قیام شمس تھے۔ ہماری اس حرکت سے وہ ہمارا مطلب سمجھ گئے اور منہم سر کر گئے۔ اگلے مہینہ بد والا رات کو سرور حیدری ہے

ابلیس نے ملک نہیں چھوڑا۔۔۔ زمینوں میں جہنم بنی گئی۔ آپ کو ملک سے کیا مطلب؟ آپ تو سرفروشی میں آپ کو ملے گا۔
کچھ نہ بولے گا۔ آپ اطمینان رکھئے :

جو مناسب سے تسلیم ہوئے وہی ملگرجم و کج رہے تھے کہ ٹھٹ پر نہ تاسیق ہے نہ کرایہ نہ فاصلہ اور فاصلہ ہوتا تو کہاں سے انہوں نے قویہ بھی نہ لکھا کہ جم سفر آخر کہاں سے کر رہے ہیں۔ ہر حال یہ کہہ کر کہ کیا قرۃ رو پیہ کیا یا بہ تیرہ آنے کے فتح میں رہے اسٹیشن میں داخل ہو گئے۔

اشیش میں حالانکہ سب کچھ وہی تھا جو آج سے قبل ہو رہا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ اس سب کچھ کے باوجود باطل پر مہم ہر حال قاضی کی نئی اشیش کرتے بازی کھاتے رہے۔ شاہ زور کرنا لگ دیا ہے۔ وہی گڑھی تھی وہی گھڑیاں مگر دوسرے کھانے میں ہنوز ہمیں مشابقت تھی حالانکہ اب گیارہ کا وقت تھا۔ سب کے پیشے پر پان والا اپنی دکان ٹکڑے بیٹھا تھا۔ قیوں کا کس پتہ نہ تھا۔ ہاری کچھ میں نہ آتا حاکر اسباب کس طرح راج میں پہنچائیں۔ شکل قائم ایک تھا۔ لیکن جیسے ہی اس سے بڑے، اسباب اٹھنے کو کہ فرام نے نہیں چھو ہو کر جواب دیا۔

”انہ سے ہر گئے ہو، وہی نہیں دیتا کہ ہم قیام یا احسن اسٹیشن مارا“

ہم صاف نیچے گنا غلطی جوئی کہ کر پورے پورے ایک گز چھپے بیٹ گئے۔ اسسٹنٹ انیشیاٹو صاحب کو نہ سمجھ رہا کہ
بغور دیکھ کر سوچنے لگے کہ بے اللہ یہ کیا انقلاب ہے۔ چیت تو اس صورت کے نقل ہوا کرتے تھے۔ اب اگر اس صورت کے
اسسٹنٹ انیشیاٹو صاحب نے تھے ہیں تو پھر قی کس سمت کا ہو گا؟ محسوس ہونے لگا کہ اسباب خود اٹھایا اور دو مرتبہ کہنے کیلئے گلاس
کے ڈبے میں رکھا جاں پہلے سے ایک جٹیلیں بیٹھے سلیم بی بی تھے۔ اسباب قریب سے دیکھ کر جب ذرا اطمینان ہوا تو ہم نے سوچا
کہ یہ تحقیقات کر لینا چاہئے کہ یہی گاڈو کا ہمارے ہنسنگی باؤٹی اور سب سے چمے تو ہم نے انہی حضرت سے پوچھا کہ ہمارے ڈبے میں
نشریہ فرماتے تھیں انہوں نے صرف یہ جواب دیا: ہائی ہائی ہم کا ناہی نام۔ یہ خالص سودی ریل کے کیلئے گلاس کے حوزہ سپر
تھے۔ ان سے بھلا کیا معلوم ہو سکتا تھا۔ مجھ کو ہم بیٹ فارم پر آئے اور دو ایک آدمیوں سے پوچھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ گلاس
کا پورے کے زیادہ ہوتے تو وہاں جلتے گی ورنہ جہاں سے مسافروں کی تعداد زیادہ ہوگی وہاں ہی جلتے گی۔ اسی لیے اب تک انہی
نہیں لگایا گیا ہے کہ خدا معلوم ٹرین کو مشرق کی طرف جانا پڑے یا مغرب کی طرف۔ ہم نے گھبرا کر پوچھا۔
"لیکن یہ فیصلہ کب ہو گا؟"

جواب ملا کہ ”جب گھڑی بھر جائے گی اس وقت فیصلہ ہو سکتا ہے۔“

ہم نے پھر پوچھا: کیسے گاڑی کا وقت تو ہو چکا؟

جواب ملا کہ جو پایا کرے جب تک ریل نہ بھر جائے کس طرح چھوڑی جا سکتی ہے؟ کیا خالی ریل چھوڑ دی جائے؟

اب ہم بالکل راستی پر مضامین کا موش چوم گئے۔ اس انتظام کو کڑا اس لیے نہیں کہہ سکتے تھے کہ ہماری ہی دعا تھی۔ اچھا اسٹیشن نہیں کہتے تھے کہ آج ہی کا پندرہ پہنچا تھا جس کی اب کوئی امید بظاہر نہیں معلوم ہوتی تھی۔ غرضیکہ کبھی اپنے ڈیر میں بیٹھ کر، کبھی روٹے مرنائی لاکر، کبھی پیٹ فام پر ٹپل کر، کبھی انجمن کو مشرق اور مغرب کی سمت حوالہ دے کر، کبھی مسافروں کی تعداد کا اندازہ لگا کر وقت کا لگانا تھا۔

۱۹۱۷ء سے ایک ایک سے دو ملے گا۔ گلاب کی صفائی نہ دینی اپنی جگہ سے لی روک نہ ملے۔ نہ رنگ
بہاؤ نے آہ انہی جتنا شرم کا۔
تنگے سے سفر و بھر گاڑی چرتی ہے۔

پہلے پہل سے پہلے شرق کی طرف ہیں تو نہ نہ یہ منسلک حوت۔ ہاں حوت ابھی نہ اب تھا۔ وہ بھی
بھی نہ کیا کہ میرا جس کے گاڑی میں جہاں جہاں ہے۔ اس کا ہوا پر ملک کرنا۔ اس سے کہہ جاتے تھے کہ اس سے وہ بھی نہ
نہیں نہ تھا کہ وہی اسٹنٹ اسٹنٹ۔ نہ صاحب تھے جس کو بھگتی کہتے تھے۔ میں جہاں کے سب سے کہہ اپنے ذریعہ
بہت تھے۔ ہمارے بچتے ہی دو تین برس گذرے تو اس سے وہ بھی نہ تھے۔ نہ سے کہہ جاتے تھے اسے سب سے
سے لانا بیکار کسی ہے۔ جانی بیکار اس سے نہ۔ مگر اس سے ایک نہ تھی اور یہی کہتے تھے۔ نہ ہوں نہ سے جو بچتے
میں سے ہے۔ نہ صاحب کو یہ ہے۔ نہ بہت نہ ہے۔ اس سے اس سے کہہ جاتے تھے کہ وہ بھی نہ تھا۔ نہ وہ نہ
نہیں انہیں اسٹنٹ اسٹنٹ اسٹنٹ سے ہوس کر دیا جس کا جواب انہوں نے اپنی سرورشی سے روک نہ رہا جسے نہ صاحب نہ تھی
ماہری۔ سب جانی ہیں۔ سب صاحب۔ نا کے بہت ہیں۔ کہنا کہتے تھے۔ جہاں سے ہے۔ اب سب سے کہہ جاتے تھے
کے فرق کو بھول جاتے۔ سب کہہ جاتے تھے۔ بلکہ تشریف دے تھے کہ وہ بھی جگہ نہ تھی۔ نہ وہ صاحب نہ
میں سے کہہ جاتے تھے اپنے دعوے کی گئی جہاں ہماری جگہ پر نہیں ہو سکتا تھا اور نہ وہی سے کہنا کہ کہتے تھے وہ ہوا کی مس خد
میں سے کہہ جاتے تھے اپنا ٹیم گھسیٹ کر اس پر دے گئے اور گاڑی چھوڑنے کا نظارہ دے گئے۔

وہ کہہ جاتے تھے اب ایک گھنٹہ کے قریب ہو گیا۔ گاڑی بہ سستور چلی رہی۔ خبردار کہ بیٹ نام پر نہ تھے۔ دیکھ کر بھی
گاڑی میں نہ تھا جا رہا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ گاڑی کی طرف نہ تھا جا رہا ہے۔ میں گئے کہ ہوا کی گاڑی جب رہے گی۔
پہلے تو میں نے اس ناخبر کا سبب دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ ابھی سیکرٹی صاحب ڈون کا ٹیس ٹیٹ کا انتظار ہے۔ وہ کا یہ نہ تھا
انہوں نے کہا بھائی تاکہ بارہ بجے آجائیں گے۔ لیکن ابھی تک نہیں آئے۔ آدمی گھسنے کے لیے گیا تھا ہے۔

یہ یہ موقع تھا کہ ہمارے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ہم کا یہ رہ جائیں یا ایک۔ وہ چہ سے سب کر کے زیادہ ضروری کر دیں گا
اشد ضروری تھا اس لیے کہ نا ضروری تھا۔ گاڑی چھوٹی نہ تھی اس لیے سستور چلی کرنے کا ارادہ تھا۔ جب تکش میں جان تھی۔ معلوم نہیں
وہ کونسا وقت تھا۔ جب ہمارے سر سے یہ دعا لگ گئی۔ اب تو اس کو واپس کرنا بھی مشکل تھا۔ اس لیے کہ گھڑی نعمت کا اقرار بھی
تو ہم پر لگا دیا جاتا۔ ہم اسی غور و فکر میں اپنے ٹیم پر گردن جھکاتے بیٹھے تھے کہ ایک دم سے ہند سے اتر کر ایک ٹیم
نہوں سے ابھی پہلے۔ معلوم ہوا کہ سیکرٹی صاحب ڈون کا ٹیس ٹیٹ تشریف لے گئے۔ ہم نے بھی گھڑی میں سے نکال کر
دیکھا تو ایک ٹیم میں وہی ٹیم صاحب دکھائی دے جنہوں نے سات کو تقریر کر کے سوراخ دکھایا تھا اور اب ہم کو معلوم ہوا کہ یہی
سیکرٹی ڈون کا ٹیس ٹیٹ ہیں۔ غرض ان کے تشریف دے گئے کہ بعد ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور انہیں بھی ٹیس ٹیٹ کرنے لگا۔ ایک
گھنٹہ پریش زربا بزرگوار ہل اور بزرگوار سے کی جھنڈاں لیے ہوئے ہی غور دار رہے اور ہم نے اپنی جگہ پر بکھیر کر یہ گاڑی میں
گھر صاحب نے کڑتے کی جیب سے ایک سیٹی نکال کر بھائی اور پیسے شروع پھر جلدی سے ہر جھنڈی اس طرح دے گئے کہ گویا پہلے

غصے سے شریف جھنڈی جا رہی تھی۔ دو تین مرتبہ سیٹی بجا کر اور جھنڈی جا کر آخر غصے میں انہی کی طرف بچھڑے اور غلطاً احمد کو لٹا کر شرمسار کر دیا۔ گھٹتے بھر سے سیٹی بجا رہا ہوں مگر تمہارے گھر میں آؤ نہ یہ نہیں آتی اور آنکھیں بھی پھوٹ گئی ہیں کہ جھنڈی بھی نہیں دیکھتے۔ ڈرائیور نے بھی ان کے بے جا غصہ کا جواب کر دیا۔ جناب آپ آنکھیں پھر پر کیوں نکال رہے ہیں۔ میرا کیا قصور ہے دو گھنٹے سے موٹر خرابی کو نہ دیکھنے کیا ہوا ہے۔ کہہ دیا تھا کہ پک کر جلدی سے آؤ ابھی تک غائب ہے معلوم نہیں کہاں گیا۔ یہ بھی بتا دیا تھا کہ یہ اب گلی کے پورا ہے سے۔ پیش باز کے چالاک سے ملے آنا۔ دو چار پہلے کم زیادہ کا خیال نہ کرنا، غصہ بیکار مر رہا۔ اب بتائیے میرا کیا قصور ہے۔ گاڑی کا صاحب بھی ڈرائیور کو بے قصور کر چکے ہیں۔ ہر گز اور کوئلے کے انتقام یہ تو دوسری دیکھنے پر مجبور ہو گئے۔ انہی میں یہ بڑی بڑی بات ہے کہ وہ بغیر کوئلے کے یہی نہیں سکتے۔ جس طرح گھڑے کے لیے دانہ گھاس ضروری ہے بالکل اسی طرح جب تک کوئلہ بھرنے دیا جائے انہیں چلنے کا نام نہیں ملتا۔ گھڑا بیچارہ تو ضروری دیکھ رہا ہے چل سکتا ہے مگر یہ اتنا بھی کام نہیں دے سکتا۔ اب بتائیے کہ ریل بھی تھی، انہی بھی مسافر بھی تھے گاڑی بھی، سیکرٹری صاحبہ، ٹاؤن کا ڈائریکٹر بھی آئے تھے اور ڈیوٹی خور بھی تھا مگر ایک تو تم کہہ رہے ہو کہ سب کا ہر نام ہر نام کیس ہے۔ ہاں ڈیوٹی خور، سیکرٹری صاحبہ، ٹاؤن کا ڈائریکٹر کی گھڑی لیے یہ کتنا ہوا آہنچا۔

آدھی رات کو کوئلہ مٹا دیا ہے۔ تمام رکابیں بند کر دی ہیں۔ ایک دکان پر اتنا سا کوئلہ تھا وہ بھی بسکل فاما ایک عورت کو انہیں دے رہے۔ حالانکہ برا آ رہا ہوں، ماسٹر جیڑی گھر بھی بڑا تھا۔ تمام گھنٹے چل گئے۔ کوئلہ جو وہ دن سے مٹا دیا کرو۔ ڈرائیور نے جلدی سے کوئلہ ڈالا اور سیٹی بجا کر گاڑی چھوڑ دی۔ گاڑی چل رہی تھی کہ ایک شریف لگا۔ روکر۔ دوکان کا صاحب یہ گئے، گاڑی پھر رکھی اور گاڑی صاحب کو سوار کر کے چل۔ ابھی وہ فراموش بھی نہیں سے چل رہی تھی کہ گاڑی پھر رکھی اور گاڑی صاحب نے ڈرائیور سے پتہ چھاننا شروع کیا۔ اسے لاقید بھی سے لیا تھا۔ — وہ قید خانہ ڈرائیور نے بھی پتہ کر جواب دیا۔ لے لیا تھا۔ — لے لیا تھا۔ گاڑی صاحب نے جب اس طرف سے بھی جھپٹ کر دیا تو پھر فریاد اچھا تو چھوڑو گاڑی میں سیٹی بجاتا ہوں۔ گاڑی پھر چلی۔ اب گاڑی کی رفتار کے متعلق ہم نے سوچنا شروع کیا کہ یہ کیسی ہے یا اچھی ہے یا اس لیے کہ اس کی رفتار سے زیادہ تیز شاید ہم خود چل بیٹے اور اگر ابھی شرط یہ کہ وہ تیز تو اس گاڑی سے پہلے کا پتہ دیکھنے کا وہ کہتے ہیں۔ ہم سے آخر نہ ملے یا اور اپنے ایک شریک سفر سے پوچھا۔ کیوں صاحب یہ کیسی ہے یا اچھی ہے۔ وہ چلے ہی کہہ نہا بیٹھے تھے غائب گاڑی پھر چلے گئے، غصہ ہم پر اتارا اور جھڑک کر فریاد کرنے لگے۔ یہاں خدا کا شکر بھیج کر کہ یہ گاڑی ہی سے تم میں ایک پھر یہی ہے پھر رہے ہو۔ ان کا جواب سن کر ہم نے کھڑکی میں گردن ڈال کر جھلکی کی مگر کرنا شروع کر دی مگر میرے زیادہ دلچسپ منظر یہ تھا کہ اس کے منے مسافر ملتی گاڑی پر سوار ہوتے جاتے تھے اور گاڑی چھک چھک چل رہی تھی۔ اسی رفتار سے چل کر گاڑی اسی کے اسٹیشن پر رکھی۔ اب وہاں ایک نیا جھکڑا یہ شروع ہو گیا کہ اسٹیشن ماسٹر اسی نے ڈرائیور پر غصہ ہونا شروع کیا کہ:-

”جب تک میں نے غسل نہیں دیا تم کو اسٹیشن میں گاڑی لانے کا حق کون تھا؟“

ڈرائیور:- جب آپ نے گاڑی آنے دیکھی تھی تو غسل کیوں نہیں دیا؟

اسٹیشن ماسٹر:- ایک تو گاڑی سے آیا اور پر سے نیاں لٹاتا ہے۔ ابھی نکلواؤں گا، دو سرائیو ڈرائیور کہہ رہے ہیں کہ جو مجھ سے

شاہین نیچے

میرے یہاں صدک فضل سے تین شاہین نیچے ہیں جو آپ کی ذمہ سے خاکباری کی سیم حاصل کر لیں۔ شاہین مصروف ہیں اور اگر سچ پوچھے تو میں خداوندان مکتب کا نمونہ احسان ہوں نہ وہ ان شاہین جوں کو یہی نصیب دلا ہے ہر گز نہیں کہ وہ مٹوے ہیں۔ جس طرح اللہ آج سے ان کو یہ ان چڑھا کر مکتب جانے کے قابل بنا دیا ہے اسی طرح مکتب ہی ان کے لیے بسم اللہ کا گمبہ بنا کر رکھتا ہے۔ جہاں کو خود آکر انہیں سکھایا جاتا ہے۔ بلکہ بروں کی گندہ اچھان سکھایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ میسر ہوتا ہے نیچے جب سکول سے نکلتے ہیں تو ایک ماں مان کر ان کے لیے تک بیدار رہتا ہے کہ وہ نکلے ہیں۔ اور وہ بروں والی گندہ ان کے درمیان اچھا کرتی ہے۔ جب تمام نسل کا ک خواب ہو جاتا ہے تو ان شاہین بچوں کی ماں بچہ سے کہتا ہے کہ

چہ ان شاہین بچوں دہاں ویدے

اور میں تو اسی دن ایک درجن شملہ کاک بازار جا کر غریب لڑکوں کو دے گا۔ خدا کا شکر ادا کرنا ہوں نہ یہ شاہین نیچے نہایت محفوظ قسم کا کھیل کھیلتے ہیں۔ جس میں نہ کوئی جاں جو حکم کا معاملہ ہے۔ نہ فائدہ نہ ہونے اور نہ ہونے کا کوئی اندیشہ۔ اگر باریش ہوگی۔ اور پھروں والی گندہ کی پڑاؤ میں کوئی واقعہ ہوگی۔ تو شاہین نیچے ایک بڑی سی میز پر جہاں تان کر چھوٹی تختیوں سے سلو لائن کی علی چھکی کھیند سے ٹیبل ٹینس کھیلتے ہیں۔ جس کو وہ پنگ پانگ کہتے ہیں۔ یہ کھیل بھی کچھ خطرناک نہیں ہے۔ کہ چوٹ جھٹ کا اندیشہ ہو۔ یا مثلاً کیرم ہے۔ یہ بھی محفوظ قسم کا کھیل ہے کہ شملہ ذرا بچا لڑا سٹرائیکر چلا جائے۔ تو کسی قسم کے گزندہ امکان نہیں۔ بڑا شاہین نیچہ چونکہ کالج میں پڑھتا ہے لہذا وہ کبھی کبھی بیرونی کھیلنے بھی جلا جاتا ہے۔ یا اپنے احباب کو ملا کر جو اتفاق سے سب شاہین نیچے ہیں۔ تماشہ وغیرہ کھیل لینا ہے۔ اس میں نقصان مایہ تو ہے۔ بلکہ شہادت ہمسایہ بھی ہے۔ مگر یہی کیا کم ہے۔ کہ نہ فرنگی کیلے کوئی خطرہ نہیں۔ اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ جان کا صدقہ مال ہے۔ لہذا میں اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ وہ برج اور پوک وغیرہ کھیل کر کچھ لا رہا جاتا ہے۔ منہ ہاکی اور کرکٹ قسم کے خطرناک کھیل تو نہیں کھیلتا۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ یہ قمار بازی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں یہی کیا کم ہے۔ کہ کوئی جان کی بازی نہ لگائے۔ جب تک میں

رواں کی قد، روئی میں ایک قسم کی مارلس لپا مار رہی ہے۔ اس نے بعد خود ان سبیل جانیں کے مطلب زاری
 بوجھ علی واپس۔

میں ایسے اور زمانے کی عام گفتگوں ان ہی میں ہیں جن کے شہسہ ہوں۔ اسی دن وہ میرا ہاتھ لی
 واسے والی راتوں میں لی صاف میں خوب کہ کچھ ترنبر پر مشاء راج کران مہنے آو گے بے تو غور ناہوں کون
 نے سوئٹرس کے کو چیشمک پر میرا علی۔ جو کی میسر آئے۔ ۱۱۔ جب لی جوئی شب پر اپنے والی گرمی صاف
 حوی کر دکھ دئی ہے۔ میں اس نہ میں یقین کے سے سو۔ اور اب کر والی میں کچھ۔ علی اپنی تحلیف افغان
 میری سے بھی لکھا ہوں۔ ۱۲۔

روشا میں ہے لبراکر ہاؤس لاجنڈا میں

اور ان کو ہمارے پر مکی کرہ واسی انہی میں دستور محنت کر۔ میں میں ان کے چارٹ کے خوب
 ہوں اگر وہ کھنے میں ہیں تا آب نہیں چھیں گے ہمارے پر کونہ روٹیا ہوں کہ۔ میں نہ تو میں میں ہے سا میں تو لکھا ہوتا
 کچھ کو کر گس نہ کھنے۔ ہوا

میرے۔ شاہیں نیچے طبع اٹھانے کے وہی نہیں ہیں۔ حافظہ حرضہ۔ میں پر مکی نہ آئے۔ شاہیں
 بے ذمہ شہر شاہی میں کی گئے۔ لکھا اور ان۔ اور چائے ہوتے ہیں میں اب۔ اور کے دشمنوں کی حالت تو ہوئی
 نہ۔ جہانیاں اور انکرا کیاں بنا شروع کر رہے ہیں۔ بھر بھی چائے۔ ملے۔ خود دوسر۔ اور دوسر کے بعد میں جائے
 میسر نہ آئے تو اہارت کے بعد غار اور بچہ بچہ دوتا بچہ جانے ہی ہیں۔ کہ ہزاروں حرج کا ہونا ہے۔ ہمارا
 ہے۔ کہ کہ ادر کر کی دیا آدر ہو جائے۔ مگر ان کو اب پر حاضر و ملایا ہے۔ چہ چائے میں کھڑی ناظمی قسم
 ان میں خالی چلنے کو بھی پر گوت ہے۔ تیر کی طرح کچھ۔ نہ بعد نہ جانے کے ساتھ نہ نامی چاہیے۔ اور اس کچھ۔ کچھ
 کے ذیل میں کیک پیسٹری، بسکٹ، مختلف قسم کے بھل سب ہی کچھ آتے ہیں۔ وہ کیا کھانا وہ اگر ان شاہیں
 یوں کو اچھا نہ ملے گا۔ تو یہ نازہ نعم میں ملے ہوئے اپنی محنت کیونکو بہ قرار۔ کھ سکیں گے۔ محنت تو خبر دہی اور اس
 سے بھی برقرار رہتی ہے۔ مگر دل کمزور ہو جاتا ہے۔ یہ محسوس کر کے کہ یہ غریبوں کا کھانا ہے۔ اور امیروں کو دسترخوان
 پر انواع واقسام کی چیزیں ہوتی ہیں۔ لہذا ان شاہیں یوں کو ضعیف قلب سے چانے کے لیے کھانے کا بھی معتدل
 ہی انتظام کرنا پڑتا ہے۔ تاکہ ان کو باپ کے ہوتے ہوئے بھی قیمتی کا احساس نہ پیدا ہو۔ اور باپ کے گھر کو وہ غیر ضرت
 سمجھ کر دل شکستہ نہ ہو جائیں۔

یہ قاعدے کی بات ہے۔ کہ اچھا کھانے والے اچھا پہننا بھی چاہتے ہیں۔ اکثر لوگوں کو دیکھا ہے، کہ وہ اپنے
 لباس میں ہر طرح کا تکلف کرتے ہیں۔ مگر اولاد کو کچھ اس طرح پنانے اور کھاتے ہیں کہ وہ کچھ لے پاک یا سوتلی
 سی اولاد نظر آتی ہے۔ اس قسم کے بچے ابتدا ہی احساس کمتری کا شکار ہو کر کر گس زائوسے تو خیر میں جاتے ہیں مگر
 شاہیں بچے نہیں بن سکتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ میں اپنے شاہیں بچوں کو اپنی اوقات سے زیادہ شاندار لباس بھی عیا

کہتا ہوں۔ اور وہ بھی ایسے تمیزدار ہیں۔ کہ کیا مجال کہ نیلے سوٹ پر براؤن جوتا یا کریم رنگ کے پتلون پر سیاہ بوٹ تو پہنیں۔ میری آنکھوں میں خاک ایسے جامہ زیب بنے آپ کو شکل ہی نظر آئیں گے۔ میری آنکھوں میں خاک میں نے اس لیے عرض کیا کہ ماں باپ کی نظر سب زیادہ اولاد کو لگتی ہے۔ پھر یہ کہ میرے شاہین بچے اس قدر نفاست پسند ہیں۔ کہ اگر آب ان میں سے کسی کی ڈریسنگ ٹیبل دیکھ میں تو دمگ رہ جائیں۔ گنگھا تو میرے کیا سنی وہ جب میں بھی رکھے ہیں آجئے اور کنگھے کے علاوہ بے شمار شیشیاں ڈبے اور ڈبیاں آپ کو ان کی ڈریسنگ ٹیبل پر بھی ہوئی نظر آئیں گی۔ رات کو لگنے کی کریم انگ ہے۔ صبح کو لگانے کی اسٹرا انگ، ناخن تیز کرنے کے اوزار۔ بالوں میں چھلے بنانے کے کل پرنزے۔ جنوروں کا تناسب قائم رکھنے کے لیے بال کی کھال نکالنے والی تھپیاں۔ بھوں پر لگانے کے لیے خاص قسم کے موم روغن مختصر یہ کہ ایک دکان سی بھی ہوئی نظر آئے گی۔ اور یہ تمام چیزیں محض اس لیے مہیا کرنی پڑتی ہیں۔ کہ تجربہ نواں کے گلے میں لٹکایا نہیں جاسکتا۔ صورت ہی سے شرافت برسانی جاسکتی ہے۔ کہ کچھ دالے ایک ہی نظر میں صاف لیں کہ ماں یہ ہیں۔ نجیب الطریقین شاہین بچے۔

اس طرح تو صاحب ان شاہین بچوں کو پروان چڑھایا گیا ہے اور مرزا صاحب جو پوچھا کہ بٹے پتے کو آخر کس کام سے لگایا جلنے کا لے سے نکلنے والا ہے۔ تو عقلمندی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں کہ۔

قبلہ میری تزیین رائے ہے کہ ایر فورس میں بھیج دیجئے۔

ایر فورس کا نام سن کر ہوش اڑ گئے۔ یعنی ہوائی جہاز کی نوکری چو خوش۔ عرض کیا۔ مرزا صاحب میں نے تو یہ سمجھ کر آپ کی رائے طلب کی تھی۔ کہ آپ ماشاء اللہ خود صاحب اولاد ہیں۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر مشورہ دیجئے۔ مگر آپ نے تو عجیب بات فرمائی ہے۔

مرزا صاحب نے اسی استفسار سے فرمایا۔ میں نے تو اپنے نزدیک بہترین مشورہ دیا ہے۔ صاحبزادے کی ماشاء اللہ صحت بھی اچھی ہے۔ چشم بد دور بخیریر کے جی ایچے ہیں۔ ان کے لیے ایر فورس میں ترقی کے بڑے امکانات ہیں۔ اور اگر سبک بچے تو ہمارے ایر فورس میں ایسے ہی فوجیوں کی ضرورت ہے۔

عرض کیا۔ ترقی گئی بھارت میں مرزا صاحب دور آخر تو فرمائیے کہ میں اپنے ہاتھوں اپنے جگو کے ٹکڑے کو بھلا کر نوک! آخر فورس میں جھڑک سکتا ہوں کہ جاؤ بیٹا اپنی جان سے دور اور جاؤ ہے ہے تصور کر کے روٹ گئے کھڑے ہو جاتے ہیں طرح طرح کے چوٹی آنے لگتے ہیں۔ یہ آپ نے کیا مشورہ دیا ہے؟

مرزا صاحب نے فرمایا۔ لاجول ولا قوۃ۔ کس قدر فرسودہ تخیل ہے۔ آپ کا بھی۔ لے جناب اب وہ زمانہ گیا۔ جب ان لاڈلوں کو روٹی کے گالوں میں پیادے کے انگوٹھی طرح سیمنت سیمنت کر دکھاتا تھا۔ اب آپ ایک آد اور خود مختار ملک کے ذمہ دار شہری ہیں۔

گھبرا کر عرض کیا۔ دیکھو بھئی مرزا۔ ادلاؤ کے معاملہ میں تو یہ سیاسی باتیں مجھ سے کرو نہیں۔ مجھے ہوتی ہے انجمن۔ میں سیاست کا بس اتنا ہی قائل ہوں کہ جتنا چاہو مجھ سے چند لے لو۔ کوئی مرحلے کالی شیردانی پناہ دو۔

کہہ کر کوئی سبامی جیٹ پر گھر چلا فغان کہنے کو جس موجود ہوں مگر چند سببوں اور لاؤ نہیں ہو سکتا۔ یہ آپ نے کہا منہ بھر کر کہہ دیا۔ کہ ایر فورس میں بھیج دیں۔

مرزا صاحب پھر بھی قائل نہ ہوئے۔ جو توں میت انگھوں میں گھس کر دے۔ جندہ فوازا اب بر خود مگری اور خود شناسی کا وعدہ ہے۔ اب قوم کا ہر فرد سہا ہی ہے۔ قتل کا ہر جوان قتل کے مقتدر کا ستارہ ہے۔ اگر آپ اسی طرح شاہین یوں کو گھولا بنائے رکھیں گے۔ اور شہناز بخنے سے روکیں گے۔ تو آخر ہمارا مستقبل کیا ہوگا۔

انکہہ کر عرض کیا۔ خبر میں آپ بے بحث تو کرنا میں چاہتا ہوں۔ یہ پوچھ۔ ہا تھا کہ ان کے لیے دلاست انھی سے کی۔ یا ڈاکٹری۔

مرزا صاحب نے فرمایا۔ ڈاکٹری بھی اچھی ہے۔ اس وقت ہم کو ڈاکٹروں کی بے حد ضرورت ہے۔ ہوا میں ضرورت کو پناہ کرنا اور بزرگوں کا فرض ہے۔ جو اپنے بچوں کو ڈاکٹری کی تعلیم دلانے کی استطاعت رکھتے ہیں۔

عرض کیا۔ ڈاکٹری کے فوائد تو میں خود جانتا ہوں۔ نہایت شریف پیشہ ہے۔ اور اگر چل نکلی ڈاکٹری تو دولت قدم میں ہوئے گی۔ مگر قیامت یہ ہے کہ صاحبزادے واقع ہوئے ہیں۔ نہایت کمزور دل کے ایک مرتبہ مرض ذبح ہوتے دیکھ لیا۔ اب سے دور ایک ہفتہ تک بگاڑا۔ آتا رہا۔ سر نہیں اچھل اچھل پڑتا تھا۔ ڈاکٹری میں چھوڑ کچھ کر رہ گئے۔ اور جیٹ سناتا ہے۔ کہ لاشوں کو چیرنا چاہتا پڑتا ہے۔

مرزا صاحب نے فرمایا۔ جی ہاں یہ تو ہے۔ مگر اس میں مضائقہ کیا ہے۔

عرض کیا۔ جو مضائقہ ہے۔ اس کو افسوس یہ ہے کہ تم سمجھ ہی نہیں سکتے۔ ہر حال ڈاکٹری سے تو باز آیا میں وہ گئی دو کانت میسے تو اس پیشہ میں کوئی خرابی نہیں۔ مگر ایک بات سے فدا اور گھٹتا ہے۔ کہ اگر خدا نخواستہ وکالت نہ چلی اور صاحبزادے نے گئے کچھ لیڈر روڈ پر تو میں کیا کرونگا۔

مرزا صاحب عقل کے فدا و اجبی ہی سے لوگ ہیں۔ آنکھیں جھاڑ کر بڑے۔ تو اور کیا چاہیے آپ کو، اگر صاحبزادے بیٹہ بن جائیں۔ اور اسی کو عوام اپنا رہنما تسلیم کر لیں تو اس سے زیادہ آپ کے لیے باعث فخر اور کون سی بات ہو سکتی ہے۔

سمجھاتے ہوئے عرض کیا۔ میں بات سمجھنے کی کوشش کیا کر۔ بیٹہ کوئی بے وفائی نہیں بن جاتا۔ اس کے لیے بڑے باپڑ بیٹا پڑتے ہیں۔ صرف زندہ ہادی کے نعے بلند نہیں ہوتے مردہ ہادی کے نعے بھی اچھٹے سنے ہیں۔ صرف پھول ہی پھلدار نہیں کٹے جاتے۔ جڑتے بھی اچھٹے جلتے ہیں۔ خوش آمدید ہی نہیں کہا جاتا۔ واپس جاؤ بھی کہا جاتا ہے۔ جلوس ہی نہیں نکلتا۔ کالی جھنڈیاں بھی دکھائی جاتی ہیں۔ خبر یہ سب کچھ بھی سہی مگر لیڈر بننے کے لیے پریس کے ڈبے میں کھانا پڑتے ہیں کبھی کبھی اور شیطان کے کان ہوتے ہیں چکی میں چکی بھی پیسا پڑتی ہے۔ بس میں ان ہی باتوں سے فداؤں نہ ہوں۔ اور چونکہ میں نے وکیلوں پر سرشروں کی کو زیادہ تر بیڈر بننے ہوئے دیکھا ہے۔ لہذا وکالت سے کچھ دل کھٹا سا ہو گیا ہے۔

مرزا صاحب نے گونا گویا فرمایا۔ اس قسم کے اندیشے تو کم و بیش ہر مشغلہ میں موجود ہیں۔ اور یہ نشیب و فراز تو عملی زندگی میں ہر ایک کے لیے موجود ہیں۔ زیادہ محتاط طریقہ تو یہ تھا۔ کہ اس زمانہ میں ان صاحبزادوں کو پیدا ہی نہ کیا جاتا۔

عرض کیا جیسا کہ تو پیدہ ہو ہی گئے ہیں۔ لہذا کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ میں کتا ہوں کسی مضابطہ کے امتحان میں کیوں نہ بٹھا دوں۔

مرزا صاحب نے کہا۔ بڑا اچھا خیال ہے۔ مگر ان امتحانوں میں بھی اس قسم کی خطرناک واہ لڑوں سے گنہ گار ہی نہ رہا۔ مثلاً پولیس کی ملازمت کو آپ تسلیم کیے ہیں۔

کافوں پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا۔ اچھی تو یہ کہجئے مرزا صاحب بتائیں پر جان بے پھر نے ہیں۔ یہ بیچا ہے پولیس والے ایسی ہی سر فروشی کیا کہ انسان واقعی سرکات کر چکا شروع کرے۔ ایک خوار و خواہر بدعاش سے آئے دن سابقہ پڑتے ہیں۔ بھریہ کہ ایسی سخت ڈیوٹی کہ نہ دن کو نہ رات کو نہ بھجوں نہ رات کو رات۔ صاحب آدمی آدمی رات تک تو یہ پولیس گشت دگاتے پھرتے ہیں۔ بڑھ ہو جائے تو گولیوں کی بادش میں سینہ تان کر جاؤ۔ ان صاحبزادے نے تو آج تک شب بزدلی کی آتش بازی میں اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں چھوڑائی۔ یہ پسند کیوں نہ چلا میں گئے۔ اور اس قسم کی بے شمار باتیں ہیں۔ جن کو میں من سب نہیں لکھتا مثلاً گھوڑے کی سواری کو میں نہایت غلط سمجھتا ہوں۔ یا گھوڑے کی جگہ پر وہ جو موٹر سائیکل آجکل چلی ہے۔ وہ اور بھی خطرناک۔

مرزا صاحب نے چہرے پر ہنسی پڑا دیا۔ اگر پولیس آفیسروں میں بیٹھا کریں۔ اور دروی میں چوڑیاں بھی محو۔ تو غالباً کوئی مضائقہ نہ ہو گا۔

جل کر عرض کیا۔ بڑا دم آب تو خیر مذاق فرما رہے ہیں۔ یہ تو اپنے اپنے دل کی بات ہے۔ میرا ولی اب مضبوط نہیں ہے۔ کہ اس بچے کے لیے جس ایسی ملازمت کو موزوں سمجھوں جس میں بدعاشوں ہی سے واسطہ پڑے خواہ وہ بدعاش انسان ہوں یا بدعاش گھوڑے۔ مجھ کو تو اس کے لیے ایسے مشغلہ کی ضرورت ہے جس میں امن وامان کے ساتھ زیادہ نہیں تو میں اتنا پیہ مل جائے کہ جس طرح کی زندگی میں نہ اس کو بسر کرائی ہے۔ وہ خود بھی بسر کر سکے۔ مرزا صاحب بولے۔ بندہ پرورد آپ نے تو بچوں کو مرزا پھو یا بنا کر رکھ دیا ہے۔ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ مراد

کو مرد بن کر رہنا پڑے گا۔ وہ گواروں میں بھونٹنے کا زمانہ گیا۔ اب آپ ایک آزاد قوم کے فرد ہیں۔ اور قوم کی آزادی اسی وقت تک برقرار رہ سکتی ہے۔ جب تک قوم کے ہر فرد میں اس آزادی کے حفظ کا صرف جذبہ ہی نہیں۔ بلکہ بل بوتہ بھی موجود ہے۔ ہر شخص ملت کا جاننا زبیا ہی بن کر رہے گا۔ اب ملت کے افراد موت سے ٹکرا اٹھ کر زندگی کے حقوق حاصل کریں گے۔ یہ عمل پیہم کا زمانہ ہے۔ یہ جدوجہد کا دور ہے۔ یہ ہم کو تلافی یافتہ کا موقع ملا ہے۔ اور اگر اس وقت بھی ہمارا یہی عالم رہا۔ جو آپ کا ہیں دیکھ رہا ہوں تو پھر خدا ہی حافظ ہے ہمارا۔

عرض کیا۔ بھائی جان آپ تو یہ باتیں کچھ کتابوں کی دہلیا کر رہے ہیں۔ اس قسم کی باتیں کتابوں میں تو خیر پڑھی جا

کئی ہی جگہاں پر محل کو مشکل سے ہو سکتا ہے۔

مرزا صاحب ہمت کا شکوہ ہے۔ محل کیوں نہیں ہو سکتا ہے۔ آج کل سامنے ہی مثال موجود ہے۔ کہ میں نے اپنے دوست بھائی کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ مجھ سے کہتا ہے ایر فرمیں گے بچے تیار کر رہے ہوں۔ آخر ان بچوں کو میں کس سے اٹھاتا ہوں؟ اٹھاتا ہوں تو میری جگہ میں اٹھاتا ہوں۔ اٹھاتا ہوں تو میرے ہاتھ سے ہوتا ہے۔ وہ یہی جانتا ہو گیا۔

جس کو یہ سہل کیا۔ کہ میں کو جان بوجھ کر ایسے حکموں میں پھنسا دیا کہ خدا ہی ان کا حفظ ہے۔ اس میں یہ بڑی طبیعت تھی۔ کہ میں آپ سے مشورہ کر رہا تھا کہ جس نے خود اپنے بچوں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہو۔ وہ میرے کی لڑائی کے لیے دل میں کیا درد کر سکتا ہے؟

مرزا صاحب نے چرنیٹنے کی کوشش کی۔ میری رائے میں تو آپ صاحبزادوں کو ایک ایک دودھ کی شیشی نوچ کر ایک ایک کھینچنے کے پتھر کر دیں۔ کہ ان کو لوریاں شانی رہاں سے کہ ان کی کو پکت نہ دے۔ میں جانتا ہوں۔ اور میں اس آزادی کے محافظ ہوں گے۔

مرزا صاحب تو اس قسم کی جلی کشی شکر تشریف لے گئے۔ عجب پتھر دل بایا ہے۔ اس شخص نے بھی گریب ہر ایک تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ بھلا خود تو کہتے تھے وہ بچے و حویپ ہیں۔ کہ جانتے۔ جو خندہ ہوا میں پھیلے۔ لیکن ان کے لیے آپ جو فیضان فرماتے ہیں۔ ایر فرمیں۔ پولیس کی نوکری۔ نوکری اور سپر گری۔ سبحان اللہ۔ روزہ زور سے بند ہو جاتا ہے تو وہ اچھل پڑتے ہیں۔ تنہا سادول دھڑکنے لگتا ہے۔ بھلا وہ پسول اور بندوق سے کیونکر کہیں سکیں گے۔ اور صاحب سو باؤں کی ایک بات تو یہ کہ اپنے جینے ہی تو یہ ہو نہیں سکتا کہ ان کو آنکھ بند کر بھونک دیا جائے کسی ایسے حکم میں بلکہ اگر وہ خود اس قسم کا ارادہ کریں تو میں ہی کہوں گا کہ اسے

اللہ آئیں سے ہم تو یوں پالیں

آپ آفت میں جان کو ڈالیں

یہاں زندگی کے لالے پڑے ہیں جی۔ بچیں میں میں بہت ہے۔ اگر بھی روزگار رہ گئے ہیں۔ توان کے بے

بیکاری بھلی۔

تعزیت

بیاض کے والد بزرگوار نے انتقال فرما کر ایک عجیب سوال پیدا کر دیا تھا کہ والدین کو اولاد کا غم شدت کے ساتھ ہوتا ہے اور اولاد کو والدین کا غم؛ ماشاء اللہ ایک سو پانچ یا ایک سو چھ سال کی عمر میں انتقال فرمایا تھا۔ لیکن ریاض کا یہ حال تھا کہ چھل کی طرح غپتھا معلوم ہوتا تھا کہ حیران اولاد کا غم کھایا ہے۔ دیکھنے والوں کا کلیئر پٹ جاتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اگر اولاد اپنے والدین کا غم مٹانے پر نکل جائے تو والدین کا داغ بھی کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ بیٹھیا بیٹی کے مرنے سے والدین یتیم ہوتے ہیں لیکن آپ کے مرنے سے وہ لا یتیم خانے میں داخل کر دی جاتی ہے۔ اولاد کے مرنے کے بعد انسان اپنی دوسری اولادوں کو دیکھ کر صبر کر لیتا ہے ورنہ کچھ کم یہ امکان فوضو رہتا ہے کہ خداوند کریم اور دے گا لیکن سوال تو یہ ہے کہ ریاض بیچا ہے اپنے لیے والد کا انتظام کیا کر سکتے ہیں کو تو یہی غم تھا کہ اگر قیامت تک بھی زندہ رہے تو بغیر آپ کے رہنا پڑے گا۔ اس کے غم سے وہ واقف نہ تھے۔ اس لیے کہ وہ غریب ان ہی حضرت کی پیدائش کے سلسلے میں دنیا سے کھج کر چلی تھیں اور ان کو ان ہی ایک عدد درجہ والد بزرگوار نے ملایا تھا۔ دونوں میں کربا تھا لہذا ان کی ماں تھیں تو وہی اور باپ تھے تو وہی جن کو موت کے بے رحم ہاتھوں نے ہمیشہ کے لیے ان سے جدا کر دیا تھا۔

بیاض کے والد بزرگوار انتقال خود ان کے لیے تو غم کا پہاڑ پھٹ پڑنے کے برابر تھا لیکن اس سلسلہ میں ہم بھی کچھ کم صحبت میں بننا چاہتے اس لیے کہ بحیثیت دوست کے ہم تو ریاض کے پاس تعزیت کے لیے جانا تھا۔ ان سے اظہارِ ہمدردی کرنا تھا۔ جانا میں عدم شرکت کے مذر کرتے تھے وغیرہ وغیرہ لیکن ہم اس سے قطعاً ناواقف تھے کہ ہم کو اس سلسلہ میں کیا کیا کرنا ہوگا۔ زندگی بھر میں پہلی مرتبہ یہ ضرورت پیش آئی تھی اور وقت آتا تھا نہیں کہ ہر تعزیت کے متعلق مفصل معلومات ہم پہنچا کر تشریف بہت مشق کر لیں۔ ہر حال ہم کو ما اہلینا تو تھا ہی کہ ہم باہل کو سہے ثابت نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ متعدد مرتبہ لوگ ہمارے پاس تعزیت کے لیے آچکے تھے اور متعدد مرتبہ ہم نے دوسرے لوگوں کو آپس میں بھی مشکل کام انجام دینے ہوئے دیکھا تھا۔ اگر کچھ ہم کو جھجک تھی تو صرف اس لیے کہ خود ہم نے ہنس نہیں آج تک یہ رسم ادا نہ کی تھی۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ جانا اور تعزیت کرنا تقریباً ناگزیر تھا لہذا ہم نے اللہ کا نام لے کر اپنے سادے کو بچتہ کر لیا اور مختلف اوقات میں جو تعزیتی افادہ ہمارے کانوں میں پڑ چکے تھے ذہن پر زور دے کر یہی کتنا شروع کرنا

”نیت ایندی میں کیا چارہ ہے۔۔۔ مبرکچہ۔۔۔ جس کی چیز تھی اس نے لے لی۔۔۔ دنیا کا یہی دستور ہے۔

یہاں سے خن آگیا میں صاحب دینہ ہی نہ مل سکی وہاں تک کہ شرم سے چہرہ لال ہو گیا۔

۱۔ یہ بھی تھا کہ وہاں آپ کو زور دیا گیا کہ وہاں سے اٹھ کر چلا جائے۔

ریاض ۱۔ میں نے اس کے لئے بھی مناسب جگہ لگائی۔

۲۔ میں نے اس کو دیکھ کر اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کو دیکھ کر اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

ریاض ۱۔ اس کے پاس کی ایک سیڑھی پر ایک ستر لگا دیا۔

۳۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

۴۔ اس کا بیٹا بھی ہے۔ اس کا بیٹا بھی ہے۔ اس کا بیٹا بھی ہے۔

ریاض ۱۔ ایک لڑکی بھی ہے۔

۵۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

ریاض ۱۔ اس کا بیٹا بھی ہے۔ اس کا بیٹا بھی ہے۔ اس کا بیٹا بھی ہے۔

۶۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

ریاض ۱۔ اس کا بیٹا بھی ہے۔ اس کا بیٹا بھی ہے۔ اس کا بیٹا بھی ہے۔

۷۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

۸۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

ریاض ۱۔ اس کا بیٹا بھی ہے۔ اس کا بیٹا بھی ہے۔ اس کا بیٹا بھی ہے۔

۹۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

۱۰۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

۱۱۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

۱۲۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

۱۳۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

۱۴۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

۱۵۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

۱۶۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

۱۷۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

۱۸۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

۱۹۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

۲۰۔ اس صاحب کی ایک بیوی ہے صاحب کے لئے مناسب جگہ لگائی۔ اس کے لئے مناسب جگہ لگائی۔

میں ۔۔۔ بڑے تڑاور غم کا سا انداز ہے، بٹی تو اس سطر میں اس فرض سے بھی اما ہر ماؤ۔

ریاض :- اس کا یہ کون مرق ہے بھلا؟

میں :- تو اب، اور کون سا مرق آئے گا؟

ریاض :- اب حوش مرنے والا کون ہے؟ جو تلے دیا نہیں رہے تو اب کیا ہوئی شادی؟

میں :- اہں یہ تو کاکھنے ہو کر بھو جان مرحوم کو چاہئے تاکہ اس غمی کو دیکھ کر دل سے دھست ہونے لگے بھلائی خوش ہونے والے

ہم لوگ موجود ہیں نہ مرحوم کو خالق رحمت نہ جس کی چہرہ تھی اس نے سب لگ کر سائی تھی میں اب یہ نہ کہہ سکتا کہ لگائی تھی نہ

نہ چہرہ نہ ہر نام کہتے

نہ ان کے گل کیا جسے وہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ

ماں سو برس کے ہیں گل کی طرح نہیں

اب دلگیر ناچیں ہیں رتوں کو بھی سے آخر کیا بیا رہتے۔ یہی کہ جس وقت آگئی وہ کہیں نہ گئے آثار سے کسی کس شب بھی

ہونا تھا کہ مر رہیں تھے مگر زندگی صحت۔ یہ یہ فرود جان دیتے تھے۔ اب تو کون اس طرح کہا ہے کہ۔ یہ ماحبت

رہنے والا تھا کیا۔ تم یہیم ہو گئے تھے پر سے و سین کا سایہ اٹھ گیا۔

دل سے مبادا دوسے انصاف طلب ہے

ریاض نے پھر پچھلیاں لیے کر دونا شروع کر دیا اور یہی کہہ رہا تھا اب کس طرح بھی دس۔ تمام انصاف ختم ہو چکے۔ کیا ان ہی کو پھر سے

شروع کر دوں؟ لیکن اگر انہوں نے بعد میں پھر پھر شروع کیا تو کیا ہوگا۔ آخر کار دل نے کہا اب جا کر دینے سے مستحکم نہ ہو گا مگر

پھر دل نے دوسری بات کہی کہ اس طرح۔ دسے ہونے دوست کو نہ چھوڑنا ہونے کا۔

”جانی روئے کے لیے تو تمام عمر چڑی ہے اور ادا تھا۔ اشد تم بیٹروں میں تمک نہ رہ کر روتے رہو گے گریہ قت یعنی

کا نہیں ہے۔ تم کو سمجھ سے کام لینا چاہیے۔“

ریاض کی پچھلیاں، سسکیاں بن گئیں اور سسکیاں بھی تھوڑی دیر کے بعد بند ہو گئیں تو میں نے سب سے پہلی بات یہی کہی کہ

”اچھ جانی اجازت دو۔“

ریاض نے کہا: ”جا بیٹے گا؟“

”ہم نے کہا: ہاں! السلام علیکم۔“

ریاض کے پیاسے آکر مجھ کو لپٹا اور الطینان تھا اور اب میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جس کے یہاں کچھ تعزیت

کے لیے روز چلا جایا کروں۔

لکھنؤ کانگریس سیشن

[illegible]

گھنٹوں کے وقفے فکر کا صدر دروازہ کا پابا ہوا تھا اور وہ پابک ٹنگے جی پھرتا تھا۔ اس گھنٹے نیچے ہی دھنچک دھنچک ہوتی تھی جس کے ساتھ ندرے فضا میں ایک وہم کی سی کیفیت پیدا کر رہے تھے۔ اس دروازہ پر مجلس استقبالیہ کھڑی اور چننا مارا کھین مہمانوں کے استقبال کے لیے موجود تھے اور نہایت گرم جوشی کے ساتھ جلوہ برت کر اوپر دیدہ و دل دہش راہ کر کے معزز مہمانوں کا غیر متوقع کر رہے تھے۔ پھاٹک میں داخل ہوتے ہی ایک عجیب سا نظرائی تھی۔ سُرخ سی ٹیٹھی، سُرخوں پر کیڑا اور دھگلاپ کا چمڑا تو ٹھوڑی ٹھوڑی دیب کے بندہ ہوتا تھا اور سُرخوں کے دورویہ ٹیٹھی جھنڈیوں کے ساتھ چھبیلی اور پیٹے کے پھروں کی تڑیاں طرہیں میں ہوتی تھیں اور نہ ہی بی بی ہرق تھیں اور شاہ نواز بھی سان ہی سُرخوں پر جا بجا ساتی حشر لیے بھٹے اور حشر پر اڑ پیٹے بھٹے شل رہے تھے جن کے خیرے کی خوشبو اور بھی قیامت تھی۔ جو سُرخ صدر دروازہ سے علم اجلاس کے ہتھال تک گئی تھی اس کے دونوں طرف دکانیں لگی ہوئی تھیں۔ کئی پانی کی دوکان تھی تو کوئی پھلیوں کی۔ کبیں گندہیاں برف میں دلی ہوئی پھلوں میں جاتی جا رہی تھیں تو کہیں دوکان پر انواع و اقسام کے کھلوسے اور بھرم کی ڈوبی ہوئی تھی۔ کوئی جامدانی کی دوکان تھی تو کسی دوکان میں گھنٹوں کی شہرہ معروف زرہ وزی کے گرنے نظر آتے تھے۔ حقیرہ کر دہ فرنگ تک یہ خاص سُرخ اسی طرح

بارہن پہن گئی تھی کہ گویا چوک لی تمام چل چل میں جس کیسے حاصل کر لے ہے۔ وہی چھپتے اور وہی نکلتے۔

دو فرہنگ تک اس جو صورت اور بارہن صف اور متحدہ شرک پہننے کے بعد کانگریس کے عام اجلاس کا وہ پہلا تھا جس میں کنکشن کے ختم ہونے کا ایک جامع نمونہ دکھایا گیا۔ پشمال جیل کا بنایا تھا کہ جو ادارہ بھی ہے وہ خوشگامی۔ پشمال کے تمام تہوں چاندی کے تھے اور شرکاء اجلاس کو شمع سے پہننے کے لیے پشمال کے اوپر ایک قہر شامیانہ لگایا تھا جس میں ہر صبح کے پردے اس صنعت کے ساتھ نکلتے تھے کہ اگر اس کا اجلاس جو زمانہ ہمدرد کو یاد دہا جانے اور جانی سے چھین چھین کر نہ ہوا آئینے اور اگر اس کا اجلاس ہر روز سے حاضرین کو بچانے اور پشمال کو تنگ رکھنے کے لیے ہمدرد کمر لگانے چاہیں۔ پشمال میں ہر طرف مدنی قایم اور محل کا قہر نکلتے تھے۔ صرف صدر نقیب کے لیے اس پشمال کے اندر کا روم فی شامیانہ لگایا گیا تھا جس کے بچے زنا و زنا اور عیہ تھا اور سامنے ہی تھا کہ ایک سونے کا بچہ چران اور سونے کے حاصی کے قہر نکلتے تھے۔ کانگاہی رکھا ہوا تھا۔ صدر کے علاوہ تمام حاضرین اور شرکاء اجلاس کے لیے چاروں طرف ہانسی کے خاصہ لکڑی چران لکھے گئے تھے اور تھوڑی تھوڑی دور آگاہان نہایت سلیقے اور قرینے سے بھرتے گئے تھے۔ وسط میں کھڑوں کی قطار میں ہر طرف قہر نکلتے تھے بعد ازاں کی قیام اور دیگر اقسام کی خوشبو بھرتے کے لیے چکر رکھے ہوئے تھے اور ہر چکر کے بعد ایک کھانسی تھا۔ تھوڑی تھوڑی دور پر روم تھیں کے لائے روشن تھے اور پشمال کو روم تھیں کے ہزاروں جھاڑوں اور قدیلوں سے منور کر دیا گیا تھا۔

اجلاس کا وقت آئے شب مقرر ہوا تھا مگر بے شرکائے آنا شروع کیا اور دس بجے کے قریب تمام پشمال منور حاضرین سے بھر گیا اور ایک سوا دس بجے پہنچا تو ہچکا۔ ہر روشنی چوکی نے ایک ناز دکھایا اور آخر میں نقیب نے ہر پشمال میں آکر آواز لگائی۔

فکر مار ہر شیار آتے ہیں

صدر عالی وقار آتے ہیں

۷ سنتے ہی تمام حاضرین بزم کھڑے ہو گئے اور پشمال کے صدر دھانڈے سے نقد برقی لباس پہنے ہوئے پھلے تو چہرہ داخل ہوئے اور درمیان میں صدر محترم تاروں کے جھرمٹ میں چاند کی طرح خراماں خراماں تشریف لے گئے۔ ہر طرف سے لوگنی نے جھک جھک کر سلام کیے اور خود صدر محترم نے سب کے سلام کا جواب جھک جھک کر، آماب بجا لاکر اور تہنیت عرض کر کے، اپنے بوجھ بوجھ اور مسکرا مسکرا کر دیا۔ اس کے بعد صدر محترم اپنی جگہ پر مدفن افزہ ہوئے اور آپ کے تشریف فرما ہوئے ہی تمام حاضرین بزم قرینے سے اپنی اپنی جگہ پر دونوں ہیشہ گئے اس کے بعد اجلاس کی باضابطہ کارروائی شروع ہونے سے پہلے ہی جبراً شروع کر دیا گیا۔ کچھ دیر تک گھنٹہ کی مشورہ مفتیہ متوجہ جان نے موسیقی کے کمالات دکھا کر حاضرین کو مسحور کیا۔ اس کے بعد حاضرین اور آگاہ کی دو چکیاں بٹھیں۔ آخر میں یہاں محفلے حسین کا روانہ طائفہ آیا جس نے دور دور سے آئے تھے منہ دھین کا ٹھیس کو گھنٹہ کے باعثوں کا گرویدہ بنا دیا۔ اس لڑو قہر کا سلسلہ دیکھنے تک جاری رہا اور اس کے بعد کانگریس کے اجلاس کی باقاعدہ کارروائی اس طرح شروع کی گئی کہ صدر مجلس استہالیہ نے حاضرین بزم میں سے ایک ایک سے اجازت طلب کرنے کے لیے

[illegible]

وہ انہیں ٹھہریں، اسے حاکمیت ہے
 کہیں ہیں کہ کہیں اپنے ٹھہر کر دیکھو۔

[illegible]

انہی اوقات قنات کشی

اور اس کے لئے

قرض غالب بنجامن دیلانوئید

اس شعر کا پڑھنا تھا کہ - اے جہانِ اشد کا کہ خاکِ شکافِ غم نہ جواسے کہ خود سدا و لام بھی تھوڑے پہل ہے اور
پھر ذرا مفصل کر آپ نے سلام کہنے شروع کر دیے۔ تین چار مرتبہ حاضرین کمال کے حصار سے اسی شعر کو پڑھا پڑا۔ پھر ہی تاریخ
نے یہی کہا کہ حضور یہی نہیں جوتی ایک مرتبہ اور رحمتِ فواد بیچتے۔ آخر سدا و لام نے پھر ہی شعر پڑھا اور شروع کرنے کے بعد اپنا
خطبہ شروع کیا۔

”بہنہ کہ یہ خاکِ رفاغیہ حسانت سے ادا کرتا۔ خود بھی طیلتا اور ٹیڈ بھی اس بچکانہ کو

جہاں قاضی آپ حضرات کا اصرار اور پھر اس پر اصرار کی تکرار، مجبوراً مزید شکوک سے قاصر

ہما اور افاق وزیران قیاس حکم کے لیے حاضر ہوا۔

حاضر رہنے "کیا سلامت ہے اور کیا روانی ہے" کا نعرہ بلند کیا اور صد مقدم نے جھک جھک کر کلام کا قیام لے لیا۔

میں صرف کونے کے بعد پھر فرمایا۔

۱۰۔ آپ کے میر عزیز کی قسم کھاتا ہوں اگر اے امان مروجہ کی رو سے پاک کہ دریاں میں قباہوں
 کریں ہرگز اس امر ان کے قابل نہ تھا اور اظہارِ اکر فیضی میں شامل نہ تھا عطا آپ حضرات
 نے اس کو مذہب ملک جلانا اور یہاں کوئی میلہ نہ دانا۔ حقیر کہ اپنی تمام مجاہدوں کو بلال لایا

یو۔ کیشن کیشن جانب بزم لاکر میں آنا پڑا۔

حاضرین نے پھر مصر۔ واقعہ ہے کہ سوتی پر دئے ہیں اور جوابات دئے ہیں۔ کی صاف نہیں جندگی اور مصر میں نہ لاکھ
کو جو ذکر آپ عزت بڑھانے ہیں کہ نہ فرمایا۔

آج ہمارے شیپا نوجو سوال ہے وہ کوشش کے بعد آسان اور بغیر کوشش کے سخت محال ہے۔

حاضرین نے ہم آواز ہو کر کہا۔

یہی تکیہ بیان فرمایا ہے حضور نے۔

صدر مقرر نے پھر جواب دیا۔ رہنا فرمایا۔

”باہمی اتفاق یعنی سب باب اتفاق و اتفاق از بس مروی ہے اور بغیر اس کے مزید مقصود تک
پہنچنے میں سخت مجہوری ہے۔ ہماری راہ پر خطر اور دھما۔ کے منزل دور ہے اور راستہ ہمارا
ہے۔ مگر کچھ بھی جواب تو ملتا ہے اور شائد ہے یعنی ہر صورت مقدر کو آزمانا ہے۔ اگر ہمارے
ارادوں میں استقلال ہے تو کچھ لکھے کہ رزناں تیرا قہل ہے۔“

”بین امیں: آپ کے زمیں لکھی شکر کے فلوں سے پشمال لکھی اٹھا۔ صدر نے پھر فرمایا۔

”ہم کو اتنی پٹے کرنا ہے کہ اب ہم کو زندہ رہنے یا مرنا ہے۔ وقتوں کی انتہا جو مٹی، تنہیں
صدر سے سوا ہو گئی۔ ہم شہزادے ہو کر بات بات کا محصل اور ننگانہ واکریں۔ ہم سے محصل
اور ننگانہ لکھنے والے خاندان کریں۔ کہا جاتا ہے کہ ہیٹ کاٹ کر اور جڑوں کی پائیاں بننے کے
مالیہ کی ادائیگی کا انتظام کریں گویا ہم اپنی جان سے دو۔ جان دے دیں اور جیون نصیب خانداریہ

حاضرین نے دور پامچا بھی بھرتی مدعی کا نعرہ بلند کیا اور صدر بقرہ دے پھر اپنا ختم شروع کیا۔ اس جلسہ میں شروع سے آخر تک
اس قسم کی شکایتیں تھیں کہ جب حکومت ہماری ہے اور ہم خود شاہزادے ہیں تو ہم مرغان کی پامیں کا ٹیکس، بری بازی اور کنگاڑے بازی وغیرہ
کے محاصل کیوں ادا کریں۔

یہ خطبہ صدارت تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں ختم ہوا اور آخر میں جناب صدر نے نعرہ دے کر تھیں و آفرین کے درمیان سلام کرتے ہوئے
خاک کر اخذ ہو کر پیمین پسینہ ہو کر بھڑک گئے۔ چوبداروں نے ٹیکا جھنڈا شروع کر دیا۔ کوئی بہت آب سے کہ دو ڈانٹو کسی نے خاصا
ہمیش کیا۔ آخر دس پندرہ منٹ کے بعد صدر بقرہ کے حواس بجا ہوئے اور اس کے بعد اجلاس کی اجینڈا کے مطابق کاروائی شروع ہوئی۔
سبک پہلے دربار شاہی میں نیابت کا مسئلہ تھا۔ شاہی خاندان کے دیگر نواب زادگان وقت کا مطالبہ یہ تھا کہ ان کو بھی دربار
میں کرسی نشینی کے ۲۲ فیصدی حقوق دے جائیں۔ چنانچہ نواب زادگان اور دوسری طرف سے جس وقت اس سوال کو لے کر نواب
دلدار سے مرزا صاحب کھڑے ہوئے ہیں اور حاضرین محض کو جھک جھک کر سلام کیے ہیں۔ کچھ تو یہ ہے کہ کسی وقت سے ایک عجیب
ساں بندہ لگتا تھا۔ آپ نے سبک پہلے تو اپنا بیڑا اپنے خند شکار کو دیا۔ اس کے بعد اب مدخل، مقفی اور مسیح تقریر میں مدبار شاہی میں
اپنے ۲۲ فیصدی حقوق پر زور دیا اور آمد گھنٹہ تک تقریر کرنے کے بعد شہزادہ ولایت نارا برائون الدولہ نواب خاک رفت ہارے

پرالم

جس کا وطن غریب الموعنی ہو وہ اپنے کندھے پر اپنا مکان تلاش نہیں کرتا بلکہ خانہ بدوشی برا ایسا اڑاتا ہے گویا اسی سے وطن کے تمام حقوق حاصل کر کے بیٹھے گا۔ معلوم نہیں یہ بات ہم نے انگریزوں سے سیکھی ہے یا ہر انسان کا فطری لگن غیر محسوس طریقہ پر انگریز ہوتا ہے۔ ہر صورت کچھ بھی ہو حال یہ ہے کہ اٹھائیس سال تک کھنڈ میں صاف رہے۔ وطن پر دویں اور پر دویں وطن بننا رہا۔ بگاڑی نیچے ننگت بن گئی۔ نام کے ساتھ خانہ بدوشی لکھ کر لکھندی بیٹھے ہیں۔ مسافر خانہ میں بیٹھ گئے۔ اسی سرائے میں شادی بیاہ سے فارغ ہوئے۔ اسی ڈاک بنک میں بچوں کے باپ تک ہو گئے۔ اور میں اس وقت جبکہ کھنڈ قریب قریب وطن بن چکا تھا۔ اڑی خانہ بدوشی نے پھر کوٹلی و پیروں کے پیچھے دشتِ غربت کی راہ لی اور اب جو آگے گئی تو ہم لاہور میں تھے۔

لاہور آکر نیا دانہ نیا پانی نئے آدمی نئے حادہ بیان تک کہ اب بھی نیا ملا کر ملے تھا کہ اس نئی فوجی غربت کو پرانے بال بچوں کے ساتھ گھر بنا کر رہنا ہے۔ فکر آسان نہ کیجئے یا آرزو تے دولت خانہ مختصر یہ کہ سر چھپانے کی جگہ درکار تھی۔ ظاہر ہے کہ ایک پر دویں اس قسم کے واقف کارانہ کام نہیں کر سکتا۔ ہڈانے ہمدردوں اور پرانے دوستوں سے اس کا ذخیرہ میں امداد کی رقم لے کر وہاں پہنچے جن بزرگ محترم کے دروازہ پر دستک دی جیٹا ہی سے مراسم کچھ ایسے ویسے نہ تھے ہم دونوں تو ہم دونوں ہمارے والد بھی آپس میں دوست تھے۔ ہم کو دیکھتے ہی "اخواہ" کا نعرہ بلند کر کے لپٹ گئے۔ پہلے کرسیاں نکلیں۔ پھر شنگھیں کی بارش شروع ہوئی۔ پھر سگریٹ کی ژالہ فاری ہوئی۔ مختصر یہ کہ عجیب خوشگوار ملاقات تھی۔ دل خوش ہو گیا، پر دویں میں ایسے ہمدرد و برہنہ کا ملنا واقعی مسیحا اور مخلص کی ملاقات سے بہتر ہے۔ مکان تو مکان اس سے تو اگر ہم جان تک مانگیں تو یہ مذر نہیں کر سکتے ہوٹل میں ٹھہرنے ہی پر ایسے خفا ہوئے کہ مشکل راضی ہو سکے۔ کھنڈ لگے: "اچھا کھانا کھانا کھانا کھاؤ!"

عرض کیا "بجائی جان میں ہمان بن کر نہیں آیا ہوں، وہ بالی جان بن کر حاضر ہوا ہوں" یہ کہہ کر تمام حالات سننا دیکھ کر اب متقل طبع پر یہیں رہنا ہے اور جب ٹیپ کا بند عرض کیا کہ فرامکان و لو ایسے ڈھونڈو کہ تو ایکٹم درجہ بدوش کی تمام بدوشی غائب۔ ویرنگ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں گویا جہان سے عالم بالا میں مکان تلاش ہو رہا ہے

جنہ کے ساتھ گرا اپنے تختے سے ٹکڑے کا پتہ دیکھیں گے۔ سر اندھ ہوا۔ کچھ نہ دیکھ سکا۔ ایک لمبی سی خندہ سی
 اس سے کہہ کر شکرانہ ادا کرے بولے "مکان؟"
 عرض کیا۔ "یہاں مکان۔ یہی جو مکان ہوتا ہے۔" دیکھنے کے لئے میں کرایہ کا مکان۔ یہی پاس سٹو کے
 رہا ہوا ہے۔

اسی عالم جذب میں فرمایا۔ وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر میں یہ سوچ۔ ہاں اس مکان تو آج کل شاید اہم ہے۔ مثال:-
 بجائی سے عرض کیا۔ "مثال؟"

اگر شکرانہ واجب ہے کہ غور کروں گا۔
 ہر شکرانہ کی۔ خود کس بات زکوٰۃ ہے۔ یعنی۔ کچھ مکان و رہا چاہیے یا نہیں۔ ان کھول کر دیکھیں
 کچھ مکان فرما چاہیے۔
 تنبیہ کے لئے فرمایا۔ "بڑا پڑا ہے صاحب بڑا اہم۔ جو حال اور لوگوں سے جی نہ رکھو اور
 میں جی کو شکرانہ کرنا ہوں۔"

ان حضرات کے دماغ میں یہ کہ وہ کہہ کر اور اخلاق نہادہ خوار ہوا تھا۔ انداز میں دفعہ دوسرے لوگوں سے
 جی لگنے کی ایذا داری کے ساتھ نیت کر لی مگر مصیبت یہ تھی کہ میں لوگ اس شخص سے جانیں جو اس سے کہو کہ مکان دیکھو
 مگر جو مشکل مشورہ ہے جو بندہ یا بندہ۔ ایک بڑے ہوٹل کے گاہک یہ گراں کا نیک قسم کے نہایت مسعود۔ بہرہ
 سے آدمی میں خصوصاً ہمارے ساتھ ٹراویٹیشن پر اس اخلاق سے پیش آئے تھے کہ ان کا بس چلنا و تلہ کے بجائے
 خود ہی اسباب آٹھالیتے۔ جبکہ ہمارے برابر حیرت و حیرت ہا کہ تھے اور خدمات لائقہ کار برابر تقاضا ملا کرتے
 تھے۔ آخر ہم نے ان سے عرض کر دیا کہ۔ "بجائی صاحب سب بڑا کام فرماتے ہیں کہ مکان دیکھنے کو تھی؟"
 پچھلے زور نہ کھول کر اس طرح رہ گئے کہ اس وقت ہم کو آنکھوں کے بجائے منہ سے نکلتا رہا ہے۔ پھر شکر

تعب سے بولے۔ "مکان یعنی مکان آخر کیوں؟"

ہم نے اپنا مفہوم واضح کرتے ہوئے کہا۔ "یعنی رہنا ہے نا۔ تو اس لیے مکان چاہیے ہے ہم کو؟"

کچھ دیر سے ہوئے انداز سے فرمایا۔ "آخر آپ کو ہوٹل سے کیا شاییت ہے؟"

ہم نے سمجھ کر بڑے ندر سے کہا۔ "اوہ وہ آپ غلط ہے، ہوٹل کی بات نہیں ہے بلکہ اب مستقل طور پر لاہور
 میں رہنا ہے۔ بالی بچوں کو بلانا ہے۔ اس لیے کرایہ کا مکان چاہتا ہوں۔"
 گاڈ صاحب نے اب پھر سے اس مسئلہ پر غور کرتے ہوئے کہا۔ "ہوں۔ ہوں تو گریہا مکان۔ مگر صاحب مکان

—————

ہمارے دل نے باقی جملہ پورا کر دیا۔ ————— بڑا پڑا اہم۔

گاڈ صاحب کہہ رہے تھے۔ مگر خیر یہ جلدی کلام نہیں ہے۔ فی الحال آپ ہوٹل ہی میں رہیے جس بڑے مکان

کی ٹھکانوں کا

ظاہر ہے کہ ان حدت نے محض اپنے ہوٹل کی وجہ سے۔ اتالیقی۔ ان کو پہلے مکان سے زیادہ ہوٹل کی فکر ہونا چاہیے۔ ان سے ہمارا مطالبہ ہی غلط تھا مگر اہل طرہ اند سے تو ہوسے ہی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ جو قرضہ بھی ہونے کی سعی میں فرماتے ہیں جیسوی سمیت ہے کہ اس حدت کا اس قدر جلد احساس ہو گیا۔ چنانچہ اب کی ہر تہہ ہم نے سمجھ دیکھی کہ ایک ایسے شخص سے مکان کے متعلق کیا جس کے انتخاب پر خود ہم کو ناز ہے جیسے لگا کہ ”ٹھکانے کی کردہ و کا اٹلا کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کا انتخاب بھی کدہ ہے۔ ہوا یہ کہ ٹھکانے جوائی تار آبا تھا۔ اسی ہوٹل کے چتر یہ فرما حیرت لکھو۔ طریقہ ہے کہ تار والے کو کچھ نہ کچھ اس بات کا انعام دیا جاتا ہے کہ وہ ان کے مرنے کا نذر نہیں لایا۔ چنانچہ ہم نے ہی بزرگوں کی اس اصح و قائم رکھ۔ مار وال تھا شریف آدمی انہایت اخلاق سے اس کی کسر نہ ہے صاحب جی کہہ کر ہاتھ چسودیا۔ ہم نے غیر ادوی طور پر کہہ دیا۔ یہ تو خبروں ہی ہے البتہ اگر مکان دلو اور کہیں سے ہو کہ تو پھر انعام دیں گے۔ اس نے جیسوی کی ادب سے ہم کو اس طرح دیکھا کہ ہمارے متعلق یہ خود کر رہا ہے کہ اس شخص کے متعلق مکان میں رہنا ٹھیک کہا جا سکتا ہے یا بخیرہ میں رہنا، انھیں صلی طور پر خود کرنے کے بعد تار کی نہ پا ہی ارشاد فرمایا ”مکان اچھا جی“ تار کی عبارت غیر متعلق وگ ذرا کم سمجھتے ہیں مگر ہم شہرے اہل معاملہ ذرا سمجھ گئے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ وہ بے چارہ سلام کر کے رحمت ہوا اور ہم پیران وگوں کی تلاش میں نکل گئے جن کے متعلق مکان کی تلاش کے۔ سیدہ میں ذرا بھی شبہ ہو سکتا تھا۔ تفصیلات سے نہ اب کو دیکھی ہوگی نہ میں اپنی نئی باتیں مختلف کا شوقین ہوں۔ البتہ اتنا بتائے دیتا ہوں کہ ایک نئی دشت سے مکان کے لیے کہا اور محض یہ کہنے کے لیے نئی کا ایک گلاس مینا پڑا۔ ایک ہیر گنگ سبلن میں انھیں ملا سے مکان کی اپیل کرنے کے لیے ہائی بڑا دلے۔ ایک ٹانگہ والے کے چہرے پر ”ٹوئیٹ“ کا سان بڑھ نظر آیا لہذا ایک گھنٹہ کا کرایہ اس کو دے دیا۔ ایک دن۔ دو دن تین دن یہاں تک کہ اسی جستجو میں صبح ہونے لگی اور شام ہونے لگی مگر مکان نہ آج ملتا ہے نہ کل۔ ملی ملائی اچھی خاصی ملازمت کو چھوڑ کر بھل گئے کی ٹھانی۔ اپنے آقا کے نام دار سے جی مکان کی شکل کے مقابلہ میں ملازمت سے دست برداری کے آسان ہونے کا اظہار کر دیا۔ مگر اس سلسلہ میں اس کثرت سے ”براہم“ کا لفظ سنا ہے کہ اب تو یہ شبہ ہونے لگا ہے کہ کہیں پنجابی زبان میں انگریزی کے اس لفظ کے معنی مکان ہی کے تو نہیں ہیں۔

جستجو پر ایک وقت وہ بھی گزرتا ہے جب جستجو کرنے والا ٹھکانہ کر چھوڑے اور منزل خود اسے ڈھونڈنے نکلے۔ چنانچہ ہم اس کمالی کو بھی آخیر پہنچ ہی گئے۔ گھر خد کھد ویا کہ نوکری مل گئی ہے مگر تم سب کو چھوڑنا پڑے گا۔ اس لیے کہ مکان نہیں ملتا۔ ارادہ کر لیا کہ کسی ہوٹل ہی کو اپنا تیم خانہ بنائیں گے۔ ایک ہوٹل سے بات چیت بھی کر لی۔ اب خدا کی دین ملاحظہ ہو کہ مکان ملنا شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے گاڈ صاحب نے ایک مکان کا مژدہ سنا یا ہم نے بے اختیار ان کو کیجیو سے لگائے ہوئے عرض کیا کہ یوں نہیں جناب پہلے آپ یہ کیجئے کہ کل صبح چائمیے ساتھ فرش فرمائیے۔ اس کے بعد ہم دونوں چلیں گے مکان دیکھنے۔ وہ فرشتہ رحمت تو تھے ہی ہماری محبت کو بھلا کیسے

نہایت جھوٹے کہہ چکے تھے۔ یہ وہ آئے تھے جس نے پہلی بار میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ اس پر وہ سخت دوس کے بعد
 ہزاروں چوڑا تھیں کیونکہ میرے ایک بار آئے تھے۔ چھ مہینے میں میں نے سوچا کہ اب اس کی روش
 پر بعض ہی سہی گئے تھے۔ ایک کمرہ بنائیں گے۔ شادی کا۔ اس میں گئے کی میری کوئی فیصلہ سناؤں نہ ہو۔ ایک
 پرانی شیشہ پر ہوگا۔ سوئے گا کمرہ ذرا اداں، انچر جو ناچا ہے۔ کہ آدمی جیسے تو حق خواب سنا دیتا ہے جواب
 لے کر تو قرہ فیروز کے نہیں بلکہ فدا ہی قسم۔ اس طرح ہر کمرہ ایک حصہ۔ آگھر کے تھے خاں تو خوش تھا ہی ملے
 یا کہ چڑا آگھر میں جس شام ذرا تنگ رہا کہ کوئی بنا تنگ نہ آئے۔ کمرے میں میں کرکٹ گانے لگے
 اس نے لکھنے بند

جوتے سے پر آمد جوتے ہی سوچا تھے۔ لا پک کر سامنے آئے۔ وہ دوسری ایک معنی کے ہے آخر مذہب فر
 اب آپ نہیں جے۔ کل کس وقت دیکھ لے ؟

مہینے سے جا کر دیکھیں مکان باز دیکھیں۔ گاڑ صاحب کو اگر خبر ہو گئی کہ۔ فیروز کے مکان دیکھ لے گا تو
 بیانا مان جائیں۔ مگر اس بچے نے جس جنت ہی سے ہو۔ یہاں رہا ہے وہ نہ یہ۔ خدا ہے اگر ہر چکے سے ملوں
 دیکھ لیں۔ کہ خورک کے بعد کما۔ کل نہیں اس وقت چلو تو میں کہتے ہیں کل ہم کو۔ وہ مکانات دیکھتے ہیں اس میں ہر دو مہر
 کو آدمی مکانات کہنے لگتا ہے۔ یہ تو وہ واحد و جمع کی فعلی نہیں جذبات کی گڑا ناشناسی ہے۔ نہ کہ والا تھا۔ ہو گیا۔ اند
 ہم اس کے ناگہر پر روانہ ہوئے۔ چلا ہیں۔ چلا ہیں۔ تھوڑے خام تھے ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ یہاں تک کہ ہم
 کی تمام آبادی میں حرم ہو گئی۔ مگر ہمارے مجوزہ دولت خاں۔ کامیں یہ تھی۔ ناگہب کے محل۔ وہ۔ اندہم میں کوئی
 جسنے ہیں۔ ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ اس سے پہلے میں تو سہی کہ آخر ارادہ کیا ہے۔ مگر چہرہ وہی ہے۔ سارا دے بڑا
 کر رہ گئے۔ کہ اس بچے نے تمہاری محبت میں اتنی دیر تک خاک چھان کر ہمارے لیے مکان خریدا ہے۔ اور ہم
 اس کے جذبہ کی یہ قدر کرتے ہیں کہ فدا سے فاصلہ ہی کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ غالباً اس غریب کو پرانے مکان آنا تھا۔
 لہذا وہ بچہ مستقیم چلا جا رہا تھا۔ لاہور میں اس کو مکان نہ مل سکا تو اس نے کسی اور شہر میں سہی۔ بہر حال مکان ڈھونڈنا۔
 آخر خدا خدا کر کے اب اس نے سڑکوں کو چھوٹ کر گلیاں دریافت کیں۔ ایک گلی سے دوسری میں دوسری سے تیسری میں
 اور تیسری سے چوتھی میں جا کر ایک جگہ تاگہ روک کر کہا : یہ ہے سلسلے والا مکان ؟

ہم نے چاروں طرف جرت سے دیکھ کر پوچھا : تو کوئی سامکان ؟

اعلیٰ ناس سے کہنے لگا : وہ جو ناٹ کا پردہ سلخہ ڈھپے ناس اسی کے اندر ایک طرف کو مکان ہے ؟
 ہم نے اس ناٹ کے پردے کو دیکھا جو ایک آبنائے پر اس طرح پڑا ہوا تھا کہ باہر ڈوب چکا ہے صرف اس کا
 پھر یہاں رہ گیا ہے۔ ہر طرف کچڑ ہی کچڑ اور دیاں دیاں کی سے قطعاً ناواقف۔ مرتے کھتے۔ دیوار سے چپکے چوٹے
 اس ناٹ کے پردے تک پہنچے اور اندر جو جھانک کر دیکھا تو چہرہ حلق روشن ہو گئے۔ ماکہ مکان ایک بڑی بھائی بوری
 سے کان میں کچھ باتیں کر رہی تھیں تاکہ ان کی مرغیاں نہ سننے پائیں۔ ہم کو دیکھتے ہی اندر بلا لیا اور مکان دیکھنے کی عرض

معلوم کیلئے کے بعد رہیں :

”یہی ہے بیٹا مکان دیکھ لو۔ میرا کہہ میں ایک کونسی پڑی رہوں گی“

وہاں سے جو بھاگے ہیں تو ہوش کے پاس پہنچ کر اس وقت ہر شہنشاہ جہاں کے ہاتھ والے کو ساٹھ تھیں پچھ مکان کی رونمائی کے سلسلے میں دینا پڑے مگر اچھا نہ تھا کہ یہ مکان تو تفریحاً دیکھا ہے۔ اصل میں ترجیح دیکھیں گے گا گاڑ صاحب کے ساتھ۔

جس گاڑ صاحب نے یاد پی کر جب اہلکاف الخدمت کو چھپا دیا تو مکان دکھانے لے چلے۔ یہ مکان یقیناً کسی زمانے میں مکان تھا۔ غالباً تانا۔ فریس کے زمانہ میں اس کی پہلی مرتبہ مرتب ہوئی تھی۔ آسانی صرف یہ تھی کہ اس مکان میں رہ کر انسان اپنی اس سخت کوششوں سے بچا جاوے اور اثرات اعلیٰ قوت کے کچھ کچھ اپنے اوپر طاری نہ کھائے۔ گاڑ صاحب نام کے ساتھ تھوڑی دیر بعد کہہ لیا تھا کہ ان حضرت کو اصل میں درکار ہے۔ آفتاب کی روشنی سے آنکھوں کو جو تکلیف ہوتی ہے۔ اس کے یورے بچاؤ کا انتظام تھا۔ ہوا لگ جانے سے جو بیماریاں پیدا ہو سکتی ہیں ان کا بھی کوئی خطہ نہ تھا۔ ہر کمرہ غسل خانہ اور ہر غسل خانہ آسانی سے کمرہ بن سکتا تھا۔ تو اس قدر غرض کہ جس کی مشیوں کا خوب آسانی سے بچایا جاسکتا تھا۔ ہر کمرے کا فرش ایسا کہ چاہے کھیتی باڑی شروع کر دیجئے، چاہے پھول مار چھینا جائے مختصر یہ کہ ہر مہمان دیکھنے کے بعد گاڑ صاحب کا منہ جو دیکھا تو دونوں میں ذرا بھی فرق نہ تھا۔ وہ بھی عجیب آثار قدسیہ بنے ہوئے کھڑے تھے۔ فرہ یہ کہ ہم کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا :

”کیا رائے ہے؟“

ہم نے کہا : مکان کے متعلق تو بعد میں عرض کروں گا۔ پہلے تو مجھے یہ دریافت کرنا ہے کہ آپ کی کیا رائے ہے میرے متعلق ؟

صاف کوئی ذرا دیکھنے کہنے لگے : ”آپ اچھے رہیں گے اس میں“

ہم اپنے کو سنبھالتے ہوئے اس مکان سے نکلا آئے اور اس کے بعد سے گاڑ صاحب کی صورت سے وہ نفرت ہوئی ہے کہ اگر مکان فوراً لی نہ جاتا تو عدم تشدد پر زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتے تھے۔ جیل میں ہے گا انتظام ہو گیا جاتا۔ مگر شکر ہے کہ سب سے پہلے دوست اور ایک جگہ تلاش کر دی اور ہم سے دوستی کے نام پر اپیل کی کہ ہم اس جگہ کو مکان سمجھیں۔ اس میں کمرے بھی ہیں، دروازے بھی، چھت بھی ہے اور غسل خانے بھی۔ کوششیاں بھی ہیں اور باورچی خانے بھی مگر سونا نہیں کیا بات ہے کہ بحیثیت مجموعی اس کو مکان نہیں کہا جاسکتا البتہ کہیے تو ”ہاں“ کہہ دیا کریں۔

اب نیچے دیگر پرائیمری کی ریل پیل :-

”مکان تو لی گیا ہے اب ملازم دلو ایسے“

”جی کیا کہا۔ ملازم ہر ملازم تو بڑا برا ملا ہے“

”مکان اور نوکر تو آپ کی دعا سے مل گئے ہیں البتہ ضرورت کی بعض چیزیں نہیں ملتی مثلاً گھی“

۔ کچھ — کچھ تو بڑا پارہ ہے :
 ۔ اچھا صاحب ڈاکہ اسی ۔ ہم بنا سچ کر رہ میرے مگر شکر :
 ۔ شکر میں جینے چاہیے ہے آپ کا — صاحب جیوں تو پارہم ہے :
 جینے کا ۔ اس دم حکم جیوں کے لیے مرنے کا ۔ تو حاصل کرے میں اجسز تو دیا لکڑی کس سے دوائے :
 ۔ خدا جانتا ہے اس نگر میں اسی نگاہوں یا بدھ کا معاملہ بڑا پارہم ہے :
 فقیر کہ حوالہ داتا جو ہے پارہم ۔ جو ات ہے پارہم بے علم اسی رہے کہ ۔ یہ ہونے لگا ہے چوریں
 اب ہر دلی ہے پارہم چڑھانے کا بصیرت تو اس پارہم کثرت میں ہے راجہ ہوتے تو پارہم نہ مل جو تو
 پارہم ۔ پہلے تو صبر کر لیا تھا کہ شاید صرف مکان کو بھائی میں پارہم کتے ہیں مگر اب تو حضور ہر دے کو بھائی
 ہی کہ پارہم کنا ہے گا جہاں ان براہمنوں کے لئے ہم خود ہی مل ہوئے جاتے ہیں ۔

کچھ یادیں کچھ باتیں

اور وہ اجارہ صفت کے وہ آدمی کی جنبش رکھتا تھا اور اس کی ادائیت مل جانے کو میں اپنی صحافتی سرگرمیوں سے بھر پور تھا اس لیے کہ کسی کو یہی جیسے جیسے مامور نوک رہ چکے تھے جس کے ڈنگے ہاتھ ادب میں آج تک پہنچے تھے مگر وہ اجارہ کا قہدان وار۔ سمجھنے کے بعد پتہ چلا کہ اب تو یہ روزنامہ مجربہ روزگار بن چکا ہے۔ یہ مصلح و مکتوب کے مالکوں کو اس سے کوئی عیش ہے کہ اس کی اشاعت کیا ہے نہ اس سے کوئی بحث ہے کہ یہ کتنے نقصان میں چل رہا ہے وہ تو میں اس کو نوکارتہ انتہائی کی یادگار کے طور پر نکالے جا رہے تھے نہ اس کی کہیں کوئی ایجنسی تھی نہ جو کہ کھنڈ کے کسی بانہ میں یہ گزرتا ہوتا تھا جس چارہ پانچ سو روپے وضواری کے طور پر بھلیے جانے لگے اور نہ ملنے کماں بھپا دیے جاتے تھے نہ اس کے کسی شہر قصبہ یا گاؤں میں نام نہ لگا رہے نہ کسی اور ہی ذریعے سے خبریں فراہم ہوتی تھیں۔ ہوتا صرف یہ تھا کہ صبح تر کے کھنڈ میں شائع ہونے والے گزشتہ اخبارات آچلتے تھے اور اس کی تھوڑی بہت خبریں آنا سہجہ حائرہ کے نہایت سناں کتابت کے ساتھ شائع کر دی جاتی تھیں۔ چند برس بعد لگا کر ہی کے واسطے دوسرے اخبارات شائع نہ کرتے تھے پھر اسے بیجا دیا کہتے تھے۔ ایک ایڈیٹر ہوتا تھا اور دوسرا اس کا نائب۔ دونوں مل کر بیٹے تو خبروں کا ترجمہ کیا کرتے تھے اس کے بعد ایڈیٹر صاحب ادارہ پہنچنے پھیر جاتے تھے اور نائب صاحب بیٹھی ہاتھ میں لے کر ڈاک بکس آئے ہوئے تھوڑے کے اخبارات کا قطعہ بردہ روح کر دیتے تھے لیکن اگر کچھ چھپے تو اس سائے علیہ کام کے صرف ایک ہی بڑے گئے جو اپنے منصب کے اعتبار سے نوکارتہ تھے مگر تھے ہر مرض کی دوا۔ اسم مبارک تھا غشی بنواری مل اور مخلص تھا شوخ۔ کلمات اور شاعری تو یہ خیر کرتے ہی تھے مگر اکثر یہ بھی ہوتا تھا کہ مثلاً ایڈیٹر صاحب کی طبیعت عموماً عورتوں نہیں ہے یا وہ اپنے نائب کے ساتھ تاساں کھیل رہے ہیں وغشتی بنواری مل شوخ ہی ایڈیٹر بن رہی ہیں لکھ دیا کہتے تھے اور اس ایڈیٹر بن رہی کا کوئی بدلہ نہ مسودہ یہ ہوتا تھا بلکہ وہ برا و راست کتابت ہی کر لے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس دفتر میں اگر کسی کا بدلہ نہ تھا تو غشی بنواری مل شوخ کا بدلہ ایڈیٹر بن کر خاں میں لاتے تھے نہ اسٹنٹ ایڈیٹر بلکہ ان کو یہ بھی اختیار حاصل تھا کہ وہ ایڈیٹر صاحب کے کلمے جو سنے ادارہ میں جہاں چاہیں اصلاح کر دیں اور ایڈیٹر کو تبادلہ کی بات تم نے غلط کھی تھی جس کو میں نے یہیں میچ کر دیا ہے اور یہ سب کچھ ایڈیٹر کو صرف مسکراتا چہرہ تھا تو غشی بنواری مل شوخ اس کو آٹھا تھا اور افسوس لانا بھی جانتے تھے۔

وہ وہ ایک نہایت خوب صورت درم میں ایک نہایت طویل فاری کا قصیدہ ہے آئے حوشاہ نادشاہ و امی خانانہ کی شادی میں تھا اور سنو سے جو محل سوخ سے جشن تخت نشینی کے موقع پر سبھا مناسی منیم دی کے قوس سے جینا پہنچے تھے۔ نہایت نادر شاہی فاری تھی، اس قصیدہ کے ہونے کی وجہ سے اس کا سب سے بڑا نمونہ میں نے پچھلے دیکھا تھا مگر جب فنی سرور میں سوزائے وہ قصیدہ محمدانہ کو پچھری دن بعد ان کو ایک انیسویں روز میں موصول ہوا جس میں دربارِ فغانستان کی طرف سے ایک پردہ اندہ نوشنوی تھا ایک پار کر قلم اور ایک سونے کی کھڑی۔ ایک تھا بہ قوشی بنو دی محل سوخ۔ اس کے مستحق ہو گئے تھے کہ ان کو شان میں ہم سب قصیدے کیسے۔ قصہ مختصر یہ کہ طوطی خداداد شوح کی تساری نے مجھ کو ایسا مجبور کیا کہ میں نے فنی پریم چند سے نصیباً و سہ ماہی بابت گزرا کر کہ جب تک بھار کو صاحب اس سکیم پرور رہے ہیں تم سے کہ مجھ کو فنی بنو دی محل سوخ کی شاعری سے توجانہ و ادرجے چنانچہ فنی پریم چند نے اودھ اخیانہ سے وہ کامتاہ کیا۔ اسی دن۔ احوال کے تحت اس بڑے خبر لاکرہ میرے گھر سے ملا ہوا ہونا چاہتے۔ اور اس طرح میں شادی محل سوخ کی دسترس سے مل گیا۔

میں فنی پریم چند کے زیادہ سے زیادہ قریب پہنچ گیا تھا اسنا فرب کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہی بیٹھے پوچھ گیا کرتے تھے کہ کب تو میری سوکٹ صاحب حضرت آدم کی اہلیہ و کنبہ نام خاتہ۔ ورجہ من ست۔ دریافت کر لیا کہ تھا کہ رکشاندھی کی تاریخ کیا ہے اور وہ بھی میرے گھر سے آکر اور کبھی مجھ کو اپنے پاس بلا کر بری تفصیل کے ساتھ میں قسم کی معلومات فراہم کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں رسالہ سیرنگ خدی کے مدیر جیم پوسٹھ جس صاحب نے مجھ کو ایک خط لکھا کہ میرا ایک کام کر دو۔ فنی پریم چند سے ایک افسانہ کے میرے نام دی۔ بی کر دو۔ چنانچہ مجھ کو پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ افسانے اور مضامین بھی دی۔ بی کے جاتے ہیں۔ میں نے فنی پریم چند سے کہا تو وہ پچھ چپے ہو گئے اور بڑی دیر کے بعد کچھ عجیب شراے ہوئے انداز سے کہا کہ بہ سب سے یہ تیرا دشوار و عہد ہوئے ہے کہ مثلاً آپ کے ذریعہ سے فرانس آئی ہے تو میں کیونکر وہی اپنی بیچوں اور بیچوں میں کوئی دیکھ رہا۔ بد حال میں افسانہ لکھ لوں چہر دیکھا جائے گا۔ اور دیکھا یہ گیا کہ بہت شرتلے بہتے ایک دن فنی پریم چند نے یاس روپے کو دی۔ بی سید باجو فوراً وصول کر لیا گیا۔ اس زمانہ میں مالی وضعیات کے معاوضہ کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اور معاوضہ بھی اتنا کہ شرتلے ہوئے جی گریا بڑی رعایت کے ساتھ پچاس روپے۔

یہی بات یہ ہے کہ مجھ کو تو فنی پریم چند پر بہت ہی رشک آتا اور مادی رسائل سے مضامین کا معاوضہ بیٹھنے کی راہ فنی پریم چند ہی نے مجھ کو کھائی تھی مگر ایک افسانہ کا معاوضہ پچاس روپے دینے والے تو آج بھی شاد و نادر ہی نظر آتے ہیں۔ وہ سکیم جو میں نے فنی پریم چند کے ساتھ جا کر بھار کو صاحب کو دی تھی اس کا چھ مہینہ بعد یہ پتہ چلا کہ وہ بھار کو صاحب

نے اپنے نہایت قریبی دوست رائے ہلوو ڈاکٹر رام بابو سکسینہ معصفت ہسپتالی آف آر وڈ شریکر کو غور کرنے کے لیے دے رکھی تھی چنانچہ فنی پریم چند نے ایک دن مجھ کو یہ پیغام دیا کہ تم کو ڈاکٹر رام بابو سکسینہ نے طلب کیا ہے جو حالاً تو ڈی کلکٹر ہیں مگر آج کل حکومت صوبہ بجات مقدمہ کے حکمہ طلاعات کے افسر اعلیٰ لگے ہوئے ہیں اور پھر ان کے متعلق مجھ کو چند مونی مونی باتیں سمجھا دیں کہ وہ آدمی نہایت علامہ قسم کے ہیں چنانچہ تم پر فرض ہے کہ تم ان کو علامہ سمجھا دیاں کو یقین دلاؤ کہ اگر

[illegible]

دعوتِ صاحبِ کلام کا ذکر ختم ہو تو کسی اور کا بھی ذکر شروع کیا جائے مگر یہ ذکر نہ اتنا مختصر ہے کہ اپنی جلد ہی ختم ہو جائے

نہ اتنا محدود کہ اس میں کسی اور کے فکر کی گنجائش ہی نہ تھی۔ میں نے کبھی نہیں سوچا کہ میرا چاہتا ہوں۔ اصل صاحب کو جس ذکر میں موجود پاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ وہ کچھ سے کھنڈ آ جانے کے بعد اصل صاحب ایک انسان نہیں بلکہ ایک انجی بن کر رہ گئے تھے۔ اور کھنڈ کے نام شعری اور ادبی حلقہ کی ٹھیکیدار۔ اس حد تک ان کے حصہ میں کتنی غنی تھی کہ کھنڈ کی ادبی مجلسیں تو دور کی، کھنڈت باہر بھی گزرتی مشاعرہ ہوتا تھا۔ تو بانیان مشاعرہ کھنڈ کے شعرا کو مدعو کرتے۔ وہ افراد ہر شا کے گھر پر جانے کے بجائے سب سے اصل صاحب کی خدمت میں پہنچتے۔ اور اصل صاحب ہی سب کی طرف سے دعا کرتے بانیان مشاعرہ کی طرف سے ان پر ہر زبان پر جایا کرتے تھے۔ اور اب یہ ان کی دھندلاری ہوتی تھی۔ کہ وہ کھنڈ کے شعرا کو دعوت نامے پہنچاتے۔ ان کو مشاعرے کی شرکت کے لیے بھی نہیں۔ اور وہ اگر شرافت سے ساتھ رضی نہ ہوں تو ڈرا کر باوجود کارڈنٹ کر ڈیٹ کر رہ جائے کسی نہ کسی طرح راضی کریں۔ اور اپنی فیدوت میں ان کا غلطے کر دیا ہوتا۔ راستہ میں وہ ہر شاعر سے فردا فردا اس کی طرحی غزل سنتے تھے کسی سے کہتے تھے کہ اپنا ساواں شہ کاٹ دیجئے یا کسی کو حکم تھا۔ نہ اپنا دوسرا مطلق غزل سے خارج کر دیجئے۔ کسی کو زور شعر کے پڑنے کی ممانعت ہوتی تھی نہ کسی کا گئی رہی شعر کے نہ پڑنے کی تاہم کی جاتی تھی اور اگر اس کی وجہ پر بھی جلائے۔ تو نہایت سادہ سا جواب دیا جاتا تھا کہ یہ میں پھوں گا۔ حالانکہ وہ ان کے پڑنے کے لیے ایک نہیں ہی غزلیں اس کی جیب میں ہوتی تھیں۔ جن کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کہاں سے آئیں بس یہی کچھ کہ وہ خانہ پڑنا تھا کہ۔

آتے ہیں قیاب سے یہ مضامین خال ہیں

مشاعرے سے کچھ دیر پہلے اصل صاحب ان سینکڑوں اشعار میں سے چپے بے ایک تیرہ شعر کی غزل تیار کر خستے جو ہر ہے کہ جو مجھ کو کے قسم کی ہوتی تھی اور حاصل شاہ و کبھی جسے کی ستم ہوتی تھی۔ بہادر بات ہے کہ اصل صاحب اس کو پڑھ کر غارت کر دیں۔ اس لیے کہ وہ غزل پڑھتے نہیں بلکہ غزل ڈالتے تھے۔ چہرہ شہر ہو جاتا تھا۔ انکھوں سے آنسو چھلکتا عروس ہوتا تھا۔ نگہ کی نگہیں پھول جاتی تھیں۔ منہ سے جھاگ اڑتا تھا اور وہ زانو پیشہ پرٹ کر اس طرح ایک ایک شعر پڑھتے تھے۔ گویا اس شعر کو اٹھا اٹھا کر پتخ ہے ہیں اور مے کہ چپے ہیں کہ آج یہ شعر نہیں یا میں نہیں۔ ان کی شعر خوانی کا انداز ہمشیر یا کے دور سے بہت ملتا جلتا تھا مگر کچھ دن کے بعد ان کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ ان کی اچھی سے اچھی غزل ان کی اس خوشخوار شعر خوانی سے ذرا ہر کہ وہ جاتی ہے لہذا انھوں نے خود پڑھنا ترک کر دیا تھا اور ہر شاعر کے لیے کسی نہ کسی خوش آواز شاعر کو پیسے سے ملے کر یا کہتے تھے کہ وہی ان کی غزل پڑھے گا۔ اور وہ صرف وا کی رسید کے طور پر رسوم کریں گے۔

اصل صاحب جب سے شاعروں کے تنوک فروش قاجار یا ٹھیکہ دار بنے تھے ان ہی کے در دولت پر ہر چھٹے پڑے شاعر سے ملاقات ہوتی رہتی تھی کہ آج ان کے یہاں حضرت ریاض غیر آبادی ٹھہرے ہوئے ہیں تو کل حضرت جگر مراد آبادی ان کے یہاں سے نکل جائیں گے۔ لیے پڑ پڑا ہے ہیں مگر راہ فراد نہیں ملتی۔ ایک دن دیکھنے لیا ہیں کہ ہمارے حضرت جو شہر علی آبادی ان کی حراست میں آئے ہوئے ہیں ہر چند کہ جوش صاحب سے رفیع احمد خاں مرحوم کے ساتھ بار بار ملاقاتیں ہر ملاقاتیں

ظہر ہے کہ ناؤ ڈنگ گئے تھے اور طالع غمخیز کر کہا کہ ڈوب جائے گی نادر صاحب یہ نہ کہہ۔ مگر جوش صاحب کا چہرہ بھی
تھا کہ ہم ناؤ ڈوبنے ہی کے لیے بلکے ہیں اور پھر چونکہ وہ دن بیرون کو جنس دی ہے تو ہم سب لوگ مل کر ایک دوسرا
بھونکا کر کہے کہ ہرزبان پر کلمہ شہادت تھا۔ مرادنا آستی نے سمجھ گئی سے بڑا مل کر کہا۔
”چلے جائیے جوش صاحب یہ نہایت ملکہ مذاق ہے۔“

جوش صاحب نے بڑی سمجھ گئی سے کہا: ”غالب کا شارح اور سمجھ گئی کہ مذاق کہہ رہا ہے۔“
مرادنا آستی کی مزاح و ہوا پر غالب اسی زمانہ میں نکلی تھی۔ نثر سندیلوی نے ظہر کر لیا: ”یہ کیلے بیسٹ ہے؟“ اور
جوش صاحب نے بڑے رعب سلطانی کے ساتھ کہا: ”یہ کس گستاخ کی آواز ہے جس حکم دیتا ہے کہ دیکھو تو میں پر جھک
جائے ورنہ یہ لو؟“

اور اب جو ایک ہلکے دشتی کو دیتے ہیں نثر سندیلوی: ”خدا کے لیے جوش میں کو رو“ کہتے ہوئے واقعی ان کے
تہذیب پر ہلکے ہوئے تھے۔ اب وصل صاحب کی باری تھی۔ وہ صرف اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ: ”میں کتا ہوں جوش؟“
کہ جوش صاحب نے کڑک کر کہا: ”خاموش! تمہارا جرایم عظیمی زبان سے نکالو۔ نکالو اپنے دانت۔ بالکل
عالی۔ اپنی جھیلی پروردگار کے اس مصنوعی جڑے کو رکھو کہ وہ ان کو دیا نذر۔ ان ملتی نظروں سے دیکھو ہے ہر تہذیب
دانوں کو صرف گنگا اشکلن کرنا۔ اب دیکھو ان کو جیب میں۔“

اور وصل صاحب ان کے ایک ایک حکم کی تعمیل کرتے رہے اس کے بعد جوش صاحب دوسروں کی طرف متغلب ہوئے۔
”اے مرث سے ڈرنے والے بزدل شوکت خاوری اپنی ناک سے کشتی کے تختہ پر دستخط کرو۔“

میں ایک طرف ہاتھ بڑھا دیا اور واقعی اختلاف قلب میں مبتلا تھا۔ طرح طرح کے خیال دل میں رہتے تھے کہ جب
اس خرقہ بازی کی خبر گھر پہنچے گی تو گھر میں کیسا کھرام مچے گا۔ میری دیکھاری ماں گھبراہٹ میں کھائے گی۔ اس غم کے پہاڑ کو میرا پرہیز
باب کیسے کر برداشت کرے گا۔ میری چاہنے والی بہن اپنا کیا حال کرے گی؟ انھوں نے نیچے اندر جھرا دیا تھا۔ مادہ فحش
کی صرف یہی صورت نظر آئی کہ کشتی کے تختہ پر ناک سے لکیریں کھینچنا شروع کر دیں۔ اہی سلوڑی جو غائبانہ ہوئے نیچے
تھے اپنی مونچھوں کا سامان ناؤ جھول چکے تھے اور اس دہانے فانی کو بڑی حسرت سے دیکھ رہے تھے کہ اپنا نام سن کر چونکے
جوش صاحب ان کو لٹکا کر کہا: ”اپنا شجرہ بیان کرو۔“

اور جب ان کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی تو جوش صاحب نے کشتی کو ایک مرتبہ ڈنگ کر نالہ دی حکم دیا کہ: ”بیانی
کہہ اپنا شجرہ۔“

امداد میں سلوڑی نے اس وقت اور اس عاجزی سے ”یاد نہیں آتا جوش صاحب“ کہا ہے کہ جوش صاحب کی
سادہ اداکاری ختم ہو گئی اور وہ بے ساختہ ہنسنے لگے جیسے کہتے: ”بات یہ تھوڑی ہی دیر کی تھی مگر مظلوم یہ ہوتا تھا کہ ہم سب پر
محببتوں امداد زائشوں کی صدیاں بیت گئی ہیں۔ گنگا کی خوفناک طغیانی کیفیت طالع نمک کا بار بار یہ کہنا کہ میں ایشیائی
ہے ناؤ مگر اس کے باوجود جوش صاحب کا یہ ہر لٹاکا کھیل ایسا نہیں تھا جس نے کسی کے حواس بھار کے ہوں۔ یوں تو سب

پتھنے ہی فائدہ جو وہ ایک صحت بخشنی
اک پر نہ تو: جسے تسبیح و گنتی

مولانا نے بڑی فراخ دلی سے داد دی مگر وہ دیکھتے ہیں کہ ہر ایک دم سے کہنے لگے: میں بھی جیسے ہر ایک مولانا
جوش کو ہر اکبیا تھا۔ خدا عز و جل نے کہہ دیا کہ کسی کی موت مرے ہم سب:

وہ جس کو کیا کہ مولانا اسے مرنے دم تک اس نہ ہو گئے والے مولود کا پورا کو نہ بھرنے تھے بلکہ اس مولود کے سلسلہ میں
ایک صد و چوبیس صاحب زحمی خاندان آئے آج رفیع احمد خان نہ ہوا۔ زندگی بھر کے بے آج چاہتا: اللہ جل جلالہ نے
ہم سے تمہاری موفقیہ پر کیا کہنے۔ مگر جوش صاحب کا یہ جذبہ انتظامی مدد نہ تھا۔ اس لیے کہ یہ واقعہ ہے کہ رفیع احمد خان
نے جوش صاحب کے ساتھ بعض ایسے سلوک کئے تھے کہ ان کا رد کرنے کے لیے جوش تو نے ہی وہ کئے۔ ایک چھوٹا سا واقعہ جو
میں خود دیکھتا ہوں۔ اس حقیقت پر ضروری بہت مدد شوقی تو قال ہی ہے گا۔ دیہہ شریف میں حاجی وارث علی شکر کا مدرس
تھا۔ اس مدرس کے موقع پر دیہہ شریف میں ٹیڈی میں پہل ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کھڑے سے جوش صاحب رفیع احمد خان کے
امد میں غالباً کچھ اور لوگ بھی ساتھ تھے دیہہ شریف پہنچے وہاں سماج خانہ میں بیہم شاہ صاحب وارثی کی نظر جوش صاحب
پر پڑ گئی۔ اس پھر کیا تھا جوش جوش۔ جوش کا ایک شور برپا ہو گیا اور جوش صاحب ہاتھوں ہاتھ اس بے غماہ ہجوم سے اٹھا
بیہم شاہ صاحب کے پاس پہنچا دیئے گئے اور ہر دو گون کو کسی نے پوچھا بھی نہیں۔ رفیع احمد خان مرحوم کو کسی امد پر تو نہیں اجازت
جوش صاحب پر بے حد غصہ تھا کہ یہ بضرر علمی ہم دو گون کو بھول گئے۔ جوش صاحب بڑی دیر کے بعد اس میل میں پہنچے
ٹھکنے پورا کر سماج خانہ سے باہر آئے تو رفیع احمد خان نے ان سے کچھ نہ کہا اور بڑی جنت سے ان کی کمر میں ہاتھ ڈال کر
گھر لے گئے کہ ناگاہ ایک نہایت مختار ابو اہول قسم کی دیہاتی عورت جوش صاحب کے قریب سے جو گزرتی تو رفیع احمد خان نے
اپنے اسی ہاتھ سے جوش صاحب کی کمر میں تھا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس "افہ" قسم کی عورت کے بازو میں چپکی سے ہی ہا
عورت نے دیکھا تو نہ تاؤ جوش صاحب کے وہ دو ہتھوڑے سید کیا ہے کہ وہ چونک پڑے اور اب بھی وہ بنگارنے جوش صاحب
کا دل ہی جانتا ہو گا کہ وہ کس طرح اپنے کو چاکس دہان سے نکلے ہیں۔ رفیع احمد خان نے یہ انتظام لینے کے بعد صرف اتنا کہا کہ
"بڑی عزت افزائیاں ہر رہی تھیں جناب کی سچ خانہ میں اور ہم نیا زندگی فریم نیچے دھکے کھا رہے تھے۔ اس وقت ہم عالی
مرتبہ کو یاد نہ آئے۔ اب جو اس پہلوں عورت کے ایک ہی ہاتھ دکھایا ہے تو ہماری آڑے سے ہر۔ طے کیوں نہیں اپنے
بیہم شاہ وارثی کے پاس" جوش صاحب سمجھ چکے تھے کہ یہ ایک پٹھان نے ایک دوسرے پٹھان سے جلدیا ہے لہذا کہتے
تو کیا کہتے۔ صرف یہی شکر ادا کرتے ہیں کہ جس میلہ میں اچھے جوش کے آنے کی دھوم مچی۔ اس میں حکم ہے جوش کی اس
عزت افزائی کے چرچے نہیں ہوئے۔ کچھ تو یہ ہے کہ جوش کی پھر مٹی ہوئی جوڑا اگر تھا تو رفیع احمد خان ہی تھا جس کے تذکرے
میں ایسے ایسے نہ جانے کتنے امدد اوقات سامنے آئیں گے۔ ابھی تو اس مکانہ مددگار کا ذکر ہی نہیں پھر رہا ہے۔

شیش محل

(چند ایچ)

افیس احمد عباس

گھنٹہ روزانہ صفت کے دراصل میں۔ میسجیل کسٹری میں۔ اور جس میں بھی خاصی ضرورت۔
حیثیت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس بار زندگی آپکو بسر رہی ہے۔

پہلے کھاڑ میں جب بھی جانتا ہے صاحب و نائب و نائب خیمے، ڈیڑھ جانتے ہیں تو بھی کبھی تفاوت۔ صاحب سے ملاؤں۔
کیا کار بھی آجاتی ہے۔ جلدوری کی بات دوسری ہے۔ وہ نہ نظر تان کی سنے۔ سب سے وگ اور دو پکار کر ہے۔ صحافت کے
تعمد اور پچ جانتے ہیں۔ سید جانتے ہیں۔ بابائے صحافت نے ضرب شاگرد۔ دیکھے ہیں۔ دیکھی کسی آپ کی قرب میں اسکو
مردم کارنگ چھوٹے کھانے۔ مدت سے روزنامہ حیثیت کو بھی کسی سہائے کے قطعاً توکل پر جاتا ہے جس آج احوال کل
جاتا ہے اور کل کی کبھی فکر نہیں ہوتی مگر اس بلے مرد سہائی کے بار و آپ کو خالی کا جیشن ختم ہوئے بھی نہیں دیکھ گیا۔
سادگی اور وسیع داری یہ ہیں وہ خصوصیات جن کے خالی آپ کے فی افیس میں ہونگے۔ رجسٹر میں منور۔ اور کی کے بدلت
ٹول پاس بھی مشکل ہی سے ملو رہتے ہیں۔ ٹکی ٹوپی اور کبھی کبھی گاڑی فیس بہ صبر ہوئی سی ہو سر پر منور کر رہ جاتی
ہے پھر کیا جمل کہ سر سے کبھی آتے جاتے۔ ہارے میں سی ٹوٹی پر ایک بلو بند باور سنا جاتا ہے۔ چھڑی کا سہارا کر موب
کا سفر کر جاتے ہیں دفتر آئے۔ گھوگے بسٹریل ہوئے۔ بارشوں میں نہر کی اور ڈی مینگ میں ماضی وی اور سب جگہ
ہوتے جہانے اسی چھڑی کے سہائے رات کو دس بجے گھڑی کی سولی کے ساتھ جاری ہوا شیخ احمد علی صرف ذہنی صاحب کے
جہاں موجود ہیں۔ تاش کھیں رہے ہیں۔ ہنس بول رہے ہیں۔ دوسروں کے دکھ سہی ہے میں اپنا دکھ کسی کو نہیں منتقلے۔

مورت سے تم نظر آتے ہیں مگر چپکے چپکے سینکڑوں تھیوں اور بیواؤں کی مدد کرتے رہتے ہیں کوئی ضرورت مند
آپ کے پاس پہنچ جائے تو اس کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم نہیں لگے پھر آو چاہے قذے جاتے پھر لاگو خوش
ہوتے ہیں کہ ضرورت مند کی ضرورت پوری ہوگئی۔ کئی بار کہا کہ امیں بھائی یا تو فقیری سے بچے یا انسانوں کی صورت بنائے
کھتے ہیں کہ تم مزاج نگار ہر مذاق کر رہے ہو۔ کاش کوئی سنجیدگی سے افیس بھائی کو سمجھا دیتا۔

حسرت کو کچھ لہجہ ہے اور اٹھ بیٹھے۔ تھوڑی دیر میں مولانا حسرت جب صاحب کے بنگلہ پہنچے اور ان سے پاکستان کے متعلق اپنے
نئے نادر محلا پر بحث کر رہے تھے۔ اصرار یہ تھا کہ یہ فارمولہ براڈ کاسٹ کر دیا جائے۔ مگر ان کی غلط فہمی سے اس بات پر بحث ہو گئی
کہ آپ راجدویش میں ہم آپ سے دو ایک عرضیں کرنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مولانا نے کہا: اچھا پھر
ترجمہ کے ساتھ عرض کریں اور پھر جب وہ ریکارڈنگ سٹوڈیو میں پہنچے۔ وہ بات: ایس۔ پی۔ اے بالکل میری ہی آواز ہے۔ نتیجہ
— اب میں سٹیشن جانوروں میں اسٹیشننگ کر رہا تھا۔ مبارک علیف الرحمن میں ساتھ تھے۔ حسرت صاحب کے کچھ نہیں امدہ تھی
انسانے میں سنانے میں اپنے ذاتی روایتی انسانے اور چہرہ ایسا کلام بھی سنا یا۔

مولانا سیاسی سرب شاہ محمد علی ہونچو ان کے شدید سے شدید مخالف کو بھی اس بات کا پورا یقین ہے کہ ان کی رائے
ایماندارانہ اور آزاد ہوا کرتی ہے۔ سہی خدائی اب صرف ہو جائے اور مولانا اپنی نہاد آواز جس کے بغیر نہیں مان سکتے۔ نہ
ان کو حوشنگ کی بدولت۔ مخالفت کے طوفان سے کبھی مرعوب ہوئے جو اپنا مقصد ہے وہ ظاہر کر دیں گے اور برطانوی حکمرانوں کے
خواہ کچھ ہو جائے۔ وہ شاعر کی حیثیت سے شدید ہیں بائبل کی حیثیت سے۔ اس سلسلہ میں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ وہ شاعر
پہلے ہیں اور لیڈری ان کی ثانوی حیثیت ہو سکتی ہے۔

روش صدیقی

کلام سخن کو عظمت و کرامت، صورت و کچھ زینت کو دل جانتا ہے۔ کلام نہایت ذاتی اور خود نہایت
کے پھلے سنانے اس طرح ہیں کہ گویا گھڑنگ ہے جس۔ کلام کے زور میں اکثر خود آڈٹے جتنے محسوس ہوتے ہیں۔ آواز اچھی ہے اور لہجہ
جس میں گہری ہے مگر خوش نہیں آکر جبکہ ترسہ دیتے ہیں۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ خلاف فہم کے لیے اہل کلمہ کے گہرے بائبل
کے مولانا سوک علی کو غصہ آگیا ہے۔ نکتے پھول جلتے ہیں گھونٹہ تاں لیتے ہیں اور پھر اسی گھونٹے سے تعریف کرنے والوں کو
سلام بھی کر لیتے ہیں۔ مشہوروں کی شرکت عبادت کی طرح پابندی سے کرتے ہیں آج اگر وہ میں ہیں تو کی گویا میں۔ کبھی بناؤں میں
ہیں تو کبھی کسی غیر معروف مقام پر شاعر سے منظر آئے ہیں۔ سنسٹ شاعر بنے گا جو ہے۔ دوری کے طور پر کبھی کبھار
بھی نہیں لیتے ہیں۔ ورنہ وہ اصل آپ کو سیاست کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ نظم کے علمبرداروں میں اس طرح شامل ہیں جس طرح وہ
پورس کی فوج میں باغی شامل تھے۔ جی بوف ضرورت غزل بھی اس طرح پڑھ دیتے ہیں کہ نظم کی تمام علمبرداروں کی سرنگوں ہو کر
وہ جاتی ہے۔

فہرنا بہت مصحوم۔ حوزا نہایت خام مگر اقتصادی معاملات میں نہ مصحوم نہ خام بلکہ نہایت پیچھے برس ہیں ایک سخن
کی قسم کے خدی بھی اور نو نقد نہ تیرا دھار کی قسم کے منہ چھٹ بھی۔

مجنوں کو رکھپوری

احمد صدیقی مجنوں کو رکھپوری۔ معلوم نہیں یہ شخص شر کرنے کے لیے رکھا ہے یا اپنا تعارف کرانے

بارِ خاطر

(چند خطوط)

سید امتیاز علی تاج کے نام

لاہور

۹ فروری ۱۹۵۷ء

سیدنا

اس وقت آپ سے عروج یاد آ رہے ہیں۔ کھنٹے سے ایک عزیز جاگ کرتے ہیں مگر اس ہاتھ کے ساتھ کہ پستی پاؤں کی ڈھولیاں بھی لاسے ہیں اور وہ کپٹی ڈلی بھی جو کبھی صابک کف دست پر ہوا کرتی تھی۔
 دوپہ کا وقت ہے جس میں دھوپ کھانے علافہ بیٹھ گیا پاؤں کھانے جب پھر کھٹ پاؤں میں سے سٹے کھل جاتا ہے تو ذہن کا وہ دہ پچھل جاتا ہے جس میں سے آپ کو جھانسا جاسکتا ہے۔ آج میرا پاؤں ایک ایسے ڈھول کی طرح سما جاتا ہے جو ہرگی کی خبر باکر قدرت کے دن لڑا رہی ہو کہ یکا یک اس کا دھوا پڑوس سے آجکلے اوٹاس کو غیر متوقع طور پر اس کا سہاگ قابض مل جائے۔ کیا امید ہو سکتی تھی کہ اس پاؤں میں کھنٹ کے پستی پاؤں پھر نظر آئیں گے مگر آج اس پاؤں میں پستی پاؤں بھی ہیں۔ کیورٹے میں بسا ہوا وہ دھوا کھنٹا بھی۔ چھالید بھی وہ جس کو اہل ذوق باہرہ کہتے ہیں۔ پھر آ اس قدر شغاف کہ وہ دھوا جس اس کو اپنا آئینہ سمجھے اور کھنٹا ہری کی برف جی اس کے سٹے پانی پانی ہو جائے، غیب سڈول الاچیاں بھی ہیں اور شکی دانے کا تمباکو بھی۔ پھر قوام کی شیشیاں تو آب جانتے ہی ہیں میری جان کے ساتھ ہیں۔

اسی اہتمام سے پانچ بھار باہروں اور تھوڑے بھڑم کر لنگنار باہروں سے

پاؤں کے عنوان پر نگینے لبِ تعلیق یار

لے ڈالے سے سیرتے غارہ دئے بہار

لے کہ تیرا رنگِ رونا جاؤں ہند بلیت

لے کہ تجھ سے مر مرہ جمع تجلیات ہے

پکار کر کہہ سکتے ہیں مگر اپنے کر بے گناہ اور مجھ کو بدکار نہیں کہہ سکتے۔ آپ کھراؤ اداوی تھا کہ سب کے کہہ سکتے ہیں مگر وہ صاحب
 یحییٰ تیار کہہ گا جو تمام تیار کرتا ہے کہ وہ صاحبِ مہ سے بیٹھے ہیں اور گرم شکل، گرم شکل کی "تفسیرِ نظر" لکھیں۔
 دیکھئے تاج صاحب یہاں پاؤں کی تائید میں ایک نکتہ اور سر جھ گیا کہ ہاں انسان کو نہایت کم سخن بھی بنا دیتا ہے اس میں انسان
 ایک ایک بات کو پیسے سرسورتر مہ میں توڑتا ہے پھر گا دلان سے مشورہ کرتا ہے اس کے بعد کہیں بات کہہ سکتے ہیں کہ
 زبان نیچی کی طرح چل رہی ہے اور یاد مگرئی کے گلی کتر رہی ہے۔

پاؤں کے سلسلہ میں آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ چھوٹا کھا یا جانے اور کثرت کھا یا جانے مگر اس عقیدہ کے پس منظر
 میں غالباً وہی پاؤں ہے جس کو میں پھرتے کتا ہوں اور جس کے اٹھ آٹھ اور دس دس ٹکڑے ہو سکتے ہیں مگر اس وقت میرے
 سامنے وہ پستی پاؤں میں جس سے غالباً روحانی پاؤں کا عاوارہ نکلا ہے۔ نازک نازک۔ چھوٹے چھوٹے پتے کھڑے جلا کر مہ میں
 رکھتے تو گھٹن جانیں۔ ان چھوٹے چھوٹے پاؤں کی خوب صورت نگہریاں مجھ میں پرو کر خاصداں میں اگر ایک سامنے آجائیں
 تو کثرت سے کھانے کے بھی آپ اس خوف سے قائل نہیں رہ سکتے کہ یہ خاصداں ختم ہو جائے گا تو کیا ہو گا میرے پاس
 اس وقت پستی پاؤں کی دو ڈھولیاں چر یعنی ایک دو نہیں بلکہ پڑے سے چلے سر پاں مگر دل و حرک رہا ہے اس وقت کے
 خیال سے جب یہ نہ ہوں گے اور میں پھر اپنے بڑے رفعت کدوں گا۔

میں با تو یہ پاؤں کھا سکتا ہوں ورنہ اپنے کو لٹو رہ ہی بھلا بھٹا ہوں کہ چاہیہ، خشک کھتا۔ الاچی۔ لوگ مہ کو ادا
 قوام کھا کر چوہ چاٹ لوں مگر مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ جٹ اور پٹ سن کی برادری کے پاؤں کھلوں جو مہ سے رسیاں جلتے
 ہیں اور جس میں ترکہ ستم الاچی ڈکرا کر جڑوں کی مدد کرتے ہیں۔

تفسیرِ ملک سے پہلے پستی نہ سہی مگر بنارس کے مغیب پاؤں کا ہر میں ملی جاتے تھے۔ وہ دنیا نیز ضرر نہ ہونے تھے مگر یہ
 تیزی چنداں ناگوار نہ ہوتی تھی اور چرنے کی تیز فدا کی تیزی کو رام کر لیتی تھی۔ تلخ صاحب ملاحظہ فرمائیے بنارس کا ذکر تھا
 تو بے ساختہ رام کرنے کا عاوارہ قلم سے نکل گیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ شعر بھی یاد آ گیا کہ ہے

اندھ کس نہ دم بعد عام است اینجا

ہر برہمن بچہ عجیب و رام است اینجا

معاف کیجئے گا اس شعر کا بیان کوئی سہل تو نہ تھا مگر اچھا شعر اگر بے عمل بھی ہو تو رنگ مے جالتا ہے۔ ہاں تو میں بیرونی
 کر رہا تھا کہ تقسیم ملک کے بعد وہ بنارس سفید پاؤں بھی سفید قلم قوم کی طرح عنقا ہو گئے اور رہ گئے یہ پاؤں جن کو پاؤں کی
 حیثیت سے کھانا تو سمجھ میں آتا نہیں البتہ دعائی کی صورت سے کھا یا جائے تو دوسری بات ہے۔

کس طرح میں آپ کو یہ پستی پاؤں کھلاؤں۔ گڑھی شاہو سے اسٹ روڑ زیادہ دور نہیں مگر یہ نازک گھوڑیاں ہاں
 پہنچتے پہنچتے مڑ جھا جائیں گی۔ کھلا جائیں گی اور پاؤں کا خون ہر جائے گا جس کو شاید آپ بھی گوارا نہ کر سکیں گے۔ لہذا آپ کے
 جھٹکے پاؤں بھی میں خود ہی کھا رہا ہوں اور کھا کھا کر آپ کو یاد کر رہا ہوں معطر، لطیف اور خشک گھوڑیاں۔ محسوس
 ایسا ہوتا ہے کہ گویا پاؤں نہیں بلکہ پاؤں کا نصیب جبار رہا ہوں گویا مہ میں جاتی ہے اور غائب ہو جاتی ہے۔ دوسری

... یہ کہ ہاتھ کا پتہ نہیں۔ آپ ان کے پیچھے ہونے کا طرف میں اور عاقل اس کے قائل ہوں گے نہ ہونے کے معاملہ میں۔
مانیت منظم ہے ماریت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

شوکت قاضی

حضرت جگر سراد آبادی کے نام

از محی شاہ جہ - لاہور
۱۵ جون ۱۹۲۷ء

صدری کرم

ابھی میری میں آپ کے ساتھ دو سید راہیں دہا بڑھ خوب آوروں کر رہا ہوں۔ سنیو ہوں
کڑا شنگ ہاں ہے اور پھر آپ ہی سے مخاطب ہوں۔ مری میں نورمی کا سسل جاری رہا اور ان کثرت سے جاری رہا کہ مری پر
میں کا اصرار پر رہی گا گمان نہ رہا ہے۔ اگر آپ فار کر رہی قوم میں کوں نہ وہاں میں مری کے دھنکے یہ مذی نے نشیب
نک ہر فرد پر تاش کے پتوں کا سبب ہونا تھا۔ ہر عورت جو نعرے لڑ رہی جہول کی بنیم یا انت کی ملاحظہ تھی۔ ہر مرد و پند
کے عظم ہا حکم کے بادشاہ کا گمان لگا رہا غضب خدا کا۔ ہر مسی راہیں تاش کی کڑاں جھٹ جھٹ کر بسر کر رہی۔ نہ ننگی میں
ایں ایسی خدا جانے کتنی راہیں بسر کی ہیں اور ایک سے ایک کھنڈری سے واسطہ پڑا ہے۔ مگر آپ کے انہماک کا جواب
نہیں۔ اس مریخ پر آپ ہی کا ایک شر آپ کرشنا ہوں جو آپ کے لیے آپ کی ایک مقبول دعا کی حیثیت رکھتا ہے۔

خوش ہے کہ تصویر تون بقیہ لفظ

مجھ کو جو کچھ چاہیے ہے وہ دیا جائیگا

بے شک جو شغل میں اختیار کیا تھا پر بھیج کر اور انہماک میں چا کر اختیار کیا۔ رہندی اور بہ مستی کا وہ زمانہ جب ہر نظر جام وید
اور ہر نفس میخانہ تھا اچھی کل کی بات ہے۔ رہند بلاؤش بڑھ حاضر و تھا مگر ۱۹۲۳ء کی ایک رات میں نورمی کے ایک شلوے
میں دیکھ میں با جب ایک آ جاڑی صورت کا شام جیسے یقین پر بھی ہوئی ختام کی تصویر پر شاعر کے کسب گرشے سے آٹھا
اور اس نے مقول نامطلق مجھ کو کہ پڑھا۔

نفر کو مست مئے حسن کر قباب آٹھا

جگر شراب نہ ہی تہمت شراب آٹھا

اور میں چونک پڑا کہ کیا یہی ہیں جگر اور نورمی جگر نے یہ شعر پڑھا کہ نصیب میں کر دی ہے

کہ صرے برق چمکتے ہے وچیں لے وخط

میں اپنا جام اٹھانہوں تو کتاب آٹھا

۱۹۲۳ء کا وہ رات اور آج کا دن۔ تعلقات کے اٹھائیس سال۔ اور ہم دونوں ایسے سخت جان کہ دونوں کو تعلقات کی

یہ مدت نہ مار مکی۔ اس ہجر کے نہ دوست ملتے ہیں نہ دشمن۔ اس مدت میں دو سفینیں دشمنی بن جاتی ہیں اور اتنی طویل دشمنی بھی رہنا نہیں کئی۔ آنے کو تو بہند سے انقلاب آئے۔ ایک رند نے تو بہ کی۔ ایک خانہ بدوش صاحب خانہ بنا جس کا کوئی نہ خانہ کسی کا ہو گیا اس کے علاوہ اور بھی بہت سی شخصیات شکیں۔ بڑے بڑے سلجاؤ اُنکے۔ ملکوں کی تقسیم ہوئی نئے نئے ممالک کردہ ارض پر ابھرے اور بڑے ایسے ایسے ہونے کہ آخر ہم بھی بٹ گئے آپ اُدھر۔ میں اُدھر اور دیکھ میں آگ اور خون کے تراز سجدہ ریز یہ تعلقات قائم ہے رند کی ذہنی اور کو ختم نہ کر سکی۔ خانہ بدوش کی خانہ آبادی اور پراثر انداز نہ ہونی نہ کسی انجمن نے ان کو سلجھا یا نہ کسی سلجھاؤ نے ان کو اُٹھایا۔ اور مہمانی آگ اور خون کے سمندر دیکھ دیکھ کر بھی یہ تعلقات یہی کھٹے رہے کہ ۔

اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

اور یہ تعلقات صرف مجھ ہی سے ہیں۔ آپ بکتے ضرور ہیں کہ تپ کو مجھ سے ایک خصوصیت ہے تو آپ کی یہ خصوصیت اتنی عام ہے کہ ۔

اللہ رنی چشم بار کی محض بیابانیاں

ہر اک کو ہے گمان کہ غلبہ ہیں یہ

میں نے تو آپ کی اس خصوصیت کا ذکر ان کو بھی دیکھا ہے جن سے لگے ملنے کے بعد جن کو نہایت علوم سے پہلو میں جگہ دینے کے بعد آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ :-

”آپ مجھ سے یہ تقاضا نہ کیجئے گا کہ میں آپ کو آپ کا نام بھی بتاؤں نام اصل چیز نہیں ہے شخصیت

اصل شے ہے۔ دماغ میں نام محفوظ نہیں تو نہ ہو گا وہ جو ایک تعلق ہوئے روح کا روح سے جی ہاں۔

وہ بہر حال موجود ہے۔ فاصلہ اور وقت نام دماغ کو ٹوکر سکتا ہے مگر اس تعلق کو ختم نہیں کر سکتا۔“

بلکہ میں نے آپ کی اس خصوصیت کا ذکر ان نا جنسوں کو بھی دیکھا ہے جو عرض ایک جذبہ پرستاری کے کس وقت آجاتے ہیں جب آپ تاش کھیل رہے ہوں مائے اخلاق کے آپ تمام حرف و حکایت اور نام ویدہ و دل ہی جانا چاہتے ہیں مگر اس اہتمام کے باوجود شرح عاشقی اس لیے نہیں ہو سکتی کہ توجہ ہوتی ہے آپ کی تاش کے پتوں کی طرف اور دل وہی کہ نا چاہتے ہیں آپ نماں کی بھی آپ کی وہ کیفیت بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ ہاتھ میں رہی کے بارہ پتے ہیں جن کی آپ گھبرا گھبرا کر مرتب کر رہے ہیں اور باتیں اُنی حضرت سے بھی کرتے جاتے ہیں۔

”غلوص کا سوائے غلوص کے کوئی نام نہیں ہوتا اہل غلوص کا تعارف ایک غلوص مل خود ہی کا وہ تباہ ہے اور وہ

حضرت اپنی ہانک رہے ہیں۔ صاحب میں تو اھم اگر مسلسل پریشانوں میں مبتلا ہوں“

”آپ اپنے تیرہ پتوں میں کم آن کی بات کا جواب بھی دینے جلتے ہیں اور اپنے کھیل کے ساتھیوں سے بھی محاذ

رہتے ہیں فقیر یہ کہ کلام کچھ اس طرح کا بن جاتا ہے۔

جی ہاں وہ پریشانیاں تو جوتی ہی ہیں۔ صاحب اگر بیچے تیرہ پتے ہیں نا۔

کے ہاتھوں اور اس نے نہیں چھوڑا تھا اب تک نہیں لی سکی :-
 - جی ہاں :- یہ اتنی ہی قدر گنت تھے جو میرے آپ کی ہال صاحب :-
 - چاندی کی قسیم کا بھی کوئی بندوبست نہیں :-
 - جی ہاں :- آپ اسے کھسک کر چھیننے لگے تھے وہاں ہی تھے :-
 - کچھ مہینے والا صاحب کا بھی انتقال ہو گیا :-
 - جی ہاں تو یہی حال ہے :-

اور پھر ایک دم چمک کر تھی کیونکہ اب اس کا صاحب کا انتقال :-
 اس کے بعد آپ تاش کے چتے رکھ کر وہی تفریق کرنا چاہئے میں نے آپ کو حوالہ دیا تھا جس کے جس سے
 اس قدر ہی کہ اپنے ہاتھوں پر بندہ ہو کر چاہیے مگر چونکہ وہ مرشد میرے ہی تھے اس میں ہوتا ہے بعد آپ کو
 کے لیے تاش کے آگے ہیں اور چمک تاش میں تاش بھی ہوتی ہے لہذا آپ کو اس سے پتا چلے جاتے ہیں :-
 - آپ کے والد مرحوم — جو کہ :-
 اور آپ کو جو کہ لے جانے والے تھے ان حضرات کے آپ کے کیل کے ساتھ ہمیں کہہ جاتے ہیں :-

بڑی محنت لیتے ہیں :-
 میری تو ایک شبلی منظر خواہ خواہ میں آگیا نہ میں عرض یہ کہ رہا تھا آپ کی اس خصوصیت کی یہ محنت لے کر
 اس لیے ناگوار نہیں ہے کہ آپ سے نہیں خواہ اپنے سے عرض ہے اور لکھ جو خصوصیت ہے وہ خصوصیت کے جواب
 میں خصوصیت بھی نہیں چاہتی اس لیے کہ خصوصیت نہ کوئی تجارتی لین دین ہے نہ جو ابی دوست کا رونا چکے ہاں میں کہ صرف
 اس شرک تفسیر میں جاتا ہوں :-

میری محنت میں ہے کہ ایک نگہبست ہی ترا

دیکھتا ہو کہ شہان نہ جانے پاسے

اور یہی فحیمت ہے کہ میں اس محنت سے کہیں شہان ہو کے نہیں آگیا۔ ممکن ہے آپ کو اپنی ادوں کا اندازہ نہ ہو اور اندازہ ہو بھی
 کیسے ممکن ہے جب کہ نہ تو ان میں منافقت ہے نہ سیاست نہ مصیبت بلکہ یہ ادائیگی آپ کی بے ساختگی ہو چکی ہیں میں نے یہ
 مناظر و اسناد اس لیے پیش کر دیئے ہیں کہ :-

وہ کیا دیکھ سکتے ہیں انہی ادائیگی

ہمیں دیکھتے ہیں جو ہم دیکھتے ہیں

آپ کے پانڈان کی یاد میں ایک تازہ پان اپنے خاصان سے نکال کر کھارہا ہوں اور اس وقت آپ کا وہ تصور نکالوں
 کے سامنے ہے جب آپ بہت ہی خلوص کے ساتھ میرے لیے پان بنا کر اس میں اپنا نہایت نفیس و انہ وارتھا کو ڈال کر اور گھبرا
 بنانے کی کوشش میں منہوسہ بنا کر بجائے مجھ کو دینے کے خود کھا جاتے ہیں اور پھر چونک کر لا حول پڑتے ہوئے دوسرا پان بنا

مجھ کو دیتے ہیں۔ پان سے ایک سو دہائی شوق ہے جو ہر نریف آدمی کو چھوڑنا چاہیے اور کچھ قریب ہے کہ ہم مددوں کو ایک سو دہائی قریب دے لیں اگر شرط طر کا ایک اندہ ہے نہ دوسرا اندہ آپ نے ہاذاں کا جو ہے۔ اگر آپ، میں ہم سے پان دیکھتے ہیں تو معلوم نہیں آپ کی شعور، عظمت کا اعتراف کرنے کے لیے مجھ کو کتنے دن لگ جائے، میں نے آپ کی سرسختی کے زمانے میں ہی آپ کی خود فراموشی دیکھی ہے۔ درموجودہ عالم ہوش کی بہوشیاں بھی منہ کے سامنے ہیں مگر ان دنوں حالت خود فراموشی پانہ سے آپ کبھی غافل نہ رہے۔

پانوں نے کتنے نہیں مرنے جا رہے ہیں
اور اگر ہوش کی پوچھو تو مجھے ہوش نہیں
جس وقت آپ کے سامنے پان کھل جاتا ہے اس وقت میری طرح آپ کا بھی میں عالم ہوتا ہے کہ
سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے بھانے میں
خلد شیشے میں ہے فردوس ہے پیلے میں
جگر صاحب۔ سچ تو یہ ہے کہ جو پان آپ کو دے کر کھاتے ہیں یا جس پان کو ہم پان سمجھتے ہیں اس کا بھلا پانی کا
حق۔ پان تو نہیں پان کا دھوکہ کھا رہے ہیں۔ کھاتے ہیں یہ پان اور حضور کرتے ہیں اس پان کا جو میسر نہیں ہے
اس سے دھوکہ لگیں یہ نظر آتا ہے جو کچھ
جیسے کہ یہ ایک خواب ہے معلوم نہیں کیا
شکر ہے کہ میں کی ایک غنیمت، قسم لاہو میں طے لگی ہے جس کو بیچنے والے مجھ پان کہہ کر بیچتے ہیں اور ہم اس کو صبر کے
پھل والے درخت کا پتا سمجھ کر کھا لیتے ہیں۔ اس پان کو طبیعت نے گوارا کر لیا ہے مجبوری کا صبر ہے اور صبر نے حادث کی صورت
اختیار کر لی ہے لہذا اسی پان کی ایک نگاری کے لیے چرچا تھا بڑھانا ہوں اور یہ خط ختم کرتا ہوں۔

شکرت

مولانا عبد المجید سالت کے نام

محرمی شہر۔ لاہور

آفاقی درملانی

اگر تھی بعض کو کچھ چیز ہے تو نہ تھی جب کے وجود سے بھی انکار نہیں ہو سکتا ہم کو بعض افراد
سے خواہ خواہ کا تفرقہ سا ہوتا ہے خواہ اس نفرت کی کوئی وجہ ہو یا نہ ہو اس ان کی صورت دیکھی اور طبیعت میں اشتغال پیدا ہوا
طرح بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی طرف خواہ خواہ دل کھینچتا ہے میرے لیے آپ کی شخصیت کچھ ایسی قسم کی ہے۔ اب سے
پچھیس۔ ستائیس برس پہلے جب میں کھنوں کے روزنامہ ہمدرد کا مدیر عامل اور پھر مدیر تھا ہمدرد کے معاصرین میں سے صرف ان کا
ہی ایک ایسا روزنامہ تھا جس کو میں نے اپنے لیے مشعل راہ سمجھا اور اگر کچھ پرچھے تو اس کا بہرہ حوادث و انکار ہی تھا جس نے

وہ سزاؤں کے لیے جہاد کا اور اس کا نام "دو بائیں" میری مزاح نگاری کا گھنٹہ پھلنے والا کہیں تھا۔ آج نہ ہے جس
 نہ کہ وہ پہلے کے کی فتاویٰ میں اس لیے کہ میں آپ سے ملنے چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اور وہاں کے حضرات نے
 جس کے کام سے متاثر ہو گئے۔ یہ آج کے زمانے کا کہ ہے جب کہ ہر جہاں میں وہاں کے لوگوں نے کہا ہے کہ "جہاد کا نام گھڑاس
 ہے جس میں بھی آپ کے شہر والے کی جیت یا فخر نہ لایا جاتا ہو"۔

شوق نے چہل بکیرے غزا کی لادی ہے
سحر خدا میں مشرق کو لالہ زاد کی

محرم خدو اس مشرق کو لاد لاد کر
ایک کھجور کی چاڑھی کی ڈھال میں دندہ دار تھا کہ دیکھ کر میں تو حیران رہ گیا کہ وہاں میں سے حلیف اور اس نے اس کے
ساتھ ایک کھنڈہ لے کر چلے گئے۔ پھر لڑنے کو یہ سترت ہوئی کہ کھیل تو تھا۔ صاحب گرجا گت لڑی ہی ہی۔ فرس کر گئے؟
مے صاحب میں ساکت صاحب ہی۔ یوں ہی۔ نہیں بلکہ۔ یوں ہی۔ کھلے تو میں کیا کر لیتا۔ مگر اس معاملہ میں اب کو اپنا
بہر مشرب ہا کہ معلوم ہوا کہ منہ مانگی مراد مل گئی۔
یوں ہی۔ کھلے تو میں کیا کر لیتا۔ مگر اس معاملہ میں اب کو اپنا

ہر شرب پاک معلوم تھا کہ منہ مانگی مراد مل گئی۔
 وہ نا آہنے سے غلط فرمایا۔ ہاں کے بعد منہ مانگی مراد کس قدر رحبتہ آیا ہے میرے (جس پر ناقصہ میں مجھڑی
 اب وہ وی کہاں۔ وہ دھمکایا وہ زمانہ کہاں۔ اٹھ کی یہ ایک نمک ح
 نذر ہے جو اس کلمہ کی اثر کرد

آخر کا تقسیم ملک نے اسی وجہ کو مدن بنادیا جہاں مشعلہ میں صرف ایسے نہ آنے کے متقاضی اور یہ بھی عجیب اتفاق کہ اگرچہ اگر مکان بھی آپ کی محلے میں ملا۔ اشد جانے یہ آپ کی کشش قوی یا میری طلب کا خلوص۔ غالباً دونوں ہی کا اس میں ہاتھ تھا۔ بہر حال یہ قرب اور یہ اتصال عارضی اور وقتی سہی مگر خواہست خیمت۔ جبراً پاکستان بن جانے کے بعد محکمہ بحالیات کے انتظامات نے یہ صورت حال پیدا کر دی کہ

دشتِ جہوں میں ہر نئی منزل اور بحرِ غافل

قائد کس طرف لگی بائیں دریا کہ کیا ہوتا

مگو شکر ہے کس عرفِ عظمیٰ جلا شہر نہیں جلا اور تقویت کے بے یہی قیمت نگرانے لگا کہ بہر حال آپ اسی سہرا پر ہیں یہی حال ایک خاصے نے صورت یہ پیدا کر دی کہ

میتر جس سے آجاتی تھی ساقی کے قدم بڑی

مقدّمی نہیں وہ لغزشِ مستانہ بر رسولؐ کے

یہ لغزش مستانہ ہی تھی کہ پھولی اسٹڈیو سے گھر چلے آئے آپ کی کوشش کے سلسلے میں کچھ قدم ڈھنگ لگائے بہت بدلی آمد پہنچ گئے آپ کے پاس۔ گھر سے اسٹڈیو جانے پر آپ نظر آ گئے اور اسٹڈیو پہنچنا کچھ غیر ضروری سا نظر آنے لگا اب تو گویا شاہو سے مسلم ٹاؤن جانا ایک ایسا سفر معلوم ہوتا ہے جیسے انگریزی کا *up to the point* و کتنا چاہیے۔ حالانکہ اب بھی کہہ کہہ۔۔۔ ہفتہ ہر حال ختم ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضری دی جائے اور آپ سے پوچھا جائے کہ جس ناز و نعم کا چاہیے

[illegible]

فرد کو بھی شاہد ہوئے مسلم ٹاؤن علوانا ایک ایسا سفر معلوم ہوتا ہے جسے انگریزی Supper کا لٹا چاہیے۔ سوپر کے معنی میں

کھانا کھا کر۔ یہ افطار کا وقت ہے اور آپ سے پوچھا جائے کہ جس ناز و نعم کا چلنے

کہہ لے۔ یہ انداز حاسر ہے کہ آیا ان عدد میں کسر کا اثر ہے؟

پانے پاں کھانے کے ذوق کو بھائی چڑھایا تھا وہ ذوق آج کل کس طرح میں ہے یہ سیرٹ سن کر وہاں آج کل کھانے جاتے
ہوں گے اور انھیں کھانے میں رستیاں پٹنے کا کارخانہ آپ سے کیسے کھانا ملے گا۔ میں نے تو خبر پا لی تو کھانے کے
لگے پر گزرا دھات پر رہی ہے۔ اگر کبھی دھبی پاں مل جاتا ہے تو اسے چومتا ہوں۔ آنکھوں سے کھانا ہوں وہ اس کا گھر کھانے
اس طرح خوش ہوتا ہوں جس طرح حیدر پور جیکھاں کھا کر خوش ہوا کرتے تھے۔ مگر جب یہ پاں جستر نہیں آتا تو مہلتا ہوں نہ ہند
پاں کے جو مہلتا ہے میں تہیم "کا قائل ہر جانا ہوں اور اب اس لنگے کی حالت سی پڑی ہے۔"

ملوت سی ہے نہ ہے نہ بے خواب کیفیت

پانی نہ پیا شراب نہ لی

تو کیا آپ اب تک پاں کھا ہے پر۔ یعنی یہ کیفیت پاں کا کاش آج کل آپ حوالہ دانا دیکھ رہے ہیں حقا اور اس
نظم نہاد پاں کو اپنا موضوع بنا کر اس کی قطعی کھوتے۔ حوادث و افکار پر یاد آیا کہ خدا کے حوادث و افکار کا ایک مجموعہ کی
صورت میں پیش کرنے کی ضرورت کا آپ کو ہی احساس پیدا ہو چکا ہو۔ کام آسان نہیں ہے ایک انبند ہو گا جس میں سے کتاب
کرنے پڑے گا مگر یہ کام ہو جانا چاہیے یہ ایک بڑا قیمتی ادبی سرمایہ ہے جسے ہر حال محفوظ کر لینا چاہیے۔ آپ کے حوادث و افکار
کی یاد میں لنگے کی ایک تازہ خوراک بنا کر کھانا ہوں۔ آپ بھی پاں کے مہلتے جو دھوکہ آج کل کھا ہے ہوں کھالیجے۔

شوکت لٹری

لتا منگیشکر کے نام

مولوی شاہرہ - لاہور

عالمہ محترمہ

آپ کے نام یہ خط اس ذیل میں ہرگز نہیں آتا کہ

تغریب کچھ تو ہر ملاقات چاہیے

اس لیے کہ جس حد تک ملاقات ضروری ہے وہ ہر قدر ہی رہتی ہے۔

نہیں تو کیسے ہو انوکھی کمی رہی

ہم ترے بغیر بھی فخر سے ہم کام ہیں

آپ کا لواؤں سے جو دنیا آج گونج رہی ہے اسی دنیا کے بسے دلوں میں سے ایک میں بھی ہوں۔ آپ کی یہ دنیا صرف تجارت
کا پاکستان تک محدود نہیں بلکہ آپ کے فخر کی گونج میں تو افغانستان۔ سیلون۔ ایران۔ براہ۔ انڈونیشیا بھی بسے ہیں پاکستان
اور امریکہ کی نشر و پراپی بھی آپ کی آواز فضا میں منتشر کرتی ہیں اور یہ آفت ہرش و ایماں آواز تو دور دور لگے مگر کھنکھاتی ہوئی
ہے۔ کہ نہ ملاحظہ ہے جہاں یہ شراب نہ برستی ہو۔ ان فخر کی زبان کوئی سمجھے یا نہ سمجھے مگر یہ گیت گنگانے والے دلوں میں جلی
جاتے ہیں جہاں آواز ابھی تک نہیں پہنچی ہے۔ میں نے اردو کے سب سے بڑے مبلغ مولانا عبدالحق کے نام جو خط لکھا ہے

اُس نے نہایت سنجیدگی سے عرض کی ہے کہ عمارت کا سب سے بڑی روحانی طاقت ٹیکٹ ہے جس کے گھٹنے اُس
ہندوؤں کے گوشہ گوشہ میں پے پے ہوئے ہیں اور وہ سے اپنا واسطہ بنانے کا وہ بڑا ہے کہ آردو کے گھٹنے کے
گھڑوں کا گھٹنے سے گھڑا ہوا ہے اور خدا جانے وہ گاؤں کے چھبیس میں تو نہ ایک میں پہنچا ہے۔ یہ واقعہ ہے
کہ آردو کا بڑا ٹیکٹ خیر بادوی طور پر آپ نے کی ہے آردو کے کسی متبع یا آردو کے کسی تبلیغی ادارے سے ملنے دوسرے
ہندوستان میں تدفیر لگوں سے ملو کہ خدا تعالیٰ سزا دے گی جتنے ہی ہندوستان سے پاکستان سے باہر بھی ہندو
شک کے ملے بھی لگاتار پھرتے پھرتے گئے ہیں کہ

ٹیکٹ یا اگر گھٹنے میں کہیں جی جی کہ پونے
مر کر جینا ہی کر رہا ہے گھٹنے نہ لیا جانے

بھاجا بھاجا

آپ کے آواز کا ایک ہی منہ بڑے بڑے فرشتہ سمیت رہ گئی کہ گھٹنے میں ہمارے سر پر شکر کے تریٹ
اُٹل چھوڑا دے اپنے زور و تقدیر کے اقبالیات سے گھٹے ہی قد نہیں نہ ہوتا میں وہ گھٹنے میں تھے ہیں اور جو رفتہ کر
آواز دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ

فزاں اس نے چھوڑ دی گھٹے سے آواز
فزاں میرے فضاں کو آواز دیا

آواز کا یہ جادو اور موسیقی کا یہ تاثر ہی تو ہے کہ ہندوستان سے آردو کو فضا کی جادو ہے مگر ان کے گاؤں میں جو آواز مانی
ہوئی ہے وہ سب آوازوں پر قبول ہے۔ آردو کے لیے جادو کے دل کو جتنا تنگ کیا جادو ہے آواز مانی آواز مانی گھٹنے
کرتی جاتی ہے حالانکہ یہ بھی درست ہے کہ

گھٹنے کو جانا ہے منہ کے کم و زیر سے دل
نہ نہ زخمہ دیا میں تو کیا دل کی کشتی

مگر جب تک آپ کے گھٹنوں کی گونج باقی ہے کم سے کم اُس وقت تک آردو آپ کے ملک میں زخمہ ہے گی۔ یوں تو آپ کے
پر دھاری غمزدگی میں آردو کا دم مہر تے ہوتے ہیں اور ان کے ملک میں آردو کا جو خون ناسخ ہو رہا ہے اُس سے اپنا دھاری
کی کوشش کرتے ہوتے ہیں مگر یہ خون ان کے دھاری میں نہ سہی ان کی مگر منہ کے دھاری میں بہہ چلا نغرا رہا ہے

موسیقی کا مقتل کی زمیں پر
نہ دھاری پر نہ اسی کی آستیں پر

بات دراصل یہ ہے کہ آپ کے گھٹنوں کی شکل میں جو آردو ہندوستان میں اب تک قابل قبول بنی ہوئے ہے اُس کا ایک
درجہ بھی ہے کہ دنیا کی تمام قوموں کی قدیم روایتوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ گھٹنے سے جادو تنگ تہاڑے پھر نہیں وہ
سکے پھر یہ تو آردو کے لاکھ دھاری میں مگر انسان تو نہیں ہی۔ کشتی کی بائیس کی پھاگ گڑا تا پھر چھوڑ دی جیس تو تنگ

کھانہ کی دھن میں اس اعتبار کا ہوش کس کو ہو سکتا ہے کہ اس آواز کے پرے میں آردو ہے جو روح میں مائل ہی جاتی ہے مگر
یہی ہوش اُجھانے تو وہ صحیح آنکھیں کہ ہے

اگر تو اب میں ہے پر شیدہ موت کو نیام
حرام میری نگاہوں میں تلے دھجک رہا باب

بہر صورت آردو کی جو نشر و اشاعت آپ کی جیسی آواز کے ساتھ ہوئی ہے اس نے آردو کو ہندوستان میں امر بنا
دیا ہے کہ شمش کی گئی تھی آردو کے باب میں ایک ہندوستان کہ بتانا پیدا کرنے کی مگر آپ کے فنون نے آردو کی ایسی گونج
پیدا کی ہے کہ اس نھا رخا آردو میں ہندی کے طوطی کی آواز بیشک سننے جاسکتی ہے۔ مائل جاری تھی آردو کے لیے سہولت
حیثیت مگر آپ کے گانوں نے اس کو خاک گیر حیثیت خود بخود دی۔

مکتوب بہمن تک پہنچا تھا کہ ریڈیو سے آپ کا نغمہ ابھر کر فضا پر چھا گیا۔ لہذا اب میں بھی ایک نازہ پان کھا کر اپنے
باتیں کرے کے جانے آپ کی باتیں سننا چاہتا ہوں۔ معلوم نہیں آپ پان کھاتی ہیں یا نہیں مگر میں بغیر پان کھائے آپ کا کھانا
سننا ایک قسم کی گستاخی سمجھتا ہوں ایک معطر گوری منہ میں ہوا اور کانوں میں آپ کی آواز کا رس اٹھل رہا ہو تو اس حد آتش
کا کیف مجھ کو واقعی کم کر دیتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ کوئی مجھ کو نہ ڈھونڈھے۔

شرکت مخاوی

قاضی جی

درمہ اندہ پردہ ملک :

اجمل : جناب قاضی صاحب ، قاضی جی تشریف رکھتے ہیں :
 بیوی : کوئی اجمل خانی ؟ میں آ رہی ہوں وہ وہ کھڑے :
 اجمل : دو دن ہوتے ہوئے ، آقا بھروسہ بجائی ۔ نیچے کے باؤں دیا تھا وہ ہلکے قاضی جی کہاں تشریف لے گئے ؟
 بیوی : کیا بتاؤں میں اجمل خانی میری بکھ میں نہیں آتا کہ آخ میں ان کو کھانوں کس طرح ۔ اب بروہو سواہت نہ
 کسی غم کمپنی پر قبضہ کر جائے :

اجمل : غم کمپنی پر قبضہ ؟ آج کو کیا معلوم کہ غم کا سرکہ مرہوتا ہے وہ دم کہ مرہ :
 بیوی : یہ تو میں ہی کہتی ہوں کہ غم کمپنی تو دوسری چیز ہے زندگی بھر میں مشکل سے دو تین ماشے دیکھے ہوں گے گودوئی
 یہ ہے کہ غم کمپنی اگر لی جی جیسے دنیا ہی تو آٹ دیں گے :

اجمل : مگر یہ غم کمپنی کی سوجھی کیسے ؟
 بیوی : اللہ جانے غم کمپنی ٹھکانہ ری کا دورہ کیسے پڑ گیا ہے ۔ دونوں سے نہ جانے کیا نیا خرافات کھڑے ہوئے ۔ اب یہ
 رٹ ہے کہ غم کمپنی لے کر چھوڑوں گا ۔ خدا جانے کیا یا خیالی پلاؤ پکایا کرتے ہیں :

اجمل : اور تشریف کہاں لے گئے ہیں :
 بیوی : جلنے کہاں اندر کرے میں بیٹھے کچھ کھڑے ہیں ۔ آؤ تم ہی کچھ کھاؤ خدا کے تھادی ہی بات بکھ میں آجائے :
 (دونوں جاتے ہیں)

قاضی جی : آقاہ ۔ اجمل صاحب ہیں ۔ بھئی خوب آئے ۔ لاہر آؤ میرے پاس بیٹھ نہایت ضروری مشورے کرنا ہیں ۔ بکھ
 اب یہ ملے ہے کہ یا تو تم دونوں ہی گئے در نہ جہاں ستیا ناس وہاں ساڑھے ستیا ناس ہی مگر دوست پھر ملک
 آٹھون گے وہ ترکیب تھا لے اس بھیدان کے ذہن میں آئی ہے ۔ قسم خدا کی سونے کی لائی بکھ سونے کی کان :
 اجمل : اللہ مبارک کرے ملکہ کچھ معلوم تو ہو کہ واقعہ کیا ہے :

بیوی یہ ظلم کمپنی کھول رہی ہے ۔
 قاضی جی یہ کھل رہی ہے بار بکھر کہ میں کھل گئی ۔ خدا جانتا ہے کہ اس سے زیادہ فسخ کس کاروبار میں نہیں ہے ۔ مٹی سے
 سونا بنا کر ۔ دیکھ بٹنا یہ دقت درجن جائیں گے دن بیٹ جائیں گے ۔ موڑی اڑائے پھر دے کر ڈی ۔ اماں میں
 نو برسوں میں خالی کہ نہ ملے گا میں نے براہ کرم دی ہو یہ ترکیب اب ذہن میں آئی ہے جب قبریں میر
 ملک چکے ۔ مگر خیر ویرا پور دست آید ۔

اجمل یہ زور دست ہے مگر قبلہ آپ سے اور ظلم کیسے کیا قتل ۔ آپ کو اس کا کیا پتا ہے ؟
 قاضی جی یہ بھی پھر وہی پتوں کی سی بات کی تم نے ۔ عزیز میں بہت سی صلاحیتیں انسان میں ایسی ہوا کرتی ہیں جن کا اس
 کو علم ہی نہیں ہوتا ۔ اگر مجھ کو محنت کو ایسی اس صلاحیت کا پتہ سے علم ہوتا تو آج بھلا میں جو تباہ چٹا آ پھر تا ۔
 مگر اس خیالی کے ذہن میں آتے ہی میری ترجیحے آنکھیں کھل گئیں ۔ اور اب مجھ کو معلوم ہوا ۔ میں دراصل قاضی اس
 ملک کے آپ کو حیرت ہو کہ کہ دو ہی وہی ہیں جتنا بڑا کام میں نے کر لیا ہے ۔ کافی مکمل ۔ گانے ختم ۔
 اجمل یہ میں آپ نے کچھ ہیں گانے اندک کافی وغیرہ ۔

قاضی جی یہ میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ تم کو حیرت ہو گی ۔ اے صاحب مجھ کو خود یقین نہیں آتا کہ میں اب قاضی ہو سکتا ہوں
 مگر یہ تو مجھ کو کچھ خدا کا فضل نظر آ رہا ہے ۔ ہماری کمپنی کے پہلے فلم کا نام ہو گا ۔ استغفر اللہ ۔
 اجمل یہ استغفر اللہ ؟

قاضی جی یہ نہیں صاحب یہ وہی بیگم صاحبہ کے زین روشن کو دیکھ کر کہہ رہا ہوں کہ میں تو فلم کمپنی کی باتیں کر رہا ہوں
 اور وہ اس طرح منہ بنا کرے ہوئے ہیں گویا میں گھاس کھا گیا ہوں ۔ میں چند ہوں ۔ میں پاگل ہو گیا ہوں ۔ اے
 صاحب اب تک تو خیر میرے متعلق جو کچھ یہ کہتیں وہ ایک حد تک حقیقت تھا مگر اب تو ان کو بھدا فخر کرنا چاہیے
 کہ ایسی بے پناہ صلاحیتوں کا مالک گویا ان کا شوہر ہے ۔

بیوی یہ میں تو کہتی ہوں کہ خدا جانے میری قسمت میں لکھا کیا ہے ۔ تم روز بروز بگنے ہی جاتے ہو ۔ بھلا بناؤ یہ باتیں
 میرے ڈونے کی ہیں یا نہیں کہ تم نے فلم کے لیے کہانی لکھ لی ہے تم نے گانے لکھ ڈالے ہیں ۔ میں تو سچ بھائی
 طرف سے بے حد پریشان ہو گئی ہوں کہ خدا جانے میرے مقدّر میں کیا لکھا ہے ۔

قاضی جی یہ ملاحظہ فرمائیے آپ کی حماقت بہ خیر تم مجھ کو پاگل ہی سمجھو مگر جس وقت لوگ تم کو میری بیوی سمجھ کر مڑ مڑکھوں
 پر جگہ دیں گے اس وقت تم کو اس پاگل اس جھٹی اس نامعقول شوہر کی قدر و منزلت کا پتہ چلے گا ۔ تو خیر ۔
 ہاں تو اجمل بھائی ہماری فلم کمپنی کے پہلے فلم کا نام ہو گا اتفاق ۔

اجمل یہ اتفاق ۔ اتفاق سے آپ کا مطلب اتحاد سے ہے ۔

قاضی جی یہ میں تو خوشی ہے اس نام میں کہ یہ مطلب ہی ہے اور وہ مطلب بھی جو تم نہیں سمجھ ۔ کہانی میں نے اس طرح
 شروع کی ہے کہ ایک رٹ رٹا رٹا ٹانگہ ہے جس پر پردہ بندھا ہوا ہے گویا اس میں زانی سوار ہیں اور وہ

الحق تعالیٰ کی خدمت میں دعا ہے کہ یہ سب نیکو عملوں سے ہمیں نفع پہنچے۔ آمین

موجہ کی تکرار۔ اور اور۔ میرا گھر جاتے

میانگرفتاری بی‌مهری

پولیسٹک پائلو پلاسٹک

میں جڑی سرنگوں پر۔ ان پر ہل پر میلان تھا۔

جنتی و بی بی سوادى جی سوادى

پری: درجس گر ہوتا۔ میں خدا ہی تم پر رحم کرے؟

انہی ہی ساتوں روزہ اگر اس طرح سو کر گزرے گا۔ جس کی تیر جہیں اور بھی تندرستی اور شہرت ملے گی۔

تقریباً جانور کے قتلے، کسی طرح جرنے ہیں۔ یہی کالامات ہیں۔ یوں کھے ساتھ چلتے جوتی دھوکے کی شکل میں

آئیے تو مجھے لڑائی کی قیامت بتا دیجئے۔

اجلیں۔ جاوڑا اٹھنے ویں بجے تریے مر لطف نہ رہے۔ خاص جی کے بہ کماوت تو آتی ہی مجھ پر ہوش چہے ہیں۔

قاضی جی: ہمارے صاحب اب اس پینٹنا ہی کیلئے دم جو رہا ہو گئے آگے سن کر خیر نازوں کو جانے دواں گا

نکھت تو سناؤ وہ بھی بہ آگے نکلا کر مائی سبزو کی قیاس کی ہے۔ اور صاحب دو کا ہے والا کی طرح کا ہونا۔

جاری ہے کہ ایک موٹر پر ایک موٹر سے ٹکرا جاتی ہے اور تھپے ن سوار ہی علی گڑھ تک پر گھر پڑتی ہے۔ قات

لاختی ہے۔ موزر چلانے والا فوجی اس کو دیکھ کر دمک رہ جاتا ہے۔ اور اس کو اس بے ہوشی کی حالت میں

موثر پروڈاکٹس کو مل رہا ہے اور اپنی حالیہ شان کو بھی جس سے آگے نہیں بڑھا رہا۔ دوسری طرف سے وہ ان کے ایک

واقعہ یہ جتنا ہے کہ میں لوہوش آجاتا ہے۔

بیہوشی سے نہ سنس کر، نہ اور سنو۔ یہ واقعہ ہوا ہے:

قاضی جی: بخیر، بخیر۔ تم رات گنتہ یعنی سہے مطلب ہے۔ مگر خدا کے لیے کہانی کے ٹیف کو غارت نہ کرو یہ سزا پر لطف

موقع ہے تو جناب وہ ہوش میں آتے ہی کہتی ہے۔ میں کہاں۔ وہ جواب دیتا ہے۔ آپ یہاں۔ وہ کہتی ہے۔

اللہ یہ بیماری ہے یا خواب - وہ کہندے - جو کہ علی بھیجیں جناب - وہ کہتی ہے - میں مانگے پر جا رہی ہوں - وہ کہتا

ہے۔ میں ہر شے پر اڑتا تھا۔ وہ کہتی ہے۔ تاجکے دلا لگا رہا تھا۔ وہ کہتا ہے۔ یہ جی افسان کہ میں سٹی لکھا رہا تھا۔

وہ کہتی ہے۔ پھر تانگو لٹا۔ وہ کہتا ہے آپ کو باعل خشک یاد پڑا:

بیحدی یہ ترکیب تیری کہانی سناؤ گے اس وقت۔“

قاضی جی یہ بھی ہے قدر افزائی میں سمجھ رہا تھا کہ اب تم پر میری قابلیت کا سکہ جتنا شروع ہو گیا ہو گا۔

مگر وہ مثل کہ جینس کے آگے بھی بھائی جینس نے کہا یعنی جینس بول۔ گو یا جینس نے کوئی مہمل سا جواب نہ دیا۔

خبر تم سے ذرا ملے کہ یہی قسم کی توقع تھی۔ مگر ان مسائل اعلیٰ سے پوچھ کر ایمانداروں کے ساتھ نہ وہیں کہ کسی قیامت کی روانی ہے۔ اس قدر تلاویں نہیں گی اس حکامہ پر کہ ہم ہی صدقہ ازاؤ گی مجھ پر سے کہ خدا مجھ کو غفور و رحیم بنجائے رکھے۔

اجمل :- یہ خوشیک ہے قاضی جی مجھ کو نہ تو اس کمائی پر کوئی اعتراض ہے نہ اس کا خف کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مگر غم کہیں ان ہی مدحیہ چیزوں پر تو ختم نہیں ہو جاتی۔ سوال پھر میں پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے بھی ایسا ہم یا ہم سے ملتا جلتا کوئی کام شروع کیا ہی نہیں ہے۔

تقاضی جی تہ نہ ہی۔ اسے بھی نہیں کیا ہے تو یہ سب۔ اب کر رہ گئے۔ اور دیکھ لین۔ یہاں کر رہ گئے اس کام کو کہ دنیا فائدہ دیکھ کر نہ جانے
اور فرض کر لو کہ نصیب دشمنان شیطان کے کان بہرے۔ نہ چلی یہ کیسے تو جی اپنی گم سے کیا آیا۔

بیجوری: ہاں اور کیا تھا؟ یہ تو ایک فٹنا ہے ہو گیا اور جو لوگ اس فام کو کر سکتے تھے۔ ایک تو ان کا حق ملا گیا دوسرے
تھا ہے اس شرق کے چھپے اپنے پاکستان کی ایک صنعت ہوں غارت ہوئی۔“

قاضی جی :- لیجئے وہ گھما پھرا کر اپنے پاکستان کو اس ذکر میں بھی - کوئی پرچہ ان عقیدے کے مہلا اس میں ہاگستا کا کہا ذکر تھا - محرم معلوم نہیں یہ پاکستان ان کی زبان پر کہوں اس قدر روج گیا ہے یہ بات پاکستان وہ بات پاکستان پاکستان نہ ہو، جناب کا تکیہ کلام ہو گیا - اعداد کو پاکستان کو آب میر سے لے کر دھونس کھینچیں تو کہیں کھول کر سن لیجئے کہ میں بھی کوئی انگلستان کا رہنے والا نہیں ہوں - پاکستان اگر لٹا دیا ہے تو ہیرا بھی ہے :-

اجلی :- پاکستان زندہ بلو۔ آج تو شکر ہے کہ پاکستان کو آپ نے جی اپنا لیا۔ اچھا اب جان کی امان ہاؤں تو ایک بات عرض کروں :-

فکھنسی جی :- فرمائیے۔ آپ کے لیے ضروری ہے کہ اپنی بھار وچ کی طرنداری کریں ۔ اس غرض سے بجلا آپ فاضل ہو سکتے ہیں ۔ بہر حال آب کو جو کچھ فرمانہے ارشاد فرمائیے ۔ میں سننے کے لیے پیدا ہوا ہوں ۔ — ۱۰۰۔ ۱۰۱۔

لمے کننا لا جواب شر تھا اس وقت بالکن یاد نہیں آ رہا ہے ؟

اجمل : قاضی جی بھائی کا اور میرا مطلب یہ ہے کہ یہ غلم کبھی آپ کے بس کا رنگ نہیں ہے آپ کو اگر کچھ کرنا ہی ہے تو ایسا کام کیجئے جس کا آپ کو کچھ تجربہ ہو جس کی کامیابی کا آپ کو یقین ہو ۔

بیوی - ادا کیا - کرنا ہی چاہیے وہ کام جس سے خود اپنے کو بھی فائدہ پہنچے اور ملک اور قوم کو بھی فائدہ پہنچے کی اُمید ہو۔
قاضی جی - خدا کے بلے کبھی تو مجھ نامراد سے اس طرح باتیں کیا کرو جس سے مجھ کو یقین لگے کہ یہ میری بیوی گفتگو کر رہی
ہے جس نے گناہ جانا ہوں تمہاری زبان سے ملک اور قوم کو قسم کے الفاظ سن کر - ایسے صاحب آپ میری ہالہ بیا
میری رفیقہ حیات ہیں - میری شریکِ غم ہیں مگر اس قسم کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا بیوی کے بھلے یا تو
آپ اخبار ہی تھی ہیں یا کوئی بہت بڑی لیڈر واقع ہوئی ہیں - اور پھر یہ کہ بات جو کرتی ہیں وہ نہایت محل - جس کام
کا مجھ کو تجربہ ہے وہ کیا خاک کر سکتا ہوں - تمہا نیلاری کی ہے زندگی ہر اب بتائیے میں تمہا نیلاری کیسے

کر سکتے ہیں :

بیوی : اچھا تو سوال یہ ہے کہ تم کو کتنی نہیں کہنے ؟

قاضی جی : شاگزی (معتد ظاکر) میں کیا حق کی بات کر رہی ہوں کہ جس کو یہ تیز نہ ہو کہ میں اس کی گدی میں بیٹھتی ہوں، اس میں اس کو حسابہ انسانی قانون سے بہرہ کی ہے۔
بیوی : بس چیک سے اس طرح تم۔ میں نہیں سمجھ کر خود کس پر دانا رہے۔ جو ان کو کچن کے کچھ لوگوں سے ہے۔
قاضی جی : یہ تو صاحب فانی کہنے کا ہاتھ ہے جو وہ عورت ہے کہ میں نے کہا کہ کب جائے۔ مگر خود ہی دیکھو کہ
کہ ان میں نے کہا کہ فی حق ہے یا نہیں۔ کھانے پانے کے ہیں یا نہیں !

بیوی : خط کے لیے یہ کہا کہ باہر گئے کسی کو سنا جی نہیں روگہ ان ادا نہیں گئے :

قاضی جی : کیا مطلب یہ کہ اس قدر بے رحم ہیں اس قدر عقل میں جب نہ ان کی عقل یعنی یہ مطلب یہ ہے کہ میں اپنی بیوی
پر کہ میں باقی کہ رہی ہوں تو کچھ کو کسی اور سے کیا نہ ثابت ہو سکتا ہے۔ یہی سہری والی بات کہ سہری
اچھے ہاتھ نہ — — — وہ تو خود ہی میں ہے نہ سہری دوست خوشن و باد۔ عدالت کو کہے
کوئی شخص اپنے گھر میں ذیل کچھ لیا جانے۔ میرا کیا ہے صحت جو خود کسی برتاج سے کسی فائدے کی
بات یاد کر جی کہوں تو کچھ ہے میری افادت پر :

(معتد میں چلے جاتے ہیں)

منشی جی

منشی جی گھڑائے ہوئے گھر میں داخل ہوئے ہیں کچھ لائپ
رہے ہیں گریاؤں سے ڈرتے ہوئے آئے ہوں اور بیوی کو آواز
دیتے ہیں :-

منشی جی :- میں نے کہا منشی جی کہاں گئیں ؟ لا حول ولا قوۃ ہمیشہ کام کے وقت گزارو :-
بیوی :- آؤ رہی ہوں ۔ تم تو گھبرا دیتے ہو اچھی گری ہوئی مرنے دو پٹے میں آنکھ کے :-
منشی جی :- اچھی میں نے کہا وہ آیا ہے تصویر والا ۔ تصویر کھینچنے والا ۔ اس کے ڈبہ پر لکھا ہوا ہے ۔ آؤ منہ
کچھ بھلی سی بات لکھی ہوئی ہے لا حول ولا قوۄہ کبھی جریاؤں آجائے :-
بیوی :- تو مطلب کیا ہے تمہارا ۔ کچھ اور نا تصویر :- کیا اچھے معلوم ہوں کے پیارے اس بڑھاپے میں تصویر کھینچتے
ہوئے :-

منشی جی :- کیا مطلب اس کا یعنی بڑھاپے میں تصویر ہی نہیں کھینچائی جاتی ۔ تمہاری اسی بات کا کچھ جواب اسی تصویر کھینچنے
کے ڈبہ پر لکھا ہوا ہے ۔ خدا تم بھانک کے دیکھو تو باہر :-
بیوی :- میں کیا کہوں گی دیکھ کر تم کو تصویر کھینچنا مانا ہے تو کھینچو اور نامیرا سر کیوں لکھا ہے جو :-
منشی جی :- میرا مطلب یہ تھا کہ تم بھی کھینچو یعنی تصویر :-
بیوی :- تو اور سنو میں تصویر کھینچواؤں گی ؟

منشی جی :- تم جیسے کوئی پیارو میں پیچھے کھڑا ہر جاؤں گا معلوم ہو گا جیسے میاں بیوی ہیں ہم تم :-
بیوی :- خیر آپ مجھے تو معاف رکھیے اپنی ہی تصویر کھینچو ایجنے ۔ خدا نہ کرے کہ میں اس بڑھاپے میں ایسی سنبھلا جاؤں کہ
موتی تصویر کھینچواتی چروں :-

منشی جی :- میرا کیا ہے میں نے تمہاری ہی بھلائی کے لیے کہا تھا کہ تمہاری بھی یادگار رہ جاتی ... شیک ہے ۔ شیک ہے
میں لکھا ہے اس ڈبہ پر کہ کہ رو پھر بھول گیا ۔ تم تو آئے ہو اس کھردہ جی ہوا اپنی کج بخشی میں

یاد رہے کہ ایک دیکھ ریت میں اس کا بچہ ہے ؟
 یہ تو بچہ ہی ہے ایک بات کے دیکھ رہا ہے پر جو اب ہند سے بھی جاؤں گی۔ مگر کیا تو میری تم ؟
 غلطی جی : بچہ تو میری دکان میں دوں گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کونسا ہے (دندان جلتی ہو گئی تھیں کہ جلتی ہیں)
 یہ سن کر اس کی تصویر میں آگ لگ جاتی۔ وہ دیکھ کر سنبھلا گیا ہے نا ؟

ہوئی : اب دیکھ لیا کہ ہے ؟
 غلطی جی : وہ کھانے کے انسان کی اصل یادگار کیا ہے ؟ تصویر ابھیں کہ یہ تو میری یادگار
 کے لیے لکھا گیا تھا جن اپنی اور تمام کی تصویر :۔

ہوئی : اب دیکھو اس کے بچہ اور گری میں سے لگا کر کیا ہوگا ؟
 غلطی جی : یادگار کیا ہوگی ؟ یعنی سخت جال پر۔ خیر ہالی ٹک تو قیمت کا گریبہ ورت ہے جو اسے صاحب
 یادگار کے معنی یہ ہیں کہ اگر مالہ صاحب کی تصویر میں اس نے ہر ایک کو بلا میں ان کو یاد رکھ سکتا تھا ؟ یا نہ
 ایک تو یاد نہ رکھتا۔ مالہ صاحب کی تصویر میں ہے جس میں جاؤ کہ کس مرد و دکان یہ بھی یاد ہو گا ان کی صورت
 کیسی تھی ؟

ہوئی : اور صورت یاد ہی رہتی تو تم کیا کہہ سکتے ؟
 غلطی جی : کیا کہہ سکتے ؟ یہ کیا بات ہوئی ؟ اسے صاحب خوش رہتے دیکھ دیکھ کر۔ اب مالہ صاحب کی تصویر دیکھ کر
 کم حکم یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے والد صاحب جی تھے ؟

ہوئی : اسے جب انسان ہی کو دنیا میں نہ تھا نہیں ہے تو تصویر میں رہ کر کیا کہے گی ؟
 غلطی جی : وہ تو دل دلاؤ۔ وہ تصویر دلاہ باہر کھڑا ہوا سو کہہ رہا ہے اور تم بحث کہ یہی ہو گئے عزیز می
 یعنی میں یکم صاحب اس انسان کو دنیا میں رہنا ہوتا تو تصویر کی کیا ضرورت تھی ؟ مگر تصویر تو
 اسی لیے ضروری ہے کہ انسان کو رہنا نہیں ہے یہاں تصویر کی قسم ایسی بات کہ وہ ہے یہ میں نے کہ اب تم کو
 چپ ہو جانا چاہیے۔ اے اے ؟

ہوئی : تو میں کہہ کر بھی دکان میں تم کو کس نے نہ کہا ہے اب تم میں نے کہہ دیا ہے کہ میں تصویر نہیں کھینچاؤں گی۔
 غلطی جی : شبنم جب میری عمر کہنے لگا تو میری تصویر دیکھ دیکھ کر کیسا خوش ہو گا کہ میں نے کیا دلا دے گا ہے بھلا
 تم کو یاد بھی نہیں رہے گا۔ میرا کیا ہے ؟
 ہوئی : اس میں بڑے سیدھے کی تجزیوں وارڈ اور اتنی صورت کو یاد رکھنے سے نہ یاد رکھتا ہی اچھا ہے تم کو شوق تھا
 ہے تم کچھ یاد ؟

غلطی جی : اچھا بھائی اب کوں تم سے بحث کرے مگر یہی تو کچھ یاد رکھا۔ ذرا مت یاد دھونے کا پانی صابن میں نہ پھینکنا

شرع و حق تو رکھو :

بیوی :- شرم تو نہیں آئے گی بڑا ہے میں یہ سوسا لگا رکھ کے تصویر کھولتے ہوئے ہے یہاں سے اپنے مسئلہ میں
ترجما رہے ہیں :

غشی جی :- خیر-خیر، وقت مذاق کا نہیں ہے کہیں وہ اخلل کرتے کہتے باہری سے چلے دلہے خدائیں، حق
کدوؤں - تم پانی وانی رکھ دو - پھر فردا میرے کپڑے نکال دو - دھاتے چلے گئے، وہ جامہ دار کی پکچر بننا
اعد میرا نیا توکا (درد وازہ کھول کر) بھائی فدا عشر جان میں بس تیار ہی جو، اہ جون :-
تصویر دلاؤ - دفعہ کی آواز جلدی کیجئے صاحب و صاحبہ جلدی ہے - پھر وقت نہیں بے گاہ :-
غشی جی :- (دائیں آگے ہوتے) ابھی (..... ابھی.....) بیوی کے پاس آکر، ابھی غشی جی کی ہاتھ دے گا :-

ہے کہ صاحبہ جا رہی ہے - اور تم پر کوئی چیز ہو ؟
بیوی :- تم جب تنگ منہ دھو لو اور وہ اچکی کوئی کھیتی ؟
غشی جی :- تو یہ ہے ارے صاحبہ وہی شادی والی اچکی جامہ دار کی اور نیا جوتا - لاؤ یہ (ٹاپا بھر کھلاؤ - یہ دھو
نہی اچھا کہ مر گیا وہی ارے صاحبہ - وہ وہ صاحبہ مان :-
بیوی :- سائے لکھا ہے اور دکھائی نہیں دیتا - لہذا کچھ لایا ہے کہ میں جاؤں میں کپڑے نکالنے :-
غشی جی :- نہیں بس تم کپڑے لاؤ جلدی سے - شاباش :-

(بیوی باقی ہے - غشی جی منہ دھو تے ہیں منہ دھونے کا مان :-)

کے ساتھ ہی غشی جی بڑی نعد سے کہتے ہیں :-

غشی جی :- لا حول ولا قوۃ - آخ تھو تھو تھو لا حول ولا قوۃ :-

(بیوی دودھی ہوئی آتی ہیں - غشی جی برابر تھوک سہیں :-)

بیوی :- یہ کیا ہے آخر یہ کیا ہوا ؟

غشی جی :- آخ تھو تھو کیا آخ تھو جلدی کا کام شیطان کا، منہ کے بجائے صابری

لیا مانتوں پر تھو آخ تھو :-

بیوی :- (ہنسی سے دھہری ہو کر) منہ سے منہ دھو لو نا اب اور اسی طرح تصویر کھینچاؤ :-

غشی جی :- اب مذاق ہی کدو کی یا آئینہ کنگھا بھی دیکھی ہے ؟

بیوی :- رکھا تو ہے آئینہ کنگھا دیکھا بھی تو کرو :-

غشی جی :- ٹھیک ہے - اب ذرا زار بند تو ڈال دو یا جامہ میں - بھی خط بہت بڑھا ہوا ہے اب کیا ہو ؟

بیوی :- اب میں اس کا کیا جواب دوں میرے اتھرا کا کام تو یہ ہے نہیں کہ میں خط بھی بنادوں ؟

غشی جی :- خیر مر گا بھی - ذرا سا گوند تو نہیں ہے گھر میں ؟

بیوی: گندہ گندہ کیا کرنا؟
 منشی جی: صاحب پر تو تعلقہ تم تو جرح کرنے لگی ہر بات بات پر مطلب یہ کہ خدا مرچوں پر تلوتے
 بیوی: تو کہنے سے روتی رہیں گی کاشی کی؟
 بیوی: تو کہنے سے روتی رہیں گی کاشی کی؟

(بیوی ہاتھی)

منشی جی: دیکھا ہمارے ہاں میں یہ نکال کر پٹا بڑا نیلے کے پاس سے
 بیوی: آکر ہی ہیں ہاتھ پر تھکے دیتے ہو۔ خودی ترکا تھا گندہ گندہ کو گڑا مارا
 منشی جی: یہ ہاتھ ہے۔ لا اخطہ فرما ہے یہ پٹا بڑا جھڑا ہیں کہ بچے کی بیوی تصویر
 بیوی: نہ ہوں نے دیکھا ہی نہیں اس لاکا ہے یہ زکات ہے۔ ایک کسے ہے گا
 منشی جی: بچے ہے گا؟ اسے صاحب بند کے اس سے پٹا بڑا ہے بند کے پاس سے
 بیوی: تو کیا بند گھڑوں پر رہتا ہے قلعے میں؟

منشی جی: وہاں ہونے کے اخلاصے ایک ہے یہ تو ادبی ہے گا۔ اچھا دودھ گندہ۔ اس میں اسٹیک
 ہے مطلب یہ کہ تصویر کھڑی جلتے تو زواہنگ کی تر ہو

بیوی: نہ ہے کہیں ڈاؤنی ہو گئیں مرنی رہیں معلوم ہوتا ہے جیسے تو آدم آٹلے ہوئے تہ پریشا ہے
 منشی جی: ایس۔۔۔ ان واقعہ۔۔۔ خدا تعالیٰ نکالنا اپنی بیوی سے

بیوی: کیا اب کاشی جانی گی مرچیں اس وقت

منشی جی: میں دیکھ رہی ہوں کہ ایک تو ہے بس تھنوں تک اور دوسری تو دیکھو کہاں جا رہی ہے

بیوی: تو یہ چھوٹی بڑی کیسے ہو گئیں

منشی جی: اب میں کیا جازوں کیسے ہو گئیں۔ تم چینی لاؤ بحث بعد میں کر لینا

بیوی: اب مرچوں کا بھی خدا ہی حافظ ہے۔ روئے چینی

منشی جی: ادھر آؤ ذرا یہ آئینہ کر کے مرچوں کی سیدھ میں کھڑی ہو جاؤ

بیوی: ابس ٹیک ہے نا

منشی جی: ایس۔ ٹیک ہے۔ مگر نہیں یہ تو بھری ہیں، ذرا نیچے رکھو آئینہ۔ اور نیچے۔ میں بس اب ٹیک ہے

لہو رہتا

بیوی: کہیں زیادہ نہ کٹ جائے مرچ

منشی جی: زیادہ کیسے کٹ جائے گی۔ تم تو کہہ تو نہیں لے (مرچ کٹ کر) یہ لو

بیوی: کٹ جی نا زیادہ۔ کیا بڑا متہ ہو گیا

فشی جی :- زیادہ کٹ گئی ؟ یہ کیسے کٹ گئی ؟ اب یہ آدھروالی بڑی معلوم ہونے لگی :-
 بیوی :- اب کہیں آسے جی نہ کاٹ دینا :-
 فشی جی :- تو کیا تمہارے مطلب یہ ہے کہ میں اس ڈیڑھ مونچھ کی تصویر کھینچاؤں ؟
 بیوی :- میرا کیا ہے تم اپنی گت بنائے جاؤ ذرا آئینہ تو دیکھو۔ کیسی مونی جو جو کی سی صورت ہو گئی ہے۔ جتنی چمک رہی تھیں :-

فشی جی :- تو پر اب کیا کروں میں بغیر دوسری طرف کی مونچھ کٹنے کام نہیں ہی سکتا۔ اب کی یہ ذرا کم ہی کاٹوں گا :-
 بیوی :- دیکھو دیکھو دیکھو۔ پھر زیادہ کٹ جاتی :-
 فشی جی :- میرا تھکا پ گیا تھا تم اس وقت منہ میں قینچی بھی بھرنگاؤ گی :-
 بیوی :- میرا کیا ہے تم میری طرف سے بالکل صاف کر دو مونچھیں :-
 فشی جی :- بالکل کیسے دیکھتی تو رہو۔ ذرا آئینہ برابر رکھو۔ ان یوں۔ لے (مونچھ پر قینچی چلتی ہے) :- اب تو ٹھیک ہے :-

بیوی :- خاک ٹھیک ہے۔ ابھی خاصی مونچھوں کا ناس مار دیا ابھی آدھر کی ذرا بڑی ہے :-
 فشی جی :- اٹھاؤ ذرا آئینہ ۔۔۔ ان بڑی ہے بہت بڑی ہے ابھی منہ ٹیڑھا معلوم ہو رہا ہے :-
 بیوی :- اسے نانی سے ٹھیک کراؤ نہیں تو اور خراب ہو جاؤ گی مونچھیں :-
 فشی جی :- اب اس وقت نانی کی تلاش میں نکلوں۔ تو بہتے تمام بان سپینہ میں لہو بھی چمک رہے ہیں :-
 بیوی :- پھر ان میں لگا ہوا ہے گوند :-

فشی جی :- تو بہ۔ تو بہ۔ میں پر نہی دیکھو آئینہ۔ (قینچی چلاتے ہیں) ارے استغفر اللہ :-
 بیوی :- بس اب تو طبیعت خوش ہوئی بالکل ہی غائب کر دی ایک طرف کی مونچھ۔ یہی اللہ مجھ سے تو تمہاری صورت بھی نہیں دیکھی جاتی :-

فشی جی :- ابھی صورت کو ڈالو جہنم میں تصویر کا کیا ہو گا اب۔ مونچھ تو اب نہ ہونے کے برابر ہو گئی ہے اس طرف کی کچھ کچھ البتہ ٹھیک ہے۔ اچھا سنو۔ ٹھیک ہے بس تم شبن کی دوات لاؤ دودھ کے :-
 بیوی :- دوات ؟ ۔۔۔۔۔ دوات سے کیا ہو گا ؟

فشی جی :- اچھا صاحب نہ لاؤ گھر اس وقت محبت نہ کرو میں خود لیجے آتا ہوں۔ مجھے خود ہی فحشہ آرہا ہے اس پر تمہاری بحث، نااطفہ بند کر دیا ہے تم نے :-
 بیوی :- بیش تو پر نہی پوچھا تھا۔ میں لاسکے دیتی ہوں ابھی :-

(بیوی جاتی ہے فشی جی بڑبڑا رہے ہیں)
 فشی جی :- تو بہ ہے۔ آدھر کی ٹھیک کی آدھر کی غائب۔ آدھر کی ٹھیک کی آدھر کی غائب اور دو سوپ الگ چار ہی

..... لے آئیں؟ وہی جاتی جسم کھڑا صراحتاً اب ذرا خاموشی کے ساتھ کھڑی ہو جاتی تھیں۔

لے کر؟

بیوی: چلنے کی کڑے کا ارادہ ہے اب تو ابھڑپ بھڑپ کے گانہ کلا کر کے؟

نوشی جی: دیکھتی تو رہو۔ میں روٹی کھو آئینہ..... ہاں..... اب ذرا مہذب کر دیکھو کیا معلوم ہو چکا۔
انگل روٹیں معلوم ہوتی ہیں نا؟

بیوی: کہیں بھی نہیں صاف دکھائی دے رہا ہے کہ روشنائی کی ٹیڑھے۔ اچھا خالص ٹیسو معلوم ہوتا ہر دوسرے کے
نوشی جی: ایہ؟..... ٹیسو..... روشنائی ذرا بھڑکی رہی۔ اچھا اودھسی۔ بس میں دیکھنا ٹیسو..... ہاں
..... اب ٹھیک ہے۔ دیکھو تو ذرا مہذب کر؟

بیوی: میں نہیں دیکھتی تمہارا تو مانجہ بل گیا ہے اور ساتھ ساتھ کچھ کرمی پاگل بنائے ہوئے ہو۔
نوشی جی: اچھا خیر۔ خود کھیر۔ کھیر گارن میں جو کڑے پڑے ہوئے ہیں ان کو اب کیا کروں، قصور بر خرابہ ہو چکا
ان سے؟

بیوی: روٹھوں کی گت ہی چلی اب کواں میں روشنائی بھرو؟
نوشی جی: پھر وہی۔ اسے صاحب عقل سے کام لو تو سب باتیں سمجھ میں آجائیں جو عقل تھا۔ پاس کواں جلدی
سے دو گوریاں بنا دو یہ کڑے بھی ابھرا لیں گے؟

بیوی: گوریاں کہاں سے بنا دوں گی سو پیسے پاؤں کے لیے چینی مری ہوں مگر تم تنگے بھی ہو؟
نوشی جی: اچھا اچھا خیر..... وہ..... کیا چیز ہونا چاہیے..... ٹھیک ہے وہ لاؤ جلدی سے وہ.....
بیوی: وہ کیا اس کو دے وہ کچھ نام بھی ہے یا بس وہ ہی وہ کے جاؤ گے؟
نوشی جی: مری میرا مطلب ہے مین وہ..... کیلکٹے ہیں اسے۔ مستم ڈلی کے دو ٹکڑے؟
بیوی: لاتی ہوں۔ گھن چکر بنا کے رکھ دیکھو؟

(جاتی ہے)

نوشی جی: (خود ہی بڑبڑا رہے ہیں) روٹھیں تو اب ٹھیک ہیں۔ کنگھی بھی خوب ہو گئی ہے اس وقت (نہو سے)
میں نے کہا لائیں وہ ڈلی کے ٹکڑے؟

بیوی: ہادی ہوں۔ لا رہی ہوں۔ لاتے ہی لاتے تو لاؤں گی۔ وہ ڈلی کے ٹکڑے؟

نوشی جی: ایک ایک کواں میں ایک ایک ڈلی کا ٹکڑا ٹھیک ہے گا دگاؤں میں ڈلی رکھ کر جلدی مٹی آواز میں) اب
دیکھو اب تو ٹھیک ہے؟

بیوی: یہاں ٹھیک ہے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے دونوں گلوں میں توڑیاں نکل آئی ہیں؟

نوشی جی: توڑیاں؟..... لانا تو آئینہ۔ (آئینہ لے کر) توڑیاں تو کیا اچھتہ کچھ ٹھیک نہیں رہی یہ.....

اچھا اگر دونوں کاوں ہی ایک ایک نوالہ رکھ لوں روٹی کا تو.....
 بیوی: مگر تصویر ضرور کھنچاؤ گے اس گت کے ساتھ چاہے کچھ بھی ہو جائے ؟
 فشی جی: کیا مطلب ہے تمہارا؟ بغیر تصویر کھنچوائے مرنے میں کھفت تاکہ اولاد کو یہ بھی پتہ نہ لگے کہ باپ بھی تھا ؟
 بیوی: نہیں نہیں تم برا نہ مانو ضرور تصویر کھنچاؤ تاکہ اولاد کو یہ معلوم ہو کہ باپ بہو پہر تھا ؟
 فشی جی: بھی تم سخت دشمنی کرتی ہو میری۔ اس میں بہو پہر ہونے کی آخر کار کیا بات ہے۔ تصویر میں ایسی امور کا پتہ بھی
 نہ پڑے گا اور تصویر ہی نہ ہوئی تو پھر یہ کون لے گا..... کہ..... وہی حسینوں کے خطوط اور تصویر
 بتائی..... بلو وہ کیا ہے شہر..... مگر مجھے یاد نہیں تو تمہیں کیا یاد ہوگا۔ تو بلو زلے لکھ لوں مٹے میں ؟
 بیوی: جو صدارتی چاہے وہ کرو۔ مگر..... (دھواڑہ پر دستک)
 فشی جی: کیا بھی آیا ابھی آیا بس تیار ہی کھو (چپکے سے) چھوڑو نوالہ دیا کہ لٹاؤ اچکن اٹھاؤ جلدی سے ؟
 بیوی: اس گرمی میں یہ جو موٹی حمار دار لاوی چلنے کی تو مر رہی آجائے گا۔
 فشی جی: دشمنی دانی پہنتے ہوئے (خیر۔ ہوگا تم تو پی نوالہ میری..... وہ دیکھو وہ رکھی ہے گھڑو پی پر۔
 بیوی: یہ اچکن اور اس پر یہ موٹی چٹا شاہی ڈھٹی ؟
 فشی جی: اچھا تو جانے دو اپنا کوئی مد پٹہ ہی مٹے دو صافہ باندھ لوں گا۔
 بیوی: بیل تو چڑا ہوا ہے تمہارے سر پر ؟
 فشی جی: چاہے میری تصویر کھفت خراب ہو جائے مگر تمہارا وہ پٹہ خراب نہ ہو..... ازہ۔ سخت گرمی ہے..... پکلی
 تو آگ لگنے دیتی ہے ؟
 بیوی: تیری وہ پٹے لونا ؟
 فشی جی: لاؤ ہی لاؤ۔ سخت پسینہ ہے..... تو یہ ہے..... لاؤ دو پٹہ۔ مگر اب اسے باندھے گا کوئی ؟ بیوی
 بھی ایسی ملی ہیں جن کو صاف تک باندھنے کا ڈھنگ نہیں ؟
 بیوی: اے اور کیا یہ تو عمر توں کے کام ہی ہیں کہ..... (دھواڑہ پر دستک اور آواز)
 تصویر والا: ارے صاحب اب تکلیف نہ کیجئے وقت نکل گیا ؟
 فشی جی: تو میں بھی اب تیار ہوں بھی۔ (بیوی سے) مٹے دو صافہ میں نیگے سر ہی کھنچاؤں گا ؟
 بیوی: اے ہے۔ یہ سارا مٹہ کالا ہو گیا۔ دشمنی پسینہ میں خوب مٹہ بھر پر پھیلا ہے ؟
 فشی جی: اب..... لانا تو آئینہ..... لا حول ولا قوہ ؟
 تصویر والا: اچھا صاحب میں جا رہا ہوں ؟
 فشی جی: اے یار فدادم تو..... تو یہ ہے یہ تشریف دانی پر بھی ٹپک رہی ہے۔ بھی ذرا لٹا لاؤ جلدی ؟
 بیوی: تو لٹا ؟
 (فشی جی مٹہ دھوتے ہیں اور بڑبڑاتے جاتے ہیں)

پہاڑے

113

(۱۱)

ہندو سے یہ کلام غائب تھا جس سے کہ کام نو میں ملے پڑی ہے غائب تھا اس کلام کے قارئین سے، انہما اس غیر منظر کیجے
 مسندت خواہ ہونے کے مسندت خیر، غازی ہوں کہ کلمہ کو شاعر ہو گیا تھا آپ نے اخبارات میں نوے خبر یا پڑھی ہوں گا کہ کراچی میں
 ایک پمپن برقی ہے مگر میں آپ کو کہتا ہوں کہ وہ ناچا بہت ہوں کہ وہ ان کی ایک سے کہیں زیادہ مشاعرے پمپن ہوتے ہیں یہ خود دیکھ
 ہیں۔ ہاں ان کے ایک کاتق ہے اس کو تو قادیان میں دیکھ لیں وہ ان کے لکھنے کی تم شروع ہر ایک ہے مگر چونکہ اب ان کے
 ۱۰ افیض مشاعرہ دیکھی ہے۔ اچلو نہیں پڑا ہے لہذا مشاعروں سے تحقیق کیجئے کہ نہیں لکھے اور اگر کسی جگہ کوئی مشاعرہ لکھیں
 ہو جائے تو ایسا مستعدی مرض ہے کہ ہر طرف مشاعرے ہی مشاعرے پھوٹ پھوٹتے ہیں چنانچہ جب مجلس بدو گارنگ کا شاعر
 بننا ہے مشاعرہ لکھ دیا کراچی میں پمپن گئی ہے اور کراچی کے گوشے گوشے میں ایک ایک مشاعرے کی قیامت برپا ہند
 آ رہی ہے۔

آرہا ہے۔
 کہا جاتا ہے اور کہا ہی نہیں جاتا بلکہ افسوس بھی یہی ہے کہ مجلس یادگار جگر کا جو مشاعرہ ۱۶ جنوری ۱۹۴۷ء کو لکھی گئی
 یہ نہیں بلکہ پاکستان کی تاریخ کا پہلا کامیاب ترن یا مشاعرہ تھا جو سات گھنٹے تک میں بائیس ہزار سامعین نے نہایت سکون
 اطمینان کے ساتھ سنا، کوئی ہنگامہ نہ ہوا نہ ہوشیاری کے ذریعے مشاعرے کو جگہ گہ کی ضرورت محسوس کی گئی نہ بیسیاں بیس نہ
 جانوروں کی بلیاں سنائی دیں۔ حد یہ ہے کہ حادثہ جگر کا ہوا تو نہایت دلچسپ اور نیا تھا کہ کل دو مشاعروں میں جتنا کلام مشاعر
 سامعین کو سناتے ہیں اس سے زیادہ بدکلامی سامعین کی طرف سے ان کو سننا پڑتی ہے، اٹھالیس چالیس ہوتے ہیں کرسیاں
 چلتی ہیں۔ شاہین نے گرائے جلتے ہیں اور لوگ ایک دوسرے پر گرتے ہیں۔ جگہ یہ ہو مشاعرہ تھا جو اس عظیم اجتماع کے باوجود
 چشم بد و دور ایسا جذبہ اور شریعتانہ ثابت ہو رہا ہے کہ حیرت برحق ہے کہ اتنے سختی فہم کیونکر اس مشاعرے کو
 نصیب ہو گئے۔

فصیح ہو گئے۔
یہ اصل مشاعرہ تو خیر محمد لائڈ خیریت سے گزر گیا مگر اس کے بعد جو شاعرے کراچی میں پھیلے ہیں تو حجابی بھانا دوہر کر گیا
ایک ایک بات میں کئی کئی مشاعرے اور ہر مشاعرے کی طرف سے شاعروں کی کھینچا تائی کوئی شاعر کو ادھر گھسیٹ رہا ہے تو کوئی
ادھر اور شاعر کی حیثیت اس کٹی ہوئی پتنگ کی سی ہے جس کو روٹنے والے لڑکے یہ سنے کر بچے ہوں کہ یا تو یہ پتنگ بچہ کر کے مار دے

پھٹ جائے اور کسی کے ہاتھ نہ لے اور شام کو گیارہ سال کو وہ کہہ رہا ہے کہ
گرمیوں کا تھماؤ ملے
ہم بھی یار ب گئی بے ہمت

تجربہ یہ کہ اس نے دھماکا سے کیا شعر کہی اور محفل میں پیشے۔ داد کسی اور محفل میں حاصل کی پھر کسی دھت میں کھیل رہا۔
کسی اور دسترخوان پر۔ پانی کسی تیسری جگہ اور نہ ملے سے ہاتھ ہائے قیام پر صحنے۔

جلسوں یا دو گار جگہ والے اس مشاعرے کے دو موسم کا دیں بیت الغزل میں افضل صاحب کلام و شاعر ہندو کی طرف
محکم مقام پر و بختی اور کچھ مقامی شعرا کو گرفتار کیجئے تھے لہذا مشاعرے کے نائب ناظم، تباہ صنی پوری صاحب کلامی صنی پوری
اڈس والی محفل کھاؤ اور گاؤں کو غیر سے دن کے لیے اٹھا رکھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اور ۹ جنوری کو تو شعروں کا یہ حال تھا کہ
وہ متھ چلائے پھرتے تھے اور ان کو ڈھونڈنے والے ہر طرف ڈھونڈتے پھرتے تھے سو گئے پھرتے تھے اور ان کا شہرہ
لگتے پھرتے تھے اس لیے کہ اس ایک ہی دن میں کئی نشستیں منعقد ہو رہی تھیں حضرت جو شہرہ شروع آبادی کے میلوں کی نشست
مروانا ہارناتہ دی کے میلوں کی محفل طعام و کلام۔ کہ چھی لڑی دی ڈی کا مشاعرہ جو ناگتھہ پلس کی۔ محفل پلانا و سناؤہ آخر چھاپے
شاعر اپنے کو چار ٹکڑوں میں کیونکہ تقسیم کر دیتے تھے تجربہ یہ کہ کچھ کو جوش صاحب نے اسے کچھ مروانا ہارناتہ کے ہاتھ لگے کچھ کو شہرہ
پہنچے اور کچھ جہاں گتھہ پلس میں نظر آئے۔ بعض ایسے جا بناؤ بھی تھے جو پریزیشن کی محفل میں بھی نظر آئے اور جہاں گتھہ پلس
ماہر کے دسترخوان پر بھی اس میں دراصل شعر نے کرام کی ہر جا بیت۔ کا کمال نہ تھا بلکہ ان محفلوں کے بانی ہی ان کا سرسرا
بڑھتے پھرتے تھے جس طرح انیکش کے دور کو درڑوں کو بٹھوتے پھرتے تھے۔

دانش لے کہ مجلس یا دو گار جگہ کا مشاعرہ صبح چار بجے ختم ہوا بیت الغزل
میں افضل صاحب کا مشاعرہ رات کو دو بجے تک ختم ہوا۔

صنی پوری اڈس میں اقبال صنی پوری کا مشاعرہ ڈھائی بجے رات کو ختم ہوا۔
جونا گڑھ پلس کا مشاعرہ رات کو ایک بجے ختم ہوا۔

ان مشاعروں کے علاوہ ماہر سے آئے والے شعرائے کرام سفر میں بھی جاگے بچتے تھے اور ان پہ پہلے شاموں میں جتو
ہو کر تو رات کی نیند ہی ان پر حرام ہو چکی تھی۔ دن کو آڈر گراف لینے والے یا ان کے دوسرے قدر دان ہیں بھی سوئے نہ جیتے تھے
لہذا کیفیت ان کی یہ تھی کہ نیند میں ایک مصروف ایک منزل کا پتھر جلتے تو دوسرا کسی اور منزل کا اور پھر محذرت خواہ ہوتے تھے
کہ ”حضور معاف کیجئے گا ہم چار پانچ دن کے جاگے ہوئے ہیں لہذا حضور بخشش کے مستحق ہیں۔“ دو روز کا سالی و خدای بہتر جانا ہوگا
خود اپنا تو یہ حال ہو گیا تھا کہ اگر کسی وقت آنکھ مل گئی تو خواب میں مشاعرہ دیکھ کر پھرا پھل پڑے۔

ممکن تھا کہ کراچی میں ایک آدمی اور قیام ہوتا تو کچھ مشاعروں کی بہ کثرت دیکھی اور وہ جیتے والوں کے محفلوں
بالکل ہی پس پا کر دیا تو۔ اور جنوری کو بھی اس وقت جبکہ سرسید گرس کالج میں مشاعرہ ہوا تھا میں اپنے مسلمان کے علاوہ کچھ
اپنے اور ملاوے ہوئے بھاگ کھڑا ہوا اور اسٹیشن پہنچ کر ٹری میں اگر دم لیا تو نہ کراچی میں تو اب تک مشاعرے جاری ہیں شاعر

سینے کے دو رنگ لے کر ہر ایک کے لیے ایک ایک رنگ لے کر دیا گیا ہوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ اگر کسی کو دیکھیں تو اس کے لیے ایک ایک رنگ لے کر دیا گیا ہوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

(۲)

صاحبِ ایک صاحب کو ایک زیادہ خوب اس بات پر تھا کہ عجب عجب رنگ لے کر دیا گیا ہوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ اگر کسی کو دیکھیں تو اس کے لیے ایک ایک رنگ لے کر دیا گیا ہوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

نہ ہے کہ اسی قسم کے ایک قسمی خاص صاحب انگریزی کی دو تین ریڈریں بڑھ کر انکسٹاٹا ملے پانچاوردہ دن پہلے ان کو فرما ہی اندازہ ہو گیا کہ جن انگریزی دہ جانے ہیں وہ تو یہاں کیسی اس قدر ناکافی ہے کہ شروع ہونے سے پہلے ہی عزم ہو جاتی ہے مصیبت ہائے مصیبت یہ کہ وہاں پہنچتے ہی بیمار ہو گئے اور خدا جانے کس طرح ڈاکٹر تک پہنچا اور اگر اب ڈاکٹر کو اپنی تکلیف سمجھائیں تو کس طرح خیال یہ تھا کہ ہمارے خاص طبیعوں کا علاج کے وہ ڈاکٹر بھی ہوں گے جو جنس و کچھ بھی سمجھتے ہو تو کچھ جانتے ہیں اور مرینز کو کچھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی مگر وہاں ڈاکٹر اپنی زبان میں سوال کو پیش کرتے ہیں کہ کیا ہے اور اب بھی انھوں نے اور وہ ہیں انگریزی و لٹا شرمین کی ہے تو ڈاکٹر بھی پکڑا کر رہ گیا کہ اس مرض کو آخر کس مرض کی دعا دے کہنے لگے کہ مروست ڈاٹس بریڈک ان اسٹاک فرمیں ہر پھر فوراً و آئینہ نامزد چھبیلیں گیم اور اس کے بعد غرض میں تھوٹے عرصہ میں حلقہ آفریڈیٹ لہزدہ کے فیور ہو گیا۔

پھر شکر کے پلے جب کچھ نہ پڑا تو اس نے ان کو مشکل سمجھایا کہ علاج کا نام ہے تو اپنے کسی انگریزی جانتے نے ہم وطن کو دیکر آؤدہ ریسا نہ ہم کہ اختلافِ قلب کی شکایت ہر ادھر اوراق کی مدد میں قحاضے لیے تجویز کر دی تھیں۔

ایسے تو خدا جانے کتنے لوگ بیمار ہیں جانتے ہیں جو برٹوں میں مریض مانگنے کے لیے ایڈوائس لکھا کرتے ہیں کہ اس کی مدد کرنا۔

تصور یہ لکھا کہ مطلقاً اشیاء کا داروں سے طلب کرتے ہیں آئندہ کام تو یہ ہے تو کسیوں کو لکھا کہ ایسا نہ کر گروٹس دے کہ کچھ نہیں

کہ اس گاؤں میں چاہیے۔ یہ انگریزی تقریباً اسی قسم کی ہوتی ہے جیسی ہمارے یہاں کے خانہ فروش انگریزوں کی عمارتوں میں
گودوں سے انگریزی بولا کرتے تھے کہ "صاحب بیارنگا دون آنڈے گا خوش ٹیک خوش ٹیک"۔ مگر اس قسم کی انگریزی سندھ میں
بولنے والوں کو یہی جواب ملتا ہے کہ تم جو کچھ مانگ رہے ہو اس کو ہم اتنا ہی کہتے ہیں خوش ٹیک خوش ٹیک "۔
صورت حال یہ ہے کہ برطانیہ کے متعلق ہمارے یہاں کے لوگ جب یہ سمجھتے ہیں کہ وہاں نہایت آسانی سے روزگار مل جاتا
ہے اور معلوم نہایت محض ملتا ہے تو وہ بغیر سوچے کہ انگریزی زبان جانتے ہیں یا نہیں کسی نہ کسی طرح ان محلات پہنچنے کی کوشش
کرتے ہیں کہ اگر صرف ہوشیوں میں پیشی ہی صاف کونے کا کام مل گیا تو دارے نیکے ہو جائیں گے مگر جب وہ اندر پہنچ جاتے ہیں تو
کو ایسا گونا گونا دہرا محسوس کرتے ہیں کہ خود بھی پریشان ہوتے ہیں۔ اور وہاں کے لوگوں کے لیے عملی مصیبت نہایت ہوتی ہے
ہی کہ آخر ان کو کس طرح میٹھا جائے ان کو کس طرح بچھا جائے اور کس طرح بچھا جائے، آخر ایک ایک آخری ترکیب اس قسم
کے نووارد ہائی برطانیہ کے لیے کچھ ہی آئی ہے کہ اسی کی پٹے انگریزی پڑھائی جائے اس کے بعد اس سے پوچھا جائے کہ کچھ جیسا
کہیں سائے ہیں۔ اور کیا چاہتے ہیں۔ برطانیہ کے صنعتی شہر و قہر میں ان غیر ملکی اور انگریزی نہ جاننے والے افراد کو انگریزی پڑھنے
کے انتظامات کئے جاتے ہیں تاکہ وہ یہاں آئے ہیں تو یہاں آئے کا مقصد بھی بیان کر سکیں لازمتیں چاہتے ہیں تو لازمتیں حاصل
کونے کے قابل ہر حالت میں۔ محنت مزدوری کرنا چاہتے ہیں تو اس پر روشنی ڈالیں۔ ان اشعار ہاؤزیوں سے آخر تک تک کام چلی
سکتا ہے۔

انگریزی نہ جاننے والے ان پر دیسیوں کو انگریزی میں شہ بہ حاصل کرنے کی تحریک دراصل ایک ٹی کٹر کی ایبل پر
شروع کی گئی ہے جس کا ایک نیلے پاکستانی فریض سے سابقہ پڑ گیا تھا جو بیارنگو تینا تھا مگر یہ بناغے سے ناصر تھا کہ اس کو بیماری کی
چھ اور وہ کن تکالیف میں مبتلا ہے۔ ڈاکٹر نے اس کے اشیاءوں پر بھر دیا کہ اس کے اوٹ پٹا تک علاج کرنا خطرناک سمجھ کر ایبل
کہے کہ ان نوواردوں کو کم از کم اتنی انگریزی تو آنا ہی چاہیے کہ وہ اپنے مرض کی علامات بیاں کر سکیں ورنہ ہو سکتا ہے کہ
بتلا ہولی ہیچس میں اور علاج شروع ہو جائے بوا میرا نہ تکلیف ہو جو یہی کہ اور آپریشن کر دیا جائے خود ان کا۔

اب دھرم دنگا۔ ولے ان انگریزی نہ جاننے والوں سے پوچھتے چہ ہے ہیں کہاں ہیں سے کہتے ایسے ہیں جہاں اس قسم کی
کلاسوں میں داخلہ لینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ پوچھنا ان سے یہ چاہیے کہ بندہ فراز جب آپ انگریزی جانتے ہی نہ تھے تو انگریزوں کا
ٹک میں آخر کیا کچھ کما پتے ہیں۔ اب یہ تو ہنس سے رہا کہ آپ سے رکھنے کے لیے اہل برطانیہ آمد پڑھنا شروع کر دیں یہ
زحمت تو آپ ہی کو کرنا پڑے گی مگر ایسا نہ ہو کہ اس کے جواب میں وہ یہ کہیں کہ انگریزی جانتے ہوتے اور انگریزی ہی پڑھنا شروع
تو پتا نہیں چھوڑ کر ہمیں کاکینڈی ٹرن کوئے انگریزی جاننے والوں کے لیے روزگار کی خود ہمارے یہاں کوئی کی قیام تو یہ کچھ کہ
یہاں آگئے تھے کہ یہاں پڑھ نہ لگے بھی محمد فاضل ہوتے ہیں۔

۱- در صورتی که در هر یک از این موارد، به تشخیص کارشناسان فنی و تخصصی، خطر آلودگی یا آسیب جدی به محیط زیست وجود داشته باشد، باید اقدامات لازم برای جلوگیری از وقوع آن اتخاذ شود.

کہیں ہے کہ اس قسم کے مردانہ وار جسم کو وہ مرد پیدا کرتے ہیں جو وہ خود نسا ئین میں پیدا ہوتے ہیں۔ ہاں یہاں نسا ئی
 سے پیدا ہونے والے آپ کو وہ طے کرتے ہیں کہ انہیں ہے یہ وہ مرد ہوتے ہیں جو اپنے وقت کا بیشتر حسناؤ کو کھائے گا اور انہیں
 کو اپنے نانا میں کھڑے ہل ہل کرتے رہتے ہیں اور انہیں انہیں جلد ہی بہت قصاص ہونے کی باتوں میں لگے اور گھر گھر ہر کچے تو
 اس کے بعد وہ خود دشمن ہونے کے بعد اس کے پاس کا سیدھا ہی ہو گئی۔ یہ کہیں بلا ہے یہ تو کبھی وہ اس قدر خوب ہے جس کے
 آپ اس بات کا یقینی نہ کریں کہ جو غم نے تو پیدا اور مریں لگائے وہ اس کو بھی دیکھ کر جو کہ ایسے ایسے ناز آفریں کی لازم ہوتی
 ہے یہی پوچھتا ہے جو کہہ رہا ہے سنگ سنگ کی کار یہ جو تو ہے جو میں ہے کہ یہ وہ ہے وہ ام تانے کی کرتے
 وہ اس طرح ہر تے جو کہ قبل جو ان سے پہلے کہیں یا بہت ہے نہ
 نے ہیں صدقہ میں ہونگے۔ یہ ناز ہے

کہتے ہیں کہ جو بھی ان کو دیکھ لے گی خوشی کا کر گزرنے کی جگہ کہ جو تیرے یا وہاں کو اپنی موت سمجھتی ہیں یا اس کشمکش میں مبتلا
 ہو جاتی ہیں کہ ان کو ڈنڈہ بدل ہی بتا بھی یا ان سے صاف صاف کہہ دی کہ اسے نام نہاد مرد کہہ کر بہ نسبت زیبائیت تو
 اس قسم کے بیڈیز پر وہ ممکن ہے کہ ان جنسیں جو توں کو پہنکتے ہوں وہ نہ جاسن لیل کے مرد ہیں مگر تاہم
 ہم جنس نظر آنے والے ان حلقوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے بلکہ اگر کسی شوہر کی بیوی یا ایک اس طرح خود ہی شوہر ہو تا شرم کی گفت
 ہے تو وہ بچہ تخت پر لیٹا ہوا جاتا ہے کہ وہ بھی شوہر اور یہ بھی شوہر تو آخر بیوی کو ہے۔ ہم آپ تو میری مشرقی ہیں یہ
 وضع قلع جس منہ سے آتی ہے خود ہاں کھینچے قسم کے مردوں کا حال یہ ہے کہ جس بیوی کو کہتے ہیں کہ بیاہ و تنہا اس کی
 اس مصنوعی جنس تبدیل کی برواقت نہیں کرتے چنانچہ فراس ایسے فیثیوں میں ایک شوہر یا بیوی سے ملحقہ حاصل
 کرنے کی محنت اس لیے درخواست ہے کہ کامیاب حاصل کرنے کی یکم صاحبہ کو چھٹے ہفتے نہ جانے کیا سوچیں گے انہوں نے حرکت
 چھوڑ کر سلیکس پہننا شروع کر دی۔ اپنے تمام زمانہ لباس اپنی سہیلیوں میں تقسیم کر دیتے اپنے بال بھی مردوں جیسے کٹوا لیے اور
 پانچ پینا شروع کر دیا۔ پتے تو شوہر نے بیوی کو کھایا کہ دیکھ نیک بخت میں نے سروے نہیں بلکہ ایک حد سے شادی کی
 ہے اور کہہ کر میرے لیے حدت ہی کی کہ پہنا چاہیے۔ تو یہ راز اور راز نہ خفیہ کی کوشش نہ کہ چھ کو گھر والی دیکھ کر ہلاو نہیں
 تھکے جب ان مسات نے اس کی ایک نہ سنی تو اس نے طلاق کی درخواست شادی کی چونکہ میری بیوی وضع قلع کے اعتبار سے مرد
 بن چکی ہے لہذا میں اس مرد نظر آنے والی عورت تک پہنچی بیوی نہیں بھر سکتا۔ عدالت نے اس کے طلاق کا حق معذرا اور محض اس
 مردانہ بی نے اس عدالت کو اپنے شوہر سے علیحدہ کر دیا۔

مردانہ پر ہی نے اس عورت کو اپنے شوہر سے چھوڑ دیا۔
 طاقت نے اس مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہی کہہ دیا کہ یہ بیوی کا ہر مرد زانیہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کو اس بات پر مجبور کرے کہ
 وہ ایک مرد نظر آنے والی جنس کو یہ بھیجے۔ یہ عورت نہایت آسانی سے اس وضع کو ترک کر سکتی تھی اور عورت ہی کہہ سکتی تھی
 مگر اس نے شوہر کے جذبات کا خیال نہ کیا بلکہ اس کو غور کرنا چاہیے تھا کہ اگر اس کا شوہر اس کو ترک کر دے تو اس کا کیا حال ہوگا

طرح کے بل بٹھاتا تو بھی ایڑی کا جو تاپہنے لگتا۔ ایک اپ کا ہنڈ ہو جاتا تو خود اس کے لیے کس حد تک ناقابل برداشت ہو جاتا اس طرح وہ مردانہ وضع اختیار کے اپنے شوہر کے لیے ناقابل برداشت بن چکی ہے اور اس پر تو صرف کس کے دل کو ترک کر کے لگی تو سوتے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ اس کے شوہر کی درخواست منظور کر کے اس کو حقوق کا حق حاصل کر لے۔ اور اس کے مطالبہ کو حق بجانب سمجھا جائے۔ وہ عورت یہ فیصلہ سن کر یوں سینے منگڑ کے کٹھ لیتی ہوئی نہایت اہمیت سے چمکی اٹھ رہی تھی اور وہ بھی ایک مرد بیوی سے نجات حاصل کر کے سکھوش ہو گیا۔

یہ حالات اس ملک کے ہیں جہاں جو قزن اور مردوں میں بہت زیادہ فرق نہیں ہونا مگر ملک میں ان ذمہ داریوں میں عورت اور مرد میں جو فرق محض ہے وہاں یہ فرق اتنا بڑھ گیا ہے کہ عورت کو مانہ تعزید کا یہ طعنہ ملے کہ وہ بھی کبھی نہ کبھی جب کوئی "پسٹون آرا بہم" نظر آجاتی ہیں تو مرد و عورت کو ناشرع کر دیتے ہیں کہ اب یہ کیا زمینیں اور کیوں اس فرق کو قائم نہیں جو عورت اور مرد کے درمیان ہونا چاہیے۔

(۵)

مفتی امراض سے احتیاط برتنا اور اپنے کو بچائے رکھنے کے ضروری ہے اور اس احتیاط کے ہم خود عالمی ہی گروہ میں اہل اہل برطانیہ کی طرح نہیں جو اس دہم میں مبتلا ہیں کہ پاکستان ولس بڈریف ڈاک ان کو چیک ارسال کرنے میں ہرگز نہ صرف ہیں اور اس کو نہایت خود غرضی سمجھتے ہیں کہ ایسے ایسے چیک کے مرے خود ہی کویش اور قدر افتادہ اہل برطانیہ کو اس سے محروم نہ ہنچے دیں۔ چنانچہ ان برطانوی مصلحت مندوں کا خیال یہ ہے کہ یہ پاکستان والے نہ صرف نفع کے طور پر ان کے لیے چیک لے کر جاتے ہیں بلکہ خطوط ایک دوسرے چیک کے جراثیم بھر کر بھیجے جاتے ہیں لہذا ان کے اکثر مصلحت مند یہ کہتے پھرتے ہیں کہ یہ خط میں لکھے ہوئے چیک کے پیام آتے ہیں

کس قبامت کے یہ لے مرے نام آتے ہیں

لندن وغیرہ میں کیفیت یہ ہو گئی ہے کہ جہاں کوئی پاکستانی راستہ میں نظر آیا اور چلے گیا یہ انگریز سر پر ہر ملکہ کو چلاتے ہوئے کہ ہے

آیا آیا پاکستانی بھاگیں سارے لوگ

اوپر اوپر اچھا خاصہ اندر چیک روگ

ریڈیو اور ٹیلی ویژن والے اور بھی اس دہم کو ہر اسے شہ ہے چنانچہ ابھی پچھلے دنوں ایک ڈاکٹر صاحب ٹیلی ویژن پر اس کو بتا رہے تھے کہ چیک کے جراثیم خطوط، اخبارات اور کپڑوں کے ذریعے منتقل ہو سکتے ہیں اس خبر کو ان کا ایک اخباری رپورٹر لکھ بھی لے آؤ۔ نتیجہ یہ کہ ڈاکٹروں کے ملازمین نے پاکستانی ڈاک کو انڈر گانے سے انکار کر دیا اور پوسٹ میں انہوں نے صاف کہہ دیا کہ صاحب جان ہے تو جہاں ہے ہم یہ پاکستانی چیک میں مبتلا ڈاک تو ہرگز تقسیم نہ کریں گے ان خطوط میں محبت نامے نہیں چیک نامے برسے ہوئے ہیں ان پاکستانی اخبارات میں خبریں نہیں چیک بھی ہوئی ہے اور جو کہ یہ خطوط پاکستانی اخبارات

شریک لبر کے لئے یہ تمام تو اس کے قریب ہی دجائی گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستانی ڈاک تقسیم نہ ہو سکا اس کے
ڈاک خانوں میں دھوکے ہوئے۔

اب لندن کے کچھ بے ادب نے اعلان کیا ہے کہ پاکستانی ڈاک کی تقسیم شروع کر دی گئی ہے اس لیے کہ اس کا اپنی مسرت
ہر چاہے اور ج کڑی اس میں چیک کے عوام نہیں گذر سکیں کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ یہ بظاہر افراد و دراصل چاہتے
ہیں کہ ہر پاکستانی خط و اخبار کے ساتھ اس کے متعلق ایک نئی سرٹیکٹ بھی آجائے تاکہ اس خط و اخبار کا جانکابہ
سنگہ کیا جا سکے اور اس بات کی تصدیق کی جاتی ہے کہ یہ خط و اخبار چیک میں ہرگز جلا نہیں ہے احتیاط اس خط
یا اس اخبار کے چیک کا پیکر بھی لگا دیا گیا جس اور اس کے اندر بھی ایک ٹیکہ لکھتے ہیں تاکہ اس خط و اخبار کو وصول کرنے والے
چھوٹے ٹیکہ اپنے دل سے اس کے بعد خط و اخبار نہ پڑے اور چھوٹے اخبار کے غائب رہے یہ بھی لکھا ہوتا چاہیے کہ —

نامہ کو کھولنے کا خدا دیکھ جلے

چیک کا ٹیکہ کہ پاس میں نہ حال کے

کو ایچ میں چیک کے پھیلتی برطانیہ میں پاکستانیوں سے اس ضرورت میں ہے کہ وہ بے محنت چیشان میں
کو کپی تو کیا کریں۔ وہ ان کے کام ہر گز میں ان کو کھینے نہیں دیا جاتا ہے۔ ریسٹورازوں کے دھوکے نے پاکستانیوں کا وہ خط و
فراڈ سے دیا ہے۔ انگریز دوستوں نے ان سے ہاتھ دھوا چھوڑ دیا ہے اور اس کے قائل ہو گئے ہیں کہ ان پاکستانیوں سے سخت
صاحب سلامت قدر کی اچھی۔ بسوں میں ان کو جگہ نہیں دی جاتی۔ ٹیکسی ڈرائیور بھی ان کو ٹیکسی میں بٹھانے سے صاف انکار کرتے
ہیں۔ اب وہ دیکھ لیں کہ بھائی ہمارا چیک سے جاڑا یا جاڑ کر کئی تھکن نہیں ہے۔ ہم تازہ دولت میں نہیں ہمت سے بیان
رہے ہیں۔ یہ کہیں کہ جواب میں دیا جاتا ہے کہ تم کو خود چیک سے معاف مگر دوسروں کو چیک میں ضرورت ہو کہ دو گے۔ تم چیک خود
نہیں لاتے مگر تم کو تحائف معزز پاکستان سے ہاتھ لے چیک بھی دیتے ہیں۔ لہذا بحیثیت پاکستان کے تمام اگلی اعتبار نہیں۔
کہ ترک ہمارے یہ چیک آگئیں بن جاؤ اس چیک نے برطانیہ میں تقیم پاکستانیوں کی چیک ایسی اچھا ہے جو کسی طرح
نہانے نہیں سکتی۔

چیک کے ٹیکے تو مدت ہوئی ایجاد ہو چکے ہیں مگر ہم کے ٹیکے چونکہ اب تک ایجاد نہیں ہوئے ہیں لہذا برطانیہ میں
چیک کے بدلے وہ کم کی دیا جیسی ہوتی ہے۔ وہ کم کا مروج تو یہاں کے تھان کے پاس بھی نہ ملے چنانچہ یہ وہی برطانوی آج کل
مجیب و خریب حرکتیں کر رہے ہیں کہ پاکستان سے جو خط و اطوار اخبارات ملتے ہیں ان کو اصل پتہ پر پہنچانے سے پہلے ہسپتال
میں داخل کر دیا جاتا ہے اور بہتر حالات پر مٹا دیا جاتا ہے اس کے بعد ان کا ایکسپریٹ وغیرہ ہوتا ہے کہ ان کے خوں کا سائز کیا
جاتا ہے ان کو دیکھ کر ہسپتال میں رکھ کر دیکھا جاتا ہے کہ ان کے چیک پر نہیں لکھی اس کے بعد اگر وہ صحت یاب ثابت ہو
میں تو ہسپتال سے نکال کر ان کو پوسٹ میں کے حوالے کر دیا جاتا ہے ورنہ وہ چیک میں جلا ہو کر دی کی ڈگری میں دفن ہو جاتے
ہیں یا ڈویژنل فزیشن کے قبرستان میں ان کی تجویز و تکلیف کا بندوبست کر دیا جاتا ہے۔

اس قسم کے توہم پرستوں کی ہمارے یہاں بھی کوئی کمی نہیں ہے نہ ہمارے گھنہ رنگ ایسے ہیں جو چاہے یا تو لوگوں کو تیر چرتا

ہوئے گھر سے جوتے ہیں اور جب تک صاحب ملک کا تعلق نہ ہو جس ان کو یہ نہیں آتا۔ ایک بزرگ ختم کیا ہے جس کی
 بے ساختگی سے اس کے سامنے کسی کو چھپک آگئی وہ اس طرح اسے کہہ کر گھانٹتے کہ گھانا ان کے گھر سے
 گئی ہے اور ان کو یہ یقین ہو جاتا تھا کہ اب ان کا جائزہ ہونا مشکل ہے۔ وہ ضرور غور میں مبتلا ہوں گے۔ اور یہ غور
 جاہل و نادانیت ہر گاہ تک کہ جب ان کی ایک سبز زرد کاغذ میں انتقالی ہوا اور انہوں نے قیامت کو گندھا کہ نہ وہ گندھا
 قیامت تک سرگرم ہے مگر ممکن ہے کہ اس کے جراثیم زندہ ہوں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ احتیاد نہ کرنا چاہیے مگر اب یہی چکیا احتیاد
 احتیاد اور کچھ نہیں ہے کوئی فرق ہی باقی نہ ہے۔

(۲۶)

اندازہ یہ چاہیے کہ گھر نہ بلورائیم ہم اور ڈائیڈروجن بم وغیرہ سے بھی اتنا نہیں ڈرتے جتنی ان کی دوز چپک سے فتنہ ہوتا
 ہے چنانچہ اگرچہ برطانیہ میں کیفیت یہ ہے کہ جہاں ان کو کوئی پاکستانی یا بھارتی نظر آدہ جو تھوڑے سے ہر ملک کر چکا کھڑے
 ہوتے ہیں کہ یہ شخص قریب آیا اور وہ چپک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ برطانیہ میں اسے دالے پکستا خیر کہ سخت پریشانی ہے کہ وہ
 آخر ان انگریزوں کو کس طرح یقین دلائیں کہ ہم ٹیکہ لگا چکے ہیں جب تک وہ اپنا بازو دکھوں تو یہ تک ہے کہ ہر جگہ چلتے ہی
 پتلے تران کا ہارہ ہوا کہ اپنے ٹیکے کو نمایاں کرنے کے لیے وہ اپنے بازو کے پیشانی پر ٹیکہ لگا کر انٹرونگ دیں تاکہ ان کی صورت
 دیکھنے والے اس ٹیکہ کو بھی پہلی ہی نظر میں دیکھ کر مطمئن ہو جائیں کہ یہ ٹیکہ چھوٹے کو مستثنیٰ و اعداد بنانا اور لگنے کے ٹیکے کو
 پیشانی پر چپک لایا کہ اگر اب ان کی کچھ میں نہ آسکا تو اب انہوں نے یہ ترکیب کی ہے کہ اپنے خلاف اس نفرت اور گمانی
 کو دور کرنے کے لیے وہ ٹیکہ لگا کر اپنے کاروں پر ایک بلا آویزاں کر دیتے ہیں جس پر لکھا ہوتا ہے کہ "بچے ٹیکہ لگ چکا ہے۔"
 بچے لگنا شاذ کامن دینتہ سوسائٹی نے تیار کئے ہیں جن کی ہنر میں ہر پاکستان کا بڑا اور لکنا شاذ کا شرمز کا بڑا ہونا ہے
 اور یہ عبارت بھی ہوتی ہے کہ "بچے ٹیکہ لگ چکا ہے" دیکھنا یہ ہے کہ ان قبلوں کا کیا اثر ہوتا ہے۔

برطانیہ تو برطانیہ اگرچہ جہاں کہیں بھی ہیں پاکستانیوں کو چپک کے جراثیم لگ چکا کہ ان سے بھگتے نظر آتے ہیں مثلاً
 ایم سی سی کی جڑیم پاکستان کا دورہ کر رہی ہے اس کے کھلاڑی اب اس خیال سے لرزہ برائے انداز آتے ہیں کہ اب ان کو کڑی بھی
 پہنچنا ہے چپک کا مرکز ہے حالانکہ اب کڑی میں چپک پر قابو حاصل کیا جا چکا ہے اور اس کا بھی انتظام کر دیا گیا ہے کہ ٹھکانہ
 سے یہ کھلاڑی چپک کے ٹیکے لگا کر مغربی پاکستان بھیجے جائیں گے مگر وہ اس کے باوجود مطمئن نہیں ہیں اور طرح طرح کی شرمیں
 ان کی طرف سے پیش کی جا رہی ہیں کہ ہم کڑی کی آبادی سے دور کسی جگہ تمام کہیں گے ہم وہاں کسی سے تعلق نہ لائیں گے ہمارے
 پاس وہاں کوئی آؤ گراف لینے اور چپک ڈینے نہ آئے ہم کو کڑی کے حمام اپنے نزد میں لینے کی کوشش نہ کریں ہم نہ ان کی آؤ گراف
 بکس کو ہانڈ لگائیں گے خاص بات کے دستخط دیں گے کہ ہم نے چپک وصول پائی۔ مثلاً ان کے لیے اسی قسم کے خطرات کے
 چاہتے ہیں کہ ان کو آبادی واقع ہر طرف میں پھرنے کے بجائے ہوائی آڈے کے باہر ہی ایک ہوشیہ ہر شہر یا جگہ لگا۔ اس ہا
 کا بھی احتیاط برتنے چاہئے گی کہ ان سے آؤ گراف لینے کوئی ان کے قریب نہ آئے اور ان کو "چھوٹی ہوئی" لگا کر سہاوا سے قند

کہ وہ جو خطوط اپنے احباب و اعزاء کو بھیج رہے ہیں وہ ان تک نہیں پہنچتے اس لیے کہ وہ خطوط کہ اگر ہندوستان کے لئے
چھوٹے انگریزوں ہی کے نام ہوتے ہیں مگر چونکہ پاکستان سے جاتے ہیں لہذا ان کو پہلے جتنی مسائنہ کے ذریعہ انگریزوں
داخل کروایا جاتا ہے کہ کہیں پاکستان سے آئے ہوئے یہ خطوط بھی چمک میں مبتلا نہیں ہیں۔ سرکاری پوسٹ میں ان کو
سے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ اور جب تک ان میں سے ہر خط کو صحت کا سرٹیفکیٹ نہ ملے دیا جائے وہ اس کو ہاتھ بھی نہیں
لگاتے۔ ابھی تو یہ صرف خطوط ہی کا قصہ ہے مزہ تو اس وقت ملے گا جب یہ ایم سی ایم پاکستان سے اپنے وطن واپس آئیں
اور وہاں ان کھلاؤں کے احباب و اعزاء بھی کہیں گے دوستی اور قربت و مہربانی ہے۔ یہاں تو شریفیہ ہے۔
اس کے بعد مگر کے دروازے آپ پر کھل سکتے ہیں۔ اس لیے کہ آپ کا بھی کوئی اعتبار نہیں کہ غصہ کے طور پر ایک لکھنؤ پروردہ

(۷)

بھارت کے جوشیوں نے جب یہ سبہ ہو وہ حساب لگا رہا ہے کہ ہر فردی کو جبکہ آٹھ سائے ایک ہی رخ میں چھوڑ جائیں
ساری دنیا تھو باہر جائے گی بھارت کے تمام پرست جو ان جوشیوں پر اعتماد رکھتے ہیں سخت جھوٹا ہے کہ ۔
جائیں تو جائیں کہاں

وہ تو کہتے ہیں کہ ان جوشیوں نے یہ بتایا ہے کہ صرف بنارس ایک ایسا مقام ہے جو ان تباہیوں سے بچ جائے گا لہذا
اب جس کو دیکھتے وہ منہ اٹھائے بنارس کی طرف چلا آ رہا ہے چنانچہ اب بنارس کا یہ حال ہے کہ وہاں نہ کسی پرل میں ترقی و حرکت
کی جگہ باقی رہی ہے نہ کوئی مکان کو ایہ پرہتا ہے نہ کسی سرے میں کسی کی سائی ممکن ہے۔ یعنی اور کہیں یہ قیامت آئے یا نہ آئے
بنارس میں تو میدان حشر کا سامنا کرنا ہی سے شروع ہو گیا ہے اور اندازہ یہ ہے کہ بنارس آف ولے چاہے اس قیامت سے بچ
جائیں مگر خود بنارس کا بچنا مشکل ہے۔

بنارس کے علاوہ ان لال انجھڑ جوشیوں میں سے بعض کی فہمی یہ بتاتی ہے کہ بھارت کے دوسرے چند مقامات بھی ان
جائیں گے خصوصاً وہ تمام مقامات جہاں جوشیوں کے جو تیرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہاں اول تو لوگ مری گئے کہ اوہاگر مری گئے تو
ان کو روانہ حاصل ہو جائے گا۔ ان جوشیوں نے بتایا ہے کہ بھارت میں اس تباہی کے نہ ہونے میں آ رہی جاتا اگر اس کا نام انڈیا بلکہ
مجلتے بھارت نہ رکھ دیا جاتا بلکہ اب بھی بھارت کے صرف وہی لوگ بچیں گے جو اس کو انڈیا نہیں کہتے۔ وہ گئے وہ لوگ جو
اب بھی ماٹھے انگریزیت کے اس کمانڈ یا ہی کہتے اور سمجھتے ہیں ای کو تو چاہیے کہ وہ اپنا کام شرافت کر لیں اور اپنے کربا کو کم
کا ہندوستان کر کہیں اس لیے کہ ان کے بچنے کی کوئی صورت نہیں اور وہ سب سب ہم فردی کو "ریم نام سنت" ہے کہ مستحق
ہی کہ وہ جائیں گے اور سارا ملک ایک عظیم الشان گھٹ ہی کہہ جائے گا۔

اس تو ہم پرستی ہی صرف ہندو جہلا ہی مبتلا نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے پڑھے لکھے اس جہالت کے فانی تحصیل ثابت
ہو رہے ہیں مثلاً اتر پردیش کے سابق وزیر اعلیٰ ڈاکٹر سپورنا مندرجی کو لوگ پڑھا لکھا آدمی سمجھتے تھے مگر وہ صورت سے پڑھے
لکھے نظر نہ آنے کے بس معتبر لوگوں کا بیان یہ ہے کہ وہ اپنے جہلی میں نہیں ہیں جتنے صورت سے نظر آتے ہیں اپنی جہالت اور

وہی کہ شکر ہے جس کا وہ بھی ہر فرد کی کائنات خود کا حصہ نہ سمجھے ہے۔ ان کو بھی جو شکر ہی بڑا دھن
چھوٹا کا جو شکر ہے کہ میں غصہ نہ کرے گا اور قابلِ عقیدہ نہیں ہے۔ تلوے نہیں کہے کہ تمہارا خدا کا ہے کہ
مہر فرود کی کہہ لیا اسکو خود ہے اور فرختم نہ ہوگی لیکن یہ بدست قسم کے زمانہ میں کے مصلحتوں پر پا ہوں گے اور باسی اگلا
یہ ادھکے شکر ہے جس کا وہ بھی شکر کا کوئی خود نہیں ہے۔

جس وقت کے یہ خوشی ہی میں جیسا کہ قسم کے بلکہ ہی مثال میں عوام خوفِ مذہب اور باطلوں کے شکر ہے جس میں اس وقت
نہروں کو کچھ بچہ ہے کہ یہ سب سے پہلے ہی یہ ہو چکے کہ باطل ہے اس میں سے کہہ دیں۔ ہنگامہ جس کے کائنات نہرو
جی جیسی ہے نہروں کے ہونے کے دل ہی دل میں مہر وہ۔ یہ سب کاغذ ہوں مگر وہ نہروں میں ہوا کہ خدا انہوں نے یہ کہہ کر کہنا
ہے کہ یہ تمام میں کوئی نہیں خدا ہی اور جو شیردہ ہے اس اس میں سے کہ اگر وہ بھی کہہ نہ تو اور مہر وہروں کے شکر ہے
گن گئی وہ عوام اس کے کافی ہو جائیں گے۔ اور اگر خوشیوں کا جس وقت ہے اور یہ تمام اس میں سے کہہ دیں ہی کی طرف سے
اشد کہ ہے جس وقت نہروں کو کچھ نہروں کا کہہ کر کہہ شکر ہو سکتا ہے سب سے پہلے خدا میں خدا ہی کے کھڑے
ہندو نہروں کو کچھ نہروں کے شکر میں خدا ہی کے کھڑے شکر ہوں گے ہندو نہروں کے ہونے ایسی بات کہ
دی ہے کہ اگر غیرت ہی تو وہ ہے جس میں گے۔ اور اگر غیرت نہ ہو تو موت ان کی ہر ہر دھڑکے کی

ان خوشیوں نے ہمارے اس سے ہمارے ہر ہر دھڑکے میں ہیں آٹھ سنہ ایک ہی وقت میں جس میں ہر گئے تھے تو خدا
میں کنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔ اور مہاجرات میں خوفناک جنگ کا آغاز ہو گیا تھا مہاجرات کی تاریخ کے کتاب میں کویتانے
کی صورت نہیں کہہ۔ مگرٹ وارہ قسم کی کوئی چیز نہ تھی۔ خود خدا ان کی دہائی جڑیں میں میں وہ دونوں طرف سے کہہ تھے
دھیر پلے تھے۔ اگر یہ ایسی ہی ہونا کہ جنگ ہوتی اور چار ہزار دوسرے ہزاروں میں سے واقعی قیامت برپا ہوتی ہوتی۔ تو
آج اس ہی قیامت کی پیش گوئی کرنے والے موجود نہ ہوتے۔ ان کی ساری نسل اس وقت ختم ہو گئی ہوتی اور ان کو تباہ کرنے
کے لیے اب ان آٹھ سہولوں کو ایک ہی طرح میں آنے کے زحمت نہ آٹھ سہولتوں۔

جس وقت میں وہ اصل شکست یہ جلدی ہے کہ عام انتخابات کے پیش نظر کانگریس ایسی شورشیں برپا کر رہی ہے۔ کہ
جس وقت عوام اس کی دیرینہ کوتاہیوں اور نا اطمینان کے بجائے اس شورش کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اور وہ اس طرح عوام
کی توجہ ہٹانے کی ایک شورش کی بازی جیت لے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ مخالف پارٹیوں نے کانگریس کی اس ترکیب کا توڑ یہ سوچا ہے
کہ عوام کی توجہ ان شورشوں سے ہٹا کر ہر فرد کی قیامت کی طرف مبذول کر دیں اور ہر فرد کی گزریا نے کے بعد یہ
ایک ہر فرد کی غلط کامیابی تھا نہ تاریخ واصل مہر ہے اور جب تاریخ میں کوئی کامیابی ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس
بعد اپنی اور مہر ہے۔

تو دیکھ لے گا کہ جب فرد کی کوئی نہ ہو گا تو یہ خوشی اور یہ مہر نہا خدا سب میں کہیں گے کہ یہ آیت تو ایسی ہی تھی
مہر نہروں کا لٹ اور گیان دھیان سے اشکال دیا ہے ہندو نہروں اس کے ہے کہ اس پر جاننا اور گیان دھیان کا سلسلہ
رکھیں۔ ورنہ اگر اس سے خدا ہی غافل ہو گئے تو ایک ہی طرح میں ہٹے ہٹے یہ آٹھ سہولت قیامت و عوام کے معلوم ہو کر

کہ ہر جنوری کو وہاں ایک عظیم الشان یگیہ بھی شرمج ہو جے جس کا اختتام ہمارے کے ساتھ ملجا جئے کیا چھٹا جنوری کو
خیریت سے گزر گئی تو اس کو اس گلیہ ہی کی کرامت کہا جائے گا۔ مختصر یہ کہ اس سالے جیل اور اس منہ تو ہم دیکھ کر جیل اس کے ہوتے
کسی طرح قیل و نہال کا حالے گا۔

(۸)

اس خبر سے ہمارے زندان باور وشن کا سارا فتنہ ہری من گیا ہے کہ حکومت مغربی پاکستان میں طبر و شرب نوشی کا طریقہ
خودی پر پابندی قائم کرنے کے سواں یہ خریدگی سے گھر کر رہی ہے اور جو بھجی میں تہہ جاری شدہ پر مشوں کا از میر نو جانہ لیا
جائے گا۔ اس لیے کہ اب صرف ان ہی لوگوں کو پرمٹ دیتے ہیں جن کو واقعی طبی طور پر شراب نوشی کی ضرورت ہے
باقی جتنے رگ شوقیہ طور پر شعلہ زبانے ہیں اور محض غم غلط کرنے اور آپس سے ہا ہر کرنے کے لیے شراب پیتے ہیں ان سے
نہا جائے گا کہ وہ پہلے ماضی یعنی کی کوشش کریں بجائے شراب کے وادہ ہیا رہیں۔ شراب خور نے بے اپنے کو شیر خوار
بنائیں تاکہ ان کو محسوس نہ کیا جاسکے لیکن اگر وہ دودھ پیتے تھے جتنا نہیں چاہتے تو جی ان کے پیسے کے لیے بہت سی چیزیں
ہیں کو گا کو لا پیس۔ میں اسکو شیش پیس۔ گئے کارس پیس۔ کافی پیس۔ وہ کسی شراب اس کو اب مشروب کی نہیں صرف دوا کی
جیثیت ہی حاصل ہوگی اور ڈاکٹر جس کو نسخہ میں شراب لکھے گا وہ جہاں شراب ہی کے گا۔

اس پابندی کے قائم ہونے سے بعد ہمارے زندان باور وشن اپنی سدرستی اس مرض پر قربانی کرتے نظر آئے ہیں گئے
جس کی دوا شراب ہو وہ اب بیماروں کو رشک سے دیکھیں گے جن کو وہ مہلک مرض ہو جو ڈاکٹر سے نسخہ میں شراب لکھو اسکے اور
اس کے بعد وہ ڈاکٹروں کے پاس محض یہ دریا نہ کرنے جایا کریں گے کہ وہ کیا تہہ میری بھی پر عمل کر کے ہم اس بیماری میں اپنے
کو مبتلا کر لیں جس کے علاج کے طور پر ہم کو شراب کا پرمٹ حاصل ہو سکے۔ ڈاکٹروں سے اس سلسلہ میں دو سنیاں پیدا کی جائیں گی
سفارشیں پہنچوائی جائیں گی کہ کسی طرح ان مختصر کو وہ بیماری پیدا کر دیں جو ان کو شراب کا حقدار بنائے۔ اب تک ڈاکٹر کا کام
ہوتا تھا کہ وہ بیماریوں سے مریض کو نجات دلانے کے گلاب ڈاکٹروں سے ایسی بیماریاں پیدا کرنے کی فرمائش ہوگی جن میں مبتلا ہو کر
شراب پینے کی اجازت لی سکے۔ ڈاکٹر تو ڈاکٹر اب تو وہ مریض جی بے حد ہر دہرہ زہن جائیں گے جن کے پاس مشوکے پرمٹ
ہوں گے تاکہ ان سے ماسم بڑھا کر اس کا مرقع مل جائے کہ ان کے مشوکے ہام ہو سکیں اور یہ شعلہ جاری رہ سکے ان سے اس قسم
کے معاملات طے ہوا کریں گے کہ پرمٹ تھا یا نہیں ہلتے۔ جس تھا یا علانیہ ہارا۔ بیا و تم جو دھاپہ ہم نہیں اور فائدہ دونوں کو کچھ
یعنی تم کو مفت کی شراب ہم کو بھر مرض کے دوا۔

پرمٹ تو خیر اب بھی رائج ہیں مگر جب ان کی از مرزو جانے پڑتالی ہوگی تو بہت سے عقیدہ رکھیں گے اور بہت پرمٹ
بند ہوں گے اس لیے کہ آج کل تو حال یہ ہے کہ کسی کے پاس اگر دوسرے کے تحت پرمٹ موجود ہے تو کسی نے بصری کٹ پرمٹ
حاصل کر رکھا ہے۔ کسی کے پرمٹ کو ایہ پرچلتے ہیں تو کسی کے پرمٹ اور دوسرے ہمان چلتے پھرتے ہیں اور ہر چلتے والے کسی نہ
کسی طرح پرمٹ حاصل کر رکھا ہے اور سب خوش ہیں کہ ان کو اتنی شراب حاصل ہے کہ محلہ کے طرح اس میں اپنے کو تیرتا رہا

کام چکا خدا کہے ملک امیر محمد خان کی یہ کوشش کا عیب ہوئے اس لیے کہ جب تک ہر مضمون پر لکھنے والے کی طرف سے
 جو بھی بہتر نتائج کی امید کیڑی ہوگی جاسکتی ہے یہی بات قرینہ ہے کہ - م
 ہر کے راہبر کاوے ساختہ
 ہمارے ہاں اپنی صلاحیت کی کمی نہیں ہے مگر گڑبڑ تو یہ ہے کہ صحیح کام پر غلط آدمی اور غلط کام پر بھی آدمی اگر لگے ہوتے ہیں
 تو کام کیڑی ہو جاتا ہے۔

(۱۰)

خدا خدا کر کے ہم کو اب اس بات کا خیال پیدا ہوا ہے کہ ہمارے اردو دن میں جو انگریزی زبان انگریز لکھنے والے ہیں یہ کچھ
 پھری گشت سے کچھ مٹی کھانے والی بات ہے اور اس سے صرف یہی اندازہ ہوتا ہے کہ انگریز تو چل گیا اور انگریزی کو ہم سے چلا
 گیا ہے کہ یہ سوتیلی زبان ہمارے لیے خدا جلے کیوں مادی زبان بنی ہوئی ہے کہ ضرورت اور بے ضرورت ہمارے بے شمار افراد
 انگریزی جھاڑتے نظر آتے ہیں وہ نہ صرف انگریزی جانتے والوں سے انگریزی پڑھتے ہیں بلکہ جو انگریزی نہیں جانتے وہ
 بھی انگریزی ہی بولنا چاہتے ہیں اور ہر جگہ مجبوری اگر ان سے اردو بولنا پڑتی ہے تو اس تکلف سے چب چاکر اردو بولتے ہیں
 گویا وہ بے کسے چنے چارے ہوں اور سخت تکلیف میں مبتلا ہوں۔ بلکہ ہمارے یہاں ایک طبقہ وہ بھی ہے جو عام طور پر انگریزی
 نہ جانتے والوں سے انگریزی بولتا ہے اور اگر کوئی انگریزی جانتے والا ان پر نازل ہو جائے تو ان کی انگریزی تو برا سمجھتی
 ہے اور بھلے مانسوں کی طرح جھٹ اُردو بولنا شروع کر دیتے ہیں۔

اصولاً اب انگریزی زبان کا صرف یہ مصرف ہونا چاہیے کہ اگر کسی بیرونی ملک کے کسی مصلحت سے تباہ خیال کوڑھو
 جو اردو نہ جانتا ہو اور جس کی زبان آپ نہ جانتے ہوں تو اس قسم کے موقعوں پر اس سے انگریزی بدل جائے اس لیے کہ اگر ایک
 جاپانی کی زبان آپ نہیں سمجھ سکتے اور اپنی زبان اس کو نہیں سمجھا سکتے تو اس مشکل کا حل انگریزی زبان ہی ہو سکتی ہے لہذا ایک
 بین الاقوامی زبان کی حیثیت سے انگریزی پڑھنا ضروری ہے مگر جیسے انگریزی پڑھنے کے قائل نہیں ہو سکتے کہ تو انہیں کی
 چال چل کر اپنی چال ہی بھول جائے یعنی انگریزی پڑھنا جائے اور اردو بولنا جائے اور جب پڑھ لکھ کر کالج سے گھر آئے تو اپنی
 پڑھی ماں سے بھی انگریزی بولے اور نوکرانوں پر بھی انگریزی ہی جھاڑے اور جب کسی کے ہاتھ کچھ نہ پڑے تو پھر بولیں بس اسے اردو
 اس طرح مثلاً شروع کرے کہ -

”او آئی سی۔ آپ نہیں سمجھا۔ ہم آؤ نہیں۔ وہ مانگتا ہے اس کو آپ

کیا بولتا ہے وہ جو مرغی کا بابا لوگ بننے سے پہلے کی چیز تھامے ہے“

اور اگر ماں نے یہ پہیلی بوجھ کر کہہ دیا کہ -

”اے بیٹا تم انڈیا نہیں کہہ رہے ہو“

تو یہ ایک دم اچھل پڑتے ہیں یہ میر لڑا۔ انشا۔ بالکل انڈیا کیسے ہے اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ہم اتنی دیر سے انڈیا ہی مانگ

یہ تو انگریزوں کے نہایت ہی بڑا سبب رہا، کہ جب جواب میں اس سکول اور سبھی فائدہ سے نکل کر
 انہیں یہ جان کر مل نکل کر انگریزوں کے کوشش کا حق ہے کہ اگر خدا خواست آئندہ کامیاب ہو اور پھر چھٹا تو وہاں
 رہا ہو گا۔ مگر یہ حقیقت صرف چند اوصاف پر مشتمل ہے ہم تو ان لوگوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو متحدہ انداز پر موقوف
 رہیں۔ بلکہ یہ جان سکیں ہیں ان کے لئے انگریزوں کی تجدید شروع کر لیتے ہیں اور ان میں شکر کرتے تھے میرا سزا دے گی کہ
 انہیں اگر کسی نے ان کو آئندہ دوسرے میں لانا تو خدا جانے کیا کرنے کا نام کرے گا اس میں شک نہیں کہ بعض صورتیں انگریزوں
 کی ترقی صحت پر تھکے۔ مثلاً کوئی ایسی بات کرتا ہے جو شریف اور بشیر کے سامنے نہ کرنا چاہیے تو وہ بات اچھا ہی ہے
 اور انہیں دیکھتے ہیں یا تو وہ بات ہی نہ ہوتی ہے اور اگر کسی طرح ہنسنے پر مجبور ہو جاتا ہے تو انہیں دیکھتے ہیں
 وہ ہنسنا ان لوگوں کی عجزیہ جاتی ہوں۔ یا اگر کسی پر محضہ چلی ہے تو ہنس رہی ہے کہ وہ محضہ انگریزوں میں کیا جانتے
 اس لیے کہ انگریزوں کی زبانوں کی گلیاں تو ان کے سامنے بے نسبت چلی جاتی ہیں اور وہ ان کا جواب نہ دیتے ہیں ان
 انہیں سنا جاتا ہے وہ ان کی گلیوں پر شکر ہوتا ہے کہ وہ ان کی جواب دیتے ہیں گلیوں میں سے تو ان کے کوشش کرتا ہے تو
 انہیں دیکھتے ہیں تو انہیں دیکھتے ہیں کہ ان کی زبانوں میں خود کو ان کی جواب دیتے ہیں گلیوں میں سے تو ان کے کوشش کرتا ہے تو
 یہ ہے کہ محضہ آتے ہی انگریزوں کی شروع کر دی جاتے تاکہ حوت آرد کامیاب ہو سکے اور ان کے ہونے کا ایک
 نیر و باطنی پیدا ہو۔

خدا کا شکر ہے کہ ہمارے راولپنڈی میں بھی بعض ممتاز شخصیتوں نے یہ محسوس کیا کہ انگریزوں کی زبانوں کے بعض کوئی
 اچھی چیز نہیں ہے کہ میں کو دیکھنے لکھنا انگریزوں کی جہاد ہے۔ یہ لوگ انگریزوں کی سب سے بڑی خدمت گاہ بن گئے ہیں اور
 آئندہ رہنے کی قریب جاتے ہیں۔ ان میں نہ کہ بہت سے بیکار۔ وہ کہیں۔ بڑے بڑے وغیرہ ہیں۔ جنہوں نے ملے کیا ہے کہ
 سمجھا گیا کہ انہیں آئندہ رہنے کی کوشش کریں گے۔ کس قدر حیرت انگیز بات ہے۔ یہ بھی آئندہ رہنے کی گویا کوشش کرنا ہے۔
 اور آئندہ راولپنڈی پیدا کرنے کی جدوجہد کرنا ہے۔ آئندہ وہیں سے مراد ہے کہ وہ کوشش کریں گے کہ ہمارے دکاندار رہنے
 لائیں کہ انگریزوں کی کھنچ چھوڑ دی اور اپنا سائن بورڈ آئندہ وہیں کھولیں۔ دکاندار تو دکان کی کیفیت پر ہے کہ جس کو وہ دیکھتے
 فلم کی حقو انگریزوں میں بھی ہوتی آویزاں ہے خواہ کھر والا کھر کے اندر میٹھا، گلی سے کھیر چاٹے، راجہ اور کھتری چارہ کی پٹلا
 حقو پر راجہ وغیرہ وازے پر انگریزوں میں لکھا سائن بورڈ اس طرح آویزاں ہے کہ گویا یہ کھر نہیں انگشتاں ہے۔ اور اس میں
 صرف ان ہی لوگوں کو آنے کی اجازت ہے جو انگریزوں میں ان کا نام پڑھ کر سکیں۔

دکانوں کے سائن بورڈ مشرف برآمد کرنے کی نہایت منظم قریب لاکھوں میں شروع کی گئی ہے اور اب راولپنڈی میں
 بھی دکانداروں سے کہہ رہے ہیں کہ وہ اس آئندہ ملک میں انگریزوں کے سائن بورڈ، انگریزوں کے لٹکانے بیٹھے ہیں۔ جس کی وجہ سے
 بے شمار لوگوں کو جی انگریزوں نہیں جانتے دکاندار سے پہلا سوال یہ کہ تا پڑتا ہے کہ آپ آخر چیتے کیا ہیں۔ اور یہ کسی چیز کی دکان
 مثلاً دیکھتے خاص لٹوہ پڑے ارق اور بالو شہری کی دکان ہے جس کا کوئی تعلق نہ ہو کھیت۔ ٹوٹی یا کسی امداد انگریزوں کی صفائی سے بہتر

مگر سائے پر ڈاٹگریزی میں لکھا ہوا ہے۔ واقعہ ہونے میں آپ خوارہ اور شوارہ سے والے روز کو سائے پر ڈاٹگریزی میں لکھا ہوا ہے۔ معلوم یہ ہو کہ صرف اسکرٹ اور پلیس وغیرہ سینے میں سکان سے آدھو گتا ہوں کی اور سائے پر ڈاٹگریزی میں لکھا ہوا ہے۔ جس کا انگریزوں سے وفد کا بھی تعین نہیں مگر سائے پر ڈاٹگریزی کا لک رہا ہے۔ ہوئی ہے خالص دلی کا زور کا انگریز کی ملیں تو ہڑلی سے نکل کر سیٹاں میں داخل ہو جائیں مگر سائے پر ڈاٹگریزی کا ہے یہ انگریزی کی بعض نہیں تو لکھ کر کیا ہے۔ طعن آخر تک نہ لیا جائے گا۔

(۱۱)

مردوں کو گھر والی کھنڈے والے موجب طبقہ نسواں میں یہ بیداری دیکھتے ہیں کہ

قوی تر فیوں کی زمانہ میں دھرم ہے

مردانے سے زیادہ زمانہ میں دھرم ہے

تو بجائے اس کے کہ وہ اس کو مردوں کا قوی فرض گھیس طرح طرح کے اخراج شروع کرتے ہیں کہ حلاہ بھی کہلاتے ہیں کہ وہ قوت چلنا اندھی چھوڑ کر لہندی شروع کر رکھی ہے اور بجائے شوہر کی اطاعت کے ملک قوم کی خدمت کا بیڑہ اٹھا لیا ہے۔ ان مردہ کا خیال یہ ہے کہ مرد تین صفت اس لیے پیدا ہوئے ہیں کہ بچوں کے ساتھ ساتھ شوہر کو بھی پانچ دیں اور تیار داری کے انداز سے اپنے کسی اس کی خدمت کے لیے وقف رکھیں وہ جب یہ تو فرستے تھک کر آتے کوٹھ آئے دھندلکاٹا اس کے لیے گرم کر بی اور جب وہ کھانا کھانے کے لیے تو اس کے سر میں تیل ڈالیں وہ بائیں کہ میان تانہ لیں کر آئے ہیں اور اس کھیل میں اینا دان خشاک کے ہیں جس کو آہم پہنچانے کی ضرورت ہے اور جب میان خدا خدا کر کے سو جائیں تو وہ بھی اس نیت کے ساتھ ذرا سی جھپک لے کر صبح میاں سے پہلے بیدار ہو کر کھانا کھانے کو کھکھکھتے ہی سنگٹا ہوا خندہ لے جلتے اور اس کے فوراً بعد جلے بھی بیٹھنے لگ جاتے اور اس کے بعد ہی جب میاں ضرورت یا کھانے پر نہ ہیں مصروف ہو جاتے تو وہ اس کے لیے ناشتہ تیار کر کے کھانا پانچ پانچ دے دے اور فرج جانے کے لیے کپڑے خشک کرنے لگتے ہیں مصروف ہو جاتے اور جب وہ خیر سے دفتر سے جاری تو وہ باورچی خانہ کی چوکہ جلتے کہ فرکھانا بھیجتے ہیں اور دفتر کھانا بھیج کر وہ پھر میاں کی داپسی کے اختلاطات میں مصروف ہو جاتے کہ ان کو اپنا کمرہ صاف کرنا چاہیے وقت پر سر پہر کا ناشتہ کھانا چاہیے اور تیار کرنا چاہیے گھوڑیاں کھانا چاہیں اور اگر وہ داپسی میں چند ستنوں کو ساتھ لے آئیں تو ان کی حکومت کا بھی ہندوستان ہونا چاہیے پھر میاں کی داپسی کے بعد منٹ منٹ پر باہر پانچ جھپکاں۔ بار بار چائے پینا چاہیے کبھی خشک میوہ کھانا چاہیے تو کبھی تر کھانا ساتھ ساتھ ملائے کے کھانے کا بھی ہندوستان کرنا ہے۔ بچوں کی دیکھ بھال کو یا ان سب کے علاوہ ہے۔

اس قسم کی خدمت گزار بیویوں کے لیے یہ شوہر قوم کے افراد بھلائی کیونکہ ہواشت کہہ سکتے ہیں کہ وہ قوی سرگرم ہیں ہی حقت یہاں شروع کر دیں اس لیے ظاہر ہے کہ گندہ قوی کار کی ہیں گھنیں تو ان شوہروں کو اس ناز و نعم سے کئی ہلے گا پھر تو یہی ہوگا کہ دفتر سے آکر یہ چھاکوہ کمان گھنیں تو معلوم ہوا کہ فلاں گرس کاٹے ہیں تو ان کو تقریر کرنا تھی وہاں گئی ہوئی ہیں اور کہہ گئی ہیں کہ بیوی کو کھانا چھپک کا ٹیکہ لگا دینے کا، فلاں بلنہ تقسیم افعات میں ان کا فہام تقسیم کرنا تھے لہذا کہہ گئی ہیں کہ کھانے میاں کے بال بہت بڑھ گئے ہیں

پہلے ٹک میں عموماً اور پنجاب کے دیہاتوں میں خصوصاً اچانے جو خدمات انجام دی ہیں ان کا اعتراف نہ کرنا سوائے ٹک میں کلمہ پکڑ نہیں کیا جاسکتا۔ اچانے کی یہ کارکردگی خواتین اپنے گھر اور اپنے بچوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتیں۔ اور ان قوی سرگرمیوں میں ان کا حصہ بھی ہے۔ اور دونوں کا اہم اور اہم ترین قائم کر لینا ہے کہ اب صرف وہی مرد شاکی نظر آتے ہیں جو عورتوں کو قوم کا نہیں صرف اپنا خدمت گزار سمجھتے ہیں۔ اور شوہر نہ اقتدار کے ایسے مرہون ہیں کہ بیوی کو صرف اپنا ہی تمام دار و مدار رکھنا چاہتے ہیں۔

(۱۲)

ہمارے شاعروں کا معیار حسن بھی گہر میں آنسو والی چیز نہیں ہے۔ اگر محبوب کا قد بالا ان کے نزدیک عشق کا معیار ہے تو بہت قد کا اصول اس معیار سے گہرا ہونا چاہیئے۔ مگر اس حسن شناسوں کو یہ بھی پسند آجاتا ہے اور وہ بھی محبوب اگر گویا ناقص ہے تو اس کو بڑے پیار سے سروسند کہہ کہ اس کی تعریف کے بل باغ دینے ہیں۔ اگر محبوب ٹھنکن ہے تو اس کے قد کو قد ماسا کہہ کر زمینی اسٹیل کے قلابے کا ناشر موع کر جیتے ہیں۔ کچھ میں نہیں آتا کہ ان کی کس بات کا اعتبار کیا جائے۔ اور حسن کا معیار قد بالا کو کچھ جلدی یا بغول ان کے بڑے قد کے حالانکہ اگر کچھ پہننے تو ان دونوں قدوں کے درمیان ایک اور قد بھی ہو رہا ہے جس کو قد ممدوح کہتے ہیں کہ نہ بہت ہی اونٹ نظر آئے محبوب نہ نہایت ہی پڑی گمان معلوم نہ اس قد ممدوح کی بہت ہی کم تعریف کی ہے بہت اگر محبوب تازہ کا تار ہے تو وہ اس کے متعلق نہ جانے کیا لکھتے ہیں کہ یہ تو وہ سوا بیرو ہے جس پر ریح و شمس کی حبشیت اقتاب قیمت کی ہے۔ یہ تو وہ سروسامان ہے جس نے تمام ازل سے انگوٹائی کے ہانے ہاتھ بڑھا کر سارا حسن اپنے ہی لیے لے لیا تھا۔

حسن تمام ازل ہانٹ رہا تھا جس روز
لے لیا ہاتھ بڑھا کر تری انگوٹائی نے

حالانکہ ان بلند قامت حسینوں کا دیدار ان کے پرستار اسی طرح کہتے ہیں جس طرح ہم آپ گھنٹہ گھر میں وقت دیکھتے ہیں کہ آنکھیں تو جلدی یا روکھ نہیں مگر ٹوپی سر سے گہرے بغیر نہ رہ سکے تعریف لکھنوی نے اپنے رنگ میں اسی قد بالا کے حسن کہا ہے کہ

اور تو کیا میں کہوں اس قد بالا کی قسم
اونٹ کی شکل دکھائی تیری انگوٹائی نے

اور اس طرح سروسندی کا لطف تو اس وقت دیا ہوا ہے جب ان کا شہیدائی بہتہ قد ماقع ہوا ہو۔ ان دونوں غالب مطلب کو دیکھ کر کبھی ڈنٹے کی ایسی کیفیت نظر آتی ہے کہ مشنوی زہر عشق کی قسم کی مشنوی شتر گزیرہ لکھنے کو بھی چاہئے لگتا ہے گلاب کیا کیا جائے کہ وہی ناہاں اکثر اسی قسم کی حبت لگا جاتا ہے اور بلبل اپنا دل اسی قسم کی بلندی پہاچالی دیتے ہیں۔ کہ گویا دل کا سپر ٹک میں رکھ کر چاند کی طرف روانہ کیا ہے۔

مگر اس قد بالا کا ایک غور نہ یا ایک کی ایک خبر کے مطابق تو سانا میں پیش کیا گیا ہے۔ جی صاحبزادی کا یہ قد ہے ان کا اسم شریف ثور لیس ہے۔ نسخہ یہ لا فرامجا جیٹ ہے مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ سروسندی میں ان کا کوئی جواب اب تک تو پیدا

یہ نہیں کہ خدا کا خیر خواہ جانے۔ اس بہت آہستہ کی طرف اشارہ ہے کہ اس شخص کا مطلب یہ ہے کہ
 یہی انا کا خدا ہے نہ کہ اور میں خود کہتا ہے مگر اس جودہ سال کی عمر میں ہی اس کو حویلی و خیر
 اللہ خدا تعالیٰ سے چلنے لگانے کا ارادہ کیا ہے کہ یہ قدامت اور بڑے کام میں ہی سے انھوں نے ترمیم
 میں کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ چار سال کی بچی تھی اس وقت میں اس کی دکان کا قدر رکھتی تھی۔ سات سال کی عمر میں خود جو سا
 نہ ہر چکا تھا۔ اللہ جانے ابھی اس کا سبب کیا تھا کہ میں کہنے لگا۔ اللہ جانے وہ صاحبہ کی بہت سے غلوں سے انت کی تھی
 پانچ تھی۔ وہم بھی کہ میں سے قطب جتا رہا ہے۔ ہر صورت یہ دکان اچھی اور ایک قسم کی دکان میں فروخت کی گئی ہے نہ
 پچھلے پر پشیمانی یہ کہیں ہوئی۔ اس سے کہی کہنے کے لیے وہ دکان میں چھپ کر خود کو دیکھ کر بڑا بکاؤ کر رہی تھی
 ملنے والے کا قندہ کان کے قرب جانے۔

میرے کہ قندہ کا وہی خیر خواہ کرنے والے ہر شخص میں تو سو قافی کے ان کو سبب ہوتا۔ سو رو دیکھنے کو سمجھا رہا
 نہ ہلا کہ وہ کہ اس کی سیر حیاں لگا لگا کر زیارت اور اوٹ بر سو رو جو ہو کہ حاصل کرے اس سے شرف پہنکے ہی وہ جاتی جاتی رہے
 زائر حاصل کر دے اس کی رسائی اس زمانے میں ہو یہ لوگ قندہ کا وہی خیر خواہ کریں اور اس کی شان میں کو حویلی اختیار کر کے
 حویلی قندہ سے کہیں۔ اگر یہ حتیٰ اوی شرا کے میں میں آجئے تو منظر یہی نہ دیکھنے والی دیوانی ہستیوں کے ملک کی سیر
 کر لیں یہاں پھر وہ ایک ایک شاعر کو آخا آخا کر اپنی جب جس دکان میں فروخت کر دے ان کی سرودہ کی ساری صفات
 دہری رہ جائے گی۔ مگر صاحب لغت اللہ جودہ برس کی عمر دیکھے۔ اس قوموں نے خدائے تعالیٰ سے غلط ہو کر دیکھے جس پر کہ
 یہ خدا ہی پروردگار ہے۔ اللہ جانے اپنی مدد پر پشیمانی مسماۃ کا عالم کیا ہوا۔ اور وہ کو شامت زدہ اس کے ہر گاہ میں کہ اپنی ندیم
 بنا کر وراثت کے میں زبردہ بنے گا۔ اور چلتے پھرتے والا خلع کر اپنی نہ جیت میں بے کمال دکھائے گا۔

دیکھنے کو تو ہم نے ہی بڑے بڑے فنکار و افسانہ دیکھے ہیں بلکہ بعض رنگ تو ایسے ہی نظر آتے ہیں جو کہ دیکھ کر یہ شبہ
 ہوتا ہے کہ اصل ان کے سر پر برت کی ہوئی ہرنا چاہیے۔ مگر اس قسم کا قدر مردوں کے لیے تو ہر عمری گونا گونا جو جانتے ہیں مگر خدا کو
 کہ کوئی خالق اس قدر دوزخ و واقع ہوں کہ چھپا خا خا شہرہ ان کو ٹانگ برابر لچھو کر محسوس ہوا اور جب مغیر عام پڑا ہیں۔
 دیکھنے والے میں کہیں اونٹنی اور اس کا پھر چلے جا رہے ہیں۔ مثلاً رسائی کی یہ حویلی القامت لڑکی تو خاتون بنتے بنتے پچھلے
 جب قطب جتا رہی کر رہ جائے گی۔ اور اس کو اپنی ہندی سے ہم ساکن ہو خطہ تناک خدا جانے نظریہ آئیں گے یا نہیں۔ کہیں
 ان صاحب کا واقعہ صادق نہ آجائے جو یسب فریڈے باؤر پینے تھے اور چل فروش سے سبب کا بجاؤد یافت کر کے کہ لکھتے تھے
 کہ اتنے اتنے سے یسب اور ان کے اتنے دام مگر سبب حال ابھی حاضر جواب تھا کہنے لگا حضور زما میٹر کر دیکھیں اس ہندی سے تو
 یہ عاقبتی اتنے اتنے سے نظر آئے ہیں گے۔

شعر کے کام خواہ بڑا مانیں مگر یہ بات تو یہ ہے کہ نہ محض فکر و سہی کسی کام کی چیز ہے نہ محض ذہنی دوزخ ہی قابل
 سنتا ہے آخر یہ لوگ آدمیوں کی سی بات کیوں نہیں کرتے۔ کہ محبوب کا قدم میں وہی سا ہونا چاہیے۔ نہ اتنا لمبا کہ ہاشمی
 ناشاد حضرت وید کے معاملہ میں میں ناشاد ہی رہ جائے۔ نہ اتنا پست کہ اس کو حلق پر بٹھا کر دیکھا جاسکے۔ یہ باتیں شعور و شرف

ابھرم کھونے والی ہیں اور صرف ایک قدی پر کیا منحصر ہے یہ شہوت آ کر تیل کر خیر آجی کے قواس کو غائب ہو کر دی گئے۔
زاکت کا ذکر کریں گے قواس کی حد یہ کہ دی گئے کہ۔

جرا ہو زاکت کا سو کر جب ہٹے

قوسن پر، نگہ انیاں چھڑائے

معلوم نہیں یہ لوگ اغتال میں کیوں نہیں آتے۔ اگر ان کو سہرا بن کے لیے قضا و قدر کر لی ایسا ہی پیکر بنا کر جیسے جیسے اپنے اشعار میں بیان کرتے ہیں۔ تو بند یہ شاعر یا نہیں چھوڑ چھوڑ کر جگہ جگہ قترا آئیں۔ اور جی نکل جانے کے بارے کو بدوں کی جگہ سانپ چاروں کی جگہ خنجر لٹکے ہوئے ہیں، آنکھوں کی جگہ تر کس ہے جس سے تیر نکل رہے ہیں۔ مگر وہ کھانے صراحی آدیاں ہے مگر غائب ہے۔ اور اپنے جسم کے دو میٹھہ میٹھہ ٹٹے لیے جو بھلا آ رہا ہے ہر شے تم ہو جانیں جاگیریں سر پر میر رکھ کر یا کر پڑیں غش کھا کر مع خلص کے۔

(۱۳)

بندو پسندی میں گرمی اور مری میں رونق بعد بڑھ کر ہے اور راولپنڈی کی گرمی سے بھگلائے ہوئے لوگوں کی جگہ میں جب کچھ نہیں آتا تو وہ جگہ جگہ میں سر پر میر رکھ کر مری کی طرف توجہ دیکھ کر راولپنڈی کی ساری رونقیں مری غصہ میں ہیں اور مری کی آبادی بیکار اتنی بڑھ گئی ہے کہ مری نے سب ڈونڈ کر لیا کہ یہ اعلان کرنا ہٹا کر مری میں سچائی کے اسٹیشن ایریا کے ادا رب کسی قسم کے جانور لانے یا ان کو مرنے کے لیے چھوڑ دینے کی قطعاً اجازت نہیں ہے ان جانوروں میں ٹائیس، بھینس، بکریاں، گدھے اور گھوڑے وغیرہ شامل ہیں۔ البتہ جو گھوڑے اور گدھے سواری کی سیر مری میں لگے گئے ہیں۔ ان پر باندھی نہ ہو۔ وہ انسان جو جانوروں کی زندگی بسر کرتے ہیں وہ تو خود ہی مری جانے کی ہمت نہیں کر سکتے خواہ گدی سے مری کی زمین جانیں البتہ بھینس کی حجامت کی خواتین و حضرات اور بکریوں کی قسم کی چائنا شرٹ پہننے والیوں پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے اور ان کو اس کی بھی اجازت ہے کہ وہ مال روڈ پر ایک اور پیسٹریاں وغیرہ نہایت آزادی سے چرتی پھریں۔ وہ گدھے بھی وہاں جا سکتے ہیں جو شوہر واقع ہوئے ہیں اور خواہ کتنے ہی زیر ہار کیوں نہ ہو جانیں مگر حکم حکم ہر گز مناجات کے قائل ہیں اور عافیت اسی میں سمجھتے ہیں کہ اس موسم میں بیکم کے دماغ پر گرمی نہ چڑھنے دیں بلکہ بیکم کے ساتھ پہاڑ پر چلا جائیں اور خود اپنے لیے فرض چڑھالیں۔

واضح ہے کہ جانوروں میں کشائلی نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ قریب کو معلوم ہی ہو گا کہ بہت سے لوگ اپنے لیے اپنے بال بچوں کے لیے مرد و خواتین پناہ خانہ خرید رہے ہیں۔ جتنا اپنے کتے کے لیے پہاڑ پر جانا ضروری سمجھتے ہیں اس لیے کہ ان کا عزیز اذ جان کشا گرمی کی شدت برداشت نہیں کر سکتا اور چوکتا ہے کہ اس کی جان پر ہی آئے۔ اس قسم کے کتوں کو جانور کی کیا ہی آدمی کہہ سکتے ہیں جس کو کتے کا نام ہو ورنہ ای کی زندگی پر تو بے شمار انسانوں کو شکستہ آتا ہے کہ وہ پریشم و کجواب کے جانوروں پر بوٹے ہیں۔ معطر آغوشوں میں بیٹھتے ہیں۔ بہترین نقد و ہمت اور اعلیٰ درجہ کا گوشت کھاتے ہیں اور پھر مری کی مال روڈ پر جانور کو بھٹکتے ہیں۔ ان میں سے خلا جانے کتنے کتے ایسے ہوتے ہیں جو مالک کے ساتھ آئے ہوئے ہوتے ہیں اور کتنے مالک ایسے ہوتے ہیں

ویر نہیں حرم نہیں ورنہیں آستان نہیں
 جتنے میں رستوران میں ہم کوئی ہیں اٹھائے کیوں

بہانہ یہ ہے کہ صحت بنا رہے ہیں خواہ طوائف کتنی ہی کیوں نہ ہو گڑھا میں اور سوال یہ ہے کہ صحت ایسی کوئی خواہ ہے کہ
 آپ بنا رہے ہیں تو جواب ملتا ہے کہ یہ قہری دور ہے کچھ اور نہیں بنا سکتے تو صحت ہی بنا لیں مطلب یہ ہے کہ یہ بیماری
 صحت پریشان کر دینے کی چیز ہے بلکہ اس تصور سے جنت تک سے جی گھڑنے لگتا ہے کہ شل ہے کہ مان کوئی کام ہی نہ ہوگا۔
 مری میں مستقل طور پر رہنے کی نہ تو فرصت ہے نہ تو فہم البتہ ایک آدھ پچھرا تو اپنا بھی ہو جاتا ہے مگر یہ پھیلتا
 تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے کہ وہاں جا کر جتنی راحت نہیں ملتی اس سے کہیں زیادہ واپسی میں تکلیف ہوتی ہے کہ جیسے جنت
 نصیب ہو جانے کے بعد پھر جہنم میں جھٹکے گئے ہوں۔ مری کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھانے کے بعد جب چہرے کے چہرے
 کھانا پڑتے ہیں تو طبیعت صاف ہو جاتی ہے لہذا بہتر یہ ہے کہ مردانہ اور اسی موسم کا مقابلہ کریں اور اس ماری جنت کے لیے
 اپنے مستقل جہنم کو شدید سے شدید تر نہ بنائیں :

عنا

(غیر مطبوعہ ناول کے دو باب)

کچھ تو کیں صاحب کے ساتھ رہا۔ وہ بے شیخ صاحب کا داخلہ بھراؤں کے لئے ضرور ہونے سے پہلے ہی سے
 دیکھ کر وہ اپنی جگہ پر قہقہے فیصلہ نہ پکے تھے کہ دیکھ لے لے۔ اب کوئی اور ہی گھر ڈھونڈنا چاہیے اور وہ کس صاحب کی
 سے ہوئی گا وہ ان تینوں جواب یہ دیا تھا کہ اب اگر وہ ناک سے ظہر بھی کھینچیں تو جو ان کے بیان شدہ
 رہے۔ بلکہ صاحب البتہ یہ چاہتے تھے کہ ان کی لٹائی بہت کسی اور گھر پر نہ رہے۔ اس سلسلہ میں شیخ صاحب کے
 بہ نسبت طور پر خانہ جنگی جاری تھی بلکہ صاحب کا قول یہ تھا کہ ڈھنگ کے ٹکے اس زمانہ میں شکل ہی سے تھے ہیں اور
 شیخ صاحب دعویٰ کر چکے تھے کہ میں ایک سے ایک ڈھنگ کا لاکا مٹا کر کے دیکھ سکتا ہوں۔ بلکہ صاحب کو چونکہ شیخ
 صاحب کے متعلق یہ معلوم تھا کہ یہ حضرت اعلیٰ درجہ کے کئے واقع ہوئے ہیں لہذا وہ ان کا وسیع قبول کر چکے تھے۔ شیخ
 صاحب اس دم کو سر کرنے پر کمر باندھ چکے تھے کہ وہ اپنی نظر انتخاب کی سہل بھرہ کر دیکھنے چنانچہ وہ واقعی اس
 ملک و دو میں بہت ہی مصروف ہو چکے تھے اور اپنی یاد دہانی کو ایک سرے سے جوہار اس ملک میں یہی منصوبہ دیکھا
 تھے کہ بلکہ صاحب ہی جہاں تھے کہ یہ جیتی اور مستند ہی ان برسے میں ایک اور سے کچھ بد ہو گئی ہے۔ شیخ صاحب
 اس جہاں میں جس رفتار سے ناکام ہو رہے تھے اسی رفتار سے ان کا جوش بڑھتا تھا تاں خانہ جنگی کے ساتھ ہی ساتھ مزاج
 کا ہر ہڑائی بھی ترقی کر رہا تھا چنانچہ شیخ جو دنیا نہ ملنے کی خاک چھان کر شریف ہونے کے تہوں کا اندازہ کئے بغیر
 بلکہ صاحب پوچھ بیٹھیں۔

”کچھ پتہ چلا یا اکرم کے متعلق؟“

شیخ صاحب نے شہر وانی ایک طرف اور ٹوٹی دوسری طرف اچھلتے ہوئے کہا: ”گوئی مارا یا دون اس ناکارہ دم کو“
 بلکہ صاحب نے برسے اطمینان سے کہا: ”بہرچش ہوئی۔ اگر کچھ معلوم تو ہو کہ کس سلسلہ میں گولی ماری گئی ہے۔“
 شیخ صاحب نے کہا: ”اس کا باب اعلیٰ درجہ کا لٹکا ہے جس کی جوشی سے نسبت لے کر آؤ گئے اس سرد مری سے میرے
 ساتھ ہی آ یا کہ صاحب اب توجہ تک اکرم میں چار پیسے کمانے کے لائق نہ ہو جائیں ہیں تو ان کی شادی کر نہیں سکتا۔“

بیگم صاحبہ نے کہا: ”یہ بات نسبت میں سے پہلے ان کو نہ سوجھی تھی۔“

شیخ صاحب نے کہا: ”گوئی مارو اس مردود کو پہلے کے حالات اس کے کچھ اور تھے اب تو حالت بہت بد ہو گئی ہے کہ بس بخت تخواہ رہ گئی ہے اور کچھ کچھ میں نہیں آتا کہ کس طرح پوری ہنسے گی اور پر کی ساری آمدنی ایک سے ختم ہو گئی ہے۔ سخی تم نظر آ رہی تھی اس کی۔“

بیگم صاحبہ نے کہا: ”اور پر کی آمدنی؟“ اسے دو کتا وہ ٹھوڑا مارا رشوت لینا تھا۔

شیخ صاحب نے کہا: ”رشوت ہی کو بیمار میں اور مرنے والی آمدنی وجوہ کہتے ہیں۔ میں ریزہ حیران تھا کہ نواری تو انہی بڑی ہے نہیں جتنے تھا ہے مگر اب زائرہ میں دسارا لکھا باسا لکھا پڑے گا۔ تعجب نہیں کہ تندرستی اٹھ جانے کے لیے جیل بھی جانا پڑے ممدوح کو۔ آج بڑی پرانگندہ نظر آ رہی نہیں اور جھٹکائی مرنے لگی ہے اور وہ انہی جوتی گریں بھی آج سیدھی دکھائی دینی تھی۔ کہنے لگے کہ وہاں کچھ کے یہ وقت عزت آبرو کے ساتھ مل جائے۔ سنا اب نہ می عزت خوری آپ کو اس اور دعا کہیں ہم ان کی رستی کی درازی کے لیے۔ مختصر یہ کہ میں نے تو گوئی ماروی۔“

بیگم صاحبہ نے کہا: ”میں تو یہ کہتی ہوں کہ یہ قصہ لبا ہے کہ جو ملتا ہے نہ کرا بسا ہی ملتا ہے۔ بڑے دعوے سے لائے تھے اس سوداگر کے لڑکے کی نسبت کیا نام اس کا۔“

شیخ صاحب نے کہا: ”جی ہاں بڑا غلبہ اسخار بنا چڑتا تھا۔ چور کہیں لا۔ خدا کا سکرادو کہ اس نے ہم کو بچا لیا۔ کچھ دن بعد اگر وہ حضرت چور بازار سے سدا میں دھبے جاتے تو کیا ہوتا۔ صورت نہایت شریف بظاہر نہایت بھلا مانس۔ اچھی خاص دو دو ایک کی دکان کا مالک مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ اوں کی چور بازاری کرتا ہے ورنہ میں پہلے ہی گوئی مار دیتا۔“

بیگم صاحبہ نے کہا: ”دیکھو میں پھر کہتی ہوں کہ مسلمان میں کوئی نی نہیں ہے سمجھا دیجھا لڑکا ہے۔ ہم کو اس کے باپ کیا مطلب خود لڑکا تو اپنی ذات بڑا ہیں ہے۔“

شیخ صاحب نے پھر کہا: ”پھر تم نے اس کا نام لیا۔ جب میں اس کو گوئی مار چکا ہوں تو تم بار بار اس کا نام کیوں لیتی ہو؟“

بیگم صاحبہ نے کہا: ”تھائے گوئی مارنے میں میں تو خوبی ہے کہ گوئی مارنے سے قصہ ختم نہیں ہوتا کسی کا۔ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ آخر خود اس لڑکے میں کیا عیب ہے۔“

شیخ صاحب نے نہایت جوش میں آکر کہا: ”سو چھوڑو ایک عیب میں کیا کم ہے کہ وہ ایک عیب میں باپ کا بیٹا ہے تم خود سن چکی ہو کہ اس کے ٹھک باپ نے ایک دھوم کو کس طرح سے مٹا گیا ہے۔“

بیگم صاحبہ نے کہا: ”وہ تو جو کچھ کیا ہے اس کے ہاتھ کیا ہے۔“

شیخ صاحب ابل پڑے: ”غلط۔ سراسر غلط۔ باپ کو تو خیر گوئی مارو مگر صاحبزادے بھی تو آخر اس طرح کی کمائی میں ہمیشہ مصروف رہے ہیں یہ کام جو وہ کر رہے ہیں کیا تم اس کو دیکھتی ہو کچھ کم بھجی ہو بچے کا نڈ پر مجھ سے لکھوا دو

یاب کے ساتھ جلد اقبال بھی گرفت میں آئے بغیر رہیں گے۔ دوبارہ آؤ ورنہ کونسی ہے؟
 بیگم صاحبہ نے کہا: بھائی، اس میں تو دانا بانا ہے۔ وہ انھاروں کو اس پر آتی۔ آئے تو کویا
 دھڑلے پر لے لے گا؟

شیخ صاحب نے پلٹ کر کہا: اب نہ جی ہاں نہ دینے والی باتیں نہ ہوں۔
 بیگم صاحبہ نے احتجاج کیا تو دانا بانا بھلنے لگے جی ہاں ہوتے ہیں۔
 شیخ صاحب نے بڑی مستند سے کہا: ناقابلِ ردی مار بیٹے، اب ہے جس صاحب سے کہ جب باب بیٹے
 سا اتنا گرفتار ہو جائیں گے تو انہوں نے کو ذرا انھار کر لیا جاؤ آخر ہونے کے بعد جب وہ جیسے ہی آئیں گے تو سنو
 گے میں کیا خدا آؤ گے۔ انھار کر سنو کہ جس عا کو وہ مار سکے۔ انھاروں سے شرمیں کر سکتا۔
 بیگم صاحبہ نے حیرت طبع سے ام والدہ کے ہر اعلیٰ کھار۔ انھاروں سے تباہی نہ ہونے سے بھی دیکھ
 اشیخ صاحب کی سہیں کو وہ ہیں مانتے ہیں۔ یاب نہ کہیں۔ یہاں کو گویا روئے جو حکم وہ سنبھالے۔ ان
 عداوت کوئی اس اور کوئی حکم کی رو سے کاربزن ہوسکتی ہو۔ یہ ایک یہ انھار کر۔ انھاروں سے طرح
 انھار۔ انھار کے ایک دن سلطان رجب بھی اور مغویہ کے عا میں رہیں گے۔ جو۔ دھڑلے دھڑلے رہا۔
 رہے ہیں میں ان کو جبراً مہمانی ہو ہی نہیں سکتی اس لیے کہ اولاً انھاروں سے جان تھا کہ کوئی ڈھنگ نہ رہا۔ تو میں ہی
 نہ رہیں گے اور اگر کوئی روکاں میں مانتوں میں ہم ارجیب نکالے۔ وہ وہ وجود ہیں۔ وہ میں۔ میں کہ نظر
 نگہم ہر کہ اب ملک میں ہی کی طرف آکر جبراً ہی میں سمجھتا ہوں۔ انھاروں کے خلاف وہ چلے۔ انھاروں کے
 عداوت کے بعد میں۔ انھاروں کی فہمیں کا رہنا۔ ان کو کوئی خوف تھا نہ کوئی پروا۔ عداوت شیخ صاحب کی سہیں کے سہا ہونے میں
 حسن سے وہ مخالف نہیں کہ کہیں شیخ صاحب صاحب ہار۔ اس کے لیے میں نہ ہوا میں۔ جن بہت دن سے انھاروں
 میں نہیں۔ وہ بڑی چوٹی کا نہ روگاں ہی نہیں کہ روگاں نہ ہونا کہ رہے جاؤں وہ وہ لیتے نہ کہ شرم۔ انھاروں خود اسی کے
 طرار ایسے تھے کہ شیخ صاحب اس کا نام نہ کر سکتے تھے۔ انھاروں کی۔ اس سول سے لی عداوت بہت کو منظور
 نہ کہ کے عداوت سے اس کی والدہ کو یہ معلوم ہوا تھا کہ وہیں صاحب نے۔ وہ وہ میں نے عداوت کی تاریخ عداوت
 کے بے ملوئی کر دی ہے۔ ان کی زوجہ بہت شرمگاہی تھی یا فو بہاں خا کہ عداوت کی صورت تک دیکھنے کی رو دار۔ میں اور ایک
 شادی میں شرکت ہی سے انکا ذکر چکی تھیں یا اب ایک دم سے عداوت کی عداوت ایسی عداوت کی تھی کہ ہر دوسرے سرے دن
 دھڑلے ہوئی ہیں اور مہماں حسن کی آمد و رفت بھی ان دونوں خلاف سمورل بہت بڑھی ہوئی تھی حالانکہ اس گھر میں ان سے کوئی
 سہہ سے نہ بات بھی نہ کرتا تھا کہ مدد و عداوت میں کے بنے ہوئے تھے کہ رہنا کا ہر عداوت کو گرا۔ انھاروں صاحب اپنے
 معتمدی دانت باہر نکال نکال ان کو دیکھتے ہی مینا شروع کر دیتے تھے بیگم صاحبہ ان کے سامنے دھڑلے گھاس نہ لانی تھیں
 مگر آپ تھے کہ نہایت پابندی سے حاضری بھی دے دے تھے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر کسی نہ کسی خدمت کا ہر شی بھی
 حاصل کرتے تھے کچھ نہیں تو دھنا کے کتے کے لیے رات ہی یہ پچھلے رہے ہیں اس لیے کہ گھر جبر میں وہی ایک

تھا جو ان کو دیکھ کر دم بالا کرنا تھا۔ رحمان کے چھوٹے بھائی اسلم کی کوڑھنے کے بدلے سے جب دیکھ کر موجود ہیں۔

رحمان بھنا بر ایک کے اس کی بات نہ تھی وہ بظاہر جس قدر رشوت اور شریعتی اس سے کہیں زیادہ گہری تھی، بیگم صاحبہ تو اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ ہی جانتی تھیں کہ اس کو سلطان سے ایک تلبی لگاؤ بھلا دے جس سلطان کی وہ سرخسار میں محض اسی وجہ سے خلیں مگر اس تلبی لگاؤ کی اس حقیقت سے اگر کوئی واقف تھا تو وہ رحمان کی واحد سیل خدمت تھی کہ یہ وہو اس تلبی لگاؤ کے آقا و رستگو کے درمیان کس قدر وسیع خلیج حائل ہو چکی ہے۔ وہ اب رحمان کا یہ حال ہے کہ وہ سماں سے پیسے اس تلبی لگاؤ کو بھاگی اور بے تعلقی سے نبیل کر سکتی ہے پنے دل کو مار سکتی ہے مگر یہ نہیں ہو سکا کہ وہ ایک جو انہ نہ نسبت کے اساس سے بنی وابستگی کو قائم رکھے۔ البتہ اس کو جس اگر حیرت تھی تو صرف یہ کہ سلطان کی طرف سے اتنا ادھمکے پہنچنے کے بعد بھی جو اثر اس پر ہونا چاہیے تھا وہ کیوں نہیں ہے وہ بدستور اپنی شگفتگی کو کیوں قائم کئے ہوئے ہے اور اس کے ہر انداز سے یہ کیوں ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے اس نے کچھ کھو یا ہی نہیں ہے شروع شروع میں تو اس کو یہ شبہ رہا کہ رحمان اصل شگفتہ نہیں ہے بلکہ شگفتگی کی اداکاری کر رہی ہے مگر رفتہ رفتہ اس کو اندازہ ہو گیا کہ یہ بناوٹی شگفتگی نہیں بلکہ سلمانی کی اس نقاب کشائی کی اس کو واقعی کوئی پروا نہیں ہے اور اس یقین کے بعد آخر اس نے ایک دن یہ ذکر پھرتی دیا۔

”رحمان ایک بات پر چھوٹ کر پیسے مجھ کو بہ یقین دلادو کہ تم مجھ سے جو سچائی کو چھپانے کی کوشش کر کے میرا دل نہ توڑو گی۔“

رحمان نے غور سے قدرت کو دیکھنے ہوئے کہا: ”یہ بات تم مجھ سے کہہ رہی ہو یا چہ دیز بھائی سے باتیں کہنے کا گویا دہرسل کرنا چاہتی ہو۔“

قدرت نے ہمویر کے نام پر شرطے بغیر نہایت سنجیدگی سے کہا: ”دیکھو رحمان اس وقت بھلا سنجیدہ ہوں اور میں چاہتی ہوں کہ تم بھی سنجیدہ ہو جاؤ۔“

رحمان نے اپنا دوشہ درست کر کے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا: ”وہو گئی سنجیدہ۔ مگر یہ تم پر سنجیدگی کا دورہ کیوں پڑا ہے اس وقت۔ خیریت تو ہے۔“

قدرت نے کہا: ”میری خیریت کو تو جانے دو مگر مجھ کو تمھاری خیریت نظر نہیں آتی اگر تم نے اپنا یہ انداز تبدیل نہ کیا اور مہمیری بات کو اسی طرح مذاق میں نہ لیتی رہیں۔ یا صاف صاف ہی کہہ دو کہ مجھ کو تمھارے ہر راز سے آگاہ ہونے کا کوئی حق نہیں ہے، بعض راز ایسے بھی ہیں جو مجھ سے بھی چھپائے جاسکتے ہیں۔“

اب رحمان نے بھی سنجیدگی سے کہا: ”وامان ٹھکانے ہے یا نہیں۔ میں نے کوئی بات تم سے کب چھپائی ہے؟“

جلئے ہیں تو جس کو ہمارا پاک کہا کرتی ہوں۔“

ندرت نے کہا: ”مراب کیا ہو گا؟“

دعا نے کہا: ”یلام ہو گا اور کیا ہوتا۔ ہم لوگوں میں لڑکیوں کا خلام ہی تو ہوتا ہے۔ بازیاہ سے زیادہ اس کو خواہ
کہو۔ مگر میرے دل کو یہ اطمینان ہے کہ جس خدا نے مجھ کو اس گروا بکے عایا ہے جو سمن نے میرے لیے کیا تھا وہ بیڑہ
ڈبوئے گا نہیں پانی گئے گا۔“

ندرت نے کہا: ”سنا ہے کہ آجکل تمھاری پھر بھی جان اپنے نور نظریاں حسن سلوک کے لیے پھر مرنے کے لئے ہیں؟“
دعا نے قہقہہ لگا کر کہا: ”یہ تم تو اس قدر عجیب ہے کہ سچ پوچھو تو میرے لیے دل کے ہلانے کا اس سے بہتر
استقام اور کئی ہوئی نہ سکتا تھا۔ کاش میں تم کو یہ تمنا سنے دکھا سکتی و عزیز اندر میاں حسن سلوک تو تم آجکل دیکھ سکتیں کہ وہ
کس حد تک حکم کے خلام بنے ہوئے ہیں۔“
ندرت نے ہنس کر کہا: ”چھاب گویا ترقی کے حکم کے غلام بن گئے ہیں۔ نیٹ کے خلام تو وہ ہمیشہ ہی سے تھے کہ قتل
پر بھروسہ کرتے تھے۔“

دعا نے کہا: ”خیر وہ پتھر تو آپ کی دعا سے اب بھی برس رہے ہیں مگر اب دیکھو گی تو مشکل ہی سے آنکھ ٹھہرے گی
مراجہ کی طرح اس قدر جلد جلد سے کہ بدلتے رہتے ہیں کہ گڑبگڑ میں کیا رنگ بدلے گا۔ صبح سوٹ میں ہیں تو وہ ہر کو شیرازی
ہیں اور شام کو شکاری لباس میں ہیں تو رات کو ڈوس سوٹ تک میں جلوہ دکھا جاتے ہیں۔“

ندرت نے ہنس کر کہا: ”سچ ڈوس سوٹ میں تو اچھے خاصے بینڈ اسٹر نظر آتے ہوں گے۔“
دعا نے کہا: ”اس سے ان کو کوئی بحث نہیں کہ وہ کیا نظر آتے ہیں وہ تو صرف اس جستجو میں ہیں کہ میرے نقطہ نظر
سے ان کو کیا نظر آتا چاہئے۔“

ندرت نے بڑی سنجیدگی سے کہا: ”ہی تو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ اس نے تم کو ایک ایسا کھلونا
عطا کر دیا ہے مگر تم اس سے پوری دلچسپی نہ لے رہے ہو۔“

دعا نے تردید کرتے ہوئے کہا: ”جی نہیں میں ایسی بد مذاق نہیں ہوں کہ ایسی خدا داد دلچسپی کی بھی ناقدری
کروں۔ اچھا تم یہ کہو کہ کل آج کا ونا یہ تماشا دیکھنے کے لیے۔“

ندرت نے کہا: ”لو بھلا اب بھی نہ آؤں گی۔ میں تو صبح سے شام تک کے لیے آؤں گی۔“
یہ پروگرام طے ہو جانے کے بعد دعا ندرت سے رخصت ہو گئی۔

دردانہ

ایک جدید ضروری سے ریڈیائی اور بی

شربت تھانوی عشرت رحمانی

یہ ادھر ازل انڈیا ریڈیو کھٹک کے لیے ۱۹۴۱ء میں لکھا گیا تھا حضرت جگر مراد آبادی
سے ایک مثنوی لکھوائی گئی، اس کی اساس پر شربت تھانوی، جو مراد عشرت رحمانی
نے ریڈیائی اور ہر اہم تب کیا۔ کیت اور غزلیں عشرت رحمانی نے عیسٰی حضرت جگر
کے بعض اشعار اس میں استعمال ہوئے ہیں باقی تہذیب شربت تھانوی اور
عشرت رحمانی کی شکر کہ کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ — اور سبدا انصار تھانوی جیل
ٹوپی ڈاکٹر کٹر جنرل ریڈیو پاکستان نے ہدایت کاری کے فرائض انجام دیئے تھے
جملہ آرا کجی مرحومہ شہر نظم و ایلیج اداکارہ اور کھڑکار طلعت محمد نے بیروٹس اور
امیرو کے کہ دار انجام دیئے تھے۔ — (مرکز)

(نغمہ)

ایک مقرر تم آواز: بزمِ نعت عجب فسانہ ہے حسنِ و الفت کا کارخانہ ہے
شعشعہ غم خانہ حیات ہے عشق زندگی کی اجالی رات ہے عشق
ایسے ہی عشق کا ایک افسانہ سنئے اب سرگزشتِ دردانہ

(موسیقی)

ماوی: — قصہ دل پذیر روپ نگو عشق کی سیر گاہ کا تھادہ گھر
آماج میں شای کے مالک غریبا آن بان کے مالک
آن میں سب سے زیادہ با وقعت ایک خواب تھے فلکِ نعت
تھے کینز و غلام و دولت و زر گو ہر پہ بے ہا حسین دختر

خوب رو شاد کام نیک نوا باپ ماں کے دلوں کی زلفِ مراد
 نامِ ذرا نہ پیرہ مدِ طلعت تو ہر شب جہانِ خوش قسمت
 سولہویں تھی جو نیک فانی گزرا
 ہوا تجویزِ جنتِ سال گزرا
 سہنائی کی آواز
 رماحوں اور بھیج کاشور

نیت :

مبارک ہو یہ رنگ و بو کی کہانی
 بہاروں پہ آئی گل کی جوانی مبارک ہو یہ دورِ شادمانی
 مبارک ہو یہ رنگ و بو کی کہانی
 یہ نعمہ یہ عشرت یہ رنگیں نطاسے بہر سو نکاسے بہر سو بہارے
 سناتے ہیں شہل سولہویں کی کہانی
 ہیں ناہید و زہر بھی قصاں خوشی سناتے نہ نکوں جھوم آہیں خودی
 یہ ہے ربطِ ماہ کی نغمہ خوانی
 مبارک ہو یہ رنگ و بو کی کہانی

راوی : بزمِ عیش و نشہ پر پات رقص ہے زمزمیہ نمائے
 جشن گز ہے کہ آنکھ کی پتلی سمٹ آئی ہے حس میں نکل بسنی
 آمد آمد ہے مہمانوں کی دھوم برسمت شادیانوں کی
 شادمان آج ہیں فلکِ رفعت کرتے ہیں ہر ایک کی آویں بگت
 (دور سے آواز یہ فریب آتی ہیں)

آواز مل : آدابِ عرض !
 آواز مل : تسلیاتِ عرض !
 آواز مل : تشریف لائیے قبلہ -
 آواز مل : آداب - آداب
 آواز مل : ادھر تشریف رکھیے
 فلکِ رفعت : —

غریب خانہ میں بجائی قرقر دیکھتے ہیں
 ہمیں ہم آن کر کہیں اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

ہیں باد و عشرت سے یہ ہلکی ہوئی نہیں مسرور جوانی کی یہ شوخی بھری باتیں
 نغموں کی جوانی کہیں اپنے میں پکڑے
 رنگین نظارے ہیں یہ رنگینی نفا سے
 منظر : زانا خانہ

راوی :
 تھی محل میں بھی گرمی کا ماحول پروہ پروہ میں دیکھ کے قابل
 حور توں کا بیاض ہنگامہ دھڑکی پھر ہی تھی ہر ماما
 آہ ہی نہیں سواریاں ہم کر کی نہیں چستوائی خود بگم
 (ڈومنیوں کا گانا)

شاہیاں رے آج ہے جھاجم
 لاری مالن سہرا ہی کا !
 اس سہرے پہ تائے ہوں چیم

میا بادا کو خوشیاں مہارک
 خوشیاں رہیں یہ جم جم
 شاہیاں رے آج ہے جھاجم
 (موسیقی)

راوی :
 تھا محل میں جو آئینہ خانہ میں تھی محو حسنِ قد و اند
 لمبے وہ سوز ساز کی تصویر حسن کا خواب عشق کی تعبیر
 آرزو ہے حرب کا جہانہ زندگی کا حسین افسانہ
 بال اپنے بناتی جاتی تھی زیر لب گفتگو جاتی تھی

قد و اند : دکاتی ہے بے زبانی اگر زباں ہو جائے داستانی دل کی جاواں ہو جائے
 ہے محبت سکوت میں سب کچھ کچھ نہیں ہے اگر بیاں ہو جائے
 (ستارہ کا آواز)

ستارہ : دکھلا کر یہ رہیں قد و اند آخر پایا
 قد و اند : تاہیں نامت کرو دیں گد گدی
 ستارہ : دیکھ تیری گت بناتی ہوں ابھی

اردانہ : اس ستارہ میں کہاں میں ۔
 ستارہ : ڈھونڈ لی چھری میں نہ ہو جا
 ستارہ : میں کہاں تھی اس میں کیسے میں تو
 ستارہ : ہوتی تو کچھ اور جگہ سے تھی ۔
 ستارہ : کیا خبر ؟ کسی خبر ؟
 ستارہ : کدائی تو سے لے آئی تھی
 ستارہ : درجہ ساری میں لے کے اس میں
 ستارہ : درجہ میں ۔ میں نے آئی ہوں
 ستارہ : ہرے والی حوت ۔ وہ اس میں

اردانہ : جس ستارہ میں ہے ۔
 ستارہ : تھی تو میں
 اردانہ : جانے کہاں تھے ۔
 ستارہ : کہہ ہیں میں سو گھراں ہے حیرت میں
 ستارہ : مجھ سے آپ کا رونا دھونا
 اردانہ : مجھ کو بہت ۔ ہوتی ہے چھوڑ دو
 ستارہ : میں وہ دولت مند اور دولت پسند
 اردانہ : درجہ اکبر میں دوست کے سو

ستارہ : اسے چناؤ ۔ ذکر چھوڑ دو
 ستارہ : پورا ہے درجہ میں آؤ
 ستارہ : ہنسو ہلو ہے نیک مال گروہ

اردانہ : سب میں سلاں کہ جن سلاں مانوس
 ستارہ : کیا ہوا خیر ہے ، کئی کیسی ؟
 اردانہ : سنو : آئے نہیں ہیں ناصر آج ؟
 ستارہ : پر نہ آئے کا کچھ سبب بھی کھلا ؟
 اردانہ : بے بلائے وہ کیسے آتے بھلا ؟
 ستارہ : کچھ شرکت میں اپنی وہ تحقیر
 اردانہ : ہوتی خوداری ان کی دامگیر

ستارہ : ہاں ہر وہ جی تھے کبھی خوشحال
 وِردانہ : نسبت پرشبہ کب ہے یہ احوال
 جب سے پردہ میں جی بھائی گئی
 غاصر کر ان سے جب چھپائی گئی
 اور برگرگوں کے دیکھے بدلے طور
 ان کا انداز ہو کیا کچھ اور
 ستارہ : پیپنے کی منگی ہوئی تھیں تم
 ان کے دل میں ہی رہی ہوئی تھیں تم
 اس یہ افلاس آج آیا دور
 بدلے ماں باپ کے تمہارے طور
 وِردانہ : ہے غیب اس زمانہ کا معیار
 وہی سب کچھ ہے جس جو ہے زردار
 (آہٹ)

ستارہ : کرن ! گلشن ہیں !
 وِردانہ : (سجھ کر) آؤ آؤ بوا !
 گلشن : بیوہ جم نصیب ہوا چھا۔
 وِردانہ : ادھر بیٹھو برسوں میں دکھلائی صورت
 گلشن : میرے چاند کو سونہوں ہو بارک
 میں خود دیکھنے لیے تھی پریشاں
 انہیں نے بہ خط وئے کے بچلے ہوئے
 ستارہ : پڑھو خط کو وِردانہ کیا نہ ما ہے
 کیا آج ناصر میاں نے یہ سامان
 کہا ہے کہ جلدی جواب اس کا لاؤ
 نہ آنے کا شاید سبب کچھ کھا ہے
 — خط —

مردانہ آواز: میری بیداریوں کے خواب اسلام
 ہو مبارک تمہیں یہ سولہواں سال
 کو بظاہر میں بار یاب نہیں
 وہی معصوم چاندنی راتیں
 تم تصور میں انگشتاتی ہو
 ہے یہ پردہ فقط مرا افلاس
 وہی محفل میں آج ہیں مہماں
 خیر اس ذکر ہی کو رہنے دو
 ٹوٹے دل کی دعا میں بھی لے لو
 قاتل بد یہ ہمارا دیکھو تم
 ذرہ کہتا ہے آفتاب اسلام
 مہ کامل با ہے آج ہلال
 کیا تصور جی کامیاب نہیں
 بھولی بھولی سی سب وہی باتیں
 گو بظاہر چھپائی جاتی ہو
 ہے خطا یہ نہیں ہے دولت پاس
 خاندانی تھے جو کہ دشمن جاں
 تہذیب جہنم کی مقبول کرد
 آرزوؤں کے پھولوں کے پر
 ایسی خوشگماں ہزار دیکھو تم

اس طرف شرم اور اوائے ناز اس طرف بے قرارہ وقت نیاز
 آنکھیں پر غم کھٹکے تھے ریاں دونوں جانب بے طعناں
 بے زبانی ریاں تھی گویا : حاشیہ داستان تھی گویا :
 ناسر اک و نگار پروا : شمس بے قرارہ روانہ :
 نمنائے سرے سے وہ خُدا جاہ خوش رنگ میں شفق کی بہار
 تھی محترم وہ کھوئی کھئی سی جاگی جاگی سی سونی سونی سی
 غم سے دردانہ غریز سونی ن ا غم آبا اشکبار ہوئی

سکھیاں

ناصر : دردانہ ————— دردانہ
 خدا کے واسطے دردانہ اشکبار نہ ہو :
 دردانہ : غم میں نصیب ہوں کیونکر غم بہار نہ ہو :
 ناصر : نگار خوبی و رعنائی بہار ہوں غم
 دردانہ : نہ ایسی باتوں سے لٹے دل دکھاؤ
 ناصر : یہ دل جلانے کی باتیں ہیں فیکو صدانہ :
 دردانہ : کہاں گیا وہ سرت کا دور یاد کرو
 ناصر : ورق آیت بھی دو بھولے جسے سنانے
 دردانہ : جلتے تھے آج مقصد سے اب طیں طیں
 ناصر : یہ بڑھ گئی ہے بے بسی نہ اس طرح ہوا کہ
 دردانہ : بس اب تو موت ہی ناصر ہے میری چارہ ساز

(قدموں کی چاپ)

ناصر : ادھر ہی آتا ہے شاید کوئی مشنوار آوار
 ستارہ : شش شش تمھارے کھر سے بلانے کو آگئی ماما
 دردانہ : میں جا رہی ہوں بیبا ہوں نہ کوئی ہنگام :
 (جاتی ہے)

ناصر : دردانہ ————— دردانہ
 راوی : یوں اچانک وہ ہو گئی نصحت ٹوٹی ناصر کے دل پہ اک آفت

درد پہلو میں ہوں چپک آٹھا
دل میں بار بار کئے ضبط ہی نہ ہوا
اس کو رو رو کے تھی میں وحشت
کر رہے ہیں یہ کیا ملک وعب
ناصر :

اور جہند ایک رند مشرب ہے
ہر گھڑی نقص لہر شرابی
اس کو روانہ ہے کیا نسبت
نہیں شادی کا ہونا۔ اغبام
ناصر :
کسوں۔ خود میں ہوں حاضر خدمت
کیا عجب ہے جو کچھ سمجھ جائیں
عقل کو اب بھی ہم میں لائیں

آپ اور میرے ہاں آئیں خدا کی قدرت
دستہ خوں کے کیا آپ اوجھڑا آئے
نواب :

رسم نے حور پہ آنے سے روک دیا
بندہ مطلب کے لیے اب بھی نہیں آیا
ناصر :

حال پر میرے کم کس لیے فرمایا ہے
میں نے خود دانہ کی نسبت کا شائبہ حال
نواب :

دیکھ کر آپ کو خود مجھ کو ہوا تھا یہ خیال
میں قسم لھاتا ہوں اپنے سے سزا کا نہیں
ناصر :

مگر اس باب میں اب کچھ بھی نہ فرمائی جتا
اس کی دولت کے جاہل تو انکار نہیں
ناصر :

کون سا عیب ہے اس میں جو ہر شگفتہ نما
زنگ و لیاں ہیں وطن آٹھ پہراہ و شراب
ناصر :

سن چکا اب میں بہت آپ کی مہل بکواس
تم جلے دل کے پچھو لوں سے ہر اپنے محبوب
نواب :

قبلہ و کعبہ یہ الزام ہے مجھ پر بے ثبوت
ہے فقط آپ کی مجھ کو تو عبادت مقصود
ناصر :

آٹھ کا راجا خانب آپ کی صورت سے سوال
اور جہند اچھا ہے مجھ سے مجھے انکار نہیں
بے ثمنے آپ کی ہر بات کا ہے بس یہ جواب
پھر بھی خود دانہ کے لائق تو وہ رہنا نہیں
ہے رئیس ابن رئیس اس میں خرابی ہے کیا؟

وقت اس کے بے بکا رہیں میرے پاس
تم کو تو اس میں نظر آئیں گے لاکھوں ہی قصو
ہے فقط آپ کی مجھ کو تو عبادت مقصود

نواب : اپنی اولاد کی ہے تم سے زیادہ مجھے فکر ختم فرمائیں براہ کرم اب آپ بہ ذکر

راوی : جب یہ کوشش بھی ہو گئی بیکار مرحلہ اور بن گیا دشوار

تھی ہر اک متاثر تھے یاں ہی تھا گم مجھے جائے ہیں ہوش محسوس

تھک کے میٹھا کرنا جانا تھا کہیں پہلو نہ چین آتا تھا

تھا خیریت کا جب ہجوم اور نتیجہ ہر ایک کا معلوم

یک بیک اس کو یہ بیان ہوا :-

ارجمند مجھ سے گو ہے "لاکھنؤ"

ناصر :

پھر بھی خود اس کے گھر اگر جاؤں کیا وجہ ہے کہ راہ پر لاؤں

راوی : ایک امید کے سہارے پر بہہ چلا حسرتوں کے دھارے پر

پہنچا وہ ارجمند کے ابواں تھا جہاں حبش کا بابل تھاں

ارجمند کی فصل - رقص و نغمہ

ارجمند : کیا خوب رقص و نغمہ ہے

دوست : ہے ہے سرور ہے

دوست : یہ جلوہ گاہ ناز ہے

دوست : یا بزم نور ہے

دوست : اپنے فتنے سے بھی ہیاں چور چور ہے

ارجمند : عشرت کا ہے دنور

ساقی : مسرت مزید ہے

دوست : ہر شب شبِ برات ہے

دوست : ہر روز عید ہے

ارجمند : چمکے جام چلے پیانہ لب پر نام ہے دُر و انہ

سب دوست : دُر و انہ ————— دُر و انہ

ناصر : ہے اجازت کہ اندر آ جاؤں ؟

ارجمند : کون ہے ؟

ناصر : میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔

- ارجمند : تو آوازِ گانا سنو
ناصر : جی - جی نہیں - جی
ارجمند : شرماسے ہو کیا میری پردوں کے سستے و رہتے
ناصر : تنہائی میں تنو کو ضرور ہے التجا
ارجمند : کب تخلص کی بات ہے ؟ اچھا تو غلبہ
(تخلیہ)
ارجمند : اوہو - یہ کوئی دن یہ آپ
ناصر : دن بھائی میں ہوں
ارجمند : بھئی تو نامِ مرزا - آپ ؟
کہتے یہ آج سے بے زحمت آٹھائی ہے ؟
ناصر : اک اتھا حریب کو اس دور پہ لڑی ہے
ارجمند : یہ کس طرح سے راستہ صرب گئے ہیں بھول
میان میں - حضرت زبیر کا کبوں نزول
ناصر : کو ارجمند ہم میں ہوتے کچھ ہیں اختلاف
ارجمند : چھوڑو جی اختلاف کو تم آگئے یہاں
ابہ شیو بھول جاؤ وہ سب کچھ داستان
اب غرقِ جام کر دی ہر اک اختلاف کو
ناصر : انسانیت کے نام پہ کرتا ہوں التجا
ارجمند : آخر کھو تو صاف کہ یہ ماجرا ہے کیا ؟
ناصر : دُردانہ کے خیال کو دل سے نکال دو
شاوی جو ہو رہی ہے کسی طرح مال دو
ارجمند : (منقہ دار کر) استاذ تم کو مان گئے خوب ہے سوال
کیا خوب مجھ سے کہ میں چلنے پر آپ پچال
ناصر : تم کو غلط خیال ہے میری نہیں غرض
ارجمند : اپنا علاج کیجئے دل کا ہے یہ مرض
حیرت غمی مجھ کو خود بھی کہ گئے ہیں کیوں جنا
اتنا تو بیوقوف نہ سمجھیں مجھے جناب
منرب سے کیوں طرح ہوا آج آفتاب
ساوی نہیں ہوئی ہے ابھی بس قدر شراب

یہ واؤں پیچ آپکے سب جانتا ہوں میں عرفوں کے پس بے جھٹے پیمانہ ہوں میں

ارجمند : بس بس بہت جی تن چکا ای موت کو اپنی گرہ میں باندھ دو تم میری بات کو
شادی اگل ہے جو کے ہے گی وہیں ضرور پامال کر کے رکھو نگاہیں آپ کا ضرور

راوی : ہوا تقدیر کا لکھ پورا آخر کار وہی وہ بہت
آج شادی تھی کیوں نہ تھی وہیں عمارتوں کا تھا فصل میں جو ہم
ریشک فردوس تھا علی گریا گوشہ گوشہ میں جتن تھا ہر پا
دھوم ہرست ہے برات آئی نئے برسات ہی ہے شہنائی
(نغمہ)

راوی : ارجمند لے بن کے پون روشہ سبے خوش ہو کے واہ واہ کہا
مطربوں کی وہ گوشتی آواز زمزمہ ہار ہر طرف تھے ساز
نقا یہاں زمر قیں کا یہ وعدہ اور ناصر کا تھا سالی تھا کچھ اور
دن شکستہ تھا زینت بیزار بیکسی میں نہ تھا کوئی غم غوار
ضبط جب ہو گیا بہت دشوار حسرتیں لگتا اُنھیں ایک بار

(ناصر کا گانا)

دل کے پھر گئیں ہم سے نظریں آہ مقدرد چھوٹ گیا
آن کے ہاتھوں میں کر آخر دل کا کھلنا ٹوٹ گیا
لے کمان اب بادۂ باقی افسانہ ہے جلو ساقی
کشکش اندوہ و فتن میں ہاتھ سے ساغر چھوٹ گیا
خچے چکے سب نے دیکھے دل کی کون آواز سنے
کس کے دل کا سہارا ٹوٹا کس کا ساقی چھوٹ گیا

(منظر — تبدیل ہوتا ہے)

دگ دگ کا شور بلند ہے

راوی : شور اٹھا دگ دگ کا ناگہ چرخ نیلی ہوا دھوئیں سے بیاہ

(شور جاری رہتا ہے)

اک کمر ہمایا ہر سو گریا منت سما تھا ہا ہر سو
نغمہ دہن سامے بھول گئے نغمہ اندھ پاؤں بھول گئے
کچھ تے کشہ تما شائی نر نقش کی شعلہ آرائی

ستارہ : بس جگہ دس کو کوئی ہے کوئی دودانہ کو کل کے لئے
آس کے کسب جگہ کے ٹھکانے لئے دیکھ بھلا ہے ہاگ

راوی : ابی ہر غم میں سامنے تے دیا بڑی غم کسی کو جاں کنوائے
مٹی نامہ نے سوہ کی آواز آس کی دافستگی ہی ادب ز
سن کے بھاگادہ جسے پروانہ سن کی ست حل پروانہ
سامنے تھا اک تشیں سیلاب آس کی ہو جی آس کے گہ آ
شعلوں کو جیرا پڑسا آگے دہنے والے غم جبر تھے
دھن کا بٹا حاضرم پروانہ دھن سینچا جاں غم دورانہ
دو بچا لایا محسوس کو آخر کار وہ غم ہوش اور زار و زار

آگ اور بارگاہ تک پہنچی آغ اب عز و جا تک پہنچی
ارجمند اور آس کے سب ساغی آگ میں گھر پکے تے بارانی
ناصر اب اس طرف بڑھا ایک بار لا باؤ لہا کو ہی وہ آخر کار
دیکھ کر آس کی جرات و تہمت متحیر سے خود فلک دعوت
گرا چکر کے ناصر جانناز تھے مگر اس کے اب رب ساز

ارجمند : ارے ناصر کو کیب ہوا بکھڑا آغ اب عز و جا تک پہنچی
فلک فطرت : غلہ جلد لاکے ان کو شگھاؤ آگ میں گھر پکے تے بارانی
ناصر : میں ہوں اچھا نہ فکر کچھ کیجئے لا باؤ لہا کو ہی وہ آخر کار

راوی : ہارے دورانہ ہوش میں آئی متحیر سے خود فلک دعوت
دورانہ : ناصر ————— ناصر تھے مگر اس کے اب رب ساز

فلک فطرت : کیا ہے دورانہ ؟

ارجمند : یہ رہے ناصر

فلکِ نعمت: عسین خاذاں ہیں ناصر شکر سے بن کے جے زبانِ قلم

ارجمند : جانی ناصر مجھے معاف کرو

دلِ کدورت سے اپنا صاف کرو

ناصر : بھائی ارجمند مجھے شرمندہ نہ کیجئے

ارجمند : خوابِ صاحبِ العوامیری آخری ہے

بچوں کو شہرِ بنِ خوشی بہت

فلکِ نعمت : خوابِ صاحبِ روح، فیصلہ خوب ارجمند کیا

ع۔ ہم نے دالمو یہ پسند کیا

ارجمند : آؤ، سرِ پسرِ بزرگِ تھیں

آواز : حق محمد، ارکمنِ مبارک تھیں

آوازیں : مبارک - سلامت

رفیقہ

آوازیں : مبارک جشنِ شہانہ

ساکِ عقیقہِ فردا

(فیڈ آؤٹ)

جگر مراد آبادی

جہ ذکر ہے سنگڑ کا۔ میں حساب میں گزاروں مگر غافل جس برس گذرے۔ ایک عمر مری بہ زنجیر میں مراد
 آدمی تو اگر احتیاط سے کام نہ لے نہ صاحب اولاد تک پہنچتا ہے۔ مہر جان معاف کیجئے گا یہ آخری ہی نرالی بات ہے کہ روپی
 کے شہر میں پوری میں ایک مشہور تھا ایسا بے پروہ، شرعہ مکہ، حور، دودھ، موٹی و رنگ، نہ نہ ساموہ اور کھٹار، اس
 نے جیسا یا سہا ہے کہ شلو کی آواز چوکیدار کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ سنہ ۱۲۸۷ھ میں وہ ایک طرف بیٹھا
 مانتا سونے کی مشق کر رہا تھا کہ اکبشم طوفان آگیا۔ سب اس بڑی حیرت کئے میں کہ جس وانی پچھلے پڑا اور اب جو کچھ
 ہوا تو ایک صاحب جن کا چہرہ غائب تھا شین خصل کے سلنے بیٹھے تھوڑے تھے۔ چہرہ غائب ہو رہا تھا کہ سر کے تمام
 بال اپنی تمام ترہ لپیٹ کے ساتھ اس طوفان وادی سے نکلے جئے تھے گویا یہ ایک سلسلی وادی ہے جو سر سے شروع
 ہو کر زندہ چہرے کو چھاتی ہوئی گردن تک آتی تھی اور یہ وادی سیاہ فرنگی اس ٹولی سے ہٹا کر نکلے تھی جو اس صاحب کے
 سر پر نہایت بے ڈھنگے ہی سے رکھی ہوئی تھی۔ ٹھکی سی شیرہ والی جس کے تمام میں کھے ہوئے۔ شیرہ والی کے قبضے جس
 کے رنگ کا۔ صبح اندر نہ ناممکن تھا یہ موٹی وادی پاجامہ جو کسی زمانے میں جیتا سفید ہو گا اور اس وضع فعل کے ساتھ یہ سب
 غول پڑھ رہے تھے۔ آواز ایسی کہ روح اس کی کھٹک عروس کیسے اور کلام ایسا کہ اس مشعرے کے سامعین جو واد
 دینے میں ممانت کی حدوں سے گذرے ہرے نظر آ رہے تھے حق بجانب نظر آئے گئے۔ میں جس وقت ہوش میں آیا ہوں اس
 فضا پر یہ شعر برس رہا تھا ہے

کہ حوسے برق چمکتی ہے دیکھ لیں زاہد
 میں اپنا جام اٹھاتا ہوں نوکٹہ اٹھا

کتاب اٹھا۔ شباب اٹھا۔ شراب اٹھا ایسی زمین نہیں ہے کہ اس کو اس آسانی کے ساتھ آملوں بنایا جاسکے مگر
 یہاں تو عالم یہ تھا کہ ایک سے ایک ڈھلا ہوا شعر سماعت میں کھٹک رہا تھا۔ ابھی اس شعر پر مجھ پر ہی ہونے کے شاعر نے
 مجھ کو دوسرا شعر پڑھا ہے
 مجھے اٹھانے کو آیا ہے واحد فناواں
 جو اٹھ کے تو مرا سفر شراب اٹھا

اور پھر یہ شعر —————
نشان منزل جذب تمام چپ نہ کا
اور قفا ہوا قطرہ اور حباب اٹھا
اور آخر میں مقلع —————
کہاں یہ بار کہاں پاسے نازک جا کاں
اٹھا سر، اور جگر خانہاں خراب اٹھا

ہتھے جگر۔ وہ جگرہ اور آبادی جن کی دھوم مٹی چکے تھے اور ملاقات آج اس طرح ہوئی کہ جب آپ غزل لکھ چکے اور چھوٹے پر چھائے ہوئے بال چہرے سے ہٹا کر اپنی سیاہ فرک ٹوٹی کے نیچے دباتے ہوئے آپ اپنی جگر پر اگر ہتھے تربست ہو کر دیکھنے والوں میں ایک میں بھی تھا۔ میں پوری کے صرف سنا تو جتنی سرن سنا دے۔ کہ ابابو جگر صاحب بہت ہی جلد تعارف کی رسموں سے گزر کر بے تکلف ہو گئے ہاں کی وہ لگوری جو وہ کھانا پانے کے لیے لے دی اور توام کھانے کا وعدہ کر کے ایک صاحب کو اپنے ارد گرد ڈھونڈنے لگے جس کے پاس توام کی شیشی دیکھ چکے تھے۔ اور پھر یہ اصرار دے پیشانی آپ ہی رکھ لیں حالانکہ وہ شیشی خود آپ کی بھی نہیں بلکہ آپ کے ایک دوست کی تھی۔

میں کیرتی میں قیام کا ارادہ بالکل نہ تھا مگر جگر صاحب نے زبردستی ایک ہفتے تک اسی گھر میں ممان رکھا جہاں خود ممان تھے اور اسے خلوص کے اپنے میزبانی کو طاق پر بٹھا کر خود ان کی اور اپنے دوسرے ممانوں کی ملاقات میں مصروف ہو گئے۔ میں پوری ہی جگر صاحب اس زمانے میں مٹی اصغر حسین صاحب اصغر خانہ کے بیان اپنا بیڈ کارٹو بنائے ہوئے تھے۔ فرخ آباد چلے گئے اٹا وہ چھ گئے یا جہاں میں کوئی پکڑے کیلے گئے اور پھر اصغر صاحب کے بیان وہاں آئے مسموم نہیں اصغر صاحب یہ تعلق حضرت اصغر گوندوی کے ہم نام ہونے کی وجہ سے تھا یا جگر صاحب کی قسمت ہی ہر محبت کے کھیلے ہر قسم کے اصغر کھیلے ہوئے تھے مگر اصغر کی بہ میں پوری والی قسم بھی واقعی محبت کرنے کے قابل ایک چیز تھی سفید واریسی اور بے تدکا یہ جہلا بھالا آدمی اپنی شخصیت میں اس قدر محبوبیت رکھتا تھا کہ اس بزرگ سچے کو دیکھ کر خواہ مخواہ پیار آتا تھا پھر جگر صاحب کو ان کے گھر پر ایسا اقتدار حاصل تھا کہ واقعی خود صاحب خانہ جگر صاحب ہی کے صلی نظریات تھے۔ میرے لیے ایک نزاکت یہ تھی کہ اس میں پوری کو میری سسران کی حیثیت بھی حاصل تھی میرے خسر صاحب محترم حکیم مولوی محمد سجاد حسین صاحب مرحوم و مغفور اس زمانے میں یہی بسلا ملازمت موجود تھے اور ملازمت کے علاوہ ایک مستقل حیثیت ان کو یہ حاصل تھی کہ میں پوری کے مشنوں کی صداقت کا گواہ آپ ہی کے پاس ٹھیکہ تھا۔ ان کی موجودگی میں جگر صاحب لاہمان بن کر نہ ہٹا ہر ہے کہ عجیب سی بات تھی مگر خدا کو ڈکھو کہ وہ جنت نصیب کرے خسر صاحب کو ان کو سوائے اس بات کے کوئی اعتراض نہ ہوا کہ جگر کی محبت بہر حال ایک زندگی محبت تھی اور باوجود وینڈ کر نے کے اتنا تر کہ ہی دیا کہ "بھئی یہ جگر کجست شراب بہت پیتا ہے بس یہی نہایت لغو بات ہے اس میں" مطلب یہ تھا کہ اس لغویت سے قدر ہی رہنا چاہیے۔ مگر دادا دھو تو ایسا سعادتمند کہ خود ان کے سایہ رحمت سے زیادہ سے زیادہ دور اور پس آواز سے قریب تر رہ کر ایک ہفتے کے بعد جگر کی اپنی روح پر طاری کئے اور ان ہی کے شرنگارتے میں پوری سے کھنڈا پس آ گئے۔

بشکل تمام آپ بھٹکے کہ واقعہ کیا ہے۔ مرقع قیمت جان کر وصل صاحب اور میں نے ان سے طرہاں میں کچھ کہنے کو درخواست کی اور آخر شاعر نے کچھ پتچے پتچے دو شعر آپ کے لیے جو آج تک بکے یا وہ ہیں۔

معد عشق میں جو کچھ بھی تھا کہ مہم دل تھا ان دنوں میں دریا تھا اس طرح سے میں ساحل تھا
خوشادہ و درجہ آغاز درو عشق کافی تھا مجھے عروس ہوتا تھا کہ میں سرتاج باوان تھا

اور یہ واقعہ نے کو بھی دو شعر حاصل مستور تھے۔ مگر اس خود فراموشی کے زخم میں میں عالم یہ تھا کہ شعر لے کے بچے غزل کہی ہے کہ کوئی صاحب جن کو کسی حکم نے نسخے میں لکھ دیا ہے کہ شاعری نہ رہ کر خواہ شد کہ سکو با نہ کہ سکو شریف سے آئے اور چپکے سے کہہ دیا کہ طرح میں فکر نہیں کر سکا آپ نے اپنی غزل ان کے ساتھ رکھ دی وہ شعر بھی لے گئے۔ کوئی اور صاحب اس قسم کے آئے وہ میں ایک آدھ لے جا گئے کسی کو کوئی مطلع پسند آگیا وہ لے گئے اور ٹھیک ان کے ساتھ میں گئی ہیں اس بات پر بہت جلد کہتا تھا اور اکثر جداری کی زبانت بھی مذا اس معاملہ میں مجھ سے چوریاں ہونے لگیں مگر یہ سہہ جاری رہا اور اب بھی جاری ہے حالانکہ ان سے پوچھئے نہ نہایت برہمی کے ساتھ غبار کر جاتے تھے۔

اردو کے ان حافظ نے میں پوری میں اپنے یہ سیریز بھی مبرا کر لیا تھا۔ ایش بہتہ تعطف دوست کو شیراز کی سیر کرنے لے جہاں جاتے تھے جذبہ پرستش لے کر گھر واپس آتے تھے مسرور بن کر۔ اس سیراز کا نام آپ حیدر علی تھا خدا اور صاحبان طور سے تعلقات میں قسم کے تھے کہ خود نہ بھی موسیٰ بنے نہ بری حور کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ بکھر کی تاب نہ لے کر آٹھ معلوم نہیں اسے کلیم سے بلجی غنی یا کلام سے بہر حال جگر صاحب کی حیثیت میرے نزدیک صرف اکویری جھڑک کی تھی۔ اب تو اللہ رکھے جگر صاحب گھر گھر ہست ہو گئے ہیں۔ سخت جاو ایسہ کہ شراب بی پھر شراب ان کو پیا خضر شراب ان سے چھوٹی اور یہ شراب بڑے پتے نہیں مگر تمام زندانہ ادا ہیں آج بھی موجود ہیں۔ بچوں کا سا مسرور ہوں جس سے کیئے خدا سی بات پر لڑوا دیں مگر لڑا کر بھی۔ دھننا نہیں جانتے جس سے لڑتے ہیں اسی کو مٹاتے ہیں خود ہیں۔ رہے کہنے ہیں جگر بہت بڑا شاعر ہے مگر میں کہتا ہوں جگر بہت بڑا انسان ہے اور شاعری اس کی تنہیت کا صرف ایک پردہ تو۔

ڈاکٹر صاحب

بھتیجی کی دکانکھ دیر کے بعد سو تو پر دو مسغور
و تو ناغاب آئی ہے۔

ریاض : خالد : حالت خرمی شینس آ رہا ہے سسر : خدو ۔

خالد : درگاہانی پتے پر نہ آتا تھا ہوا ۔

ریاض : یعنی بھاہر گا کچھ پتے نہ سامان درست کرو گا ٹی صرف باب کی منت ٹھہرتی ہے ۔

خالد : تو یہ کہنا ۔ تو اسی بستر لینا ہے یہ تو ۔

ریاض : ذرا کھینکنا اور میرا سوٹ کس نہا اور کھینک کب ہے ۔

خالد : نہیں ابھر تو میرا سوٹ کس ہے ۔ اس ؟ یہ کیا ۔ یہاں تو نہ میرا سوٹ کس ہے نہ خالد ۔

ریاض : یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔ اور آگے بڑھ کر دیکھو ۔

خالد : نہ کوئی سوٹ کس ہے ۔ میرا بیٹہ بیگ ۔ یہ تو بڑا غضب ہوا ۔ دیکھو نا کسی اور رتھ کب ہے ۔

ریاض : کیا فائدہ اب دیکھنے کا ہے کہ دونوں خافق سوئے کسی نے ہاتھ صاف کر دیا ۔

خالد : مگر اب ہو گا اب ہو گا کیا ۔ اس پر ویس میں میرے پاس نہ تو بیٹے کو کپڑے ہیں نہ جیب میں دھبیل ۔

ریاض : تو بامیرے پاس سب کچھ ہے ۔ شامت کی مار گھڑی اور جیسوں کا پرس جی بیٹے وقت سوٹ ٹیس میں

دکھ دیا تھا ۔

(ڈیرین آہستہ چلتی ہے)

خالد : خالبا اسٹیشن آگیا ۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مرے بے موت ۔

ریاض : اور ٹکٹ ؟ اور ٹکٹ بھی تو پرس ہی میں تھا ۔

خالد : مانگنا پڑی چھیک براہ دم ۔ بہر حال اللہ مالک ہے ۔

(ڈیرین بھرتی ہے کچھ اسٹیشن کی چل پھل)

ریاض : مگر یہ حرکت کیا کی ہے تم نے ایک ترمیمی ٹٹ گئے دوسرے تم نے جملہ نیکو لکھ سکاتے ہو کہ یہ
آخر ہینڈ بیگ سے کس کا۔

خالد : وہ جو مجھے کیا معلوم کس کا ہے میں نے تو بس ٹیپ سے اترتے وقت میں ہی اٹھا لیا تھا کہ ہمارا اتنا سا لکھا
ہے تو ہم کیا ایک ہینڈ بیگ بھی نہ اٹھائیں۔ خیال یہ تھا کہ کچھ نہ کچھ تو لکھے ہی گا اس میں سے۔

ریاض : اس میں سے نکلے گا گرفتاری کوارنٹ۔ دیکھ لینا لکھے ہی اسٹیشن سے ہینڈ بیگ کا ایک ٹیفین سے لکھا
تار کھڑکا لے گا اور ہم یہاں ہی ہینڈ بیگ کے دھریے جائیں گے۔

خالد : دھریے تو جب جائیں گے کہ یہ سوٹ کیس میرا مطلب یہ ہے کہ یہ ہینڈ بیگ ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے
جائے۔ ہم تو اس کو ابھی سامان نکالنے کے بعد پھینکے دیتے ہیں کسی طرف۔ کہہ نہ کہ تو وہ یہ لکھے ہی گا۔

ایسا بھی کیا۔ جو ایسا شاندار ہینڈ بیگ رکھ سکتا ہے وہ تو ڈاڑھت تو ہے کہ پوچھی ہوگا۔
ریاض : خدا کے لیے جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ آنے ہی والی ہے شامت ہماری اسی وقت

روم میں۔

خالد : دل کو مضبوط رکھو۔ اور چوروں والی گھبراہٹ خواہ مخواہ اپنے اوپر طاری نہ کرو۔

ریاض : اچھا تو تم غصہ خلعے میں یہ ہینڈ بیگ لے جا کر دیکھ بھال لو۔ میرا تو خون خشک ہوا جاتا ہے۔

خالد : خواہ مخواہ بھی جتنا ہم بچے کو چھپانے کی کوشش کریں گے اتنے ہی مشکوک بنے ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے
ہیں ہینڈ بیگ (ہینڈ بیگ کھول کر) یہ کیا۔ یہ تو کسی ڈاکٹر کا بیگ معلوم ہوتا ہے یہ دیکھو اسٹیتھو سکوپ

(STHETHIC COPE) ہے ڈاکٹر کا ہینڈ بیگ تو ہے ہی یہ دیکھو، انجکشن دینے کا سٹے یہ البتہ

کچھ ہے۔

ریاض : چھوڑ اسے میں یہ بلڈ پریشر دیکھنے کا آلہ ہے۔ باقی یہ سب دواؤں کی ڈبیاں اور شیشیاں ہیں۔ کچھ نہیں ب

اس میں دفع کرو۔

خالد : پھر تو عاؤ شاید ڈاکٹر صاحب کی ایک آدھ نہیں بھی نکل آئے۔ یہ کیا ہے غالباً پرس۔

ریاض : جی نہیں نشتر دینے کے چاقوؤں کا پاکٹ سٹ ہے۔ لے یہ دیکھو۔

(ایک دم ویننگ روم کا دروازہ کھلتا ہے اور ایک سیلٹ

داخل ہوتے ہوئے کہتے ہیں)

حمود : دہی من کہ جاں جانیے بھولا وہیں پڑے سرکھا۔ روز یہ ٹیپ لیٹ ہوا کہ تھی آج ہی اس کو ٹیک وقت

پڑا تھا تاکہ مجھے نزل سکے۔ کیوں صاحب معاف کیجئے گا۔ آپ کو کچھ پتہ ہے کہ دوسری ٹیپ اب کس وقت

ہے گی۔

ریاض : جی ہاں۔ مینی جی نہیں ہم کو کچھ پتہ نہیں۔

ڈاکٹر صاحب یہ میری ممتی ہے۔ آج جو تعاون ہے بخار کو اور آج تو اس نے صبح سے آنکھ ہی نہیں کھلایا ہے۔
 بائیں بیوش ہے۔ نہ جانے کیا کیا کر رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب بھی میری ایک ہمتی ہے ہم میں بھی یہی
 کو دیکھ دیکھ کر جی شے ہیں۔

خالد : آپ گھبراہٹ نہیں ضرورت۔ مگر برف یہاں کہاں۔ کسی گھوڑے کا باسی پانی منگائیے اور دھو لے لیں یا
 تو لیئے۔

محمود : ابھی لیجئے۔ (جاتا ہے)
 ریاض : خدا جانے تم اب اور کیا کھل کھلانے والے ہو۔
 خالد : شیش۔ دیر اور گرش وارو۔ انشا اللہ یہ لڑکی بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ ذرا ایک لمحے انتظار۔
 محمود : (اتنے ہوئے) یہ مجھے ڈاکٹر صاحب پانی اور یہ جھاڑن۔
 خالد : دیکھو کیا ڈنڈہ تم یہ جھاڑن اس پانی میں تو کر کے مریضہ کے سر پر رکھو۔
 ریاض : کیا مجھ سے کہا۔

خالد : تم پر سفر کی اتنی تھکن ہے کہ دماغ ہی حاضر نہیں۔ جس کہہ رہا ہوں کہ یہ جھاڑن پانی میں تو کر کے مریضہ کے سر
 پر مسلسل رکھتے رہو اور دیکھئے صاحب آپ تھوڑا سا پانی گرم کر لیجئے۔ باتا صاف آبلو لیجئے پانی۔
 محمود : ابھی لیجئے۔ میں بھی ذرا پانی جوش کر دو جدی سے اور چائے کے لیے بھی پانی دیکھواؤ۔ بلکہ میں خود تاجر
 ابھی پانی ابھی حاضر ہوا۔ (جاتا ہے)

ریاض : یعنی میں کیا ڈنڈہ بھی ہو گیا۔
 محمود : (لڑتے ہوئے) جی مجھ سے کچھ فرمایا۔
 خالد : جی نہیں آپ تشریف لے جاتیے۔ میں کہہ ڈنڈہ سے بات کر رہا تھا (وقف) تم سے کچھ دیر چپ نہیں
 رہا جا سکتا۔

ریاض : مگر میں کتنا ہوں کوئی آٹنی سیدھی بات نہ ہو جائے کہ دھریجے جائیں۔
 خالد : دیکھا جائے گا۔ اللہ مالک ہے۔ ذرا کھلو یہ بیگ۔ وہ انجکشن کے سیٹ کی ڈبیا کہاں ہے۔ ہاں یہ رہی۔
 ریاض : خدا کے لیے اب کوئی انجکشن نہ بے بیٹینا۔ (محمود آتا ہے)
 محمود : بس ابھی آبلو جاتا ہے پانی ڈاکٹر صاحب۔ اس کی حالت کچھ بہت خطرناک تو نہیں ہے۔
 خالد : مرض بڑھ تو چکا ہے مگر خدا کی ذات امید ہے کہ فائدہ ہوگا اور مریضہ ٹھیک ہو جائیگی۔ آپ یہ انجکشن کی
 پچکا رہی آہٹے ہوئے پانی میں رکھ دیکھئے اور پھر وہ پانی یوں ہی آٹھالائیے۔

محمود : ابھی لیجئے۔ اب تو شاید آبلو رہا ہوگا پانی۔ (جاتا ہے)
 خالد : (ہینڈ بیگ میں کھڑکڑکے ٹوٹتے ہوئے) نہ جانے کیا کیا ہو رہا ہے اس میں۔

نامراد ہیٹنگ بیگ کو اٹھانے کی آخر کیا ضرورت تھی۔ خیر فرض کر لیجئے کہ یہ ایک اضطراری حرکت تھی۔
تو اب ڈاکٹر ہی بن چکے تھے۔

خالہ: کون بن بیٹھا ہیں! بخدا ابھہ کو زبردستی ڈاکٹر بنایا گیا ہے۔ اب تم ہی بناؤ کہ میں کیسے کہہ دیتا۔ کہیں ٹاکسز
نہیں ہوں۔ اور یہ ڈاکٹر کا سامان چوری کا ہے۔

ریاض: خیر یہ تو نہیں کہہ سکتے تھے۔ اور مجبوراً ڈاکٹر بننا بھی پڑا تھا۔ تو یہ آپ سے کس نے کہا تھا کہ آپ انجکشن
دینا بھی شروع کر دیں اور جو یہ لڑکی مردہ گئی تو۔

خالہ: جس کی موت آئی ہے وہ کچھ کے ڈاکٹر کی دوسرے بھی مر جاتا ہے اگر دعویٰ بھی کیجئے تو ڈاکٹر کا کیا
ہے خدائی کا تو نہیں کیا ہے۔

ریاض: اب تک تو صرف یہ دھڑکا تھا کہ ہیٹنگ بیگ کی چوری کے سلسلے میں پولیس آئی ہی ہوگی گرفتار کرنے اب
دیکھ لینا یہ ہوگا کہ مرے گی یہ لونڈیا اور یہ جو اس کا باپ سے بندھواٹے گا ہم دونوں کو۔

خالہ: خیر مرنے نہیں وہ اس کا ذمہ تو میں لیتا ہوں۔ میں نے صبح انجکشن دیا ہے۔ جی میں تم کو کیسے یقینی دلاؤں
اسی انجکشن سے میرا بخار اتر اٹھا۔ مگر ایک بات بناؤ کہ ایسی خوبصورت لڑکی اگر واقعی مر گئی تو خود تم
کو افسوس نہ ہوگا۔

ریاض: اللہ سے اطمینان۔ یعنی اپنے اس کی خوبصورتی بھی ماری۔ یہاں کس کا مر کو گھبراہٹ کی وجہ سے خیال
بھی آیا ہو کہ اس لڑکی کی صورت شکل بھی دیکھنا چاہئے۔

خالہ: یہی مجھ میں دو۔ تم میں فرق ہے تم کھرتے زیادہ ہو حالانکہ خطرے میں زیادہ مبتلا میں ہوں۔ اس لیے کہ اگر
پولیس وغیرہ کی تحقیقات کی نوبت آئی تو تم کھٹ سے کہہ دو گے کہ سب کچھ کیا دھرا اس شخص کا ہے بلکہ تم تو
دیشنگ دوم ہی میں کہنے والے تھے ان حضرات سے۔

ریاض: جھوٹ کیوں کہوں میں سمجھا تھا کہ یہ پولیس کا آدمی ہے۔

خالہ: آپ کی اسی سمجھداری کا تو ماتم ہے۔ خیر چائے تو بناؤ ٹھنڈی ہو جائے گی۔

ریاض: چائے اٹھائے ہوئے) بخدا میرا دل دھڑک رہا ہے۔ کہ نہ جانے تم نے کس دعا کا انجکشن دے دیا ہے۔ اور
ابھی آئی ہے یہ خبر کہ وہ چھو کڑی چل بسی۔ لوہ پڑ جائے۔

خالہ: چائے پی کر ٹھنڈی دیر سو لو گے تو دماغ کا یہ بار ہلکا ہو جائے گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہارے مزاج میں
اس قدر وحشت ہے۔

ریاض: میں تو بھائی صاحب سوچ رہا ہوں کہ یہاں سے تو دو گیارہ ہو جاؤں۔

خالہ: خدا تمہیں بیٹا دے اگر یہ احسان کر جاؤ تو کیا کہنا ہے۔ میں صاف بچ جاؤں گا۔ اس لیے کہ مغرور ہی جرم
کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ شاید جناب کو یہ نہیں معلوم کہ فرار اقبالی جرم کا دوسرا نام ہے۔

ریاض : بہر حال مجھے کھانا کھانے کو اور اپنے ساتھ لے کر چلنا پڑے گا۔
 خالد : جوتست میں کھانا ہے وہ تو پرانا ہی ہے۔ مگر میں اس وقت یہ سوچ رہا ہوں کہ ایسی صبحی شکل کدو اتنی مرنا
 ہرگز نہ چاہیے۔ حالانکہ بیماری تیار ہے۔ مگر پھر بھی سچا خدا بہر حال غور و دیر سوچو۔ غالباً دوا کی
 دہے ہیں۔

ریاض : دودھ —۔ دماغ ٹھکنے ہے یا اسے کم نہ ہوں گے۔ ڈیڑھ بجے وہم ٹرین سے اترے تھے۔
 خالد : اخیر چار ہی سہی اب کون تم سے وقت نکالنے۔ مطلب یہ ہے کہ سوچا جا چکا ہے۔ اچھا صبحی شب بخیر
 (خاموشی گھڑی کی مسلسل گنگ۔ کچھ دھنسنے کے
 بعد دروازے پر دستک)

خالد : اگلا آئی لے کر کمروں سے آجائے اندر۔
 محمود : (اتنے ہرے) صاف کہنے کا شاید میں نے آپ کو جگادواؤں چڑھا آیا تھا۔ جس نے کیا ناشتہ ہی دیر نہ ہو۔
 خالد : پہلے رضیہ کا حال بتائیے۔

محمود : اس کا حال مجھ سے نہ پوچھئے۔ اس بستی کے ایک ایک آدمی سے پوچھئے۔ ساری بستی سے اس وقت آپ کی بیوی
 میاں کے پرچے میں میرے لہجے میں ترس کے دھانوں پانی چڑکی ڈاکو صاحب۔ میری رضیہ اس وقت ہوشیار ہے
 بخار بھی میرے خیال میں نہیں ہے اور وہ ماشاء اللہ بالکل بکاش ہے۔ میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کر رہا ہوں۔
 ریاض : اگلا آئی لیتے ہوئے۔ اسلام حکم۔

محمود : آٹھ کپورنڈر صاحب دن چڑھ آئے ہیں اور منہ دھوئے۔ ناشتہ تیار ہے۔

خالد : میں ناتتے سے قبل رضیہ کو دیکھنا چاہتا تھا۔
 محمود : تو آپ تشریف لے گئے ناشتہ ہی تو وہیں ہوگا۔ ڈاکو صاحب میری رضیہ کو پکا کپڑے لے کر فرما رہا ہے۔ ذرا کھیر
 آپ کا یہ احسان نہیں بھول سکتا۔
 ریاض : بیٹا۔ وہ گریا ٹھیک ہیں اب۔

خالد : ہاں بخار آ کر گیا ہے اور وہ ہر شیا میں اپنے کچھ کھانے کو بھی دیا ان کو۔

محمود : جی ابھی تو نہیں آپ سے پہلے بغیر کچھ دیتا۔

خالد : بہر حال چلے ہیں خود دیکھ کر کچھ تجویز کروں گا۔

محمود : زچہ تشریف لائیے۔

ریاض : ابھی حاضر ہوا ذرا منہ دھو لیتا۔

محمود : جی ہاں شوق سے۔ وہ دراصل خانہ دہی تو لیں بھی ہے صابن بھی۔ منجھو بھی۔

خالد : اچھا تو تم آؤ میں چل رہا ہوں۔ تشریف لائیے صاحب۔

محمود: اسی دروازہ سے نکل چلے۔ اے بھی ڈاکٹر صاحب آپ ہیں۔ تشریف لائیے تا اپنے غصوں سے کمر بندہ کرتا ہے۔ دوش تھامے ڈاکٹر صاحب آگئے ہیں جنہوں نے تم کو پالیہ ہے۔
خالہ: کیئے صاحب کہ حال ہے آپ کا۔
رضیہ: ابھی ہوں بالکل۔

خالہ: کچھ سر میں درد دو۔ کچھ بیماری کا اثر وغیرہ۔
رضیہ: جی کچھ جی نہیں ہے بس جھوک کی شدت ہے۔
خالہ: ابھی لیجئے۔ کٹا خانے کو جی چاہتا ہے کوئی میٹلی چیز یا چٹنی چیز۔ بعد شہد ہے ناشتہ آجائے تو میں آپ کے ساتھ ہم سب زشتہ کر رہے تھے۔ آئیے ریاض صاحب دیکھئے میری مریدہ کو جس پر آپ سب جادو کرنے کی تہمت رکھ رہے تھے۔ رضیہ صاحبہ یہ ہیں میرے کیا نوڈر ریاض صاحب ان بچائے نے جی رات آپ کے لیے بڑی محنت کی ہے۔

ریاض: حیرت ہو رہی ہے آپ کی اس قدر جلد تندرست دیکھ کر۔
محمود: مجھے بالکل حیرت نہیں۔ مجھے تو اسی وقت رضیہ کی محنت کا یقین ہو گیا تھا جب میں مایوسی کے عالم میں آپ دوں چانگ و بینگ روم میں مل گئے۔ یہ سب خدا کی طرف کے انتظام تھے۔ (آواز سے کہ) اے بھی ناشتہ لاؤ نا۔
خالہ: ہاں جی رضیہ اب یہ بتاؤ کہ بستر سے اٹھ کر ہم ہماروں کی خاطر تواضع کا ارادہ کب سے ہے۔
رضیہ: میں تو ابھی بستر سے اٹھنے کو تیار ہوں اگر آپ اجازت دیں۔

محمود: بلکہ یہ تو ذرا سے باندھے پڑی ہوئی ہیں صبح ہی ان کا ارادہ ہوا تھا کہ بستر سے اٹھ کر حسب معمول گھر واری شروع کر دیں۔ اے ناشتہ ادھر رکھ دو۔ یہ دونوں چھوٹی مہتری ادھر لگا دو۔ ایک عجیب ناشتہ یہ ہوا ہے ڈاکٹر صاحب کہ آپ کے تشریف لانے کی خبر سن کر ادھر رضیہ کے اتنی جلدی محنت ہانے کے پرچے نے بہت مریض صبح ہی سے آپ کے لیے بچ کر بیٹھے ہیں۔ میں نے صاف کہہ دیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب میں چڑی نہیں بیٹھتی۔

خالہ: لا حول و لا قوۃ۔ نہیں کیا سوال ہے میں آپ کا ایمان ہوں۔ ہاں بھی رضیہ اس ناشتے میں سے کیا چیز پسند ہے سوائے اس مٹلے ہوئے انڈے کے جو غالباً پھڑا ہوا ہو گا۔ ادھر باقی سب کچھ تم کو مل سکتا ہے۔ میری رائے میں تم کھاؤ۔ دس گھنٹہ اور، ہر ایک پیالی چائے۔
رضیہ: جی ہاں شیک ہے ٹرسٹ ہی کا ارادہ تھا۔

خالہ: اچھا یعنی دس نہیں بلکہ ٹرسٹ کہتی ہو کافی عالم فاضل معلوم ہوتی ہو۔
محمود: جی ہاں ان کا شوق ہی ادھر کیا ہے سوائے پڑھنے کے بیٹھ کر کہنے کے بعد میں نے کہا بیٹی اب کیا کر دیں گے پٹھہ کر گھر ان کا نہ ہانے کیا ارادہ ہے گھر سے دور لا ہوندا ہیں ہوسٹل کی زندگی بسر کرتی ہیں اور پچھو رہی ہیں۔

خالہ: خوب خوب۔ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے اگر میرا ہوں۔ بخیر جی۔ یہ ہوجاتا تو میں کچھ دلچسپ کہانیاں بتا دیتا۔

عمود: سلطان محمدی ہو گیا آپ کا۔
ریاض: وہی تو وہ ناچنے ہونے دو ہے تھے ہم دو گ جب آپ سے دفنگ ہو میں چمک دکھات ہو گئی۔
عمود: تو کچھ بہت زیادہ نقصان ہو گیا خدا نخواستہ۔

ریاض: سونے ایک ہنر کے اور وہ ہی کیا گیا
خالہ: اور وہ ہی اس لیے۔ کیا کہ اس پر سوچتے تھے۔ بس یہ رنگ تو بہتر رہا ہے۔
ریاض: جی ہاں جی ہاں گریہ ہینڈ بیک جی۔ ورنہ بڑوں کے سوٹ کس۔ پیچی جس میں نقد یہ میری خاک کچھ ضروری
کافورات تھے گھڑوں میں گھٹ گئے۔ سب یہ کچھ فرما رہے ہیں۔
عمود: کوئی بات نہیں جن کا صدقہ مال ہے۔ سب کچھ بتا رہے ہیں۔ اگر صاحب دیکھے آپ نے اسے اس طرف
کے نہیں معلوم ہوتے۔

خالہ: جوں تو نہیں بیان کا مگر اب تو مغربی پاکستان میں اطراف باقی ہی ہیں رہے۔
عمود: جی ہاں مگر میرا مطلب ہے کہ شاید ہندوستان کے قتل ہو جائے آپ کا۔
خالہ: اس اعتبار سے تو واقعی صاحب جوں۔ حالانکہ ایک یہ بات کچھ جی نہیں آتا کہ اپنے گھر میں آنے والے
کو مہاجر کیوں کہا جاتا ہے۔

ریاض: شکر ہے کہ اب ایک وحدت ہے اور کوئی یہ نہیں پوچھ سکتا ہے کہ ہندوستانی ہوا پنجابی۔ سندھی ہوا یا
سرحدی اب تو واقعی کسی کو مہاجر کہنا یا کسی کا اپنے کو مہاجر کہنا بھی غلط ہے۔
عمود: بالکل غلط ہے۔ صاحب ہر سب مل جل کر ایک ہیں۔ اگر صاحب میں تو نے کچھ چکا ہوں۔ پنی پکی کی شاہوی
یہ سوال ہی نہ اٹھاؤ لگا لگا کہ ان کا ہے بس پاکستان کا ہونا کافی ہے۔

خالہ: جی ہاں ٹیگت تو اس صورت سے پیدا ہوگی۔ کیوں بھی رخصت ایک یہ بالی اور سانی جانے۔
رضیہ: جی نہیں میں کافی ہے اب کھاؤ ہی کھاؤں گی تھوڑی دیر میں۔

خالہ: صاحب آپ ذرا زحمت فرما کر اسی کیسے سرخی کے چوڑوں کا انتظام کریں تاکہ ان کو کھانے میں مرض کا شہ بہل
کے اور اگر زحمت نہ ہو تو ان مریضوں سے بھی فرما دیں جو میرے منتظر ہوں گے کہ شام کو آجائیں تو اچھا ہے۔
عمود: بیشک بیشک میں بھی چاہتا تھا کہ آپ ذرا آرام فرما لیں۔ کیوں بھی یہ کیا لائے ہو کشتی میں۔ اچھا اچھا
نذرانہ ہو گا رکھو یہ کشتی۔ ڈاکٹر صاحب یہ نہ کوئی مداخلت ہے نہ آپ کے احسانِ عظیم کا کوئی بدل بند ایک
خیر سی خیر ہے۔ یہ کچھ پارچہ حیات یہ ایک ادنیٰ سی گھڑی اور یہ ایک حقیر سی رقم۔

خالہ: یہ تو ان کی گڈی۔ اس کو آپ حقیر سی رقم کہہ رہے ہیں۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ میرا فرض تھا وہ نہیں ہوتا

جس کوئی چیز قبول کر کے اپنے اس فرض کو کاروبار بنانا نہیں چاہتا۔
 محمود : ڈاکٹر صاحب، دنیا اسی طرح چلتی ہے آپ نے مجھ کو میری کھوئی ہوئی مٹی دیوادی میں آپ کا کھنڈا ہوا سا
 اگر نہیں دیا سکتا، تو حسبِ توفیق جو کچھ پیش کر سکتا ہوں اس سے تراکار نہ کیجئے۔
 خالد : اچھا اس کو چھوڑتے ہیں۔ فی الحال جو انتظامات میں نے کئے ہیں وہ کر دیجئے۔
 محمود : بہتر ہے یہ بات بھی میں آپ سے نہیں کیاؤں ڈاکٹر صاحب نے کئے لینا ہوں۔ آپ تشریف لائیے ادھر
 کہاؤں ڈاکٹر صاحب۔

(دو دروازے جاتے ہیں)

خالد : دیکھا آپ نے، مصیبتِ بیکم آپ کے والد مجھ کو معاوضہ دے کر اس خوشی سے محروم کرنا چاہتے تھے کہ میں نے ایک
 مرجھانے والے پھول کو پھر سے شگفتہ کر دیا ہے۔

رضیہ : جی — پھول ؟ — اچھا گو یا آپ ڈاکٹر کے علاوہ شاعر بھی ہیں۔

خالد : میں شاعر ہوں یا نہیں مگر آپ سخنِ فہم ضرور ہیں۔

رضیہ : شکریہ۔ مگر آپ کو اس نذرانہ کے قبول کرنے سے انکار کیوں ہے۔ آپ نے مجھ کو دوبارہ زندگی دے کر
 میرے گھر بھر کو نئی زندگی بخشی ہے کاش اباجان آپ کی خدمت میں وہ نذر پیش کر سکتے جو دراصل ان
 کو میں کرنا چاہتی تھی۔

خالد : مگر مجھ سے یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں آپ کے علاج کا معاوضہ وصول کر لوں۔ میرا بہترین معاوضہ یہ ہے کہ مجھ
 کو اپنے تصور کے لیے ایک ایسا نقش مل گیا ہے جس نے سارے نہایتیوں کو آباور کھا جاسکتا ہے اب
 میں یہاں سے تنہا نہ جاؤں گا۔

رضیہ : سوال یہ ہے کہ جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

خالد : کاش یہ سوال واقعی پیدا ہو سکتا۔

ریاض : (دو دروازے سے) خالد۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب فوراً بات سنیتے۔

(خالد جاتا ہے)

خالد : (قریب آتے ہوئے) کہا بات ہے۔

ریاض : ادھر آئیے۔ میں نے کہا یہ کیا حماقت ہے کہ اتنا روپیہ معاوضہ تنے کپڑے ایسی قیمتی گھڑی اور یہ پر تکلف سا

چھوڑ دے ہو معلوم بھی ہے ایک ہزار کے نوٹ ہیں۔

خالد : میں ایک اس سے بھی زیادہ قیمتی چیز چھوڑ کر یہاں سے جاگ جانا چاہتا ہوں۔ فوراً اسی وقت بس بیڈ روم

اٹھاؤ اور چل دو۔

ریاض : وحشت کیا ہے آخر۔

خالقہ : میں سب کچھ کر سکتا ہوں، مگر وہ حرکتیں نہیں کر سکتا۔ مجھ کو ڈاکٹر سمجھا جا رہا ہے۔ وہ نہایت خطرناک حرکت پر ہوشیار ہے۔ آج بھی زندگی بھر کا یہ تجربہ نہیں کر سکتا۔

ریاض : تو پھر یہ چیزیں تو ادب سے کہہ دو۔
خالقہ : میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔ میں اس کو چھوڑ کر تو جا سکتا ہوں مگر یہ میری نہیں جا رہا۔ کہ وہ مجھ کو نفرت سے یاد کرے۔

ریاض : چیریاں سے جانکا تو اس سے بھی بڑی ہے کتاب کس کس طرح کر کے دیکھاں تک قسمت نکھارا ساتھ لے گی۔ مگر یہ چھوڑ۔

خالقہ : قسمت بھی ان چیزوں پر نہیں کہ جو وہ ہوں کہ خالقا، سبب و اثر تو وہ ہے۔ میں تو اس میں غلطی کے دستانے سے نمٹ سکتے ہیں۔ وہ نہ چھوڑے۔ لے۔

ریاض : کہنے بھر کا تو وہ بھی لے لے۔
خالقہ : غلطی اور مجبوری سب کچھ کر رہی ہے خالقا، یہ پھر وہ دیکھا۔ میں وہ نہیں ہیں صرف دور سے۔ میں نے بس کافی ہیں۔ اب جلد ہی میں چلاؤں گی جلد ہی نکھریں گی۔

ریاض : جی تو رہا ہوں آؤ ہر کیوں جھٹلے ہو۔ چھوڑو۔

خالقہ : ہمدرد وہ یہ دروازہ

(ختم)

وحی

ملازمہ : حکیم صاحب آنے ہیں۔ بیگم صاحب !
 بیگم : اچھا۔ دیکھنا ! تجھ وہ ان کی طرف نہ نکل جائیں، بلا وہاں، جلدی سے !
 بیگم : میں نے میرے کمرے کے دروازے پر لوگوں سے بل کر جانیں، بلو جان کو دیکھنے۔ بیگم وہ تو آ رہے ہیں، اسی وقت حکیم صاحب !
 حکیم صاحب : (دکڑے کے باہر ہی سے آواز دے کر) میں حاضر ہو سکتا ہوں بندہ نواز !
 بیگم : تشریف لے آئے حکیم صاحب !
 حکیم صاحب : (آتے ہوئے) آداب بجالاتا ہوں بیگم صاحبہ۔ جیتی رہو فقہ جیٹ۔ کیسے صاحب کیا حال ہے خاں بہادر صاحب کا۔
 بیگم : حال کیا ہوتا حکیم صاحب جس مرض کا آپ علاج کر رہے ہیں، کچھ پڑھئے تو اس کی معائنات کس پاس بھی نہ تھی۔
 حکیم صاحب : یہ تو آپ نے عجیب بات فرمائی۔ میرے خیال میں تو دنیا میں کوئی مرض ایسا نہیں ہے جس کی معائنات نہ ملنے بتل
 مولانا محالی کے پیدا نہ کی ہو۔
 بیگم : یہ تو شک ہے، مگر وہم کا علاج نہیں کر سکتے۔ میرے خیال میں تو ان کو سوائے وہم کے کوئی بیماری نہیں ہے۔ خداک ماشاء
 اچھی ہے۔ نیند خوب آتی ہے۔ وزن اٹھانے لگے بڑھ رہی رہا ہے۔ بخار ان کو نہیں۔ کھانسی اٹھ نہ کہے ان کو نہیں۔ دودھ دار
 کہیں درد بھی نہیں۔ پھر آخر بیماری کیسے ہے۔
 حکیم : بیگم صاحبہ ! صبر! صبر! ایسے جوتے ہیں جن کو صرف مرعین موسس کر سکتا ہے۔ اور اگر فضل سے کہنا نہ تھا تو عجیب بھی کہ
 سکتا ہے۔ مگر ابست میرے نزدیک آپ کا یہ خیال درست نہیں کہ خاں بہادر صاحب ہر طرح تندرست ہیں اور صرف
 وہم میں مبتلا ہیں۔
 بیگم : تو آپ کے نزدیک ان کو شکایت کیا ہے۔
 حکیم : وہی تمام شکایات جن کا اظہار خاں بہادر صاحب کہتے رہتے ہیں کہ بخار نہیں ہے۔ مگر منہم چڑھا ہے کہ ہے، بھوک لگتی ہے
 مگر جتنا کھا ناچاہتے ہیں نہیں کھا سکتے۔ دل جو ان سے اور خود روز بروز ضعیف ہو رہے ہیں۔
 بیگم : کمال کرتے ہیں حکیم صاحب آپ بھی ! میں کتنی بدیں عمری آخر کوئی چیز ہے۔ آپ کے خیال میں کیا بدی مان کی عمر !

حاج بہادر (مدرسہ) کے جیٹ کوئی ہے۔

— 26 —

نہایت پرستش و تعظیم کے ساتھ

تازو: د سید بستر

دیکھو! انجیل میں۔ سرورِ داسیہیں۔

بیگم : تم چلو! میری مدد کیجئے صاحب نے کہا کہ مجھ جانی ہے، حکیم صاحب! آہن خون کی اداں میں دیکھو جتے ہیں صاف صاف کہوں نہیں کہنے کو آپ! بالکل تسہل ہیں۔

یہ حکم
 دیا تھا آپ کو کہ میں اپنی خیر خواہیوں کی قیمت وصول کرنے کی وجہ سے خاں بہادر صاحب کو غلام پیدا کرنے
 دے گا۔ مگر یہ غلام ہے بلکہ صاحبہ عاتقی میں جس کی حالت کا تصور ہی جوہر نبی میں آتا ہے۔

یلم، ترکی کے انگریزی نام -

فہمین عیادی مجربہ ہوتی ہے۔ ایمانی حالت کا۔ ان کے عظام میں اعتدال نہیں ہے۔ قوی مضمحل ہو گئے ہیں۔

ہم نے آج اپنے صاحبزادے کو گرجا میں بھیجا ہے۔ صبح کو وہ آپ کی مہرجوگی ہی میں آجائیں وہ کل صبح دیکھ گئے ہیں۔

حکیم اداکنر الکبر۔ صاحبزادے کو راجن سے بھگد کی نسبت بھی ہو رہی ہے۔

اجی ان وی سائنسدانوں نے کہا کہ ڈاکٹر ہے۔ ہزار بار سوچی پرکھیں تو ابھی سے جو گئی ہے اُس کی۔

۱۰۔ وہ سب سے گراں گزشتہ آپ کو معلوم نہیں کہ خاقان بادشاہ صاحب یونانی مہر میں مبتلا ہیں۔ ان امراض کو طب انگریزی کے سبب
محل سے گزرتا ہے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔

بیگم : جی ہاں اب اس اختیار سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ ہے۔ آپ تشریف تو نہ لے رہے۔ آپ کہیں کہے کہ اور امراض ضعیف کئے جاتے ہیں۔

بسم الله

دودھوں جاتے ہیں ذرا سے وقفے کے بعد خان بیلور کی آواز قریب آتا

شرعاً صحیح ہے،

خان بہادر: نفعی صاف لکھا ہے کہ مرہ سیب و رقی نقرہ مجیدہ اول بخند۔ اور یہ کہ چندی گنی پہلے دعا گرا جس پر اول بخند

حق وہ سب ان ہو گئی۔ خوب ہو رہی ہے تیرا دلی۔ اب نہ جہنے اس کا کیا تجویر۔

بگم : خطی تو ضرور ہو گئی مگر یہ کوئی اتنی پریشانی کی بات نہیں ہے ابو جان !

خان بہادر : اسے کیا بیمار نے ایسے اتنی ہی بات بہت ہوتی ہے۔ دیکھ رہی ہو میری حالت۔ گرمی میں تو دل گھڑی میں ماٹھ۔ اور وہ ! بدنی مجن !

بگم : اُس کی دوا نہیں ہوئی جا رہی ہیں، چٹنی بھی تیار ہے۔ لعون بھی بیگم ہے۔

خان بہادر : ذرا دیکھنا بیٹی میرا جسم تو گرم نہیں ہے۔ آنکھیں کچھ جل سی رہی ہیں۔ نچنے کی ہوا بھی گرم ہے۔

بگم : نہ کہیں ابو جان۔ تم تو اچھا خاصہ ہے۔

خان بہادر : مگر یہ تمہاری پتیلیاں کیوں جل رہی ہیں۔ دکھانا دیا۔ ہوں۔ ہوں دوسرا ہاتھ دو۔ ٹیک ٹیک۔ ضرور حرارت ہے۔

جسم گھٹن ہے۔ چہرہ بھی تمہاریا ہوا ہے۔ حکیم صاحب آئیں تو نبض دکھا دیتا۔ آئیے حضور۔ یادش غیر۔ جس بڑی عرصہ۔ نام یہ

ہی تھا کہ تشریف لے آئے۔

حکیم : کئے حضور مزاج مبارک۔ کیا حال رہا۔

خان بہادر : میرا حال تو بعد میں پوچھے گا پتے ذرا صابزادی کی نبض دیکھئے۔ میرے خیال میں حرارت ہے اور بھر کی آند آند ہے

آنکھوں کا اضلال اور چہرے کی جھیر بھڑاہٹ ملاحظہ فرمائیے۔

حکیم : دکھانا بیٹی ذرا اپنی نبض !

بگم : چھوڑیے بھی حکیم صاحب اچھی خاصی ہے۔ یہ ان کو تو اپنے متعلق ہی طرح طرح کے شک گھیسے بہتے ہیں اور دوسروں کو بھی دہم

میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔

خان بہادر : کمال کرتی ہیں صاحب آپ بھی۔ یعنی میں کہہ رہا ہوں کہ دلی بیمار ہے اور آپ فرماتی ہیں دہم ہے۔ آخر مجھ کو بھی کچھ نہ کچھ تجویر

تو ہے ہی۔ جو شخص اتنے دن سے بیمار ہو وہ خود بھی چھوٹا موٹا طبیب تو ہو ہی جاتا ہے۔ کیا ماننے ہے حکیم صاحب۔

حکیم : بجا فرمایا غریب بہادر صاحبزادی کے چہرے پر طالت کی تمام علامتیں موجود ہیں۔ کیوں چینی نزلہ کی شکایت تو نہیں ہے۔ شفا

پھینکیں بلگلے میں کچھ سرسراہٹ۔

بگم : جی نہیں مجھے اس قسم کی کوئی شکایت نہیں ہے۔ آپ ابو جان ہی کو دیکھئے۔

خان بہادر : اب ہو گئی بھی کوئی شکایت تو وہ ظاہر عورتوں کو سے گی۔ ماں کی ٹٹاں ہیں بچا نئی ہے۔ اس کو اپنی عاقبت عورتوں کی خطرے میں ڈالنا

ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ یہی چھوٹی چھوٹی شکایتیں بڑھ کر ملک امراض کی صورت اختیار کر لیں۔

حکیم : درست فرمایا خوب بہادر۔ اگر ان معمولی شکایات کا ابتدائی میں سہا باب نہ دیا کہے تو طالت طالت اختیار نہ کرے۔

بگم : حکیم صاحب آپ اس قہقہے کو چھوڑئیے فی الحال۔ آپ ان کا حال سنئے امدان ہی کا معائنہ فرمائیے۔ کل ڈاکٹر اکبر نے ان کو دیکھ کر

آپ کی ہر کیفیت سے اختلاف کیا ہے۔

خان بہادر : جی ہاں وہ صاحبزادے بھی عجیب اناری نکلے۔ میں تو سمجھا کہ مستے و خون یکسٹھ کل کالج میں پڑھا ہے۔ دو تین سال قبل

مکتفے سے تین لکاس ماسوں کے رس ہے۔

بیگم : اور وہ پٹنیاں۔ مخمیں ملوک۔ سوتے اور حریے انگ سے استعمال کے جو حکیم صاحب نے دوا کے طور پر بتائیں۔
خان بہادر : خیر۔ خیر۔ یا رب وہ نہ بچے ہیں نہ بچیں گے میری بات — تو میں بہ عرض کر رہا تھا حکیم صاحب کہ اب کھلنے کا وقت نہیں ہے۔ مگر چونکہ جیسے کوسوں پر نہیں۔ مجھے تو اب یہ شبہ ہو گیا ہے کہ میرے پیٹ میں سمدہ ہے ہی یا نہیں۔ اور اس صاحب سے ایک عجیب شکایت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ غرضی غرضی دیر کے بعد پیر سو جاتا ہے۔ یہ خال کا مقدر تو نہیں ہے حکیم صاحب۔
بیگم : جب چہ میں گھنے پڑے رہو گے تو اور کیا ہوگا

خان بہادر : صاحب : عجیب ہے حو بات میں حکیم صاحب سے کرنا ہوں جواب آپ دیتی ہیں ان کو بھی تو کوئی دمنے قائم کرنے دیجئے۔ یہ پیر کا من ہو جانا یا سو جانا معمولی بات نہیں ہے۔ مجھے تو بڑا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔
حکیم : ہے ہی خدا ناک بات۔ میں اس کی رعایت نفسے میں کر دوں گا اور آپ بھی پرندہ در میں کہہ کر کا اضافہ کر دیجئے۔
(دوڑ کا کارن)

بیگم : اسے دیکھو۔ میرا خیال ہے اکبر میاں آئے ہیں۔ تم انھیں میاں لے آؤ۔

لڑکی : بہتر بیگم صاحبہ۔

حکیم : تو میں اب اجازت چاہوں گا۔

خان بہادر : نہیں صاحب۔ آپ تشریف رکھئے اُنے دیجئے ان صاحبزادے کو، ایسے ایسے لہذوں کو ماحری میں کون ہوتا ہے۔ کماں آپ ایسا عجیب حاذق کماں وہ کل کا چھو کر۔ اور میں نے کہا سن لیجئے۔ بیگم صاحبہ میری طرف اُن صاحبزادے کو ترجیح نہ فرمائیے گا۔
دور آج میں ان کی طبی کھول کر کھدوں گا۔ آیا ہاں سے ڈاکٹری کر۔

بیگم : خدا کے لیے اب اُس کے منہ پر نہ کہہ بیٹھا۔ اُسے تو وہ بھی لکے کہ خوب قدر داری ہے ہونے والی سسرال میں۔

خان بہادر : خیر یہ تو اسی غور طلب مسئلہ ہے۔

(دشک)

بگم : (دوڑتے بھاگتے) دو دروازے کا بواڑ کھڑے بھاگتے) تشریف لائیے۔

اکبر : السلام علیکم۔ مزاج کے متعلق اگر کچھ فرمانا ہو تو فرما دیجئے۔

بگم : مجھے مزاج کے متعلق تو نہیں البتہ اندک کچھ عرض کرنا ہے اور بنیدگی سے عرض کرنا ہے۔

اکبر : بالکل ٹھیک۔ میں بھی اپنی چاہتا ہوں کہ ہم دونوں کے درمیان اب بنیدہ گفتگو عام طور پر ہو کر لے۔ وہ کھلنے کے پناہ کا زمانہ گیا۔ اب بقول خاتمہ جان کے اللہ رکھے ہم دونوں بھدار ہیں۔

بگم : میں تو خیر ہوں بھدار۔ مگر فریق ثانی کی طرف سے مجھے شبہ ہے۔

اکبر : فریق ثانی؟ — وہ تو — وہ تو غالباً میں ہوں۔

بگم : غالباً نہیں بھرتینا آپ ہی ہیں اور آپ ہی کی عقل سلیم کی طرف سے مجھ کو شبہ ہے۔ میں یہ پوچھتی ہوں کہ جناب کو اتر جان کی

حکیم : جی ہاں آپ فرما رہے ہیں اور مجھے بھی چہرہ پر خشکی نظر آتی تھی۔
 اکبر : ٹھیک ہے میرا خیال۔ چھاپہ بتائے خاوجاں کہی آپ کے ہاتھ یا پرش تو نہیں ہو جاتے معنی سو تو نہیں جانتے۔
 خان بہادر : ارے بھئی میں۔ کل ہی تکلیف بیان کر رہا تھا ابھی۔
 بیگم : یہ تو آج ہی ان کو شکایت پیدا ہوئی ہے۔
 خان بہادر : بہرا خیال یہ ہے کہ تمہا ب مرض کی تہ کو پہنچ گئے ہو۔
 بیگم : کوئی خطرہ کات، نس ہے اکبر میاں۔
 اکبر : خاوجاں احتیاط شرط ہے انشاء اللہ خاوجاں بالکل تندرست ہو جائیں گے۔ اس کو دوسری میں ایک کا نام ہے منہ بیگم خانہ
 : دوسرے کا نام ہے کائنات منیٹی فوٹی۔
 حکیم : ہمارا شاہ جو اغویب پر در۔ میری شخصیت بھی یہی تھی۔
 خان بہادر : شخصیت تو آپ کی ضرور ہوگی۔ مگر علاج اب میں اکبر میاں ہی کا کردن گا۔ مگر کی مرضی وال بہا ضرور ہونی ہے۔ مگر کیا سوچ رہے
 ہے۔ یعنی پیروں کا سن بونا کھ گئے۔ صبح کا، صندل کھ گئے۔
 اکبر : آپ ایمان رکھئے۔ میں ابھی آپ کے لیے دوا کھواتا ہوں۔ خاوجاں آپ دوا میرے ساتھ لےئے۔
 حکیم : میں گویا اب اجازت چاہتا ہوں۔
 خان بہادر : (جدا آواز سے) اسے بھی حکیم صاحب کی فیس بھی بھیج دینا بیگم۔
 بیگم : (دور سے) بیجھے دیتی ہوں (آہستہ آواز میں) اکبر میاں۔ یہ ان کو آخر ہو کیا گیا ہے۔
 اکبر : چپ بھی رہئے خاوجاں۔ کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔ دہم کا علاج اس طرح ہوتا ہے۔ بجز سے جو حال سنا تھا وہ ان پر عا ہر کو
 دیا وہ معتقد بھی ہو گئے اور میری ساکھ بھی قائم ہو گئی اور رشتہ بھی گودڑ نہیں ہوا۔
 بیگم : تو یہ ہے میرا تو دم ہی نکال لیا تم نے۔ مگر تم نے ٹھیک کیا ان کا علاج ہی یہ ہے۔ مگر وہیں حکیم صاحب کو فیس تو بھیج دوں۔
 اکبر : بیجھے یا نہ بیجھے (آہستہ سے) میں نے تو اپنی فیس کھری کر لی کہیں بجز؟
 بجز : چپ بھی رہئے گا کہ نہیں۔ شرم نہیں.....؟
 اکبر : (بات کاٹ کر) شرم کس کی تمہاری؟ اس کا بھی علاج کرنا پڑے گا مجھے۔ مگر وہاں! (ہنستا ہے)

مرقع

شیخ صاحب دار سے عرض میں لے کر اعلان کیا کہ میں نے اپنی تفسیر کو چھپوا دیا اور اسے جتنی کدھر گھسیں گا، ان دنوں
 اصغر دار سے ملنے میں تھا، اللہ ہی جان۔
 اصغر دار ابھی نکلتا ہوں، آج کل یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کے اندر ہیں۔
 شیخ صاحب! تم کسی معلوم ہو جانے کا، مگر جسے نزاری ماں کو معلوم ہونا چاہیے۔ جسے اب کو بچاؤ۔ یہ بات وہ تم۔ تم
 سے جی بھلا کوئی کلمہ نہ آتا ہے۔ وہ خود آ رہی ہیں۔ جس نے نہا، بھلا پر چھو تو سو کہہ رہے۔ اچھا اس کو لو کہ یہ
 تار ہے تو جلا کر کا ہے۔ اور اس میں کیا ہے۔
 بیوی: کتنا اچھا موقع نکال رہے ہیں، بھلا نہ کھانے کا، کہ اللہ میں تار ہے۔ اور کھڑے ترس رہے ہیں۔
 شیخ صاحب: پہلے مٹائی کھلاؤ۔ پھر یہ ان کاں کہ مینڈ کم الحسن کا تار ہے۔
 بیوی: اچھا کا تار ہے۔ بکھا کیا ہے۔ خدا کے لیے کسی طرح بتا بھی چکو۔
 اصغر: بہر حال ہے کوئی خوشی کی بات۔ آج کل خوش نظر آ رہے ہیں۔
 شیخ صاحب: خوش تو خیر ہیں: اس لیے نظر آ رہے ہیں۔ کہ جنوں ہی خوش مزاج میری خندہ پیشانی کو تو ایک دنیا ماننی ہے۔
 مصیبتوں پر میں مسکراؤں۔ آزمائشوں پر میں ہنسوں۔ اب جان مرحوم کا جب انتقال ہوا ہے۔
 بیوی: یعنی خدا کے لیے اصغر میں تم ہی ان سے تار لے کر ڈاڑھ رو۔
 شیخ صاحب: نا۔ خبردار۔ یہ تار بغیر مٹائی کھائے ہرگز نہ سنا یا جائے گا۔
 بیوی: کھلا دو ٹی مٹائی۔ کھلا دو ٹی۔ خدا کے لیے اب تو بتا دو۔
 شیخ صاحب: ان بات ہر دو نا اب۔ جناب داد۔ یہ تار ہے نجم الحسن کا۔ اس کی شادی ۲۵ کر ہو رہی ہے۔
 بیوی: اچھے ہی دھڑکا لگا ہوا تھا۔ کہ میں ایک دم سے تار آجائے گا کس نہ کسی دن۔

شیخ صاحب: دھڑکا لگا ہوا تھا۔ یعنی۔ مجھے دھڑکا کیسا بھائی کی شادی کی خوشی ہوئی ہے یا دھڑکا ہوتا ہے خوشی بڑی خوشی سہائی اور وہ کہتی ہیں دھڑکا لگا ہوا تھا صاحب بریرو شادی کا تا نہیں ہے جس کا آپ کو دھڑکا ہوا سکتا ہے۔ آپ کے ختی بر اور عزت کی شادی کا شہدہ ہے۔

بیوی: شہدہ وہ ہے مگر میرے تو پیروں تلے کی زمین نکل گئی کہ اب اس جلدی میں کیسے سا۔ انتظام کموں کی۔
شیخ صاحب: عجیب جزو واقع ہوئی ہیں آپ بھی۔ انتظام سے تم کو کیا مطلب۔ انتظام احوال نے خود کیا ہو گا تم کو نہ صرف شرکت کرنا ہے۔

بیوی: اس شرکت ہی کے انتظام کو کہہ رہی ہوں۔ کچھ نہیں کچھ نہیں پھر ہی پانچ سو روپیہ سے کم خرچ نہیں ہے
شیخ صاحب: پانچ سو۔ روپے تو کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ دراصل ہم دونوں کی شادی ہے۔ ایک دو سو روپے آنے ہے بل کا ٹکٹ۔ تم ہو۔ میں ہوں۔ اور چار پانچ بچے ہیں۔ اس کے لیے پانچ سو روپے آج کس حساب سے جوڑیے۔

بیوی: بس لنگوٹیاں باغیچہ کر سب ریل پر بیٹھ جائیں۔ چلتے چھوڑی ہوئی۔ بھل کی دمن تھاری کون ہے۔
شیخ صاحب: کون نفیسہ۔ ظاہر ہے کہ کچھ نہ کچھ ہے ضرور میری۔

بیوی: وہ خالہ زاد بہن ہے تمہاری۔ لہذا میں اسے ہی جوڑا دینا ہے۔ بھل میرا بھائی ہے لہذا اس کی دمن کو منہ دکھائی میں ہاتھ لگے کی کوئی چیز تو دی جائے۔ پھر بھل کی سلام کرانی۔ ڈومنیوں کو دینے کے لیے بھاء اور شادی کے پچاس خرچ ہوتے ہیں۔ پھر کسی بچے کے پاس گت کے کپڑے نہیں ہیں دو دو جوڑے ہوتے ہوں سب کے پاس بچہ کی سینڈل آنے کی۔ اطاف کے پاس ٹپی نہیں ہے۔ نیا مگے پاس بھی جوتا نہیں ہے۔

صغیر: ذرا اس جوڑے کو بھی دیکھ لیجئے۔ جو دانٹ نکالے اس شادی کی خوشی میں ہوں دلا ہے۔
شیخ صاحب: قصہ غصہ یہ کہ شادی میں جاتا تقریباً ناممکن۔

بیوی: دادرشہزہ جابیں گے کیسے نہیں۔ میرے کوئی دس پانچ بھائی نہیں ہیں۔ کہ میں بھائی کی شادی میں نہ جاؤں۔
شیخ صاحب: اچھا بھئی تو جاؤ۔ خدا مبارک کرے جانا۔ مگر یہ پانچ سو پٹے کہاں سے آئیں گے۔

بیوی: جہاں سے بھی آئیں۔ کہو نا کچھ انتظام۔ وہ تو کوئی دس کو منہ دکھائی میں دینے کے لیے میں نے میرے پیسے جوڑ کر کلائی کی گھڑی خرید رکھی تھی۔ نہیں تو دو ڈھائی سو پٹے یہ بھی جا ہوتے۔

شیخ صاحب: بھئی صاف بات یہ ہے۔ کہ اب تو پانچ سو روپے خود میری بھی قیمت نہیں رہی ہے۔ کہ میں اپنے کو نیلام پر چڑھا دوں۔

صغیر: مگر اباجان شادی میں جانا تو بہر حال ہے ہی۔

شیخ صاحب: تو یہ جی ہے ہی کہ میں کوئی انتظام نہیں کر سکتا۔ سوائے اس کے کہ کہیں ڈاکہ ڈالوں۔

بیوی: تمہارا مطلب یہ ہے کہ اپنے بھائی کی شادی میں بھی میں شرکت نہ کروں۔ اور کیا تم یہ چاہتے ہو کہ بھائی

(اس ٹرین میں جھگڑا ہو رہا ہے)

ایک مسافر: بی بی ہیں۔ میرے باپ کی تو ریل گاڑی ہے نہیں۔ مگر جناب کے والد محترم کی جی نہیں ہے۔ آپ کو اٹھ کر مٹھنا ہو گا۔

دوسرا مسافر: خواہ مخواہ بھی اٹھنا ہو گا۔ میں نے پیر میٹ ٹویسے میں بیٹھ جانا۔

ایک مسافر: ایسا ہی تو میں تھا۔ میں نے بھی بیٹھنا چاہا تھا۔ مگر تقدیر میں بیٹھ جاؤں۔

دوسرا مسافر: کتنی دیر میں تم سے کہوں کہ مجھے بیٹھنے کا شوق نہیں ہے۔ پیار ہوں

شیخ صاحب: ارے جی! یہ کا ہے کا جھگڑا ہے۔ صغریٰ میں تم کھڑے ہو جاؤ۔ ان کو جگہ دے دو مگر کچھ تندرستی کے کام بات کیا ہے۔

ایک مسافر: صاحب اصل قصہ یہ ہے کہ۔

دوسرا: جی نہیں اصل قصہ وہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ۔

ایک مسافر: آپ مجھ سے سنئے۔

دوسرا: ان سے نہیں مجھ سے سنئے۔

شیخ صاحب: میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں سے کچھ نہ سنوں بلکہ آپ دونوں مجھ سے سنیں۔ آپ کو شکایت ہے۔

لیٹے ہیں۔ یہی نا۔

ایک مسافر: جی ہاں، معلوم ہوتا ہے کہ جناب کا دوست غائب ہے۔

شیخ صاحب: بہر حال اور آپ کو شکایت یہ ہے کہ اگر آپ لیٹے ہیں تو یہ اٹھا کیوں ہے ہیں۔

دوسرا: نہیں صاحب۔ میں پیار ہوں اس لیے لیٹا ہوں۔

شیخ صاحب: کیا تکلیف ہے آپ کو۔ ذرا دکھائیے نبض اپنی۔ بخار تو نہیں۔ ہے البتہ بخیری کیفیت ضرور ہے۔ ذرا زبان تو دکھائیے۔

دوسرا: زبان نکال کر، آ آ۔

شیخ صاحب: کس کا علاج کر رہے ہیں آپ اور کیا مرض تخمینہ کیا ہے آپ کے معالج نے۔

دوسرا: میں حکیم ابراہیم کے زیر علاج ہوں ان کا خیال ہے کہ مجھے ہڈیوں کا بخار ہے۔

شیخ صاحب: غلط۔ اور جب تشخیص ہی غلط ہے تو علاج یقیناً غلط ہو گا۔ آپ کو دراصل تب۔

پہلا: (گھبرا کر) دق، تب دق، آپ نے پہلے ہی کہہ دیا ہوتا۔ آپ آرام سے لیٹئے۔ میں اگلے سیشن پر آؤں گا۔

باپ سے باپ، تب دق۔

شیخ صاحب: نہیں صاحب تب دق نہیں ہے بلکہ تب محرقہ ہے اور اس کا علاج حکیم شیخ ابراہیم ہی کر سکتا ہے۔

دوسرا: حکیم شیخ ابراہیم کات؟ یہ کون بزرگ ہیں۔

شیخ صاحب: اب میں اپنے ماں سے کیا عرض کروں۔ بہر حال اگر آپ سنبھلی سے اپنا طلاق کرنا چاہتے ہیں اور اس مرض سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو مجھ سے خود زنا بت کیجئے گا۔

دوسرا: جناب کا اسم بھلا ک؟

شیخ صاحب: اس غمگینہ کو حکیم شیخ اور ابرکات کہتے ہیں۔

دوسرا: میں آپ خود ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔ شیخ صاحب نے کہا کہ اب یہاں ہیں۔

(گٹھڑی اسٹیشن پر رکی ہے۔ تھوڑے فاصلے پر ایک کھیت کا بنگار

فیلڈ میں جڑا ہے۔ یہ شور رفتہ رفتہ آؤٹ ہو کر موڑ کے

پلے کی آواز فیلڈ ان جوتی سے آمد چہ سہانی کی آواز میں گڑ

ہو رہی ہے۔ شہنائی کی آواز فیلڈ آؤٹ ہوئی ہے وہ ٹھوٹھ

کی آواز اس پر غاب آجاتی ہے۔ لڑکیوں دھڑک پر

گاہری ہیں)

گڑی تیری گھونٹ میں چندا برا ہے

گڑی تو ہے کھڑے ہ تارا سا ہے

بیوی: (راتے ہوئے) تو یہ ہے تم سے بھی لڑکیا، اس اب بھٹا۔ جانا ہی کرو گی، کوئی اور کام بھی ہے جوتے آئے ہیں۔

ایک لڑکی: ہم تو اس وقت سے براہ آئی ہوئی تھیں ہیں جب سے آپ آگئی ہیں۔

بیوی: ان کا بچہ آتا تو چاہیے تھا مجھے سعد میں ہی کہ برات کے ساتھ سگر اخوں نے ہی کہا کہ میں آؤں گا برا کے ساتھ تم ٹرنک کرو لڑکی دالوں کی طرف سے گھر کی گھر میں شادی ہو تو یہی کچھ ہوتا ہے۔

دوسری لڑکی: مگر اب ایسا بھی نہیں ہوتا کہ سگر اندھ میں سعد میں ہی کہ نہ آئے۔

بیوی: اے تو یہ جی تو میری صرف بھادج نہیں ہے میں اس سے بیٹے کی اس کی جاوے ہوں تو یہ ہے لڑکی مجھے بھی باتوں میں لگا لیا اور برات اب پہنچے ہی والی ہے میں نے کہا میں ہی جہیز ہے۔

ایک لڑکی: جو کچھ قاعدہ رکھ تو دیا ہے سامنے۔

دوسری: رکھ تو دیا ہے مگر ان کی نظریں کیوں آئے گا۔ مگر وہ بھی بیویوں ان کا رشتہ ہی ہے نام دھونے کا۔ ایک لڑکی: شادی لڑکی کے لیے تھوڑی کہتے ہیں۔ جہیز کے لیے کہتے ہیں۔

بیوی: اس صاحبزادی بس۔ بہت ہوئی۔ لڑاؤ شہزادہ چھ کر میں گن ہگار ہی گئی۔ میں نے تو یہ پرچھا کہ سب جہیز رکھ دی ہیں یا کچھ رہ گیا ہے۔ مگر تم تو جیسے ہمارے ہی ڈھونڈ رہی تھیں لڑنے کا۔

دلہن کی ماں: کیا بات کہہ رہی ہو، دلہن بیگم کس پر خفا ہو رہی ہو۔

ایک لڑکی : آٹا چور کو دال کو ڈانٹ رہا ہے جیسا برا اعتراض کر رہی نہیں کہ میں اتنا ہی ہے۔
دھن کی ماں : عراس نہ ہوا ہمارا غریبی کا خزانہ آٹا مانا ہو گیا مگر میں تو یہ پوچھتی ہوں بلو دم جیسا کوئی نہ ملے
لائی بھر

بیوی : یہ ہے نہ ہی سہی۔ جب نہیں کہا تھا قراب کہتی ہوں کہ اس سے زیادہ جیسا تو اللہ میری تو بہ ہے میرے
بادرہی کی بہو میں سے آئی تھی۔

دھن کی ماں : اے ہے دیکھتے ہیں۔ جانے تھا اے بادرہی میں ہی بادرہی نا جو چھوٹے کی خواہ کے لیے آٹا کھا کر
رونا ہوا چلا گیا

بیوی : خیر میں تھا اے نہ تو گنتی نہیں بچے خوب معلوم ہے کہ تھا اے ہی ہلانے میں مگر وہ سواکل گیا میرے یہاں
ایک لڑکی : خیر ان جھگڑوں کا یہ کونسا موقع ہے۔

بیوی : ادھیس بچے کہتے دھن والوں کی طرف سے شرکت کرو۔ یہ ہیں کہاں۔ ذرا بلاؤں تو سہی میں ان کو۔
دوسری لڑکی : جھوٹے ہی ان باتوں کو جو سننے کا وہ بھی کیا کہے گا۔ ممان سے گھر بھرا ہوا ہے۔

بیوی : نکھر چلا ہوا ہے تو سب ہی دیکھ میں گئے یہ تقاضہ میں قراب ایک منٹ کے لیے میں نہ ٹھہروں۔ اس گھر میں
آواز دے کر) اے میں نے کہا : لطاف اور الطاف کے بچے ذرا دیکھ تیرے آبا جان کہاں ہیں ڈیڈ میں ہیں
بکلا ذرا ان کو۔

الطاف : دجائے ہونے) ابھی لانا ہوں۔ ابھی لایا۔

دوس کے ساتھ ہی منظر باہر کا فریب آ جاتا ہے،

شیخ صاحب : نہ نہ۔ میری بات سنئیے۔

الطاف : آبا جان۔ اتنی جان بلاق ہیں۔

شیخ صاحب : خیر بلاق ہیں گی۔ چپ رہ ذرا۔ ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا۔ کہ سرور اصل لڑنے کی چہرے ہی نہیں۔
اب شلا میرا مہر بند تھا سو لاکھ روپیہ دینا ضرور، پاؤ بھر چڑیا کا دودھ۔ آدھ بہر گر کے پھول۔
نظام : جی کیا فرمایا۔ چڑیا کا دودھ۔ گوگر کے پھول۔

شیخ صاحب : جی ہاں جناب عرض تو کر رہا ہوں کہ چڑیا کا دودھ گر لڑکا پھول۔ مقصد یہ تھا کہ نہ چڑیا کا دودھ ملے گا
نہ طلاق ممکن ہوگا نہ گوگر کے پھول دستیاب ہوں گے نہ قانع غفلت کی نسبت آئے گی تو جناب والا کیس ہزار
سکہ رائج الوقت تو گر یا کچھ بھی نہ ہوا۔ میرے خیال میں ٹھیک ہے، حساب دوستاں در دل کے معاملات میں
سے ہیں یہ باتیں۔

نظام : جی نہیں یہ غلط ہے شری نقطہ نظر سے نیت جو ناچا بیٹے لانا لگی ہر کہ۔

شیخ صاحب : درست ہے مگر میں جو کہ رہا ہوں وہ بھی درست ہے چلتے ہیں ہوا وکیل اور دوسرے سہرا پڑھنے۔

کی تودہ آتی ہے مایہ نایم ہو ہے ۔
نظام : بزم مجلس کا کوئی دوست نہ ہے ۔
شیخ صاحب : حقیر سدا خواہم ۔ سزا طاعت بہرہ صافا کے منور ہوا ہے تو نہ ماسخیں ۔
پیشہ دہانے کے آداب)

نور سے ایک شخص ہوا پیدا ، اپنے من و دل سے ہے
متحد و لوگ : سخاوت ، سخاوت ، سخاوت ، دوا ہے ارشاد جو ۔
شاعر : تسلیات عرض ہے ، عرض ہے ۔
نور ہے من ، نور ہے من ، نور ہے من ، نور ہے من
نور ہے من ، نور ہے من ، نور ہے من ، نور ہے من
شیخ صاحب : عرب خوب اٹھاتا ، نکوناس
ادب و ادب شور

شاعر : آداب و عز کرتا ہوں ۔ طاعت جو
ہیں عرص پر یہ پھر باس ، یہ خیال میں یہ
موسے باندھ جانے تو وہیں کا سہرا
دو کا ہٹا کر

شیخ صاحب : ارے مجھ میری بات تو سنو ۔ سخاوت اللہ کر صاحبزادے ۔
شاعر : حسرت ہے آپ کا عرض ہے
تو جس کا ہے ایک صورت تو دیکھ اپنی
اُس چاند کے لیے ہے تجھ سے گئی کا سہرا
(لوگوں کے قہقہے اور داد)

شیخ صاحب : استغفر اللہ ۔ اپنی کے جلتے جو میری نہیں سنتے ۔
شاعر : میں کس قابل ہوں حوصلہ بڑھاتے ہیں آپ ساعت فرمائیے ۔
ہے جانگوش و دہلہ جنگل کا رہنے والا
گلشن کا کیا کر دے گلزاروں کا سہرا
(لوگوں کے قہقہے اور داد)

شیخ صاحب : میں کہتا ہوں میری بات سنو ۔
شاعر : قدر افزا ہے آپ کی پیش کرتا ہوں ۔

مسٹر کے بنائیں اور دیوں بنائیں آخر
کس چال و حال کا ہے اور کس چلن کا سہا
(داؤ کا شہر)

شیخ صاحب : ارے جی حضرت مسٹر۔ حال کر دبا تم نے جی سارا سہرا پڑھ گئے اور میری ایک بات نہ سنی عنبر صم
سہرا نکال کے بعد پڑھا جاتا ہے۔

نظام : بہر حال اب تو پڑھ ہی دیا گیا۔ اب نکاح کی جلدی ہونا چاہیے بہر حال۔ طے ہے کہ مہر گیارہ سو سے
زیادہ نہ ہو گا۔

شیخ صاحب : پھر وہی۔ اگر بزرگ سمجھ کر مجھ کو بلایا ہے تو میری بات نافور نہ مجھ سے کہو میں اپنا راسخ لوں جو بات
ہے وہ اندھھی، باوا آدم ہی نرالا ہے یہاں کا چار شاویاں اپنی جی ہوئی سو شاویاں دوسروں کی دیکھیں مگر
یہ اندھیر کیسے نظر نہ آیا۔

نظام : بہر حال یہ طے ہے قبلہ دیکھ کہ مہر گیارہ سو۔

شیخ صاحب : تو یہ بھی طے ہے کہ میں نہیں بنتا دیکھیں۔

نظام : اس کا آپ کو اختیار ہے۔

شیخ صاحب : تو اس کا بھی اختیار ہے کہ میں واپس چلا جاؤں۔ اب منہ دیا دیکھ رہا ہے الطاف میرا جا کر اپنی ماں
سے کہے کہ بھر دیا میں نے میں تار باہر ہوں واپس۔

الطاف : وہ اسی لیے تو بلا رہی ہیں کہ وہ بھی واپس جا رہی ہیں۔

شیخ صاحب : بیشک ماہا چاہیے واپس کم سے کم اتنا تو تمہارا خیال ہرنا ہی چاہیے میںاں جہی کو۔ جا کر بلاؤ اسی کو۔

نظام : قبلہ میری بات سن لیجئے۔

شیخ صاحب : جی کچھ نہیں بس ہر چکی بات ختم۔ ۴۔ بس اب خانہ آباد دولت زیادہ۔

الطاف : اسی جان تا نگہ پر بیٹھ چکی ہیں۔

شیخ صاحب : بیٹھ چکا چاہیے تھا ان کو جلدی تم سب بھی اصغر کہاں ہے نیاز۔ مجھ سب آگئے نا۔ بس ٹھیک

ہے چلو۔

اصغر : آپ چل تو رہے ہیں مگر۔

شیخ صاحب : اگر مگر کچھ نہیں فرض کے بار سے بھی بچے اور ان بھی قائم رہی یعنی وہ کیا ہے صم کہ جنت کی جنت لود

رند کے رند نہیں ہو گا کچھ مصرعہ گھر چل کر کہیں گے کہ ۶ حجر سے بدھو گھر کر آئے۔

(تا نگہ چلنے کی آواز قریب سے دور جا کر فید آؤٹ ہو جاتی ہے)

آم اور جامن

تیز ہونے سے حسرت کرنے۔ وہ جن کے ہونے کی تو۔۔۔ یہ وہی کو چھاپٹ
نے بہر جامن کی آغاز آتی ہے،

جامن۔ آم۔۔۔ میں نے کہا آم کیا سوتے؟

آم : اؤن ہیں؛ نہیں تو جامن۔ بھاری سونے کا وقت ہے، میں تو اپنی ایک ٹائل پر بیٹھے ہوئے لیٹوں کی جوڑی کے سارے میاز سے ہوا
جامن : حد میں غم کو اس بے آواز دی تھی کہ میری ایک بہت ہو گئی شام پر صحنوں کی ایک جوڑی جیب طرح کی باتیں کر رہی تھی۔
آم : الجیب طرح کی باتیں؛ وہ کیا؟

جامن : وہی انسان کا دکھڑا دی اثرات و طوفاات کا دوتا۔

آم : بڑی بھولی بہتم بھی جامن۔ انسان کی باتوں کو تم غیب و خوب کتنی بڑھا کر دے دیتے ہو کہ انسان اس کثرت سے غیب
باتیں کرتا ہے کہ اب میرے نزدیک تو اس کی کوئی بات غیب نہیں رہی ہے، وہ جیٹا اپنے کو اثرات و طوفاات کہتا ہے مگر میں تو
اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ غیب و طوفاات ہے۔ برہماں وہ کیا باتیں تھیں۔

جامن : طوفاات کا جھٹا اپنے کسی پھڑے ہوئے ساتھی کی انسان کا مستان ایک دوسرے کو سنا دیتا تھا۔ جس کو اس اثرات و طوفاات نے گھونٹ
کر لیا ہے۔ طوفا کہ رہا تھا کہ اس بچا ہے کو ایک خوبصورت سے بچے میں پڑ کاٹ کر بند کر دیا ہے۔ اسی بچے میں اس
کو کھانے کے لیے چنے کی بیگی کھنی والی۔ کچھ پل۔ کچھ ترکاریاں اور جانے کیا کیا دیا جاتا ہے۔

آم : اوروہ انسان یہ بھٹا بھٹا کہ میں طرح وہ خود ہیٹے کا غم ہے اسی طرح یہ طوفا بھی۔ اس بچے میں کھانے پینے کی یہ چیزیں
پاکر خوش ہو گا۔

جامن : اسی پر تو مجھ کو بھی تعجب ہے کہ اتنی بے پردہ بات سو پختہ مالا اپنے کو اثرات و طوفاات کیوں کہتا ہے۔

آم : وہ خود کہتا ہے نا؛ خود ہی کہتا ہے۔ اور خود ہی میں کہ خوش ہو جیتا ہے اور ہوتا ہے۔ طوفا کہ یہ اپنے کو کہاں بھٹو گئے
کے بھائی ہیں۔ مگر جامن مجھ کو طوفا کی یہ بات سن کر فضا بھی تعجب نہیں ہوا۔ مجھ کو تو انسان سے ہر قسم کی بیوقوفی کی بات ہے

دور سے کچھ لڑکیوں کے ہنسنے کا آواز قریب آتی ہے :

جامن : چُب رہا ہوں۔ وہ دیکھتے جانے کچھ لڑکیاں ایک موٹی سی رسی پر ایسی طرح آ رہی ہیں۔

آم : خدا بیر لڑے۔ ان کے ارادے مجھے پہنچے ہیں کہ ٹیک نظر نہیں آتے۔

(لڑکیاں ہستی ہوئی قریب آتی ہیں)

ایک لڑکی : اری دیکھ تو سی تارا۔ یہ درخت ٹیک رہے گا حوے کے لیے۔

دوسری : بس ٹیک ہے۔ اس کی اُس موٹی سی ڈال میں جھولا ڈال دو

ایک لڑکی : ہتیا کو چڑھا دو درخت پر۔ وہی جھولا ڈالیں گے۔

لڑکا : لاؤ سی اور لاؤ ڈالیں ابھی ڈالے دیتا ہوں جھولا۔ تم جب تک پٹرا اٹھا لاؤ۔

دوسری : ابھی بیٹے، بارہل جلدی ہے۔

ایک لڑکی : مٹھ تو سی پٹرا وہ لا رہی ہیں بگھ اور سنی۔

لڑکا : دورا دور سے۔ نو دیکھو ٹیک ہے نا جھولا۔

ایک لڑکی : بس ٹیک ہے۔ آؤ بھر اس رسی میں اور حوے تم ڈالو، پٹرا اور حوے تارا اور سنی ڈالیں گی۔

دوسری : بس ٹیک ہے۔ اب آؤ بیٹو۔ میں اور سنی چینگ دیں چر تھاری باری آنے گی تارا۔

ایک لڑکی : چو بھی سی۔ برے جانی اور جھوٹے جانی ساز جھیر دیں۔

(جھوٹے کا کورس لگانا)

(گلنے کے بعد لڑکیاں ہستی ہوئی فیڈ آؤٹ ہو جاتی ہیں)

(سناتا، بھلا کا شونہ پر چندوں کی چھا ہٹ پر آہ کے کراہنے کی آواز.....)

آم : دکھا ہتا ہے، آہ۔ آہ۔ آہ۔ آہ۔ آہ۔

جامن : آم کیا بات ہے۔ کس طبیعت ہے۔

آم : سخت درد ہے، میری اُس ڈال میں جس پر ابھی مجھے کی مصیبت آئی تھی۔

جامن : مجھے بڑا ترس آ رہا تھا تم پر، جب تمھاری وہ ڈال سسل چر چر رہی تھی۔

آم : میں تو سمجھتا تھا کہ آج میری یہ بری بھری ڈال ٹوٹ جائے گی۔ اتنا بوجھ۔ ایسے ہچکے۔ جان نکل کر رہ گئی میری تو۔

جامن : مگر آم تم نے یہ بھی خور کیا کہ یہ کاتا تھا اس انسان کا۔

آم : جی ہاں یہ حق کی ٹیکہ دار مخلوق کاتا بھی اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے لگاتی ہے۔ میں لگاتی اتنا نہیں ہے جتنا سناتی ہے۔

جامن : ہم تو اپنی موسیقی صرف اپنے لیے سمجھتے ہیں۔

آم : موسیقی ہوتی ہی صرف اپنے لیے ہے کہ اس کو خود محسوس کیا جائے، خود اُس پر وجد کیا جائے، خود اس کا لطف لیا جائے۔ یہ

تو قائلے روح ہے۔ اور غذا کے سلسلہ میں میری سمجھ میں تو آتی نہیں، یہ ترکیب کہ کھانے کوئی اور پیٹ کسی کا بھرے۔

جامن : یہی وجہ ہے کہ میں کی دوستی کی گلی کے جہان اور کچھ صوفی سی محرابوں سے ہے۔
 آم : اسی لیے جہان صوفیہ نہ ہو تو کیا ہو۔ یہ تو دوستی کو ایک جہان پر لگتے ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ ہماری دوستی جہان سے اندر
 ہے اور ہم اس کو کسی قیمت پر ہمارے سر نہیں رکھتے۔

جامن : اہم تو اگر اپنی دوستی کو ہمارے کسی صحت سے دور کر دیں تو ہماری دوستی ختم ہو جائے۔
 آم : بات یہ ہے کہ ہمارے وجود میں سے یہ صوفیہ ہو سکتی ہے۔ اگر وہ میں نے جہان سے ایک صوفیہ تک پہنچانے میں
 تو ہماری زندگی ہی کے لئے بڑا جامن۔ جو تو اس کو اپنا ایک ذاتی وجود بن گئے ہیں۔ یہودی کی ہیز میں جاتے، مگر انسان
 میں انسانیت لہان کر دہ اپنی دوستی کو صدمہ کرے۔

جامن : اگر بھڑکے تو جب ہے کہ تم ہی دوستی ہی کہہ رہے ہو جو پہلے سے ہے۔ آجائے وہ دوستی بدلتی ہی ہے۔
 آم : میں پہلے یا تمہارے نقطہ نظر سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اس کی فطرتی کا انکار کر رہا ہوں۔ یہ کہ میں خود میں جانا کر دوستی
 جو پہلے سے ہے اس کے لئے وہ پہلے سے تھا ہی ہے۔ وہ دوستی جو دوسرے سے حاصل کر کے اپنے اپنے جہان کی جہان سے دوستی
 تو خیر کیا بدلتی کوئی کا دہائی سا دوسرا صوفیہ ہوتی ہے۔

جامن : اور تم نے یہ بھی دیکھا تھا کہ انسان کو اپنی دوستی کے لئے سارے جہانوں کو قربان کر دیتا ہے
 آم : ہر طرح اپنی مردہ دوستی میں جان ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بھی ہے کوئی پرچہ ان سکھوں سے دگایا ہی کوئی گانے
 یا نغمے سننے کی چیز ہے۔ اس کو وہیں ہماری طرح محسوس کرتا ہے اور اس کے لئے اپنے اوپر ہماری کوئی خود سزا یا
 عذاب جانا چاہئے۔ ہم تو خود ہی اپنا خود ہیں۔ خود ہی اپنا سب زہیں۔ خود ہی۔ بے معنی ہیں اور خود ہی اپنے سامع۔
 جامن : تو پھر آخر میں کی دوستی کو تم کیا کہہ گئے۔

آم : اچھا رہا میں اثرات اقلو قات کا۔ اور چاہیں اس کا جو اپنے کو انسان کہتا ہے۔
 جامن : دیکھنا سامنے والے ہنگامے سے وہ دونوں پھر اسی حرت آ رہے ہیں جو روز آ کر تے ہیں۔
 آم : اور پھر وہی باتیں دہرائیں گے، جہود و دہرایا کرتے ہیں۔ کل میری مثال پر بیٹھے ہوئے ایک اُنوکے زندان دونوں کی باتوں
 سے اُنھاٹ ہو گئی تھی۔ وہ رات جاتے کے بعد اپنی مادہ سے ہنس ہنس کر ان دونوں کی بد رفتاری کا ذکر کر رہا تھا۔
 جامن : چہ بھد ہو وہ قریب آ گئے ہیں۔

دھواکی سرسراہٹ، ہندوں کی چھاپا ہٹ

خالد : جنت ذکر تے بٹھا کام کرتے۔

طلعت : جنت سے لیکن بڑا کام کیا تھا۔

خالد : مگر طلعت، تم خود ہی انصاف کرو۔ کہ زندگی کو کب تک اس شیریں خواب کے سپرد کر کے ہم یوں ہی دور میں سنا سنا دیں گے۔

طلعت : ابھی سے گھبرا گئے خالد۔

خالد : تم اضطراب کو گھبراہٹا کرتی ہو۔

طلعت : میں نے تو خطر اب کے ہی مٹی پر ہے۔

خالد : میں کتابی دنیا کی باتیں نہیں کر رہا ہوں، محبت کی اصطلاحیں کتابوں میں نہیں ہیں۔ تم جس کو گھبرا جانا لگتی ہو وہ میرے دل سے دور ہے۔

طلعت : مگر آپ کے دل سے دور کو تھیں نہیں آتا۔ یہی نا!

خالد : اُس کو بھی تھیں ہے۔ مگر صرف یہ یقینی تو تمہاری آخری منزل نہیں۔

طلعت : وہ آخری منزل کونسی ہے۔ کیا میں معلوم کر سکتی ہوں۔

خالد : جہاں امید و بیم کی پہنچ نہ ہو۔ جہاں شک اور یقین کی نگاہ نہ ہو۔ جہاں مجھ کو تمہارے والد کے انکار اور تمہاری مجبوری کا دھچکا نہ ہو۔ جہاں مجھے مسعود سے تمہاری مٹگنی کا دھڑکا نہ ہو۔

طلعت : خالد۔ میں نے تم سے پچاس مرتبہ کہا ہے کہ مسعود کا نام میرے سامنے نہ لیا کرو۔ میں اس کا نام بروداشت نہیں کر سکتی۔

خالد : تم سے زیادہ یہ نام میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ مگر میں کیا کروں کہ اس کے امکان روز بروز قوی سے قوی تر ہوتے جا رہے ہیں۔

طلعت : مگر آخر میں اُسے ناکام ہو کر پڑے گا۔ اس لیے کہ مجھے تم سے۔

خالد : ہاں ہاں مجھ سے کیا؟ کہہ دو طلعت۔ خدا کے لیے اپنی زبان کو آزاد چھوڑ دو۔ طلعت میں وہی بات سنا چاہتا ہوں۔ جو تم سننے سے گزرا رہی ہو۔ جو تم نہیں کہنا چاہتیں۔ میں وہی سنا چاہتا ہوں۔

طلعت : تم خود جانتے ہو تو پھر پوچھتے کیوں ہو۔

خالد : جانتے سمجھتے ہی جانا چاہتا ہوں۔ اپنی روح میں بیدارگی پیدا کرنے کے لیے۔ امیدوں پر سے ایسی کا زنجیر اتارنے کے لیے۔

طلعت : مردہ انگلیوں کو آبِ حیات پہنچانے کے لیے میں تم سے وہی سنا چاہتا ہوں۔ جو تم سننے سے ہمیز کر رہی ہو۔ کہہ دو واقعی طلعت۔

خالد : اس بات کو صدمہ و شمار کا پابند نہ بناؤ۔ پھر کہہ دو۔ اچھی طلعت تمہیں مجھ سے کیا ہے؟

طلعت : میں کہہ تو چکی ہوں کہ مجھے تم سے۔ تم سے مجھے، میں تم سے محبت کرتی ہوں۔

خالد : طلعت یقین دلاؤ کہ میں جاگ رہا ہوں۔ قسم کھاؤ کہ یہ خواب نہیں ہے۔

طلعت : پاگل ہونے جا رہے ہو تم تو۔

خالد : ہاں اس لیے کہ اسی کو محبت کا ہر شے کہتے ہیں۔ طلعت ابھی تم نے کہا تھا۔

طلعت : کہا تھا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ مجھے تم سے کوئی طاقت جدا نہیں کر سکتی۔ اچھا اب اجازت دو مجھے بس اتنی ہی ملت گئی

خالد : نہیں ابھی نہیں۔ اتنی جلدی نہیں۔ ان چند منٹ کے انتظار میں میں نے پہاڑی رات اور سست رفتار درجہ والا دن کاٹا ہے۔

طلعت : پھر وہی۔ تم چاہتے ہو کہ یہ ملت بھی نہ ملے۔

خالد اچھا توکل

مستعد و دہشتہ جیسے، اسی وقت اور ہی بڑے

(جیسا کہ احمد - یہ دونوں لی بچا ہٹ)

آم از قند فکر و عجب حقیقتات ... ہے کو کتنا ہے غم و غم و غم و غم

جامن مگر تم میں تو کچھ ہیں یہ ساری کچھ میں ہی کیا۔ یہ دونوں آواز میں کہا رہے تھے۔

آم وہ نہیں جانتے تھے کہ کچھ کی نہیں ہوئی تھی۔ یہ وہی ہیں جس نے کہا ہے

جامن جسے کہہ سکتے ہیں کیا یہاں جس جی ہوتی نہیں بلکہ جاتی ہے کہ تو یہ، جس کا یہاں سے کہتے ہیں۔ جیسے کوئی یہ کہے کہ وہ

کہہ رہا ہیں، بلکہ کہہ رہا ہیں، لکھ رہا ہیں

جامن وہ انہی عجیب بات ہے تو کیا اس پر باروں کو کہہ لایمیں خدا کرنا ہے۔

آم میرے اس گھبراہٹ میں وہ نہیں بلکہ کمر ہمت کو کہہ دے جو کہ آیا کرتے ہیں۔ یہ میں سے کچھ کسی کو بھی میں

دیکھا۔ میں نے نہ ہمت کا اور نہ کچھ بغیر عکس کا اوار کیا جو۔ ایک سہ تہ کو کچھ کوڑی ہستی آئی جب ایک ہستی نہ تھی

میرے کہہ رہے تھے کہ

ہمت میں خدا کا میری ہمت میں ہستی

یہ وہ نازک حقیقت ہے جو کچھ میں نہیں جانتی

جامن (وہ بے ساختہ ہنس کر) اچھا۔ تو گویا میں بجا رہے تھے۔

آم بات یہ ہے کہ میں حقیقت میں بے چاری حقوق تک رفتہ رفتہ بچا تو رہی ہیں۔ مگر اب میں ان چیزوں کے مرکز ہوں، اس کے اعلان

میں نہیں ہے۔ وہ ان ہی باتوں کو اپنے کمر ہمت میں دیکھ رہا ہے۔

جامن دیکھ تو بڑی ہستی آ رہی تھی۔ آہ جب وہ شخص اپنی محبوبہ سے بار بار کہہ رہا تھا کہ تم ایسی زبان سے کہہ دو کہ تم کو کچھ سے بہت

ہے۔ کیا اس کی آنکھ میں اتنا ڈر بھی نہ تھا کہ وہ اپنی محبوبہ کی آنکھ میں اپنے لیے ہمت دیکھ لیتا؟

آم تم نہیں جانتیں جامن جو ہمت پیدا نہ ہو بلکہ کی جائے وہ اتنی قسم کی باتیں چاہتی ہے۔ اس صورت میں ہمت کے لیے صرف

ایک سول کافی نہیں ہوتا۔ آنکھ میں کچھ دیکھنا چاہتی ہے۔ تقریر کہ یہ ہمت نہ ہوتی ہے۔ یہ وہاں بقول انسان کے کی جاتی

ہے بلکہ سب سے زیادہ ضروری ہے کہ جانی جائے۔

جامن اخیر یہ تو میں کچھ گئی مگر فرض کرو کہ ہمت ہوتی نہیں تھی۔ بلکہ کی ہی گئی تھی، تو ابی ہمت کے بعد اس شخص کو آخر اتنے اندیشے اور

استغناء کس بات کے تھے۔

آم بڑی بھول ہو تم جامن۔ نقل اس تو نہیں ہو سکتی، نقل کو کہہ اس کے مطابق بنایا جائے۔ مگر اس کی طرف سے ہمیشہ یہ ڈر رہا ہے

کہ فتح آئے نہ جانے، اہمیت ہے نصاب نہ ہو جائے۔ اس قسم کی سلی ہمت کرنے والا تھا ہر سے کہ وہ خود اعتماد نہیں ہو سکتا۔

جامن یہ تو ٹھیک ہے آہ۔ مگر کچھ تو کہہ ایسا عموماً ہر وقت، جیسے اس کو ہمت کے بعد کچھ اس قسم کا انتظار ہو جیسے امکان میں نہ تھے

جامن : مقتول ملّا مرگیا اور قاتل مالے کر جاگ گیا۔ میں پھر درجک سو نہ سکی۔ میں نے سوچا کہ خدا نے یہ بھی کیا عرصہ بتائی ہے کہ میری عمر کتنی رہے گی؟
ابھی حیرتوں کے لیے جن کا خالق وہ ہے۔ یہ انسان کیا کہ نہیں کرتا۔

آدم : سب سے اورو چاندی۔ ارے یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ سننا اور چاندی تو انسان کے لیے سب سے قیمتی ہے۔ وہ اپنی بھائی اور چھوٹی سی معبود پر جان بچاتا ہے۔ جس کے پاس یہ زیادہ ہے وہ بڑا ہے، اور جس کے پاس کم وہ چھوٹا ہے۔

جہاں : خواہ وہ زیادہ طاقتور ہو۔

آزم : مانتور کز در سجا جائے گا۔ بنیرسیم وزدے اور کز دانتور کن جائیگا اگر اس کے پاس سونا ہاوی ہے۔

حامن : خواہ وہ حسین ہو۔ غفلت ہو۔ ہوش گوش کا آدمی ہو۔

آزم : عقلمند اور ہوش گوش کا تو حیر اس مخلوق سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ مگر کوئی بھی وصف بغیر دولت کے بیکار ہے۔

جامن : دولت ! وہ کیا چیز ہے ؟

آزم: یہی سونا چاندی دھیرہ۔ اسی سے وہ اپنی شان ٹھٹھاتا ہے۔ اسی سے زیب و زینت کو فروغ دیتا ہے۔

جامع: تو یہ شان ادب یہ ذریعہ و زینت اس کی کب ہوئی یہ تو سونا چاندی کی ہوئی۔

آزم: یہی باتیں تو یہ ہمارے سمجھتا نہیں۔ جس کو ہم انسان کہتے ہیں اور جو اپنے کو اکثر مخلوقات کہتا ہے، اگر اسی حقیقت کو یہ نکلے

پاجائے۔ تو اور چاہئے ہی کیا مگر اسی سے وہ کوسوں فاصلہ ہے۔ اس کی آنکھ باہر نہائی گئی ہے۔ جو اپنے اندر بند اپنا سن دیکھ

سکتی ہے، نہ اپنی بد مصرتی، وہ دوسروں کا حق دیکھتی ہے۔ دوسروں کے عیب اس کو خدا آتے ہیں۔ وہ تحقیق اور عیب

میں بہت دُور نکل گیا ہے سوائے اپنی تحقیق اور تجسس کے۔ سن رہی ہوں جامن۔ جامن۔ اور اے سوگنیں تم کو۔ دو آتش

میں زیادہ آگئی ہے۔ پرندے بھی سیراے رہے ہیں۔ اُن کی بیداری کا وقت آگیا ہے۔

ایچا شب بخیر!

نقش و نگار

رحیم حرم ہے۔ ان کے قتلوں کی آواز پر محبت کی آواز غائب آتی ہے۔
 بیوی۔ ادا کی سوار اس سوتی بند سے۔ جو غضب خدا کا، دھوپ سر پہ آتی اور یہ میں لڑ پڑے ایندھ ہے۔ یہ بیوی کس
 زکرم میں جاڑ دھیسے ہونے ہے۔ جگاتے بوشے میں نے نہ نہیں ہے جو۔ خدا کے لئے اب اٹھ پٹو۔ وہیو
 ہونے کو آئی سہم کے آتا۔ میں نے نہ سہم کے آتا۔

رحیم۔ دھوکہ دہل کر کیا کرو۔ چار دی ہے۔ دو گدھی سنا بھی دو جا کر دیا ہے۔
 بیوی۔ ادا کی سوار اس سوتی بند سے۔ جو غضب خدا کا، دھوپ سر پہ آتی اور یہ میں لڑ پڑے ایندھ ہے۔ یہ بیوی کس
 زکرم میں جاڑ دھیسے ہونے ہے۔ جگاتے بوشے میں نے نہ نہیں ہے جو۔ خدا کے لئے اب اٹھ پٹو۔ وہیو
 ہونے کو آئی سہم کے آتا۔ میں نے نہ سہم کے آتا۔

رحیم۔ دھوکہ دہل کر کیا کرو۔ چار دی ہے۔ دو گدھی سنا بھی دو جا کر دیا ہے۔
 بیوی۔ ادا کی سوار اس سوتی بند سے۔ جو غضب خدا کا، دھوپ سر پہ آتی اور یہ میں لڑ پڑے ایندھ ہے۔ یہ بیوی کس
 زکرم میں جاڑ دھیسے ہونے ہے۔ جگاتے بوشے میں نے نہ نہیں ہے جو۔ خدا کے لئے اب اٹھ پٹو۔ وہیو
 ہونے کو آئی سہم کے آتا۔ میں نے نہ سہم کے آتا۔

رحیم۔ دھوکہ دہل کر کیا کرو۔ چار دی ہے۔ دو گدھی سنا بھی دو جا کر دیا ہے۔
 بیوی۔ ادا کی سوار اس سوتی بند سے۔ جو غضب خدا کا، دھوپ سر پہ آتی اور یہ میں لڑ پڑے ایندھ ہے۔ یہ بیوی کس
 زکرم میں جاڑ دھیسے ہونے ہے۔ جگاتے بوشے میں نے نہ نہیں ہے جو۔ خدا کے لئے اب اٹھ پٹو۔ وہیو
 ہونے کو آئی سہم کے آتا۔ میں نے نہ سہم کے آتا۔

اور رہے بھر بھر بچے کے بھر بھونچے۔

رحیم وہ یہ تم کہ یہی ہو جوں کیس، وہ دن جب اسٹریم اسٹریم کے ڈنکے پٹے ہوئے تھے۔ آج بھی تمہارے پاس وہ سالے تھے موجود ہوں گے۔ میں سے یہ چنان کا چنان سینہ ڈاکہ جاتا تھا۔

بیوی نہ ڈاں ہاں پڑے ہوئے ہیں وہ موٹے کھوٹی چاندی، گلت اور پٹل کے تھنے کیا کروں۔ ان کا ڈڑھوں بچاؤں، چاندی چاندی، آٹا، میں وہ کمرہ صحت کے، ابس مرض کی وہ ہیں موٹے ٹھیکرے؟

رحیم وہ۔ میری عزت کے نشان ہیں وہ۔ میری مقبولیت کی سند ہیں وہ۔ اب میں کیا کروں۔ کون جب کو نہ جانے کس کی نظر کھائی دور دور آج بھی برس رہا ہوتا۔

بیوی وہ۔ ان اور اُن۔ جب بڑا دور دورہ غناک ۱۰۔ پٹن ٹرمس، وقت بھی بستے نہ دیں۔ چہ پہلے میں چہ ہے۔ جب ڈنکے چلتے تھے اور آج بھی پٹل رہے ہیں۔ جو رہے جہے دو چار تار تھے ہاتھ دان میں وہ بھی لے جا کر اُس موٹے منڈے پر لگا آئے۔ جس میں جو وہ روپے کے گٹ بکتے ہیں۔

رحیم وہ۔ اس کی تو خبر دج رہی ہے۔ زرا بھی لوگوں کو معلوم ہی نہیں اس منڈے میں ہوتا کیا ہے۔ ذرا چہا چہا برنے وہ۔ چہرہ کھت کہ غفلت کیس ٹوٹتی ہے۔ اور وہ پیریک برستا ہے۔

بیوی وہ۔ دل کو دیکھ کر گھر کے توڑتے تم کو دیکھا ہے کہ وہ پیر برنے کی اُمید پر میرے چہرہ بند کا زور لگانے لگائے۔ رحیم وہ۔ جیہ کا طعنہ بھر کو توڑے یہی ہو۔ مگر میں نہیں چاہتا کہ میری زبان کھلے۔ جو پچھتم جیہ نہ لانی تھیں۔ وہ میں ابھی بکھا نہیں ہوں۔ وہی مثل کڑم بڑے اور درشن چوٹے مشہور تھے۔ بڑے خید دار صاحب امد چینی کو رخصت کیا اس طرح کو کیا کرئی خان ماں رخصت کرے گا۔ کن میوں کی پیشیں میں یوں رخصت نہ برتی ہوں گی۔

بیوی وہ۔ خیر میرے باپ بھائی تو خان ماں، ان کی سیلے تھے، مگر جناب لے وہ وقت پر کون سے اتھی جہم رہے تھے۔ تو یہ جہ میرے اتھ اندر نچنے پائیاں کو خبر بھی ہو جاتی کا فن دان کس لڑکے کو وہ ہلک کا منہ بھر رہے ہیں وہ خیر کا مسخا ہے۔ تو دھر کی دنیا اُدھ ہو جاتی، ابھی جو وہ منظور کرتے یہ رشتہ۔

رحیم وہ۔ بکواس بند کرو۔ درندہ ساری قلمی کھول کر دکھ دوں گا۔ سوائے اس کے وہ جو مانیوں میں پھر چوڑا کٹھا تھا، تہا یہی نسبت ہی اور کونسی آئی تھی۔ انھوں نے تو شکر کیا ہو گا کہ ایک حزن گھرانے سے نسبت آئی تو سہی۔

بیوی وہ۔ ہائے رے سوز نہ کھانے۔ دیکھا ہے میں نے وہ سوز نہ کھانا۔ ایک بھائی جادو کے کرب دکھاتے پھرتے ہیں۔ گولی منہ سے کھائی۔ کان سے نکالی۔ دوسرے جیہ اللہ میری توبہ ہے، درد نہ کھ گھٹ پیسوں کا تماخہ دکھاتے پھرتے ہیں۔ یہی کام تو ہوتا ہے سوز نہ کھانوں کا۔

رحیم وہ۔ خیر وہ جادو کے کرب دکھائیں یا کٹ پیسوں کا تماخہ تمہارے یہاں کی طرح چوری تو نہیں کرتے، اُس کے تو نہیں ڈالتے۔ میں تو نہیں کرتے۔ تمہارے جاتی تبدیلی طرح۔

بیوی وہ۔ تو کس نے کہا تھا۔ کہ چوروں اور ڈاکوؤں کے یہاں نسبت کے لئے دوڑو، دوڑو کہ جوتیاں توڑو،

رجیم :- اور مازہ کھلی کر (فرما ہے) کیا بات ہے ۔
ایک اہل علم :- یہ کیا آفت چارمھی ہے ، اسٹر قہ نے ۔ آفت بات یہ ہے ؟
رجیم :- آفت بھی کہاں چمائی ہے ۔ آفت تو اب چمائی گئی ، اس کی باقی لے کر چھوڑ دوں گا ۔ اس نے آخر پہنچ کر کھلایا رکھا ہے ۔

دوسرا :- بڑی بات ہے خان صاحب ۔ عورت پر ہاتھ اٹھانا بھی کئی شرافت ہے ۔
پہلا :- مگر سوال یہ ہے کہ آخر ہر ایک سارا عقد اپنے دور و زے پر جمع کر لیا قہ نے ۔
رجیم :- ابھی تو یہ تاثر ساری خلقت دیکھ لی ۔ جب میں اسے ختم کر کے چائیں چڑھنے جاؤں گا ۔
پہلا :- مگر کچھ معلوم تو ہر کہ بات کیا ہے ۔

رجیم :- دیکھئے صاحب میری سنی ذبیحہ گا ۔ خدا قسم کھینے گا ۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ میں اپنے زمانے کا کتنے بڑا ایکٹورہ چلا ہوں ، ناٹک ۔ کپنی والے آگے پیچھے چرتے تھے ۔ آخر جوڑتے ہوئے ، مگر اب اس قدر کر لیا کروں ۔ کہ ناٹک کا زمانہ ہی نہیں رہا ۔ نہ وہ قدر ہی نہ وہ روزی ۔ جب خاتون پر زب آگئی ۔ تو ادھر ادھر اتر پیرار کر خود اپنا چھٹا سا منڈا بنایا ۔ پرانے ساتھیوں کو جمع کیا ۔ ٹوٹا چھوٹا سامان اکٹھا کیا ۔ کہ جیسی چار پیسے کی صورت دکھائی دے ۔

دوسرا :- یہ تو اسٹر قہم خود دیکھ رہے ہیں ۔ کہ بڑی محنت کر رہے ہیں ۔
رجیم :- ایسی ہی محنت ۔ اٹھ جاتا ہے ۔ رات کو کھڑا اور دن کو دھڑک بھگایں نے ۔ اپنے کو بنایا میں نے ۔ یہ منڈا اب غنے کے لئے اور نہ آپ لوگوں کو میری قسم ذرا میرے ساتھ چل کر دیکھئے کہ میں نے تیار کی کسی کی ہے ۔ میں اب اس کے لئے نہ پوچھئے ۔ خود ہی چل کر دیکھ لیجئے ۔ یہ ماننے ہی تو ہے کہ نا دور ہے ۔ ہاتھ لگن کو آرمی کیا ہے ۔ ذرا ہی دیر کے لئے چلے چلیے ۔

پہلا :- خان صاحب ہم کو آپ کی بات کا مقبوس ہے ۔ آپ جو کہ کہہ رہے ہیں ٹھیک ہی ہوگا ۔
رجیم :- یہ بات نہیں ۔ میں ہاتھ جوڑتا ہوں ۔ حقوڑی دیر کے لئے ذرا چل کر دیکھ لیجئے ۔ اُسے مرنا ہی آئے گا آپ سب آئیے ۔
دوسرا :- چلو جیتی چلو ۔ ان کی خوشی ہو جائے ۔

(سب چلتے ہیں)

رجیم :- تشریف لائیے ۔ مرزا بھی کھانا ہوں غداں قبول کروں گا ۔ اگر اتنی جلدی ایسی تیار کی کوئی مائی کا لال کر دکھائے تو ایک منٹ ۔ تا لالہ دوسرے نکل نہ جائے کم محنت ۔

رفیقاؤں ہوتا ہے اور جلدی ٹھنڈے دوسرے کی آواز میدان ہوتی ہے ۔

رجیم :- (قریب آکر) بندہ کروہ باجوہ ۔ تشریف رکھئے آپ لوگ ۔ اسٹر قہائی ذرا جلدی کر ۔ اور وہ سین دکھاؤ آپ لوگوں کو جب فہمزدی تھا رہا غ میں سچا ہی زاد سے سے متی ہے ۔ اور وہ دوسرے میں محبت کا عہدہ بیان ہوتا ہے ۔ جلدی کر ۔ رہنے والی جلد سے آپ کے تماشے میں بہ محنت کا سین ایک ٹھنڈا ہے ۔ ہمارے آج کے کھیل کا ۔ مگر اسی سے آپ کو

دوسرا وہ جنت کا میں ہے۔ مگر کس قدر پاکیزہ ہے۔ او کیا کیر کیر پیش کی ہے۔ سپاہی زادے کا دواہ۔ دواہ دواہ۔
 وحسبم۔ صاحب یہ تو ایک چھوٹا سا غونہ ہے۔ ایک چھوٹا سا گھڑا اور لا خطہ فرمایا ہے۔ رآدازدے کر (ماہر خیراتی اب۔)
 وہ میں پیش کر۔ جب شہباز کے قتل کے بعد شہنشاہ محل سرا میں کھڑے پاس آتا ہے۔ رانی جیسے انداز اس میں
 میں شہنشاہ کی ایک لگ دیکھئے اور یہ اندازہ کیجئے کہ یہ چند دن کی محنت کا نتیجہ ہے رآدازدے کر (ماہر خیراتی اب۔)
 تیس بہو۔ مگر شہنشاہ تالی بجا ہے۔

ملکہ و۔ جہاں پناہ۔

شہنشاہ و۔ بہت ناو۔ کھڑے دور رہو۔ میں غری ہوں۔ رجہدی سے رادوچی آداز میں (میر سے یہ دھڑک پھٹا۔ کے
 خون سے بھر دے ہوئے میں میرے دامن پر خود میرے ہی ایک ٹک خوار کے خون کا ایسا دھبہ ہے جی کر میرا وہ
 انصاف بھی نہ دھو سکے گا۔ میں نے جنت کا خون کی ہے۔ میں نے بے زبانوں کا صبر بیٹھا ہے۔ دینچے میں قاتل بنا
 خود اپنی اولاد کی قتل کا قاتل۔ کھار کی بیسی کے آنسو۔ کھڑے کو غرق کر کے رہی گئے۔ شہباز کی بد نصیب۔ دل
 آہ کھڑے جسم لڑے گی۔ انصاف اور رحم دونوں میرے منہ پر تھیں گے۔ تاریخ میرے گے میں محنت کا حق ملے
 گی۔ اور میرا ضمیر اگر زندہ رہا۔ تو میں زندہ نہ رہ سکوں گا۔

ملکہ و۔ (دینچے) جہاں پناہ کے دشمن۔ ایسی بات تو زبان پر نہ لائیں۔

شہنشاہ و۔ کھڑے میرے حال پر چھوڑ دو ملکہ۔ خود بخشن ناؤ۔ سوتیلی اولاد کو تو پا کر نص کی محض آراستہ کر۔ میری مصوہ
 کا دل توڑ کر اپنی دبستی کے سامان کر۔ کسی کے کھڑے کا چراغ بجھا کر اپنے محل میں چراغاں کر۔ میں تم کو بارگ۔
 دینے آیا ہوں۔ کہ اپنی آتش انعام کو سرد کر کے تم نے بنایا کچھ ٹھنڈا کر لیا۔

ملکہ و۔ عالم پناہ۔ میں نے سب کچھ ناموس شامی کے لئے کیا تھا۔

شہنشاہ و۔ ناموس شامی! لعنت اور صد ہزار لعنت اس شامی پر جو انسانیت سے گزر جائے۔ اگر بادشاہ کے سینے میں
 انسان کا دل نہیں ہے۔ تو وہ ایک خوفناک درندہ ہے۔ میں ایک خوفناک درندہ ہوں۔ میرے جبروں سے انسانیت
 کا ہولناک رہا ہے۔ اس سے قبل کہ یہ درندہ تم پر چھبٹ پڑے۔ دُور ہوا میرے ماننے سے — آتش نجات
 کہ اگر کچھ چھینٹوں کی مزدت ہے تو باؤ گھٹا کی حرمت اور نصیب کا متناؤ کی کھوں کو ٹھنڈا کر۔

ملکہ و۔ عالم پناہ۔ میں سوتیلی سہی مگر اس کی ماں ہوں

شہنشاہ و۔ ان کا متھس نام اپنی زبان سے لے کر شفقت کو درنگ کی شکل نہ دو۔ ہاؤ اس بد نصیب غبنزدی کو دیکھو جو
 اپنی سبکیوں اور سبکیوں میں ماحل کر رہ گئی ہے۔ جس کے آنسوؤں کا سیلاب شہباز کے خون نامی کے ساتھ
 مہری حرمت بڑھ رہا ہے۔ میں اس سیلاب میں ڈوب جانا چاہتا ہوں۔ اپنے اس کھنٹ دماغ کو غرق کر دینا چاہتا ہوں
 اسی سیلاب میں۔ (جانا ہے) اسی سیلاب میں۔ اسی سیلاب میں۔

ملکہ و۔ اس کے نیچے دوڑتی ہے، عالم پناہ! سلطان اعظم! محل! اند! رفیق! آؤ!

جائیں تو یہ اذیتہ۔ اچھا میں آپ کو کسی کام کا ایک مہینہ دیکھتا ہوں (آواز دے کر) اسٹریشنرانی ذرا دھک لگا دے
میں دھک دے جس میں پتھر ہی کو گھن پکڑا دی لپٹا دیتا ہے۔ رابلی محلہ سے، ذرا دیکھنے گا اس میں کھانا
دے کر ان بھی شرمناک کر دے گا لیکن ہے۔

پیشگیری :- ہتھو۔

مفتی محمد رفیع الرحمن صاحب دہلی

پہلے بھڑکی :- آپ کا نام ہے 'رائٹر ایس۔ وائی۔ زیڈ ڈوسٹ'۔
گھنٹکا :- درست فرمایا آپ نے۔ اسی خاک رکاوٹ ہے۔ جی۔ سی۔ ڈی مگن پکڑ لیتے ہیں۔

پیشتر ہی۔ محکمہ عمر کا رٹوں تو۔

غنی ہو۔ ذرا بلند آواز سے فرمایا۔

بہرہوں میں تو چاہے دونا ہو، منفی

سنتا نہیں وہاں بات مکر رہے بغیر

پہلچڑی: آپ ڈسٹ ہی مٹی و نران ساز۔

گھنٹہ گزرا۔ سائیر کچھ ساڑک پر آئے۔ خارجیوں کی ضرورت رشتہ کا اشتہار دیکھی تھا۔ ضرورت لاحق تھی۔ اب انہیں یہیں۔

پہلے طے کر لیں کہ یہ کارڈ کس کا ہے۔

خود ہی پڑھ لیجئے۔ اس کا ڈکوپڑھنے کے لئے جس نمبر کی میٹک درکار ہے۔ وہ میٹک اچھی میں نے بتائی نہیں ہے۔

پہلے بھڑی، مدینہ کر، ڈاکٹر ایکس دانی زید، ٹسٹ۔

گھنچکنے۔ ارے نہیں، نہیں نہیں۔ یہ تو ان ڈاکٹر صاحب کا کارڈ ہے۔ جن سے برد کھوے میں آنے کے لئے میں نے
 وائٹ گھوائے ہیں۔

بجلی بھڑی :- پردھوے میں جناب والا خود تشریف لائے ہیں۔ یا کسی بیخود وار کے ساتھ آئے ہیں۔

گھنچکر۔ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے۔ وہ درست ہی ہوگا۔ گر میری نگاہ کی کمزوری، کان کی گرانی، بائوں کی سفیدی، اور
دانتوں کی عدم موجودگی رُخساز کرنے کے بجائے قابلِ غور ہے۔ صرف میرا دل بیتاب۔

پھلجھامی اور اورداخ کا ذکر ہی نہیں کرتے جو سب سے زیادہ خراب ہے۔

گنچیکر:۔ مجھے آپ سے یہی امید تھی۔ اب آپ کے والد سے ملنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب خود آپ ہی نے پسند کر لیا۔
سالہاں بری راضی تو کیا کرے گا قاضی۔

پچھلے دنوں میں نے وہ دروازہ دیکھا ہے۔ اس سے قبل کوٹھڑا راستہ یاد نہ رہے۔ اس دروازے سے نکل جائے۔

گفتگو: - باہر۔ اگر آؤ۔ باہر تشریف لے چلتا چاہتی ہیں تو بسم اللہ۔ واقعی راز و نیاز کے لئے یہ ممکنہ مناسب نہیں ہیں۔ میں

کائنات کوئی اور نہ ہو گا۔

چشمہ کی جگہ پر ہی بہتوں نے زمین کی۔

مگر یہ ایک ہے۔ میں ایک ہی جگہ پر ہی اپنے آپ کو نظر کر رہا ہوں۔

میں نے اسے دیکھا۔

میں نے اسے دیکھا۔ میرا مطلب ہے ہاں ہاں۔

میں نے اسے دیکھا۔

میں نے اسے دیکھا۔ کمال کر دیا فاضل۔ اور وہ اپنے ہاتھ سے

اسے دیکھا۔ میں نے اسے دیکھا۔ کس قدر زور دیا۔

میں نے اسے دیکھا۔ وقت ہی نہیں ہے۔ ورنہ اور بھی بیت چریں ہیں۔ کتاب جڑوں میں نہیں۔ مگر یہ ہے۔

میں نے اسے دیکھا۔ وہ ایک وقت ہے کہ تھیں پر سرسوں جاری ہے۔

میں نے اسے دیکھا۔ دیم اسویرے نام کے ہے۔ وہ یہ کہ ایک ہی ہے۔

میں نے اسے دیکھا۔

میں نے اسے دیکھا۔ اور وہ میری شہرت کی تم کو پہنچے۔

میں نے اسے دیکھا۔ اس کے اذہم دیجئے گا۔

میں نے اسے دیکھا۔ اس نے اسے دیکھا۔

(دور داز سے پر دستک)

دوسرا۔ میں نے کہا بھائی صاحبہ ذرا دور داز سے پر آئے۔

میں نے اسے دیکھا۔ میں نے اسے دیکھا۔ میں نے اسے دیکھا۔

میں نے اسے دیکھا۔ میں نے اسے دیکھا۔ میں نے اسے دیکھا۔

میں نے اسے دیکھا۔ میں نے اسے دیکھا۔ میں نے اسے دیکھا۔

میں نے اسے دیکھا۔ میں نے اسے دیکھا۔ میں نے اسے دیکھا۔

(دہشتا ہے)

میں نے اسے دیکھا۔ میں نے اسے دیکھا۔ میں نے اسے دیکھا۔

(سب ہنستے ہیں)

دورخ

دعویٰ ازیں پر کوئی آہستہ سے دستک دیتا ہے !
شیخ صاحب اکروں ہے۔ معلوم ہے۔ سب کو کہ آج میرا خضاب کا دن ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ میں خضاب کے دی کسی سے
نہیں ملتا۔ پھر بھی دروازہ بجایا جا رہا ہے۔

ناہید : (دروازے سے جھانک کر) میں آسکتی ہوں ماموں جان :
شیخ : کون ؟ ناہید : او آؤ۔ میں سمجھا کر بنے کون ہے ، جہانم اس وقت کہاں ۔
ناہید : (قریب آتے ہوئے تسبیح اُچی جان کے ساتھ آئی ہوں ۔
شیخ : خوب خوب ، کہاں ہیں فرخندہ ؟ بیٹی تو اویکھا بند پر سیاہی نہیں آئی خضاب کی ۔ یہ بھی بڑھاپے کا ایک
خواب ہے ۔

نا بید : جی نہیں باؤں ہی پر ہے۔
 شیخ : باؤں پر تو ہوتا ہی چاہیے۔ تو ہیں کہاں بی فرزندہ جب میں تم کو دیکھتا ہوں۔ فرزندہ کا بھین یا داتا ہے
 ہو ہوں ان کی تصویر ہو، وہ ننھ دی عمر ہیں بالکل ایسی ہی نہیں اور تم ان کی عمر میں بالکل دوسری ہی ہو جاؤ گی۔
 بلاؤ نا فرزندہ کو۔ ذرا ٹھہرو یہ آئینہ میرے چہرے کی سیدھ میں لے کر بیٹھو۔ اہں ہوں، مگر یہ کیا اس میں
 تو گھڑی نظر آ رہی ہے۔ اے جی چہرے کی سیدھ میں دکھو۔ اہں یہ بس بس یوں ہی رہتا۔

فرخندہ : (باہر سے آواز آتی ہے) ناہمید !
 ناہمید : (اندھ رہی سے) آج جائے اتنی جان ماموں جان میاں میں -
 فرخندہ : (آتے ہوئے) بھیا تسلیم !

سچین : (خضاب لگاتے ہوئے ہند متھ سے) جیتی رہو۔ ہروں، ہروں، ہروں..... دھواں آواز میں، تم نے ہلو جی ہو چکی
کے بھلے بھنڈوں میں لگا گیا پرتا بھی خضاب۔ بس ایک منٹ۔ ہروں۔ ہروں۔ شاباش : میٹھو ٹوٹو
بس ایک منٹ۔

فرخندہ : انسیرہ کہاں ہے بتایا !
شیخ : میں ایک منٹ پہلے ہی وہنا ایک مرغچہ رہ گئی ہے ۔ شاہاش ۔ ہوں ۔ ہوں ۔ بس اب ٹھیک ہے ۔
ان کیلئے چھ رہی تھیں فرخندہ ۔
فرخندہ : سر پہ نظر نہیں آئی ۔

شیخ : جب ہوگی یہاں تو نظر آجائے گی ۔ اسے میں فرخندہ بہ جا رہا ہوں ۔ کیا بھڑکائے ہیں ۔ ولایت سے ۔
معلوم ہو رہا ہے ۔ جیسے کسی دیہات سے وہ بھی ہوئی ہے ۔

فرخندہ : بھٹا میری عقل تو خود میرا ہے مگر اب ہو گا کیا ۔ ہاں نہ رہی لی تو کچھ کی کچھ بن چکی ہیں ۔
شیخ : دونوں کچھ کے کچھ ہی گئے ہیں صاحبہ دونوں ۔ اب میری کچھ میں تو آتا نہیں یہ سوچو ۔
زندہ : جیتا خدا کے لیے ۔ تو نہ کہے ، ہمیں کی ٹکٹنی ہے ۔ میں نے اسے وہ گئی تھی کہ برس گذارے
ہیں کہ جاوید ولایت سے آئے تو ان دونوں کے سہرے کے چھوٹ بھلیں ۔ وہ توں پھدا ہی چڑھیں ۔
شیخ : انتظار تو کچھ کہہ رہی ہیں ۔ مگر اب تم خود دیکھ لو کہ کوئی جی ماسبت ہے ان دونوں میں ۔ تم کو معلوم ہے
کہ تھاری جانی مرحومہ کے اور میرے مزاج میں کس قدر فرق تھا ۔ کہ چونکہ پسند کچھ کو نفرت شدید ۔
وہ جس کا طعنے لگی اور میں بھاگوں اس نفرت کی خوشبو سے ۔ میری جان جائے ، جھڑیوں پر اور وہ
انکا میں میں جھڑی کے نام پر ، مجھے شوق کہ ان کے صاف دانت دیکھوں اور وہ بغیر مس کے نہ دیکھیں
تجربہ کیا ہوا ۔ وہ جا کر پھر میں یکے اور میں نے کہا جس کم جہاں پاک ان کے جانے سے واقعہ جس کے
طرح کی خوشبو جگہ بد تو سے نجات لی گئی لہذا جس کم جہاں پاک میں لے بالکل جیج کیا ۔

فرخندہ : مگر جیتا ، انسیرہ اور جاوید تو ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے ۔
شیخ : میرا بھی جی خیال تھا ۔ مگر اب حالت کچھ اور نظر آ رہی ہے ۔ سر پہ کوجس شدت سے انتظار تھا جاوید کا ،
اس قدر وہ جاوید کو دیکھ کر باؤس ہوئی ہے ۔

فرخندہ : اور جاوید بھی کچھ چپ چاپ سا ہے مابقیہ ایک دن تو نہیں کہہ رہا تھا کہ اتنی جان انسیرہ تو ایک دم مہم
بن کر رہ گئی ہے ۔

شیخ : بے وقوف لڑکا ۔ تم کو کہنا چاہیے تھا ۔ کہ اسے عقل کے دشمن صاحبزادے وہ آپ کے لیے مہم بن کر رہ گئی
ہے ، میں نے اس کو مہم بنایا ہے کہ ولایت میں تعلیم پانے والے ایک لڑکے کی گھر کیکیجیات بن سکے
مجھ کو کیا معلوم تھا کہ یہ صاحبزادے ولایت سے اس طرح آئیں گے تو یا گاؤں سے غلہ جمع کر کے آئے
ہیں ، دیکھنا میں نا امید سہا ہی جلد پر تو نہیں آئی ۔

نا امید جی نہیں ۔ مہم جان باؤں ہی پہ ہے ۔
شیخ : باؤں پر تو ہونا ہی چاہیے ۔ بیٹی ۔ ان تو ہم کیا کہہ رہا تھا ۔ سوال یہ ہے کہ ولایت جا کر جاوید کا آخر

ہوا کیا۔

فرخندہ: وہ جو باقی کرتا ہے، اب کا بھی میرے پاس کوئی جواب نہیں، وہ کہتا ہے، کہ میں انگریز بننے نہیں گیا تھا۔
پڑھنے گیا تھا۔ ایمانداری کے ساتھ پڑھا اور امتحان بھی اقیانوس کے ساتھ پاس کر کے آیا ہوں۔

شیخ: مذکور معلوم ہے نسرين کیا کہہ رہی تھی۔ اس کے سامنے تو میں اس طرح چپ رہ گیا تھا۔ گویا مجھے ناگوار ہوا ہے
مگر واقعہ یہ ہے کہ بڑا بر عمل مصرع پڑھا تھا اس نے کہنے لگی کہ م

لاکھ طوطے کو پڑھایا پردہ حیوان ہی رہا

فرخندہ: بڑا غضب ہو جائے گا بھیا۔ اگر ان دونوں میں یہی اختلاف رہا۔

شیخ: غضب تو جرح کہہ ہونا تھا میرے نزدیک ہو چکا ہے، اب تو حالات کچھ اس قسم کے ہیں کہ مشرق مشرق ہے اور
مغرب مغرب۔ یہ دونوں کبھی نہیں مل سکتے۔

فرخندہ: میری زندگی بھر کے ارمان کا یہ حشر ہو گا۔

شیخ: اپنے ارمان سے زیادہ ان دونوں کے ارمانوں کا خیال کرو۔

نسرين: ڈیڈی۔ تو آنٹی۔ بھو ناہید۔ آپ لوگ کب آئیں؟

فرخندہ: بیٹی میں تو تم کو پوچھ رہی تھی بھیا سے۔

ناہید: میں آپ کے کمرے میں بھی آپ کو ڈھونڈ آئی۔

نسرين: میں بچہ گئی تھی، ہلو ڈیڈی I say it is a wonderful Picture آپ نہیں گئے

I missed you very badly

شیخ: بیٹی میرا خضاب کا دن تھا آج۔ ذرا دیکھنا Is it alright?

نسرين: کیوں لگتے ہیں ڈیڈی آخر آپ خضاب Why do you dye... اچھا میں جا رہی ہوں۔ نیچے

سے میرے ساتھ میرے فریڈ مسعود۔ ریاض اور خالد آئے ہیں۔ آئی کو کھائے پلانا ہے۔

شیخ: خالصاں سے کہہ دینا ذرا تمیز سے چائے پیو اور وہ بڑا ایک استعمال کہ ڈالو۔

نسرين: O.k. Daddy، ناہید ڈیرا میں تو ہونا۔ یا چلو تم بھی سب کے ساتھ چائے پیو۔

فرخندہ: نہیں بیٹی اس کو رہنے دو۔ وہ لڑکوں میں کہا جائے گی۔

نسرين: بھئی Why is this یہ کیا بات ہوئی؟ لڑکوں میں چائے سے کیا ہوتا ہے۔ میں جو عام ہی ہوں۔

شیخ: ناہید کہ رہنے دو بیٹا تم جاؤ۔ خالصاں سے کہہ دیاں میں چائے پیو۔

نسرين: O.k. Daddy چلی جاتی ہے،

فرخندہ: بھیا کچ بچ آپ نے بہت آند لو کر دیا ہے۔

شیخ: مجھے معلوم ہے کہ میں نے ضرورت سے نہا وہ آند لو کر دیا ہے مگر تم کو بھی معلوم ہے کہ میں نے کیوں آند لو کیا

ہے۔ بار بار یہ بات مجھ سے کہوں گلو انی ہو کہ جس سے جس کو جاوید کے قابل بنائے گی کوشش کی۔ وہ جاوید جو ولایت گیا تھا اور جس کے لیے مجھ کو خیال تھا کہ دولت سے کسی قسم کی ترکیب حیات کو اختیار کرنا آئے گا۔ تم کو معلوم ہے کہ جاوید کے واسطے جانے سے پہلے نسریں ایسی نہ تھیں۔ نسریں یا امیدی کی قسم کی ایک طرح کی تھیں۔ جس کو میرے خیال میں وہ دلا بھی پسند نہیں کر سکتا۔ جس نے سارا سال ولایت میں گزارا ہے۔ لہذا جاوید کے لئے میں نے نسریں کو یہ لکھ دیا تھا۔

جاوید: رہا میرے آواز نہ بتا ہے جس سے اس نے ہوں۔

یا امید: بھائی جان آگئے۔

شیخ: اگر کوئی جاوید یہاں آجائے۔

جاوید: آتے ہوئے آؤ اب تم میں۔ میں لکھ رہا ہوں کہ جو میرے پاس آئے ہیں۔ میں جان رہا ہوں کہ وہ جاوید ہیں۔ شیخ: اگر یہ نہ معلوم ہوتا تو میں تم میں آسکتے تھے۔ جیٹو: ابو حریص اور میرے پاس۔ آج رخصت ہو رہے تھے کہ صاف باہر کرنا ہیں۔ بات ہے کہ میں آؤ میں ہوں۔ اصناف قسم کا۔ میرے ذہن میں جو اچھیلیں تھیں متعلق ہیں انھیں تم تک نہ پہنچا میرے نزدیک دستانے کے بھی خلاف ہے اور تم سے بھی زیادہ ہے۔ کیوں بھی فرزند، مجھے صاف بات کرنا چاہیے۔

جاوید: آپ اتنی جان سے کیا رہ چکے ہیں۔ اگر مجھ پر ان سے کچھ کہیں آپ کو حاصل ہے تو بے شک ان سے اجازت لے لیجئے۔ ورنہ میرے نزدیک تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

شیخ: میں بغیر کسی تمہید کے براہ راست یہ سوال کرتا ہوں کہ یہ دولت سے آخر کیا بن کر آئے جو؟

جاوید: ماموں جان اپنے نزدیک تو میں وہی بن کر آیا ہوں، جو مجھ کو بن کر آنا چاہیے تھا۔

شیخ: وہیں نے آج تک دولت سے رشتے والے کسی طالب علم کو نہیں دیکھا کہ وہ سوٹ پہن کر جانے لے ڈیڑھ پانچ بجے میں وہیں آئے۔ میرے قصور میں تم اس طرح آیا کہسے تھے کہ دولت کی علی قریش کے ابو ڈیٹ سوٹ میں سوٹی سی کافی کی فیشن ایل جینک لٹائے تم میں سے آؤ گئے، خالص انگریزی قسم کا مصافحہ کر رہے اور گھر پہنچ کر گھر کی فضا میں ہی بدل دو گئے۔

جاوید: مگر میں آپ کی آمید کے خلاف شہروانی، بلا جانے اور وہی جتنے میں ٹرین سے اتر اور اسلام علیکم کہہ کر آچکے سامنے ادب سے جھک گیا۔

شیخ: برزخ و دار اس میں سلسلہ تمدنی تو ضرور تھی۔ مگر یہ اخلاذ نہ ہوتا تھا کہ تم لندن سے آ رہے ہو یا جھانگنا سے، انگلستان سے آئے ہو یا قصور سے۔

جاوید: ابھی سمجھتا تھا کہ میری اس سادگی اور میری اس شرفیت کو آپ پسند فرمائیں گے۔ میں جینک یہاں سے سوٹ پہن کر ان لوگوں کے ملک میں گیا تھا جو یہاں آکر نہ شہروانی پہنتے ہیں نہ باہامہ بلکہ اپنے علی لباس

میں رہتے ہیں۔ اور انہی ہی معاشرت یہاں پیدا کر لیتے ہیں۔

شیخ : اہم ترین مسئلہ یہ ہے جو کہ میں ذرا وضاحت سے کہنا چاہتا ہوں۔
 چارویہ ماموں جان اس مات کا اندازہ فرمائیے وہاں جا کر ہوا کہ ہم ذہنی طور پر کس حد تک اُن کی غلامی کے طور پر
 سوچ چکے ہیں۔ ہم اُن کا کلچر اس طرح ادھر دھپتے ہیں کہ وہ خود ہمارا کوئی کلچر ہی نہیں اور ہم اُن کو ہمارے طور پر
 نافذ کرنے کا موقعہ دیتے ہیں۔ کہ اُن کے کلچر نے ہم کو آدمی بننے کے قابل بنایا ہے۔ میرے ذہن میں صرف
 یہ سوال پیدا ہوا کہ ہم اپنے وطن میں کچھ اُن کے سہانے میں داخل جاتے ہیں اور وہ ہمارے پہلی انگریزی
 اعلیت نہیں جھوٹے۔ اس خیال نے مجھ کو خود مشرقی کلچر کی طرف متوجہ کیا اور میں نے وہاں نہ کہ بھلے ذہنی
 غلامی کرنے کے اپنا کلچر ان کے سامنے پیش کیا۔

شیخ : دیکھنا بیٹا مذہب کی سیاہی جلد پر تو نہیں آئی۔

چارویہ : جی نہیں۔ ٹھیک ہے۔ ماموں جان آپ کو حیرت ہو گی کہ میں نے وہاں کے درزیوں کو شیروانی کا نمونہ
 دے کر شیروانیاں اُس سے زیادہ دام صرف کر کے بنوائیں جتنے میں سوٹ بنتا ہے مگر میں صرف میٹرانی
 میں صبح کے ناشتے میں بجائے دلیر اور ذوق دہنہ کے اور بجائے ٹوٹ میٹ اور انڈے کے خود
 پوریاں پکاتا تھا۔ اور اُن کی چپٹی تزکاری کے ساتھ نہ صرف خود کھاتا تھا بلکہ کئی انگریز دوستوں کو
 اس ناشتے کا دلدادہ بنا آیا ہوں۔

شیخ : مگر بر خور و اس سے تو تم جی انکار نہیں کر سکتے کہ ان لوگوں میں بھی بہت سی خوبیاں ہیں۔

چارویہ : میں ان کی خوبیاں چھوڑ کر نہیں آیا ہوں۔ آپ مجھ کو وقت کا پابند پائیں گے۔ آپ مجھ کو معنی اور
 جنفاکش دیکھیں گے۔ کام کے وقت کام اور تفریح کے وقت صرف تفریح میرا ہی اصول ہے معاملت
 میں صفائی اور دیانت کا میں بھی قائل ہوں مگر ان باتوں پر صرف سوٹ ہیں کہ اور سگاہی کر ہی عمل
 نہیں ہو سکتا۔

شیخ : بر خور دار مجھے تمہاری باتوں کی مقبولیت کا اعتراف ہے مگر میری ملاحظہ ہو کہ میں نے محض تمہارے لیے
 نسرین کو خدا جانے کیا کیا بنا دیا ہے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ ولایت سے واپس آکر تم جن قسم کی شریک
 حیات چاہو وہ تمام صفات تم کو نسرین میں مل سکیں۔ میں نے اُس کو نہ صرف کالج میں پڑھوایا بلکہ خاص
 پور میں داخل کرکھا۔ میں نے اُس کو پیالہ سکھوایا۔ میں نے اُس کو ڈانس کی تعلیم دلوائی۔ وہ رابڈنگ
 کر سکتی ہے۔ وہ سوئمنگ جانتی ہے وہ اگلے سے اگلے سوسائٹی میں جے جو معلوم نہ ہوگی۔ وہ اس
 فرائٹ سے انگریزی بولتی ہے اور اس کا لب و لہجہ اس قدر انگریزی بہت ہے کہ انگریزی اس کی
 مادری زبان معلوم ہوتی ہے۔

چارویہ : میں یہ سب اندازہ کر چکا ہوں اور مجھے یہ بھی احساس ہے کہ آپ نے یہ سب کچھ میرے ہی لیے کیا ہے

کہ میری طرف سے ہے کہ اگر لہجہ کما ہی ہی تمام معنات کی ضد و متضاد ہوتی تو اس فعل کی کیا ضرورت تھی میں
اصل ہی اپنے ساتھ ملایت سے کہیں نہ دیا ہو میں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ ولایت میں اتنا زمانہ
گزارنے کے بعد بھی نہایت کے اس رنگ سے طبیعت اپنی ہی رہی اور ہمیشہ یہ محسوس ہوا کہ اس
ولایتی حسن اعدان ولایتی اداؤں میں میرے لیے کوئی پریشانی نہیں ہے۔

فرخندہ : مگر بیٹا سالی تو یہ ہے کہ اسے لیا ہو گا۔

شیخ : اس کو مات کہنے وودہ بڑی گہنی باتیں کر رہا ہے۔ اب بے خبر دور۔
جاوید : افسوس جان۔ وہاں رہ کر میں نے اپنے اوپر نسرین کے اسی حضور کو طاسی رکھا جیسا میں اس کو چھوڑ گیا تھا
وہی ایک آپ سے پاک معصوم چہرہ۔ وہی دوپٹہ۔ وہی خاتون۔ وہی شہسوار اور وہی عید بقر عید ماتھے پر
ٹھیکہ۔ ماموں جان ہماری مشرقی شکیروں میں جو ایک بے ساختہ جھجک ورجھپک ہے اس کا خدا کی قسم
میں نے کہیں جواب نہیں دیا۔ وہ شرم اور وہ ملاج جو مشرقی نہایت کی روح ہے اسی کے بغیر مغربی
نہایت ہے۔ روح نظر آتی ہے۔

شیخ : کیا تمہارے خیال میں کوئی ایسی صورت ہے کہ نسرین کو چہر شرفیت کی طرف واپس لایا جاسکے۔
جاوید : مجھ کو پوری طرح اندازہ نہیں ہو سکا کہ نسرین اپنے موجودہ رنگ میں کس حد تک ڈوب چکی ہے اگر اس نے
اپنی اصلیت کی تحقیر ابھی شروع نہیں کی ہے تو واپسی ناممکن نہیں ہے۔

فرخندہ : نہیں بیٹا وہ ٹھیک ہو سکتی ہے۔ اس غرب کو جیسا بنا دیا ہے وہ بن گئی ہے۔
شیخ : اخیر خیر میں اس قسم کی باتیں نہیں کرتا بڑے حوصلہ دار تم خود اس کا جائزہ لو اور اگر اس کو واپس لاسکو تو مجھ
سے زیادہ شاید کسی کو مسرت نہ ہو۔

جاوید : آپ سے کم خود مجھ کو بھی مسرت نہ ہوگی۔

شیخ : اور اس سے بات کر کے اندازہ تو کرو۔ ناہید بیٹی دیکھنا فائدہ نسرین کے دوست گئے یا ہیں یہ بات
تم نے لاکھ روپے کی کمی ہے کہ اگر تم کو یہی وضع قطع اور یہی معاشرت پسند ہوتی تو اس فعل کی کیا ضرورت
تھی اصل ساتھ ہی لاسکتے۔ میں اس بات کی پچائی کا قائل ہو چکا ہوں۔

فرخندہ : اگر کوشش کی جائے اور شاوی کے بعد رفتہ رفتہ اصلاح کی جائے تو وہ ٹھیک ہو جائے گی۔
جاوید : اتنی جان بس ہی بات غلط ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ نسرین کے لیے میرے احساسات کیا ہیں مگر بغیر
مجھے بوجھے وودہ زندگیاں تلخ نہیں بنائی جاسکتیں۔

شیخ : بالکل ٹھیک ہے۔ بھئی معاف کرنا نہیں معلوم تھا کہ تم اس قدر معقول انسان ہی کر گئے ہو میں تو قصاصی
ظاہری وضع قطع کو قصاصی نامعقولیت ہی سمجھ رہا تھا۔

ناہیدہ : راتے ہوئے نسرین آیا اپنے کمرے میں آگئی ہیں پلاؤ۔ کار ہی ہیں۔

شیخ : میرے خیال میں تو تم پہنچ جاؤ بزورِ دارِ خدا کرے تمھارے دلائل اس کو بھی اتنا ہی قائل کر دیتا جتنا مجھ کو کیا ہے۔

جاوید : دیکھئے کوشش کرتا ہوں۔

جاتا ہے۔ کچھ وقفہ۔ پھر بیانو کی آواز رفتہ رفتہ فریب

آتی ہے۔ جاوید اجازت چاہتا ہے (

میں اسکتا ہوں۔

نسرین : (بیانو بند کرتے ہوئے) اونٹنی محمد جاوید صاحب (Who is there؟) (تمہارے گھر پر) By how

یہ کیا تھلیہ بنا رکھا ہے تم نے جاوید۔ پیروں میں بندن کے خلاف پہننے پہننے میں امد یہ کیا نام ہے اس کو؟
کاشیروانی۔ کس قدر عجیب چیز ہے یہ بھی۔ اور معلوم نہیں بنیر (سوکس) موزوں کے تم یہ بیڈ دوم پیپر قسم کا
جو نالکے ہیں لیٹے ہو۔

جاوید : آپ کدو ست گئے۔

نسرین : جب وہ چلے جاتا ہے تمہیں نے تم کو جلتے دیکھا تھا۔ مگر میں نے بلایا نہیں وہ لوگ مذاق اڑاتے تھارا
بلکہ مسعود پوچھ رہی رہا تھا کہ تمھارے جو Cousin دوینے سے آئے ہیں وہ کہاں ہیں۔ اب میں کیا بات
کہ وہ چیز تم ہو۔ چیز (تمہارے)

جاوید : تم نے اچھا کیا کہ نہیں بتایا ورنہ میرے ساتھ تمھارا بھی مذاق اڑتا۔

نسرین : But, I don't know۔ یہ تمہیں کہ کیا ہو گئے ہو۔ یہ تم کو ہوا کیا آخر۔ What's wrong
جاوید : کچھ نہیں نسرین۔ صرف یہ ہوا ہے کہ ولایت جا کر میری آنکھیں تھوڑی سی کھل گئی ہیں کہ ہم انگریزوں کی
کس شدت سے ذہنی غلامی کر رہے ہیں۔ تم نے بھی انگریز کو بھی دیکھا ہے کہ اس نے تمھارا ملکی لباس
تمھارے ٹک میں بھی آکر پہنا ہو۔

نسرین : یہ تو بالکل ویسی ہی بات ہوئی کہ جیسے کوئی افریقہ جا کر کوڑیوں کے مار پیسے لے۔

جاوید : کیا تمھارے خیال میں تمھارا کپڑا ایسا لگتا ہے؟

نسرین : What are you talking۔ ہمارا کپڑا ہی کیا ہے یہی کپڑا جس کا تم غور نہ بنے ہوئے ہو؟

جاوید : ہاں بیشک۔ یہ جیسا کچھ بھی ہے مگر اپنا کپڑا ہے۔ اور جس رنگ میں تم رنگی ہوئی ہو وہ خواہ کچھ بھی ہو
تمھارا نہیں دوسروں کا ہے اور تم پر ہمت معلوم ہوتا ہے۔

نسرین : میں سمجھتی تھی کہ تم صرف وضعِ نقل ہی میں بدلے ہو مگر معلوم ہوا کہ تم ہر اعتبار سے اب سے سو سال پیچھے

جا پڑے ہو۔ I wonder what is wrong with you

جاوید : ممکن ہے میرا قصور ہو مگر میں تمھارا قصور بالکل نہیں سمجھتا مگر وہی بن گئی ہو جو تم کو بنا دیا گیا ہے۔ اور جو کچھ

تم کو بنا دیا گیا ہے۔ وہ بھی صرف اس لیے کہ امداد میں کا خیال تھا کہ میں میں وہاں سے وہی بن کر آؤں گا۔
جو عام قسم کے نو جوان بن کر آتے ہیں، اپنی اصلیت کو جھول جاتے ہیں اپنے وقار کو خود اپنی نظروں سے
گرا کر خود گرا کر کے جھلنے احساس کمتری میں مبتلا ہو کر دوسروں کے غالب میں اپنے آپ کو ڈھال لیتے
ہیں۔ امداد میں جانے کے لیے میری نصف ہمت برباد کرنے کی کوشش تھی۔

نسرین! اگر تم وہاں سے نصیب بدتر بن کر آگے۔ worst half (نقصہ گانی ہے)
جاوید! ان نسرین مجھ سے یہ تصور ضرور ہو جائے کہ میں اپنے زہرہ نہیں مانتا کہ وہ صدمہ جوتا کہ میں سٹاس جی
میں تھا ہے اس لیے کہ کسی پرستش کی ہے جب کہ میں نے کچھ ڈنگا تھا۔ میں نے صبر کی ہے غلط خاص بات
لاجب میں آؤں گا اور میری نسرین کی شرم آمیز نسبت میں دوبارہ بری نظریہ جانے لیا گیا مجھ سے کہ
ڈالیں گی۔

نسرین! Good Gracious! یہ تم کس دنیا کی مانتی کر رہے ہو جاوید! لاش تم کو بھی صدمہ جوتا کہ میں نے
اس جیسے میں تمہارا کیا تصور تھا کہ رکھنا تھا کہ ایک فٹنگ ڈیل منڈب Upto-date نو جوان۔ علی
دوڑے کا سوٹ پہنے منہ میں باب لٹائے ٹرین سے اترے گا۔ اور چونکہ کہ میری طرف دوڑے گا۔ اس
کو حرکت ہو جائے گی کہ جس سر پہ کو وہ ایک جاہل گھوڑا اور دوپٹے کی رٹ کی چھوڑ کر گیا تھا وہ اب اس کے خوبوں
کی جیتی جاگتی تصویر بن چکی ہے۔

جاوید! ان نسرین میں تم کو دیکھ کر قافی ہو گیا ہوں کہ وہ اپنی خواب کی تعبیر مٹاتی ہو رہی ہے۔
نسرین! مجھ کو بات ختم کر لینے دو۔ تم ٹرین سے اس طرح اترے کہ میں کہتا ہوں I was shaken تم
نے ایک خندا سا سلام حکیم کیا اور میری تمام اہمیتوں پر اوس ڈال دی ہیں ایک دم کچھ کر رہ گئی۔ اب
میں تم کو چھپاتی پھرتی ہوں اپنے کسی دوست سے تم کو بلا بھی نہیں سکتی میرے دوست تمہارا ذکر کرتے ہیں
اور میں ٹال جاتی ہوں لیکن تم مجھے ہو کہ مجھ کو کچھ کہ شوک پہنچا ہے مجھ کو تو ایسا عوس ہوتا ہے جیسے تم اپنے
کو کھو کر آگئے۔ You have lost yourself تم نے اپنے کو گنوا دیا ہے۔

جاوید! اچھا اب ایک بات بتاؤ نسرین جہاں تک میں محبت کو کچھ چکا ہوں یا یہ کہو کہ کچھ سنا ہوں وہ تو اتنی کمزور
چیز نہیں کہ ان سلی اور ان ظاہری تبدیلیوں سے ٹھٹھ بڑھ سکے۔

نسرین! No, No, No! تم ناولوں اور افسانوں والی محبت کی بات مجھ سے نہ کرو۔ جب میں اپنی ٹکلی آنکھوں
سے تم کو دیکھ رہی ہوں کہ تم اپنے کو منڈب ڈیل کے لیے Laughing stock بنا چکے ہو جتنا
میں آگے بڑھی ہوں اتنا ہی تم پیچھے ہٹ چکے ہو تو میرے خیال میں میرا دماغ اتنا خراب نہیں ہونا چاہیے
کہ میں اب بھی تم سے محبت کا دعویٰ کروں۔ میں اتنا بڑا جھوٹ کبھی نہیں بول سکتی۔

جاوید! تو پھر اس بات کو مانو کہ تم کو مجھ سے میری ذات سے محبت یا وابستگی نہ تھی بلکہ میری وضع قطع سے تھی۔

کہ ہے۔

شیخ : اس قدر حقائق کے ساتھ کہ میری طبیعت میں صاف چوٹنی چھو کہ جو میں اتنا بد مزہ نہ تھا کہ میں تربیت نے
نسرین کو اس حد تک بدل دیا ہوگا کہ انہیں کی جیاں دیلا اور انہیں جس حال میں لایا گیا۔

نسرین : *Are you talking seriously*

شیخ : میں صاحبزادی آئندہ مجھ سے سب میری مادری زبان میں گفتگو فرمایا جائے۔ میں اگر کہہ کر نصیر اور آزادی سے کہہ
یہ تھا سکتا ہوں تو مجھ کو یہ بھی آتا ہے کہ میں تم کو اپنے ماحول میں واپس لاؤں۔

نسرین : *But I mean to say that.....* یہ بات آج ہوئی ہے۔

شیخ : میں نے تم کو اپنی آزادی دی تو میں ہی یہ بھی کر سکتا ہوں کہ عجب بچے اپنے اخیلا رات سے کام لوں اور
نقصانی شدی زبردستی جاویت کر لوں۔

جادوید : انکے ماحول میں صاف زبان ہے گا میں نسرین پر یہ ظہر نہیں کر سکتا۔

فرخندہ : تم سے کیا مطلب بزرگوں کی باتوں میں کہیں بھی لڑکا نہ روڑا کی دخل دیتے ہیں۔

نسرین : آخر وہ زمانہ گزر گیا اب لڑکا اور لڑکی یہ اندھا جوا نہیں کہیں سکتے۔

شیخ : (دروتے ہوئے) یہ دونوں دیکھنے کے لیے میں زندہ رہ گیا تھا۔ میری لڑکی اور میرے سامنے اس طرح زبان چلائے۔

جادوید : یہ بات آپ کو اس لیے بری ملامت ہوتی ہے کہ آپ کی معاشرت اور آپ کے ماحول کے خلاف ہے مگر نسرین کو
آپ ہی کی تربیت نے اس صاف گوئی کا عادی بنایا ہے۔ تو اب اس کا رنج ضرور ہے۔

فرخندہ : جیسا آپ کیوں نہ ہو کہ ہلکا ہی ہو ہے ہیں۔

نسرین : (جالتے ہوئے) شادی ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کے لیے کسی کو اس طرح دیا جاسکے *I cannot*

tolerate this (چلی جاتی ہے)

شیخ : کاش یہ دونوں دیکھنے سے پہلے مجھے موت آجاتی۔

فرخندہ : اشد نہ کرے، مجھ پر نصیب کا آپ کے اور جادوید کے سوا ہے ہی کوں؟

شیخ : ناہید بیٹی دیکھنا چاہد پر تو نہیں آئی خضاب کی سیاہی۔

تلخمید : جی ہاں شاید آنسوؤں سے پھیل گئی ہے سیاہی۔

شیخ : میں تو پھر ٹھیک ہے۔ شک ہے پروردگار تیرا خود کردہ طالع نیست۔ (ایک آہ سرد)

ہم اور وہ

لوگوں کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔ لڑکیوں کے غلام بن کر رہتے ہیں ہم سب۔ نہ جانے اشد میں نے ہم کو لڑکا بنا کر پیدا کیا ہے کہ نہ پہننے کا مزہ نہ اڑھنے کا۔ آخر ہمارے ہی ماں باپ کی بیٹی فرخندہ بھی تو ہے۔ دیکھ لیجئے اس کے شاخہ سنی کی عید توجیسے کی کی اسی کے لیے آئی غنی کہ کل مات کو چاند دیکھتے ہی اس کے غزے شروع کر دیے گئے۔ اچانک سے کیسی انگلیوں کو رنگا گیا۔ بال گیلے کے کہ مینڈھیاں گوندھ دی گئیں کہ صبح عید کے دن جب یہ مینڈھیاں کھول جائیں تو بال گوندھ کر چلے دیکھا دیں۔ جھلک جھلک کرتے ہوئے کپڑے آسمان کے لیے نکلے گئے۔ اور جتنا تو اس کے لیے اتنا خیمہ آیا ہے کہ ان مہروں کے ہلکے پار جوڑے جوتے آجاتے۔ اور آتے عید کے دن سے تو سویرے ہی سے اس کے ایسے بناؤ سنگھار مڑھن کئے گئے کہ جیسے عید بس فرخندہ ہی کے لیے آئی ہے۔ جانے کتنے زین پر اس کے لیے نکلے گئے ماتھے کا ٹیکہ۔ سر کا چھپکا۔ کانوں کے گر۔ انٹوں کی چوڑیاں۔ گلے کا انگس۔ پھر یہ کہ سر پر رنگ چکا تو نہ جانے کتنی کر پیں اس کے منہ پر گر گئی تھیں۔ پیر یاؤ خدا ملا گیا۔ گاروں پر سرخی لگا دی گئی، ہونٹوں پر لالی رگڑی گئی۔ ہماری طرح تھڑکی کہ بس ہنا کر جو نکلے تو سفید کر دے یا جامہ پہن کر وہ شیوا فی البندہ ہیں لی جو عید کے لیے نئی سدا کی گئی ہے مگر حساب لگائیے تو جتنے کا ایک دو پٹر ہے فرخندہ کا اتنے کا ہمارا پندرہ سو پٹر بھی نہ ہو گا جو توں سمیت ٹوٹی جی ملا کر۔

ہم دن بھر اسی بے انصافی پر گتھتے ہیں کہ لڑکوں اور لڑکیوں میں آخر اتنا فرق کیوں ہے اور اگر فرق ہے تو آخر ہم نے کیا گناہ کیا تھا کہ ہم کو لڑکا بنا کر پیدا کر دیا گیا ہے جانے اور کھسنے کے لیے۔ لڑکی بنا کر پیدا نہیں کیا گیا کہ ہم بھی سویرے بیکر پیر تک آج سونے سے لہے چم چم کرتے بچرتے۔ دیشی اور کا مدار کپڑے پہنے جھلک جھلک نظر آتے سب کو۔ اٹھیاں کیسی خوبصورت معلوم جنہیں اگر ان کے ناخنوں پر دہری رنگ لگا ہوتا تو تاج فرخندہ کے ناخنوں پر لگایا گیا ہے۔ یہ ڈنڈا جیسی کلا تیاں کیسی اچھی لکھیں اگر ان میں چوڑیاں لٹکتی ہوتی مگر یہ بھی اپنی اپنی قسمت ہے کہ وہ اپنی قسمت میں ڈیشم اور سونا لکھو کہ پیدا ہوئی ہے اور ہم اس کے سامنے کچھ ٹھٹھے نظر آتے ہیں۔

آج ہم دن بھر اپنے اور فرخندہ کے اسی فرق پر جھٹکتے جھٹکتے رہے۔ عید کا سارا مزہ بکرا بہ کر رہ گیا۔ اور رات کو بھی جب سب کے سب دن بھر کے تھکے ہوئے سونے کی تیاریاں کر رہے تھے جب اٹی تیاں نے فرخندہ سے کہا کہ "لو بیٹی اب نہ بواؤر کپڑے"

صحبت دیکھتے ہی کہا :

”یہ لکھے بی بی گئی اور اس میں لائے کوٹھڑی میں سے آٹا اور بیجہ کر گوندے ہیرے سلنے۔ لکھے بات کے میں کلم ہیں۔ شکر ہے کہ عظیم صاحبہ کو اب پرورش آیا ہے میں تو کبھی تھی کہ بیٹی کو وہ یوں ہی لاؤ بیار میں لکھ کر کھانا لکھی سینا چکا کچھ بھی نہ سکھائیں گی۔“

میں نے اتنی جان اور نانی اٹھ کا غصہ ہوا نصیب پر اتارا۔ خیر تم بہ کلم دینے کو کہنے دو مجھ تہا و کتنا آٹا کلاؤ۔
ہوا نصیب نے آنکھیں دھکا کر کہا : واہ صاحبہ زوی واہ کیا میٹھی زبان ہے۔ جیتی ہر اسے لڑتی ہو۔ وہ رشتہ میں کھانا کیا ہے جو ابھی وہاں سے غھر پر نہ جانے کس کس کا غصہ آتا ہے۔ میری بلا سے تم کو بائہ کر دلاں۔
ہوا نصیب نے یہ بات اٹھ آؤ پچی آواز میں کہی تھی کہ امی جان اور ان کے پیچھے پیچھے نانی آؤں دو زون ہادی خانہ میں آج موجود ہو میں ادراقی جان نے آتے ہی کہا : کیا بات ہے آخر۔

ہوا نصیب نے خوب ننگ مرچ لگا کر کتنا شروع کیا۔ سرکار میں نے بس اتنا کہا تھا کہ بی بی کو ٹھڑی سے آٹا کلاؤ تو میں تم کو گوندنا سکھا دوں۔ چاروں میں چھٹے ہانڈی کا سا کام سکھا دوں گی۔ بس اتنی سی بات پر خفا ہو گئیں کس یہ شرٹہ سننے نہیں آئی ہوں یہ کلم ختم کر دو۔

نانی آؤں نے کہا : یہ صاحبہ زوی قباب خدا ہی ہے جو بڑے کور کے ڈھنگ لکھیں۔

امی جان نے غصہ سے کہا : ”ڈھنگ تو لکھیں گے ان کے رشتے، انہیں تو بچے لگا کھوٹ دینا بھی آتا ہے۔ یہ بارہ ہاتھ کی زبان جس وقت مسلسل لے کر جائیں گی وہاں تھوکا تو جائے گا ان کی اوقات پر۔“

میری یہاں یہ گت بن رہی تھی اور میں نے دیکھا کہ صحن میں فرخ جو ابھی خورشی در پہنے تک فرخندہ تھا اور صحن آستینوں کی سفید قمیص اور ٹکڑے چھلکے لٹا رہا پھر اڑا ہے اور اس کو کئی کچھ نہیں کہتا کہ یہ کیا ڈھنگ بھی یہ نہنگا پہناؤ۔ یہاں چھل کوڈ بینکے سر بال اچھال اچھال کر اس کا گوندنا کس قدر آزاو ہے وہ بھی میری طرح نہیں کہ دوپٹہ ہر سے سر کا نہیں کہ آفت آگئی۔ چال میں فدا تیزی آئی نہیں کہ روگ تو ک شروع ہو گئی۔ میں ابھی اسے رشک کی نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ امی جان نے ڈانٹنا شروع کیا :

”اب ہاتھ ہر ہاتھ دھرے کیا میٹھی ہے۔ آٹا آخر کب گندے کا فرغ خوب بھوکا پھر رہا ہے۔ تیسوے پر کبھی اسے ڈھنگ سے ناشتہ نصیب نہیں چھا۔“

نانی آؤں نے کہا : وہ تو اس لیے نصیب نہیں ہوا کہ لڑکی ذات ہر کہ ان کو اتنا بھی خیال نہ آیا کہ امی بھائی نے ناشتہ نہیں کیا ہے وہ کھیل کود کرتا کلاڑا میں آگے گا تو کیا کھائے گا خود ناشتہ کر کے بیٹھ رہیں۔

امی جان نے لکھ کر آگئی ہلا کر کہا : دیکھو کان کھول کر سنی تو شریف ہو بیٹیوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مرد کے لیے چاہے وہ باپ ہو یا بھائی یا کوئی اور بچے چیز نکال کر رکھ دی پھر خود کھاؤ آج تو میں نے کچھ نہیں کہا ہے مگر اب نہ ہر ایسی بدلتی۔
چلو گوندھو آٹا۔

ایک میں تھی کہ اسی وقت اس قہار مست کی گرمی میں چڑھ کے سامنے بیٹھی جھٹ کرتی تھی۔ ایک مرتبہ کہیں میرے قدم سے بھی لٹل گیا تھا کہ اتنی جہاں میں بھی بیٹھا دیکھوں گی۔ میں کچھ نہ بوجھے سارا گھر بانٹ دھو کر میرے پیچھے چڑھا تھا کہ اس نے آٹھ بات بھی کہیں۔ اتنی جان باتیں سنا چکیں تو نانی اماں نے خبر لینا شروع کی وہ خشک گئیں تو پھر اسی جہاں شروع ہو گئیں۔ وہ تو کچھ کہہ ہی دے وقت کہیں آتا جوں کو اللہ میاں نے رحمت کا فرشتہ بنا کر بھیج دیا اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ میں نے بیٹھا جلفہ کے لیے کہا تھا تو وہ ہائے خفا ہونے کے کہنے لگے کہ "میں خود لے کر جاؤں گا ابی جی کو"۔ اور اس کے بعد پھر وہاں میں اور اتنی جہاں میں لڑائی شروع ہوئی ہے تو کچھ بھی کہہ کر دونا آگیا کہ یہ سب کچھ مجھے بھگت ہی کی وجہ سے ہوا ہے۔ بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھ گئی کہ اب جانے اتنی جہاں سے کہہ دیا کہ اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ لڑکیوں کو لڑکیوں کی طرح کھلائے۔ اور اتنی جہاں نے اس کے جواب میں ان سے کہہ دیا کہ زندگی بھر بیٹی کو گھٹنے سے لگائے بیٹھے رہنا۔ اسی لاڈ پیلنے کو لڑکا کا پاس مادہ کہہ دیا ہے یہ عمر ہونے کو آئی اور نہ صاحبزادی کو نہ بھرتا آیا نہ لڑائی میں تک ڈالنا۔ آبا جانے نہ سے مل گیا کہ میں نے دیکھی ہے تمہاری بہنوں کی لڑکیاں بھی جن کو بیکم ہونے کی نہیں بلکہ کنیز بننے کی تربیت دی جا رہی ہے۔ اس بات پر اتنی جہاں نے جی میری تمام پھر بھی زاد اور چچا زاد بہنوں پر ایسے نام وحرے کہ آبا جانے تھے میں تاؤ کھاتے باہر چلے گئے۔ ان کے ہانے کے بعد نانی اماں نے سارا قصہ مجھ پر بتا دیا۔

"اب تو کچھ میں ٹھنڈک پڑ گئی۔ اماں باوا میں چوٹ دوڑا کر جی خوش ہو گیا۔ گھر بیٹھے بیٹھا دیکھ دیا۔" اتنی جہاں نے کہا۔ ایک مرتبہ نہیں ہزار مرتبہ وہ غصہ کر ہی مگوں میں ان صاحبزادی کو دیکھ کوں گی اگر یہ اپنے چچاؤں کی لڑکیوں کے ڈھنگ پر گئیں یا ان کی نقل کرنے کی کوشش کی۔ ان کا کیا ہے وہ تو لڑکیوں کو لڑکوں کی آٹھان آٹھان ہے جس میں سائیکل ان کی لڑکیاں چلائیں۔ گیند بٹوان کی لڑکیاں کھیلیں۔ رستیاں تان تان کر وہ چاندیں۔ دوڑا ایسے لگائیں کہ جیسے کچھ کی گھوڑیاں۔ مگر میرے یہاں یہ نہ ہو گا۔"

اس تمام آفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں بھوک پیاسی دور و کسری جہاں دیتی رہی اور اسی طرح سو گئی۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ آبا جانے نے بھی خافہ کیا اور اتنی جہاں نے بھی نانی اماں کا اہتہ دل گھٹ رہا تھا اس لیے دو چار روزے کھا کر انھوں نے ہانی پی لیا تھا۔

میری شامت کہ اسی دن میرے چچا کی لڑکیاں نوشاہہ اور رخسانہ بھی آ گئیں۔ جی پرچھے تو مجھ ان کے سامنے بڑے شرم آئی کہ میں بڑا نصیب کی حالت میں بیٹھی چوٹھا چوک نہ رہی تھی اور یہ دونوں مس و باجی اعلیٰ درجے کے کپڑے پہنے بنی سنوری آتی تھیں مجھے دیکھ کر ان دونوں نے ہنسنا شروع کر دیا نوشاہہ نے کہا،

"اوہ محمودہ بیٹم کو کیا ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم کو محمودہ بڑا کتنا چاہیے؟"

رخسانہ نے کہا "پھوٹ دیا تو ہمارا لڑائی چل رہی ہے اس کو لے چلیں وہاں آج فینی فیر ہے؟"

نوشاہہ نے کہا "میرے خیال میں ان کو اسی طرح لے چلیں۔ فینی فیر تو ہے ہی کہہ دیجئے کہ یہ ماہی کسائی ہیں؟"

یہ دونوں اسی قسم کی باتیں بنا رہی تھیں کہ اتنی جہاں نے آکر کہا "جلدی کرو آگنا گوند کر دھو ڈالو اس کے بے شکام

یہ ہے ماسک جو کہ سوچے اور جانتا :
 و سنا ہے اسی ماں سے کہ : بیچ ۲۷ ماں پرانہ کپڑا، ستر سے جگہ کے بچے نہیں، اور نہیں درج :
 انی ۲۷ کے خوردوں پر لی گئی تھی کہ تیری سہیلیوں نے تپ ہی کر رہا ہے۔ یہ ہے سنا شک و دت کو یہ
 اور نہیں دی ۲۷ تھی :
 یہ سنے خستہ گدا : اس میں از روی کی بات ہے جو ۲۷ ماں، اور دوسری زبانوں کی : سنیوں میں چوٹی :
 ہفتی اچھوٹے گدا : تو م جا، نام و کس نے سنا کہ ہے گدہ گدا بھی گھلے گے پاسوں و کرنا میں :
 خوش ہونے کا : گدا کہنے کے لئے کہہ سکتے ہیں وہ گھر میں :
 آتی چھوٹے گدا : ہلکے ہوں گے، رو کر دین کو نہیں دیکھو، کس فی حافی ہے میں تو لیٹ کر لی ہو گھر چلا ہوا
 کافی آقاں نے قہقہہ فیصلہ کر دیا : کہ خود یا ایک مرتبہ کہ وہ میں چا سکتی :
 کافی آقاں کے غرائز سے : کچھ کھو دلا دیتے ہیں کہ :
 سو ب غلو کہہ کر دیکھا، جو سنا، صداقت
 رہیں آقاں کہ آئینہ کے منے حاشی اور دھنسی تو سہی کہ کہیں کچھ بچا ہے سر رسنگ نہ نہیں کئی کہ : تو بھر سہ کر اس خان
 حکم دے دے پر حضور جوئے کہ کہیں ترعدہ ہو کہ : یہ کو تاپشہ کہ :
 آئینہ دیکھ اپنا سامنے کے روئے
 واقعہ یہ ہے کہ ہم، ہم ہیں اور وہ، وہ : آخر لا حول پڑا کہ ہم اس گھر کی گردن کہتے ہوئے ان سے کچھ نہ کر کے سولے ۲
 حور کے خدا گئے ہیں مردوں کا خدا ایک
 وغیرہ وغیرہ

(قاضی جی)

قائدِ اسمِ میمویل فنڈ

(قاضی جی تشریف لائے ہیں)

قاضی جی :- ارے جی میں نے کہا سنی ہو۔ عجیب خدا کی رحمت ہے اس لمحہ پہ کہ گھر والی کاہکے دنت ہمیشہ غائب رہتی تھی اب کبھی جو پتہ چلے۔ ارے صاحب کدں میں آپ ملے جواب دے دیجئے۔

بیوی :- تو یہ ہے! سز کے سامنے مجھ جیوں نہ بیچ رہے ہیں۔

قاضی جی :- بیاباب یہ گویا آپ تشریف فرما ہیں۔ اس حور و صوب سے منہ چپا کر جمی ہو کہ میں کجا کسی نے بستر و نرو صوب کھانے کے لیے رکھ دئے ہیں۔ یہ حور میں یہ کئے کو جو۔ اتفاقاً میرے ایک بہت پرانے دوست جس کے متعلق میں کجا خاکہ فاسل بنی جو چکے ہوں گے انسانی سے آگئے ہیں۔ ارے بھئی نہ جانتی ہو گی ان کو بعد سا نام ہے ان کا نہ ہی پر میں آ رہا ہے۔ لا حول و لا قوۃ! یعنی ابھی مل کر رہا ہوں اور آئے آئے۔ ارے بھئی وہی جو پڑے اچھے شاعر بھی ہیں۔ مشاعرے اکثر کیا کرتے تھے

بیوی :- ایچم صاحب تو نہیں؟

قاضی جی :- انجھ۔ لا حول و لا قوۃ! اس کا تو میرے سامنے نام بھی نہ ہو۔ خود غرض۔ دوست مار۔ ابی، بوقت۔ ایسے مطلبی دوست تو خدا دشمن کو بھی نہ دے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ان ہی عزت کی وجہ سے آج میں: ار کا دو دو دہائی گئی وغیرہ استعمال کرتا ہوں۔ میری بھینس کو گم کرانے میں ان ہی بزرگ کا لاف تھا۔

بیوی :- تو یہ ہے اب وہ بھینس یا داگنی موتی دس برس کی بات۔

قاضی جی :- دس برس کی بات ہو یا سو برس کی جو بات دل میں رہ جاتی ہے وہ گدہ بن جاتی ہے۔ ارے بھئی آپ پولیس میں تھے۔ اپنے ہر وقت کے ساتھی تھے۔ اگر ذرا بھینس کو ڈھنڈھا دیتے تو کوئی جی ہاتھی تھی مگر اس بندہ خدا کے کان پر جوں تک نہ دیتی۔ اسے بھئی سنو۔ ذرا میں پر شو کا آ رہا ہوں تم صوب میں تو میٹھی ہی ہو دیا دیکھو لو کہ نجات کوئی جوں وغیرہ تو نہیں ہے۔ رات بھر کبھی نہ پتی ہے۔

موجودہ عالم میں کسی پانی انگریزی مالی کی وجہ سے زندگی امیر کیسے جوتے ہیں۔

زمیرہ :- بھائی جان! انہوں نے کہا ہے قائد اعظم کی پوری فضا میں۔

قاضی جی :- بھئی تم چپ رہو۔ میں تم سے نہیں پوچھتا ہوں۔ ایک گریجویٹ چپ ہوئیں تو دوسری ایل۔ ایل ڈی ہیں ان کا تو بھگنے آپ بنگلے سراج میاں پر کیا بات ہے۔ بات یہ ہے کہ جہاں قائد اعظم کا نام آجا ہے وہاں میرا سر عزت کے ساتھ جھک جاتا ہے اور میں اس نام کے آنے کے بعد پیر اپنے دل کو قابو میں نہیں دے سکتا مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم کو کچھ نام کے نام سے دھوکے دیے باتیں۔

سراج :- الحمد للہ کہ آپ کے دل میں ہمارے حسن اعظم اور پاکستان کے صلہ کا اتنا احترام موجود ہے۔ بات یہ ہے بھائی جان کہ ہمارے ہمارے محبوب قائد اعظم کی پیدائش کا وہی ہے اور اسی وہی ہے ہمارے گورنر جنرل ہزا کیلنسی صاحب خراجہ انعام الیقا اور ان کے جانشین کا افتتاح فرما رہے ہیں۔

قاضی جی :- اے کئی نہایت اہم بات ہے۔ لہذا انگریزی نہ بولو گے کہ بھئی دیکھو یہ ہے کیا۔

سراج :- میں عرض کر رہا ہوں بھائی جان کہ میو ریل فضا کا مطلب یہ ہے کہ ایسا چند جس سے یادگار قائم جس کے حضرت قائد اعظم کے خدمات قوم کو بھی نہیں بھول سکتی۔

بیوی :- عوامی سے نہایت دھندلے کو کون بھول سکتے۔

زمیرہ :- دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے بانی کو تاریخ کو بھی نہیں بھول سکتی۔

قاضی جی :- صاحب آپ دونوں کی ثابت کے سامنے میں سر جھکاؤں۔ آپ کی قابیلیت مسلم۔ آپ کی داخری تسلیم کرنا تو جوتے ہیں کہ کچھ کو بھی دبا کچھ لینے دیکھتے کہ یہ واقعہ کیا ہے میں اس وقت نہایت تنہا سے اس بات کو گھنٹے کی کرشمہ کر رہا ہوں۔

بیوی :- بھئی کیا ہے۔ جس کہ تو دیکھتا کہ قائد اعظم کی یادگار مان کی اسلئے قوم کو ایسی بنانا چاہئے جو ان کے شایان شان ہو اور اس شاندار میں قوم کے ہر فرد کا بٹے سے بڑا حق رہنا چاہئے۔ یہ طے ہو چکا ہے کہ یہی کروڑ روپیہ جمع کیا جائے جس میں ایک مالی شایانہ تعمیر ہو ایک جامع مسجد ایک دارالعلوم اور ایک ٹیکنیکل درس گاہ۔

قاضی جی :- فرمائیے آپ! اچھا بھائی سراج میاں آپ فرمائیے کیا کہہ رہے تھے!

سراج :- میں یہی عرض کر رہا تھا کہ ۲۵ دسمبر سے یہ فضا کھولا جا رہا ہے اور ضرورت اس کی ہے کہ ہم سب مل کر قائد اعظم کے اس احسانِ عظیم کو یاد کریں جو قیام پاکستان کی صورت میں ملتِ اسلامیہ پر عطا ہوا اور اس بزرگوار عظیم کے مسلمانوں پر خصوصاً قائد اعظم نے فرمایا ہے۔

قاضی جی :- کس کو انکار ہو سکتا ہے اس سے اور کون قائد اعظم کی یادگار قائم کرنے کی ہم میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینا چاہے۔ یہ تو سخت احسانِ فراموشی ہوگی اگر اس وقت بھی ہم اپنی غیر فروری اور فضیلت سمجھیں کہ اس فضا کو زمیں نہ دیں۔

بیوی :- بلاشبہ تیرا ہزار شکر ہے کہ قائد ایک بات ان کی بھیمیں آگئی۔ آج میں نہ مانتا ہوں۔

قاضی جی :- یہ قربان آپ کی زبردستی ہے کہ آپ نے مجھ کو ایک سرے سے باطل ہی نا کھٹے کر رکھا ہے۔ جہاں بت سنا ہوا

سراج :- جھٹ نہیں آیا، ان ہی باتوں کے پیچھے تو ہم لوگ اتنے دنوں تک غوی کوہا ہر سیکھ ہیں۔

تبسمہ :- اشک کا ٹھکر کہ وہ زمانہ گیا۔

قاضی جی :- کیا کہتی تھی جا رہی ہو۔ بیان یہ عالم کہ نگاہیں ڈھونڈتی تھی اس ناسنے کو اور بہن صاحبہ! اگر وہی ہی نگہ تھا کہ وہ اب وہ زمانہ کہاں آسکتا ہے۔

بیوی :- اور نہ خدا کرے آئے۔ ہم کو نہیں چاہتے وہ زمانہ۔ اب ہم اپنا زمانہ خود بنا رہے ہیں۔

قاضی جی :- خیر خیر! بات سنو میری، تو سراج میاں! اس وقت کی نیرنگی کا نرا آج تک نہیں بھولے ہیں۔ ایک مرتبہ دعا دعا جانے ایک مخصوص مشاعرہ کیا تھا۔ اُس بیٹی تو میں نے کما حقہ سراوہ شاعرے کی بات وہ وہی تھی۔

زبیدہ :- میں بتاؤں جانی جانی: وہ مشاعرہ آپ اس فنڈی کے لیے نہیں نہ کریں؟

سراج :- بات تو مستعمل ہے۔

بیوی :- تو یہ کہہ دو۔ یہ بھلا ان کے بس کا روٹ ہے۔ ان میں بھوتانی مثل کہاں؟

قاضی جی :- ارے صاحب! ہندو کہہ کر کچھ تو بیٹے دو کہ فنڈ میں مشاعرہ کہے دے سکتا ہوں۔ یہ بات تو سب کو جو کو میری مثل کا نام بد میں کرنا کر مجھے مثل سے کام لینے کا موقع تو دو۔ سراج میاں یہ بات کیا ہے۔ اس تجویز کو کبھی نہ تو ذرا مشاعرہ کا فنڈ۔ فنڈ کا مشاعرہ۔

سراج :- بات یہ ہے جانی جانی کہ غالباً اعظم میریل فنڈ میں جس جی سرفروں سے رہ رہ رہا جائے دیا جائے۔ اب چونکہ آپ کے بدوت آئے ہوئے ہیں آپ مشاعرہ کرنا چاہتے ہیں تو اس میں ملکت لگا دیجئے اور مشاعرہ کا انتظام ذرا دھرم دھام سے کیجئے تاکہ محنت زیادہ سے زیادہ لگیں۔

قاضی جی :- اور جراثیمی ہر وہ فنڈ میں دے دی جائے۔ مہینہ کیا وہ جواب ترکیب ہے مہینہ آم کے آم اور ٹھیلوں کے دام۔ تو اس میں مثل ہی کیا ہے۔ اب میں ایسا بھی نہیں ہوں کہ اتنا سا انتظام نہ کر سکوں۔ شناس کی شادی کا نارا انتظام میں نے کیا تھا۔

بیوی :- جی ہاں! اس کے بدوت برات چاہیں گئی تھی۔

قاضی جی :- وہ خیر دوسری بات پر جھگڑا ہوا تھا۔ کھانے میں دیر تھی۔ بھرک پر غصہ آ رہا تھا وہ انرا مہر کے سوال پر۔ اس میں میرے انتظام کی کیا گزیر۔

بیوی :- خیر میں نے کہہ دیا ہے کہ اتنا بڑا مشاعرہ تم نہیں کر سکتے۔

سراج :- اگر بھال جانی دخل نہ دیں تو انتظام میں کر دوں گا۔

قاضی جی :- یہ تو عجیب شرط ہے کہ میں دخل نہ دوں۔ مہینہ میں مشاعرہ میرا خاص میدان آپ اس کو کیا کچھ کہتے ہیں۔

سراج :- بس آپ شاعروں کو بھیج دیجئے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ گھٹ و غیور اور سنسنے والوں کے مدد میں آپ دخل نہ دیں۔

قاضی جی :- چلے منظور! مصوعا عروج پہلے طے کر دو، پھر صمد مشاعرہ طے کر دو۔

(قاضی جی)

گداگری

(قاضی جی بخیر کو لے کر داخل ہوتے ہیں)

قاضی جی :- آؤ۔ شاہاش! آجاؤ تم سے کون پر وہ کرتا ہے۔ ارے بھئی ایک تو تم بچہ ہوا بھی وہ سرے تم توڑکی ہو۔ دیکھو سے
تھوڑی کوئی تہہ کرتا ہے۔ لڑکیاں تو خود پرہ کرنے لگی ہیں۔ سلام کو دانی کو بیچتی ہیں تمہاری۔ این جی بیچتی ہو تمہیں؟ تم
اس کی۔ ارے بھئی میں چچا ہوں تو میرے رشتے سے تمہیں ہی ہو سکتی ہو زیادہ سے زیادہ۔ سلام کو دانی کو لہو رانی کو
بھلا یہ پھر پی جی تمہاری۔

بخیر :- تسلیم تسلیم!

بیوی :- جیتی رہو۔

نرہیدہ :- کس کی پی ہے یہ بھائی جان!

قاضی جی :- ارے جی چشمن خاں کی لڑکی ہے۔ بخیر اس کا نام ہے۔ آج اسی کے دادا کو ہوش آیا تو کہنے لگے کہ قاضی جی! وہ بھولنا
پڑا لگے مارتی ہے نہ پڑھنے کی نہ لکھنے کی۔ اگر آپ کے بیاں پل بایا کہے تو گھر میں سب ہی ہنسے گئے ہیں جس کو بھی چٹھی ہوئی دھڑن
پڑے گا اور شاہد گہواری کے بھی ڈھنگ آجائیں۔ چنا بخیر ساتھ لیتا آیا۔

بیوی :- لڑکی تو صورت سے بھول بھائی نظر آتی ہے۔ کیا پڑھتی ہو بخیر!

بخیر :- الف سے اڈا ہے سے بکری، تے سے تلی۔

قاضی جی :- ادیں ادیں ادیں۔ تے سے تلی نہ تلی۔ کہاں ہے کتاب تمہاری!

بیوی :- تے سے تلی ٹھیک تو کہہ رہی ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو لی بی! شاہاش۔ اپنی کتاب لائی ہو نا!

بخیر :- یہ کیلے کتاب اور جیتی ہے۔

قاضی جی :- اچھا، دھڑ بھڑ تو میری طرف منہ کرے۔ نکالو کتاب۔ یہ۔ یہ۔ رکھو اٹھل اس پر! پھر اس کو۔ دیکھو میں پڑھتا ہوں پہلے انور کے
ضمائم الف سے اڈا ہے سے بکری، تے سے تلی۔ بخیر کو خوب اچھی طرح یاد ہے کہ جو قاعدہ میں نے پڑھا تھا اس میں تے سے
تلی نہ تلی۔ اچھا! بیوی تے سے بہت سی چیز یاد کر سکتی ہیں۔ زور با زور تو بخیر اتم کریاں کون کون سی چیزیں تے سے نظر آ رہی ہیں!

قاضی جی :- ہاں اے جتنے مانگنے والے تھے ان کو اپنے لیے یہ جہت و غریب نام مل گئی ہے اور عیدہ کہ حاجی میں نہیں دیا جی۔
 ہاں جی تو جیسے ہے : حاجی کی نظر خیر اح کی اس نعلی کو وہ کیا بھر سکتے ہیں۔ اعلیٰ کی نہیں بلکہ۔۔۔ بلکہ تو صدی کا گلو۔ تو خیر
 بہ حال ان صاحب نے نہایت سرگوشی میں سوال کیا اور مجھ کو ان سے معافی مانگ پڑی۔ تو زنی دیر کے بعد ہر پاسہ میں
 ایک صاحب نے سلام علیکم کر کر روک دیا اور اللہ کے نام پر کچھ مانگنے کے بجائے پاکتوں کے حوالے سے مانگی شروع کیا
 تو مطلب یہ کہ انہوں نے مانگنے والے کو بدتمیز مہر جو دیں۔

بیوی :- بدتمیز تو غیر بینا البتہ اب وقت جتنا جتن گزرتا جاتا ہے اتنے اتنے یہ مانگنے والے پیر پیدا ہوتے جاتے ہیں۔
قاضی جی :- یہ تو غیر غلط ہے یہاں کہ اتنی جلدی اتنے بڑے وہ ہونے نہیں ہو سکتے کہ مانگنے کے قابل میں ہوں یا نہیں مثلاً آج ہی جو صاحب مجھے
 پہلے تشریف لائے تھے وہ تو عمر میں پیر سے بھی عمری صاحب قدر معلوم ہوتے تھے آپ کہتی ہیں کہ یہ نئے پیدا ہونے والے
 ہیں۔ چہ خوش۔

جیل :- (اس کر) پیدا ہونے کا مطلب آپ نے تو ایک دم ولایت ہی کہہ دیا۔ مطلب یہاں کا یہ ہے کہ یہ لہذا پیر مقرر ہو رہا ہے۔
قاضی جی :- ہاں یہ ایک حد تک ٹھیک ہے۔ اسے بھی اس شریکی کوئی اعلان پہنچی دے دو تا۔ جو وہ بھی تم کہیں کو رو۔ وہ دیکھ کر گھوٹتی
 ہے : اس میں کوئی آزاد بندہ نہ ہو کر گھر سے مانگے کا کہیں کہیں۔ منڈ سے کوہاؤ تاگہ اور گھڑی کو بناؤ گھوڑا اور یہ بوجھڑی
 اس کا بناؤ چاہے : باوجودی کیلوشا، شر۔

جیل :- آپ کی تعریف اس کی جی ہے یہ !
قاضی جی :- یہ عاجز آدمی ہیں چشموں خاں کی اور شاگرد ہیں آج سے میری۔ دن چٹن خاں کے نام پر یاد آیا کہ وہ جو خندوں کو نرم کر سکی
 ہم شرمنا ہوتی تھی اس کا بھی کچھ پتہ نہیں چلا۔ مجھ کو تو سب خندے جوں کے توں نظر آ رہے ہیں۔ اب شکلا چشموں خاں نے جیل گئے
 نہ حوالہ نہ ان سے کسی نے کچھ پوچھا تھا۔

بیوی :- ہاں جیل بھائی آپ تو کہتے تھے کہ یہ چشموں خاں وغیرہ سب پڑے جاہیں گے یہ آخر ہوا کیا ؟
قاضی جی :- ختم کو تو سب چشموں خاں کی گرفتاری کا انتخاب ہے۔ میں نے خود اس سے بھی پوچھا تھا کہ میں اب تک گئے نہیں سوا لا کہ کی حالت
 میں تو نہایت اچھین سے مونچوں پر تافو دے کر ہوا کہ ۔

مئی لاکھ با جا ہے تو کیسا ہوتا ہے

وہی ہوتا ہے جو منظور رضا ہوتا ہے

جیل :- قاضی جی اصل میں قصہ یہ ہے کہ کوئی بھی اصولی قدم حکومت اٹھاے اس میں کامیابی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ
 حوام بھی حکومت کا ہتھ نہ بٹائی اور اس قسم کے کاموں کو سرکاری نہیں بلکہ قومی کام سمجھیں۔ اب شکلا یہ آپ کا کام تھا کہ
 چشموں خاں کو گرفتار کرانے۔

قاضی جی :- جی ! یہ مطلب جناب کا۔ میں میں یہ حق دوستی اسکا کہ کھانے کو جیل بھائی۔ جی جیل میں بعض اوقات تو تم ایسے ہی
 کی بات کہہ دیتے ہو کہ جو کوہیرت ہوتی ہے کہ قمار مارا آخر ہم کے کس سکتے ہیں واقع ہے۔ اسے میں وہ لاکھ لنگا سکی

زیریدہ: جیل بھائی آج کل جو فیر تھیں انہوں نے کہا کہ اس سے جا کر کئے کہ پورے کے حوالے کرنا ہوا ہی۔
بیوی:۔ اہی تو یہ کہتے ہیں کہ وہ کہہ رہے تھے کہ فیر جو اگر ایک آدمی وہاں سے بدلتے تھے اب اس کے لیے بھی تری کرنا چاہئے۔ یہ بہت
حوالے کیوں کر ہو سکتے تھے۔

قاضی جی:۔ ان صاحب تو مجھے تو یہ ناگھن ہے کہ میں فیر کی بددعا میں بیٹھا ہوں۔ ان لوگوں کی دعا میں بعض امکات ایسی تھیں کہ یہاں کا
کون تو نہیں جانتا۔ ایک چوتھے صاحب ہمارے وہ ایک مرتبہ کسی فیر سے اٹھ گئے تھے۔ نہ کہ انہوں نے وہ فیر تو ان کے گھر لے گئے
کہہ کر چلے گئے تو اس نے کہہ دیا کہ جا بیا یہ کچھ کر دو۔ یعنی ماننے والے جیل میں کہ ان کے لیے اس کے پوتے سجھو دی اور سب ٹھیک
صل سے گئے یعنی اس خانہ میں جو چھوڑ دیا ہوتا ہے گھاڑتا ہے۔

جیل:۔ کیا باتیں ہیں قاضی جی آپ کی بھی۔ یہ سب وہ ہیں۔ جو ایسے پہنچے ہوئے فیر ہوتے ہیں وہ یوں مانگتے نہیں ہوتے۔
قاضی جی:۔ اسے جناب تو اب یہ شناخت کو بہت کر سکتا ہے کہ ان میں سے کون سے شاہ جی پہنچے ہوئے ہیں اور کون سے میرنگ واقع ہوتے
ہی شش کو۔ خاکسار یہاں رہا ہوا ہے۔

جیل:۔ (دھن کر) خاکسار یہاں رہا ہوا ہے۔ تو چہ دانی کہ وہ یہی سردوار ہے۔
قاضی جی:۔ جی ہاں ہی شہر چھوڑنا چاہتا تھا۔ کیا مطلب ہوا جیل میں اس کا۔ نہ تو ہے تو سوتھ کا شہر۔ دانا جی اسی قہر کے موقع پر شہر
ٹوٹا پھٹا کرتے تھے۔ ان تو کیا مطلب ہوا تو اس کا۔

جیل:۔ یعنی یہ جونا کہ بنے ہوئے نظر آتے ہیں ان کو قاتل سے: دیکھو تم کو کی معلوم کہ اسی کے کہ پورے کوئی شہر سلا پھا ہوا ہو۔
قاضی جی:۔ بس اتنا ہی ساما مطلب تھا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ جانے کتنی بڑی بات کہہ دی ہوگی۔ تو بہر حال مطلب صرف یہ ہے کہ میں ان خاندان سے
ہمیشہ ملتا رہتا ہوں کہ خدا جانے ان میں سے کون سا ہے۔

بیوی:۔ مجھے فیروں کا ذکر کرنے کرتے غصوں کے لیے یہ شہر بنا دیا اور میں نے کیا کیا تم فارسی پڑھے ہوئے نہیں ہو؟
قاضی جی:۔ ہاں ایشا فارسی نہیں تو اور آخر کیا پڑھا ہوا ہوں۔ شہر کا مطلب یہ کہ آپ یہ کہیں کہ گویا میں فارسی دانی نہیں ہوں۔ ہاں
یہ ضرور ہے کہ اب محاورہ نہیں رہا ہے وہ نہ آدنا نہ ازہر تھا۔ لیکن تو دوسری شہر کے بعد تک پڑھا رہا ہوں یہ آپ نے کیا
کہی کہ فارسی پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ مگر صاحب فارسی میں چٹنی خاں کو اپنی مانت ہے۔

بیوی:۔ آگ لگے اس کی صورت کو۔ اب ملی باتوں میں بھی اس جھاڑو پیرے کا ذکر آنے لگا۔
قاضی جی:۔ اہم باتیں یعنی اس کی لڑکی شہر سے لگ تو کیا کہے گی؟

بیوی:۔ لگا کہے۔ میں تو اس کو اسی طرح کہوں گی۔ وہاں نہ اب وہ فارسی ہی جاننے لگے۔ جو اٹا میں گئے ایسی باتیں گئے۔
قاضی جی:۔ اٹا میں گئے کیا مطلب اٹا میں گئے سے۔ گویا میں جھوٹا ہوں، دروغ بات ہوں، کتاب میں، زبان میں مگر نہیں،
فدا ہوا تو دوسری چیز ہوا۔ مطلب یہ کہ میں جھوٹا ہوں۔ چوں میں جھوٹا ہی سی۔ تم ہی کہے ہی اس بات کا جھگڑا کیا ہے۔ یہ حرت ہے ہاں
اس گھر میں کہ ہاری تھی اور ہم ہی سے میاقل۔ ہاری بیوی اور ہم ہی کو جھوٹا کہیں۔ وہاں سے ہمارے غصہ۔

نقوش کے نقاش

[illegible]

عقلمیں صاحب کی اس تصنیف کا نام ہے صاحب ۱۰۰ اس میں ان کے دو سات مضامین ہیں جو سات صاحب کی شخصیت پر لکھے گئے ہیں اور ان ساتوں میں جو ایک شخصیت کے رد و رد کی تعابیر لائی گئی ہیں خود براہِ فہم و خفا برآئی ہے وہ خود عقلمیں صاحب کی شخصیت ہے۔ ان سات مضامین میں سے چھ نعرے کے پچھلے شماروں میں نقل کیے ہیں مگر باب ایسا مضمون ہے جو اسی جگہ میں چھپا ہے۔ یہ ساتوں مضامین عقلمیں صاحب کے اسی ذاتی معاملے اور مشاہدے کے آئینہ دار ہیں جو وہ ان ساتوں طے دلوں کے متعلق کر کے ہیں اور نہایت صاف گوئی اور صفائی کے ساتھ اپنے ان ساتوں کو مفرات و کے معاملے عقلمیں صاحب کا آئینہ پیش کر رہے ہیں تاکہ وہ خود بھی اپنے کر عقلمیں صاحب کی نعرے دیکھیں اس صفت پر لکھ کے اجرائے رنگی یہ ہیں،

- ۱۔ سعادت حسن منٹر - ۲۔ احمد فریم قاسمی - ۳۔ شوکت قاضی - ۴۔ جگر مراد آبادی - ۵۔ فریق گوکھپوری - ۶۔
عابد علی قاسمی - ۷۔ احسان دانش -

باقی چھ حضرات کے متعلق قریمی و ثوق سے کچھ عرض نہ کر سکوں گا مگر جہاں تک اس مضمون کا تعلق ہے جو خود میرے متعلق لکھا گیا ہے۔ غلط کہ ایلا نذاری کے ساتھ اعتراف ہے کہ میں نے اپنی اتنی جامع تصویر اس سے پہلے کسی نہ دیکھی تھی۔ یہ تصویر وہ نہیں ہے جو ہونے والی سسٹمرال سمجھنے کے لیے لوگ خاص طور پر پھینچنے کے بعد بناتے ہیں بلکہ اگر کچھ پرکھیں تو ذرا بھر دیئے جائیں انہیں اگر چند ہی ہیں تو فدا وادش کر دی جائیں رنگ اگر کالا ہے تو ذرا گورا کر دیا جائے۔ بلکہ یہ تصویر اصل

خدا خدائے کے ساتھ جوں کی توں پیش کر دی گئی ہے۔

خود اپنے مستقل اس قسم کا منہ بچپٹ سچ اس مضمون سے پہلے میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ایک اور مضمون یہاں لکھا ہے
بھی ہوا تو مجھ کو مجھ سے زیادہ کچھ والوں نے یہ کہہ کر اس رتبہ کو دور کر دیا کہ آپ انہی یا نہ مانیں اتنی ہی گھوڑے ایک نظام
پر سب سے شدید اختلاف تھا جہاں طفیل صاحب نے لکھا ہے :

” میں بھی کوئی آٹھ دس مشاعروں میں ان کا کلام ان کے ترنم سمیت سن چکا
ہوں اور میں نے دیکھا ہے کہ سوائے دو ایک مشاعروں کے باقی سب میں
بڑے اعلیٰ پہلے پر ہرٹ ہوئے۔“

میں یہ کہہ رہا تھا کہ صرف دو مشاعروں میں ہرٹ ہوا ہوں ایک میں اس لیے کہ سخی فہم تعصب تھے اور ہرٹنگ کرنے
والے فیاض اور دوسرے میں اس لیے کہ تحسین ناشتہ و سکوت سخن شناس دونوں شہاب پرستے۔ مگر یہ تو ایک ہی بات ہے
پھر حال میں صرف دوسرے ہرٹ ہوئے ہوں مگر یکم صاحب نے طفیل صاحب کی گواہی دی کہ خود آپ کو اندازہ نہیں ہے میں نے
شرق سے مشاعروں میں جا کر کتنی حق مگر بعض آپ کی غزل مرانی نے مجھ سے شناسے ترک کرانے میں یکاں آپ اپنی آواز
خوش پروری سے باہر ہو کر کبھی سن سکتے۔ پھر مجھ کو اس مضمون کے اس مقام پر قصہ آتے آتے دہاجان طفیل صاحب نے
جھیل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

” ان کا طبیعت کی ایک اچھائی یہ ہے کہ جیسے جھلنے ناراض ہو جاتے ہیں

نہ ناوا من ہونے کا پلاٹ بتاتے ہیں نہ کوئی اسلیم۔ نہ ہی دوسرے کو یہ موقع

دیتے ہیں کہ وہ بیچارہ راضیت میں کچھ کہ سکے۔“

میں نے جھجکا کر کہا : یہ غلط ہے۔ جتم کرتے ہیں۔ تمت لگاتے ہیں۔ اتہام ہے مرا امر :

وہ بولیں : ” عرف بہ عرف صحیح ہے۔“

میں نے کہا : یہ صحیح کیسے ہے یہ تو بائبل میں ہوا کہ بے وجہ کوئی ناراض ہو جائے میں بغیر کسی وجہ کے کبھی کسی سے ملد میں

نہیں ہوا :

وہ بولیں : ” کبھی شاید نہ ہوئے ہوں مگر اکثر ہو جاتے ہیں۔“

میں نے واقعی مشتعل ہو کر کہا : مثلاً۔ مثلاً کب ناراض ہوا ہوں میں :

وہ بولیں : ” مثلاً اسی وقت ہوئے ہیں۔“

اور مجھ کو واقف اندازہ ہوا کہ میں خود اس دعوے کی دلیل پیش کر رہا ہوں۔ میں نے جلدی سے یہ سفر اٹل دیا اور

ایک مقام پر بے ساختہ واووی۔

” خدا یا بانی گم ہے۔ یہی چکے پھر دیکھے آپ کا مزنا نداری حکم کے ماتحت تمام

دروازے اور کھڑکیاں بند کرادی گئے۔ اس کے بعد تو وہ انھیں گے پھینچیاں

دیکھیں غمگینوں کو کتنی کھلی زبانی۔ جتنی جتنی آواز آئے۔ جتنی جتنی
 کو اس لیے حکم دیا کہ وہ اپنی اور بھتیجی کو بار بار غلامانہ لڑائے :
 میں اس تہلکہ خیز حالت کو ڈالنے کو دوا دی۔ وہاں کو جو صاحب نے برصرت پر لڑا رہا ہے :
 - بات لکھنے والی نہیں ہے یہی آپ کو بھی دیکھ لے گا۔ سوئے توں
 کئی بڑی بوجھ جاتا ہے۔ گا۔ یوں کا حال خدا جانے۔ تو صاحب صاحب :
 اور یہ سنگم میں : وہ دیکھ لیا آپ سے جس۔ اس کی کو یہ : جسے نہ :
 جس کے برصرت خود ہندو لکھا : یہ نصرت خود ہے اس کی کو یہ : یہ لکھیں : اس نے اپنا دست :
 یہ اقتباس لکھنے کے بعد یہ جو تو صاحب :۔

یہ جیسے صاحب نے نالی نہیں ہے اپنی غرضوں پر لکھا : اس میں کہ وہ : وہ :
 اصلاحیں لکھنے میں رہتی ہیں آپ جیسا لکھا : اس میں آپ میں اور مجھ میں فرق
 اتنا ہے کہ آپ جیسے لکھنے کی آڑ میں : وہ لکھنے میں ہے جو آپ میں میں تو آپ
 کھلی پہلی کتاب میں جس سے یہ پتہ چلے گا :۔

اور پھر میں نے ان کو لکھا کہ : یہی اس قسم کی غرضوں کو جب میں خود لکھنے کی جٹ : بیان کرنے کے ذریعے ملنے
 رہا میں تو اب ان کو یہ کسی کہ یہ : لکھا چاہیے کہ وہ میاں کا حال خدا جانے : بارشکت صاحب جہاں رہتے صاحب جو
 لکھ جانتے تھے اس سے سب ہی کو آگاہ کر چکے ہیں اس غور و فکر : قرآن کے بعد یہ شک : اور یہ شہرہ ڈالنے میں تو اریات
 میں ہندو لکھنے لگیں کہ : جس نے جی دیکھے ایک مقدمے میں سرکاری دوا ہی جاننے کے حق یہ ہوں سے ہر گز نہ جو چوری
 جی لکھا اور ہیرا پھیری سے جی : یہ چالائی جی تو جو ملتی ہے کہ اس طرٹ اپنا جرم قائم کر کے پھر ہمیشہ کے لیے آزاد ہو گئے کہ
 جو چاہیں کر رہے :۔

میں نے لکھا کہ خبر آپ کا اور میرا رشتہ تو ہے ہی ایسا کہ اس میں اگر بدگمانی نہ ہو جت ہی مصلحت ہو کہ وہ جانے ہو کہ
 میں نہیں : تاکہ طفیل صاحب کس رشتے سے اس قدر بدگمان ہوئے :۔
 خیر چھوڑئیے اس کو کہ میں تو اپنے ہی مضمون میں لکھ کر لکھا اس کتاب میں اور رضا جی میں تو میں اور جس طرح اور رضا
 کہہ رہا کہ میرا یہ حال ہوا ہے کہ :۔ م

میں نے یہ جاننا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اسی طرح میرے متعلق جو مضمون ہے اس کہہ رہا کہ وہ دوسروں نے جی میں لکھا ہوگا : اور یہی طفیل صاحب کی سیرت نگاری کا کمال ہے :
 اس مجھے کا پہلا مضمون جو غم کے متعلق ہے اس کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں غمناچی رنگ کی تمام ہنگامہ آرائیوں
 کے ساتھ چلتا پھرتا سا ہے آج کل کے اور اس کو نوہ کچھ کر کے لکھی نہیں چاہتا : وہی غمناکی ہلکی ہلکی حرکتیں وہی اس کی مرثاؤں
 اور وہی اس کے لغز و ہدم : وہی اس کا انداز بیان کہ مضمون پڑھتے جلدیے اور غمناک سا لکھنے بھاگ باقی کہنے جلدیے مگر ہر

تھے میں فتو کی طرف توجہ نہیں دیتا تھا۔ اسلوب تحریر کا ایسا جامع ہر جہ سے کہ غلطی موت بھی
ذی روح نہ آتی ہے۔ اگر یہ خط فتو کے نام سے نہ بھی ہوتا تو مجھے خود ایک اہم ادبی دستاویز کی حیثیت اس کو حاصل ہوتی
تھی صاحب نے اگر اپنی اس صلاحیت کو اتنا تک چھپایا ہے تو خیانت سے کلام لیا ہے اور اب اگر اس میں تھیں برتاؤ مزید
حیانت ہوگی۔

دوسرا مضمون جو احمد ندیم قاسمی کے متعلق ہے مدیم صاحب کو رفتہ رفتہ میرے قریب لا رہا تھا کہ یہ جتھے آگیا۔
”مگر یہ چار پائی پر میٹھے ہوں تنکے سے ٹپک بھی لگا دیکھی جو اور یہ ایک دم اکڑوں
میں جانیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ افسانہ کتنے دلے ہیں۔ اس وقت یہ سگریٹ پی سگریٹ
پیں گے۔ خوبصورت سا کاغذ میں لکھے۔ پس کو بار ایک بنائیں گے۔ مد میں میں خط
میں افسانہ شروع کر دیں گے۔ آپ لاکھ شور مچائیں یہ لکھتے رہیں گے۔“
میں نے کہا: حیرت ہے ندیم صاحب کی یہ ادائیں مجھ سے کس قدر ملتی جلتی ہیں۔
بیگم نے کہا: ”مگر آپ اکڑوں نہیں بیٹھے۔“

میں نے کہا: ”خوبصورت سا کاغذ تو لیتا ہوں۔“
وہ بولیں: ”جی ہاں مگر آپ چار پائی پر کب بیٹھتے ہیں؟“
میں نے کہا: ”چل رہی ہوں مگر فیصل کو بار ایک بنانا ہوں۔“
وہ بولیں: ”مگر قلم کا بار ایک تب تلاش کرتے ہیں۔“
میں نے کہا: ”مطلب یہ ہے کہ میں میں خط میں تو مضمون شروع کرنا ہوں۔“
وہ اگلی سطر پر پڑھنا چاہتی تھیں: ”آگے نہ بڑھتے۔“
میں نے پڑھنا شروع کیا:۔

”— آپ لاکھ شور مچائیں یہ لکھتے رہیں گے البتہ شکر کرنے کے لیے نہائی چاہتے ہیں
اس لیے کہ انہیں ہلکا ہلکا گنگنا نا ہوتا ہے۔ چونکہ یہ اپنے ترنم کلمہ تہہ جانتے ہیں اس
لیے اس خدا داد دہن کا حال سب پر آشکار کرنا نہیں چاہتے۔“

بیگم صاحبہ نے کہا: ”دیکھئے اس کو کہتے ہیں غیرت داری۔“
میں نے جمل کر کہا: ”پھر آپ کا دلئے سخن میرے ترنم کی طرف ہے۔ یہ تعجب کی عجیب گھر پر قسم اپنے نکالی ہے۔“
احمد ندیم صاحب قاسمی نے مضمون پر طفیل صاحب اپنے اس احترام کو باوجود کوشش کے چھپا نہیں سکے جو ندیم صاحب
کے لیے ان کے دل میں موجود ہے۔ جب خود طفیل صاحب نے ندیم صاحب پر مضمون لکھنے کے لیے باہرہ ہیں سے درخواست کی تھی
تو ان بھاری نے بڑی سچی بات کہی تھی کہ:۔

”اگر میں سچی لکھ دوں تو یہ مضمون کتنے صفحوں پر پھیلے گا اور پھر سب سے بڑی بات

ہے کہ اتنی سچائی کا وہ نہیں کیا اور جو چکا ہو کہ تو اسے بہن کی پیادہ کی بات کر
گال دیں گے۔

مگر طفیل صاحب کے بھی بھائی کی پیادہ والی بات سے کام لیا ہے۔ اور صرف طفیل صاحب ہی نہیں اگر میں خود بھی
بہن کے متعلق گفتا تو وہ بھی پیادہ والی بات ہی ہوتی اس لیے کہ اس شخص میں سنے پیادہ کے اور ہے ہی کیا۔
مگر صاحب کے متعلق طفیل صاحب کا جملہ مضمون ہے وہ ایک حد تک خود ہی سے منظر بھی ہے اس لیے کہ طفیل صاحب
میر صاحب کے مرثیہ کی ابتدا میں ہی تحریر ہوتی تھی۔ مگر جب یہ مضمون قلم کے بل کر صرف جگر صاحب کے منظر سے لیتا ہے
تو یہ بت ہوتی ہے کہ طفیل صاحب کے بھی اتنے ہی دونوں میں جگر صاحب کو اتنا ہی گھما ہے جتنا میں ساری زندگی کے مرثیہ کے
تہ کہ سکا ہوں اس مضمون میں جہاں کہیں طفیل صاحب نے جگر صاحب کے انداز نگار کا چرچا کیا ہے وہاں ہے وادوئے کوئی چاہتا
ہے راضی معلوم ہوتا ہے کہ جگر صاحب کے یہ الفاظ ان کے دہن میں گھونٹتے تھے بلکہ استاد بری صورت میں موجود تھے سنا لیتے ہی
جگر صاحب کی باتیں حرمنا اس قسم کی ہوتی ہیں:-

”اگر میں آپ کے کسی کے مطابق یہ مان لوں اور کہے اس کا بھی یقین کمال ہو جائے
کہ غلام صاحب شہر اچھے لکھتے ہیں۔ پھر میں کہہ سکا کہ ای میں وہی ایک جیر نہیں ہے
اور وہ چیز بد تو ہوتی ہیں وہ تو انسان کمال اور مرد خود آگاہ میں خود ہی ہوتی ہے
میری مراد خلوص باصفا ہے۔ وہ شعر بڑے بد اعمال کہتے ہیں جو ایسے وہی نابالغ
پر وادہ ہو جاتے ہیں۔“

میں جانتا ہوں کہ یہ جگر صاحب کا انداز بیان ہے۔ یہی الفاظ یہی ترکیبیں یہی بندشیں اس مضمون کا کونسا حصہ ایسا
ہے جہاں جگر صاحب میں اپنی اصلی شخصیت کے متحرک فقرے آتے ہوں۔
فراق والا مضمون شخصیات ہی ہے اور استاد دینی ہی۔ اس مضمون میں فراق کے چند نہایت اہم خطوط کے طفیل صاحب
نے ہر ایک سے فراق کو نہایت بے غلی کے ساتھ ملا دیا ہے بلکہ یوں فراق سے ملنے والا شاید فراق کو نہ پاسکتا البتہ اس
خطوط کے آچھنے میں اور پھر طفیل صاحب کی حاشیہ آرائیوں نے فراق کو اس مضمون کے پڑھنے والوں کے بالکل قریب کر دیا ہے۔ اس
مضمون میں ایک جگہ طفیل صاحب لکھتے ہیں:

”الہ آباد میں چمڑوں کی وجہ سے مشہور ہے ان میں سے ایک جو اہر دل نہرو دھڑ
فراق تیسرے امروہ۔“

یہ بات اکبر الہ آبادی بہت پہلے بڑے مرنے میں کہہ گئے ہیں۔

کچھ الہ آبادیوں میں سامان نہیں بہرہو کے

یاں مہرا کیا ہے بخیر اکبر کے اور امروہ کے

مگر یہ اس وقت کا ذکر ہے جب پندت نہرو اور فراق نہ تھے صرف اکبر اور امروہ تھے اور طفیل صاحب نے پہلی کا ذکر کیا ہے

جب اہل نہیں ہیں پنڈت نہرو۔ فراق اور ارم و دیں۔

سید عابد علی عابد کے متعلق مضمون لکھتے لکھتے طفیل صاحب کے ان فقروں نے چونکا دیا۔
 ”مجھے ان سے یہ شکایت رہی ہے کہ اتنی ٹھوس علمی شخصیت ہونے کے باوجود
 انھوں نے کوئی قابل ذکر ادبی کام نہیں کیا یہ فضیلت صرف ان ہی میں نہیں ہے
 بلکہ یہاں کی کئی اور بڑی بڑی شخصیتوں میں بھی اور ہے اگر میں اس سلسلے میں لکھ کر
 ناشر بعض زندہ کرم فرماؤں گا نام لیتے ہوئے قہ قہتا ہے) کا نام توں تو میرے
 کرم فرما مجھے معاف فرمائیں“

طفیل صاحب زندہ کرم فرماؤں سے ڈر جائیں مگر میں ان کا نام لینا ہوں۔ ابھی چھ ہی دن ہوئے کہ مولوی غلام مصطفیٰ
 صاحب فہم کے گھر سید ذوالفقار علی بخاری نے یہی بحث چھیڑی تھی سید احمد شاہ بخاری پطرس کا علم و تجربہ دیکھتے، ادما یک کنا
 دیکھتے۔ پطرس کے مضامین ”اس قابلیت اس ذہانت اور اس تجربہ کے اہل قلم سے امید تھی کہ نہ ہلنے ادب آرو کو کیا کچھ
 دے دے گا۔ ڈاکٹر تاثیر اور چران حسن حسرت اپنی صلاحیتیں یہ اس ذہن سے رخصت ہوئے مولوی فہم ہیں خدا کرے وہ
 اب بھی کوئی ادبی کارنامہ پیش کر دیں۔ سید عابد علی عابد کی محنت اگر اجازت دے تو ان میں حرم بھی ہے ہمت بھی اور ان کے تجربہ
 بتاتے ہیں کہ وہ خود اب تک کی غفلتوں کی تلافی کے لیے بے فراہ ہیں۔ اس موقع پر ان کی محنت کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ جذبہ
 کے پاس ہمت کچھ ہے اور ان کی نیت بھی بخل کی نہیں۔ دیر میں سہی مگر ان کی توہر اس طرف ضرور ہوئی ہے اور امید ہے کہ وہ
 کچھ نہ کچھ ضرور کر دکھائیں گے

آخری مضمون احسان دانش پر ہے اور بہت ہی کامیاب مصدقہ ہے۔ احسان اپنی تمام ہر ساختگی اور تمام سادہ پکاری
 اور تمام پرکاشاوی کے ساتھ اس مضمون میں سمٹ آئے ہیں۔ ان کا بینک کی عمارت پر قبضہ کرنا۔ ان کا کبوتروں سے شغف۔
 ان کی موت کے متعلق وہ ایک جو تقسیم ملک کی وجہ سے ناکام ہو گئی ان کا مشاعرہوں سے شغور ہونے کی طرف فرار ان کے تابور حرم
 سے مراسم کی داستانیں اس جہی سے بیان ہوئی ہیں کہ طفیل صاحب پر محمد حسین آزاد کی افسانہ طرازی کا شبہ ہونے لگتا ہے
 یہ مضمون بقول طفیل صاحب کا مکمل بھی ہے اور ناکام بھی مگر اس کو صاحب کا قوام تمام کر ہی گیا ہے۔

وہ گئی اس کتاب کی زبان۔ انداز بیان امد باقی ادبی نثر اکبیں ان کے متعلق خود مصنف کا وہاں پڑھ لینا کافی
 ہو گا جو ”اعتراف جرم“ کے نام سے کتاب کے شروع میں دیا گیا ہے۔

خواہ مخواہ

وہ ہے صاحب گمان کی خاک چھانی۔ کین کین گلی کو چوڑے طعنہ لگے۔ کین کین سے پوچھا اور کتنے کراہے تھیں کہ ہوا کرنا پڑا شب
میں ہا کر جہاں حضور صاحب جیسے کاروان مکان میں سے اس کا ایک حصہ اس لئے لایا۔ یہاں سے کیا تھا۔ خدا کی بری تو یہ تھی کہ ان کی سب بات
کے لے۔

”سید صاحب پتہ تھا اگر نہ اس سے کہہ دیتے تو ہم پریشانی بہ گزرتی۔“
میں نے جی کر کہا: کیا جناب کا خیال ہے کہ میں سنوں سے ڈاؤن کیا جاؤں؟ یوں کہ اس پتہ پر کھٹ سے کھٹ جاؤں جو خط پر دست
نہا ہے۔ یہ تو ڈاکوؤں کا خاص آرٹ ہے کہ وہ ۱-۲-۱۱-۱۱ کا مطلب سمجھ لیتے ہیں کہ جو کھٹ۔ سب جو کھٹ۔ گلی بڑھکان بڑھو۔
اس لئے غالباً رشتہ شکر کے لیے کہ۔ اچھا خیر۔ اب سامان رکھو۔ جس وغیرہ کو کے آدمی جو تاکہ تم کو چاہئے چلا کر صبح اسی طرح بننے
لے جدت کی جائے۔

میں خود بھی غور فرماتا تھا جتنا اس سے کہہ دے کہ وہ اسے کو عروس یہ ہونا ہے کہ وہ کسی جنازے میں شرکت کوئے
لیا تھا جہاں گورگوں نے بھائے شرو سے کے عروسی کو دفن کر دیا تھا غرض سے اور وہ اپنی اس تہ میں کے بعد بیکل تمام قبر سے نکل کر بیکٹ
ہینا کا میاں ہوا ہے۔ گرد میں انا ہوا تھا چنانچہ آئینہ کے سامنے بیٹھ کر خود اپنے ہی عکس پر جہاں حضور صاحب جیسے کاروان کا شبہ ہوا۔ جو
جیسے دہری کی مناسبت سے اس طبع میں نظر آسکتے ہیں۔ مگر قبل اس کے کہ میں خود اپنے ہی عکس کو سوچ کر کا گرد آؤدو جیک کو جہاں تاکو
اپنے عکس کی اسی حرکت سے فضا بھر میں آگیا کہ یہ کوئی اور نہیں۔ ”خاکد“ ہی ہے۔ وہاں گرجا پر چھتے تو آج ہی ”خاکد“ کے معنی بھی بھر
میں آئے کہ بغیر ہا ہر سے کراچی آئے ہوئے کوئی شخص صبح منوں میں ”خاکد“ بن ہی نہیں سکتا۔ میں نے جلدی جلدی شیو کیا۔ کپڑے نکالے اور
منزلت میں نی کے بیچے جا بیٹھا تھا بھی سر اور چہرے پر صابن لگایا ہی تھا کہ تل غائب اور میں پریشان کہ اب کیا کروں۔ صابن تمام سر پر پھینکا
ہوا ہے۔ آٹھ گھنٹہ تک بند ہیں یہ تو کچھ نہ بولنے ناخن نہ پائے رخن ”حالا تھہرہا ہے۔ ایک آدھ منٹ تو تلفظاً خاموش رہا۔ اس کے بعد
منزلت نے ہی سے اسلم کو آواز دی کہ وہ درود کو۔ اسلم نے اس کے جواب میں جتنا شروع کیا۔

”صاحب یہ ہیں نہیں یوں ایک اور صاحب ہیں خدا کے لیے نی لکھوں دیجئے۔“
اور عجیب بات ہے کہ اس کے بعد ہی نی پھینکے لگا۔ چنانچہ میں مناد ہو کر آدھ کپڑے بدل کر جب پیر آئینہ کے سامنے آیا تو اب

آئینہ میں جھٹکھڑا صاحب ٹھیکہ دلوں نظر نہیں آئے بلکہ یہ دیکھ کر اطمینان ہو گیا کہ جب کچھ ہی بڑا جھلکے ہوں یہ میں خود ہی ہوں۔ ابھی لکھا ہی پھیرا تھا کہ اسلئے جینا شروع کر دیا :-

صاحب سو رہے تھے راجہ میں کر رہے تھے مگر چائے ٹھنڈی ہوتی جاتی ہے :-

چنانچہ میں اُس برآمدے میں آگیا جہاں ایک بھٹی سی میز پر اسلم چائے کے برتن رکھے خود کھیس کے شکار میں مصروف تھے۔ جس نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہی پلا سوال کیا :-

”بھئی بہن کا بندہ ہوا پھر تھارے ایک جھڑباندہ نعرے کے بعد کیا ایک چل دینا بھد میں نہیں آیا۔ یہ فقہ کیا تھا آخر :-“
اسلم نے کہا :- ”اتنے سختی ہے دوتا ہے کیا آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا“

میں نے کہا :- ”سمان اٹھائیں اگر اس شعر کا سلیس اردو میں آپ ترجمہ بھی کر دیتے تو اچھا ہوتا۔ میں اناسم نے فہم تو کبھی نہ تھا کہ اپنے تفصیل طلب سوالات کا جواب اشعار میں سن کر مطمئن ہو جاتا۔ پھر اس وقت تو ابھی دماغ سے ریل کی گھر گھر اسلم ہی نہیں گلی ہے :-“

اسلم نے کتلی میں چینی کا ایک چمچ ڈال کر چلاتے ہوئے کہا :- ”مطلب یہ کہ یہ تو بسہ اندھ تھی ایسی ہی بہت سی باتیں ہوں کہ لڑیہ کے مکان میں رہنا آپ محوی بات سمجھتے ہیں۔ کراہیہ کے علاوہ اور بھی بہت سے ٹیکس دینا پڑتے ہیں۔ بعد ازاں اوقات تو جی چاہتا ہے کہ سنان بھی اسی گھر میں چھوڑوں اور جا کر سمندر میں چھلانگ لگا دوں :-“

میں نے کہا :- ”وہ تو خیر ٹھیک ہے کہ جب سمندر میں چھلانگ لگانا غمیری تو سمان کی بک ضرورت ہے۔ مگر کھہر باؤ تو کسی بات کیا ہے آخر :-“

اسلم نے چائے کی پیالی کھلکتے ہوئے کہا :- ”بات نہیں ہے چتا ہے یہ۔ اجمال میں سانسے دیتا ہوں۔ تفصیل خود بخود بخینے رہنا باب تو رہنا ہی ہے اس گھر میں :-“

میں نے کہا :- ”اچھا فی الحال تم اجمال ہی سنا دو :-“

اسلم نے ایک گہری سانس لے کر کہا :- ”کراچی میں مکان حاصل کرنا اتنا مشکل کام ہے کہ اگر یہ مرحلہ ان سائنسدانوں کو پیش آ جائے جو چاند اور مریخ وغیرہ پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں تو ان کے سامنے اسپوننگ اور فضیل ریا سے دھوکے رہ جائیں۔ میرا ہی دل جانتا ہے کہ میں نے کیسے کیسے پا پڑیے ہیں یہ مکان ماحصل کرنے کے لیے :-“

میں نے کہا :- ”شوہر ہے کہ ل ہی گیا۔ اور ہے ہی اچھا خاصا بظاہر :-“

اسلم نے کہا :- ”جی ہاں۔ مگر باطن جیسا کچھ بھی ہے۔ بس دعا مانگا چاہئے کہ خدا دشمن کو بھی ایسا مکان نہ دے۔ معلوم نہیں میرے کن گناہوں کی پاداش میں یہ مکان مجھ کو مل گیا ہے اور اندھ جانے قصاری تقدیر کی وہ کونسی گردش تھی جو تم کو بھی یہاں پہنچنے کے لیے لے آئی ہے۔ خدا کے لیے پورے کوئی اور مکان ڈھونڈو ورنہ اس مکان میں کل ہی سے تم بھی خود کشی کے امکانات پر غور کرنا شروع کر دو گے۔ جس طرح میں اس حرام زندگی اور اس حرام موت کا موازنہ کرتا رہتا ہوں :-“

وہ واقعہ دے دینے کے قریب تھا لہذا میں نے اس کو چھکاتے ہوئے کہا :- ”بہت اور جو صلی سے کام لو، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر —“

میں نے پھر پوچھا: مگر بتائیے نہیں تم نے کہ یہ لڑکی ہے کون؟
اسلم نے کہا: صاحبزادی ہیں شیکہ دار صاحب کی۔ اچھی خاصی جوان جہاں لڑکی ہے۔ بیٹرک پاس کر چکی ہے۔ بلکہ اجاں شادی کی
مگر میں لکھی رہے ہیں اور میں یہ لڑکیا کرتا ہوں کہ میں کسے بچے بندہ گئی یہ بلا اس کے دونوں کانوں کے بچ میں سرگردے گی صاحب
چھوڑا ہے اچھی خاصی:

میں نے کہا: ”دیکھ ہے تم نے؟ مگر کیا ہوگی بصورت شکل کی کسی ہے؟“
ایک ہی سانس میں اتنے سوال جو کئے تو اسلم نے گجرا کر کہا: ”نہ دیکھا ہے نہ خدا دکھائے۔ عمران کے باوا جان کے صاحب
سود سال ہے لہذا ہوگی اٹھارہ انیس سال کی۔“

میں نے کہا: میٹرک فرسٹ ڈویژن میں کیا ہوگا اس نے؟
اسلم نے مجھ کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا: ”یہ جناب کو کیسے معلوم ہوا؟“
میں نے کہا: ”انمازہ ہے میرا۔ خط نہایت اچھا ہے۔ ان تمام اشرافوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ذہین بھی ہے۔ پھر سب سے بڑی
بات یہ کہ لڑکی ہے۔ اسکل تو ڈوڈوٹن مارنا لڑکیوں کی کا کام رہ گیا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ تم نے دیکھا نہیں اب تک؟“
اسلم نے کہا: ”جی ہاں اب تک تو خدا نے محفوظ ہی رکھا ہے مگر اب آپ کے تیوروں سے انمازہ ہورہا ہے کہ غالباً آپ یہ
کوشش بھی کریں گے؟“

میں نے کہا: ”نہیں خیر میں نے، جی تک کوئی فصد میں کیسے! البتہ جو حالات تم نے سنائے ہیں وہ اتنے دردناک نہیں ہیں جتنے
تم ستم رسیدہ بنے ہوئے ہو۔ ہر صورت میں حالات کا جائزہ لے کر کوئی رائے قائم کروں گا۔“
چنانچہ میں فی الحال اس کمرے میں سامان ترتیب سے لگانے لگا جو میرے لیے اسلم نے مخصوص کیا تھا۔

۲

میں ابھی سوکھا شاہی تھا اور ایک آدھا انگڑائی لے کر گذشتہ سے پوچھتا: ”کہہ کر پھر سونے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ اسلم نے کمرے
میں داخل ہو کر کہا:۔“

”چلو ان سے بھی مل لو وہ آگئے ہیں ہمارے اور تمہارے دونوں کے گار جین۔“

میں نے حیرت سے پوچھا: ”گار جین؟ گار جین کون؟“

اسلم نے پڑوس کی طرف اشارہ کر کے کہا: وہ۔۔۔ مالک مکان۔ عبد الغفور صاحب شیکہ دار۔ اچھے خاصے دو سر ہیں یہ

حضرت بھی؟

اور دیوار کے اس پار سے ایک کلکتی ہوئی زنانہ آواز آئی: اتنی جان۔ دو سر کے واسطے مندل لگانا ہے مفید۔ کیا یہ

کچھ ہے؟

در سوئے دانتوں میں لگی ہمارا کہا: نہیں آپ نے۔

میں نے نظریات میں کہا: میں نے تو یہ سن لیا کہ صاحب ہر گیارہویں سے ہی میں جا میں نے آپ کو آپ اور کہہ رہے تھے: اسلم نے بے پناہی سے کہا: ہونہ۔ میں نے یہ تو جو کہ میں جس وہ زمین یہ سے حالت - آٹھ تو ایک ستر سے وہ انتظار کر رہے ہیں؟

میں بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ میں یہ ایک جیت ڈر ڈر۔ سو کے ساتھ ان بڑبڑ سے لے کر آٹھ سو سات اچھٹ سو سے بیٹھے اخبار۔ تارانت کا سطر اس غصے سے کہ وہ رہے کہ گناہوں اخبار پر بھی ہوئی میں اور۔۔۔ تھے کہ نے کش کر رہا تھا۔ ہم دو گوں کی بات اگر ان بزرگ ختم نے بیٹک کا نوا یہ دست کوئے جہ کو دیکھا ہی تھا کہ میں سے صاحب اب سے آداب کا درصافہ کے بے ہدف۔ حادیہ اس کے کیا۔۔

ٹیکہ دار صاحب یہ ہیں میرے عزیز اور صاحب ہر دو پر صاحب؟

ٹیکہ دار صاحب نے کہا: میں ہاں نا تھا۔ تعارف نوکافی سے نیا وہ پہلے ہے۔ میرا بڑی صبرت کوئی آپ سے مل کر رہے تھے۔ کوشش دے کر تھا کہ ذرا صحت قہم رہا ہے۔

میں نے دستہ سے دھڑکی: شکریہ۔ مگر میں محروم ہوں؟

ٹیکہ دار صاحب نے سختی سے جہاں ہی دھڑکتے ہوئے کیا: غائب ٹکڑے پہنچے ہوئے آپ؟

میں نے کہا: میں نہیں ٹکڑے میں نہیں جتا؟

بجب بہت پرچی ٹیکہ دار صاحب نے: تو چر کیا پیتے ہیں آپ؟

مجھے ہنسی آگئی اور میں نے جیسا سوال تھا ویسا ہی جواب میں دے دیا کہ: ہاں پیتا ہوں۔ پائے پیتا ہوں۔ کافی پیتا ہوں ستر

دغیرہ پل پیتا ہوں؟

اور ٹیکہ دار صاحب کے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر آواز لگائی: میں نے کہا جتیس بیٹی ذرا چائے بنو دینا؟

اسلم نے لاکھ کہا کہ چائے یہاں میں تیار ہے مگر وہ: کوئی منہ تھکے نہیں کوئی منہ تھکے نہیں کہہ کہہ کر اپنے یہاں کی چائے چلنے

پر مصری رہے چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد اوھر ہمارا حازم چائے اور ناشتہ سے کر آیا اوھر ایک نہایت خوبصورت سی کتنی میں نہایت

دیدہ زیب ٹی گوزی سے ڈھل ہوئی کھیل اور نہایت سلیقہ سے رکھی ہوئی پیالیاں یہیے ٹیکہ دار صاحب کی حازمہ داخل ہوئی اور وہ چائے

بھی ہمارے حازم نے اس سے لے کر میز پر لگا دی مگر ابھی وہ چائے لگا ہی رہا تھا کہ ٹیکہ دار صاحب نے اپنے یہاں سے آئی ہوئی

چائے تھوڑی تھوڑی سے ایک ششتری اٹھا کر کہا:۔

میں: یہ کیا ہے؟ درد سر کی گولیاں۔ یہ کس نے منگائی تھیں۔ اسے میں درد سر میں کون جتو ہے۔ میں خواہ مخواہ بھی۔

یہ کس کے لیے لائی ہے تو کامی؟

لامنی نے اپنا دوپٹہ منہ پر رکھ کر کہتے ہوئے کہا: بیٹیا نے بھی ہیں؟

ٹیکہ دار صاحب نے جینک آنکھوں سے ہٹا کر مانتے پر لگا کر گولی کو بغور دیکھا گویا ان گولہوں کو وہ آنکھوں سے نہیں جکڑتے

سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ تو بھی بیس گھر گس کے لیے بھیجی ہیں۔ میرے تو برسوں برا تھا سر میں درد۔ گریاں آج بھی گئی ہیں۔ پوچھ تو کسی خدا جا رہا تھیں سکے یہ معہ کیا ہے؟

کامی تو جیستی ہوئی اندر چل گئی مگر میں اور اسلم دونوں کچھ پچھتے تھے کہ یہ اسی قصہ کا سلسلہ اب تک چل رہا ہے وہ جہاں ملے ٹھیکہ دار صاحب کو درد سر کسہ دیا تھا چنانچہ اب گویاں بھیجی گئی ہیں کہ اگر میرے باپ درد سر میں تو کو یہ درد سر کی گویاں کھا دو۔ ان سے سر کھپاؤ۔ بہ دونوں ٹھیکہ دار صاحب سے آنکھ بچا بچا کر ابھی مسکرا رہے تھے کہ ٹھیکہ دار صاحب نے کیتل پر سے ٹی گوری اتار کر اس کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”جو منظر اس میں دکھایا گیا ہے اُسے سمجھے آپ؟“

میں نے غور سے دیکھے ہوئے کہا۔ ”فانٹاسی دکھائی گئی ہے جو نمبر چن رہی ہے۔ باغ میں۔“

ٹھیکہ دار صاحب نے بڑے معتمدانہ انداز سے کہا۔ ”غلط۔ آپ بتائیے اسلم صاحب۔“

اسلم نے کہا۔ ”میں جی بس اتنا ہی سمجھا ہوں۔“

ٹھیکہ دار صاحب نے کہا۔ ”تو آپ بھی غلط سمجھے ہیں۔ یہ دراصل چائے کا باغ ہے اور اس میں یہ بڑی جوانی صبح سے شہر کی ایک کیڑی دکھائی گئی ہے، اوپر کی مٹی اور دو کوئیں اپنی چٹکی سے توڑ رہی ہے۔ آپ کو کسی چائے کے باغ میں جانے کا کبھی اتفاق ہوا ہے؟ ہم دونوں نے ایک ساتھ انکار کر دیا تو وہ بولے۔ ”پچھلے سال اہل و عیال کو لے کر میں سلٹ گیا تھا وہاں یہاں نے بچا دیکھنے کا اتفاق ہوا چنانچہ عزیزہ جیسے سکہ نہ ہاں سے واپس کے جو یہی یہ ٹی گوری بنائی تھی او۔ اس پر یہ منظر دکھا باغ، مگر حاضرہ، کہ سوئی سے بنائی ہوئی اس تصویر میں جی کتنی زندگی ہے؟“

میں نے جی داد دی۔ ”واقعی میں تو اس کو مٹھیں کا کام سمجھا تھا۔ بڑی صفائی ہے ہاتھ میں ماشا، امدت اور یہ خوش سیٹل ہے کہ

ٹی گوری کے جیسے مناسب ترین منظر کا انتخاب کیا ہے۔“

ٹھیکہ دار صاحب نے بڑی خاکساری کے ساتھ سر جھکا کر کہا۔ ”جی ہاں اس کو ہمیشہ اس قسم کی اہم سوچتی ہے۔ آپ کی دہات فرسٹ ڈویژن میں میٹرک کیا ہے۔ تقریروں کے مقابلہ میں اول آتی تھی اس کا کپ جی لائی ہے۔ اسکول میں شاعرہ ہوا تو امدت جیسے شاعری اس نے کہاں سے سیکھی ہے کہ شاعرے کے لیے غزل بھی کہہ کر بچے دکھائی، میں نے کہا کہ جیامیر سے تو باپ دادا نے ہی کبھی شعر جنیں سکے۔ ٹھیکہ دار ہوں جیسی کو ہمارے بنادوں۔ پٹی بنادوں۔ مسجد اہل تالاب بنادوں مگر یہ میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ مگر جناب وہ اسی غزل کو چڑھ کر تمہ جی لے آئی۔“

اسی وقت ٹھیکہ دار صاحب کی ملازمہ کامنی ایک دوسری کشتی لے کر آجود ہوئی میں پر کرہ ٹھیکہ کے کام کا نہایت نفیس خوان

پوش دکھا ہوا تھا۔ ٹھیکہ دار صاحب نے کامنی سے پوچھا۔

”یہ کیا ہے۔ اچھا گویا ناشتہ ہے۔ میں بھی خود کر رہا تھا کہ کیا کہیں گے یہ لوگ بھی اپنے دل میں کہ چائے بھی پلائی تو صحن چائے۔“

مگر یہ ہے کیا۔

یہ کہہ کر خوان پوش جو بنایا تو اس کے نیچے واقعی نہایت پُرکھٹ ناشتہ چنا ہوا تھا سرخ سرخ سیب۔ ٹوسٹ۔ کھن۔ انڈے۔

میں کیسے بھیج دیتا۔

میں نے کہا: ہاں صاحب ہم لوگوں میں اس قسم کی آوازاں کہاں؟
ٹیکہ دار صاحب نے کہا: اور وہ خود بھی پسند نہیں کرتی اس قسم کی آوازوں۔ آپ کی دعا سے کالج میں پڑھ رہی ہے مگر کیا جیل کے
برقہ کے باہر جہنم فلک نے بھی اس کو دیکھا ہو۔

ٹیکہ دار صاحب اسی طرح اپنی صاحبزادی کی شان میں قصیدہ پڑھتے رہے، میں داد دیتا رہا مگر اسلم بیٹا ہمارا مسلسل کھرتا رہا اور
ختمہ ناشتہ پراٹا تار ہا کہ سب کھا چکا تو حلوے کی جیٹ پر حملہ کر دیا اس سے غا۔ غ ہو تو کھن ہی ٹوسٹ پر موٹی موٹی تیس جاکر صاف کر
گیا اور پھر انڈوں کی شامت لے آ۔ وہ تو معلوم ہو رہا تھا کہ انتقام ناشتہ کھائیں بلکہ واقعی ٹوسٹ رہا ہے البتہ کسی کسی تو آؤد ٹکڑوں سے
ٹیکہ دار صاحب کو دیکھ دیتا اور پھر دانت میں کبے زبان ناشتہ سے بدل دینا شروع کر دیتا تھا۔ خدا خدا کہے ناشتہ ختم ہوا اور چوکر ہم
دونوں کو دفتر جانا تھا لہذا ٹیکہ دار صاحب کے رہائی نصیب ہو سکی۔

۳

وہ مصیبت جو ہر مردانے گھر میں ہوتی ہے جہاں کوئی عورت نہ ہو، اس میں ہم دونوں بھی مبتلا تھے کہ شفا پڑے بدلنے جو بیٹے
توبہ چلا کہ قیص میں بٹن ہی نما رہیں۔ اب ڈھونڈ رہے ہیں سوئی دھاگہ اور فرش کر بیٹھے کہ مل بھی گیا سوئی دھاگہ تو سوئی میں دھاگہ
پرونا کیا آپ کے خیال میں کوئی معمولی کام ہے۔ نہ جانے کتنے دار حالی جاتے ہیں تب کہیں جا کر سوئی کے تاکہ سے دھاگہ گزر سکتا ہے۔ شفا
آج ہی مصیبت میں اسلم غریب مبتلا تھا خدا جانے بچاؤ سے کتنی کوشش کی ہوگی کہ آخر کار اس کو میری مدد کی ضرورت محسوس ہوئی
اور اس نے میرے کمرے میں آکر کہا:-

”سوئی میں دھاگہ پرونا آتے ہیں تم کو؟“

میں نے کہا: کسی ددڑی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ تو نہیں کیا ہے مگر لاؤ کوشش کرتا ہوں۔
اور خدا کو میری شرم رکھنا منظور رہی کہ پہلی ہی کوشش میں دھاگہ سوئی کے تاکہ سے گزر گیا اور جب میں نے نہایت فکر کے ساتھ
اسلم کو اپنا یہ کمال دکھایا تو وہ حیران ہی تو رہ گیا:-

”کہاں کر دیا بخدا۔ یقیناً تم نے اس فن پر ریاض کر رکھا ہے ورنہ اتنا صحیح نش نہ کسی اتنا ڈی کے بس کا نہیں ہے۔“

اور وہ میرے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ کر قیص میں بٹن ٹانگنے کی کوشش کرنے لگا اور غالباً دو ہی تین ہاتھ چلائے ہیں۔
کہ ایک مرتبہ سی سی سی ٹکرتا ہوا اکیدم کھڑا ہو گیا اور قیص فرش پر جا گری۔ اب جو میں اس کو دیکھتا ہوں تو وہ ایک ہاتھ سے اپنے
دوسرے ہاتھ کی انگلی پکڑے کھڑا ہے لہذا انگلی کے سرے پر خون کا ایک موٹا سا قطرہ کانپ رہا ہے۔ میں نے کہا:-

”کیا چھوٹی سوئی انگلی میں؟“

اور اسی وقت دیوار کے اس پار سے ملتیں کی آواز آئی:- اسی جان۔ کیا ہر اس انگلی کو انگشت شہادت کہتے ہیں جس میں

۱۔ زکریاؑ نے:

اسم نے عانت میں مگر زہر مہلکا: عذیر:۔

اللہ میں نے ہنس کر دلو دی: مگر اب اس جواب میں کہتی ہے۔ خوش ملا کر تیرا میں میں داخل ہونے ہو تو خضہ: خوشیوں کر رہے ہوں:
اس سے واقعی خضہ کے کیا: میں چاہتا ہے کہ دھوئی سامنے آجائے تو: لی: دروں: فنوں سے تو جسے ہر جہے اس بخت کو
باہل کر کسی قیس میں کوئی ہنس اس سے صاحب جہوز: اب اسے سامنے بنوں لی: ہا: تو ماہی یا کبھی خود ملے ہونے بیڑوں میں ہنس
میں سوکت: جانیں:۔

میں سے توں لگا کر کیا: ہا: میں ملا دوں میں: مہا: کہ یہ ہا: ہر کوئی میں آتا مگر کشتی کر: ہا: جب سوتی میں ڈھانڈا مل
یا وہ کہنا ہر اکھم نہ:۔

اللہ اسی وقت کا منی شہزادوں کی ایک چریزی: اور تیرا جڑی تالی: ایک نہیں: سل: کو دیتے بھنے لگا:۔
یہ بیٹا نے آپ کے سپہ بھی ہے: اور قیس بنگانی ہے:۔

میں نے چریزی: اور تیرا کچھ دیکھ کر ہنسنے بھنے لگا: قیس وہ کہ اس زکریاؑ پر یہی سب سے میں اس کو: میناں سے ہا: ہوں:
کان: کو بھی یہ میں کر جنس: آئی: اور ہا: منہ پر دوپٹہ رکھ کر جستی ہوئی قیس سے کہ جاگے تو: کہنے لگا: تو یہیں آپسے اس طرح
مدق اڑا یا جانا ہے بات بات پر:۔

میں نے کہا: یہ صاحب کچھ گاجندہ: نوازیہ مذاق تو آپ خود: ڈوستے ہیں: ذرا سی سوتی بھجوتی تو سب: ہا: جرتے ہوئے کھڑے
ہو گئے اور دھوئی کو گونی تک: ہونے کا: روہ کر یا:۔

اسکے فکر سے بچتے ہوئے کہا: اچھا خیر: اور تیرا جاؤ: میناں تو دیوار کے جس کان میں:۔
میں نے اس کے ساتھ جلتے ہوئے کہا: صرف کان نہیں بلکہ میرا خیال ہے کہ آنکھیں بھی ہیں:۔
مگر ابھی ہم دونوں برتدے میں جا کر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ٹھیکہ دار صاحب کچھ سراپیمہ سے داخل ہو کر نہایت تعجب سے بھنے
اٹھا: سے بولے:۔

منیریت تو ہے میں نے تو ابھی سنا کہ خدا: خواستہ: اسم میناں کچھ زخمی ہوئے ہیں:۔
میں نے ہنس کر کہا: استغفر اللہ: اگر زخمی ہونا اسی کو کہتے ہیں تو نہ جلنے زخمی ہونے کو کیا کہا جائے گا: قیس میں میں ہنس رہا ہے
تھے یہ حضرت کہ ذرا سی سوتی انگلی میں بھج گئی تھی:۔

ٹھیکہ دار صاحب نے بدستور تشریش کے ساتھ کہا: یہ ذرا سی بات بھی خطرناک ہو سکتی ہے: فرض کر لیجئے کہ وہ سوتی زنگے لود ہو تو
اس کا زہر جسم میں داخل ہو سکتا ہے: ذرا دکھانے تو چلے:۔

اللہ کچھ نہ پوچھئے کہ اسم کا کیا حال تھا اس وقت: واصل اس کا روتے کو ہی چاہ رہا تھا گردہ کیسی: ہنسی ہنس کر اپنی ہا:
انگلی کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا: آخر ٹھیکہ دار صاحب نے بڑھ کر خود ہاتھ پکڑ لیا اور انگلی دیکھتے ہوئے بولے:۔

”بھلا یہ کون سا موقع ہے اس خلقت کا: بظاہر تو کوئی خاص بات نہیں مگر احتیاطاً ٹھیکہ دار ہی دینا چاہئے: مگر سوال یہ ہے کہ کتنے

آپ جن ٹانگے پیچھے بنی کیوں۔ ارے بس سیدھی سی بات تھی کہ قیس اندر بیچ دی ہوئی، جن ٹانگ کر آجاتے۔ یہ آپ کو صلیب کی منزل پر لیا خوب کہا ہے کہ: شاعر نے کہا۔

اے ذوقِ تلکف میں ہے تلکفِ سرا سر

چنانچہ آپ نے تلکف برتا اور آپ کو سرا سر تلکف پہنچی۔

میں ابھی اس بیضہ کے فتنہ ہی میں سرشار تھا کہ مصرعہ میں دوق موجود ہے اور وہ فرار ہے ہیں کہ کیا خوب کہا ہے کسی شاعر

نے کہ۔۔۔۔۔ اے ذوقِ تلکف میں ہے تلکفِ سرا سر

کہ ٹھیک دار صاحب نے مجھ کو بھی غائب کر لیا۔

”کان کھول کر آپ دونوں صاحبان سن میں کہ یہ خانہ بے تلکف ہے اور میں اب دونوں کو بخدا اپنا کرایہ دار نہیں بلکہ عزیز سمجھتا ہوں لہذا آئندہ اس قسم کا تلکف نہ ہو ورنہ مجھے صدمہ ہو گا میں نے تو پہلے ہی دن اس میں سے کہہ دیا تھا کہ اس گھر کو آپ اپنا گھر سمجھ کر رہیں اور اگر محض کرایہ دار بن کر رہنا ہے تو اس شہر میں بے شمار گھر اور بھی مل سکتے ہیں بلکہ میں تو اکثر اسی پرناہ پر اکرتا ہوں کہ آپ کو طبعہ چولہا ہٹائی کرنا پڑتا ہے مگر قیس کی والدہ کی یہ رائے بھی مناسب ہے کہ بہت زیادہ بیگمگت سے بھی بھٹ پڑ جایا کرتی ہے۔ اسی وقت کا منی اندر سے قیس لے کر آگئی اور اس نے کہا:-

”بشائے کہا ہے کہ باقی قیصیں اور بہت کونے والے کپڑے بھی دے دیجئے۔“

اسلم نے کہا:- شکریہ۔ کہہ دیجئے گا باقی سب کپڑے ٹھیک ہیں۔

قیسہ دار صاحب نے کہا:- پھر وہی تلکف۔ بہتر ہے میں اس کی دوسری بھی صورت اختیار کروں گا۔

ہم دونوں نے اس دوسری صورت پر خود کرنے کے بجائے دفتر جانے کی تیاریاں شروع کر دیں اور ٹھیکہ دار صاحب سے رخصت ہو کر ہم دونوں دفتر روانہ ہو گئے۔ گھر سے نکلنے کے بعد میں نے اسلم سے کہا:-

”اللہ جانے یہ بڑے میاں وہ دوسری صورت کو منی اختیار کریں گے۔“

اسلم نے کہا:- خیر یہ بیچارہ بڑھا تو نہایت پر خلوص قسم کا آدمی ہے مگر ان بڑے میاں کی صاحبزادی کی تیز لوں سے میں بہت گھبراتا ہوں۔“

میں نے کہا: میری سمجھ میں تو تمہاری یہ گھبراہٹ آتی نہیں، اچھی خاصی ذہین قسم کی تیز نظر لڑکی ہے اور خدا کرے یہ میں اس پر اپنا نہ رکھ دے ہوں مگر میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ تم میں خیر محوئی دلچسپی بھی لے رہی ہے۔

اسلم جیسے سمجھ کر کھڑا ہو گیا۔ کیوں دیکھ رہے ہو مجھے۔ یہ تیزی طراری اور ذہانت ایسی ہی پسند ہے تو اس شامت کا رخ اپنی کہا طرف کیوں نہیں کر دیتے۔

میں نے کہا:- گاہیں ہی آپ کی طرح۔ برائے فروخت۔ کی تختی لگائے پھر دے ہوں۔ اگر میں تمہاری طرح آزاد ہو تا تو اس مکان پر پھولانہ سانا مگر خدا سلامت رکھے میرے متعدد بچوں کی داد دیاں کو جس کے نام میرے جملہ حقوق نہ جانے کبکے محفوظ ہو چکے ہیں۔

اسلم نے کہا:- تو گویا میں ہی فالتورہ گیا ہوں۔ یہ تو عجیب خود غرضی کی باتیں کر رہے ہیں آپ۔

ہم نے کہا: تو جانی صاحب! یہ ہے کہ رات جو میری ہے، دُشمن سے سنا ہے۔ وہ آپ کی عمر کا گھنٹہ ہے۔ یہیں آئے، پہلے بھاگنا، پھر دُشمن کی عمر پر پہنچنے۔

اسم غیبی از کتاب: موم و ابرامہ کے :-

میں نے کہا: وہی مراد ہے جس سے یہاں پر۔ مکتبہ دار نے فرماتے ہوئے:

میرے ہفتہ مخمسی کے گیارہ بغاوتوں کی محبت ہے۔ پ: ۱۰:

میں نے کہا: "ظاہر ہے میرا مطلب ہے ظاہر۔۔۔ خود غور کرنے کی بات ہے کہ وہ لڑائی یہ کو۔۔۔ صحت منظم اور موثر اور کسی کے گھر، دکان کی بات، ظاہر میں لگتی ہے نہ۔۔۔ پس فیصلہ میں من موٹا نہیں ہے۔۔۔ آپ سے کہہ رہا ہوں کہ یہ سب سے بڑا صحتی ہے اور آپ کے صحتی کو دیکھ کر ہی ہے ظاہر ہے۔۔۔ پوری جگہ صحتی کو سمجھنا۔"

اسی لئے کہا کہ تو راہی نہ رہا ہے۔ یہ نوم اور محرم ہی ہے کہ مجھے اس سے کوئی اجنبی نہیں ہے۔

میں نے کہا: "اے میرے بھائی! یہ تو مجھے معلوم ہے۔"

اسلم نے کہا: اسی میں میری کنایات ہے۔ وہ ایسی ہونا خود رکھتا رہے خود سخت ہوتی ہے اس قصہ سے مجی اور بعد میں
راخرونی سے محبت پیدا ہوئی۔

میں نے کہا: ہاں! وہ جیسی اور تھمادی چہراریں صرف ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔

اسلم نے بڑے قبسے سے پوچھا: "دووی۔"

میں نے کہا: وہ یہ کہ قبر نے اس کو اپنا تک نہیں دیکھا ہے اور وہ خود کو مرد نہیں سمجھتی۔ جی ہے۔

اس نے متناکر کہا۔ یہی اور کیا اس کی تو میں کھانا چوں کہ وہ کھانہ کھانے کے لئے ہے اور اسے کھانے کی چیز ہے اور اسے کھانے کے لئے ہے

دہی سے رہی ہیں:

میں نے کہا: یہ بھی تو ہی سکتا ہے کہ وہ بھی اسی قال بغت نہ ہو جس پر عرض کیے آپ، ہر کوئی کہہ رہے ہیں۔

اسم نے جڑ بچ کر کہا: نہیں صاحب وہ شخص چر قوت بنا رہی ہے۔ آج کل کی اسکولوں اور کالجوں کی بعض لڑکیوں کو بھروسہ سازی کا کام سے مشغول ہو گئے وہ خواہ مخواہ ہی اچھے خاصے نوجوانوں کو سنے ان کی بہت کمزوریوں سے خود کو آگاہ کر

من الساجدين من يقول:

میں نے کہا: "بعض اوقات نہایت مسلم الثبوت قسم کے چغروں کو بھی اپنے متعلق یہ شبہ چڑھتا ہے کہ وہ حیدر نہیں ہیں بلکہ

تاریخ شاہد ہے کہ آج تک کسی چندنے اپنے کو چندنیں کہا ہے اس لیے کہ یہ احساس ہی چندیت کے منازل ہے۔

اسلم نے پہلے تو غور کیا پھر سکوانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: ”اچھا خیر۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ وہ صرف ہر وقت منار ہی ہے۔“

میں نے کہا: مگر اس بے قوتی کا جواب ہے کہ آئینہ نداس غریب کو دکھانے اس سے براہ راست کوئی واسطہ ٹڑا اور خواہ مخواہ ہی

اس سے ہزار بے بیٹھے ہیں۔“

اسلم نے کہا : سوال یہ ہے کہ میں اس سے کیوں بڑھ چکی ہوں :-

میں نے کہا: "جناجے اسی سوال سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کبھی کیوں نہ ہیں آپ؟"

اسلم نے الجھ کر کہا: "جی نہیں تم! وہ کبھی دیکھنا شروع کر رہے ہیں۔ مگر میں بخدا عاجز ہوں ان باتوں سے اور یہ بڑے عجیب ہیں اور بھی اپنی صاحبزادی کے قصیدے سنا کر ہو کر کہتے رہتے ہیں کوئی پوچھے کہ آپ کی صاحبزادی بڑی ہنس مند۔ بڑی سلیقہ شعار بڑی ہوشیور کاٹن، اور بڑی وغیرہ وغیرہ ہیں تو ہم کیا کریں؟ دلوا دیجئے ان کو نوبل پرائز۔ ہمارا سر کیوں کھاتے ہیں آپ ادب کو کیوں سر جوہر کہتے ہیں؟"

میں نے کہا: "اس پچار سے کاش سکار اس کی یہی بیٹی ہے لہذا وہ اسی کا سرخرونی کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ شاعر ہوتا تو شرمندہ سیاست دان ہوتا تو سیاسی داؤں بیچنا سنا اپنے گرد وہ تو محض باب واقع ہو رہا ہے۔"

اسلم کا دفتر آچکا تھا لہذا وہ خدا حافظ کہہ کر چلا گیا اور میں اپنی راہ ہو گیا۔

۴

یہ اسی دن کا قصہ ہے کہ میں جو شام کو دفتر سے واپس آیا تو اسلم صاحب برآمدے میں ایک گھڑی پر سرخرونی بیٹھے تھے۔ مجھ کو دیکھتے ہی کہنے لگے:

"میں تو خیر صاف ہو گیا ہوں بالکل اب ذرا آپ بھی اپنا کمرہ کھول کر دیکھ لیجئے کہ آپ کی کیا کیا چیزیں غائب ہوئیں۔"

میں نے سناٹے میں آ کر کہا: "صاف ہو گئے ہو بالکل! مطلب کیا ہے تمہارا؟"

اسلم نے نہایت پسپائی کے انداز سے کہا: "چوری ہو گئی اور کیا ہوتا۔ ایک چیز نہیں چھوڑی ہے۔ دیکھو تو سہی ذرا اپنا کمرہ میں نے پیک کر اپنا کمرہ کھولا تو میری تمام چیزیں بھنسہ رکھی ہوئی تھیں۔ تمام سوٹ کپڑے اپنی جگہ پر رکھے ہوئے تھے بھاری کھول کر دیکھی تو کپڑے سب کے سب موجود تھے۔ حد یہ ہے کہ آج میں تکیہ کے نیچے اپنی گھڑی بھول گیا تھا وہ بھی اسی جگہ رکھی ہوئی تھی۔ مگر اپنے کمرے سے جا کر اسلم کے کمرے کو جو دیکھا تو وہاں اصطلاحاً نہیں بلکہ واقعی جھاڑو پھری ہوئی نظر آئی۔ بستر وغیرہ تو خیر نہایت سلیقہ سے لگا ہوا تھا مگر المادی میں ایک کپڑا موجود نہ تھا۔ تین سوٹ کپڑے غریب کے وہ غدار دھنے۔ بجلی کی استری میز پر رکھی رہتی تھی وہ غدار دھتی۔ میں نے ایک ہی نظر میں یہ سب کچھ دیکھ کر اسلم سے کہا:

"رحمان سے پوچھا"

اسلم نے کہا: "وہ تو آج صبح ہی اجازت لے چکا تھا کہ اپنے بھائی سے ملنے جاؤں گا۔"

میں نے کہا: "اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ پہلے ہی پروگرام بنا چکا تھا کہ ہم لوگ دفتر جائیں اور وہ یہاں ہاتھ صاف کر جانے لگے۔"

سوال یہ ہے کہ میرا سامان اس نے کیوں نہیں چھوا؟

اسلم نے کہا: "جلدی میں صرف ایک ہی کمرے کا سامان اٹھا سکا ہو گا۔"

میں نے کہا: "مگر بڑے تعجب کی بات ہے کہ وہ سامان سمیٹا رہا اور شیکڈار صاحب کے یہاں کسی نے اس کو ٹوکا بھی نہیں پوچھا تو ہوتا؟"

تو ہوتا؟ لا کا منی کو بلا کر؟

وہ سب کیڑے نکال دیے ہیں تاکہ ان کو درست کر دیا جائے :

میں نے کہا : یہ ضرورت ہے کہ یہ خانہ چوکی کی کیا بات فرما رہے تھے آپ :

ٹھیکہ دار صاحب نے کہا : یہی کہہ رہا تھا میں کہ بلاوجہ پر میں نے اگر تحقیقات شروع کر دی تو کس قدر بدنامی کی بات ہے جسے نہ اس نے نہ اس کے گروپ میں کیا ذکر تھا :

ٹھیکہ دار صاحب نے کہا : اور ذکر اس کو کہتے ہیں کہ آپ جا رہے تھے رپورٹ راج کرنے۔ حالانکہ پہلے آپ کو کہہ سے تصدیق کرنا چاہئے تھا۔ مگر میں سمجھا رہا تھا :

اس نے نہ مگر آپ کو کہتے معلوم ہوا کہ میں پڑیس میں رپورٹ دے کر اپنے جانے جارہا تھا :

ٹھیکہ دار صاحب نے کہا : مجھے نہایت اذیت و توفیق سے معلوم ہوا ہے :

اس نے کہا : اور میں نہایت توفیق سے عرض کر رہا ہوں کہ یہ غلط اطلاع آپ کو پہنچائی گئی ہے ابستہ میں ڈھونڈھ ضرور رد ہوا کہ اس میں اس طرح یہ کیڑے کس پر سے ہیں رکھ گئے ہیں :

ٹھیکہ دار صاحب نے کہا : کیسے رہے یہ پرستے ؟ اس کمرے کے رنگ اور اس صوفے کی وضع سے میں سمجھا رہا ہوں کہ یہ کچھ اجڑی ہوئی چیز ہے۔ مگر پر دیز صاحب نے کمرے سے یہ جہرہ دے آئے ہیں ان کا تو جواب ہی نہیں۔ کل دیکھنے کا پرویز صاحب : آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ کا کہہ آج اس سے درست نہیں کیا کہ ان حضرات سے تو اجازت لینے کی گویا ضرورت ہی نہ تھی گئی مگر آپ سے اجازت کے علاوہ کبھی لینا ہی ضروری تھی اس لیے کہ آپ تو اپنا کردار قضا کر رہے ہیں نا اور میں نیک نیتی کے ساتھ صحت منظر شکنی کو اخلاقی جرم سمجھتا ہوں :

میں نے کہا : مگر یہ زحمت آپ اٹھا ہی کیوں رہے ہیں :

ٹھیکہ دار صاحب نے کہا : یہ زحمت اس لیے اٹھانی جا رہی ہے کہ آپ لوگ نہیں اٹھاتے۔ اب تک انتظار کیا گیا کہ شاید آپ لوگ خود اپنے رہنے کے ٹھکانے کو آراستہ کریں گے مگر آپ لوگ تو عجیب درویش صفت واقع ہوئے ہیں کہ گھر میں بھی اس طرح رہتے ہیں کہ کیا کوئی دینک کوم میں رہتا ہو گا۔ حد یہ ہے کہ ان اسٹم صاحب کے بستر کے نیچے سے ہونڈال کچھ دستوں کے برآمد ہوئے۔ اس نے کہا : مگر جلدی اس پریشانی کی منہ آخر آپ کیوں جلتیں :

ٹھیکہ دار صاحب نے کہا : میں یہی بات تو یہ ہے کہ مردوں کی اکثریت اسی قسم کی اوٹ پٹاگ ہوتی ہے جیسے آپ ثابت ہوئے ہیں مثلاً میں خود بخود کہا کرتا ہوں اگر بغیس میرا خیال نہ رکھتی چنانچہ باہر سے آکر میں خود کوٹ ایک طرف اچھال دیتا ہوں۔ ٹوپی گھڑو پٹی پہن کر آتا ہوں، جو توں کے اندر حوزے عروس کہ ان کو پٹنگ کے نیچے کھسکا دیتا ہوں، پھڑی پٹنگ پر لٹا دیتا ہوں اور نہ جانے کیا کیا کرتا ہوں مگر دوسرے دن ہر چیز نہایت سلیقہ سے اپنی جگہ پر رکھی ہوئی ہوتی ہے۔ خیال آتا ہے تو صرف یہ کہ چار دن میں جب بغیس کی شادی ہو جائے گی تو میرا کیا حشر ہو گا :

میں نے کہا : کیوں کیا بیگم صاحبہ محترمہ سے آپ کو اس دستگیری کی توقع نہیں ہے۔

ٹھیکہ دار صاحب نے منہ بنا کر کہا : ابھی تو یہ کہنے ان کی ناک پر میٹھی ہوئی کھیٹک تو میں خود اڑاتا ہوں وہ کیا کریں گی میرا کوئی

”تم کی طاقتوں کا جوئی میں کی تعداد ہی ایسی بھاری کی اگر نہ ہوتی ہے؟“

”جسم نے کہا: ”تعداد ہی؟ گم گمے تو آج تک پہنچی سوچ کر سب دشمنان کو جیت کر اب ہے ان کی۔“

”ٹھیکیدار صاحب نے کہا: ”جیت نہیں۔ مدت طویل ہوئی ہے جس نے ان کوئی کر پائی بھی نہیں بیٹھے دیتی۔ حیدر پر کہ بیٹھے بیٹھے میں جوئی ہی جاری ہیں اور اس نیزی سے سولی ہوئی میں کہ حالت جیسے تو ہر وقت یہ ڈر رہتا ہے کہ اس نے ان کی انتہائی بڑی۔ پھر وہ صاحب میں آپ کو نہیں دیتا جو کہ میرے گھر میں سے نہایت پھر سے اس سب جسم کی طاقتوں میں اور بڑی انتہائی ان کی جہالت میں گمراہ ہے کہ وہ ان میں سے بند کر رکھے ہیں۔ ان کو کھانے نہیں دیتا۔ وہ جن غذاؤں سے ان کو بہرہ کھاتا ہوں وہ خود ڈانٹ کر دیتے ہیں۔“

”میں نے حیرت سے پوچھا: ”کی کڑی، ڈانٹ؟“ میں قصہ دہاتی ہیں۔“

”اور کمرے کی دیوار کے نیچے سے۔“ ”کچی کچی کچی۔“ ”تم کی جیسی کی آواز دور ہائی ہوئی ہوئی اور ٹھیکہ صاحب سے بدستور سے چمک کر کہ۔“

”رض: ”یعنی؟“ ”استغفر اللہ۔ جی نہیں بندہ تو از ہی تو مٹتی ہے ایسی آواز میں جو نہ دیا ہوں کہ یہ ہے۔ یہ ان کی خوشی میں نرو کر دیں۔ میں تو اس چیز کو کہ رہا تھا جس کا منہ ہم کہہ سکتے تھے؟“

”اس نے کہا: ”اچھا اچھا ڈانٹ کر کہ رہے تھے آپ۔ میں غور حیران خاک پر گھر سے جاؤ؟“ ”سب سے کیا تسن تو لو بڑا بڑا“

”جی کرتی ہیں وہ۔“

”ٹھیکیدار صاحب نے کہا: ”وہ بھاری خود اپنے منہ سے عاجز ہیں اور اس کو مستحق عرض سمجھتی ہیں بلکہ یہ انوار وہ جو اب اس سے بچتی ہو یا کروں گا۔ مگر سنا ہے کہ تیرے سے ہی جسم سڈاں اور پھر یہ ہو جاتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ من کو تیرے کا انتظام کہاں کیا جائے۔ جی نہیں میں بچتی ہو یا، ٹھیک رہے گا۔“

”اس نے کہا: ”اس کے لیے کہ وہ دشمن ہیں تو ہوتی ہیں۔“

”ٹھیکیدار صاحب نے بڑی خوشی سے کہا: ”چہ خوش میں آپ کا مطلب ہے ان کو باقاعدہ پرکھنا بنا دینا۔ یہ غلط ہے اور نہ یہ عورت ذات کو زیب دیتا ہے کہ وہ بیٹھیں نا مانی رہے اور ڈنڈہ گدہ وغیرہ کا شل ترے سے بچتی والی جو نہ مات مناسب ہے ایک تو یہ کہ گھر کا پسا ہوا آگے لگانے کو اور دوسرے ان کا وزن میں کم ہو گا یعنی وہ تو اب پرگنہ کی پرگنہ نظر آتے ہیں۔“

”میں نے ان کو ایک اور ترکیب بتائی کہ آپ ان کو نہار منہ ایک کپڑا کر ایک پیالی دودھ پلا دیا کہنے۔ پسری ان کا ناشتہ ہوا اور اس کے بعد خواہ کتنی ہی بھوک لگے وہ کچھ نہ کھائیں تعلیم تو بہت ہوئی لیکن کھڑے گا۔ بھوک سے برا حال ہو گا مگر یہ تعلیم ان کو برداشت کرنا چاہیے گی اور جب بھوک باطل ہی ناقابل برداشت ہو جائے تو مفرج کے وقت کوئی جلی سی غذا آدھی بھوک باقی رکھ کر کھالیا کریں پھر دیکھئے کہ چند ہی دن میں کیا ہوتا ہے۔“

”اس نے کہا: ”مگر میرا خیال ہے کہ اس طرح بھوک مٹانے کا تجربہ بھی کچھ زیادہ اچھا نہیں ہوتا جسم تو ضرور گھٹتا ہے مگر کمزوری بھی بڑھتی ہے۔“

ٹیکیدار صاحب نے کہا: اسی بڑے دیکھنے والے کی طرح۔ تو کیا فرمایا آپ نے؟ میں یہی کہتا ہوں کہ ہم سب ہی چلا کر ہو یا کوئی خاص قسم کا کیلا؟

میں نے کہا: جی ہاں ہری چال کا ایک کیلا کھو کر ایک پیالہ دودھ چلا دیا کیلئے۔

ٹیکیدار صاحب نے کہا: کوئی دعا وغیرہ تو نہیں پڑھتا ہے اس کے ساتھ۔؟

میں نے کہا: نہیں صاحب یہ کوئی روحانی عمل نہیں بلکہ مشاہدہ کرنے کی دعا ہے۔

ٹیکیدار صاحب نے زبردستی میری طرف دیکھا اور کہا: ایک کیلا ایک پیالہ دودھ اور یہی کہتے ہیں وہ اس طرح نرسے کے باہر چلے گئے تو کیا اگر یہ غصہ نہ کیا تو کیسے کی جگہ کھل کھل دیں گے۔

۵

میں تو چند ہی دن اس مکان میں رہنے کے بعد اس تجربہ پر پہنچ چکا تھا کہ سوائے اسم کی ناشکر گزاری اور احسان فراموشی کے اور کچھ نہ تھا کہ وہ اس مکان سے عاجز تھا اور دوسرا مکان تلاش کرنا چاہتا تھا حالانکہ اس کو شاید اپنے گھر میں بھی اتنا آرام نصیب نہ ہو سکتا تھا اس گھر میں اس کو حاصل تھا کہ قاتل کو راہ دار کر گیا کسی عمارت کی کوئی میزبان آؤ جگت کر سکتا ہے جو خاطر تواضع اس کی اور اس کے ضیق میں میری ہوا ہی تھی۔ ہم دونوں کے کمرے تو خیر آراستہ کر دیے تھے مگر اب تو کیفیت یہ تھی کہ بلا طلب ہم کو بھلی ہوا کی ہر چیز موجود تھی مگر یہ تو میرا حق تھا۔ بات پر ہوتی کہ میری شیونگ اسٹک ختم ہو چکی تھی اور میں مادہ ہی کر رہا تھا کہ آج دفتر سے واپس آیا تو آؤں گا کہ دیکھتا کیا ہوں کہ میری شیونگ اسٹک موجود ہے۔ بات بغیر ہر کوہم بالشان نہ تھی مگر بعد پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ میں وہ شیونگ اسٹک لیے اسٹک کے کمرے میں جا پہنچا اور اس سے کہا:۔

”یہ شیونگ اسٹک کیا کرنے کا کمری میز پر رکھی ہے؟“

اسلم نے کہا: یہ غالباً میرے نوٹ بک کے ساتھ لائی گئی ہے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ ہم کو اس طرح کیوں زیر بار احسان کیا جا رہا ہے اور ہم کب تک یہ بار اٹھا سکتے ہیں؟

میں نے کہا: یہ بات اس ناگہاری کے ساتھ کہنے کی نہیں ہے بلکہ حسن سلوک کا جواب بھی حسن سلوک ہی سے دینے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے موقع کی تلاش میں رہنا چاہئے۔

اسلم نے کہا: وہ موقع کبھی ہفتہ نہ آنے گا اور اس طرف سے یہ احسانات بھتے ہی دیں گے مگر یہ آخر کیوں ہو رہے ہیں احسانات۔ کیا مطلب ہے اس کا؟

میں نے کہا: بغیر کسی مطلب کے بے ہوش خلوص بھی تو ہو سکتا ہے۔

اسلم نے کہا: خواہ مخواہ کی شرمندگی میں مبتلا کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ میرے پاس اتفاق سے دو مال ختم ہو گئے تھے۔ کچھ چوبی نے کہہ دیا کہ خود میں نے کھوئے۔ ایک دن دفتر جانے کے لیے میں نے اپنا میلاد مال دھو کر سوکھنے کے لیے باہر بیٹھا دیا جس پر فعلی مجھ سے سبزو

”زینا پندہ میں ناگہ کیا کہ کپڑوں کی ملاری میں ایک عدد جنہنے وہاں رکھے ہوئے ہیں۔ آخر۔ زباؤں سے یا نہیں۔
اوسا ہی وقت وہی مانوس لکھتے ہوئی آواز جاہر کے کمرے میں گونجی۔“

”ای جان۔ یہ خبر کرتے کے حاس سے ناگ صاف کر دیا ہے اس سے کھٹے وہ مال رکھا کرے۔“

میں تو پیش تمام اپنی بنی خبر کر سکا کہ اہل کا چہرہ دیکھنے کے قابل تھا جو خستہ تھا اٹھا خستہ پیری بنی پر اس نے جبکہ کرنا۔
وہ کوہس آ رہی ہے اور میرے تن بدن میں ناگ لگ جاتی ہے ان باتوں سے۔“

اسی میں اسلم کو کھانے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ شیکہ دار صاحب ثابت سوا سیدہ تشریف لے گئے۔
مکان : کدھر : اس سے منی کہاں آگ لگ گئی کیسے گئی۔ کس نے لگائی۔“

اسلم اور بھی تنگ کر رہے تھے مگر میں نے شیکہ دار صاحب کو مطلع کر دیا کہ کوئی لگ واک نہیں لگی ہے۔ آپ سمن رہے۔ اور جب
خون نے بجھت شروع کر دی کہ میں نے نہایت وثوق سے سنا ہے کہ آگ لگی ہے تو سحر جو کوئی ہی نہ کہ آگ واقعتاً نہیں بلکہ عود بنا
لی تھی یہ اسلم صاحب ایک صاحب کا ذکر کر رہے تھے کہ ان کی باتوں سے تن بدن میں ناگ۔ لگ جاتی ہے

شیکہ دار صاحب نے امینان سے بیٹھتے ہوئے کہا : وحول وہ قوت۔ وہ بیماری بھی کہ خدا کا خواستہ آتش دہل چو گئی ہے۔ مگر یہ واقعہ
ہے کہ بعض لوگوں کی باتوں سے خواہ غراہ تن بدن میں آگ لگ جایا کرتی ہے شفا آج صبح سے جنس کی والدہ جھ کو جھاری ہیں۔ آپ نے
مرث ایک کیا کھانے کو بتایا تھا وہ پورا درجن صاف کر گئیں۔ ان کا علاج تو صرف یہی ہے کہ کھلی پیس۔ یہ کیا وغیرہ مسحا بیات
ہے اس سے تو جسم اور بھی جھڑے گا۔“

میں نے کہا : جی نہیں یہ نہایت آرمودہ نذر ہے کہ نارٹنر ایک کیا کھا کر ایک پیالی وہ دھپی یہ جلتا رہا پھر جو کہ بڑھت کیا کھا۔
شیکہ دار صاحب نے کہا : مگر بندہ نواز میری بیوی تو نادر شاہ درانی کی ہشیرہ عزیزہ ہیں۔“

اسلم نے حیرت سے پوچھا : نادر شاہ درانی کی ہیں : یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

شیکہ دار صاحب نے کہا : یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جیسے نادر شاہ نے لفظ کا پورا مرتبان شاہی حکیم سے چھین کر صاف کر دیا تھا اور
پھر کہا تھا کہ۔ طوائف خوب است دیگر بیار۔ اسی طرح یہ محترمہ بھی ایک کئے جلنے ایک رجن کیلے کھا گئیں۔

اسلم نے بدستور امید نشان بن کر پوچھا : واقعی۔“

شیکہ دار صاحب نے کہا : ہاں واقعی۔ بلکہ واقعتاً۔“

اسلم پریشان ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ جب ماں کا یہ حال ہے تو صاحبزادی بھی کچھ کم ثابت نہ ہوں گی۔ شیکہ دار صاحب کے پس قفاقی

گھٹائش تھی کہ وہ درجنوں کیلے لکھتے تھے۔ مگر غریب اسلم کیوں کا باغ کیسے خریدتا :۔ یہی سوچ کر اس نے اپنا بوریا بستر باندھا اور ناگ کی سیدہ
میں اشیش کی طرف چل دیا۔

لاحول ولا قوۃ

۱

نواب سکندر بخت کو آپ نہیں جانتے !

لاحول ولا قوۃ ! تو پھر آپ جانتے ہی کیا ہیں۔ لیکن مجھے ان سے یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ اور غریب فسانہ بننے والے ہیں۔ پھر ایسے لوگ کہاں ملیں گے۔ ہمارے عجائب خانوں میں بھی تو یہ انتظام نہیں ہے کہ اس قسم کے نمونے محفوظ کر لیے جائیں۔ ہاں یہ چٹنی ہوئی دہائی ہوئی۔ سر پر یہ عنبریں لہریاں پڑتی ہیں۔ وہی دہائی ابا بیلوں جیسی گھنی کالی جھڑی ہو گئیں۔ ہر چند کہ یہ کالہ گیری خضاب کی ہے مگر کہاں ملتے ہیں ہر ایک کو خضاب کے یہ خانہ دانی سننے کہ اس عمر میں جیسے شباب پھٹا پڑتا ہے۔ جالی دار بنیائیں پر خود بین سے دیکھا جائے تو کڑتہ بھی نظر آ سکتا ہے گھاس طرح کہ جیسے سبزے پر اوس پڑی ہو۔ اس کڑتے کے گریبان پر مٹری پھندے کا ایسا نفیس اور باریک کام ہے کہ جس بخت نے یہ کام بنایا ہو گا، وہ اب آنکھیں داگتا پھر رہا ہو گا۔ اور کڑتے ہی پر کیا مخصوصے جس نے یہ چوڑی دار پاجامہ بنایا ہے اس کے فن کا کیا جواب ہے پنڈیوں پر کسی لہریا تراش ہے اور کس قدر باریک جالی کھولی کر ایسا پشت بٹایا ہے پنڈیوں پر کہ گویا لٹی سے چپکا دیا ہو خام تھے۔ معلوم نہیں نواب صاحب نے اپنے اس مندی کی زندگی کا بیمہ بھی کڑا رکھا ہے یا نہیں ایسے فنکار کے متعلق تو سننا ہے کہ وہ اپنا فن بھی اپنے ساتھ ہی قبر میں لے جاتے ہیں۔ شیطان کے کان برسے اگر کسی کی نظر کھا گئی اس دندنی کو تو کیا کریں گے آخر ہمارے نواب صاحب اور کوئی سی کرھیا کوئے گا ان پیارے کے لیے ایسا انگر کا جیسا امی یہ سی کر لایا ہے جسے پن کر نواب صاحب قدر آدم آئینہ کے سامنے اس طرح اپنا اور اس انگر کے کا جائزہ لے رہے ہیں جیسے کشاکش ناچ کے قلعن جھاؤ بتا رہے ہوں۔ اس پر طرہ ان کے حاضر باشوں کی داد کا شور کہ نواب صاحب نے ایک ہاتھ پھیل کر دوسرا سینہ کی طرف سینٹا ادا کیا شور بلند ہوا کہ : اے سبحان اللہ جواب نہیں ہے حضور عارف داد کیا کہنا ہے معبود استاد انگر کا کیا رسیا ہے بخدا مرقع کھینچ دیا ہے مرقع۔“

ایک صاحب نے الگ سے مصرعہ لگایا : معبود صاحب کا کمال تو ہے ہی مگر اپنی قسم ہے ڈوائی ہے کیا جامہ زیبی پائی ہے میری آنکھوں میں خاک۔“

دوسرے نے کہا یہ تو ہے ہی امی انگر کا جسے پنا دیجئے بخدا معلوم ہو گا ڈھل پر کمال منڈھ دی ہے۔“

تیسرا بولا : ام سارنگی بر غلاف کہہ ا۔“

نہیں دیکھ سکتا ہے بلکہ کراہ کر عرض کیا: حضور! اپنی قوم پر جانے نہ دی تو ہے جو نہیں چہرہ زانی ہے چہرہ زانی نہیں کہنے جو آج
 ۔۔۔ کی دور کے لیے ایک ٹانگہ بھی جو ایک سو سو برس پہلے سے ہے۔ آج آپ آج جانی صاحب ایک گھنٹے کی میں نے صحت کھدیا
 : حضور! میں کی ماں ہوں تو عرض کروں کہ پہلے آپ صاحب رحمت ہمارے کی سی سفوف بند ہوں ہوں ان کی کی جھڑکی بڑی ہولناک ہے
 یہ میرے دیکھنے کے خواب دیکھنے کا۔ حضور! ہزاروں ہزار میں۔ بات کسی ایک میں ہوتی ہے کہ جو آپ پتلی کی دی گوری بڑی کی
 : بڑی ہے جو جیل کا ہمارے کی محمدی قیدیوں پر جاکر:

ذہب مکتبہ رحمت نے جب کہ اس کے ساتھ سنو اس طرح ذہب کو: اپنی بندہ ہوں اور جڑوں خود آپ ہی سے بنائی ہوں۔
 : میرے۔ یہ تو کوئی ایسی بات نہیں۔ گوارا ہوں ہی رہا کہ کھنکھارے سے دے کسی پٹے میں کسی کو کوئی جیب نکال سکتے۔ آپ
 : آپ آج کا ہے اس کام نے کہ ان میں جو ہر آدمی انہوں میں سے ایک ٹانگہ بھی ہوں انہوں سے آپ:

نہیں دے آج جو کر کہ: خدا دانی ہے حضور کی۔ وہی حال کہ خدا کو بتا دیا جہاں جو جی "مکتبہ" اور سوسہ کی جی خوشنویس
 : خواب صاحب نے ایک صاحب بن جب کہ فرما: ان میں صاحب مکتبہ رحمت ان کو سے جاکر صاحب روٹنے اور جو آج
 : جہاں اس سے میں دیکھنے کے زیادہ دے دیکھنے کا اس، غم کے کا انعام:

نہیں دے آج جو کر کہ: خدا دانی ہے حضور کی۔ وہی حال کہ خدا کو بتا دیا جہاں جو جی "مکتبہ" اور سوسہ کی جی خوشنویس
 : خواب صاحب نے ایک صاحب بن جب کہ فرما: ان میں صاحب مکتبہ رحمت ان کو سے جاکر صاحب روٹنے اور جو آج
 : جہاں اس سے میں دیکھنے کے زیادہ دے دیکھنے کا اس، غم کے کا انعام:

نہیں دے آج جو کر کہ: خدا دانی ہے حضور کی۔ وہی حال کہ خدا کو بتا دیا جہاں جو جی "مکتبہ" اور سوسہ کی جی خوشنویس
 : خواب صاحب نے ایک صاحب بن جب کہ فرما: ان میں صاحب مکتبہ رحمت ان کو سے جاکر صاحب روٹنے اور جو آج
 : جہاں اس سے میں دیکھنے کے زیادہ دے دیکھنے کا اس، غم کے کا انعام:

نہیں دے آج جو کر کہ: خدا دانی ہے حضور کی۔ وہی حال کہ خدا کو بتا دیا جہاں جو جی "مکتبہ" اور سوسہ کی جی خوشنویس
 : خواب صاحب نے ایک صاحب بن جب کہ فرما: ان میں صاحب مکتبہ رحمت ان کو سے جاکر صاحب روٹنے اور جو آج
 : جہاں اس سے میں دیکھنے کے زیادہ دے دیکھنے کا اس، غم کے کا انعام:

نہیں دے آج جو کر کہ: خدا دانی ہے حضور کی۔ وہی حال کہ خدا کو بتا دیا جہاں جو جی "مکتبہ" اور سوسہ کی جی خوشنویس
 : خواب صاحب نے ایک صاحب بن جب کہ فرما: ان میں صاحب مکتبہ رحمت ان کو سے جاکر صاحب روٹنے اور جو آج
 : جہاں اس سے میں دیکھنے کے زیادہ دے دیکھنے کا اس، غم کے کا انعام:

نہیں دے آج جو کر کہ: خدا دانی ہے حضور کی۔ وہی حال کہ خدا کو بتا دیا جہاں جو جی "مکتبہ" اور سوسہ کی جی خوشنویس
 : خواب صاحب نے ایک صاحب بن جب کہ فرما: ان میں صاحب مکتبہ رحمت ان کو سے جاکر صاحب روٹنے اور جو آج
 : جہاں اس سے میں دیکھنے کے زیادہ دے دیکھنے کا اس، غم کے کا انعام:

نہیں دے آج جو کر کہ: خدا دانی ہے حضور کی۔ وہی حال کہ خدا کو بتا دیا جہاں جو جی "مکتبہ" اور سوسہ کی جی خوشنویس
 : خواب صاحب نے ایک صاحب بن جب کہ فرما: ان میں صاحب مکتبہ رحمت ان کو سے جاکر صاحب روٹنے اور جو آج
 : جہاں اس سے میں دیکھنے کے زیادہ دے دیکھنے کا اس، غم کے کا انعام:

شبن صاحب نے اُٹھتے ہوئے کہا: کمال ہے خدا! امان سنا، اب صاحب دختر نیک اختر فرمایا ہے فواب صاحب نے آپ کو چلے گا سرکار یہ سنا دیکھنے کہ آپ کو کیسے معلوم ہو کہ ان صاحبزادی کا نام اختر ہے؟
فواب: ہاں، بڑی معصومیت سے کہا: آپ کے سرور کی قسم میں نے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ اس کا نام اختر ہے۔ گھر آپ کو کیسے بتا چکا، اختر نام سے، بس کا۔

ابن صاحب:۔۔۔ بہت اچھا ہے اس خدمت پر نامور کیا ہے تو یہ نہ پوچھنے کہ ہم کیا کیے رکھے ہیں اب تو ہم ہی معلوم کرنے ہیں ان میں اب ہم تو بے صاحب معلوم کر چکے ہیں وہاں بھی کسی کا نام معلوم کرنے کی کھوج جا رہی تھی؟
فواب:۔۔۔ صاحب نے ذرا دیر پہلے ہوئے کہا: میں مری قسم، مگر ان کو اس کا نام معلوم کرنے کی کھوج تھی۔
شبن نے کہا: ہاں۔۔۔ اے۔۔۔ اس سادگی پر کون نہ مر جائے اسے خدا۔۔۔ اسی کا نام جس سے خدا میں پیدا ہوا ہے ہی۔ اب برقی قسم گرائی تھی۔ کیا جو۔۔۔ میں کڑھک گئی تھیں اور چہرہ دزدہ بنا ہی شروع ہو گئی تھی۔ رقعہ کا اریا۔ نقاب چہرے پر آگیا تھا اور دوزخات بامٹ دیا گیا تھا۔

فواب صاحب کے خوش ہو کر کہا: مگر شبن جانی وہ رقعہ کا اریا۔ نقاب بھی کیا فیہ مت خدا۔ شربت دیدار کیا چھان چھان کر چھان جا رہا تھا اور اب رقی جلی چادر سے ماہتاب کیسا نظریہ معلوم ہو رہا تھا۔ ہاں تو یہ معلوم کیسے ہوا کہ میرا نام گویا معلوم کرنے کی فکر تھی۔

ابن نے کہا:۔۔۔ چھوٹی ہیں کہتی ہوں کہ آپ کو تم کھانے سے مطلب پا پیر گئے گا بیڑ کر۔ ان تفصیلات میں آپ نہیں جا رہے ہیں۔ ہم نے نہ جانے کیا کہا حق کئے ہیں۔ حکیم صاحب ہیں تو رٹے حرفوں سے بے ہوش ہوئے مگر ان کو بھی خبر نہیں کہ خود ان ہی کے گھر میں ہمارے بچپانے ہونے گھر کے بھیدی موجود ہیں؟

شبن صاحب نے فکرمند دیا۔ حضور ہم نے تو اب تک آپ کو یہ بھی نہیں بتایا ہے کہ ہم اس سلسلہ میں کتنا پیہ پانی کی طرح بہا چکے ہیں اور اس قسم کے معاملات میں پیہ تو خیر صحت ہوتا ہی ہے مگر ہم سے کیسے کیسے جرات مندانہ قدم اٹھانے ہیں؟
فواب صاحب نے کہا: یہ تو گویا آپ لوگوں نے سراسر مختلف برتے ہیں کہ اخراجات تک مجھ کو نہ بتائے خبر جرات مندانہ قدم تو آپ سے اٹھائے ہوں گے مگر جانی جو کچھ صرف ہو۔ ہاں وہ تو سے لیا ہوتا۔

ابن صاحب نے بڑا مان کر کہا: جواب نہیں شبن بھائی آپ کا بھی۔ منع کر دیا تھا میں نے کہ یہ بات زبان پر نہ لائے گا مگر آپ تو بخدا کئے دھبے پر پانی پھیر دیتے ہیں؟

شبن صاحب نے کہا: آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر میں نے یہ بات اس لیے جان بوجھ کر کہہ دی ہے کہ ابھی تو خیر جا رہا ہے سو پڑے ہی صحت ہوئے ہیں مگر اس معاملہ میں اگر تکلف برتا گیا تو اپنی اتنی حیثیت کہاں ہے کہ بغیر فواب صاحب کو بتائے ہوئے ہم رو پیہ پانی کی طرح بہاتے رہیں گے۔

فواب صاحب نے کہا:۔۔۔ نہیں صاحب یہ غلط ہے اور بخدا اگر اس قسم کا تکلف آپ لوگوں نے کیا تو مجھے سخت تکلیف ہوگی؟
شبن صاحب نے کہا: اب میں آپ سے عرض کر دوں حضور والا کہ بھائی! ابن صاحب نے بھائی صاحب کے زبرد رکھ کر اس روپیہ کا انتظام

مذہبی سرور پہ تو صرف اس عادت کو دیکھتے ہیں مگر صاحب کے پاس مان کر وہی ہے وہ لاکھ ہے، اپنے غلے
 میں جس وقت کسی خوشی اور صوابی کو جو جو حمد ہی کہ آپ کی قسم میں کو تو نہ۔ پور میں ہونا چاہئے تھا
 میں صاحب کی۔ صاحب وہاں یہ اسی عادت کا کرشمہ ہے کہ میں سے وہاں جاتے ہی ان صاحبزادی سے اسے چمک
 رہے ہیں کہ اب وہ چاہے غائب صاحب کی۔ غائب اس سے کہنے لگی ہیں؟

نواب صاحب نے اب ہو کر کہا: بھلا، میں باتیں باگڑ میرے تعلق: میں ہی ہوئی میں وہاں غول تھے
 ذکر میرا ابھی سے بستر کے کہ میں گلی میں سے

ابن صاحب نے کہا: ابھی تو صرف اتنی ہی بات ہوئی ہے کہ، ابھی جب وہاں سے یہ چمک رہا کہ جو میں والی خوشی میں جو غائب
 صاحب کی ہی میں تھے ہیں یہ میں کو ان آخر وہ وہی اس پر۔ ذکر ہو کر، میں عادت سے وہاں یہ تا یہ خانہ میں بیٹھیں وہاں
 دینی سے صاحب صاحب کے یوں ہر دم میں گروہ عروس پر تو ان کے زمین میں سے ہوتا کا خانہ اسے نہ آیا ان کو
 نواب صاحب کے بے خبری سے پوچھا: ابھی میرا یہ کیا؟

ان صاحب نے یہ: حیرت ہوتا ابھی آج ہی کی تو بات ہے اب یہ ہو کر جا رہے ہیں وہ اتنے ہی تو اس سے دیکھ
 صدم ہو گا:

نواب صاحب نے ان دونوں کو روکنا مناسب نہ سمجھا کہ ایک غافل میں دیکھ کر کے نوٹ بد کر کے ہر دوں میں سے کہ
 نہ نے ولس کے لئے اور ان کو نصحت کر دیا۔

۲

بات صرف اتنی ہے کہ جاسم والی کوئی میں نواب سندر بخت کو اتنے، ابھی چند ہی دن ہوئے تھے کہ ایک دن اس کو لیا جاتی
 ہوئی برقعہ پوش لڑکیاں جو اُدھر سے گزریں تو نواب صاحب اپنی لڑکی کا زادیہ درست کرتے ہوئے کوئی کے چمک پر آگئے۔ وہ
 لڑکیاں، پس میں چلیں کرتی ہنسی بولتی جا رہی تھیں۔ کسی کے برقعہ کا نقاب اُٹا ہوا تھا۔ کوئی زیر نقاب نیک مریخ لگا کر اُٹھائی گئی
 میں مصروف تھی کوئی کسی ہم چولی پر آواز سے کس رہی تھی کہ ان حضرت کو اس طرح کہا جانے والی نفوس سے گھورتا ہوا کچھ کسب الیوم
 سبیل نہیں مگر خدا بچے ناہیدہ سے ایک ہی جلد ہے وہ تو اس نے اختر کو شولا سے کر کہا:-

”بھلا بھان تو سی تاش کا کو فسا پتھ ہے یہ“

اختر نے بے ساختہ نواب صاحب کو دیکھا اور برقعہ کا باریک نقاب چہرے پر ڈال کر دینر نقاب اٹھ لیا پس یہ ادا تھی جو
 نواب صاحب کو ختم کر گئی۔ ان کے حروف کے بنے ہوئے صاحب ایک ہی نظر میں جانپ گئے کہ معاملہ کیا ہے اور پھر جو ان صاحبوں
 نے اس قدر اسی بات کا تکرار بنایا ہے تو نواب صاحب نے واقعی انتقال فرماتا شروع کر دیا۔ نواب صاحب حد نظر تک ان لڑکیوں کو گھورتے
 رہے اور جب وہ لگا ہوں سے اوجھل ہو گئیں تو ایک آہ بھر کر جیسے ہی پٹھے میں شبن صاحب نے نہایت خوبی سے شعر پڑھا:

ہمارے واسطے بھرت بن کے پڑی ہے
 وہی ننگہ جوان کو گئی مٹی پہننا سنے
 اور ان صاحبے اور بھی قیامت ہر ایک کی کہنے لگے۔ جی ہاں مگر میں نے تو اس وقت یہ عالم دیکھا ہے کہ وہ
 زور لگے وہ ننگا کر رہے بجاتے ہوئے
 ہم انتہا میں تھے کوئی ہم کو پہچانے
 آخر وہ صاحبے تڑپ کر کہا۔ کاش یہ تیر چلانے کے بجائے آپ لوگوں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہوتی کہ وہ ہے کون
 اور کہاں ہوتی ہے یہیں کھڑے ہوئے مشاعرہ کر رہے ہیں آپ لوگ۔
 ابن صاحبے کہا۔ حضور والا ہم اپنے فرض سے غافل نہیں ہیں۔ لڑن صاحب کو پیسے ہی روانہ کر چکے ہیں کہ وہ جا کر دیکھیں کہ یہ
 لڑکیاں کہاں جاتی ہیں خصوصاً وہ لڑکی جو تبسم کی بھیلیاں گرا کر گئی ہے اور پٹ پٹ کر اپنے بیل کی تڑپ دیکھتی گئی ہے۔
 ناب صاحبے کہا۔ بھڑا۔ ع۔ تارنے والے قیامت کی نفر رکھتے ہیں۔ خوب سمجھے آپ کہ کچھ کو دراصل اسی کی کھڑا
 ہے کہ آخر وہ ہے کون۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ پٹ پٹ کر کیوں دیکھتی گئی ہے دُور تک۔
 شبن صاحبے کہا۔ اب یہ تو آپ جانیں کہ آپ کی نگاہوں نے اس سے کیا کہہ دیا ہے مگر اتنا ہم نے بھی سن رکھا ہے نہ یہ ہر
 دو طرفہ ہی چلتے ہیں۔

ابن صاحبے کہا۔ ابھی صاف کہیں نہیں کہتے آپ کہ۔ ع۔
 تانہ سوز و شمع کے پروانہ شیدا می شود
 لڑن صاحب کو آتا ہوا دیکھ کر شبن صاحبے جلدی سے پوچھا۔ کیوں جینی کیا پتہ چلا۔
 لڑن صاحبے قریب آکر کہا۔ کچھ لڑکیاں تو مڑ گئیں چاہے خانہ کی گلی میں گم ہو وہ لڑکی آگے بڑھتی چلی گئی اور میں نے اسی کا
 پیچھا کیا آخر پتہ چلا کہ وہ حکیم احسان علی کے گھر میں گئی ہے غالباً حکیم صاحب ہی کی لڑکی ہے۔
 شبن نے کہا۔ ظاہر ہے دوٹے دروہل دینے والی کسی حکیم ہی کی لڑکی ہو سکتی ہے۔ مگر تم اسی کو کہہ رہے ہو تا وہ جو دُور
 تک مڑ کر ادھر ہی دیکھتی گئی ہے۔
 لڑن صاحبے کہا۔ جی ہاں وہی۔ اس بے چاری کو تو باقی سب لڑکیوں نے آگے بڑھ کر گھیر لیا تھا اور غالباً سب اسی کا
 مذاق اڑا رہی تھیں۔

ناب صاحبے دیافت کیا۔ یہ حکیم احسان علی کون صاحب ہیں۔
 ابن صاحبے کہا۔ یہاں سے قریب ہی رہتے ہیں اور طبابت کرتے ہیں مگر مرضی درمیں تو میں نے کبھی دیکھے نہیں کوئی ان کے
 مطلب میں مبتلا بیٹھتے ضرور ہیں نہایت باقا عدل سے حقہ و قدر لگا کر۔ اور اگر کسی کوئی بھولا بھلا مریض آنکے تو اس کو دعا بھی خود ہی دیتا
 دیتے ہیں اپنے دعا خانہ سے جو اسی مطلب کی چند طاووس پر مشتمل ہے جن پر کچھ ڈبے اور کچھ شیشیاں رکھی رہتی ہیں۔
 شبن صاحبے کہا۔ تو یہ ہے آپ سے بھی اتنی تفصیل کون پوچھ رہا ہے آپ سے، بس یہ کہہ دینا کافی ہے کہ

ابن صاحب نے حضرت عائشہؓ سے کہا: آپ کا قطع کلام ہوتا ہے۔ میں آپ لوگوں کو یورپ اور امریکہ تک کی مثالیں دے سکتا ہوں کہ وہاں بھی آج کل کی لڑکیاں ان فحش مزاج حضرات کے بھانے ان لوگوں کو زیادہ پسند کرتی ہیں جن کے بال سفید یا مشرق ہو گئے ہوں اور جو بڑے بننے کے متون میں مبتلا نہ ہوں بلکہ صحیح معنوں میں بیکاری ثابت ہو سکیں۔

نواب صاحب نے عیسیٰؑ پر ہر گناہ مانتا تو آپ کچھ خدا گنتی کہ ہے ہیں تو گویا آپ کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ عیسیٰؑ کی تعظیم حاصل کر رہی ہے اور تعظیم اس کی عقل پر بھی بدو کر دی ہے لہذا وہ جانتی ہے کہ اس کی پرستش آج کل کے یہ فحش مزاج کے اتنی نہیں کر سکتے جتنی میری عمر کے لوگ کر سکتے ہیں۔

ابن صاحب نے کہا: جی اور کیا۔ اب میں آپ سے عرض کروں کہ اپنی عمر کے متعلق جی آپ کو کچھ غلط فہمی ہے۔ عمر دراصل ۱۰۰ سال کے اعداد و شمار کا نام نہیں ہے بلکہ ہر نام ہے دوسرے کا۔ اگر آپ کی عمر صیحا کہ آپ کچھ رہے ہیں واقعی زیادہ ہوتی تو آپ میں اس طرح کے لیے کوئی کشمکش باقی نہ ہوتی۔ آپ کا دل اس کی طرف کیوں کھینچا اس لیے کہ آپ کا دلورہ ابھی جوان ہے؟

نواب صاحب نے بعد خوش ہو کر کہا: یعنی ابن صاحب میں تو قائل ہوں بھلا آپ کی ذہانت اور دھماکی کا۔ اس کے علاوہ چونکہ مطالعہ مشائخ و متین ہے لہذا آپ سے بات کر کے بہت کچھ حاصل ہو جاتا ہے جو خوش چیزیں کو۔

ابن صاحب نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا: استغفر اللہ! مدد کر دی بھلا آپ نے جی میں آپ خوش چین ہیں۔ حضور یہ جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ ان ہی قدموں کا فیض ہے۔

نواب صاحب نے یہ ذکر کر لیا کرتے ہوئے کہا: حقہ تقریر کہ اب آپ حضرات سے کیا چوری۔ میں آپ سے صحیح عرض کرتا ہوں کہ جب سے میں نے اس کو دیکھا ہے مجھے یہ عیسیٰؑ بدو رہا ہے کہ میری روح جس کے لیے بٹک رہی تھی وہ سونے اس طرح کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اب آپ حضرات مجھ کو یہ مشورہ دیں کہ اس کو حاصل کیسے کیا جائے؟

شہنشاہ صاحب نے جو گویا اس سوال کے جواب کے لیے پہلے سے تیار تھے کہ: اس میں متوہسے کی کیا بات۔ باقاعدہ نسبت بھی دینا چاہئے حکیم صاحب کے پاس۔ ظاہر ہے کہ حکیم صاحب کی اس سے زیادہ خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کو ایسا عالی مرتبت و مامور مل جائے؟ ابن صاحب نے کہا: جی نہیں یہ غلط ہے۔ نسبت ہیچنے سے کام نہ چلے گا بلکہ ہم خود سے کہ جائیں گے نسبت تاکہ ان کو توفیق سے صبر کچھ سمجھ سکیں اور ان پر واضح کر سکیں کہ ان کی قیمت کا ستارہ واقعی کس قدر بلند ہو چکا ہے۔

نواب صاحب نے تائید کی۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ آپ حضرات خود نسبت لے کر جائیں۔ مگر نسبت لے جانے سے پہلے کسی طرح اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ خود ان صاحبزادی کو بھی یہ نسبت منظور ہے یا نہیں تو بڑی اچھی بات ہوتی۔

ابن صاحب نے کہا: آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی میں دراصل پہلے ہی سراسر غلط گواہوں کا۔ بہر حال اب آپ سے کوئی مطلب نہیں ہم لوگ انشاء اللہ سب کچھ کر دیں گے۔ اب آپ ہم کو اجازت دیں۔ انشاء اللہ کل مٹھائی کھائیں گے کوئی خوش خبری سنا کر؟

اور اس قرارداد کے بعد وہ سب کچھ ہوا تھا جس کا پہلے باب میں ذکر آچکا ہے کہ حکیم صاحب کے یہاں ایک ملاک کوئی گئی اور یہ گر گئے نواب صاحب کی نسبت بھی لے گئے۔

R

[illegible]

آخر نے اپنے ہمتے تاہید کی حرف اشارہ کو تے ہوتے کہا : ان ہی سے پوچھو۔

۱۰ جلد کے ایک آہ سردی کر رہا ہے کہ نہ پوچھو آج کا عالم۔ دیب کا رفیع آندو میں :

سکھنے والے کہا: غلط۔ مسرت نذیر فلم کے والے۔

سہ پہلے والی بچا کر گماتہ ہاں ہاں سچا دیکھی ہی فوٹی تھی اور ویسی ہی صدری :-

اُترنے کہا۔ اور آج آپ کا غلام سہمی بجائے کی کوشش میں نقل و حرکت کس احتیاط سے ٹھیک کرتا جا رہا تھا۔

”نا تب نے کہا۔ ”بھئی میں تو یہ کہتی ہوں کہ اب اس عشق کے بعد اس نے کو کچھ صیاب کرنا چاہئے ہم دونوں کو بھی۔“

اخترنے کہا۔ "نہیں بھی خدا کے لیے ایسا غضب بھی نہ کرنا بلکہ تم سے بس ہی ڈرنا ہے۔"

امید نے اور لڑکیوں کو متوجہ کرتے ہوئے کہا: گواہ رہنا تم سب۔ پھر کہتی ہے کہ میں اس دلچسپ نرے کی طرف ہی کیوں کروں گی۔

بہر فدا رہی نہیں تو اور کیا ہے؟

اختارنے ڈانٹا، واماں خراب ہے تیرا تو۔ میرا مطلب یہ کہ اس کو منہ لگانے سے کیا فائدہ نہ جانے وہ اور کیا رنگ لائے؟

ناہید نے کہا: " تو میں کچھ اور رھتوڑی کرنا چاہتی ہوں میں ذرا ٹھکانا شہر میں کر دوں گی دادا میاں کہہ کر:

زرتینہ نے کہا: جی ہاں ایسے بے جاؤں پران باتوں کا اثر نہیں ہوتا۔

سلی بولی: ”دوسرے یہ کہ داد میاں کتنا ہی ہے تو تم کیوں کہو یہ کہیں اختر:۔“

اختر نے برامان کر کہا: ”لو اور سوچو مجھ سے کیا مطلب اس دنگے ہوئے پیارے؟“

ناہیدہ نے طنز سے کہا: ”جی، بجا ارشاد۔ میں پوچھ سکتی ہوں کہ اور کس سے مطلب ہے۔ دیکھو جی خود سے متوسل ہو کر خود کو معذرتا جان کو فیصلہ کرنا۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ پہلے تو کئی دن ہم کو پتہ ہی نہ چلا کہ ان مرحوم و مغرور کا خون ہم میں سے کس کے صحن پہ ہے بلکہ ہم اپنی عقل دہری سے ہی سمجھتے رہے کہ یہ ایک نیلا میٹا ہے جو جی بولی بولی کر چھوڑا ہے اُس کا پسہ مگر ایک دن یہ ہو گئیں جیاد اس دن یہ راز کھلا کہ وہ اس وہ قبلہ و کعبہ کا گم صرف ان ہی کے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو خود سے دیکھا اور اس کے بعد حمایت ایسا ہو کر دھڑ گئے گھر کے اندر ورنہ بہ حضرت بیلا کوٹنے والے حد نظر تک گھورا کرتے ہیں کھڑے ہونے بلکہ خود اپنے دروازے ہی پر کھڑے ہوتے ہیں اور دیکھتے اُن کے ہمارے قریب ہوتے ہیں۔ اچھا صاحب اس دن تو یہ ہوا دوسرے صحن جب یہ جی ہمارے ساتھ تھیں ہاں کہ دیکھ کر اُس کی نگاہوں نے اسی طرح دُم چاٹنا شروع کر دی ہے جیسے کتا کسی اجتماع میں ناگ کو پہچان کر دُم چاٹنا شروع کر دیتا ہے اس دن یہ صحرانے جیسے جی مسکرائے جی۔ لالہ رحال سے رُخ روشن کو جی صاف کیا اور جب ہم قریب سے گزرے تو کچھ گنگنا جی دھڑکنے لگا۔“

زیرینہ نے کہا: ”نہیں خیر یہ تو طے ہے کہ سوائے ان کے کسی سے کوئی مطلب نہیں؟“

اختر نے کہا: ”تم سب رشک کمر ہی ہو میری قسمت پر حسد کی آگ میں جلی جا رہی ہو؟“

ناہیدہ نے کہا: ”لو بھلا حسد نہ کریں گے، ہم کس کو قتا ہے اس قدر کہ نہ مشق عاشق جانا باز؟“

سلی نے کہا: ”کیونکہ بزرگوں میں بس اب یہی مدظلہ العالی رہ گئے ہیں؟“

ناہیدہ نے بڑی بڑھڑکیوں کی طرح کہا: ”بوا بزرگوں کا سایہ بڑا قیمتی ہے؟“

اختر نے کہا: ”سچی بات یہ ہے کہ اس کھونٹ پر غصہ کیا جائے یا ہنسا جائے؟“

زیرینہ نے کہا: ”میرا خیال تو یہ ہے کہ اس کی ذرا حوصلہ افزائی کی جائے اس کی نگاہوں کی رسید دی جائے؟“

اختر نے کہا: ”یعنی وہ جو ہمارے یہاں نئی ماما آئی ہوئی ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ ان بڑے میاں کا نام نواب سکندر بخت ہے؟“

ناہیدہ نے کہا: ”حالا کہہ سکتی ہو کہ میں بھی جانتی ہوں کہ نام نامی ہو گا نواب چندر بخت؟“

زیرینہ نے کہا: ”نواب کم بخت ٹیک ہے؟“

اختر نے کہا: ”اس ماما سے معلوم ہوا ہے کہ نواب صاحب کے ایک صاحبزادے بھی ہیں جن کو ولایت بھیج رکھا ہے اور اب یہاں

یہ بڑے میاں عیش و عشرت میں دو دنوں انھوں سے خوب دولت بٹا رہے ہیں۔ دن رات مصاحبوں کا مجمع رہتا ہے اور رنگ لیلیاں دیتی

ہیں۔ یہ لہا پلے ان ہی کے گھر میں طرز مقلد؟“

زیرینہ نے کہا: ”بس تو اسی کے ذریعہ کسی دن ان بڑے میاں کو نہایت سعادت مندی سے غلط لکھ کر بھیجو کہ قبلہ و کعبہ کیوں ہوت

آئی ہے آپ کی؟“

اختر نے انھیں ٹھٹھا کر کہا: ”لو اور سناؤ اب یہ خط بھی لکھوائے گی خط لکھے ہماری جوتی؟“

مواکارٹون ہے۔ یہ بات ہنسی کی ہے یا اس طرح بُرا ماننے کی؟
 ناہید نے کہا: ذرا اس برہمی کی سنجیدگی تو دیکھے کوئی میرے نو دیبہ و گمان میں بھی نہ تھا کہ تم اس لحاظ پر ابھی
 مان سکتی ہو۔

اختر نے اُسی پیوے سو بے انداز سے کہا: آپ تو خداں ہو گئے مگر اللہ جانے کون مصلحتاً اس کو کیا سمجھتا ہے؟
 اُدھر عینہ صاحب نے بھی دلکیوں کی ساری گفتگو سُر لی تھی۔ وہ بھی پہنچے کہ کسی طرح جنیں ذواب ملنے دے بخت مل
 جائیں تاکہ ان کے دماغ کا علاج کر دیا جائے۔ مگر فواید سب بدلتے نہ آئے۔ اس سے جیکو صاحب لا حوالہ پڑھنے کے سوا اُمی
 کیا کتے تھے۔

خالد حسینی

[illegible]

میرا اور خالد حیدر کا رشتہ اتنی دھکا ضرور تھا کہ میں براہ راست ان کا بیٹا نہ تھا لیکن ان کی محنتی بن کا سگنا تو تھا ہی اور میری حیثیت ان تمام بنائستی بھائیوں میں سے قطعاً مختلف تھی جو "بان نہ پہاں بڑی خالہ سلام" کے مصداق نہ جانے کہاں کہاں سے بچے پڑے تھے اور اپنے ساتھ ہم کھانے کے رشتہ داروں کی بھی مٹی پیدا کر اے جو نئے تھے کہ خالد کی حیدر یوں پر ہم کو دیکھ کر بھی وہی بل پڑ جاتے تھے جو ان سب کو دیکھ کر پڑتے تھے مگر مجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کجعت اشتقاق نے ان پر کیا جلاوہ کر رکھا تھا کہ اگر ان کی جبین کی شکلیں ہمارا مدنی تھیں تو صرف اسی کو دیکھ کر یہ حضرت خالد حیدر کی ایک لایسی بن کے فرزندانہ عند تھے جن کو وہ آج تک کہہ نہ پائی تھیں کہ ان کی یہ بیماری بن کلا تھیں

مگر یہ عزیرانہ جان بھانجے خالہ کے مزاج میں ایسے دخیل ہو گئے تھے کہ ان کے مقابلہ میں کسی کی داں نہ لگتی تھی اور اگر کچھ لپچھنے والا ہی اور خالہ کے معین الدہام کی حیثیت حاصل ملتی، ان ہی کے ہاتھ میں سارا انتقام تھا۔ وہی سب سے بڑے بی خواہ کچھ سمجھتے تھے۔ وہی لگتا تھا بڑے ایماندار تھے۔ ان ہی کی بانوں پر خالہ کو بے ساختہ ہسی آتی تھی، ان ہی سے خالہ چندہ بتاتی تھی کہ منہ بات کرتی تھیں، ان ہی سے دوسروں کی شکایاں کرتی تھیں اور ان ہی سے دوسروں کی شکایتیں سنتی تھیں۔ لیکن کسی کی یہ مجال نہ تھی۔ والد سے اشتقاق کی کوئی شاہد نہ ملے۔ سس سلسلہ میں خود میں نے ایک مرتبہ خالہ کی ایسی ناراضگی خریدی تھی کہ مینوں وہ لہ لہ کر دو کچھ فرسہ جھرتی رہیں مذا میں سے تو جب سے کان پکڑ رکھے کہ اب کبھی جو اشتقاق کے بارے میں خالہ سے کچھ کہوں، مزا جے بہ کد۔ جھڑپ ہے کہ اشتقاق سے باس وہ کون کون تو سمجھتا ہے جس نے خالہ کو رام کر رکھا ہے۔

یہ تو خیر ہم کو معلوم تھا کہ خالہ کی سب سے تیز و رکزوری ان کی خوت مد پسندی ہے جن پر ہم نے ساری باتیں جھنجھوٹ کے اسرے شکرجہ میں دوباروں کی کوئی کمی نہ تھی۔ ایک سے ایک خوشامدی ان کی خدمت میں حاضر رہتا تھا، اشتقاق کی بات ہی کچھ دور تھی

(انعام)

سرنج کی ایک جھلک

بہفت روزہ

مزاہبہ شری و یوان غائب

دو دن میں ہم مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کی مزاہبہ شری و یوان غائب اور مزاہبہ شری و یوان غائب کے بارے میں غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے لکھ رہے ہیں۔
مزاہبہ شری و یوان غائب کے بارے میں غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے لکھ رہے ہیں۔

ایسا چہ

منظور ہے گذشتہ سحر اور وقتوں
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہ تھی نہیں
آلودہ ہوں اور مرا نہ تھی صبح کی
میں شری و یوان غائب کچھ یوں نہیں
غائب۔ اور غائب کو ہر شے کا خیال
میرا مزاج آپ ہے جامِ جہاں نما
میں اور شری و یوان غائب کے مدعا
یوں ہی سا کہ مذاق تھا جو شری و یوان غائب
اس میں جو آپڑی ہو سخن گزشتہ بات
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو درسیا
حرکت تو یہ بڑی ہے پر نیت بڑی نہیں
صاف تو ہیں ذہن تو ہے شری و یوان غائب

اپنا بیان حسن صیغت نہیں ہے
کچھ شری و یوان غائب کے مدعا
غائب سے کہا کسی سے مدعا نہیں ہے
منازاتہ کا رتبہ نہ تھی نہیں ہے
یہ تاب یہ جمال یہ طاق نہیں ہے
سرگند اور گواہ کی حاجت نہیں ہے
جز انبٹ خاں حضرت نہیں ہے
دیکھا کہ چارہ غیر طباعت نہیں ہے
مقصود اس سے ترک محبت نہیں ہے
سودا نہیں جنہیں نہیں حشر نہیں ہے
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں ہے
کچھ تو ہیں گو کہ یہ غلط نہیں ہے

(۱)

شوق مرید کے قسب سرور سامان نکلا تھیں تصویر کے پر وہ جس بھی عروبان نکلا
نہ کئی تیر پہ تصویریں فروخت ہونا جرم ہے بلکہ مرزا قاسم نے قسب مجنوں کی کوئی نگلی تصویر نہ دیکھو تہ درندہ
کیرے کتے کہ عیس نے جو تصویر بچھاؤی زود بھی نگلی آئی نکلا ہے کہ عشق و انصاف سرور ملاؤ لاؤ نہیں تہ چنانچہ اس سے مجنوں کی نگلی بھی
تہ دیکھی گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ تصویریں شوقی بھی قاب ہو کر رہی۔

زخم نے داد نہ دی تنگے ونگی یاد ب تیر بھی سچینہ سہل تہ پرافشان نکلا
یاد ب "اس میں مخلص جس تہ وہ نہ شہزادے تہ مذہب جن کے براہ راست رخصت کا ہر جائے پہنچے تہ صراط کا مطلب یہ
ہو سکتا ہے کہ با آئندہ یہاں جو بے نگینوں کے ہر دور و زمانے کی صورت اختیار نہیں کی لیکن دور سے سمجھنے سے طلب کچھ اور
ہی ہو جاتا ہے جو غائب ہے کہ میرے زخم نے میرے دل کی نگلی کا دوسرا ہی نہ اسی چھوٹی سی کوٹھڑی میں میں نے زخم کا لہر طاق
پالا اور پھر ایک تیر جو شاہ تجوہ ٹھونس لیا جو پھر پھڑا ہوا اس طرح نکلا کہ یاد میں بہت زیادہ جگہ تھی۔

بوستے گل نالہ دل و دودھ چراغ عقل جو نری بزم تہ نکلا سو پریشان نکلا
یہ شعر در ص صیحت تہ بھی دیکھو نے مشرق صاحب تھاری منت بدنامی جو رہی ہے اپنی صلاح کہ دور نہ ہم نہیں
جانتے کہ دنیا بھر میں تھاری رسوائی پر مٹی جیڑا غصب خدا کا کہ تھاری عقل سے جو نکلتا ہے سخت پریشان اور شاکی نکلتا ہے
بوسے گل بچاوری نگلی تو سخت پریشان شانہ دل غریب نکلا زود ہر پریشان پھر چراغ عقل کا دھواں پریشان ہو کر نکلا، غصہ
یہ بات کیا ہے کہ۔ م

جو نری بزم تہ نکلا سو پریشان نکلا

دل حسرت زدہ تھا مادہ لذت درد کام یادوں کا بغیر لب و دندان نکلا
اگر پہلے مصرع کے معنی نہ کہے جائیں تو دوسرے کے صرف یہ ہوتے ہیں کہ یادوں سے صرف یہ ہو سکا کہ ہونٹ چڑھا کر اور
دانت نکال کر رہ گئے لیکن جو کہ پہلے مصرع سے سلسلہ قرابت ملا تا ہے لہذا مکمل شعر کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ شہید حسرت دل کو پیچھے رکھ
ہر مختلف اقسام کے درد کا دوسرا خوان تھا تا کہ احباب حاضر غم تناول فرما کر بندہ کو رہن منت کریں لیکن افسوس ہے کہ دوستوں
نے پیٹ بھر کر ہیرا غم نہیں کھایا اور تکلف سے کام لیا۔

اے نو آموز فنا ہمت دشوار پسند سخت مشکل ہے کہ یکام بھی آسان نکلا

اے دہی کے چراغ کے مولوں کا یہ حال تھا کہ جو مشکل سے مشکل کام دیکھتے فوراً انجام دے دیتے تھے اور ناطقہ بند کر دیتا
تھا بالکل یہی مرزا کی ہمت دشوار پسند کا تھا کہ مشکل سے مشکل کام کو آسان کر کے پھر ایک دشواری پیدا کر دیتی تھی پہلے تک
کہ مرنے کو محبت زیادہ مشکل سمجھا تھا لیکن تو نے اس کو بھی یاد کئے ہوئے آموختہ کی طرح آسان بنا دیا اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کونسا
مشکل کام تیر سے بے تحاشہ کیا جلتے۔ ہم مرزا کی جگہ پر ہونے تو اپنی ہمت دشوار پسند کو بھی کا دودھ یاد دلا دیتے مثلاً یہی کام کہنے
کو کہتے کہ آئی گئی گئی یعنی مرنے کے بعد زندگی عطا کرنا اور زندگی کے بعد ولادت ہو یہ نہیں نہ ولادت ہوئی زندہ ہے اور مر گئے۔

دل بہا پھر کرینے اک شہر اٹھایا فاقبت آہ جو تھوہ نہ نکلا تھا سہو طواف نکلا
 ہر جزئی کے ماہر سہی مر جزوں سے کہہ کر خانہ ساز جزوں تک سب اس سے دھب ہوں نے اور ان حصرت کو بھی
 مرد پر گامی کے بھی چوڑا نکل چکا ہے۔ اگر تیر میں بھی کہہ دے وہی مرد کا رہ جاتا ہے اور نہ خانہ نہ نہ جاتا ہے تو ہی
 جب تھوہ پھر پھر اسی کہ خوداد ہو جاتا ہے اسی سے مرزا صاحب پر یہ جادو نہ کرے کہ ایک نہ تھوہ تھوہ تھوہ تھوہ تھوہ تھوہ
 لکھی میں رہ گیا چنانچہ وہ طوطی بن کر نمودار ہوا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ تھوہ کا مرد جو با تھوہ کا تھوہ ان سب کا نکل ہی
 مل جاتا ہے ہوتا ہے۔ نہ چور نہ جانے کا وہی قیوہ ہوتا ہے جو اس شعر میں ساں لکھا ہے۔

(۲)

دھمکی سے مر گیا جو نہ باب نہرو تھا عشق نہرویشہ طلب لکھم دھما
 ایک درہنہ کا ذکر ہے کہ ایک در صاحب کو قلعہ میں لڑکی کی سو بھی چنانچہ پہنچے آپ اندر اچھے کے چس اس نے
 آپ کی بھادوی اور فرخی اہلیت کا امتحان اس طرح لیا کہ رچا اور لارہ بھی کی اس میں رکھ کر بیسی دیا وہی ٹوٹی ٹوٹ کھٹکتا
 ہوتا نکل گئی اور لارہ صاحب اٹھنے کھڑے ہے۔ لارہ علی اس بھادوی سے بہت خوش ہوا اور ملا وہ پہلا تھوہ تھوہ کے
 جس درہنہ اور بھی بیٹھے کہ اس کا کوٹ بوا اور جو ریا اور کی گولی سے خراب ہوا ہے در صاحب دریا کہ حضور تھوہ کا ام؟
 کہا۔ وہ کہوں؟ کہنے لگے۔ حضور وہ بھی خراب ہو گیا ہے ہی حضور اس شعر میں ادا کیا ہے کہ عشق کی جنگم کی کہے پھوہ
 کے دام ہائے جانوں یا گولی کی آواز ہی کر رہ جانے والے بڑوں کی ضرورت نہیں ہے اس کہے نہ سب پر عشق کی گولی سے لگنے
 بھی ان کی ضرورت ہوتی ہے۔

تھا زندگی میں موت کا کھٹکا لگے ہوا اڑنے سے پیشتر ہی مرانگ زرد تھا
 اگر کھٹکے کے معنی قتل والے کھٹکے کہے جائیں تو پہلے مصوح کے معنی یہ ہوں گے کہ زندگی کے قتل میں موت کا کھٹکا لگا ہوا
 تھا لیکن دوسرے مصوح میں یہ معنوں ادا نہیں کیا گیا۔ ملک موت کے پاس اس قتل کی کبھی حق بلکہ ایک بالکل بے جوڑ مصوح کہہ دیا
 ہے۔ یعنی م۔

اڑنے سے پیشتر ہی مرانگ زرد تھا

اب بعد ان مصوحوں کو ملا کہ یہ مطلب بیان کیا جائے گا۔ مرنے کے بعد تو خیر رنگ کا زرد ہونا ایک معقول سی بات ہے لیکن یہاں نہ
 حال یہ ہے کہ زندگی میں ہی موت کے ڈر کے لئے آپ کی وفات سے رنگ زرد ہی تھا اور مرنے کے بعد وہی رنگ ہے یعنی چارہ موت
 اور زندگی یا اعتبار رنگ یکساں ہیں۔ مرزا غالب کا یہ شعراں اشعار میں ہے جو مرزا کو کبھی مرنے نہ دیں گے اور ہائے ایسے بیگم
 شوکت تھوہ شریعہ کہتے رہیں گے۔

تا بیعت شہزادے وفا کر رہا تھا میں مجموعہ خیال اجمعی فرد فرود تھا
 بچے کے پیر پلٹے میں نظر آجاتے ہیں ابھی کچھ تاکہ مرزا صاحب اپنے ہمیں کا ذکر فرماتے ہیں کہ جب مجموعہ خیال فرد فرود تھا
 یعنی کس بات کا کوئی ٹھیک ٹھور نہ تھا اسی وقت آپ کا یہ عالم تھا کہ طریق وفا اسی وقت سے یاد کر رہے تھے اور وفا کے نئے جو

کرنے کا ایک کر جب جوش و خفا۔

دل آجگر کہ ساحل دریائے حوں اب اس دہکدہ میں جلوں گل آگے گر دتھا
 ہستیوں سے سے کر جگر ملک بر قطعہ امانی اب ساحل دریائے حوں بنا دیا گیت ہے جب ساحل نہ بنا تھا وہاں ہانگے
 ہوسٹے تھے اور بے : ، نے کہ گلوں کی رنگینی کے قدم جلوں اس کے آگے کوڑی کے تھے لیکن اب وہی جگر ساحل کا کام ہے
 وہی ہے اور ساحل ہی درمائے حوں کا ساحل ، اس دریائے حوں کو وہاں کے نقشہ میں تلاش نہ کئے یہ صرف ساحلوں کے ٹپکس
 میں مل سکتا ہے۔

جانی ہے کوئی کنکشن اندوہ غسٹوں کی دل بھی اگر یہ تو وہی دل کا درد تھا
 بیضیوں میں عجیب وہ جب قسم کا رفاہ عام کلب ہے خدا جھوٹ نہ بلائے تو سیکڑوں شعرا سی مضموں کے ہم نے خود شے
 جی اور سنے کیا ہیں ایک شعر تو خود کہا بھی ہے ملاحظہ فرمائیے :
 نگر کے مٹنے اک پرتو محاذ رہے
 بلائے دن نہ ہے درد نگذار ہے
 مولانا آسی مدنی مدظلہ کا شعر ہے :

وہو نہ کھو چارہ گر و واقعات سے
 بہو ہیں رز نہیں ہے نہ کہا درو بھی نہیں
 حضرت حکم مراد آبادی کا مطلع ملاحظہ فرماتے

ابن ہاں جیوت ادائے شکر کے قابل ہے
 درو بخشات اگر تونے بھٹے دن بھٹے

بہر حال ان تمام اشعار اور مرزا غالب کے شعر کے یہی معنی ہیں کہ وہی کے مرجانے کے بعد اس کا جوت دروین کر سینہ میں رو جانا
 حباب چارہ سازی وحشت کر سکے نہ ندان میں بھی خیال بیا باں کو رو دتھا
 واقعی وحشت کا یہی ایک علاج تھا جو مرزا کے وسوں نے کہا کہ بڑے بڑے لکڑی سیر کر دی اس لیے اس زمانہ میں اگر
 یاد میں کوئی انتظام نہ تھا لیکن تخیلات پر ان کا کب میں تھا اور اس کا کیا علاج تھا جو یہ حضرت ندان میں بیٹھے جیسے خاک
 چھلنے اور جھل جھل بھرنے کے خیالات میں کھوئے بہتے ہیں۔

یہ لاش بے کفن آسہ خستہ جاں کی ہے حق مغفرت کرے عجب آزا و مر دتھا

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ مشیت ایزدی میں کیا چارہ ہے خدا پسندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور دم جو کم جو اور
 رحمت میں جگہ ملے مگر تعجب تو یہ ہے کہ یہ شعر مرنے کے بعد کا ہے لیکن اس سے شے نہیں یہ شلوں کا طبقہ ہمیشہ مرنے کے
 بعد بھی شعر کہتا رہتا ہے چنانچہ ہمارے آستا حضرت ناطق مدظلہ بالائے مدظلہ کا شعر ہے :
 لڑکے کہتے ہیں کہ ناطق بیٹھا بیٹھا چل بسا بلے کیا بخت کو رکھی ہوئی سی آگئی

بہارِ سحر کا نئی مدد کا ہے ۔

حدائقِ وحشتِ حجازی میں ماہِ باقی میں
نہ سبید خانوں کا ترسیا سناں
ہر باب نے ہی اپنے اقل پر دل کا مہر نو، ہی پیش کیا ہے رشتہ سے بدوں کو اور اس سرِ حجاب
ہر محرابِ آقا سے تھے جوینے کے بعد ہی کس کا ہوش نہیں جیسے وہ ناظر ہوئی تھی ہر جگہ سے ۔
شاہِ نازک نے تہہ بہ تہہ جو ہر بل کی
دل میں نہ بڑی ہوئی گرا، دل سے

قلبی تسویر، پنڈت میں سرین مالوی اور ستانوی

آپ ماہِ چند نے عمر میں صاحبزادوں میں سے ایک ہیں ہندو سرینوی، ستانوی اور محدث سے وابستہ ہیں مگر
ان کے اندر لیب کے لئے ہیں یہاں سے اور مدد دووں کا سنبھالے، لکھا جائے ہیں یعنی ایک بہت سی کتب ہیں ہندو، اور مدد
اور وہ اس طرح آپ اپنی زندگی جو کر رہے ہیں ہندو میں بہت مدد ہے اور وہ ہیں اور ستانوی میں کتب اور مدد جانی بہت
مدت کے جاتے ہیں ہر حال یہ تو سب ہی تہہ بہ تہہ دستانی نہیں مدد سے ہندو میں ہیں
بہ ہندوستانی ہیں ۔

ہر میں چنا اور خطرناک قسم کے رسمی ہیں ہندو ایک کڑا جوئے کہتے تھے اور جہاز کے غصہ پر ہی آپ کی سربلی کا طہرہ
ان کا تھا اور جن میں بھی یہ اصحاب جاری تھے لیکن وہ جو اس کے غصہ نہ نہت سے آپ کا وہ رنگوں جو کہ تھا نہ نہت کے
کے لئے آپ نے حرم کی نہ نہت جاری تھی۔ تاریخ ہندو میں ایک حرف تو۔ شدت پسندی بہ دوسری طرف کا مدد جوئی
ہر میں تحریک ناک ہیں وہ کہتے ہوئے ہے اور گاندھی جی سے نہ نہت جو کہتے نہ نہت کو اس وقت ماہ کو ماہیت ہر میں
سے جہان تک نہ نہت ہندو اور قومی جاتی چارہ کا تعلق ہے وہاں تک تو جمیت ہے لیکن۔ تو آپ رونی جی کے اس سب
میں ناک ہیں اس کے ناک ہیں کہ ہر جنوں سے معاف با مصافحہ خیر کی بے تعلق شروع کر دی تھے۔ اس بے کہ اس سے نہ
۔ رام رام رام نام نہ فاضلہ شروع ہو جاتا ہے اور کھڑکی ضرورت محسوس ہوتی ہے لہذا آپ نہیں جانتے کہ گوبرہ گھوٹن
سے پاک بنائے ہوئے، حرم کو اچھو توں کی وجہ سے ٹٹ کر ہر اور چوں سے جاتی چارہ کے مجھ ہی جائیں ۔

آپ دیسے بہت زیادہ قابل بہت زیادہ سمجھا اور بہت زیادہ دیکھے آدمی ہیں البتہ بس ہی وقیان بہت اور مدد

شدت پسندی نہ ہوتی تو کیا کہنا تھا۔

سفید رنگیں ہیں سفید لباس پہنتے ہیں اور ہر سے ہر تک کا آدمی ہونے کے باوجود سفید نام بہت ہیں تقریباً جو کہتے
ہیں مگر جیل والے نکلتے بچا پاکر تقریباً ماشاء اللہ ابھی ہے ہندو نو بہت سی کے آپ ہر اس مسعود ہیں ہر اس کے ہنسنے والے
ہیں لہذا پنڈت جی ہر اس بھی کہلاتے ہیں۔ جہاں تک خود ہماری ذات کا تعلق ہے ہم پنڈت جی کے اس جوت چھات کو بھی اچھا

مجھے ہیں اور راسخ العقداوی کی بھی قدر کرتے ہیں بشر جبکہ وہ وسیع انظار اور روشن خیال وغیرہ ہونے کا دھوئے نہ کریں۔

نئی روشنی کے میاں بیوی

از جناب محوی مکنوی

ایک شوہر نے یہ بیوی سے کہا ڈر کر
پوڈر اور سینٹ سے چھڑو بھی محبت کرنا
اپنی زلفوں کو مری جان کٹ یا نہ کرو
ہے غلبہ آمدنی خرچ بڑھایا نہ کرو
صورت اپنی کس و نا کس کو دکھایا نہ کرو
ماخذ خیروں سے سدا بزم طلائع نہ کرو
سیر کرنے میں تنہا کبھی جا یا نہ کرو
خبریں اغوا کی بہت آتی ہیں اجالوں میں

بھر کے غصہ میں مٹی کہنے وہ بنت تہذیب
خرچ بڑھاتا ہو۔ اگر کھانے پہننے سے
کد یا ہے نہیں بس باقی بنایا نہ کرو
بھیجو دیکھئے شب و روز جلا یا نہ کرو
تم سینما کی طرف بھول گئے جا یا نہ کرو
وہ لڑھی دو بچوں کا مگر تم بھی صفا یا نہ کرو
اپنی عادت میں تبدیلی جو منظور نہیں
میسے لہوں میں بھی چھڑا ناگ پھنسا یا نہ کرو

تم ہو ہر جاتی تو اپنا بھی یہی طور سہی
تم نہیں اودھی اور نہیں اور سہی

قالب اور وہمی

دمنہ جہ ذیل غزل میں ہر شعر کا ایک مصرع مرزا قالب کا ہے اور ایک مصرع حضرت دہسی دا فوری کا ہے لہذا
یہ غزل دونوں کی مشترکہ بھیجی جائے گی۔ ایڈیٹر

یہ نہ تھی ہماری قسمت جو وصال یا نہ ہوتا
تجھے ہم ازل سے جھوٹا مری جاں جانتے تھے
شب و صبح ابھی جاتی تو ہمیں بخار ہوتا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر استہار ہوتا
نری تازگی سے جاننا کہ بندھا تھا عہد لہذا
یہ غزل تو اس لیے ہے کہ جگہ کے اس طرف ہے
یہ جلس کہاں سے ہوتی جو جگہ کے پار ہوتا

یہ کہاں کی مدتی چکے بنیں ہمارے
 یہی موات و قہوت بھی کہ وہاں چلوں یہ برونہ
 ہیشہ جو بھل ہے یہی غم کی شکل پانا
 اگر آگنی حق شامت تو نہات کسے طق
 ہنگر مثال کچنر کہیں شوب و س حلتے
 وہ وہ ہمارا اس لیے ہے کہ دولی کی نہیں ہے
 اوساگر ہاتھ ناسک تو وہ تھا نہ وہ ہیا
 لکھے یا بڑا تھا نا اگر ایک بار ہوتا
 جسے وہ سمجھتے ہو وہ اگر شہر ہوتا
 غم عشق شکر یہ ہوا منہ دور گار ہیا
 نہ کہیں جانا نہ لکھنا نہ کہیں نہ اڑنا
 جو دولی کی تو جی ہوتی تو کہیں دو جا رہا ہوا

یہ مساقی نصرت بہ ترا بیان عاص

لکھے ہم وہی کچھ جو نہ بادہ خواہ ہوتا

ہماری شرارتیں

حاجہ رزاق احمد بک جھٹا

جہو نا وقت کٹے کسے وہاں بنے جہاں بے شمار سائبروں کا عروج و زوال یعنی یہی نمایاں شمع کے نور کے فتنے
 نام سائیکس بیکار کر دیں اس سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ سنا یہ خالی یا کہ ایک سہم نہ چاہئے وٹاں کہیں نے مبدو سے ہوا
 جی اگر گزرا تھا اور نہ کے وہ ڈر کر تھا کہ کھلاڑیوں کو داس کر دینے تھے بہتے جی ایک سرب یہ قدرت احمدی وہاں سے پہنچے
 پسٹی ہی کی نوک اس میں تہجد کی مشک سے وہ رنگ لگے ہوں گے کہ وہ سزاوت ہاں جو عروج و زوال ہے مانگنا جس کا جی ہونے
 وہی شکر کا چلے چھٹی ہوئی اب فٹ بال ہی نہ بلکہ کڑی ہو گیا کر ساتھ ہی ہاں اور شہر سا کی گورہم نے بہتر بھی کہ
 وہاں سے کھسک آئیں مجھ وہ ہم وہ ہم ہو گیا اور اس لطف تو جب آ یا جب سے سب بیٹوں نے جی بیٹوں پر چڑھ کر
 فوراً اترنے پر مجبور ہوئے اب ہم پر بڑے مہذب ہیں سے گزرا کہ اس کے دوسرے چاکم پر چڑھنے تو دیکھا کہ ایک آدمی کیرٹ
 کی دکان قفلے ہوئے ہے اس دکان کی اس نے چادریں نان کر کپڑے کی دیواریں اور کپڑے کی چھت بانی تھی ہم اس کی پشت پر
 ہو کر گھٹنے کر ہم کو ایک چھوٹا سا خیلہ آخر پڑا جس پر وہ کپڑے گھر سے لاکر دیا تھا ہم نے فوراً قبضہ کر دیا کہ زور سے
 وہ ڈاکر وہاں کی پشت میں اس زور سے دیا کہ وہ کپڑے کی دیوار پھاڑا ہوا دکان کے اندر اس طرح گھس گیا کہ ساری دکان
 بگڑ گئی اندر سے وہ آدمیوں کے چہنچہ کی آواز آئی مگر ہم بھاگ گئے اب مٹھائی کی ٹھری ہم رو پیسے کے مٹھائی لینے ایک ساتھی
 کے ساتھ گئے اور باقی کر دیں چھوڑا ہر دکان پر ہر قسم کی مٹھائی چکی اور وہ بھی اس طرح کہ آخر کو انھوں نے چکھنے سے انکار
 کر دیا ہم نے بگال مٹھائی پسند کی حالانکہ ہمارے ساتھ شیریں برہمن تھے مگر وہاں ہم دونوں کو بھیگنا تھا اور کہا اگلے گھرے ہو
 ہم کو بتا معلوم ہوا اس نے میرے مٹھائی ہماری فرمائش سے تولی اور ہمارے ہاتھ میں بیٹھے کے ہم سے کہنے لگا ہاتھ پھیلاؤ ہم نے
 ہاتھ پھیلا دیئے اس نے فوراً ہی سے دونوں مٹھائی کا ہاتھ ہاتھ پر چھوڑا ہم نے فوراً ہاتھ ڈھیلے کر بیٹھے اور دونوں مٹھائی کا بیجو
 گرا ہم گریج کر دکاندار پر برس پڑے اور ادھر وہ دکان سے آ کر پڑا کہ میں اپنے پائے دامے لوں گا پورا فتنہ کھڑا ہو گیا مگر ہم

نے دام نہ دنا تھے نہ دانتے دوسری جگہ سے مٹھائی خریدی اور کھا کر پان والے کی دکان پر پہنچے یہ پان کی دکان بھی دیکھنے کے لائق تھی، پان والا صدر دروازہ کے بائیں جانب فدا آور تو بچائی پر ایک بازار باہر کر دیکھا تھا اور مکان کو ایسا سمجھا جاتا کہ لوگ اس دکان پر فوٹے بڑھتے تھے، ان دنوں صاحب ایسے آپ کو نہ معلوم کیسے کہتے تھے، دکان پر بیسوں رنگ رنگ کی بوتلیں اور جھات کا سامان پٹنا ہوا بڑی اونچائی تک سلا گیا تھا اور کپڑے کی جھٹ گئی تھی جس میں منہ طیس اور ٹپھے آویزاں تھے ہر سی تصویریں جہاں طرف لگی تھیں، انہوں میں نواٹن صاحب کے ایک بھی تھی جو وہ ہر اس ایسے فوٹے کے رسید کرنے تھے جو ان کے پان کے کھجے کے پاس آتا تھا ہم کو بہت بڑا معلوم ہوا، پہلے ان سے کہا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ صاحب یہ انوکھا کھانا جس پر کہ چان ڈکا ہوا ہے ان میں بیسوں رکھا ہوا ہے اور کچھ ٹوڈے ہیں کہ کہیں شمس لگ کر ساری دکان ہی وٹا نہ آ پڑے۔ ہم سے کہا کہ یہ فوٹے پر گڑا ہوا ہے بھلا کیسے گرسے گا تو انہوں نے فرمایا کہ صاحب یہ یوں ہی رکھا ہے اور پھر طریقہ یہ کہ چان کے پٹے میں بندھا جائی نہیں ہے اس وجہ سے کچھ کو بہت اندیشہ ہے۔ اس پان کھانے پر ہم نے جو دوستوں سے صلاح لی کہ بھی لاؤ اور اپنے اپنے اس پان والے کی دکان کیوں نہ گرائی جائے تو اس پہ ہلکے کسی ساتھی نے حامی نہ بھری، دکان کیا بھی پورا انگریز تھا۔ جہاں پر لوجہ سامان آرہا تھا وہاں کی جگہ بھی اور زمین یہاں ایسا تھا کہ کچھ اجاڑا فطعی تھا مگر ہم نے کہا کہ خواہ کچھ بھی جو ہم یہ کلام ضرور کریں گے ہمارے ساتھیوں نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر سے ہم نے جاننے کی راہ وغیرہ خوب خور سے بکھری اور گھوم پھر کر اس جگہ پہنچے جہاں احاطہ کی چھوٹی سی کچی دیوار تھی یہ جگہ ایک سی تھی اور یہاں لوگ پھاڑا کر آتے تھے ہم نے ساتھیوں کے ساتھ وہاں گھنٹہ میری اور چھپنے کا کام کی طرف متوجہ ہوئے، کچھ مٹے، بکھرتے وٹاں کے پاس اگر ہم نے بہت کر کے ٹھیک کے دباؤ میں کھینچے سے لگ کر جو ڈنڈے کو گھسیٹا تو ایک شور بے منگاہ برپا ہوا اور دکان میں چھٹ و سامان بھاٹ اور پان والے اور بوتلوں کے آن پڑی، کچھ اور چرنے کی کلبیاں سب ایک ہو گئیں اور غضب یہ ہوا کہ وہ برتن بھی گرا جس میں کہ پان والا پیسے رکھتا جا رہا تھا پیسے جو بچ میں گرسے لوگوں نے دست اندازی کرنا شروع کی ہم کو اس میں موقع فرار ملا گیا اور اس شور و غل میں ہم مع ساتھیوں کے دوبارہ چھانڈو رنگی میں کود کر اس برقی طرح بھاگے کہ نہ معلوم کہاں آگئے تھے ہم تو سخت اندیشہ کھینچے جانے لگا تھا کہ کونکر دلدل پر جو کالاشیل تھا اس نے ہم کو شہادت کرتے ہوئے شاید دیکھ لیا تھا اور ہم عجب نہیں پکڑے جاتے اگر کہیں دکان نہ کھنسنے لگی ہوتی۔

رات کافی آگئی تھی اور ہم نہ معلوم کہاں تھے جہاں نسبتاً سناٹا تھا جگہ جگہ لوگ شرک کے کندھے جا رہا بیٹوں پر سو رہے تھے ایک لالہ رنگے بدن پٹنگ پرٹن ایک موڑ پر اس طرح تو نہ پھیلنے لیسے ہوئے تھے کہ ہم کو مجبوراً اپنا سرگشتہ جو قریب الختم تھا ان کے پیٹ پر رکھ دینا پڑا، وہ ایسے ٹپ کر پیٹ پٹتے ہوئے آئے کہ ہم کو تلف ہی لگایا اور ہم بھاگ کر دوسری جگہ پہنچے کچھ آگے پہنچ کر ہم نے ایک چار پائی میں سونے والے کے کوئی اور گھر داپس پہنچے سے پہلے پہلے ہم نے ایک برتن بدن سونے والے کے پیٹ پر سرگٹ جلتا ہوا رکھ کر بہترین تماشا دیکھا۔

رات گئے گھر واپس آئے مگر چونکہ صبح ہم کچھ سے اجازت لینے نہ آئے اس لیے دوسرے روز صبح بھی جرم یہاں سے

میں ہر کھیر کا شائبہ ہے اس کی ہار میں ہیں وہی کاٹھنا، چھلہ، سدا لک اور نیم کو چھوڑا آپے پھوٹ وہ سب سے
 ہوا، شاد، افسوس و بچہ ہم ہیں اور وہی دنیا، ان تیار توں کا میل کہتے ہیں اور کہتے ہیں
 مرنے ہم نہ کھت کروا
 اور یہ میں آؤں سے مار کے

فصل

بغداد، صوفی نامی

سینچ جسم، ہمیں ابھی ابھی موت ہم بھی نہ ہوئے، یاد تھا کہ موت سے چھوڑا، اب موت آئی ہے کہ یہ ایک
 دن پھلا، ہماری کچھ میں تو ہمیں آئی تھیں وہ دفعہ ہے جوئی، اب شائبہ موت شاکت حاروی کاٹھنا، وہ...
 اب نہ ہے اب کسی مصرعہ حمد، یہ نہیں توں خدا کی حمد ہیں، وہ ٹوٹ ہی رہے، وہ توئی تھڑی نہیں ہے، سو تیار
 ہے، نعرہ و اور نعرہ رستا ہے جا کر جس جہر میں جس حریت جانی جسے کی کسی طاق کے تو ہی زبات ہوں، محسوسات ملک
 اب، انکسائت طبعی کے، انکسائت میں اس میں جس ک شہر برتر نہیں، ہر کے منہوں، حسب اور نعرہ ہمیں سعادت طاق میں
 سے نوات سے چاہا جاتا ہے، اس میں جس ک شہر برتر نہیں، ہر کے منہوں، حسب اور نعرہ ہمیں سعادت طاق میں
 ہی حیرت میں نہیں ہے کہ کوئی چھی جس اس کا نام خدا، اس کے بے، انکس بیکار، زبات جوئی کی جی ہے، انکس شائبہ
 انکس، بدستیاں، لاہ و اہی، انکس بیکار، زبات جوئی کی جی ہے، انکس شائبہ

خبر فوج، ہمیں ابھی ابھی موت ہم بھی نہ ہوئے، یاد تھا کہ موت سے چھوڑا، اب موت آئی ہے کہ یہ ایک
 دن پھلا، ہماری کچھ میں تو ہمیں آئی تھیں وہ دفعہ ہے جوئی، اب شائبہ موت شاکت حاروی کاٹھنا، وہ...
 اب نہ ہے اب کسی مصرعہ حمد، یہ نہیں توں خدا کی حمد ہیں، وہ ٹوٹ ہی رہے، وہ توئی تھڑی نہیں ہے، سو تیار
 ہے، نعرہ و اور نعرہ رستا ہے جا کر جس جہر میں جس حریت جانی جسے کی کسی طاق کے تو ہی زبات ہوں، محسوسات ملک
 اب، انکسائت طبعی کے، انکسائت میں اس میں جس ک شہر برتر نہیں، ہر کے منہوں، حسب اور نعرہ ہمیں سعادت طاق میں
 سے نوات سے چاہا جاتا ہے، اس میں جس ک شہر برتر نہیں، ہر کے منہوں، حسب اور نعرہ ہمیں سعادت طاق میں
 ہی حیرت میں نہیں ہے کہ کوئی چھی جس اس کا نام خدا، اس کے بے، انکس بیکار، زبات جوئی کی جی ہے، انکس شائبہ
 انکس، بدستیاں، لاہ و اہی، انکس بیکار، زبات جوئی کی جی ہے، انکس شائبہ

پستہ تی اور کاہی سی چھا جاتی ہے، چھر آپ ہی بنا ہے کہ شینج جی جوان کب مجھے؟
 غدر سے دونوں تک تو خیر کوئی خاص بات نظر نہ آئی، ہم کے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور آجے شیخاں کو رنگ ہلو کر
 تاکہ کدوئی کہ اگر بچہ کی زندگی اور تندستی کا کچھ بھی خیال ہے تو ایک مٹر کے برابر فیوں دیا کہ وہ راوی کا یہی بیوی ہے پیکو
 غالباً مرسوں کہا ہو گا، ایفونی کو در قین چیزوں سے عشق ہوتا ہے لیکن ساتھ کی چیزوں سے عداوت بھی جو جاتی ہے شہ ہے
 کہ اگر کسی ایفونی کو سانپ کاٹ لے تو سانپ خود ہی آتا لٹھہر جاتا ہے اس کہ وہ جو کچھ بھی ہو لیکن ہمارا تو یہ خیال ہے کہ
 ایسا نہ نہانے کی وجہ سے ہوتا ہے جسم بد میں کے ساتھ ہی ساتھ نہ ہر پٹ جڑیم جی جیتے چلے جاتے ہیں ہم لوگ غلطی کرتے ہیں
 اکثر غفلت کر کے آئینہ دھو دیتے ہیں ایک ایفونی اس کا خاص خیال رکھتا ہے اس کے جسم پر کبھی پانی نہیں پڑنے پاتا، جس طرح
 عام طہ پر لوگوں کو چھتو کے ڈنک سے تکلیف ہوتی ہے اسی طرح ایفونی کو پانی سے ایذا پہنچتی ہے۔

شیخ جی نے نہانا بالکل ترک کر دیا بیوی نے بہت بھڑکھایا لیکن ان کے فلسفہ کے آگے کسی طرح بس نہ چلا، ہرگز نہ بغیر دس وندر دس کے ایک بہترین عالم ہوتا ہے اُس کے پاس بھڑکنے، مار پیٹنے، افسانوں کا لگا رہنا، غرائف ہونا ہے، ہر چیز وہ دے نہ دے کر دیکھتا ہے سیاست، حاضرہ پر اُس کی رائے اُس کے فلسفہ (جواب میں بڑی وقعت رکھتی ہے) یہی حال حکیم کا تھا۔ انھوں نے شیخ جی کو ہمیشہ بھڑایا کہ نہانا بالکل جائز نہیں کیونکہ قرآن کا حکم اس کے خلاف ہے۔ بیوی نے سر پشید اور بوجھا "تو کہ جو لوگ نہلتے ہیں وہ قرآن شریف کے خلاف عمل کرتے ہیں"۔ "مرا مرزا جیمس ایفوں کی گولی کو چائے کی پیالی میں گھونٹے ہوئے کہ پھر ہر آٹھا کر بونے" آخر قرآن میں یہ تو کھلے کہ سراف پہا جا کر ہمیں پھر گھر میں نہاتوں تو یہاں بہت خرچ ہوتا جبکہ نہلتے کی کوئی ضرورت نہیں تو کیا یہ اسراف ہے؟ بھلا ہر گاہ اب بروٹہ؟

بیوی کی کھوکھ کے ماہر تھا کہ اسی تحقیقات کا جواب دیں انھوں نے ملے کے طور پر کہا: "اے تو کبھی کبھی تو نہالیا کہ نسبت اسراف نہ ہو گا؟"

کیا کہا؟ کبھی کبھی؟ اے جی جی بھول گئیں ابھی جس سال ماجرو پیدا ہوئی ہے اُسی سال عید میں تو میں تب نہالیا تھا، ابھی وہ ہی لگتے ہوئے "ماجرو قریب ہی کھڑی ہوئی تھی" اُس نے کہا "ابا میری عمر کیا دس برس سے کم ہے؟"

"ہاں تو دس برس تو دیکھنے گزرتے ہیں دیکھو جس طرح امریکہ لڑائی میں مار کر کمزور ہو گیا تھا اُسی حال میں پڑا ہوا ہے دس کے بادشاہ اُسی طرح حکومت کر رہے ہیں ایک تنکا بھی تو اپنی جگہ سے نہیں ہلا اور تم لوگوں کے نزدیک بڑا زمانہ ہو گیا۔"

(۲)

جاڑے کا موسم تھا، حکیم نے کسی خیالی سے اپنے کپڑے اتار کر دھوپ میں ڈال دیئے تھے اور خود بھی دیں دھوپ میں بیٹھ کر سجے کی رسم ادا کر رہے تھے، بدن کی رنگت تبدیل ہو چکی تھی کیونکہ حلد بدن پر ایک تہہ گر و دھبہ لگی جی ہوئی تھی، کھانا سامنے لایا گیا اور شیخ جی نے کھانا کھا یا ایک چلو پانی سے آخر منہ بھی دھویا اور برتن بھی قریب قریب صاف کر دیا۔ بیوی کو ان کی حالت پر ترس آگیا اُس نے نہایت منت و ساجت سے کہا "دیکھو کل جمعہ ہے یہی پانی گرم کر دو لگی نہاؤ اقا"۔ شیخ جی نے غصہ سے آنکھ اٹھا کر دیکھی جیسے کسی دشمن کو گھور رہے تھے "کیا چاہتی ہو کہ مر جاؤں؟" شیخ جی حیرت سے ان کا منہ دیکھ رہی تھیں کہ انھوں نے اپنا سوال پھر دہرایا۔ بیوی نے دبی زبان سے پوچھا کہ "آخر مطلب کیا ہے؟"

خالہ کی لڈو

ڈاکٹر سید نام و ضوی الماٹری ہتھاپادی

جہاں تک ہم نے اندازہ لگایا ہے خالہ کسی وقت بھی ان مرغیات "اور بکریات" وغیرہ کے موافق نہیں تھے مگر صرف خالہ کی ہمنوائی میں تائید کر دیا کرتے تھے خیالی اور زبانی تائید ہوتی تو ہم سمجھتے کہ خیر: لیکن خالہ جانی عیلا مؤید بن جایا کرتے تھے ہم نے خود اکثر دیکھا کہ خالہ جان کی عدم موجودگی میں ان کی مرغیوں کے چارہ پانی کی فکر کیا کرتے تھے۔ کوئی تین چار برس ہوئے ہوں گے جب جاڑوں میں خالہ نے حسب معمول لوگوں سے حمد اندوس "کی فرمائش کی اور اللہ میاں کی عنایت سے کامیاب بھی ہو گئیں یعنی کوئی دو تین درجن اندوس مل گئے اور کڑک مرغیوں کی تلاش ہونے لگی جہاں اندوس مل گئے تھے مرغیوں کا مل جانا بھی کوئی

میں خود ہی وہ زکیمہ فرخیں بھی جنہیں ہوا خواہ یہ سوائے سکرو کی سوا کوئی چیز ہی نہیں تھا نہ قبلہ
پر بہت بڑے چھائی میں گہروں کی طرح حرکت کرتے تھے۔ اور ان کے اڑنے میں جڑواں دلیہ و مٹھنہ کی
نیراں دلیہ۔

مگر چھ مہلات میں ایک جہد سادھ لیا۔ یہ مہم آگے بڑھا۔ اور نہ ایک روز سو برس سے پہلے وہ جہد بڑھی ہوئی تھی۔
 وہ روز میں ہمارے چچ پر بھی یہی ضرور کر کے اس اور علی بدلتی اس غار میں جا کر خالی دیو جوانی و ماٹرنٹھے تھے۔ لیکن
 آج کے کے جہد بھی کو دیکھنے ضرور چاہا۔ اس سے جے جاتا تھا روزانہ و باجیٹا تھا جس کو آج جہد کے بعد فہرست ہو کر
 یہ صرشت روزانہ فہرست سادھ لیا۔ باجیٹا حانیہ مد غار میں جس کو مالی نہ جانے سے میرے دل میں شک پیدا ہو گیا۔
 جیسوی۔ یکسوں دن اندون میں بند۔ پیدا ہوئی۔ بعضوں میں قد سکورت سے بچہ ہو کر آجے نکلا۔
 یہاں ہی میں دو نہیں مارا تھا جا کر مہا۔ کہیں کوئی برتن تو نہیں، اور خوراک سے انتظار میں جیسویں دو رہی۔ اسے بعد
 نا نا زانو تہ اندھ سے برآمد ہوا آخر حیرت کوئی اور رستہ کا قلعہ مانند ہو گیا۔ شخص کے دل میں جو سی فانیٹ برونٹ
 نہ۔ پھر ہو گیا اور ظاہر ہے کہ طرح میں کا بہت سخی کر بیٹا ہوا ہے چہ اگر سمجھ نہ سادھ مالی پیدا ہوا تو یہ بجائے۔ غارت نے
 اٹھا۔ اس کے دو نا سنگر کر کے لا مشکل گت کی نذر دلائی ایک آدھ سے صد نہ دلا اور بکیر دھان پتے سے اس کے کھیروں
 میں مسم کر دیتے چھٹی کی جی سکیم ہائی گئی تھی جس کی چار صاحب کو تو نہ تھی بلکہ غار حویلی میں اور اس کی جگہ میں سب کو
 حار جان حنر کر کے جس نفا جو کر میں تحریر کی مختلف بن گئیں اور سکیم میں ہو گئی۔ خالو نے دیر بچی نام رکھا لیکن خالو نے
 مارا شگی کی وجہ سے ان کے نام کو رائج نہ ہونے دیا۔ وہ خود اپنے رکے ہوئے نام "لاڈو حاتم" پر متبکہ کر دیا اور یہی نام
 محبت اور پیار میں میری لاڈو سے میری لفظ "س" گیا۔

اس غیر خاندان تھنے پر خالہ کے بعد اگر کسی شخص کو محبت تھی تو وہ میاں بیچو تھے جو اکثر وہاں پلاٹ جے آنے لک لوندیاں بنا کر دے کہ کھلایا کرتے تھے۔ مثل ہے جس لاکھائیں گے اسی لاکھائیں گے۔ لکڑو نا سمجھ سی مگر اس مثل کو ضرور سمجھتی تھی ادھی دھب تھی کہ اُسے بھی فطرتاً انھیں دو آدمیوں یعنی خالہ اور میاں بیچو سے محبت ہونی چاہیے تھی۔ جب خالو کا تہادہ لکھو ہر گیا ادھی کئی مینے ٹال مشول کے بعد خالہ میں اپنے "کورٹ آف وارڈس" کے لکھو گئیں تو میاں بیچو ادھی مرغی خانہ یعنی پولیٹری فارم میں بھی ساتھ خواریل کے کرایہ لاکو کوئی غم نہ تھا اگرچہ ایک ایک مرغی لاکڑا۔

ایک آدمی کا دنا مارچ ہوا مگر سب کچھ برداشت ہے صرف "لڈو" کھائیے۔
 "لڈو" اگرچہ حیران کن مگر اس میں خالص شاسی کا بہت مادہ تھا اور جس وقت خالص چھایاں کرنے کے لیے انہی میں
 سروتا لیتیں گی۔ "لڈو" بھی ایک زافرواب کر جائیٹھیں اور کھٹکی باندھے جیسے پیار و محبت سے خالص کے اس مشغلہ کو
 دیکھا کرتی تھی خالص جب طلب کے لیے پان لاکھ زافرواب کر مٹھ میں رکھ لیتیں تو "لڈو" کا فرض تھا کہ وہ بھی بچے جیسے کھوشے

کوہ کی موجودگی پر سنہ ورنہ توں کرے گا۔ لہذا آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایک مرغی کو صوبہ کے پانوں سے کیا نفع۔
یہ نہ ہرگز آنکھوں کا دکھانا واقعہ ہے اور میں بھی تحریر کرنے کے قابل ہوں نہ مجھے بھی اکثر لڈو کے ساتھ ناشہ۔
اتفاق ہوا ہے آپ کو نہ ستر تعجب ہو گا کہ ڈاکٹر ناہ اور ایک مرغی کی پرچیس لیکن کوئی جو آپ کی بات نہیں سمجھے جب ہم
لوگ ناشہ سے پیٹے تو خالہ "لڈو" کو چھوڑ کر آواز دینے اور وہ لڈو لٹی ہوئی آں کہ خالہ کی پہلو فیشیں ہی جاتی
خالہ جب بیانی میں پیاو انڈیٹین اور پیرچ میں خالہ کو کہیں تو بی لڈو ہلے چکھ لڈو کہیں اور بعد میں کچھ مرغی لڈو لڈو
ٹوسٹ کے بچے کچھ کھڑے بھی توں فرما تیں اور سب معمول پان۔

اسی طرح جب ماس بھوکھانا پچائے کے یہ باورچی خانے جانے لڈو بھی پہنچ جائیں اور یہ کچھ کوشش کے لڈو
وغیرہ کھانا کوئی گیارہ بجے تک یہ پروگرام رہتا اور لڈو کا بی دوہہ میں بی لڈو خالہ دلے چنگ پر آرام فرما تیں
لڈو کے زمانہ قیام میں چند نیوٹے خالہ کی پولٹری فارم کے دشمن ہو گئے تھے اور انھوں نے لڈو کے دو چار خالہ
بہنوں پر ہاتھ بھی عات کر دیا تھا مگر لڈو کو بچانا منظور تھا۔ لڈو "ان مودیوں کے ہاتھ سے بال بال محفوظ رہیں مگر میں
بچھو کی دوا ندریشی نے اس کا بھی خدشہ تھا یا یعنی بیچو نے رفتہ رفتہ سات نبولوں کا کام تمام کر کے تمام گھر کو منطقی کر دیا
کہ اب "لڈو" کا خدا سہا ہے" فی "کا خدشہ نہ کبھی خالہ کو ہوا تھا نہ ہونا چاہیے کہ لڈو "بھئی" اس کے دفعیہ کے لیے
موجود۔

مراجعت وطن پر جب خالہ کا پولٹری فارم بھی آگیا تو خالہ نے کچھ اور مرغیوں کا بھی اضافہ کر دیا اور پہلے سے کہیں
زیادہ دیکھیوں کا اضافہ ہو گیا۔ "لڈو" کے نازیم اور چاہ و پیار میں دن دو فی رات چو گئی ترقی ہی ہوتی تھی اور پروگرام
میں کچھ فرق نہ آیا وہی بیل و نہاد ہے۔ لڈو کے اندر سے بھی بھائے گئے اور بچے بھی نکلے مگر سے

حسرت ان فنجوں یہ ہے جو بچ کھلے مر جائے
اور حکم خدا سے کوئی پتہ زندہ نہ رہا خالہ کو بھی کچھ شک سا ہو گیا تھا اس لیے انھوں نے "لڈو" کے اندر سے بھائی بھی
بند کر دیئے۔ ————— ۹ —————
(۱۹۳۳ء)

طوفان

ڈونے کے واسطے ہدف ہے۔ لہذا اس طرف

مذہب و مہمانی کا جو اندیشہ اس مس خوب کی ادب خوشگو زنجیر کے جو اپنی سرفروزی و فانی میں اپنی بیدار آنکھوں سے
میکر بہ بدولت و مہمانی اور اجازت و فیس کا ہر شے یہ قیاس اور محبت خوشگو مستقبل کے بارے میں جو کہ یہ مشغولت و دوس
جوانی سے میٹھ جائے اور شیرینی قیاس آج کی ہر ہی سہ اور وہ خوشگو مستقبل آج کے لیے بیش گاہے آج کے لیے دھ
ی بڑی ہی تھک ہے اور میرے دماغ میں میرے ہی خیالات میں آج کل ایک کامی کوئی نہ کر سکیں کہ وہ اپنی بے خبری و ترس میں
وہ زکا فخر کے ساتھ صدر پر وہ ان کے تھے جو بے سہلیک کی جانب سے اس کے لیے جو کوئی غیر راستہ سے اس کی اپنی سہائی و فانی سے
وہ اپنی بے خبری و سال اپنے قہر سے وہ دوسروں کے خیالات کی ترسائی میں بسر کرتے۔ یہ مجھ کو غیرت و فانی میں کہہ دوں اس کا ترس سے مجھ کو
وہ اس قسم کی فحش تجارت میں کہیں جو باقائیداد ہو اور اصل تو نہیں جہ جہ و زوہ ہے اور میرا اور یہ ہے کہ وہ اس کو باطلی مشغول کرے
وہ اپنے راہ و راہ کے اس پر سچوں اور عمر کو چلاؤں اس میں شک نہیں کہ وہ اس کا مشاغلہ طریقہ اخلاقی اور اعتباری حیثیت
سے خواہ بہ کیا ہی مناسب کہیں نہ ہو کہ حقیقت اس میں اور بھی دوسری دوسری حیثیت و اعتباری اس کی تسکین اخلاقی و جہاد میں
کوئی فرق نہیں۔ نقد و نیا نام ہے اعتبارات کے ایک وسیع و عام کا اور میں بھی گویا اعتباری حیثیت سے نہایت باقاعدہ طریقہ پر اس
کا ناخنہ ذریعہ محاش کو بارہ سال تک اختیار کرے رہا اس کے لیے کہ میرے حالات نے مجھ کو اسی کے لیے مجبور کیا تھا کہ میں اپنی مجبور
کے احترام کے لیے بھی مجبور تھا۔

پھر حال بارہ سال کی اس خیر فرزند نے مجھ کو یہیت سے قیمتی سبق بھی پڑھائے ہیں۔ اور ان ہی قیمتی اسباق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں سیاسی عقائد کے اعتبار سے ایک اخبار کا اپنے کسی ایک حقیقے کے لئے وقف کرونا اصولی صحافت کے قطعاً نافی سمجھتا ہوں۔ کسی اخبار کا اپنے کسی جماعت کا آرگن کہنا اس کی اخباری شان کے ضیاع نہیں کہا جاسکتا بلکہ اس قسم کے جماعتی آرگن دنیا کی تعریف سے علیحدہ ہر کردار انتہائی تعریف میں آتے ہیں۔ ایک مشہور تو بے شک یہ کر سکتا ہے کہ وہ اپنے تمام حریفوں کو بھی حاسی کی صحت

میں پیش کرے۔ مگر اخبارات کے لئے یہ ذرہ مشکل ہے اور یہ قہودہ اپنی خصوصیت کی غامضیوں کو خدرا انداز کرتے ہوئے پھر اپنے ہی صحافتی وینٹ لریز پر برقرار رکھ سکتے ہیں۔ اگر کوئی سیاسی جماعت خواہ وہ اپنے خاصہ اپنے اثر اور اپنے اقتدار کے اعتبار سے کبھی کبھی مکمل بیوں یا برادر کو خدرا اور سوزوں کی ہی ایک جماعت ہوگی۔ کوئی خدائی جماعت نہیں ہو سکتی۔ اور اس انسانی جماعت کے خدرا غزنی خدرا ہے اور کوئی نہ ان ہی قدر میں ملے۔ چنانچہ میں اس حالت میں اس جماعت کے نام ہوا اخبار کے لئے صرف وہ ہی صورتیں ہی جاتی ہیں جو وہ ان غامضیوں کو خدرا کر دے۔ یہ ان غامضیوں کا ذرا حوصلہ ہے اور رات کو دنیا کی کوشش کرے۔

اب اگر اخبار نے سلوک اختیار کیا ہے تو ان کی جھڑپ خدرا ہے اور اگر ان کا طریقہ پر حمایت کی ہے تو اخبار اپنی اخباری حیثیت سے ہے۔ اگر اشتہار کے درجہ پر آتا ہے۔ یہیں جو حالت اس تمام جماعتی اخباروں کی ہے جو مختلف سیاسی جماعتوں سے اپنے کو منسوب کرتے ہیں۔ عام اس کے کردہ کا ٹھیکس کے اخبار پر ایک کے اخباروں یا جمعیۃ المسلمان کے ہندو کے ہندو ان میں سے کسی جماعت نے آج تک یہ دعوے نہیں کیا ہے کہ یہ خدائی جماعت ہے۔ اور جب ان میں سے جماعت انسانوں ہی سے متعلق ہے۔ تو وہ غلطیوں اور غامضیوں اور غزنیوں اور لوگوں میں سے کیونکر غیر متعلق ہو سکتی ہے۔ مگر جماعتی اخبارات اپنی اپنی جگہ پر اپنی اپنی جماعت کو مقام عیوب سے پاک اور تمام ملکی غامضیوں سے بے نیاز ثابت کرنے میں مصروف ہیں۔ ملاحظہ و اتفاق کی روشنی میں یہ حقیقت ثابت مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے۔ کاشی جماعت اس کے یہ برتاؤ اخبارات اپنے ذریعہ جماعت ہی خدمت لینے کہ ہر جماعت کو اس کی برائیوں اور جلائیوں سے لہایت دباؤ داری کے ساتھ گاہ کرتے رہیں گے۔ ان کی اصلاحی ہونے اور وہ اپنی حقیقت سے بھی باخبر ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ ہندو ہندوستانی ہی میں نہیں بلکہ ہندو اور مسلمان کے ملکہ اور ملک میں بھی مصروفیت و یانت، سیاسی مصلحت کو شیوں میں گم ہو کر رہ گئی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج ہر گنتی جماعت کے انجمن ہی جانتا ہے۔ ہر غزنی فریب تیرہ ہی مبتلا ہے اور یہاں سے نام ہے دروغ مصلحت آمیز کا۔

طوفان اسی ماحول ہی نکل رہا ہے۔ مگر اس ماحول سے علیحدہ بننے کے لئے عزم ہی ہے۔ مگر اس عزم کی تکمیل کا علم نہ اس کے ہر بشمولوں سے تکمیل کروانے کو بچا کوئی انسان کام نہیں ہے۔ مگر انسان کا ہر بار وہ بشرط خلوص اگر خدا پر منحصر ہو کر نہیں آئے تو اس کے تکمیل تک نہ پہنچنے کا اندیشہ بھی ایمانی کمزوری ہے۔ اور کم سے کم یہی اس وقت جبکہ طوفان کا اجراء خدا کے نام سے ہو رہا ہے۔ اس ایمانی کمزوری کے لئے تیار نہیں ہوں۔

طوفان ہر جماعت کا اخبار ہے اور ہر جماعت کے جائز حقوق کا محافظ مگر اس کے ساتھ ہر جماعت کی غامضیوں اور کوتاہیوں کا آئینہ بھی ہے۔ طوفان کے نزدیک ہندوستان کی ہر سیاسی جماعت واجب احترام ہے۔ مگر طوفان ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی قاتل نہیں ہے۔ کہ ان میں سے ہر جماعت یا ان جماعتوں میں سے کوئی جماعت بالکل پاک اور بے عیب ہو سکتی ہے۔ طوفان کے تمام تبصرے اور تمام مکتبہ بینیاں بالکل ایک نیتی کے ساتھ خالص اصلاحی مقصد کے پیش نظر لکھے گئے ہیں۔ اسی کے ساتھ ہر جماعت کے جائز حقوق کا تحفظ طوفان کا سب سے پہلا صحافتی فرض ہو گا۔ اور اگر اس ارادہ میں ایک نیتی کو دخل ہے تو میرا ایمان ہے کہ خدا مجھ کو اسی بارہ پر استقلال اور ہمت عطا کرے کہ یہاں کی منزل کی طرف سلامت روئی کے ساتھ گامزن رہ سکے گا۔

بازت ہوتا تھا۔ ظہر تک کسی مسجد میں ایک ہندو یعنی صحت پر موقوف تھا۔ دو آنے میں ایک سوڑی چکیاں فروخت نہیں۔ چھوٹے ایک گاڑی، متاثرہ شخص سے سنا ہے کہ ۱۰۰ ہندو ہاؤس یعنی تھوڑا سا ایک دربار میں لگا ہے۔
 چند چڑیوں کے خرچوں سے، خزانہ لگا بیٹھے کہ جس دن کا ہندوستان سے تھوڑا سا نقد دولت کے ساتھ میں
 کے پاس بھی کہ ہندوستان کا اس دن کا ہر در و دروازہ کے دولت مندوں سے بھی بہتر صحت میں تھا۔

ہندوستان کی طرح حال اور نہ روح ابالی سے بدجب اس زمانہ کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ہندوستانی کا نظریہ و مذاہب اس بارے میں دور نظر آتا ہے جس کی مثال اس سے بہت مٹی تاشین ہے۔ اگرچہ اس حکومت میں ہندوؤں کو جو اجازت دینے گئے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ پنا چنڈ اس وقت ہندوستان میں چھٹی لگی ہندوستانیوں کے وجود میں وہاں کے باشندوں اس کے باشندوں کی رو اور ان کی رو کا رہی۔ انھوں نے سابق ہندو نظریوں کو ان قانون پر قرار دیا۔ وہ اس طرح اور ہندوؤں کی حکومت کی صورت سے وہی جو آج بھی دیکھا جاسکتی ہے۔ اس کی صورت میں نظر آ رہی ہے۔ اس کے علاوہ نام نہاد بڑے بڑے ہندوؤں پر ہندو کا مبالغہ اور متعرت رہے۔ انھوں نے کھنڈ، مذہب بھی ہندو مسلمان کی بددعا نہیں ہے۔ اس زمانہ میں ہندو ہندو اور مسلمانوں سے نہیں دیتے جانتے تھے بلکہ قابلیت اور خدمت کو دیکھ کر ہی اعلیٰ پہاڑی مذہب وقت سے دیکھ جاتے تھے۔ اگرچہ جہانگیر، شاہ جہاں اور شاہجہان نے ایک اور رنگ مذہب بھی اس دستور پر جاری کیا۔ ہندو اور رنگ مذہب میں ہندو مسلمانوں کی رعایت اور دور رسنی ڈالتے ہوئے کچھ بھی لکھا ہے کہ۔

حکومت کا مذہب اسلام ہے۔ لیکن خدا میں اگر کسی ہندوئی تو ایک مسلمان ہندوؤں کے ساتھ بھی۔ دوسری ہر کے طور سے برائی جاتی ہے۔ وہ اپنے برت رکھتے ہیں۔ اور تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں جس طرح کہ ہندو مذہب میں مناتے تھے۔

پہلی چھٹی کو دے رائے اس ہندو اور رنگ مذہب کے بارے میں ہے جس کو متعصب کہا جاتا ہے۔ لیکن چھٹی ایک حد سے نکال دیتا ہے کہ۔

یہاں پارسی بھی رہتے ہیں۔ اور وہ اپنی رسوم و عادت کے بموجب ادا کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو پوری اجازت ہے کہ وہ اپنے گرجے بنائیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں۔ لیکن جو لوگ عیسائی ہو جائے ہیں یا ان کے خیالات اس مذہب کے تمام لوگوں کے اخلاق سے بڑے پرہیزگار ہیں۔

گویا نہ صرف نظریہ و ذہن مذہبی آزادی تھی۔ بلکہ ہر مذہب کے باشندوں کو اس کی بھی اجازت تھی کہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ و اخلاص میں لگیں۔ یہ تھا۔ ہندوستانی نظریہ و ذہن اس کی خصوصیت۔

روز

جس وقت لوگ یہ سنیں گے کہ طوفان اٹکی۔ خدا جانے پچاروں کا کیا حال ہوگا۔ بہت سے ایسے ہوں گے جو اس کو دیکھنے نہ جائے گا۔ اے آنکھیں بند کر لیں گے۔ اور تمام اور اور وظائف نیز کسی ترتیب کے پڑھ جائیں گے۔ تاکہ طوفان سے محفوظ رہ سکیں۔ بہت سے ایسے ہوں گے۔ جو طوفان نے آنے کا شور مچا کر اپنے ہون کر کھینچے سے لگائیں گے۔ اور بہت سے اپنی جوریوں کو کسی کے منہ پر لٹائیاں اڑتے نہیں گی۔ اور کسی کو کیا ایک احتیاجی الرحم کا دورہ شروع ہو جائے گا۔ مگر ہمیں تب سب کو یہ معلوم ہوگا کہ یہ طوفان دراصل کیا طوفان ہے۔ ترتیب ایک دوسرے کا نام اس طرح دیکھیں گے کہ کیا آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کہ ہم زیادہ سے بے وقوف بنے یا تم حال طوبیہ دونوں رہ گئی کی بیٹی وہ حساب دہشتاں دونوں کے تحت آتی ہے

ہر چند کہ یہ طوفان طوفانِ نوح نہیں ہے مگر اس کے مد و جزر سے خدا ہی دو۔ سوا ح۔ بیوٹ۔ بیوقوف اور سرے پرست۔ وہ کہ محفوظ رکھے۔ حضرت نوحؑ نے تو اپنی کشتی پر ان باطل پرستوں کو محض اس لئے جگہ نہ دی تھی کہ ان کشتی پر محفوظ ہے گا۔ اور باطل اس طرح مائع طوفان ہر جائے گا۔ کہ نہ کہیں جائزہ دے گا۔ نہ مزار بنے گا۔ مگر اس طوفان ہی انتظام یہ کی گئی ہے کائنات کی ناقص ہے جس میں یہ تمام باطل پرست محض اس لئے بھرے جا رہے ہیں کہ ان کو کچھ سمندر سے جا کر دے دیا جائے۔ ایسی صورت میں سن پرستوں کو قوت۔ نے کی کوئی وجہ ہی نہیں۔۔۔ بہت باطل پرستوں کو ہر طوفان طوفانِ نوح ہی سمجھتا چاہیے۔ خواہ وہ کائنات کی طوفانِ نوح پرستی۔

غیر یہ باتیں تو ذرا اٹھوس قسم کی سنجیدہ تھیں مگر مرد و عورتوں سے بچنے والے جناب کھولتے کہ ان سنجیدہ باتوں سے
کیا تعلق تھا تو معقولہ یہ ہے کہ

ہنگوی پیش نظر اک تازہ طوفان چاہیے

اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہمیشہ طوفان کا آئہ پہنچے چاہیے جو جناب بھگوان کو دکھ چار کی پیرالی سے طوفانی اٹھانے کا موقع دے دے۔ یہ تو ہمارے جھلنے کی خصلت ہے۔ جہاں سلامت روی۔ شانت بھیدگی اور اسی قسم کی دیگر مصنایوں کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارا کام کہہ گا کہ انا ہے خواہ کہہ گا کہ ایسا کہہ گا کہ آئی یا کہہ گا کہ کی شدت سے روئے ہر حال اس کا دروازہ کہہ گا کہ اندہ" تو ہر ہی نہیں سکتا۔

یہی مدعا دوسرے کے لئے اس اخبار کے باقی تمام کام پڑے پڑتے ہیں بلکہ دوسرے کے لئے تو تمام ہندوستان ہی پر مشتمل ہے۔ اور ہندوستان ہی کو کیوں لیجئے، یہ کہتے کہ اگر کسی کو مدعا ہی ہے تو ملک خدا تک نیست، مگر اس کام میں تو دوسرے ممالک کو بھی ہنسا ہی پڑے گا۔ اور ہنسنے والے تو خیر نہیں ہی گئے۔ ان کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ ہر نواس کام میں اشکوں کو بھی ہنسنے کی تعلیم دیں

پنج جوتی کی نوک پر ان کے تمام جذبات کا استقبال کرتی ہیں اور اپنی ہر جنبش اور ہر انحراف کی پوری حاکمہ اگر مردہ
خدیجہ دور اور انگریزی ذرا بھی چھوڑ دے تو یہی صورتیں اپنے من میں پار چاند لگاتے ہوئے مردوں کے قدموں پر نظر آتی ہیں

پیارے قریب ایک جزیرہ ہے۔ وہاں اتفاق سے مردوں کی تعداد بہت کم اور عورتوں کی بہت زیادہ ہے۔ اس جگہ
بہت زیادہ کمزور اور کمزور نہیں تھے۔ اس کے علاوہ جو مرد وہاں ہیں۔ وہ چھ عورتوں کو گھورنا پسند نہیں کرتے ان کے حضور اپنا
دل پیش کرنا نہیں چاہتے۔ ان کے حش سے مغلوب نہیں ہوتے اور ان کے فانی تیردوں سے مرعوب ہونا مردانگی کے خلاف
سمجھتے ہیں۔ لہذا وہاں کی عورتوں کا حال یہ ہے کہ وہ عورتیں کی ہیں۔ گویا ہندوستان کے مرد ہیں۔ وہ مردوں کا انحراف کی ہیں عورتوں
سے اظہار عشق کرتی ہیں۔ مردوں کی اندر داری کرتی ہیں۔ اور ان کو کبھی کوئی بد قسمی اور ملک کا بھی اں جاتا ہے تو وہ اس کو ٹھیکہ لکھتی
ہیں۔ گویا چکر گڑھوں کے غول ہیں کوئی ٹاس آ کر گرسے ہندوستان کے مردوں کے من میں اس جزیرہ کا حال کسی کو پانی جڑا آتا ہوگا۔ اندہ
خود ہندوستانی مردوں اور اس جزیرہ کی عورتوں کی باہمی اصلاح کے لئے یہ مزدوری سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کے مرد اور اس جزیرہ کی
عورتیں تھوڑے دنوں کے لئے یکجا کر دی جائیں۔ تاکہ ان کی بدعت اور ان کی برائی کے نیں جو ان سے متصل قسم کی بادی پیدا ہو سکے جو
دینا بھر کے مردوں اور عورتوں کے لئے میاں بیاہی قسم کے جذبات پیش کر سکے گی۔

یہ عجیب و غریب جزیرہ

(۳)

یہ تو غریب ایک نہ جانے کیل ہے کہ وہ آنسو جو محبوب کے دامن میں گر جائیں۔ ان کی قیمت سن و گزیر سے بھی زیادہ بھلی ہے۔ سنہ
واقف تو یہ ہے کہ آنکھ سے گرا ہوا آنسو بھی کوئی قیمت رکھتا ہے۔ اور اگر قیمت ہی رکھتا ہوتا تو بیچ جانے کے اس بے روزگاری
کے زمانہ میں جتنے بیلا کر بکریٹ ہیں۔ وہ سب بیٹھے ہوئے بدیا کرتے اور اپنے آنسوؤں کی آمدنی سے پیٹ پالتے۔ بلکہ بہت سے
بکا رانہ جو ہاتھ پیر کی مزدوری کرتے ہیں مزے سے گھر بیٹھے آنکھوں کے اس پانی کی تجارت کرتے اور عین کی منی بجاتے ملک
بیک تو آنسو کو نہ ہارک قسم کا حق سمجھا گیا ہے۔ البتہ آج یہ سمجھنے میں آیا ہے کہ کوئی بزرگ سر امرتھ رات میں جن کی دریافت ہے
کہ آنسو ہی نہایت قیمتی جو ہر ہوتا ہے جو ہر قسم کے جراثیم کو مار سکتا ہے۔

سر امرتھ رات کا یہ رونا بہت بوسہ ناظرہ ملکی ہے کہ غلط ہو تو قریب قریب اس سے کہ غفلت کا انتظام ہی رکھا
گیا ہے کہ جب کوئی شخص مرتا ہے۔ تو اس کے پیمانہ گان اظہار غم میں آنکھوں سے گنگا جمن بہا دیتے ہیں۔ وہ اپنے نزدیک و صرت
رہتے ہیں۔ مگر دراصل ہوتا یہ ہے کہ رنے والے کے بعد اس کے من کے جراثیم کو مارنے کے لئے آنکھوں کی کثرت سے مزدور ت
ہوتی ہے۔ درجہ ہی جراثیم پیمانہ گان کو جس مرحوم و مغفور بنا دیں۔ مگر یہ تو یہ ہے کہ خدا کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا اب
ان آنسوؤں پر ہی غور کیجئے۔ تو معلوم ہوگا کہ رونا نا اظہار غم کا طریقہ بھی ہے۔ اور ایک لاجواب قسم کا ڈس انٹیکٹ بھی یعنی جراثیم

اب اگر ان سیاسی جماعتوں میں پیروان بھرت کئے گئے۔ تو سیاسی کاٹ چھات کی جگہ پر کشت کے عجیب عجیب دلوں پیچھے دیکھنے
نے آئی گئے اور جماعت کی طاقت کا اندازہ ان کے پیروانوں کی طاقت سے ہو گا۔ اس کے علاوہ اب سیاسی اختلافات اس طرح
نہ ہوں گے کہ ان جماعتیں میں صدیق بڑی ہو رہی ہے۔ یا طبعیت فارغین پر تقریر کے جوہر دکھائے جا رہے ہیں۔ بلکہ اب یہ ہو گا کہ اگر اتحاد
وقت کو اس سے کوئی شکایت پیدا ہوتی تو اس سے گمانے تو مضحک کہ اس کا نعرہ جنگیدہ اور سے گزرتا ہے۔ ان پانکس کی دیکھنا ہوا
اٹھا ڈالیں کہ وہ ان کے پھر جوئی۔ یعنی کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو گا۔ یہ کیا کرنا ہے۔ ہی ہے۔ اور تمام ملی۔ ہا۔ ہے۔ مگر کچھ
طے نہیں پاتا۔

پیروانوں کی سیاسی بیداری کا نتیجہ یہ بھی ہو گا۔ کہ اگر کوئی جماعت حرام میں یا دیہاتوں میں اپنی تحریک چیلنا چاہے گی تو
اس کا طریقہ صرف یہ ہو گا کہ اس جماعت سے نامی گراں پیروان اس طبقہ کو جس میں تحریک چیلنا ہوگی۔ جیٹھ ڈنڈہ کدھر کر آئی گئے۔
جب وہ کچھ زور کر جائیں گے تو ان کو استناد ہی کا ایک آدھ داؤں بتا کر چھوڑ دیا جائے گا۔ جاؤں کو چاہو اٹھا کر دے مارو اور اپنی
جماعت کی طاقت کا اعتراف کرو۔ پیروانوں کی سیاسی بیداری کے بعد یہ آئی اندازہ انگریس اور سٹیٹک سٹیشن کی قم کے جسے نہ جا کر
گئے بلکہ عظیم الشان وکل منقہ کے بائیں گئے سرخی کا اعلان اس طرح ہوا کہ گاہ۔

عظیم الشان دنگل

جس میں اقلیت اور اکثریت کا مسئلہ طے کرنے کے لئے ہندوستان نے مشہور ریڈر مشن ریمڈنڈاں گاں پیروان۔ رستم ہند
حمید ایروان رستم اور دھ صادق پیروان۔ اٹھا ڈھ جراثیم۔ وہ جن پیروان جھنڈا سنگھ وغیرہ جیتے میں گئے۔ اور ان ہی کی کشتیوں سے
یہ طے پایا جائے گا کہ کونسی جماعت کون حقوق کی مستحق ہے۔ اور کس جماعت کے لئے نیابت کا تناسب کیا ہونا چاہیئے۔

ابھی تو وہ انگریس کو باد و دغا: حمی کا سلیک سلائی ریڈر ہونے کے اپنی اکثریت پر ناز ہے۔ مسلم لیگ کو مسعود علی جناح ایسے
جہاں رہنا کی طاقت پر فخر ہے۔ اور ہندو جہاں سچا کو اکثریت ہے ایسے دھان پانی ریڈر پر گھنٹہ طے مگر پیروانوں کی سیاسی بیداری کے بعد یہ تمام
اپنی جڑیاں پھیلانے کے لئے سیاسیات سے خود ہی نہ رہ کشت ہو کر کوئی اور کاروبار شروع کر دیں گے اسے وہ وقت ہو گا جب
نہ سہ رنگ جھنڈا اہرا کے گہ نہ ہالی جگہ تو جی جھنڈا محض رنگوت ہو گا اور اس کا احترام سب پر واجب ہو گا۔

۲ جون ۱۹۳۸ء

(۵)

حمید آباد سے ایک اطلاع موصول ہوئی ہے کہ نواب ہمدانی نواز جنگ بہادر میرٹھل کٹر اپنے رفقاء کے لار کی ایک جماعت
کے ساتھ ۲۲ جون کی صبح کو جھانڈ پتھر اور گولیوں کے لئے کر لگے اور سڑکوں کی صفائی اپنے دوست مبارک سے شروع کر دی۔ اس منظر کو

ہی۔۔۔ ہے کہ ہر ایک نے قہمب۔۔۔ ہے دیکھ لو گا کہ ایک جنگ ببادور تم کو بڑا آوی ایسے پر سپر کٹر اور پھر حق عالی خاندانہ ہلال
نہ بدش آغیہ کر لیا ہوا ہے۔ اور اس کے پر آغیہ افتادہ پڑی ہے کہ اس کو نرس کشنی چھڑ کر بھڑا و بچہ منہا نے کی ضرورت
نہی۔۔۔ اور چاہے کشنی کے لئے مجبور نہ پڑا۔ مگر جب کوئی لمحہ محوم ہوا تو نب بھی فواجیک ببادور کا مقصد نہ
نہ۔۔۔ را میر اور غیب ہندو عہد ہما سفافہ سب یکاں بیٹت لکھے ہیں۔ اور تہ کی صفائی۔ یہ ہاں عہد پر فرض ہے تو بہت
ماتنی دور سے اور ایک ایک بھانوسے لکھے سڑکوں کو بھاڑنے۔

اسی میں شک نہیں کہ اپنے اس عزیز ملک سے فوج بھی فواجیک ببادور نے ایک۔ یہاں جو۔۔۔ ہے اور
۱۰۰۔۔۔ کا نام حضرت مید۔۔۔ آباد ہی نہیں بلکہ تمام ہندوستان جو کہ یورپی کشدوں کے لئے باعث تھیہ ہوا چاہیے پر سپر کشنی
۱۰۰۔۔۔ از بھکر افش پر پانی کی مار رو پر پانے واسے یہ کھنے کی کبھی رشش نہیں کرتے۔ اس کے ذرا ٹھیک کیا ہیں۔
ہو آجیب جاہیں کہ یہ میرنیل کش فوج بھادی فواجیک ببادور کی پھل پر جو کر اپنی نرس کشنی جذبہ خدمت اور غار۔۔۔ ہا
نورک دیں گھیسے ناٹھیں ہے اس سے کہ یہ سنی دور۔۔۔ ہوں غمناک اس کے کشنی تھے ہیں کہ ان کے ۱۰۰۔۔۔ انہی افتادہ۔۔۔ ان کے بغیرات
زحہ ہائیں۔ اور ان کو لوگ بڑا آوی بھیں۔۔۔ ہاوندے خدمات ان ۱۰۰۔۔۔ کے سے نہیں تو ہیں۔ بلکہ اس لئے سوتی ہیں کہ ان کے
نقصی خدمت غل کرے۔

نواب بھی فواجیک ببادور کی تم کے میرنیل کشدوں کا مشکل ہی نہیں جہا ٹھکی ہے۔ بلکہ اس میں شک نہیں کہ
میں مسند میں میرنیل کشدوں ہی ہو سکتا ہے۔ جو اس تم کے خنے پیش کر سکتا ہو۔ بلکہ جاسی تو یہ رائے ہے کہ میرنیل کشنی کے
مئے انتخاب کا طریقہ ہی غلط ہے۔ انتخاب کے جلائے اگر متا جہا امتحان ہو اگر سے تریا وہ مفید ہو سکتا ہے اور اس امتحان میں
اسی قسم کے قہمی اور ملکی سالات امیدواروں سے ہوا کریں کہ۔

۱۔ ایک نالی میں چالیس صفحات سے پانی ڈال کر گر آجے۔ اور وہ نالی اس پانی کو چار گھنٹے سے چھ بڑے۔۔۔ سے ایک نہیں پہنچا
سکتی تو تم اس کی صفائی کا کیا انتظام کرو گے۔ اور اس کے جراثیم کو کہنے میں کتنی خیالی مرث کر دے گے؟
۲۔ اپنے والد کو دو صفحات کا خط لکھو جس میں وہ بھولا پوگا رام داخ کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اپنی جادوب کشنی کے واقعہ
کو نمایاں طور پر ظاہر کرو اور اس بات پر روشنی ڈالو کہ بھادوس دینے سے تہا را باغیر کیا درست رہتا ہے اور بھادوہ یا کیسی
مفید قسم کی درزش ہے۔

۳۔ تم ایک بھادوسے ہار فرامگ کی ایک گلی پندرہ روز تک بھاڑ سکتے ہو تو بھادوس فرامگ کی ایک گلی کو بھاڑنے
کے لئے اسی مدت میں تم کو کتنی بھادوسوں کی ضرورت ہوگی؟

۴۔ اگر تم روزانہ ایک نالی کو صاف کرنے کے بعد چار سو ٹھائیں جراثیم سے پاک کرتے ہو تو بھادوسے سات دن کام
نہ کرنے سے اس نالی میں کتنے جراثیم پیدا ہو جائیں گے۔

مختصر یہ کہ اسی قسم کے پیرے اور اسی قسم کے اعلیٰ امتحان کے بعد جس کے فیر زیادہ آئیں وہ میر نسل کشن ہو جایا کر س
ریا کہ انتخاب ہوا اور یہ پانی کی طرح بہا اور چرھاٹ صاحب کی قسم کے جبر متعجب ہو گئے جو بعد میں پہنے وہ قتل کر سکا
مک پسند نہیں کرتے سرکاروں پر بھاڑ دینا ہی معنی !

• جون ۱۹۳۵ء

(۶)

کمال زمینداروں کی دوست ہی۔ اپنی دولت نس کو عزیز نہیں برتی اور کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کی دوست مٹے اور
وہ تباہ و برباد ہو جائے وہ خدا بکھے اس خند سے کہ انسان غفلت کے ساتھ سو جاتا ہے۔ اور اس کے گھر میں چوری ہو جاتی ہے
صاحب خانہ یعنی گھر کی خند سونے کا۔ اسی قدر چور کچرچر انے میں آسانی ہوئی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سونے و نایاب
مٹی چاہتا ہے کہ وہ سوتا رہے۔ اور اس کی دوست لٹ جائے۔ البتہ یہ تو ایک قسم کی ناکامی معصیت ہے کہ وہ جسے خند
آئے اور ادھر سے چور۔ اگر وہ جاگتا ہی رہتا تو چور ہی لیکن نہ آتا اور جب چور نہ آتا تو چور ہی خود بخود نہ ہوتی نہیں ملتی تھی۔ مگر
یہ بھی کا ہے کہ انسان کچھ ٹھوکر ہی سبکھتا ہے۔

زمیندار غفلت کی خند سوتے۔ ہے کانگریس نے کہ نوں کو اپنا ناشروع کر دیا اور زمینداروں کی یہ دولت
ان کے قبضہ سے نکالنا شروع ہوئی یہاں تک کہ جب کانگریس کے جواکائے ہوسے کان اپنے زمینداروں کی جان ملک کے
دھمکن ہو گئے۔ تو زمینداروں نے اپنے تئیں تو کچھ کر دین میں چرکچر اینڈ سے ایک اور مرتبہ دل ہوں کی اور آخر انکو دانی سے کہ جو
اٹھے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ چور اس غل چوری غائب ان کی خند سے فائدہ اٹھا کر کانگریسوں نے ان کی دوست یعنی کسانوں کو اپنے
قبضہ میں کر رکھا ہے۔ اب تو یہ محضات ہی گھبرائے اور دوڑے اپنے کسانوں کے لئے کانگریس کے پیچھے۔

کانگریس نے زمینداروں کی خند سے فائدہ اٹھا کر نہایت آسانی کے ساتھ کسانوں کو اپنا پٹا تھا۔ مگر اب زمینداروں کی بیداری
سے وہ اس طرح شہید گئی ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو ایسے کچھ دار شخص کی سمجھ میں بھی کئی بات نہیں آتی۔ اور وہ سوائے
جربہ ہونے اور زمینداروں پر کلکتا سنے کے اور کچھ نہیں کہتے۔ ان کا جویان شائع ہوا ہے۔ اس میں الفاظ تو بہت ہیں۔
مگر مطلب صرف یہ ہے کہ سونے والے انکو کھول جاگ اٹھے۔ اگر نہ ذرا اور سوتے تو کانگریس ان کو کبھی سٹوکر اٹھنے کے قابل نہ
رہنے دیتی۔ اور یہ خند موت کی خند ہی جاتی۔ وہ تو یہ کہتے کہ زندگی تھی جو یہ بچارے جاگ اٹھے۔

کانگریس والے جو زمینداروں کو حوا سمجھ کر عرصہ سے قاتل فرما رہے تھے اور ڈوکار ملک لینے کی جہت نہ ملتی
تھی۔ وہی زمیندار اب ایسے گمراہ ہو گئے ہیں کہ کانگریس اپنا کھاپا یا اگنے کے خطرہ میں مبتلا ہے۔ زمینداروں نے یہ ملے

ہے کوہک دامن کو بچانے تک زسبند اروں کے حب ہی وہاں ہفتہ سہ۔ اس کا طرہیں پر پریشانی سے خوشی
 نئی کھنکھہ اس کا سبب کہنے۔ اس کا مینہ کو۔ لی جو بڑے کا طرہیں واروں کو سب سے زیادہ پریشانی ہے۔ اس لئے کھنکھ
 نا و اپنے دینے والی بھوکہ تو ناز تھا اور جی کا طرہیں بھگتا رہا۔ اس سبب پھر رتے دھرتے تھے۔ ورنہ نون کی جھدی کا دم
 مرنے والے پشت جی ہرول بڑ تو بہا توں کے جاتے رویت کے سڈ میں مودن بہتے تھے۔ وہ گل حور پرک لوں نے
 تھے کیا نہ کھتے تھے۔ یگی اب کا طرہیں کا مینہ دیں لی مان و کان :۔ منی نے :۔ شا :۔ جی جب جی ان ہی آتے تو سو لہ رہے
 رہا طرہیں نے کن نون کے سڈھے ۴ بے پر کی :۔ اٹانی ہے :۔ اس کی تھی جس وقت بھگتی :۔ ہی وقت :۔ ہی کا طرہیں وہیں
 کے شوق :۔ اتے کیا نام کہیں گے اور کا طرہیں واسے اس کا طرہیں پندر چپاں گے :۔ شہروں سے جان کر وہاں ت گئے تھے :۔
 اب وہاں سے دیکھا ہے کہ کدہ جاتے ہیں

۔ جون ۱۹۳۸ء





طوفان کی آمد

(طوفان کے خاص نام کے طور سے)

خوفان آتے ہیں گو مٹانے کے لیے
نسیاؤ زمانہ کو ہلانے کے لیے
لیکن یہ ہے اپنی نوعیت کا طوفان
آیا ہے یہ سوتوں کو جگانے کے لیے

(۱۱- مئی ۱۹۳۵ء)

اُردو، ہندی اور ہندوستانی

کو "آب" اور "جل" کو "تم صرف" پانی
وہ اُردو، وہ ہندی یہ ہندوستانی
زباں ایک ہو گی تو دل ایک ہو گا
یہ کوشش تو اچھی ہے لیکن زبانی

(۱۴- جون ۱۹۳۵ء)

کانپور کی ہڑتال

یہ پٹی عجب کانگریس نے پڑھائی
کہ بھوکے رہو میرے مزدور بھائی
قسم ہے تمہیں اب جو تمہل میں جاؤ
تم ہڑتال لیے ہو دکھاؤ ڈھٹائی
خود اپنی ہی روزی میں ہشتہ لگا کر
بہادر اگر ہو تو چھوڑو کمانی
مگر اب تو ہر فاقہ کش چھٹا ہے
مرے جاتے ہیں کانگریس کی دہائی

(۱۰- جون ۱۹۳۵ء)

سُوباش بابو کا مسلمانوں کو پیغام

اے مسلمانوں کرو تم ایسا کام
پہلے تو چپکے سے بن جاؤ منہم
پھر یہ دیکھو ہم تمہیں دیتے ہیں کیا
تم لگاتے کیوں ہو آئندہ اپنے دام
گھاس کھاؤ یا چننا حاضر ہے سب
ہاتھ میں رکھیں گے جسم لیکن لگام

(۱۵- جون ۱۹۳۵ء)

جناح نرو خط و کتابت

صلح کی کوشش ہو کیونکر کامیاب

صلحت جب ہے مجاہد اور مجاہد

جنگ نے جو کانگریس کو خد کھے

آئیں بائیں شاہیں ہے ان کا جواب

(۱۰ جون ۱۹۳۷ء)

مجاہدین طوفان سے

تہ نہ مال میں ہو جاؤں یہ آسان نہیں

میں کوئی پھین نہیں تم کوئی جب پان نہیں

یہ وہ طوفان ہے جو کسار بہاے جانے

خس و خاستاک کے ٹک جاتے وہ طوفان نہیں

(۳۰ جون ۱۹۳۷ء)

کانگریس والٹیر کوڑ

جگہوں سے ہے نفرت صلح کی تعلیم ہے

کانگریس اک گرہ مکیں ہے یہ تسلیم ہے

ہاں مگر کچھ قول میں اور فعل میں ہے اختلاف

امن کا دعویٰ ہے اور افواج کی تعلیم ہے

(۲۱ جون ۱۹۳۷ء)

بے روزگار شماری

ہونے والا ہے حکم یہ جاری

ایسی فہرست کی ہو تیار

درج ہوں جس میں سب جو ہیں بیکار

یہ بھی ہے ایک شغل بے کاری

(۲۸-۲۹ جون ۱۹۳۷ء)

منظومات

(گرستان کے بعد کا کلام)

دل اب دنیا و ماہی سے غافل ہوتا جاتا ہے یگانہ بن کے بیگانوں میں شامل ہوتا جاتا ہے
 نظر کو اب ترانہ سازہ مشکل ہوتا جاتا ہے نگہ کے سامنے پردہ ساحل ہوتا جاتا ہے
 مرا برج اب راحت میں شامل ہوتا جاتا ہے جسے میں درد بکھا تھا وہی دل ہوتا جاتا ہے
 ہر انسان فرضِ نسی سے غافل ہوتا جاتا ہے زمانہ آگ نے مینے کے قابل ہوتا جاتا ہے
 مذاق بے خودی کا لطف حاصل ہوتا جاتا ہے دل دیوانہ اب ان سے بھی غافل ہوتا جاتا ہے
 زمانہ آخر آخر میرا تیل ہوتا جاتا ہے یہ کل عالم سمٹ کر اب مرا دل ہوتا جاتا ہے
 خودی پر بخود کی کارنگ غالب آتا جاتا ہے مرا دل رفتہ رفتہ ان کے قابل ہوتا جاتا ہے
 جہاں تک امتیاز حق و باطل اٹھتا جاتا ہے جنوں شوق گویا اور کال ہوتا جاتا ہے
 نتیجہ چارہ گر کی کوشش بیکار کا یہ ہے کہ محرومی کا میری وہ بھی قابل ہوتا جاتا ہے
 سناٹا جارا ہے نا خدا رو داد سنبھلنے کی سفینہ میرا گویا غرقِ ساحل ہوتا جاتا ہے
 میں کرتا جارا ہوں جس قدر آسانیاں پیدا محبت کا معرکہ اور مشکل ہوتا جاتا ہے

جہاں تک ڈوبتی جاتی ہے کشتی میری اے شکر تبر

اسی رفتار سے نزدیک ساحل ہوتا جاتا ہے

بے جا بی کا تری بزمِ زمین دستور نہیں
 اور نہ وہ کو سب دُور تو ہے جو خود نمود نہیں
 ذوقِ فانی رہا اس دور میں دستور نہیں
 آج موسیٰ بھی وہیں پر ہیں جہاں طور نہیں
 موت منظور ہے آجائے اگر حسبِ مراد
 نامرادی جو تو بھیر زینت ہی منظور نہیں
 کبھی ویراں کبھی آشوبِ خیالات ہے دل
 کبھی معمور ہے دنیا کبھی معمور نہیں
 دیدنی ہے کششِ ذوقِ ستم کا امحسار
 میں زمیں پر ہوں مگر مجھ سے خلوت نہیں
 جوشِ کتا ہے کہ ہر بات انا الحق بن جائے
 لیکن اس راز کا افشاں ہے منظور نہیں
 صورتِ حال خود افسانہ ہے یہ اشوکت
 ضبط وہ رازِ محبت ہے جو دستور نہیں

وہانا آشناؤں سے وفا کی خطا کی اور بڑی جہم نے خط کی
 جہاں تک ہر مسکا دل کی دوا کی اب اس کے بعد جو مرضی خدا کی
 بڑھا جاتا ہے جتنا زور و بطون کھٹی جاتی ہے ہمت نا خدا کی
 خدا جانے اب اس کے بعد کیا ہے بقا تو پہلی منزل ہے فنا کی
 جسے منزل سمجھ کر میں بڑھا تھا وہ گمراہی تھی میرے رہنما کی
 کہیں گے حالِ دل اک روز تم سے قسم ہے جذبِ جوأتِ آزما کی
 مرادِ عاشقی ہے نامسرا دی دعا کی طرح ہم نے بد دعا کی
 خدا کی مصلحت سے لڑا رہا ہے ذرا ہمت تو دیکھو نا خدا کی
 ملی جنت ترے کوچہ کے بدلے جزا میں بھی ہے فوجیت سزا کی
 نگراں کیا کرے طوفانِ حسم کو جہاں تک بہ سکی کشتی بہا کی
 سینے کی تباہی دیکھتی ہے خدائی سے لڑائی نا خدا کی

یہی اک مذما باقی ہے شوکت

ضرورت ہے دل بے تدعا کی

شب خوفِ غمِ دل کسائی
 نہ یہ جاودانی نہ وجہِ ودائی
 عیا کر کے مجھ کو مری عمرِ فانی
 محبت نے بخشا غمِ جاودائی
 نہ گداب ہے اور نہ موجیں نہ طواں
 کہاں لے کے ڈوبی ہے مجھ کو جوانی
 نہ ٹپنے مرا آج مجھ سے فسانہ
 زمانہ سُناٹے گا میری کمائی
 یہ بے ماتمی اور الفت کا سوا
 نہ دل میں لہو ہے نہ آنکھوں میں پانی
 تم اپنی جفاؤں کی شدت بڑھاؤ
 ستم آ زما ہے مری سہوتِ جانی
 غمِ شہی ہے پردہ درازِ الفت
 تکلمِ بنی ہے مری بے زبانی
 مری موت کو جانتے ہی ہو کیا ہے
 شہابِ محبتِ وفائی کی جوانی
 ہر اک سانس ہے مستقبلِ موت کو یا
 بسر ہو رہی ہے مگر زندگی
 محبت ہے میری تو سب کچھ ہے فوق
 مری نامرادی مری کامرانی

تخیل سے دامن بچاؤ تو جانیں
 قصور میں بھی تم نہ آؤ تو جانیں
 محبت کا اک کھیل ہے ناز اٹھانا
 محبت کے تم ناز اٹھاؤ تو جانیں
 میں اپنے فسانہ پہ خود نہیں رہا ہوں
 سنو اور اب مسکراؤ تو جانیں
 تمہارا عہد لاتا تو ہے دوسری شے
 ہمیں تم ہی خود بھول جاؤ تو جانیں
 بھلاتے ہو شوکت کو اچھا عہد لا دو
 اسے بھی نہ تم یاد آؤ تو جانیں

نہ وہ رقص غزنہ وہ دور بادہ
 زانے کا ہے اور ہی کچھ ارادہ
 جنت نے گو لاکھ بگھیں بنایا
 یہ پرکارِ دل میرا بے تک ہے سادہ
 جہنم مسرت سے گھبرا کے دل نے
 غمِ عشق سے کریم استفادہ
 مسافروں مجھ کو سفر سے غرض ہے
 نہ کچھ ہوشِ منزل نہ کچھ فکرِ جادہ
 فریبِ نظر سے مفرکب ہے ممکن
 جنت کا پھر کر رہے ہیں اعادہ
 مرادِ بھی رخصت ہوا مجھ سے کہہ کر
 بس اب خانہ آباد دولت زیادہ
 تری بزم میں اس طرح آئے شوکت
 لبِ مدعا بستہ دل کشادہ

اثر جذبِ دل کو دکھانا پڑے گا
وہ آئیں گے اور اُن کو آنا پڑے گا

محبت کا وہ دور بھی آ رہا ہے
کہ ہر حال میں مسکرانا پڑے گا

بھلایا تھا جس کے لیے ہم نے سب کچھ
ارے کیا اسے بھول جانا پڑے گا

وہ اپنے کوششاً یاد سمجھنے لگے ہیں
انہیں بھی اب اُن سے چھپانا پڑے گا

خدا ہم کو توفیق دے روٹھنے کی
انہیں آ کے ہم کو منانا پڑے گا

خود دہائی بنوں کو رسوا نہ کیجئے
 ان کا بھی انتقام گوارا نہ کیجئے
 بیگانہ بن کے بزم میں دیکھا نہ کیجئے
 نظروں سے دل کے ازواج نہ کیجئے
 جو روحِ جفا تو حق کے جائز حقوق ہیں
 جو روحِ جفا کا شکوہ بجا نہ کیجئے
 امروز کے ظلم کو رہنے ہی دیجئے
 اللہ آپ وعدہ فرما نہ کیجئے
 زاہد کی ضد ہے کالی گٹھائوں کو بھول جا
 کالی گٹھائیں کہتی ہیں تو بانہ کیجئے
 خود اپنا حق دیکھ کے انصاف کیجئے
 خود اپنی ہی نظر سے تو پڑا نہ کیجئے
 کب تک یونہی بہار کا موسم گزارے
 کب تک نہ عزمِ جانبِ میثاق نہ کیجئے
 دھوکے نہ دیجئے نظرِ انتقام سے
 سرسبز چہرے داغِ تمنا نہ کیجئے

محبت کے موئے محبت کے مارے
تم ہی جب نہیں تو جنیں کس سہارے
مجھے ناحسہ اتیرے احساں نے مارا
میں طوفان سے بچ کے ڈوبنا کدے
محبت میں اتنا تو دل کو مٹا لوں
بدھری سے میں گزروں مجھے دل پکائے
اگر ہو یہ سودا تو منظور مہم کو
کہ ان کا ہو سب کچھ مگر وہ ہمارے
ذرا دیکھئے موت کترا رہی ہے
میں دریا میں ہوں اور طوفان کٹکٹے
محبت کی بازی محب طرح کیسلی
رہا کیل قائم نہ جیتے نہ مارے
یہ ہے فرق ناز و نیازِ محبت
کہ تم ہو ہر اک کے مگر ہم تھائے
میں شوکت اسی فکر میں چپ ہوا ہوں
کہ کب تک کوئی چپ رہے ہم نہ مارے

پاک ثنوت سے کبھی شیخ کا ایمان نہ ہو
 مجھ کو یہ ناسیجے میں نصیب پہ ناز نہ ہو
 موت کا شکر ہی آپ کا احسان نہ ہو
 یہی کب کم ہے کہ میں طالب دریاں نہ ہو
 دل میں ٹھٹ ٹھٹ کے ریاورد غایاں نہ ہو
 وہ یہ مجھے کہ پریشان پریشان نہ ہو
 پنی ہستی کی ضرورت مجھ نہ محسوس ہوتی
 دل میں جب درد ترا سمد جنباں نہ ہو
 حشر میں بھی مجھے شرم آئنی شکوہ کرتے
 جس کو ہونا تھا پشیمان وہ پشیمان نہ ہو
 لئے غم دل تری کس مسدح کا فی ہوگی
 قبر میں بھی جو کوئی داغ نمایاں نہ ہو
 میری ہستی بھی عجب مستعدہ کا نہیں ہوتی
 زبیت دشوا بھتی مرنا مجھے آساں نہ ہو
 ہم گلستان میں ہر اک گل کو سلجھاتے کھلنا
 ہائے اسے جوش جنوں آج گریباں نہ ہو
 اعتبارات کا پردہ جو اٹھ کر دیکھا
 حسن اور عشق میں کچھ فرق نمایاں نہ ہو
 گل و گلزار کی کیا اس کو حقیقت معلوم
 گل بہ اماں جو ہوا شعلہ بہ اماں نہ ہو
 دستِ وحشت میں خود اپنا ہی گریباں ہوگا
 دستِ شوکت میں اگر آپ کا داماں نہ ہوگا

ہوش میں تپ نہ اب لایجے دیوانے کو
 یہ بدلے نہ کہیں عشق کے افسانے کو
 آپ بیکار نہ سمجھیں مرے مر جانے کو
 ختم کرنا تھا یہیں پر مجھے افسانے کو
 لوگ ترغیب چمن دیتے ہیں دیوانے کو
 عالم ہوش سمجھتا ہے جو دیرانے کو
 آگیا جب کبھی بدست ہوا کا جھوٹا
 تو برکے لڑکھیں لڑش ہوئی بیانے کو
 خونِ سمیرت ہی سہی خونِ قسمت ہی سہی
 ہم نے دیکھیں بن یا تے افسانے کو
 فضل گل آئی تو صحرائیں ہوا جشِ جنوں
 دشمنیں ڈھونڈنے نکلیں ترے دیوانے کو
 عشق سے ہم کو ملے تو کہیں فرصت شوکت
 انقلاب اور بھی باقی ہیں کئی آنے کو

لاش : اس سوز میں کچھ سا زبھی شامل ہو جائے
 دل نہیں دور دہنے ، دور نہیں دل ہو جائے
 دل سے اتنی ہی تسلی مجھے حاصل ہو جائے
 ان کے قابل نہ تھی میرے تو قابل ہو جائے
 جس کو تو کیونے مرتبا بہ مستدم دل ہو جائے
 میں تو میں سارا زمانہ ترا قاش ہو جائے
 مجھ کو بلیس نہ سمجھ زیری تبسا ہی پہ نہ جا
 آج چاہوں تو ترا دل بھی مراد دل ہو جائے
 زندگی کیف محبت میں ہے سرشار و مگر
 موت سے کس نے کہا ہے کہ وہ غافل ہو جائے
 نا خدا دیکھ حسدائی میں کوئی دخل نہ ملے
 کیا عجب ہے کہ یہ طوفان بھی ساحل ہو جائے
 شمع کا سوز ہے فطرت کی غلط بخشش سے
 میں تو کہتا ہوں کہ یہ بھی مجھے حاصل ہو جائے
 سانحہ عشق کا وہ عقدہ نہ تخیل ہے
 کوئی پوچھے تو بتانا مجھے مشکل ہو جائے
 جستجو جس کی ہے وہ مل نہیں سکتا شوکت
 دل مگر کہتا ہے شاید کبھی حاصل ہو جائے

میں کافر ہوں میں کافر ہوں قسم کھاتا ہوں ایماں کی
 کوئی پرچھے مے دل سے جو ہے تو قیر عصیاں کی
 مری مایوسیوں نے لاج رکھ لی میرے ارماں کی
 جو مشکل پڑ گئی مشکل پسندی ہی نے آساں کی
 ذرا عظمت تو دیکھو اس تہذیب فتنہ سناں کی
 بہا میں لے کے آیا ہوں بیاہاں میں گلستاں کی
 بہا آئی بلاتی ہیں فضا میں اب گلستاں کی
 اگر روکے تو بڑھ کر روک لے دیوار زنداں کی
 پشیمانی نہ دیکھی جانے گی مجھ سے پشیمانی کی
 اڑا لے جو شریعت دجیاں تو فرو عصیاں کی
 ذرا سے جہم میں کیا غرق ہو جاتا ہے گل ایماں
 جناب شیخ کیا قیمت یہی ہے اک مسلمان کی
 خدا اور نا خدا میں دیکھئے اب کون کام آئے
 ادھر میرا عقیدہ ہے ادھر شدت ہے طوفان کی
 اگر میتاد نے میرے نشیمن پر نطنز ڈالی
 بہا میں لے کے اڑ جاؤں گا میں گلستاں کی

ذوق حیاں دیکھئے پھر دوزخی کہہ لیجئے
 زندگی کا ہے فنا نہ لطف نے گاہر حیا
 یہ غم نہ بند ہے مے مذہب میں کفر
 زیست کی دھواں میں نے ہم کو یہ بکھا دیا
 جتنا ہے غم و غم ہے آج بھی زلفِ ابا
 لب ہانے کی اجازت ہی نہیں دیتی جیتا
 اک سرور اس میں بھی ہے بے کیف و کیف کا
 پھر لب خاموش سے کہنا ہے مجھ کو مانتا
 اب نیازِ رخ ہے نئی دنیا نئے علمِ ادب
 ماورائے عالم ہستی ہیں ان کے اردت
 اپنی کوتاہی کو بھی میری کمی کہہ لیجئے
 میں جو کہتا جا رہا ہوں آپ ہی کہہ لیجئے
 سرشتی ہے آپ اس کو زندگی کہہ لیجئے
 جو بسر ہو جائے اس کو زندگی کہہ لیجئے
 بے کوئی ایسا کہ جس کو غم و غم کہہ لیجئے
 وہ غنیمت بنائے جو کچھ کہی کہہ لیجئے
 تشنگی کو آپ میری مے کشی نہ لیجئے
 آپ کو جو کچھ بھی کہنا ہے ابھی کہہ لیجئے
 ان نئی تاریکیوں کو روشنی کہہ لیجئے
 شیخ جی کو اصطلاحاً آدمی کہہ لیجئے

دیکھئے گا فوراً ہر جانے گا دورِ حال بھی

اس کو شوکت چارون کی چاندنی کہہ لیجئے

خدا کو اب بھول جائیں گے ہم خودی کا سجدہ ادا کریں گے
جنون کی انتہا یہی ہے یہیں سے ہم ابتدا کریں گے
جغائیں تم آزمائے جاؤ وفا کے خوگر دفن کریں گے
ہمارے کہنے میں دل نہیں ہے تو ہم ہی دل کا کما کریں گے
غزوہ دیوانگی سلامت تو عرض کیوں مدعا کریں گے
طلب کی توہین خود طلب ہے کبھی نہ ہم ابتدا کریں گے
تم اپنے وعدوں کو بھول کر بھی اگر ہمیں یاد رکھ سکو گے
یہ دل سلامت تو ہم اسے پھر فریب میں مبتلا کریں گے
اگر محبت میں کچھ کشش ہے اگر جنوں کی ہے کچھ حقیقت
ہمارا قصہ جو سن رہے ہیں وہ خود ہم ہی سے کہا کریں گے
خوشی کا تو خیر ذکر کیا ہے ہمارا غم بھی نہ غم رہے گا
ہمارے رونے پہ دیکھ لینا ہمارے آنسو ہنسا کریں گے
محبت اک مازِ مشکشف ہے مگر یہ افشاں ہوگا شوکت
یہ ایک پردہ نہ اٹھ سکے گا ہزار پرے اٹھا کریں گے

یہ کس نے کہہ دیا وہ آ رہا ہے کہ دل ہاتھوں سے نکلا رہا ہے
 ہنسنا اور خوشی مجھ کو آ رہا ہے یہ پردہ بھی اب اٹھتا جا رہا ہے
 سمجھ میں کچھ نہیں آتا کسی کی میں دل کو دل مجھے سمجھا رہا ہے
 وہ عرض مدام پر سب نگوں ہیں کہ جیسے چاند ڈوبا جا رہا ہے
 دہائی ہے فریب آرزو کی توجہ پھر کوئی نہ رہا ہے
 بھروسہ ہے مجھے رحمت پہ زاہد توجہ پھر تو کیوں مجھے بنکار رہا ہے
 میں اپنے دل کی دھڑکن سن رہا ہوں کہ جیسے دور کوئی کار رہا ہے
 قیامت ہے مری مرگ جوانی پسینہ موت کو بھی آ رہا ہے
 گھٹا تو بہ پہ چھائی جا رہی ہے اور ایساں ڈگمگایا جا رہا ہے
 بڑھے آتے ہیں ساحل میری جانب سفینہ ہے کہ ڈوبا جا رہا ہے
 گواہی کون سے عشر میں شوکت
 ہمارا دل ہمیں محسوس رہا ہے

مرنے و فنا کا کوئی زمانہ کسی زمانے سے کم نہیں ہے
 سکون جس کو سمجھ رہے ہو وہ غم اٹھانے سے کم نہیں ہے
 بل بلا بے قاریوں کو کہ اب وہی ہیں سکون غم
 تری تسلی تری تشریف بھی دل دکھانے سے کم نہیں ہے
 یہ کونسا میکدہ ہے آخر جہاں مجھے لائی ہے محبت
 کہ اس جگہ کا ہر ایک ساغر شراب خانے سے کم نہیں ہے
 خدا ہی جانے کہ کیا سمجھ کہ ہوئی یہ فطرت کی دستکاری
 میں کہ رہا تھا مرا بنانا مرے مٹانے سے کم نہیں ہے
 نہ کھاؤ دھوکہ نہ کھاؤ دھوکہ کہ غم کی موجوں میں غرق ہو گیا
 غلبہ کو یوں بار بار تکنت ابھی مر جھکانے سے کم نہیں ہے
 سمجھ کے آج رو و فنا پر سنبھل کے چل راہ زندگی پر
 کہ اس جگہ ہوشیار رہنا فریب کھانے سے کم نہیں ہے
 مصیبتوں کا مقابلہ کہ مصیبتوں ہی میں زندگی ہے
 کنارِ ساحل میں جا کے چھپنا بھی ڈوب جانے سے کم نہیں ہے
 جناب شوکتِ خموش کیوں میں کھلا نہیں ہے یہ رازِ تکیہ
 خود ان کا افسانہ محبت کسی فسانے سے کم نہیں ہے

نموشی کہہ رہی ہے جانے کیا
 سب بے قدر کا مدعا کیا
 محبت کیا، وفا کیا، ریت کیا
 یہ سب دھوئے ہیں دھوئوں کے سوا کیا
 نہ وہ سمجھے نہ میں سمجھا ہوا کیا
 نکلا سوں نے نکلا سوں سے کٹا کیا
 جیس کیا، سجدہ کیا، اور نقش پا کیا
 ان ہی زموں سے ہو کاغذ ادا کیا
 علاج اس کا بت اسے ہنسنا کیا
 اگر یہ دردِ دل ہے تو دوا کیا
 میں خود کشتی ڈوبنے جا رہا ہوں
 ارادہ ہے ترا اسے ناخدا کیا
 نقاب اٹھنے ہی تک تھی سب چہرہ
 نقاب اٹھی تو کوئی دیکھت کیا
 جفا ہے اور جفا ہے دوست ہے
 ردا کیا اور اس میں ردا کیا
 وہ رہ رہ کر ہر اک سے پوچھتے ہیں
 یہ شوکتِ قناری کو ہو گیا کیا

ویر جاتاں پہ جہ سائی ہے
 اب خدائی مری خدائی ہے
 بے قراری ہے جو نوائی ہے
 زندگی موت بن کے آئی ہے
 لاکھ پردوں میں اس کو دیکھ لیا
 عشق نے کیسا بکاہ پائی ہے
 کعبہ اور عرش کس کو کہتے ہیں
 ان کے در تک مری رسائی ہے
 جن پہ ہنستی ہے دوری منزل
 وہ ہماری شکستہ پائی ہے
 شب کو دور و متر و ساغر دے
 صبح ہنسنگام پار سائی ہے
 وعدہ دید اور عشر مگر
 یہ خبر بھی سنی سنائی ہے
 باغ ہستی کا شکوہ کیا شوکت
 یہ ہوا کس کو اس آئی ہے

نہیں و خواب و دنیا ب رہا ہے کوئی
 پھر ملک سے مگر یاد آ رہا ہے کوئی
 نگاہِ شوق سے بچ بچ کے جا رہا ہے کوئی
 سکونِ زلیلتِ طوفان بنا رہا ہے کوئی
 وہٹے عشق کو ان سے اصولیوں سے کیا
 کہ حق سنی کا ہے اور وہاں رہا ہے کوئی
 غورِ حسن و وفا بل پر تنہا ہے
 بھوں پر آہ ہے او بکسر رہا ہے کوئی
 یہ جو نہ ہو مرا افسانہِ محبت ہے
 سنا رہا ہے کوئی مسکرا رہا ہے کوئی
 یہ وصل ہے کہ جدائی میں کیا کہوں اس کو
 قریب تر ہے مگر بچ کے جا رہا ہے کوئی
 خدا ہی جانے کہ کانٹوں سے کیا شکایت ہے
 کہ اب گلوں سے بھی دامن بچا رہا ہے کوئی
 فلکِ حریفِ وفا بد نصیبِ دل بیتاب
 نئے نئے مجھے منظر دکھا رہا ہے کوئی
 تمامِ من و جوانی تمامِ رنگینی !
 بری طرح سے مجھے یاد آ رہا ہے کوئی
 فریبِ کشتی و ساحل نہ کھائیے شوکت
 کہ ساتھ ساتھ ہی طوفان بھی آ رہا ہے کوئی

دلیاں دن کی گھٹائیں رات کی
 زندگی بے زندگی برسات کی
 توبہ کی آستے ہی رُت برسات کی
 کی مگر اک بے عمل سی بات کی
 میرے دیوانے نے جس سے بات کی
 پوچھی گردن کی توسن لی رات کی
 تم تصور میں ہوئے تھے ہم کلام
 سوچنا ہوں میں نے کس سے بات کی
 رور ہا ہوں میں ہنسنے دیتے ہیں وہ
 کتنی پیاری جے خضابرات کی
 یا انہی کو نسا عالم ہے یہ
 چھائی ہے دن پر سیاہی مات کی
 حشر میں کیا آتے خالی ہاتھ ہم
 لائے ہیں اک فرد الزامات کی
 کیا ہوا دل کو انہی خبیث ہو
 کچھ کمی پاتا ہوں محسوسات کی
 مستقل جذبات بن کر رو گئی
 یاد اک فارت گر جذبات کی
 اس طرف بھرندامت موج زن
 اس طرف اک فرد الزامات کی
 میں ہوں شوکت اور مری تنہائیاں
 حد نہیں ہے ان کے احسانات کی

نہ امان ہے مجھے ہند و اثر سے
 نہ اب یہاں آئے ہیں دھر سے
 مجھے اب دیکھنے والے نہ دیکھیں
 ان ہی کو دیکھ لیں یہی ملے
 جنوں و ہوش و دھن شکر الفت
 ہمیں صحرائے طلب ہے تھر سے
 جہنم جنت میں ہے کھوئی ہوئی سی
 کہ اٹھا ہوں تھارے سنگ سے
 ہمایوں اڑ رہی ہیں چار جانب
 مگو بیٹھے ہیں بے بال و پر سے
 یہ کم ہندی کہ کھتے فسانہ
 مگو کچھ بس نہیں جلت نظر سے
 طلب چھوڑی عز و ر عاشقی نے
 انھیں دکھلا دیا ان کی نظر سے
 محبت ہے مگر اس کش مکش میں
 تقاضا ہوا دھر سے یا دھر سے
 تباہ و بنے کی ہوگی شوکت
 یہ بانی جب گزر جائے گام سے

بند سے کیا اپنے سے بھی بیگانہ ہونا چاہیے
 بس تیرے دیوانہ کو دیوانہ ہونا چاہیے
 حشر کے دن ہاتھ میں پیغام نہ ہونا چاہیے
 کم سے کم یہ جزا نہ ہونا چاہیے
 تم کو عنوان محبت تم ہو عنوان حیات
 بے مے اف نہ کو اف نہ ہونا چاہیے
 جب کبھی برسے تو دنیا غرق مے ہو کر رہے
 ہر کھٹکے ساتھ اک مے خانہ ہونا چاہیے
 میں تو دیوانہ بن کر تجھ سے بیگانہ بنا
 اب تجھے میرے لیے دیوانہ ہونا چاہیے
 ہر نظر میں تم ہی تم ہو ہر طرے ہو تم ہی تم
 جب تم ہی تم ہو تو پھر پروانہ ہونا چاہیے
 طالب دیدار بننا ناک ہے اے جذبات
 خود نظر کو جسلوہ حسانہ ہونا چاہیے
 شیخ تو واقع بھی ہے آداب میخانہ سے کچھ
 تو بہ کرتے وقت بھی پیمانہ ہونا چاہیے
 یاد فرماتے ہیں شوکت کو وہ اپنی بزم میں
 ہر قدم پر سجدہ شکوانہ ہونا چاہیے

ہوں بے حسِ عشق کا سماں لیے ہوئے حسرت لیے ہوئے ہوں نہ امان لیے ہوئے
 ووجہ طوفان کئے رُوحِ تاباں لیے ہوئے ہم دیکھتے تھے دلِ حیران لیے ہوئے
 کس کی طوفانِ اُٹھاؤں نقد کس کو چھوڑ دوں اک زندگی سے سبزوں ارمان لیے ہوئے
 کم مائیلیٰ اشکِ دستِ پر نہ جائے قطعہ ہے بحرِ بحر سے طوفان لیے ہوئے
 اے زاہد و گنہ گار مجھے بخشائیں گے بیٹھے رہو نقدِ سببیں لیے ہوئے
 ہر پھول دے رہا ہے مجھے دعوتِ جنوں عریانیوں بجائے گریباں لیے ہوئے
 آئینہ دیکھتے ہیں ہمیں دیکھتے رہو ہم بھی کھڑے ہیں دیدہ حیران لیے ہوئے
 سو فاتلے کے آئے ہیں دیوانگانِ شوق لاکھوں میں چند تار گریباں لیے ہوئے
 ہوتا ہے لمحہ لمحہ سکوتِ فراق کا نیرنگی حیات کے عنوان لیے ہوئے
 کانٹوں سے قصیفہ ہے یہ اب اہلِ ذوق کا دامنِ دے ہوئے میں گریباں لیے ہوئے

دن کٹ گیا بلاؤں کا شوکت تو کیا ہوا

آئی ہے رات خواب پریشاں لیے ہوئے

نیم باز آنکھوں میں بیداری خواب آلودہ
 ہائے یہ زکس بدست شراب آلودہ
 دل میں ایک مروج ہے اور پائے طلب میں چالے
 ایک سیلاب ہے اور وہ بھی جناب آلودہ
 ہائے وہ پہلے پہل قول و قرار الفست
 تیری آواز تھی اس وقت بباب آلودہ
 اسی صیاد کو بلبل نہ بست دوں تو سہی
 ایک ایسی ہی بہار اور گلاب آلودہ
 اپنے ہر گام پر منزل کا گماں ہوتا ہے
 میری منزل بھی ہے کس درجہ سراب آلودہ
 شرم کہہ لی ہے مرے ذوقِ نظر کی تو نے
 مجھ کو جلوہ بھی دکھایا تو نقاب آلودہ
 عمر بھر کے لیے ہیماں دفن لیتی ہے
 اک تری چشمِ کرم وہ بھی عتاب آلودہ
 بیچ دنیا ہے کرم اس کی نظریں کے دست
 جس نے دیکھی ہے تری چشمِ عتاب آلودہ

شاعر کی بیوی

شاعری اور پیٹ کا وہنا محب و محب جان کے کواہب میں بیوی اور بچے سب محسب
فاطمتی فاطمتی جیت کر آتے ہیں جب اہلہ کو یاد آتی ہے باری بے سبب

اک سرو تا ماتہ میں اور پندھن اپنا لیے

سر پہ آجاتی ہیں لٹنے ماندہ ان اپنا لیے

ایک دھما جس کو پھیلے چار دن سے ہے بجا ایک دھکی جس کی آنکھیں دکھ چکی ہیں بار بار
تیسل جو ٹھیک ہے وہ رہ رہا ہے نابکا۔ تمامت اعمال کی ہر قسم ہے سر پہ سوار

شاعر شیریں بیاں بیٹھا ہے گھبرایا ہوا

ذہن میں ہے طرح کا مصرع بھی بولایا ہوا

وہ یہ کہتی ہیں کہ جائے بھاڑ میں شاعری ایڑی چوٹی پر کروں مستہ بان یہ کاریگری

اتنے دن سے کوئی بھی پیسہ ملا سوچو ذری یاد کرو خود و سبب جنوری پھر منہ دہری

تم ہی سوچو کس طرح ہو گا ہمارا اب نباہ

مجھ کو روٹی چاہیے اور تم کو خالی واہ وا

میں یہ کہتا ہوں کہ اے شمعِ شبتانِ حرم تو ہے اک شاعر کی بیوی کیا ہے یہ اعزازِ کم
تجھ کو کیا مسموم مبرا مرتبہ میرا حشم گھر کے باہر دیکھ چل کر کس قدر ہوں محترم
تو سمجھتی ہے مجھے یوں ہی با اک انسان ہوا

اے میری ماہِ اوی بیوی میں ادب کی جان ہوں
جان وہ اپنی سب کہ منہ چڑھاتی ہیں مجھے منہ چڑھا کر میرا آئینہ دکھاتی ہیں مجھے
گھر کی جو حالت ہے وہ سب کچھ بتاتی ہیں مجھے شرم میری شاعری پر پھر دلاتی ہیں مجھے
وہ یہ کہتی ہیں کہ تناء تو یقیناً آپ ہیں

لیکن ان بچوں کے بھی تھوڑے بہت تو باپ ہیں
شاعری کرتے ہیں اور بھولے ہوئے ہر شاعر کوئی دھندہ بھی نہیں کرتے نہ کوئی نوکری
باپ داد کی کمائی بھی نہیں گھر میں دھری میں تو پتے بندھ کے اک شاعر کے جیسے جی ہری
یہ نخواست شاعری جس گلو ہی کا نام ہے

مجھ سے پوچھو یہ نکستہ مروڑوں کا کام ہے
میں گئی چو لھے میں حلیہ دیکھنے اپنا ذرا جیسے خود رو گھاس ہونچلا اس طرح ہے بچا
جیسے اک قیدی جو کاٹے کوئی لمبی سی سسزا مہجائے شاعر رنگیں بیاں صدمہ حب
بھاڑیں جائے یہ تیری شاعری یہ تیرا فن
تو اگر میرا نہیں غبت نہ بن اچا تو ہی

مری

اے مری اے گرمیوں میں اہل دولہ کے وطن اے یمن اندر یمن اور اے یمن وہ یمن
 ات تری رعنائیاں اشد سے بہ بانگین جنت کشمیر کی بیشاب ہے تو چھوٹی یمن
 میں تو بہتوں زمانہ میں تیرا ثانی بھی ہے
 تجھ میں خواباں بھی بہت ہیں اور خواباں بھی ہے
 عاشقوں کی سرود آہیں حقوک ملتی ہیں یہاں سرود مہدی لینے آئے ہیں سینان جہاں
 یکسختی ہیں آسمان سے ظلمتیری چوٹیاں کھردنی میں خود ہی ماہ جب تیری چوٹیاں
 اہل دل کے واسطے اخصفہ تو موت ہے
 بلکہ جنت تک یہ کہتی ہے کہ میری سوت ہے
 مہن بھی گو حسن ہے لیکن عجب مردانہ وار وہ جس جو تھے سمند ناز کے گویا سورہ
 لے کے اب منو کرانے کے وہی سب کھنڈار کیلتے چھنے میں تیرے گوشہ گوشہ میں شکار
 ایسا عالم تیرا جوتا ہے مٹی اور جہنم میں
 بیاباں بھی اچلتی بھرتی ہیں یہاں تیلون میں
 وہ سینائیں قیسوں میں جو ہوتی ہیں سبلی وہ ٹیڈی بواؤز جو صاحب تو ہیں لیکن پبلی
 چال بے ڈھنگی ادائیں بے تکی گڑبڑ ولی اس جگہ کثرت سے ملتی ہے ان ہی کی قیسلی
 یہ مری کے واسطے خود مستقل بھو نچال میں
 اے مری کی مال تیرے سب ہی تو مال ہیں
 زندگی ہی زندگی ہے نام سے لیکن مری خود ہی کو وقاف ہے تو اور خود اس کی پری
 مال پر اشد کبہ حسن کی کاریگری عشق پر طاری ہے جس کو دیکھ کر اک ہرقری
 یہ بناوٹ یہ سجاوٹ یہ نکھار اور یہ بھین
 اے مری اے گرمیوں میں اہل دولہ کے وطن

آٹا

حضرت آدم پہ جو گزری ہے سب کو یاد ہے دانہ گندم کی زندہ آج تک بیدار ہے
 آج پھر اولادِ آدم پر وہی افتاد ہے اس کا بانی بھی فرشتوں کا وہی اُستاد ہے
 دور دورہ آج اس کا چور بازاروں میں ہے
 ماہرین چور بازاری کے علم خواروں میں ہے
 اُن میں دیکھا اس کا جلوہ جو ذخیرہ باز ہیں دفن تہ خانوں میں جن کے بوریوں کے راز ہیں
 بوریوں سے طے جلتے قوند کے انداز ہیں اور فریاد و بکائیں سب کے ہم آواز ہیں
 قوند پر ہے ماتمہ اور غاقوں سے حالت زایہ ہے
 ان کو ایندھن اس جہنم کے لیے درکار ہے
 ہو گیا بازار سے آٹے کا ایسا انتہا ل اب کھلے بازار میں آٹے کا ملنا سے محال
 ملہاتی کھیتوں کے دیس میں کیسا یہ کال کال کی حیرت ہے پاکستان میں گل جلے وال
 دست قدرت سے چھنا آزار کا ہر اختیار
 فقر و فاقہ کا بنا انسان خود پروردگار

اک ذخیرہ باز سوا ناس دوکان دار قوم نے اس ابتلا سے کل بہت تھے بقدر
 آہ اس قمت کا کیمد گیہوں پہ ہے ماسعار کوش کھاتی باجرا با کاش یہ کھانی جوار
 اس کے کھانے کے لیے نعمت برائے موجود ہے

و ان گندم حب و گیہوں کو بہر مفسود ہے
 سچ جو پھر تو کہوں شیطان کا راشن ہے یہ جس نے جنت لوٹ لی انسان کا وہ نہیں ہے
 حنت آدم کے عاشقان کا مدفن ہے یہ لغت احسن انسان کا فقط بندہ حق ہے یہ
 میث ہے امان کرنے سے پہ جنت ملک نثار

سب کو گندم سے بچانا لے مرے پروردگار
 سیکڑوں میں یوں تو گیہوں میں سے نہ خانے میں سے اور مزاجی کیا مجھے آزار پہنچانے میں ہے
 یہ بے جھٹے کی دہی نے ہے جو پیمانے میں ہے ہاں مگر دونوں جو ہے گیہوں کے پروانے میں ہے
 جس نے گیہوں کھالیا دونوں میں گولے کھائے گا
 جس کو جنت چاہیے وہ صرف چھوٹے کھائے گا

کراچی کی بسیں

دلربا اے نازنینو! اے کراچی کی بس تم پہ صد قدموں کے ہم مرجاؤں بسیں تم جیو
کچ رو دی بھولے فلک اب چال تم ایسی چلو ہم تو خود ہی چل بسیں گے تم مگر چستی رہو

تم پہ ہم عشاق کا چلتا نہیں جب کوئی بس
بیٹھ کر پڑھتے ہیں ہم امد بس باقی مونس

کاش اپنے عشق کے ماروں کا کرتیں تم شمار جو ہر اک اڑے پہ نکلے ہیں قطار اندر قطار
اپنے پہلو میں دبائے اک دل بے ختیار اور نظروں سے گرائے زندگی کا اعتبار
اس قدر لمبی قطار اور زندہ کافی مختصر

گھر پہنچنے سے تو بے آسان دنیا سے سفر

اور اگر گھل مل کے ہو جائیں کبھی ہم باریاب گھر پہنچنے کی دعا گڑ بڑ میں ہو کر مستجاب
شرم سے شائستگی گرمی سے ہم ہوں آب آب زندہ باد اس بس کے اندر آئے دیکھیں انقلاب

دیکھنا چاہیں اُسے گردن میں بانٹیں جس کی ہیں

جسم تو اپنا ہے لیکن اس میں ٹانگیں کس کی ہیں

منہ نہ لکے ہیں ہم کسی کے سروں بھریر سوار
خواب پر جو نہیں کاغذ سے دیکھ کر
جو جو فحشی بخشیں کو ہم بھی نہیں بار بار
یہ اس نے کہنے میں اپنی مسرور ہفتا

تا بہ خانہ اس طرح خانہ ست الی سے ہے

رواں آتا جس طرح بوتل سے اڈا سے ہے

ساتھ وہ جس میں میری مٹا ہوا ہے جس جگہ میں میں یہاں وہ وکراہا ہے

نہ شینو تم سے دن اب طالب تھا ہے جب کو میں نے ٹوٹا ہے تو مطلع عارف ہے

پارکے پار کرنے والا ٹوہ نے ٹیس

اور کندہ یہ کتنا ہے کراہ کر ادا

جو کے چلتا چوڑا ترے سر سے بانال خراب جیسے بندر فوج رچنے منڈیری سے کتاب

اس زبوں حالی پہ بھی خوش ہیں کہ ہم ہیں کامیاب
مل گئی ہے گھر کی جنت بھیل کر یوم الحساب

رات بھر یہ میں نے گئی ذہن پر اپنے سوار

صبح دم دم چھو رہی ہوں گے وہی اپنی قطار

الوداع

چور بازار سی گرائی الوداع
 دودھ میں لے تل کے پانی الوداع
 گھٹی کے اندر موبل آئل الفراق
 تیری معدوں میں روانی الوداع
 اب کہاں مکھن پر مرجم کا گناں
 لے اے کمان بد گمانی الوداع
 لے پی اینٹو نہیں مچوں میں تم
 تم نے بھی رحلت کی ٹھانی الوداع
 لے انیس بے کساں آٹے کی ریت
 ہو گئی تو بھی کمانی الوداع
 الفراق لے شورہ پشتی الفراق
 خندہ گردی آنجہانی الوداع
 کیسی بے بس ہو گئی کسند کٹری
 لے وہ چنگیز خانی الوداع
 دم بخود ہیں ہم کسی والے سب سب
 اُف وہ اُن کی بد زبانی الوداع
 اب صفائی خود ہمارا فرض ہے
 الوداع اے ہمت رانی الوداع
 سچ تو یہ ہے جس کی لامٹی اس کی مینیس
 الوداع اے من کی مانی الوداع

شہادتِ عظمیٰ

آدمی حق وہ یہاں کہ ہو تو آن منشہ مصیباں کا ایسا دور کہ ایمان منشہ
مصدقہ قہایہ کہ اب ہوں مسلمان منشہ از بس کہ سب سے سخت یربثان منشہ
رشتے قائم توڑ کے پرور و گار سے
سب روٹکا چکے تھے فقط خیر یار سے

وہ شہر بارنشہ نغوت میں جو تھا جو۔ باطل پرست حق و صداقت سے دور
جام و سبویں فرق کیے اپنا ہر شور۔ مہر و بیت کے زعم میں اک پیکر غور
اس کو قہایہ گھمنڈ کہ فہار و اہوں میں
سو دایہ ہو گیا تھا کہ شاید خدا ہوں میں

وہ چاہتا تھا کوئی نہ ہو اس کا نکتہ چیں اس کے حضورِ عجز سے سب کی جھکے جیں
اس کے اثر سے کوئی بھی باہر نہ ہو کہیں ڈر تھا کہ اک حسین ہیں اور کوئی بھی نہیں
بیعت طلب تھا سب سے ساقیاب سے

ذرہ خراج خواہ بنا آفتاب سے

کس طرح کوئی کفر کو ایمان سونپے شیطان کو کون وہ ہے جو قرآن سونپے
فاسق کو کعبہ اس کا نگہبان سونپے فاجر کو دین اپن مسلمان سونپے

یہ جو صلہ کہ دین مستعد خریدے !

بیعت حسین ابن علی سے یزید سے

یہ دست حق پرست ہو دست یزید میں اسلام کی شکست ہو دست یزید میں

کعبہ کا بندوبست ہو دست یزید میں اسلام جا کے پست ہو دست یزید میں

ان وقتوں کا اور ہو یا راحسینؑ کو

حق موت ان کے بدلے کو اراحسینؑ کو

وہ سوچتے تھے آج جو جیتے یہاں رسولؐ کیا ان محاببات کو کر لیتے وہ قبول

واقع ہے خود یزید کا مانا ہے کیا اہول پھر بحث اس نے چھیڑی ہے یہ ہم سکا فضول

کیا واقعی نہیں ہیں ٹھکانے اب اس کے ہوش

بمجا ہے اس نے ہم کو بھی شاید خدا فروش

یہ بیچ دوں رسولؐ کی غیرت نہیں قرآن کی اور ختم ہو عظمت نہیں نہیں

ہو داغ دار کعبہ کی حرمت نہیں نہیں میں اور کروں یزید سے بیعت نہیں نہیں

میں لے بگوش ہوش کہ انکار ہے مجھے

اور ایک بار بھی نہیں سو بار ہے مجھے

اب کیا تھا اک گھٹاسی اٹھی فوج شام کی کوندی افق پہ برق سی اک انتقام کی

ہر چند حق وہ فوج بڑے اقصام کی خاطر میں اس کو لائی نہ عظمت امام کی

کثرت سے کیا ڈرے کہ جو وحدت پرست ہو

یہ عزم وہ نہ تھا کہ حواسِ طرح سے

دشمن نے اپنے ہر چہرے کے ٹکڑے لٹا دیے کہ مریے ہاں تو وہاں کچھ بنا دیے
 بیہوش کر چکے ہیں یہ حور کی دنیے ہاں یہ بھی لیٹو رہے ہیں سب بٹائیے
 کہ وہ نہ بھی ۔ جائے کسی و نہاں تک

سیرایوں کا آنے نہ ان کو خیال تھا ۔
 جتا سحر کو تھا ضبط وہی دو پہر گئے اکبر و اس جنگ پہن کر سو گئے
 قاسم کچھ ایسے طیش میں آئے تھر گئے اب بھی سحر سحر ہے جو ضبط کرنے
 سب کو دیا یہ حکم کہ دیکھو پہل نہ ہو
 جو ابتدا و آخر سے تو بیشک جواب دو

تیرا اس طرف سے و رادھر سے جی چلے خیبر شکن کا غم لیے حیدری چلے
 شایان شاں بھی جن کے لیے سرور ہی چلے کس شان سے حسین کے یہ عسکری چلے
 ایک ایک جائے ہونے لگا رن میں سرخرو
 دل کا حسین اپنے پتھر ڈال کے لہو

قاسم نے گر کے رن سے پکارا حسین کو جیسے کسی نے نیرسا مارا حسین کو
 ہر چند تھا نہ ضبط کا یا را حسین کو دیتی تھی بے کسی ہی سہارا حسین کو
 فطال تھا خاک و خون میں بیٹی کا اب سہاگ
 لب پر خدا کا شکر تھا سینہ میں ایک آگ

بھائی کی لاش پر بھی کیا شکر ہی ادا دل کا ہو جو بھی حال زبان پر تھا مرجا
 جتا سحر میرے بھائی جو کرنا تھا وہ کیا دیکھو تو مجھ کو تم کو سیکینہ کا واسطہ

بے شک سلام کے لیے اب مت اٹھاؤ ہاتھ
 لیکن خدا کے واسطے چھوڑو نہ میرا ساتھ
 ہم شکل مصطفیٰؐ کی اٹھاٹھنے جا کے دوش حکم تھا اب بھی عزم نہ تھا اب بھی ارتعاش
 وہ مرچکے تھے اور یہ کہتے تھے زندہ باش ہوتا تھا شباب سرفرازیوں ہی کا شس
 یارب تو جانتا ہے یہ میری کمائی ہے
 اور یہ کمائی نام پہ تیرے ٹائی ہے
 جب مرتبہ شہید کا اکبرؑ بھی پا گئے اصغرؑ بیک کے باپ کی گودی میں آگئے
 کس خاندان سے ہیں یہ سب کو بتا گئے ہنس ہنس کے رن میں تیر قضا وہ بھی کھا گئے
 بولے حسینؑ آخری میرے پین کا پھول
 پروردگار نذر ہے تیرے جو ہو قبول
 سب کچھ لٹا کے سن کی طرب اب چلے ہیں شاہ آہستہ ہے ان کے لیے خود رضا کی راہ
 ان کے ثباتِ عزم کا ہے خود خدا گواہ پہنچانے جا رہی ہے سیکنہ کی ایک راہ
 خیمہ میں لاڈلی کو بلکتا ہی چھوڑ کے
 دنیا سے جا رہے ہیں یہ منہ اپنا موڑ کے
 مقتل میں آئے حشر سا آکر سپا کیا بچپن میں جو کیا تھا وہ وعدہ وفا کیا
 حاصل ہے جو سجود کا سجدہ ادا کیا شمر لیں نے جسم سے سر کو جدا کیا
 خیمہ میں شور اٹھا کہ سیکنہ بھی کھو گئیں
 وہ آکے اپنے باپ کے لاشہ پہ سو گئیں

.....



فہرست

.....



بڑا سانحہ

چوہدری ظیق ارمان

کرمی صاحب میل صاحب :

آج کے شبائے قتلوی مرحوم پر غوش گئے یہ کہ لکھنے کی فراست کی ہے۔ شاید آپ بھول گئے مگر میں بھول کر اس منزل میں نہیں کہہ سکتا کہ اسے لکھا کاہ برآوردن کے صدق ہے۔

میں تو اکثر دیکھا ہی ہے کہ باپ کے اوصاف وہ ہیں جو غرض آتے ہیں مگر جس طرح شوکت قتلوی اپنے والد بزرگوار سے مزاج اور عناصر جمالی کا ورثہ لے کر آئے اس کی کٹر دشمنی میں ملے گی۔ میرے دوست نہ اسطاعت محمد صدیق صاحب ان کے عادل مرحوم سے تھے جس سے اکثر حکایتیں ہوتی۔ بنی قفس احمد ان کی محبت میں چند لمبے ہنسی مذاق میں گزر جاتے تھے جو بے پناہ آہان کے مزاج میں تھی وہ میں نے کسی میں بھی نہیں دیکھی۔ سوویت علی بیوق اور چودھری محمد علی مدد لوری مرزویں جو خود بھی مالی پایہ کا مذاق کئے تھے محمد صدیق صاحب کا دل ماننے لگتا تھا محمد صدیق صاحب کی ایک کزودی یہ حق کہ وہ کہ لکھنے سے قاصر تھے مگر شوکت قتلوی نے ان تینوں مرحومین کا رنگ اڑا لیا تھا۔ اور جو دکھی و نازک خیالی اپنے انداز مزاج میں پیدا کی تھی وہ کب کسی ایک انسان کو نصیب ہوتی ہے۔

شوکت قتلوی مرحوم اپنے پیچھے بہت سی تصانیف یا نواد کے خود پر چھوڑ گئے ہیں مگر جتنا مواد بے کیا لوگوں کے ہوشوں میں محفوظ ہے وہ بھی ان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔ غضب تو یہ تھا کہ تیغ سے تیغ بھینتی کو بھی وہ ایسے شیریں الفاظ و انداز سے دھاکتا تھا کہ کسی کو نالاش تک غم نہیں ہوتی تھی۔ اس کی ہر بات میں آمدنی اور جو کچھ کہہ جاتا تھا، قبل اس کے کہ آدمی سنبھلے بیسیوں اور پستیوں مارا دیتا تھا اور سب ہنس ہنس کر بیٹھتے اور دنگل مازاندازیں۔

ہندی راج میں دیلوں کا کیا حشر ہو گا اکثر لوگ سوچتے دہتے ہوں گے، مگر اس نے سویشی دل لکھ کر ایک دنیا کے مذاقے کو چند صفحات میں منتقل کر دیا۔ قاضی جی کا شاہکار اس کا ایک عجیب گزیر ہے۔ خود ہی قاضی جی خود ہی ان کی بیگم اور سلسل ان کا پرگرم ریڈیو پاکستان میں نشر ہوتا رہا اور اکثر واقعات ہمیں جی اور ان کی بیگم کو وہ عفت افراد بچتے رہے۔
 چکا پوچھتے تو میں اس کی ہچکچاہٹ کو ایک بڑا سانحہ کہتا ہوں۔ پلوس پہلے ہی رخت پہنچے تھے۔ ساکھ مرحوم بھی جا چکے تھے۔ ان کے بعد شوکت کی جدائی قوم و ملک کے لیے ناقابل تلافی سانحہ ہے۔

(چوہدری ظیق ارمان)

شکر۔ صاحبزادہ شہزادہ نے بڑے بڑے بیگم کا بارٹ بھی لیا اور لکھتے تھے

شوکت تھانوی مرحوم

عبدالمجاہد دریا بادی

.. شوکت تھانویؒ کے ساتھ مرحوم کا اٹنا بے جا محبت سا معلوم ہوتا ہے۔ گو بواختار ضدین! لیکن مالا طور پر
تھا واقع ہو کر رہا! — زندگی اور زندہ دلان اگر کبھی جسم ہو کر گشت و پوست کی شکل میں سامنے آسکتے۔ تو وہ شاید
شوکت تھانویؒ ہوتے۔ اور یہ اگر کہیں یونانیوں کے دور میں ہوئے ہوتے، تو عجب کیا کہ زندہ دلان و عرفات کے ایک
پھوٹے ہوئے دیر تان لئے گئے ہوتے؛ عورت کے بس سے اگر کسی کا باہر رہنا ممکن تھا تو ہماری تخیل کی دنیا میں بھی
تھے۔ — وقت آیا تو جس کے وجود کا جیسے مقصد ہی ہنسنا ہوتا، لوگوں کو دل خوش کرنا تھا، خود ایک خاک کا
ڈبیر تھا۔ دوسروں کے لیے سرمایہ ماقم سامان حسرت و غم!

بہانوں میں کسی نے انسان کی تعریف کی تھی۔ کہ وہ حیوان ضاحک ہے۔ محبت نہیں کہ انہیں سابقہ وقت کے
کسی شوکت تھانویؒ ہی سے پڑا ہو۔ لطیفہ گوئی، ہندو سخی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ذہانت کا خزانہ آج کل کے محاورہ
میں بے پناہ تھا۔ — انشا کے لیے مشہور ہے کہ جب بادشاہ نے حکم دیا کہ ایک لطیفہ روز نیا سنا یا کر و تو ہمت
جواب دے گئی۔ اور پوچھنے آئے لگا۔ — یہ فرمائش اگر شوکت سے کی جاتی تو بے تکلف تیار ہو جاتے۔ اور عمر چار
سو سال کی ہو جاتی۔ یہ ہر روز بلاناغہ نئی ہی مشائے رہتے! اپنے صبیحہ میں اتنا حاضر و ناخ میں نے تو دیکھا نہیں۔
خدا جانے کتنی گناہیں، کتنے رسالے، کتنے مضمون، کتنے خاکے لکھ ڈالے۔ اور ٹھکان یا ماندگی کا پتہ نہیں۔ ہر وقت
آمدی آمد۔ اور جیسے ان کی طبیعت جانتی ہی نہ تھی۔ — دوسروں کو جو لکھ لکھ کر بڑی فیاضی اور العزیز سے
دے دیتے تھے۔ اس کا حساب الگ! اور پھر آخر میں تو کئی سال سے ایک روز نامہ میں ہر روز لطائف کا کالم
پوری لطافت کے ساتھ لپڑا کیا کرتے!

یہ ہنسوڑ پن تمام تر بے مقصد نہ ہوتا۔ بلکہ ریڈیائی تقریریں ہوں، یا اخباری تحریریں سب میں ہلکی ہلکی تعلیم
قبیلہ مشرقیت و شرافت کی ہوتی۔ جگہ کبھی کبھی تو عین دین و اخلاق کی بھی! — خود بھی عقیدہ پختہ مسلمان تھے
اور اعمال کی کوتاہیوں پر نادام و شرمسار آخر تھا نہ بھون ہی کے تو تھے۔ م
میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے۔

سب سے پہلے مارا جس کو نامی خدا نے تو مجھے خدا میں لکھ میں بدلتے ہوتے ہوتے سب میں چاہیے جو

جو امرات خود سنا کر تو کو دھرنے والا نہ رہے۔ یہ تو کچھ نہیں ہے۔

سب سے پہلے شاید وہ دھرتیا۔ افسوس کے اور تو خدا میں رہا۔ جو خدا کے دوسرے روزا میں آئے
ہاں اچھا سا روزا نہنت کے نام سے کالا۔ سوئی افسوس نے جی، رہے۔ نہ۔ کا ہلا تمام سویش رہی۔ کھڑ کر
خدا کا شکر ہے اس۔ بعد سے سو رہی ہونے چلے گئے۔ خوب نہ۔ ترقی پسندی ہوتے نہ۔
جدیدیت کے کسی اور رخ سے افسوس۔ بد رہی ان کا کردار غشی جی و اپنا ایک متعلق نہ رہا تھا۔ دور جہاں ہستیم
نے بعد ہی پاکستانی منتقل ہوئے۔ تو لاہور ریڈ رہی اس میں جی کی مافنسٹی خاص جی کے حصہ میں آئی۔ اور دونوں
کی معصومانہ دل لگیوں نے سامعین کو لٹا، با۔۔۔ تھا تو ہی محض نام کے تھے۔ ورنہ، سنو لی لکھنوی میں مانی۔ دو کہیں
اور جوانی کا بیشتر زمانہ یہیں گزرا۔ اس لیے زبان کے لحاظ سے پورے لکھنوی تھے۔ یہاں کے محاورہ اور۔۔۔ مر
پر عبور رکھنے والے۔ یہی کی شہسہ۔ رواں۔ جس میں تفسیق زبان لکھنوی نے خدا کے آموزگار لغزشوں کو، بیرو
سے درگزر فرمائے۔ اور مرحوم کو کوٹ کر کوٹ جنت نصیب فرمائے۔ مگر شاید دیب دن سے پائی ہو۔ مرض آملہ کنسرس
ساموئی نصیب ہوا۔ اس کی ناقابل بیان اذیتیں خود ہی کتنا بڑا سبب تھیں کہ وہ دیوب کا بن گئی ہوں کی۔ پھر سفر آخرت
کے لیے اسی الحجہ کے متبرک عشرہ اول میں جی متبرک ترین تاریخ میں روم لکھی کی پائی۔ یہ تاریخ کیا لی۔ گویا بھی بشارت
حضرت کا لی کی اچھا آگئی۔ و ما یلعنا الا ذوقہ عظیم۔

ایک مہذب ظرافت نگار

قدۃ العین حیدر

”تین گزریں جب میں نے“ سودیشی ریل“ پڑی تھی۔ مگر اس کے بستے چلے آگے تک اس طرح یاد میں جیسے یہ سنوں
ابھی ابھی پڑھ کر ختم کیا ہو۔

بابو جی لائیے۔۔۔ نہ ہماری بات نہ آپ کی۔ ہوئی کا وقت ہے، مانی تیرہ آٹھ بی دے دیجئے۔ ٹکٹ بڑے
نے کہلا اور ایک پرپے پر کچھ کھ کر دیا۔
”ٹکٹ کہاں ہے؟“ ہم نے پوچھا۔
”میں نے ٹکٹ پھینے گئے۔“
ریل چلنے کا نام ہی نہ تھی تھی۔

”اے صاحب جب مسافر پورے ہو جائیں گے تب ہی تو ریل چھوڑیں گے یا ایسے ہی چھوڑ دیں۔“
مسافر کچا کچھ بھر گئے۔ ریل پھر بھی نہ چلی۔
”تو فائر میں کوئی نہ بیٹھ گیا ہوا ہے۔ کہہ دیا تھا جلدی آجائو۔“ اسی بے چہنے میں دیر بھری
ہے۔ گارڈ صاحب نے فرمایا۔

اتنے میں تو فائر میں بھاگتا ہوا آیا۔ اچھے باپ کا نوکر کچھ رکھا ہے؟ سوراخ کی خوشی میں شہر کی ساری
دکانیں بند ہیں۔ کہیں کوئی نہیں ملا۔ بڑی مشکل سے ایک جگہ سے پاخانے سیر لایا ہوں۔ اس نے کوٹھے کی
پوری خستہ سے بیخ دی۔

یہ جملے ممکن ہے بالکل اسی طرح نہ ہوں۔ میں نے حلفے کی مدد سے کھدے ہیں۔ لیکن کتنے مضامین یا افسانے ایسے ہوں گے۔ پچھن جو
پڑھے پڑھنے جن کے پورے پیراگراف یا دورہ جائیں؟

کھنڈوں میں جب ریڈیو شیشن کھلے تو ”بچوں کا ہر دو گرام“ بھی شروع ہوا۔ اس ہر دو گرام کے تین کردار تھے۔ آپا جان۔ ان کا دوا
”بدھو“ اور تیسرے ایک پٹلی سی آواز دے بزرگ ”چاچا“

بہن بیویوں سے محبت نہایت تھی۔ امداد کا حقیقہ یہ تھا کہ آیا جان و خاں جی بدحواسی کا انتہائی چھوٹا ذکر ہے (جو شاگردوں کا امداد کرنا شروع کیا) کا خوشی کا جھوٹا ڈال (خدا کا) جو چاہا اسے سنبھالنا رہتا ہے۔ اور آپا۔ ایک بے حد دلچسپ شخص بیان ہیں۔

کہ عرصے بعد جب کہ اس پر دگر میں شرکت کے لیے جو یا گیا تو خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یعنی یہ کہ ہم آپا جان، بدحواسی کا کہ نہ صرف فائدہ جیتا جاگ اور بولنا دیکھیں گے بلکہ ان کے ساتھ ہر گرم میں شرکت کا فریضہ حاصل کریں گے۔ یکنے بیڑیو (ایشین) کے رسم جو کہ آپا جان کا اصل نام تو عرش تیر ہے (یہ ایک اسات آدشت تھیں۔ ان کی بھر جو صورت افادتی امداد برسر ہے کھنڈا ایشین کے قدموں کی اسٹار۔ خدا کا درجہ اور بہت حصے کے کراچی کی ایک دود افادہ صاحبہ بی بی بڑی شریف امداد تھیں کی زندگی گزار رہی ہیں، بدحواسی کے متعلق گفتات جو کہ یہ آپا جان کے ذکر قطعی نہیں ہیں بلکہ بیڑیو کے پسند کی ہیں (یہ امداد بیڑیو پاکستان نے اپنی غریبی دورانی برسر سے اہم خدمت بخود رک میں نبھات ہیں) اور چاہا کے لیے بنے چا کر اسے یہ تو شرکت خاوی ہیں۔

آئندہ برسوں میں ہم بچوں کے پروگرام کے ذریعے سے نکل کر "بھوں" کے پروگرام میں شامل ہونے لگے اور کچھ غریزی بہت "فون" میں بھی شروع کر دی۔ یعنی یہ کہ محدثوں کے پروگرام کے لیے ایک "ادھ" اسٹ" تصنیف فرمایا، سکول سے علی کر کالج اور کالج سے یو یو آر سی پہنچے۔ ریڈیو ایشین کی خدادی دی۔ دی سب جاننے چاہنے لوگ اور فون، مگر مرزا ماحول۔ ان فون کھنڈیو کے ڈولے خالص کی چیز بن گئے تھے اور لاہور ریڈیو سے دوستانہ معاہدہ اور جنگ رہتی تھی کیونکہ وہ ہر ماہوں کو می پہننے دکھا رہے ہیں بہت تازہ خلد شاید اسی دوران میں سوکت خاوی کسی فلم کمپنی میں ملائے گئے تھے یہ وہ دور ہے گئے ہوں چکے کہ جو سے بعد کھنڈیو ابیں آ گئے۔

فان اگست ۱۹۷۲ کی ایک شام، ریڈیو ایشین، اجڑا اجڑا سا لگ رہا تھا۔ آل انڈیا ریڈیو کے نئی ایشین سننے نے بیڑیو پاکستان میں شامل ہو جانے کی وجہ سے تازہ انڈین سسر ملحت جید ڈبلا اور مدقوق سامعہ مہر ہوا تھا۔ کھنڈیو سیدہ رضا اور آں آں پہلے ہی تبدیل ہو کر وہی جا چکے تھے۔ بیشتر مسلمان اراکین لاہور، پشاور، ڈھاکہ اور کراچی روانہ ہو گئے تھے۔ گوہر سلطان سنجیدہ جلاؤ اور عطیہ حبیب اللہ انگلستان جا چکی تھیں۔ وہ پاناما ماحول راتوں رات بدل سا گیا تھا۔ عرش تیر نے تیار کیا کہ جمل کسٹورمرہ، شیلا انگلستان میں تبدیل ہو کر پاکستان چلے گئے۔ شمیر سنگھ بترہ بھی (شاید ہی نام تھا) سیم ڈاؤن ہو کر لاہور گئے۔ شوکت صاحب بھی لاہور میں ہیں اور عنقریب اپنے گھر والوں کو واپس بلانے والے ہیں۔

اس کے فوراً بعد ہی لاہور سے "پاکستان ہمارا ہے" کا پروگرام شروع ہو گیا جسے امتیاز علی تاج اور شرکت صاحبہ سرب کھینچے تھے۔ اس کے بعد "قاضی جی" کا سلسلہ شروع ہو کر بہت مقبول ہوا۔

لاہور ریڈیو ایشین پر شرکت صاحب سے اکثر ملاقات ہوتی رہی۔ ملاشہ میں ایک مرتبہ کہ شائاکل میں میرے ساتھ ریڈیو ایشین گئی کیونکہ وہ آں آں سے شرکت صاحب سے پرانی دوستی کی وجہ سے مرحوم سے خاص طور پر ملنا چاہتی تھی۔

شوکت صاحب ریڈیو اشیش کے یلو وے کمرے میں اپنی بزم پر بیٹھے تھے۔ کرتا سے مل کر بہت خوش ہوئے ہیں۔
 سے لے کر شوکت صاحب آپ کا وہ ترکہ اب تک نہیں ملا، ہم لوگ جیانی سے اس کے منتظر ہیں۔
 قصہ یہ تھا کہ چند برس قبل صدیق احمد صدیقی نے بتایا تھا کہ شوکت صاحب کے ساتھ ایک بڑی ڈرامائی بات ہونے لگی ہے وہ یہ کہ ان کے بکس چھ انگلستان میں ہیں گئے تھے اور مشورہ چنگے اینڈ پارمرسلٹ کمپنی کے ٹرانزیکٹریا مالک یا بزنس مین
 بہر حال بہت سبب کر رہے تھے۔ انھوں نے لاہور واپس انتقال کیا اور شوکت قاضی، ان کے وصی قانونی وارث ہیں
 اور فقیر یہ راتوں پورا کا دورہ حاصل کرنے کے لیے ولایت آنے والے ہیں۔ یہ واقعی ایسا بنگلہ بات حق ہے۔
 شوکت قاضی ملک انگلستان کے ایک کروڑ پتی بن جائیں گے تو کرکیز یا ڈوڈ جیٹر میں رہا کریں گے۔ ایک دو فلوہ وغیرہ سنبھالیں گے اور ایک عدد روس راش قولا حال رکھیں گے ہی۔ تو ہم سب پر کیا لازم آیا۔ ہم سب پر یہ لازم آیا کہ ہم لوگ بروڈ
 کو اسی سے "معنی دیتے" شروع کر دیں اور اپنی ولایت پر ثابت کریں کہ شوکت قاضی حلقہ کے نہایت قریبی رشتے دار ہیں۔
 تاکہ موصوف کے ڈور جیٹر بروڈ اور روس راش کا وہ غیرہ سے ہم صفا کو بھی فیض حاصل ہو سکے۔

چنانچہ میں نے شوکت صاحب سے پوچھا کہ وہ ترکہ آپ کو اب تک کیوں نہیں ملا۔ ہم لوگ آخر کب تک انتظار کریں؟
 میں نے کہا۔ ہم مقبول انگریزی نادلوں میں پڑھا کرتے تھے کہ خاں کا چچا آسٹریلیا میں بے اعزازہ دولت چھوڑ کر مر گیا یا افریقہ
 میں ہیرے کی کانیں، اپنے کسی دور افتادہ اور گناہم جتھے کے نام منتقل کر کے دوسری دنیا کو مدھارا۔ آپ کے چچا نے یہ روایت
 سچ کر دکھائی۔

شوکت صاحب نے جواب دیا کہ صبی، اس میں ایک شاخسانہ نکل آیا۔ اس ترکے کی لندن میں ایک انگریز خاتون دھویا
 پیدا ہو گئی ہیں اور انھوں نے وصیت کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا ہے۔ اب میرے پاس ان پینہ کن ہے کہ میں اتنا مال مقدمہ
 لڑا چھوڑوں لہذا میں نے اس کا خیال ہی چھوڑ دیا۔

اسی وقت ن۔م۔راشد آگئے۔ جوان دنوں نیویارک میں تعینات تھے اور رخصت پر پاکستان آئے ہوئے تھے۔ اس سے
 قبل میں راشد صاحب سے نہیں ملی تھی۔ شوکت صاحب نے بڑی جرات سے میرا تعارف کرایا۔ "یہ ریڈیو کی بیٹی ہیں۔"
 اور کرتا کو متعارف کیا۔ "یہ ریڈیو کی بیوی ہیں۔" (یعنی آلی قن کے رشتے سے وہ ریڈیو کی بیوی ہیں!)

کل کی بات ہے کہ مدین احمد صدیقی، شوکت صاحب کے کروڑ پتی بھنے کی بشارت دے رہے ہیں۔ کل ہی کی بات ہے کہ وہ
 ریڈیو اشیش پر نمودار نہایت جوش و خروش اور نفاست سے مارچ کا سالانہ جشن موسیقی منعقد کر رہے ہیں اور شوکت صاحب باقوں
 کی مجلسوں پر چھوڑتے ادھر ادھر ٹھہر رہے ہیں۔ اسے بیٹھے۔ آج نہ صدیق احمد صدیقی ہیں نہ محمود قاضی نہ شوکت قاضی۔
 کمال ہے واقعی۔

جوان کے لطیفوں جتنے تو نہیں مگر شوکت صاحب کے بھی بہت سے لطائف و ظرائف مشہور ہیں کہ کیسے انھوں نے انہماکی کو عالم
 کے مکتے پر اپنے ایک محلے سے روٹوں کو ہٹا دیا۔ یا کسی بے صاحب اندازک صحبت حال کو ایک برصغیر فقرے اور بڈلہ سنی کے

[illegible]

”شکر“ کہلایا جاتا ہے اور غرض شدہ شکاموں کی ”تجدید“ ہی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ مرنا رتس اور لقیار آبادی کے ساتھ چھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ بہت سی چیزیں جن کو ہم ادب عالیہ کہہ کر خوش ہو جیتے ہیں۔ ان کی محسوس ایک دستاویزی حیثیت ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ پہلے کا بیشتر نثری اور انسانی ادب خاصا محبت تھا۔ لیکن شوکت قاضی نے ”سوریش ریل“ اسی زمانے میں لکھی اور پھر اس کے بعد ہی لکھی گئے۔ لہذا ہم نوعیت کے ساتھ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ کسی ایک دور میں صرف دوسرے کا ادب لکھتی کیا گیا۔ دوسرے مقرر قیادت اور ”دشمنہ“ زمانوں یا ”تنزل پذیر“ اور ”کمزور“ زمانوں سے بڑے ادیب کا کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا۔ وہ اپنا کام لکھ کے چلا جاتا ہے۔ بدلتے ہوئے ادبی رویہ، معاشرے اور قارئین کے تبدیل شدہ تصورات، مزاج اور مذاق، یا بعض اوقات یہ چند قیادت کی نظر کرم اور جانفہ آمیز تعریف یا نقدوں کا حساب، یا لاکھمی یا جمالت، تصعب یا سہ نیازی، یہ ساری چیزیں مل کر ایک قسط کے لیے کسی ایک ادبی شخصیت کو یا آسمان پر چڑھا دیتی ہیں یا پانی میں گرادی جاتی ہیں۔ مگر بات وہی رہتی ہے۔ اگر اس شخص کے لیے کوئی ”چیز“ تھی تو وہ وقت گزر جانے پر بھی زندہ رہے گا اور جلا دینے جانے کے بعد پھر یاد کیا جائے گا۔

لہذا میں شوکت صاحب کے متعلق یہ حکم لگانے کا کوئی حق نہیں رکھتی کہ وہ کس قدر عظیم خرافات نگار تھے اور کتنے بلند پایہ فنکار تھے اور ان کا مزاجی ادب زندگی کی کن اعلیٰ ترین قدروں کا حامل تھا وغیرہ وغیرہ۔ میں بحیثیت ایک قاری کے اتنا ہانتی ہوں کہ زندگی کا بھرپور احساس اور ایک عین اور مذہب خرافات کی تحریروں میں جاری و ساری تھی۔ ایک اچھے خرافات نگار کی خوبی یہ ہے کہ وہ بد مزہ کے مولیٰ واقعات میں، زندگی کے بے تنگے پن اور بد صورتی اور لیے میں، صورت حالات کی شدید نامعنویت میں ملوث کا رخ دیکھ سکتے اور اس پر ہنس اور ہنسا سکتے۔ اچھا مزاج نگار نہ دوسے مقدمہ نہیں لگاتا، صرف مسکراتا رہتا ہے۔ وہ چکڑ اور سوتیانہ باتوں یا محسوس خلج بگلت یا پسند بند سے ملے جملوں یا چند STOCK سحرے کرداروں کی تکرار سے مزاح پیدا نہیں کرتا۔ وہ زندگی کی گھسان میں اتر کر زندگی کا مضحکہ بھونکا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے شوکت قاضی کی تحریروں میں طنز کی تہی یا خاص مزہ سہجی کے ابتذال کے بجائے محض مزاح کی شکنگی ملتی ہے۔ یہ فرحت بخش خرافات نگار تھے سخی خوش طبعی، ذہین زندہ دلی، پُر مذاق اور لطیف فحروں اور الفاظ کے نفیس اور مذہب استعمال سے پیدا ہوتی ہے اور شوکت قاضی ہمیشہ ایک مذہب خرافات نگار رہے۔ یہی تہذیب اور قنات میں رشید احمد صدیقی کے یہاں ایک بہت ادیبی اور خفیہانہ سلیج پر ملتی ہے۔

شوکت قاضی اپنی زندگی میں ایک طویل عرصے تک اپنے الفاظ اور اپنی آواز کے ذریعے لاکھوں انسانوں کو ہنساتے رہے اور اس رفتی بسورتی احصاب زندہ دنیا میں اگر کوئی انسان اپنی فطری شکنگی کے ذریعے دوسروں کو تھوڑی دیر کے لیے ہلکا ہلکا بکشا کر کے تو ہمیں اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

کوئی دوسرے شوکت قاضی اب دنیا میں نہیں آئیں گے۔

میرا رفیق

قدرت اللہ شہاب

شوکت قاضی کے ساتھ مرحوم کا عقد استعمال کرتے ایک قیب چکاپاٹ محسوس ہوتی ہے۔
جس باغ و بہار شخصیت نے اپنی تحریر اور گفتار سے لاکھوں کا دل خوش کیا جو وہ یوں دھنا موت کی آغوش میں
سو جانے گا، اس کا ہمیں وہم و گمان ہی نہ تھا۔
شوکت قاضی نے بے شمار لوگوں کو ہمایا ہے نہیں اس کے اپنے ڈکھ اندھی اندر نہ سونہ بننے لگے۔
یہاں تک کہ اس کا سونہ چمکے چمکے گھن کی طرح اُس کی زندگی کو لٹایا۔
ایسے بندوں کی بخشش کا یہی ایک نشان ہے کہ ان کی موت پر ایک نانا نہ سو گوار ہوتا ہے۔ آج بھی
اُردو دان جلتے کا ہر فرد شوکت قاضی کی وفات پر، شک بار ہے۔ شوکت کے اٹھ جانے سے اُردو ادب کی
فضل ویران ہو گئی ہے۔ پاکستان دانشور گھڑا اپنے ایک محترم اور بزرگ ممبر سے محروم ہو گیا ہے۔ اور فانی خیل پر
میرا ایک عزیز دوست اور رفیق جد سے کھڑ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی روح کو جنت میں اُسی طرح ہنستا رکھے
جس طرح اس دنیا میں اُس نے لاکھوں ہزاروں انسانوں کو اپنی شگفتہ تحریروں اور تقریروں سے ہنسیا یا۔
آمین

باغ و بهار شخصیت

حفیظہ جالندھری

شوکت سے دل کرہتے ہیں
پہ کیا خبر حق دوتا پڑے کو

شوکت قاضی کو آج اردو کی ساری دنیا نے ادب و ادب پروری ہے۔ تاج ادب، افسانہ نگار، خاکہ نگار، طنز و مزاح، شوکت نے اپنی رسائی و مدیر، حیدر نواز، حیدر گو شوکت، بزم ادب، شعر و فن کی ایک باغ و بہار، شخصیت ہم سے جہانی طور پر رخصت ہو گئی ہے۔ وہ شخصیت جو زندگی کے اذیت دہ چوڑوں پر اپنی خوش گفاری کا سر ہم رکھا کرتی تھی۔ آج شوکت جن کو ہنسایا کرتے تھے، وہ سب روتے روتے رہ گئے ہیں۔ شوکت نے رخصت ہو جانے کے بعد بزمِ ادب کو اب سارا عالم کچھ صیب سا نظر آ رہا ہے۔

کس قدر آباد و سربلند ہوں
مردہ و اندر مرہ و خوار و زبور
حاکم کا پیوند ہونے کے لیے
صورت الکتب و امت مرگور

اور یہ بالکل سچ ہے۔ صورت حال اب یہی ہے کیرنگہ

اہل دل کی زندگی ہے زندگی روح کی تابندگی ہے زندگی
میر گئے رخصت جہاں نور و مہر کچھ نہیں خسر زندگی ہے زندگی

شوکت تھا تو ہی ایک کثیرالاجاب شخصیت تھے، پاکستان میں بھی اور بھارت میں بھی ان کے بے شمار ذاتی دوست موجود ہیں۔
خدا ان کو زندہ رکھے تاکہ وہ شوکت کے لطائف سے خود بھی مزید لطف حاصل کرتے رہیں اور دوسروں کو بھی ایسے خرافات سے باخبر
کر دیں جو ابھی تک ذاتی دوستوں ہی کو معلوم ہیں۔

ان کی تحریروں سے فکشنل حاصل کرنے والے قدردان یا ریڈیو اور مشاعروں میں ان کی زبان سے بذلہ کے موتی چھپنے والے ان گنت ہیں۔ اپنے ذوق کے مطابق شوکت کی رحلت پر سب ماتم کتاں ہیں۔ سب اس جدائی سے متاثر ہیں۔ سب اپنے ذہن کی تسکین کے معاملے میں مارٹن مزار نگاری اور غنہ گفزاری کی فضا میں ایسا خلا دیکھ رہے ہیں جو شوکت کے بعد آسانی سے پُر ہوتا نظر نہیں آتا۔ ذاتی دوست احباب اُن کے مراسمِ انتہائی عظیمانہ بھی تھے اور شہریتِ محصورانہ سے بھی بندھے ہوئے تھے۔ شوکت کی زبان اور طبعیے اور شہریتیں جو سب دوستوں کو زندہ ولی عطا کرتی تھیں۔ اب موت نے ان کو قبر میں دفن کر دیا ہے، شوکت کے ساتھ ہی!۔

یہ خودی کئی کئی حیات کے ہر قدم پر زندہ تھا۔ اسے اپنے دل میں بے جا ہونے سے خودی ستہ حرم
 کے لیے شوکت کے پاس بار بار بٹھاتا رہتا تھا۔ اب وہ وہاں کوئی ایک روز سے رہ رہ کر جھٹکتا ہے
 شوکت کی بدولت کسی حاضر جوابی، صاف انصاف میں ایک شخص سے ملے۔ اسے وہ وہاں سے آدھ ہونے اور نکلے ہوئے
 اس نے شاید کئی کو حاصل کیا ہے کہ شوکت نے اسے ایک صاف صاف اور سادہ سادہ حیات پر مبنی اور اس کی تائید میں
 نے رہنے پر غور کیا جس مقام اور جس دور پر آپ نے ملے۔ ان کے لیے کردہ رہا ہے۔ اسے غور ہے اور اپنے دیگر دوستوں کی
 بات بھی اور عاقبت میں ان کے ذہن پر گزریں۔ اور آپ سے تمام اور سب سے زیادہ بڑی باتوں اور عینی باتوں کو کیا
 نے بلکہ ہفتہ دو دن کو تین گھنٹہ پر درے۔ پرانا دور شوکت کے سادہ سادہ انسانی اور نیا دور۔ چھا جانے۔
 جھٹکتے ہوئے چلتے گھٹتے رہتے۔ ان کی بندوبستوں پر اتنے جتنے ہر کام میں ایک خاص حدود اور حدیں
 ہر روز ہوتا تھا۔ دوست جو باہر میں رہا ہے، عزیز، غار، حتیٰ کہ اپنے بھائیوں تک ہر طرف کئے سے وہ دریا میں رہتے
 سے اور غور بھی کیا کہ باید و شاید!

جے تو کہہ جیسا نظر آیا کہ کسی کے صدر و سینہ میں کوئی مٹا نہیں ہے بلکہ عین عین شریعت میں مقاصد کی آئین تیار
 ہوتی رہتی ہے۔ یہ مقاصد بڑی بڑی یا صحت ایک ہی دوست کے ساتھ ملنے کی نہ کسی نہ کسی زبان سے یہ مقاصد ایسی
 نہیں کہو دیتا تھا۔ کوئی ایسی حرکت پر مقاصد میں دوسروں سے سرزد نہ کر دیتا۔ اس پر فوراً وہ چپا ہوا عین شوکت کی زبان سے
 ہر کھانا میں قصوں کا لہ زار سجاتا تھا۔ بیٹے کے لیے خود گھڑا اٹھتی ہوئی شریعت کے سے کسی مقام اور سرے کی
 شریعت شوکت کو نہیں تھی۔ جو بات دوسروں سے غائب رہنا چاہتی، شوکت کے لیے صاف عینی ملک اس کے بیٹے یا شریعت
 میں بھی کوئی دہر۔ کبھی کسی کی دل شکنی یا دلائل نہ موجود تھی نہ شوکت کا مقصود!

شوکت کی خرافات زندہ ولی تھی۔ یہ دل چاہتی تھی۔ دل کی لگی تھی۔ لگاؤ تھا دل نہ تھی۔ اس لیے جس پر وہ غور
 ساتھ وہ روکتے رہتے تھے لگاؤ تھا۔ اس کے ذہن سے نکلے ہوئے الفاظ کے ہر دھن کو کھتے ہوئے صدف سے حوتی
 تھے۔ اس کی تراشیدہ ہڈی سے سوکھے ہوئے چھلکتے تھے۔ افسوس آج وہ ذہن بند ہو گیا ہے! آہ آج وہ اپنی نگین بیان سے
 زبان کی لذت کو بیدار کرنے والا خود ہی سو گیا ہے!

جو قیامت اٹھائے پرتے تھے

سورہ میں وہ لبیاں مانے

شوکت پر شے دور اور پر شے مقام سے چلتا ہوا جس نے مقام اور جس نے دور میں آگیا تھا، ہماری حرج وہ پرانی باتوں
 پر سوتا نہیں تھا۔ کیونکہ اس دور کی عاقبتوں پر پہنچنے ہنسانے کا ملک اسے وہی تھا۔ اس نے ماحول کی عاقبتوں اور پرانے دور کی عاقبتوں
 کو ہم آہنگ کر لینے اور ہر دور کی تصویروں کو ایک تصویر میں بھر دینے کی طاقت شوکت میں بس ڈھنگ سے نظر آئی وہ سب سے
 نہیں پائی گئی۔ رنگ برنگ قصوں کو ایک ہی جلیب قلم سے ہر پہ منظر کے ساتھ فضا کے عالم پر ثبت کر دینا شوکت کے لیے آسان
 تھا۔ دوسروں کے لیے محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

دل بگتے ہیں کہ جو لوگ دوسروں کو ہنستے ہیں۔ وہ خود لادنا خوش و خرم ہیں۔ آہ، سدا اس لیے کہ جس سے ہنستا ہوں کہ میں شوکت کے خاص اٹھ صفات باب میں سے نہیں ہوں۔ خاصا اس باب تو واقعی اس کو بہت زیادہ ہنستا ہوں۔ گنگا میں بھی جیش برس سے اچھی خاصی شہنائی لکھنے یا دوستی پر غول کیجئے شوکت سے گزری جت رہی ہے۔ بچہ معلوم ہے کہ اس کے عجب بہت سے ہوتے تھے۔ سارے زندگی کی ذمہ داریوں کے دو باٹ بن کو پیچھے ڈال رہے تھے۔ آہم وہ راتوں کو چند مرتبہ دوستوں اور دشمنوں انٹرن کے اُن کھانے پر چلکے جاتے۔ عام شاعروں پر پہے پہلے بھٹے جاتے تھے اور رات رات بھر جگائے جاتے تھے۔ دشمنوں کے خلاف فیصلہ و معاملہ ہوتی ہوئی۔ لیکن جینٹل سے گزرا وقت بعد شکل ہوتی تھی۔

جامہ زیب آدمی۔ دمننداری کا رسیا۔ اپنے زخمی دل کو چھپاتا رہا اور خارجی دنیا کو اپنے انداز گفتار سے پرہیز کرتا رہا۔ اس کا اس کے لیے شوکت کی محنت کا اندازہ شاید آپ نہیں کر سکیں گے۔ جس پر ایسی ہی میت رہی ہو۔ اس کے سوا کون جانتا ہے کہ یہ ہنسنے والی مٹیں اپنے اندر من کے لیے کیا کیا جتن کر رہی ہے۔ اس نے بار بار مجھے میرے استدار پر، ایک آؤد آکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے آپ جیتی سانی تو مزاج اور عرفات کے نیچے شوکت کی اصل خوبیاں صحت نظر آتی۔

جنگ کے زمانے میں شوکت نے میرے اساتذ میں سب سے زیادہ محنت و اندر تہین مقاصد جنگ نے سسے میں بطور ڈاکٹر کا فہم بھی کام کیا تھا اور میں نے کھنڈ میں اس کی قیاد کاہ پر بھی اس کی میزبانی کے چند مرتبہ طور طریق دیکھے۔ بچے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ دوسری شادی کرنے پر کیوں مجبور ہوا۔ لیکن میں انہیں کے سوا اور کچھ نہ ہی نہیں سکتا۔ جب میں نے دیکھا کہ اس نے اپنے پہلے فرزندوں کی تربیت اور چران کو برسر روزگار بنانے میں کس قدر پدرانہ شفقت اور ذمہ داری اختیار کئے رکھی اور اپنی پہلی بیگم کو آخری دم تک باقاعدہ وہ جس قدر رحم و ہیا کہتے تھے، وہ بھی مجھے معلوم ہے۔ الحمد للہ ان کے دو فرزند اچھا خاصا کارہے ہیں۔ تیسرا تعمیر کے آخری درج طے کر لینے کے قریب ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ سرحرم شوکت کے احساس ذمہ داری نے پہلی بیوی اور بچوں کے سسے میں وہ سب کچھ کیا ہے۔ جو ایک شریف ترین مسلمان کو کرنا چاہئے تھا۔ یہ بچے سعید اور سعادت مند ہیں۔ اسٹار اللہ برسر روزگار ہیں۔ اللہ ان کو سلامت رکھے اور دن دو گنی رات جو گنی ترقی کریں۔ وہ اپنی والدہ کو تو بے نیاز کر ہی چکے ہیں مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی دوسری والدہ کو بھی نہ بھولیں گے۔

آہ — دوسری بیوی جو شوکت کے بڑھاپے کا سہارا تھی۔ جس کو میں نے ایک لمحہ بھی شوکت کی خدمت سے غافل نہیں دیکھا اور اس بیوی سے تین بچیاں —

شوکت کو بیماری کے عالم میں جس نے بھی دیکھا ہے، وہ شاہد عادل ہے کہ اپنی موت پر تو وہ ہنستا ہی تھا۔ بلکہ شاید عزیز اس کو بھی کوئی فقرہ چست کئے بغیر اس نے نہ چھوڑا ہو گا۔ لیکن وہ دفعا تھا۔ دفعا کیوں تھا۔ اس لیے کہ اس بیوی کی بیماری اور ان تین بچیوں کی قیمتی اُس کو کھانے جارہی تھی۔ میں نے اسی لیے اخبار جنگ کے ذریعے پاکستان کے اہل دل سے سدا کا کہی تھی۔ مگر اللہ کریم جو سننے والا ہے اس نے سنی تو، لیکن بندے کے لیے بہتر کیا ہے جاننے والا بھی تو وہی ہے۔

میر ظیل اور میر تبیل تک میری رسائی تھی۔ میں نے دیکھا کہ یہ دونوں بھائی جان وال ایمان کے ساتھ کوشاں رہے اور اب قیمتی بیٹیوں اور ناجار بیوہ کے سلسلہ میں بھی جنگ کے ادارے کے ساتھ شوکت سے وابستگی سے بھی بہت زیادہ شوکت کی شخصیت اور

ان کے ساتھ طاقت کا حق ان کے پاس نہیں ہوتا ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ وہ یہاں سے نکلیں گے۔ جو پہونے
 اور یہ کہ بہت بہتر لوگوں کے ساتھ گزارنے کے لیے سے ہی تہذیب کی شرکت کی زنجیریں پھانسی ہیں اور تو یہ کہنگی
 ہے کہ کچھ اور بنایا ہو۔ شرکت کی ذہن اور شرکت کے میں کسی سزا کو دینے کے لیے نہیں مجوز ہیں۔
 اپنی رہنے بہت شرکت کی غرضتہ فرما رہے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ان کے تازہ تازہ ملاحظہ و طاقت
 ہے۔ تو یہ کہ ہم کہنے لیکن میں جانتا کہ ان کی شہنشاہت کو دیکھ کر لوگوں تک پہنچانے کے لیے میں ہی کر رہا ہوں جو
 کہ میں اپنی کتابی صورت اختیار میں کر کے ان کو ان صورت میں ہندوؤں کو تو ہندوؤں۔ یہ کہ اپنی قوت کی حالت تو یہ ہے
 کہ ہے

پہنچ جائیں نہیں دیتے ہرگز نہ اسی کو اپنی اصل گرجی میں لیتے ہیں

شوکت تھانوی کی یاد میں

فیض احمد فیض

شوکت تھانوی مرحوم یا کب محل سے ملے گئے۔ اس ہمہ جہد ویرینہ کی جدائی پہ اسباب کے دل پر جو گہری سو گزری تھیں ذاتی غم سے زیادہ اس بات کا ڈکھ ہے کہ محل وطن میں جہاں رُسنے کو مست کچھ ہے۔ لیکن ہنسائے کو شوکت تھانوی تھے۔ وہ ان کی جگہ اب کون سمجھائے گا۔ برسوں سے اُن کا نام بیکہ لکھ کی صورت گھر گھر دو زبان تھا۔ یہ فقرہ، وہ لطیفہ وہ نقل۔ ہزار جگہ ہزار بات شوکت تھانوی سے روایت تھی۔ پھر اُن کے لطف صحبت پر ستر ادا، آنگہ اوجھل یاد سے دُور، دو بیسویں تھیں۔ بیسویں سو تیس اور طرح طرح کے بزرگ بھی تھے۔ جنہیں مرحوم اپنی شہدہ بازی سے دم بھر کو زندہ کر لیا کرتے تھے۔ ٹھنڈا کونی مشاعرہ۔ پود بکے کسی زمیں کی بیٹک۔ دہلی میں کسی حکیم کا مطلب۔ یہ ثاقب ٹھنوی ہیں۔ یہ نوح ناروی ہیں۔ یہ احسن مارہروی ہیں۔ یہ ظلال حکیم صاحب ہیں۔ اود یہ فلاں نواب صاحب۔ شوکت مرحوم اپنے اندر محلی نقل نہیں اتارتے تھے۔ خود ہی بن جاتے تھے۔ اود اس پر حرفہ یہ کہ جس صحبت کا تذکرہ کہتے اس کی فضا اُس کا سماں، اس کا پورا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا یوں تھا کہ اُن کے دم سے صرف شوکت ہی ایک عالم زندہ تھا۔ اب جو وہ دست ہوئے تو ان اُن گنت محضوں کا لطف بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ لیکن یہ تو ان کے گونا گوں کلمات کا بہت چھوٹا سا جزو تھا۔ اُن کی دہین اور بوقلمون شخصیت نے جو ذاتی طبع کیلئے جو بھی میدان فتح کیا اس میں کیساں جو سپرد کھائے۔ فہم بشر، تخیل، انسانہ شخصیت، تھانوی، نامہ نویسی، ریڈیو، صحافت، بذلہ لکھی، بدیرہ گوئی اُن کی طبع زبان اود قلم کیساں۔ ہر میدان میں کیساں طواری سے رواں رہتے۔ اُن کی طرافت میں تکلف اور آدو کو دخل نہ تھا۔ بے تکلف اود بے تکان، جیسے پرتے دیسے کھتے۔ نہ ٹھنڈا میں اُن کی طبع کو غیر حاضر پایا نہ تحریر میں کبھی انہیں قلم پر زور دیتے دیکھا اود اس مشاقی کا راز ریاضت نہ تھی، ان کی خدا اود ذرا نت تھی جو اکتساب کی محتاج نہیں ہوتی۔

شوکت مرحوم اپنی ہمشو دنیا کے ان محسنوں میں سے تھے جنہیں زندگی کی آسانشوں میں بہت کم حصہ ملا لیکن وہ اپنے سوا صاحب کے لیے فرحت اور انبساط کے اسباب ہم کرتے رہے۔ اب جو وہ نہیں ہیں تو اپنی محرومی پر رنج ہے کہ ان کی باغ و بہار صحبت اب کبھی حاصل نہ ہو سکے گی اور اس سے زیادہ رنج ان کی محرومی پر ہے جو اس لطف سے کبھی بھی آشنا نہ ہو سکیں گے۔

افسوس قلم کو میتر سے محبت نہیں رہی

گوہر مخزنِ ظرافت

کنہیا لال کپور

شوکتِ خاوی، سو جب تک بقہ جاسکتا، عوام اُس سے عوس اور نفاذِ نالوں ہے، مگر اللہ کو مروجہ سے طرح طرح کی شکایتیں تھیں۔ شوکتِ خاوی شوکتِ خاوی کیوں تھے؟ رشید محمد صدیقی، پھر س۔ عظیم بیگ چٹائی یا فرحت اللہ بیگ کیوں نہیں تھے؟ شوکتِ خاوی عوام میں بہ دلپذیر کہیں تھے؟ شوکتِ مخزن نگار جوئے کے مظلوم فلسفی کیوں نہیں تھے؟ شوکتِ بہادر فوس کیوں تھے؟ شوکتِ ایٹے صُک با بی اے کُتُوب کیوں نہیں تھے؟ بھونک پیسہ خامیاں شوکت میں تھیں۔ لیکن اگر خدا ملنی کسی جائے تو وہ ان میں سے کسی عامی کے لیے مطلقاً ذمہ دار نہیں تھے۔ اگر وہ شوکتِ خاوی کے مظلوم اور کچھ نہیں تھے۔ تو یہ امر ان کی خود اعتمادی اور دیانتداری پر دلائل کہتا ہے آخر یہ کہاں کی تنقید ہے کہ کسی مزاح نگار سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ ایسی انفرادیت کو ترک کر کے اپنے کو دوسروں میں مدغم کر دے۔

خدا کا شکر ہے کہ قریب قریب سب نفاذ اس بات پر متفق ہیں کہ شوکتِ عوام میں حدودہ جو قبول تھے۔ وہ شاید اس حقیقت سے بے خبر ہیں یا دیدہ و دانستہ اُس سے آنکھیں پھرانا چاہتے ہیں کہ شوکتِ عوام میں جی اتنے ہی ہر دلعزیز تھے۔ کیونکہ رُسا۔ ظلم اور ادب بھی ان کے اتنے ہی مداح تھے جتنے کہ عوام۔ اب یہ اور بات ہے کہ ان کی ہر دلعزیزی کا خمیازہ ان کے مداحوں کو اٹھانا پڑتا تھا۔ وہ جب بھی شوکت کی نازہ تصنیف خریدتے۔ اُن کا کوئی نہ کوئی دوست اُسے اٹھا کر لے جاتا۔ مجھے اس بات کا ذاتی تجربہ ہے کہ شوکت کی تصانیف دیکھ کر سب کے منہ میں پانی بھرتا تھا۔ بسا اوقات یوں بھی ہوا کہ میری میز پر مشورہ راویا کی نازہ تری تصانیف پڑی ہیں اُن میں سے دو ایک کا مصنف شوکت بھی ہے۔ میرے احباب جن میں سبھی طرح کے لوگ شامل ہیں کسی اور کتاب کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے تھے بلکہ شوکت کی نازہ تخلیق پر اس طرح جھپٹتے ہیں جیسے بھوکا آدمی خوانِ نعمت پر۔ اور ان کی اس حرکت کو دیکھ کر مجھے اُن پر ہنستہ اور شوکت پر ہیار آئے لگتا ہے۔ اور اُسی وقت فوراً مجھے ایک بھولا بسرا واقعہ یاد آ جاتا ہے۔

یہ شاید ۱۹۴۲ء کی بات ہے سواست صیغہ۔ کوشن چند راویا میں کافی ہاؤس میں بیٹھے کافی بی رہے تھے کہ ایک مشہور دانشور اپنی بھاری بھر کم جہانت کی وجہ سے مولوی اور پہلوان کا مرتبہ معلوم ہوتا تھا۔ ہماری میز کے قریب

آیا۔ علیک سلیک کے بعد اس نے ہم قہوں سے درخواست کی۔ ہمیں بھی کسی خدمت کا مرقع دیکھئے۔
منٹو نے طنز بہ انداز میں جواب دیا۔ بس آپ شوکت تھاؤی کی کتابیں ہی چھاپا کئے یہ کرشن اور میں سے
منٹو کی ان بی بیوں نے ملاتے ہوئے کہا۔ منٹو صاحب جیک فرار سے ہیں۔ ایک ٹکڑے کے لیے ناشر و مخرج ہو گیا۔ اس کے
بعد اس نے ہم غنوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، گستاخی معاف۔ ایک بات عرض کر سکتا ہوں؟
”اں بی بی شوکت سے؟“

”آپ اپنے کو اہم ادیب کہتے ہیں اور شاید عوام کے طور پر بھی۔ لیکن حقائق یہ ہیں کہ آپ کی تصنیفات عوام نہیں
فرجئے۔ کالج کے چھوٹے اور چھوٹے خریدتی ہیں۔ لیکن وہ تو عوام میں سے نہیں ہیں۔ اور شوکت تھاؤی کی تخلیقات
باہر حال ہے کہ ہم صرف اس کی نئی کتاب کے نام کا اعلان کرتے ہیں کہ پانچ ہزار جلدیں تک (۵۵۰۰) ہر جاتی ہیں۔
حالانکہ آپ کی کسی کتاب کا ایڈیشن ایک ہزار سے تجاوز نہیں کرتا۔ شوکت تھاؤی کچھ بھی ہوں۔ عوام کے ادیب ہیں۔
وہ عوام کے لیے لکھتے ہیں۔ اچھا اسلام آباد؟“

وہ کافی ہلڈس سے باہر چلا گیا۔ اور ہم غنوں پر گویا برف گر گئی۔ دل ہی دل میں میں شدید خفت کا احساس
ہوا۔ کیونکہ اس کی بات صداقت پر مبنی تھی۔ شوکت کو عوام سے اور عوام کو شوکت سے مالہ نہ عشق تھا۔ وہ صحیح معنوں
میں عوامی ادیب تھے۔ اور ہم جو بزم حویش اپنے عوام کا مخاطب ہی سمجھتے تھے۔ ان سے اتنے ہی دور تھے جتنا کفرایان
سے ہوتا ہے۔

شوکت کی یہی خوبی کچھ نقادوں کے نزدیک ان کی سب سے بڑی خامی ہے۔ میری رائے میں عوام کے لیے کھانا حرم ہے
نہ گناہ۔ آج تمام اشتراکی ممالک میں عوام کے لیے کھانا باغ و خیریاں کیا جاتا ہے۔ استالین (STALIN) نے
ایک بار ادب سے خطاب کرتے وقت ایک یونانی دیوی مثال دی تھی۔ جسے کوئی شخص اس وقت تک بچاڑ نہیں سکتا تھا
جب تک اس کے پاؤں زمین کو چھوتے رہتے آخر ایک پہاڑ نے اسے ہرا میں اچھالا۔ اور اس پر کاری دار کہے اس کا کام
تمام کر دیا۔ استالین نے اس کہانی سے قیہہ اخذ کرتے ہوئے کہا تھا ”یا در کجیے۔ وہ ادیب کبھی فنا نہیں ہو سکتا جس کے
پاؤں زمین کو چھوتے رہیں گے۔ شوکت تھاؤی خدا نخواستہ اشتراکی ادیب تو نہیں تھے۔ لیکن انھوں نے ہمیشہ زمین
سے اپنا رابطہ قائم رکھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ نقادوں کی کڑی تنقید کے باوجود زندہ رہے۔ اور اپنی زندگی میں زندہ
جاوید بھی ہو گئے۔“

کچھ نقادوں کو شکوہ تھا کہ شوکت کی ذہنیت خام تھی۔ ان کا شعور نا پختہ تھا۔ وہ دوسرے یا تیسرے درجے
کی چیزیں لکھا کرتے تھے۔ مجھے اس رائے سے بھی اتفاق نہیں۔ جو شخص اتنا کچھ لکھے چاہے وہ نیگور ہو فنی پریم چند یا
اقبال ہو ہمیشہ اعلیٰ پلے کے ادب کی تخلیق نہیں کر سکتا۔ نیگور کو ہی لے لیجئے۔ آپ کو اس کے کلمات میں ایسی چیزیں مل
جائیں گی جنہیں پڑھ کر آپ کا سر ذرا مت سے ہلک جائے گا۔ خود نیگور نے اپنی مشہور ”عالم تصنیف“ گیتا بلی کے بارے
میں کہ جس پر اسے فوری پرائیز ملا تھا ہے میں یہ نظمیں رات کے وقت چھپ کر لکھتا تھا۔ کیونکہ ان میں ادبیت کا فقدان

ابھیں کھے وقت ہے یہ ڈر نگار ہر گناہ کی گئی ہے آنے دیکھ مار ۔
 اس میں ملتا شکر نہیں کہ شکر نے دورے باقی رہے وہ کی ہر یں بھی کھی ہیں۔ بعض اوقات بھیجے
 صاحب میں فرسودہ یا مایانہ اشعار بھی نقل کئے ہیں لیکن یہ بھی گج ہے کہ انھوں نے اعلیٰ قسم کے ادب کی بھی تحقیق
 کی ہے اس دورے کے ثبوت میں۔ عناصر شکر۔ شکر عن۔ بار خاطر۔ اور قاصد ہے قاصد۔ میں
 یا سلسلہ میں۔ گجے ابھی حزن یاد ہے جب میں نے ٹیٹل علی۔ پہلی بار پڑھی تو میری طوالت ایک نئے شکر سے ہوئی۔
 یا شکر جو بعض ایک فقرے کے ٹیٹے میں ہی آتا رہ سکتا تھا۔ اس کے اسلوب بیان کے ایجاز و اختصار کا
 یہ دیکھا کہ اس کا ایک ایک جملہ، سروں کے پارے مضامین پر جاری تھا۔ توڑے ہیں وہ باکوند کرنے کی بہتوں نے
 شکر کی ہے۔ کہیں یا تو انھیں کوزہ جستہ نہیں آیا یا وہ "فراسی آج کو"۔ "بھر بیکراں" کے ساتھ خلا ملط کرتے
 رہے۔ اس علاوہ کو علی حاضر ہونے کی سعادت صرف شکر کے حصے میں آئی۔ اور ان کے قلم سے اتنے خوبصورت
 جملہ جملے۔ جی کی تازگی اور رعنائی بہ الا باؤ ملک تمام رہے گی۔ بار خاطر۔ شکر و شکر ہمارے۔ میرا تو خیال ہے
 کہ وہ اس کو کھنے کے بعد اپنا قلم توڑ دیتے تو بھی محض اس نصیف کی بدولت ان کا نام زندہ رہتا۔ بار خاطر۔
 سے زیادہ کامیاب تحریف، جی تک نہیں کھی گئی اور نہ مستقبل تریب میں اس کے کھے جانے کا امکان ہے۔ جو لوگ
 یہ کہتے ہیں کہ شکر کے طنز و مزاح میں شائستگی یا گرائی نہیں۔ انہیں چاہیے بار خاطر کا بار بار مطالعہ کریں۔
 فوراً دیکھا گیا ہے کہیں کہیں ایک اچھا مضمون مصنف کے حق میں رحمت کی بجائے زحمت ثابت ہوتا ہے۔ اس کا قسم
 و ساتھ شکر کے ساتھ بھی پیش آیا۔ انھوں نے ایک مضمون بعنوان سودیشی ریل، لکھا۔ اور سودیشی ریل و اسے
 شکر کے لقب سے ادبی دنیا میں شور مچوئے۔ اس مضمون کے بعد انھوں نے سینکڑوں کامیاب مضامین لکھے
 جنہیں بیشتر نقادوں نے اس بنا پر پڑھنے سے انکار کر دیا کہ سودیشی ریل سے جلا بہتر مضمون اب شکر صاحب
 کیا لکھیں گے۔ ایمان کی تو یہ ہے کہ سودیشی ریل، ان کی ابتداء تھی نہ کہ انتہا۔ میں ایسے نقادوں کو بھی جانتا ہوں جنہوں
 نے سودیشی ریل، بھی نہیں پڑھا۔ لیکن جو اس امر کے باوجود یہ فتوے صادر کرنے کو تیار ہیں کہ شکر کا مزاح سہلی
 ہے۔ تنقیدی سہلی پن کی اس سے ہر تر مثال مشکل سے ملے گی۔

اور پھر وہ نقاد ہیں جو تنہائی میں شکر کے مضامین دیکھنے سے لے کر پڑھتے ہیں۔ لیکن کھلے بندوں اس کی مذمت
 کرتے ہیں کیونکہ ایسا کر ناخوشی میں داخل ہے ان لوگوں پر یہ شعر صادق آتا ہے
 جناب شیخ نے جب بی تو منہ بنا کے کہا
 مزہ بھی تلخ ہے کچھ تو بھی خوشگوار نہیں

شکر صاحب تعریف و تحقیر سے بے نیاز تھے۔ میں نے انھیں کبھی کسی نقاد کی شکایت کہتے نہیں سنا۔ وہ
 جانتے تھے کہ سب سے بڑا نقاد "وقت" ہے اور اگر وہ ان کے مضامین پر سمان اللہ کے ڈونگے برسا رہا ہے تو کوئی
 وجہ نہیں کہ انے والی نسلیں انھیں فراموش کر سکیں گی۔ انھیں مذکم کی خواہش تھی نہ ستم کا شکوہ۔ فطرتاً وہ ظریف اور

بذلہ نکلے واقع ہوئے تھے اور انہیں خیال۔ واقعہ یا کردار سے مزاج پیدا کرنے کے فی میں قافیہ رشک عمارت حاصل ہو چو کہ انہوں نے کسی مغربی ادیب کا تتبع نہیں کیا اس لیے ان کی خرافات کے خمد سانسید مشرقی تھے۔ ان کے تہذیب و تمدن میں زول ہوئی تھا۔ دل شکنی نہیں۔ وہ نہ کسی "ازم" (۱۵۸۱) سے تعلق رکھتے تھے اور نہ انہوں نے بھی اپنے عزیز و عزیز اصلاح و تربیت کا ذریعہ بنایا۔ ان کی زندگی کا مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ وقت کے لیے ہنسنا تھا وہ مجسم اور دھچکے تھے۔ اور شاید اسی لیے اور دھچکے کی شان میں کہا گیا "آبرارہ آمادی" لافصیدہ درجہ شرکت ماہرین مرثیہ ہے۔

اے گوہر عزمینِ غرافت	میں جو ہر معدنِ لطافت
سر پایہ انبساطِ خاطر	نسکیں دل و نشاطِ خاطر
و بیا چہ دفتر فصاحت	عنوانِ محبتِ بلاغت
رنگینی میں غیرتِ کشتن	شوقی میں حریفِ برقِ تابلیں
معقولِ مزاج ہے تو یہ ہے	شرعاً مباح ہے تو یہ ہے
ہے خلقِ خدا قلیلِ اس لی	حاصل کا حمد و بیلِ اس کی
ہر کس کہ بدیدِ گفتِ خوب است	بالندِ مغزِ انطرب است

صاحبِ طرزِ ادیب

سید ہاشم رمن

شوکِ قاضی کو مرحوم لکھنے سے پہلے وہ بے پروا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی کی بنا پر کہتا ہے جب وہ رومنڈی قلب کی ایک ضرب میں جو حیدر خان کے سسٹے منقہ کی تھی وہیں ہزار داستان کی طرح چوک نہ بنے تھے ان کے ہمارے ڈاکٹر یہ ہوا کرتے تھے صاحبِ کارڈ کی جانت اور نفاست دیکھ کر گمانِ گزند کہ یہ کسی دینی ریاست کا ڈاکٹر ہے تو سننے لگے کہ ہاں مجھے محسوس ہی آسانی ہوتا ہے۔ میں منہ آفتاب کا شعر پڑھا ہے۔

بدی سا شہر نہیں دل سا بادشاہ نہیں اس قسم سے بڑھ کر کوئی سپاہ نہیں

اس دن جب یہ خوش فہمیاں پوری تھیں، کسے خبر تھی کہ ان کے حواسِ نفس کی سپاہ میں اسی افغانی پیمانہ پھیل چکی کہ ان کا بھتیجا وقت حیدر خان کے ایک دن پہلے ہی آجائے گا۔ ان کی بیماری کی خبریں اخباروں میں پڑھیں، اس کی بہت کا اندازہ آج سے پہلے نہ ہوا اور آج جبکہ بہت سے دنوں میں ان کی یاد میں صفا ماتم بھی ہوئی ہے ان کی شخصیت کا بھی اندازہ ہو رہا ہے، ان کی وفات ایک انجمن تھی۔ وہ شاعر بھی تھے اور ادیب بھی، نواسی بھی تھے اور بذلہ سچ بھی حقیقت نگار بھی تھے اور افسانہ نگار بھی۔ ڈرامہ نویس بھی تھے اور ایکٹر بھی۔ قلم گو بھی تھے اور تھیل نگار بھی۔ انھوں نے غزلیں بھی کہیں اور نظمیں بھی، قطعات بھی لکھے اور مرثیے بھی، ان کی نثر اور نظم میں ایک چیز جو سب سے زیادہ نمایاں تھی وہ ان کی اشاک تھی۔ حدیث کہ آں ساقی خاندانِ قدحِ بخت

ان کی تصنیف میں ہندوستان اور پاکستان کی بہترین روایات اور قدروں کا تذکرہ ملے گا۔ اور ساتھ ہی ساتھ ملک اور ملت کی کمزوریوں کا بھی پتہ چلے گا۔ "سودیشی ریل" کی روانی کو کون پڑھنے والا بھول سکے گا۔ "کامی جی" کی شگفتہ بیانی کو کون سننے والا بھول سکے گا۔

انھوں نے جنت نگاہ اور فردوس گوش دونوں کے لیے سامان مہیا کیا۔

ان کی وفات کی خبر سن کر مجھے ایک اور صاحبِ طرز کی یاد آئی یعنی خریف لکھنوی۔ ان کے دمِ آخر کا نقشہ ان کے

جانی سنی لکھنوی نے یوں کھینچا تھا۔

جواڑ نہ سکتا ہے سہارے وہ ٹوڑ مٹر اٹھا کے اٹھا ستم ظریفی تو دیکھئے گا، ہنسانے والا رلا کے اٹھا

الہا کل ہی تاثرِ شوکتِ قاضی کی موت کا بھی ہے۔ ایشان کی مغفرت کرے اور جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

شوکت تھانوی

شاہد احمد دہلوی

خدا بخشنے شوکت تھانوی ان لوگوں میں سے تھے جو اردوؤں کو ہنسالتے تھے۔ ان کی ہر بات ایک لطیف ہنسی تھی۔ جب روضہ عزرائیل کی شخصیت تھی مرحوم کی۔ پہلے آدمی تھے۔ پہلے نہیں جیت سکتے تھے۔ ان کی رگوں میں غری کے بدلے ہمارے ہمارے تھا۔ ترن پیرت، یہ آئے وہ گئے۔ آدمی کیا تھا چلا دیا تھا۔ بڑی جان تھی مرنے والے ہیں۔ یقین نہیں آتا کہ وہ ہیں چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلا گیا۔ اب بھی وہ آنکھوں پر ہنسموہر میں بھر رہا ہے۔ جلا جس میں اتنی زندگی اور زندہ دلی جو وہ کیسے مر سکتا ہے؟ مگر یقین کر دیا۔ شوکت واقعی مر گیا۔ روتوں کو ہنسانے والا جنسوں کو روٹا چھوڑ گیا۔ جس اس کے صدمے بڑھے ہوئے خلوص کو دیکھ کر کہا کرتا تھا ”دیکھ لینا یہ شخص ایک نہ ایک دن ایسا سوکھ کر شے کا کہہ دیتا ہے ہی رہ جاؤ گے۔“ دیکھ لیا نا؟ تیس سال کے تعلقات کا اتنا سا بھی خیال نہیں کیا اور اکیلا ہی سدھار گیا۔ ایسی ہی کج جلدی تھی؟ ساتھ ہی چلتا۔ ہر کام میں جلدی، زندگی میں بھی جلدی، مرنے میں بھی جلدی سے

لازم تھا کہ دیکھ کر راستہ کوئی دی اور

تہل گئے کیوں؟ اب رہو نہ کوئی دن اور

شوکت تھانوی کا نام پہلی بار اس وقت سنا جب ۳۵ سال آدمی نے بنایا کہ ”نیرنگ خیال“ کے سالانہ میں ان کا ایک مضمون ”سورشی ریل“ پڑھنے کے لائق چھپا ہے۔ رسالہ منگا کر پڑھا، واقعی طبیعت پھر دک گئی۔ اب بھی جب کسی وہ مضمون یاد آتا ہے تو سنسی آ جاتی ہے۔ جب اس مضمون کی شہرت عام ہوئی تو کسی حاسد نے یہ چلا یا کہ کسی انگریزی اخبار میں کوئی مضمون چھپا تھا، یہ مضمون اس کا ترجمہ ہے۔ یہیں بھی اس کی ٹوہ لگ گئی۔ اصل مضمون کا تراشہ حاصل کیا۔ ترجمہ تو ترجمہ ان دونوں مضمونوں میں کوئی مناسبت ہی نہیں تھی۔ بہت سے بہت یہ کہا جاسکتا تھا کہ یہ کہہ کر ہی تصور اس مختصر سے خاکے سے لہا گیا تھا۔ شوکت تھانوی نے اس تصور کو اپنے رنگ میں اس خوبی سے پیش کیا تھا کہ یہ سولہ آنے دیا سو پیسے (۹) انہی کی تخلیق ہو گئی تھی۔ اور جو خوردہ گیری ہی پر آؤ تو شیکسپیر کا کونسا ڈرامہ طبعاً ادا کرنے کا مستحق ٹھہرے گا؟ یونہی چراغ سے چراغ جلتا چلا آیا ہے، اور ٹرافن کا رخصت ہی ہوتا ہے۔

اس مضمون کے کھنڈے سے پہلے بھی شوکت تھانوی بہت کچھ لکھ چکے تھے۔ پہلے لکھنے کے ایک اردو اخبار میں کالم لکھتے

یہ پیر خدا خدایوں میں کھٹے کھٹے۔ میرا تب وہی کئے ہمہ۔ میں ان کے اوپر ان کے لئے نہ تھی۔ ان کے حالہ
 اب بڑے پورے افسر تھے۔ اس کوئی کی میرے دارنہ ہنس کے بعد سوکھ آسانی نے سارے سب اسکا شرع ہوتے تھے
 میرا طبع ادب کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ وہ پھر ان اور دھن کے تب رہتے ہیں؟ میں اب کے سحر کم اور شریک
 کے ساتھ زیادہ گندا۔ یہ بڑی ہی خواہ میرا دل دور۔ جس میں اور یہ خاتون وہ ہیں جس کے شوہر تندرستوں اور شد خاتون
 ہیں جو شوکت خاتون کے چار اور بی بی میں۔ چھوٹے میں وہ چھوٹے ہیں اس میں میں ان کے ساتھ عظمت
 کے شوکت کو شاعر ادب اور خاتون کی لہجہ بنا کر چھوڑا۔ وہ نہ تھا۔ چھوٹے میں سے شوکت کا لہجہ میں؟ پیرا میں میں
 کے لئے اپنے بڑے چھوڑے۔ لکھنے میں اس نام تھا محمد عمر۔ خاص شوکت احمد کے اور آپت شرک خاتون کی دیکھ دیکھ
 خاتون کا لا خاتون میں میں ٹانگ لیا۔ یہ لا خاتون اور بہت سے میں نے کر کے دے دے خدا جسے کس خاتون سے ان کا تعلق ہے
 ان کی جھل جھل پر پردہ دار، وہ میں میں سے خاتون ہے۔ محمد عمر ادب کوئی نہیں جانتا۔ شوکت خاتون کو سب
 جانتے ہیں۔ ۶

کہ چہ رات اندر میرا نام کس

شوکت کے اور میں ایک۔ میں صبح ہی صبح اصرار مل کہ وہ میرا سب کے لئے میں۔ نام دیکھے تو نام نہیں ملے
 ان کی یہ بد اخلاقی طبیعت کو ناگوار لگتی۔ میں نے کہ مردانہ گد کی جھل میں، جس میں بڑا۔ میں اسی وقت اٹھتا ہوں
 نے دل میں سوچا کہ ان میں سے میرے لئے اور نام نہ بتانے کی میرا وہی چاہتے۔ جانا خاتون اور سوکر راستہ کیا اور
 آدمی گھنٹہ بعد مردانے میں تھا۔ وہ دونوں اندر میں شوکت کے لئے۔ میرے دل میں ہوتے ہی وہ مردانہ لکھتے ہوتے۔
 یہ دونوں جو ان تھے جن میں دیکھ کر ڈپٹی نہ پراچھلے میرا خاتون اور ایک یا آئے۔ وہ دونوں چھیلنے لگے تھے۔ ان میں سے ایک
 جو زیادہ چربا لگے تھے ذرا آگے بڑھ کر بولے: "میں جانتی تھی"

میں نے میرے پاؤں تک ان میں دیکھا۔ آڑی مانگ نکلی ہوئی، کسی قدر رنگ ہسانی، گون چروہ، "لکھوں پر شہرے
 فریم کی جینک، شریرے زراہ آنکھیں، سرور و جی، لبوں پر پان کی ہلکی سی سرخی، زرخیز ہوتی مرچیں، ڈھری گئی ہوتی بے شک
 "چکن، چیت پاجامہ، وادنس کا پمپ شو، واہنے لہڑ میں پٹی سی پھڑی۔ ان کی تصویر میں دیکھ کر کہا:۔۔۔
 "شوکت خاتون؟" مسکرا کر بولے۔ آپ نے شک پہچانا۔ یہ کہ کہ متعاقب کیا۔ پھر اسے ساقی کو حرف اشارہ کر کے بولے "اور یہ؟"
 میں نے ان میں میرے پیر تک جا بجا۔ تقریباً ایک ہی ساقیہ تھا وہ دونوں کا، سوائے اس کے کہ ان کے چہرے پر عینک
 نہیں تھی۔ میں نے کہا: "یہ آپ کے نفس ناقص نسیم انہوئی ہو سکتے ہیں" شوکت نے کہا: "جی خوب، ادا زہ دکایا۔" نسیم
 صاحب بھی آگے بڑھ کر لگے تھے۔ ان کا پیر چہ "حرم" نکلتا تھا اور ساقی کے تباؤ میں آتا تھا۔ اب شوکت اور نسیم دونوں نے
 مل کر سونچ "ایک مزاحیہ اخبار (ہفتہ وار) نکالنا شروع کیا تھا۔ نسیم صاحب بھی مضامین لکھتے تھے مگر کوئی مضمون ان کا مشورہ
 نہیں ہوا تھا۔ جتنی آدمی تھے۔ ان کی محنت اور شوکت کی ذہانت نے مل کر بڑا کام کیا۔ اور اب تو خود نسیم صاحب بھی ایک
 بھاری بھر کم مصنف ہیں۔

جاڑوں کے دن تھے، میں نے ان حضرات سے کہا کہ آپ کل صبح ہمارے ساتھ نہاری کھا لیجئے۔ یہ دلی کی ایک خاص چیز، صاف دلی دینے ہی اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ مگر اس کے کھانے کا لطف علی الصبح کا ہے۔ اس لیے آپ حضرات چھوٹے اہل کھانے کے بعد میں نے انہی ماموں جتنی صاحب گھر کے لیے نہاری کا اہتمام کر دیا ہے۔ میں خود چونکہ رات کو دیر سے سوتا ہوں اس لیے صبح دیر سے اٹھتا ہوں۔ اس دن الیم لگا کر کھانا چھٹی صاحب نہاری کا دیکھ اور دوسرے روز صبح چھٹے چھٹے سے پہلے پہنچ گئے۔ انکھنوں نے دیر کی گئی۔ اس پر کھانا کھانا کیا۔ نہاری پہنچا اور آتا کر آگ کر دیا اور جب کھانا پہنچا تو نہاری ہر گئی تو ہاتھ لگا کر ایک پلٹ میں نکانہ لگا دیا اور کھانا کھا دیا۔ چھٹے، ساڑھے چھ بجے، سات بجے لگے۔ جتنی کہ۔ جتنی کھانا کھانا نہیں آئے۔ میں نے کہا۔ کھانا کھا لیں، کھانا کھا لیں کہیں رہ گئے۔ میں آتے ہی ہوں گے۔ تو صاحب، رات میں نہ لے، ساڑھے سات بجے کو آئے۔ انہار میں طبیعت بڑی بد مزہ ہوئی۔ جوانی کی ترنگ، اس زمانے میں میں ناک پر رکھی جتنی نہیں دیتا تھا۔ جب آٹھ بجے تو میرا صبر کا پیر نہ بھرنی ہو گیا۔ میں نے جتنی صاحب سے کہا۔ ماموں جان، یہ زمانہ میں بھیج دینے سے گھبرا کر رہے ہیں۔ کبھی کبھی ہوا تو اس انتظار اور کھانا کو۔ مگر میرا پاؤں پڑھ چکا تھا۔ جس نے کہا۔ اب اگر وہ آئیں گے میں تو میں نہیں کھانا کھاؤں گا۔ ماموں جان نے کہا۔ یہ بڑی نامناسب بات ہوگی۔ مگر میں نے سہل سہل سا مانا، کھانا کھا دیا اور خود بھی اندر چلا گیا۔ کوئی فونکے دو فون حضرات تشریف لائے۔ مجھے اطلاع ہوئی کہ مہمان آ گئے۔ میں نے بیوی سے کہا۔ چائے اور پانی بھیج دینا۔ انہوں نے پوچھا۔ اور نہاری؟ میں نے کہا۔ اب وہ نہاری کہاں رہی، وہ تو باسی فورم ہو گیا۔ اسے مت بھیجنا۔ انہوں نے سر کو حرکت دی جیسے کہہ رہی ہوں۔ مجب اور نہاری مت کا آدمی ہے؟ اور باورچی خانہ میں خاموش چلی گئیں۔ میں مردانے میں آیا تو شوکت صاحب نے کہا۔ ”ہیں کچھ دیر ہو گئی۔“ میں نے کہا۔ ”جی ہاں۔ م۔ م۔“

ہر دن بلو بلو خورد و درختند

پورے کیا مطلب؟

”مطلب یہ کہ آپ سے ملانے کے لیے جن احباب کو بلا یا تھا انہوں نے دو گھنٹے ٹھیک آپ کا انتظار کیا، اس کے بعد کھانا کر رخصت ہو گئے۔“

”یعنی نہاری ختم؟“

”جی ہاں۔ دلی کے مشرقی سڑک نکلنے سے پہلے ہی نہاری کھا چکے ہیں۔ ویسے بازاروں میں مزدوروں اور کام پیشہ لوگوں کے لیے دن چڑھے تک بجتی رہتی ہے۔“

”یہ تو بڑا ہوا۔“

”وقت کی پابندی نہ کرنے کا عتبہ بڑا ہی ہوتا ہے۔ اب آپ کچھ اور باتیں کیجئے۔ کیسے کی کس کس سے ملے؟“

شوکت صاحب نے بتایا کہ مراد دہلوان سنگھ، ایڈیٹر ریاست سے ملے، خواجہ حسن نظامی صاحب سے ملے اور پروفیسر اکبر حیدری سے ملے جو اس قدر تھاک سے ملے گھنٹوں ان سے باتیں ہوتی ہیں۔ حکیم پروفیسر صاحب ڈیڑھ گھنٹہ

میں وہ دن نصیب ہونے لگے۔ ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس نے کھانے پر بھی بدھیر صاحب نے اخیر

بدھیر صاحب کے قہر اس انبار کے مگر وہی ہی میں آکر بس گئے تھے۔ تو زونے میں بعض لوگ کورون کو بعد
 لے گئے اور فٹ لکھتے تھے۔ سب نے منی اسٹانڈ بخور و طوی تھے۔ وہ اپنی کمرسی کے باعث اس پتے کو
 لے چکے تھے۔ اکبر حیدری اچھے وہی آدمی تھے۔ ان کی تعمیر شاید اسوں میں ہی ہو رہی تھی مگر ہی ذہانت اور
 ذہانت اس پتے میں نہیں لگتے اور اپنے ایک چم چٹ سب اور بہت سہلے بڑھتے ہیں۔ وہ اس کی
 ان دنوں کے لیے وہ ایک کتے میں جو کھو دی جس جو کورس میں واقع ہوئے کہ وہ جسے خوب بھی نہیں چھوڑتے
 ۔ ان دنوں میں کسی کے بعد حیدری کی ٹیٹ چھوڑی ہے۔ وہاں پہلے سے اور کچھ دنوں میں ان کا ایک لمحہ ملاں بھی
 ہوا تھا۔ مگر اچھے خدے کہہ لیتے تھے۔ اور مجاز کے امت ایسی مزرعوں میں لے جاتے تھے جس میں کسی کو برا جھاننا ہو۔ تو ان کے
 سہارا کے تعلقات میں وسیع ہوتے چلے گئے تھے اور وہ بدھیر صاحب کو مشورہ کرتے تھے۔ ویسے طبیعت کے چلے
 گئے اور طے چلے میں خوش اخلاق تھے۔ بہت سے بھی ان کی یاد اللہ ہی مقرب سے ان کی میزان نہیں چلی تھی۔

شرکت صاحب نے کیا کہ راب کو ہم ان کے ہاں دعوت میں گئے تو وہ دو اور ایڈیٹروں سے بھی ملاقات ہوئی
 اب ہر جس کے ادب و عشرت رکھتے تھے اور وہ بڑے اخبار رہا سس کے صاحب ادب و عظیم ہاشمی۔ مگر کوسٹ حسن صاحب
 اس رہا نہیں جتنے تو مند اور قوی الجہت آدمی تھے صاحب ہاشمی اسی دور احصائی اور عظیم الجہت۔ اچھی خاصی باتیں
 دہن نہیں کہ صلیب ہاشمی پنجاب اور بولی کا قصبہ بیٹھے۔ اکبر حیدری انبار کے تھے۔ نہ ادھر کے اور نہ ادھر کے
 بلکہ میں نہیں۔ کچھ بار بار اس بحث کو حتم کرنے کی کوشش کرتے مگر صلیب ہاشمی کا پکا پکا کر دے کہ وہ کچھ
 نہ دیتے۔ ادھر یہ دونوں بھی کچھ کہہ دینے والے نہیں تھے۔ پہلے تو انھیں لے کھڑا مال مگر جب وہ حد سے بڑھنے لگے تو یہ
 جی لیٹ پڑے۔ مگر شرکت صاحب نے بتایا کہ فضا اتنی کدھر ہو گئی کہ ہم وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے مگر اکبر حیدری
 نے کچھ کر بیٹھا لیا اور فوراً کھانا منگوایا۔ مگر لوگوں میں غماز بھرا ہوا تھا۔ اٹھا کھا کیا خاک کھایا جانا۔ دو چار لمبے زہرا کر کے
 وہاں سے بچھا چھڑا ہوا۔

میں نے کہا مجھے یہ زوداد سسٹر مطلق تعجب نہیں ہوا۔ اکبر حیدری جب ایسے ہوتے ہیں تو نہایت معقول
 ہوتے کرتے ہیں۔ مگر جب دو چار ادیب یا شاعران کے ہاں جمع ہو جاتے ہیں تو پھر ایسے ہی ہنگامے ہوتے ہیں۔ ان کے
 کھڑی مدنی ہی ہنگاموں پر موقوف ہے۔

اتنے میں چائے آگئی۔

شرکت صاحب نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "تو کیا واقعی نہاری نہیں ملے گی؟"

میں نے کہا۔ "نہاری اب آئندہ کسی اور موقع پر۔ اب تو آپ چائے پیچھے اور پان کھائیے۔"

اس واقعہ کے بعد شرکت صاحب میری طبیعت سے واقف ہو گئے۔ مجھ سے وہ عمر میں دو تین سال بڑے تھے

مگروہ مجھے ہمیشہ شاد بھائی ہی کہتے رہے۔ وہ بڑے بڑوں پر فقرے کس جلتے تھے مگر انھوں نے میرے ساتھ کبھی جھگڑا نہیں کیا۔ مذاق ابلتہ ہوتا رہتا تھا۔

شوکت تھانوی سے میرے تعلقات اوڈیشا اور مضمونی نگار کے ہیں تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ جلد معاذ صہبیس لکھے۔ جب کبھی ان سے مضمون لکھنا ہوتا تھا تو انھیں معاذ صہبیس آدھرتے بھیج دیا جاتا تھا۔ اور اس زمانے میں معاذ صہبیس بڑا تھا ۹ دس بیٹے۔ منشی پریم چند۔ بندرہ بیٹے کی افسانہ لکھتے تھے، اور لکھتے تھے کہ کسی نے بندرہ بیٹے انھیں بیٹے ہیں تو ان پر بڑا احسان کیا ہے۔ سو وہ سو میں شوکت تھانوی اپنا ناول دینے پر تلے دیتے تھے۔ ایک دفعہ آغا میر خوسرو درویشی اپنا مسودہ لکھ کر کچھ روپے لے گئے۔ آغا صاحب نے دیکھا اس کا نام کیبت؟ کہا ”جو جی چاہے نام رکھ دو“ آغا صاحب کو شوچن شوچی۔ کتاب کے نامش پر ایک گیدڑ بنوا دیا اور اس گیدڑ کا چہرہ شوکت تھانوی کا بنوا دیا۔ گیدڑ ہاجرے میں بند لکھا دیا اور کتاب کا نام رکھا ”مجھے خرید لو“ یہ ادب کے عروج اور انہوں کی ہستی کا وہ زمانہ تھا کہ اچھے خاصے مشہور ادیب اپنے مسودے کے ساتھ دو دو سو روپے بھی دیتے تھے کہ لکھنے والی کتاب اپنے کتبے سے بچے۔

شوکت تھانوی میں جو بی لکھے یا جو یہ تھا کہ ان کے کسی کام میں استراحت نہیں تھی۔ وہ نئے بیٹے آدمی تھے جنہیں کہ زمانے کو اپنے ساتھ کر لیتے، اس لیے وہ زمانے کے ساتھ ہوتا کرتے تھے۔ جب وہ آئی۔ ڈیڈیا بڈیو کے پردہ گرام ہونے لگے تو ایک دفعہ شوکت صاحب کو جی تقریر کرنے کے لیے بلا دیا گیا۔ اسے انھوں نے اپنے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھا۔ اس زمانے میں احمد شاہ بخاری (پطرس) اسٹیشن ٹرانزیکٹر تھے اور ذوالفقار بخاری ڈائریکٹر پتہ گرام۔ شوکت صاحب ان دونوں بھائیوں سے مرعوب ہو گئے، کچھ گورجی دیتی تھی۔ ایک ایک سے ان کی تعریف کرنے پھرتے تھے اور لکھنؤ واپس پہنچنے کے بعد انھوں نے ایک اردو اخبار میں (جس سے وہ وابستہ تھے) ان دونوں بھائیوں کا نثری قصیدہ لکھا اور اس کا تراشہ انھیں بھیج دیا۔ اس کے بعد میں انھیں دلی مزید پروگراموں کے لیے بلا دیا گیا اور جب لکھنؤ میں۔ ٹیلڈ اسٹیشن کھلا تو انھیں مسودہ نویس کی حیثیت سے دکھ لہا گیا۔ ریڈیو میں انھیں اخبار کے مطالبے میں دگنی بلکہ گنی تنخواہ مل گئی اور ان کے دل درود رہ گئے۔ اخبار نویس نے انھیں نو دو نو میں بنا دیا تھا۔ وہیں آدمی تھے، فیچر اور ریڈیو ڈرامہ کی تکنیک کو سمجھ لینے کے بعد انھوں نے لکھ لکھ کر مسودوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ اس کے علاوہ ان کا ایک اور صلاحیت کا بھی انکشاف ہوا کہ ریڈیو یا ادکاری اچھی کر سکتے تھے۔ نقالی مادہ تو ان میں شروع ہی سے تھا، کئی طرح کی آوازیں بنا پر بھی قادر ہو گئے۔ لکھنے میں انھیں کوئی تکلف نہ ہوتا تھا، قلم برداشتہ لکھتے تھے، اچھا لکھتے تھے اور خوش خط لکھتے ہیں۔ ان کے مسودے دیکھے ہیں۔ ایک لفظ بھی نہیں کاٹتے تھے اور سطری موتی کی لڑیاں دکھائی دیتی تھیں۔ لکھنؤ سے انھوں نے اپنا ایک ہفتہ وار فیچر ”منشی جی“ شروع کیا جس میں کسی معاشرتی خرابی یا وقت کے کسی اہم موضوع پر بڑی دلچسپ بحث ہوتی تھی۔ کئی سال تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور نہایت کامیابی کے ساتھ۔ جب پاکستان بن گیا تو ”منشی جی“ نے ”قاضی جی“ کا روپ بھار لیا۔ یہ فیچر لاہور سے شروع ہوا، پھر شوکت صاحب کراچی آ گئے تو یہاں سے نشر ہونے لگا۔ اور جب وہ راولپنڈی چلے گئے تو راولپنڈی سے۔ اس ہفتہ وار فیچر کی روح روان قاضی جی تھے جن کا ہاٹ خود شوکت صاحب ادا کرتے تھے۔ بد تو

بشریت کے نام پر جو کسی کو قاضی کی صدارت کی اور نہ اسے قاضی کی ایک کمرست پر سے کہاں ہے جو
معدوم کی جنت میں رہتے تھے مگر ہر معاملہ میں کسی رائے دہنے کے لیے آئے تھے۔ ان کے یہ چند سے جو باتیں انہیں تھیں جہاں
جہاں وہ مشکلہ خیز ہوئی تھیں۔ شرکت صاحب کو قاضی کی اور رائے دہنے میں مدد حاصل تھا۔ ان کا کمال ثابت رہا ہے کہ
اس کے معاملہ پیدا ہو گئے تھے۔ اور انھوں میں جو سفرے غلط میں کرتے تھے وہ قاضی کی غلطیوں سے اور سننے
نے تھے۔ شرکت صاحب کی قاضی اور قاضی کے سینکڑوں سوئے تھے اور میں نے ہی ان کے جیسوں پر اور کامٹ تھے۔
ان نے ایسی ہی سے ایک کو بھی دیا تھا۔ انہیں ایسے سب میں ایک ہی جتنی غلطی اور رائے دہانی۔

یہ کیفیت ان کی کالم دوسری میں چند دوسرے کے اعتقاد نے شرکت صاحب خدا بیک سے واسطہ
ہو گئے تھے۔ وہ ان انھیں روزانہ ایک واحد کالم اور وہ دوسرے "محکمہ" تھا اور انھوں میں دو ایک اور ایسے ہی خواب
سعدت علی خان نے انشاء اللہ خدا کی دعا میں کی تھی وہ طبعی دور، سنا، ماکر و فوجہ دور میں اس کا یہ عالم ہو گیا
ایک ایک سے کہتے۔ کوئی من کوئی پڑھلا یا دہو نہ ہو۔ میں توں مرجع تھا کہ خواب کو خوش کر دینا یا شوب کا شغل نہ
مور و رانہ چننا یا اور طاعت کے چوں اٹھنا۔ پند کی جہل سے جد و جہد سے اخلاقی و فروعی جو ای پر مبنی ہوئی تھی
مگر وہ پہاڑ تھے۔ انے عنوان سے کام برابر لکھتے تھے۔ اور یہ کے علاوہ ہی وہ کچھ نہ لکھتے رہتے تھے۔ شہر انھوں
نے، اپنا آپ جی کی شریعت کی تھی۔ اور اس کو اس کی چند قسمیں ہی جیسے دینی نہیں کہ وہ اقتدار پر سے ہو گئے۔
پاکستان کے سے شہر و و حال سال پہلے وہ دینی خواہ پر پتوئی علم کہی، اور جو میں مٹا دے دوسرے ایسے جیسے نے تھے
اس کہی میں انھوں نے سید احیاء ذی تاج کے ساتھ کام کیا۔ فوراً سب سے بے تکلف لکھنے لگے تھے۔ پس ایک فہم میں
انھوں نے، اور کاری بھی کی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد۔ م

آنند ج بکست و آن ساقی نہ ماند

تاج صاحب کے ساتھ وہ بھی دہر ریڈیو میں آگئے تھے۔ پاکستان کے تعبیر پر وگرام میں انھوں نے قاضی کی لکھا شروع
کیا تھا اور سب زیادہ مقبول پروگرام انہی کا ہوتا تھا۔

ایک دیگر حکم گیر کے شرکت صاحب قائل نہیں تھے۔ سب کے مینٹ تھے۔ جس کام میں جسے زیادہ فائدہ ملتا
دینا اسی کو اختیار کر لینے۔ کام نوے سے ان کی عمل زندگی کا آغاز ہوا۔ وہاں سے ریڈیو میں آئے۔ ریڈیو چھوڑ کر بھی
پڑی جنگ کے زمانے میں سالک جیسی کے حکم میں چلے گئے۔ وہ حکم ختم ہوا، نو پتوئی فلم کہی میں آگئے۔ وہ بند ہوئی تو پھر
ریڈیو میں آگئے۔ پھر جنگ اخبار میں چلے گئے۔ یہ اخباروں نے خوب کہا با مضامین سے، کتابوں سے، ریڈیو سے،
اخباروں سے، مشاہدوں سے، ٹکڑیوں انھیں خرچ کرتے نہیں دیکھا۔ ہمیشہ اپنے آپ کو تنگ دست ظاہر کرتے تھے۔ پاؤں
کی ڈیبا زوہ ضرور اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ سگریٹ تک وہ نہیں چیتے تھے۔ سینا، تھیر، کلب،
سیر سپاٹا، دعوتیں، ہوٹل بازی، یا کوئی اور بازی، کچھ نہیں۔ البتہ بڑے آدمیوں کے ساتھ لگے ہونے کا شوق تھا، اور
انہی کے ساتھ ان کے شوق پورے ہو جاتے تھے۔

شوکت قنادی کا کمزور پہلو ان کی شاعری تھی۔ وہ ساری عمر شعر کہتے رہے۔ آج کل کی انھوں نے شاگردی جی اختیار کی۔ مشاعروں میں بھی اپنا کلام سنا کر تھے تھے، کوئی ۲۵ سال جوئے انھوں نے پہلے صاحب کلام کا مجرور گہرستان کے نام سے شائع کیا تھا مگر شاعری حقیقت سے انھیں کوئی نمود حاصل نہیں ہوئی۔ شعر کلام منہ سے علاوہ ادب بہت کچھ ہوتا ہے۔ یہ اور بہت کچھ "شوکت کے کلام میں نہیں تھا۔ چند سال سے انھوں نے مزاجی اشعار اور طنزیہ نظمیں بھی شروع کر دی تھیں۔ یہ ان کا سیدھا سادہ سحر کی محبت کا جن کے سادگی میں بھی انھوں نے وہ ایک نہیں کی ہیں، مگر ان میں بھی وہی آواز اور بے دنگی ہے جو ان کے سیدھا سادہ کلام کا سبب ہے۔ شوکت صاحب کا سادہ کلام اکبر الہ آبادی سے ملتا جلتا تھا۔ اکبر کی شاعری کا آغاز سجدگی سے ہوا۔ مدتوں اس بحر میں شغور کرتے رہے مگر حاصل کچھ نہ ہوا۔ پھر ایک بار اتفاق سے غوردار کر کے وہ مقصود پا گیا تھا۔ یہ مرنے والے طنز و مزاح کے جو کی دھج چاروں طرف سے ہونے لگی۔ سب اکبر کو معلوم ہوا کہ ان کا نظری جوہر ظرافت ہے اور انھیں اسی پر ہر جہاں جانا چاہیے۔ لہذا انھوں نے اسے مشت کی سب پر چڑھایا اور مزاح سے ایسے پہل تراشے کہ اس کی آب و تاب ایک دیکھنے والے کی چیز بن گئی۔ شوکت صاحب بھی برسوں اخباروں میں لکھتے رہے مگر جب حسن اتفاق سے "سودیشی ریل" ان کے قلم سے نکلی تو اس کی محبوبیت نے انھیں بتایا کہ ان کا جوہر اصلی مزاح ہے۔ اگر غور و چاہتے ہو تو اسی کو چمکاؤ۔ چنانچہ شوکت نے اپنا سب کلام اسے چمکایا اور اس تیز رفتاری سے کہ دو سال ہی میں موریہ قسم، بکر قسم اور وہ ادب قسم، چار مجرمے ان کے مضامین کے شائع ہو گئے۔ مگر ان کی زود فوری نے انھیں طنز و مزاح کی بندیر کو چھوٹے نہیں دیا۔ آج تک اور سٹ کی چوٹی گھسیٹنے وہ دیکر مر نہیں کی۔ یہ بڑا جان جو کلم کا کام ہے جس میں قدم قدم پر احتیاط کرنی ہوتی ہے۔ اور کوئی بڑا ہی خوش نصیب ہوتا ہے جو اپنا جھنڈا گاڑ کر لانا ہی ہو جاتا ہے۔ وہ ذکر بانپ جانے والوں میں عظیم بیگ چغتائی اور شوکت قنادی ہیں قدم قدم مل کر چوٹی تک پہنچنے والوں میں رشید احمد صدیقی اور پطرس۔ ثانی الذکر کے زمرہ سلامت واپس آجانے کے بعد کوہ پیمائی کا سامان ایک طرف ڈال دیا۔ صدیقی صاحب بہت زیادہ سخت کوشش ہیں۔ نئی سنگھ کی طرح بار بار چوٹی پر دھاوا بولتے رہتے ہیں۔

شوکت قنادی خوش اخلاق آدمی تھے، اور جن سے دوستی کا رشتہ قائم کر لیتے تھے ان سے تعلقات میں فرق نہ آنے دیتے تھے مگر وہ دوست صرف انھیں بناتے تھے جن سے انھیں فائدہ پہنچتا رہتا تھا یا فائدہ پہنچنے کی امید ہوتی تھی۔

بالوں کے طوطا جیسا بنانا یوں تو سبھی یو۔ پی۔ والوں کا شیوہ تھا مگر شوکت صاحب کو اس میں کمال حاصل تھا انھوں نے اپنی اسی صلاحیت کے بل بوتے پر بڑے بڑے جنوں کو شیشے میں آنا رکھا تھا اور ان سے کاغذ فائدہ اٹھاتے تھے ہیں ان سے کہا کرتا تھا کہ تم بے ڈھکی کے آدمی ہو۔ اپنے سے زبردست کے سامنے جانتے ہو تو سولے جی ہاں جی ہاں کہنے کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ کہتے تھے "نہیں، یہ بات تو نہیں ہے"

ایک دفعہ جی شوکت قنادی نے پاس ریڈیو پیشی پر بیٹھا ہوا تھا۔ باقی کرتے کرتے شوکت صاحب ایک دم

”جس بے آدمی کو دیکھتے ہو کسی کو اپنا بٹ اور کسی کو اپنا باپ بنائیے ہو۔ تمہیں شرم نہیں آتی؟ بڑی سہجہ گی سے بڑے نہیں رہو میرا بڑا لڑکا تھا، بی۔ اے، ایف۔ بی۔ نوکر ہے۔ مجھے پھر بھی یقین میں آیا۔ اس نے میں عزت رکھائی تگئے۔ میں نے اس سے کہا۔ ان کا کوئی لڑکا ان سے جی بڑا ہے؟ انھوں نے کہا۔ نہ میں بڑا ہے۔ ان کی عمر آپ کیسے تھی؟ مجھے آپ سے بہت ہیں یہ حضرت۔ پچاس سے آٹھ پر ہیں، ۳۰-۳۲ سال کا تو لڑکا ہی ہے۔ اس وقت شوکت صاحب کی صحت انہی ہی تھی کہ چالیس سے زیادہ کے نظر نہ تگئے تھے۔ بال خوب لمبے، رکھنے سے مضبوط بال۔ نو عمر میں تھے اور نہ مونچھوں میں چہرے پر کوئی تھکری نہیں تھی اور آنکھوں کے کونوں میں کوسے کے پانوں۔ اس باہ سال بعد یعنی سترہ سال بعد بھی بالکل ایسے ہی تھے عمر کے ساتھ مزاج میں بڑو باری اور سنجیدگی آ جا یا کرتی ہے، مگر شوکت صاحب کی بات حجت کا اندازہ بالکل نہیں بدلا تھا جوانی کا وہی چلبلا پن قائم تھا، بلکہ خرابی کچھ بڑھ ہی گیا تھا۔ تاریخ سترہ کے آخر میں پاکستان سے جدت جو خیر سال کا ثقافتی وفد گیا تھا اس میں وہ مور سے امرتسر تک اور امرتسر سے دلی تک وہ انصاف بخاری، ستید محمد جعفری، شوکت تھادی اور میں، ہم چاروں ایک ہی ڈبے میں تھے۔ بالعموم عوامی صاحب اپنی بڑی سنجی اور چوب زبانی سے سب کو دبا لیا کرتے ہیں، مگر اس سفر میں شوکت تھادی نے سب کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔

پانی کے خرچ کے علاوہ شوکت صاحب اپنے لباس پر بھی رد یہ صرف کہنے پر مجبور تھے۔ وہ روزانہ ایک جوڑ بدنتے تھے اور ٹیب ٹاپ سے پہنتے تھے۔ بعد میں شوٹ بھی سلا لیتے تھے۔ وہ اس مار کو اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ آدمی کی عزت اس کے کپڑوں سے ہوتی ہے۔ جیسے الغریب خواہ مخواہ مرد معقول ہو تا ہے اسی طرح بڑھیا لباس والا خواہ مخواہ معزز سمجھا جاتا ہے۔ مجھے اس کا بڑا تاریخ تجربہ ہو چکا ہے۔ ایک دفعہ میرے پرانے ہم جماعت اور بے تکلف دوست ممتاز حسن صاحب نے مجھے کھلا بھیجا کہ کسی دن شام کو دس بجے میرے دفتر آ جاؤ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ ممتاز صاحب اس وقت سیکرٹری فنانس تھے۔ میں سیدھے سجھاؤ ان کے دفتر وقت مقررہ پہنچ گیا۔ ان دو چرامی مریخ زریں بنا باہر کھڑا تھا۔ میں نے پرچے پر اپنا نام لکھ کر اسے دیا کہ صاحب کو اسے آئیے۔ اس نے بڑی بے مہربانی سے میری طرف دیکھا اور بولا۔ بچ پر میٹھ جاؤ۔ صاحب کام کر رہے ہیں۔ میں میٹھ گیا، وہ بھی تھوڑی دیر بعد اگر مجھ سے مذاہٹ کر اسی بچ پر آ بیٹھا۔ دس منٹ گزر گئے، اس نے مجھ سے بات کرنی بھی گوارا نہیں کی۔ میں نے کہا۔ ”آپ جا کر میرا پرچہ تو لے آئیے، مناسب سمجھیں گے تو بتلائیں گے۔“ بولا۔ ”اندہ کسی بڑے افسر کے ساتھ ضروری کام کر رہے ہیں۔ ابھی ٹھہر رہے۔“ ٹھہرے لیجئے۔ جب پھر کچھ وقت گزر لیا تو میں نے کہا۔ ”صاحب مجھے بتلایا ہے۔ میں اپنے کسی کام سے نہیں آیا ہوں، آپ اطلاع دکر لیجئے۔“ وہ ہمیری چٹ لے کر اندر چلا گیا اور وہاں سے چائے کے خالی برتن لے کر باہر نکلا۔ میری چٹ اس کے ہاتھ ہی میں تھی۔ برتن لیے چلا گیا مجھ سے کچھ نہ بولا۔ جب واپس آیا تو اگر خاموش بچ پر میٹھ گیا۔ میں نے کہا۔ ”چٹ نہیں دی؟“ اس نے نہیں کہہ کر منہ پھیر لیا۔ میں جلتا رہا، جھلستا رہا۔ دن گھنٹے بعد جب ممتاز صاحب اپنے معزز امان کو رخصت کرنے دووانے سے پر آئے تو ہانک ان کی نظر مجھ پر پڑی۔ چونک کر بولے اے! آپ یہاں بیٹھ رہے ہیں؟ میں نے کہا۔ ”جی ہاں، دن گھنٹے سے۔“ اور آئندہ آپ مجھے کبھی اپنے دفتر نہ بلائیں، میں آنے والے پر لعنت بھیجتا ہوں۔“ وہ آئیے آئیے“ کہہ کر گلے میں ہاتھ ڈاکر

عجیب و غریب ادبی شخصیت

محمد شعیب (وزیر سسزاند)

شوکت قانوی سے میری پہلی ملاقات ۱۹۵۰ء میں ہوئی۔ اس سے پہلے میں اُن کے مجبور کام کے پیچھے سے ایک لمحے سے اُن سے تعارف رکھتا تھا۔

ادبی نقطہ نظر سے اُن کے مضامین، اُن کے افسانوں اور ناولوں سے بہتر ہیں۔ طنز و مزاح کی جو جاشنی اُن کے مضامین میں ہے وہ ان کے افسانوں اور ناولوں میں اچھٹے سے قطع نظر نہیں ملتی۔ متعدد کتابوں کی تصنیف کے علاوہ مجھے سے وہ ریڈیو پر ہفتہ وار مزاحیہ پروگرام بھی نشر کرتے تھے۔ پہلے لاہور سے اور پھر پنڈی سے۔ پنڈی میں دارالسنہ ذہن بڑی ہونے کے بعد وہ اخبار ”جنگ“ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور مغربی پنجاب میں ”جنگ“ کی مقبولیت کا انحصار خود شوکت قانوی کی قاتل قوت ہی وہ عجیب و غریب ادبی شخصیت کے حامل تھے۔ وہ شاعر بھی تھے اور مضامین افسانے اور ناولوں کی تصنیف کے علاوہ ایک فلم میں بہ حیثیت فنکار بھی حصہ لے چکے تھے۔ فرضیکہ ادب اور آرٹ کی ہر ایک صنعت پر اُن کو دسترس تھی۔ بہت کم لوگ ہیں جو ایک وقت شاعر بھی ہوں اور افسانہ نگار بھی۔ ناول نگار بھی ہوں اور فلمی فنکار بھی۔ یہ ہمہ گیری شوکت صاحب ہی میں پائی جاتی تھی۔ اُن کی قبل از وقت وفات سے جو خلا ادبی حلقے میں پیدا ہوا ہے وہ مشکل سے پورا ہوگا۔

جواباً کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں۔

عجائب مستعجزات

[illegible]

میں سے چند منٹ بھی سکوی قلب کے نصیب نہ ہوتے تھے۔

میں سے چند منٹ بھی سکوتی قلب کے نصیب نہ ہوتے تھے۔ ایک دن اختیار کئے تھے۔ وہاں میں نے سینکڑوں انجمن لے لی۔ بس سوت و سوس۔ آج ماورجس تو جسے سوت جی کس نامک یا پیٹنٹ دوا کا نام ہو۔ میں نے ان کی رنے پر زیادہ توجہ نہ دی۔ ہیئت لی۔ فسوگی کی وجہ سے اس زمانے میں روم بہتر ایسی رہتی تھی۔ اور کسی سے مطلق نہ ملتی تھی۔

ہیں۔ دوم، ہیزا سی رہتی تھی۔ اور کسی سے مطلق نہ تھی تھی۔
لیکن ایک روشن سن پہرا قیاز اور شوکت میری خواب ماہ کے دروازے میں کھڑے مجھے نظر آئے ہیں نے باول
ماننا استہ سلام کا جواب دے کر ہیزا سی کے عالم میں سر دیوار کی طرف پھیر لیا۔ شوکت صاحب بن واحد میں دو ایک
اور میرے درمیان اکھڑے ہوئے۔ میں نے دائیں طرف سر پھرا تو دو باب کروائیں طرف آگئے۔ باب صرف منہ لبا تو دھ
نازل ہو گئے۔ لیکن نہایت خلوشی اور سنجیدگی سے۔

مازل ہر گئے۔ لیکن نہایت غلغلی اور سہیدلی سے۔
 ان کی ان حرکات پر میں مسکرائی تو فوراً پوچھنے لگے۔ "ہائیں۔۔۔ آپ مسکرائیں کس بات پر؟ آپ کی حالت نہایت
 معذوش ہے یہ مسکرانے کا موقع نہیں ہے۔"

یہ شکر میں نے ہیزاری کے لمحے میں کہا: مجھے ڈراتے ہیں۔
 کہنے لگے: "ڈرانے ڈرانے کی بات نہیں۔ یقین کیجئے۔ آپ کی حالت بہت نازک ہے۔"

آہ اشوکت

محمد عبدالرؤف عباسی

سرگزشت اگر تاب شنیدن زری

سینہ بشکافم اگر طاقب دین وری

ادھر ۳۰ مارچ ۱۹۷۱ء کی رات ہے دھیرا جیل کی کھینچ ہے جد کا جاڑا پڑنا ہے کہ کاتب الحروف اپنی زندگی کا اہم ترین اقدام کر گزرا۔

سبب کو نظر انداز کیا۔ سبب اعلیٰ کی کارسازی پر تھا، دلی اور ملے کر یا کہ قدم مشق بیشتر ترقی۔ ہفتہ وار بہت نکل چکا اب یہ بھی ایک قدم آگے بڑھے۔

اس میں بالکل مبالغہ نہیں ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک میز سرور کا رسا نہ مانم کی کارسازی پر میں ایتھین رہا اور آج بھی ہے۔ اس وقت نہ کوئی شیخ معاون تھا نہ شریک کار بہر نوح اللہ کا نام۔ لے کر۔

دربہا دریا تھے بے پایاں دربی امور شور افزا

دل افگندیم بسم اللہ چہرہ پیا و مرہا

ہفتہ وار حق بہت کامیاب تھا، روزنامہ ہوا تو کئے والوں نے چاروں کی چاندنی کہہ کر تھوڑا کیا۔ بہر صورت گزشتہ ۲۵ برس سے یہ چاندنی خیابان بیز اور نور بار ہے بقولیکہ۔

خانوس بن کے آپ مخالفت ہوا کرے

وہ شمع کیسا بجھے جسے روشن خدا کرے

اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ تھا کاشاٹ میں اضافہ ہوا آدمی ایسے ہیں کہ جو غزا، اتنی ہی میں کہ تبتی حق کی وسعت کے اندر دیکھیں

محنت اور حق دہی سے اپنا کام انجام دیں۔ نھا و انتخاب شوکت قانونی پڑی اور اسی جگہ قائم ہو گئی۔

یہ وہ وقت ہے کہ سر دیشی ریل بھجوت چکی ہے۔ یہ اور اس قسم کے دیگر طنزات دینا ہے ادب سے خراج عقیدت وصول

کرنے لگے ہیں۔ اس کا دلکش اور غرافت آمیز انداز تحریر مقبولی عام ہی نہیں خواص پسند ہو چکا ہے۔

میں نے شوکت سے صرف اتنا کہا کہ سر دیشی ریل بھما شہر چلی رہی ہے لیکن دنیا میں تم کو بہت کچھ کرنا ہے۔ اب اپنا اخبار

[illegible]

میں نے کہا کہ یہ لوگ اس قسم کی بہت سی باتیں کہتے ہیں۔ لیکن میں نے ان سے نصیحت کر دی کہ ان سے منع کر دوں۔

[illegible]

اس نذیر شاک نوری میں جتنے نئے ادب جوئے، دوروں، دوروں، دوروں کے بہت سے ہیں۔

محاکمہ کیا وگراہ پست پہ نصف مانتا۔ ہر خوشی کو خسرتے بنے ہیں۔ رجب ہو جسے ویر ہو جسے۔

اعبار ہو ملد پو بندوں سے نکلتے نگاہوں کو ٹلے آگے نئے نئے دروازے کھولے گئے۔ دن ہر کام اور شام کی تفریح سب ساتھ ہونے لگی اور چھٹی رات "مہربانات دروغاں" رونقے ہوئے جیسے جانی رائے می حاضری ہو گئے۔

میسے داؤد منظور کی تھوڑے سے، حجاب میں سر منسلک کا جڑا توڑے می می سے۔ رنگا و صفت مجبور کے بڑی می ر

پتہ حضرت پروردگار کے حضور میں پیش کر دیا اور سال بہ تہ کہ وہ می دامن ادا نہ کیا۔

ثروت بھائے خود ایک، امن تھا۔ یہ تو بسوں کے لیے کہ کُتر سے مڑ جس حد تک نوبت پر صدقوں، بھے ملو میں
مسی دوسرے پر نہیں۔

اس کا جو پر اسل خرافات تھا، بات میں بات پیدا کرنا، حاضر و ابلی، زندہ ولی، شگفتہ مزاجی، محض عجب، یعنی نبی با سنی سے کہو گولا انتہائی، ظرافت کی ایک تہ یک، گمراہ ادیب پی۔ جی دو، اس کے زبان سے جس بات کو کہئے تو کج خیال مگر معصوم کے الٹ پیڑ سے ہر جہاز طفران زار۔۔۔ باطل ہی صورت تو کت لئے آئے۔ وہ ذاتیں زندہ قوم کا فروغ ہیں، گناہ کا مہلک سبب، ادب و محنت تک زندہ رہے گا اور رشک کو دنیا چھوڑی، دیون میں جوں جوں چلی۔

خباہر جنگ کے ہندوی، ڈومین کا دیرا علی شریک تھا۔ خیال تھا کہ یہ نہیں دیکھتا کہ روز س کے مذاکرات سے خباہر کے صفات لبریز نکلیں گے مگر یہ بھی نہ ہوا۔ رہے نام اشد کا۔

اٹھنے لگے شرکت کو وہ ذہنی رسا و ثقافت کو جمع کر لیا۔ بعد میں یہ کیا ایک بار راستہ اپنے واسطے نکال دیا۔ شاعری ہو یا ادب سب میں اپنے تجربہ دکھائے۔

شکوہ من حیث الشاعر

افسوس ہے کہ اس کا کلام پیشِ فتر نہیں ہے ورنہ ثباتِ کربا بہت دشوار نہیں تھا کہ اپنے ہم عصر شواہیں بجز وہ ایک کے

وہ کسی سے بہت پست نہیں تھا۔

انشاء اللہ! یہی حیدر کے دربار کا وہ صنف زشاعا علم، فخر مستعار و من اور فخری شکر پارکین پر پوری طرح حاوی، اس کے شخص
خانی آہ زوایا ہے مسلما شہرستان اسناد نے کہ جس کے دامن نہایت سے قیر و سودا و خیر و نیکی اور شہرہ منور کے مطلع ہوتا تھا۔
ہو کر چلے اس بھرنے لگا کہ ان کے ملا فضل کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت ملی تھا کی سعادت نے ہر ایک مسعد
تھا کہ سعادت ملی تھا نے اناموقی بی نہ دیکھا کہ انشا، خور و شکست شکر کے درمیان خدا وادے جبر و احسانے۔

کسی سے متاثر نہیں ہے۔ شکر تہ اش نہیں تھا۔ کنا ہے کہ شکر نے کسی نور و حکمت شہر نہیں کنا اور نہ کھنے کے
بعد نظر ثانی اس کے باوجود جو کہ حرب کنا۔ ہر صنف میں ملتا آتا تھا۔ اس کا بے پناہ فائدہ اس کا باطن تھا جو کہ وہاں وچ
ہو گیا۔ متعدد غزلیں ہوئیں کہ برسی کا فخر نہ تھیں۔

شکر من حیث مصنف

انشاء اللہ! شکر کو بہت کچھ دیا سکھوڑی۔ جن لوگوں نے شکریت کو بہت قریب سے دیکھا ہے قیہ ہیں کہ اس بہت نہایت
والے کھنڈے کو، تا وقت کنا کہ ان کی عمر میں کم و بیش پچاس کنا ہیں لکھوڑیں۔ ان پر سے بیشتر جن ہوئیں اور بہت اچھی
ہیں کہ مسودہ کی حد سے آگے نہ بڑھیں۔ ان کے پاکستانی احباب میرا کر کئی صاحب اتنی بہت تری کہ مسودوں کو فراہم کئے گئے
شکر کرا دیں تو اس کی مصوم خورد و سال لڑکیں بھی کسی کی دست نگر نہ ہوں۔

ریڈیو کی طرف بھاگا تو دیکھتے ہی دیکھتے اس کی صنف ادوین کی ذہنت ہو گیا۔ راقم حروف کو کسی یہ انداز نہ ہوا کہ شکر کو
موسیقی سے بھی کئی نسبت ہے۔ مشعروں میں ترقی سے غزلیں پڑھتے ضرور سنا۔ فرخاستہ شعرا میں آج بھی پسند ہیں کہ جو اس کی
غزل سراوی کی نقالی کرتے ہیں۔

مالیہ جنگ ثانی میں حکومت وقت نے اپنے پرہیزگار سے نئے واسطے دو آدمی منتخب کیے۔ پنجاب میں خلیفہ جاندھری اور
یہ پی میں شکر کا کام یہ تھا کہ شعرو فقہ کے ذریعے عوام اناس کو مالا متوجہ سے باخبر رکھیں۔ ہزار۔ روپیہ فخر و اجستہ اور
سفر طرغ مزید برآں مصافح کا بجٹ شاید ڈیڑھ لاکھ روپیہ ساواڑ۔ اور ان ہوں گے کہ جنہوں نے اتنے کم وقت میں ایسی حیرت انگیز
ترقی کی مگر شکر کا ایسا علم و عرف نہ دیکھا۔

شکر کی ہر و معز ہری

یہ ہرگز نہیں تھا کہ شکر کا قلم محض گھباری کے لیے وقف ہوا آتشباری پر آجاتا تھا تو عورت معلوم ہوتا تھا کہ کہیں کا فذ
اگل نہ کھلے۔

حیرت یہ ہے کہ اس دریدہ و ہنسی کے باوجود میرے علم میں ایسا کوئی متنفس نہیں ہے کہ جو حقیقتاً اس کا بدخواہ ہو۔
کوئی پیشین زیب بر خود غلط آدمی اس کے سنا آیا، اس کے اعمال و افعال کا تجزیہ کر لالا۔ ہر فقرہ ایک طرف تو نہ غلطی

کے ان تمام کیے میں سے کراچی چلا مانا۔ چنانچہ اس کے ان دونوں دن قیام ہو گیا۔ ایک روز ریوسے کے ایک آفیسر نے بھی اس نے اپنی ترقی کے سلسلے میں بہت بڑی دھرتی دی کہ جس میں شوکت بھی دھرتے۔ اس نے ان کو کہہ دیا کہ کمزور سے میرے بھتیجا آگئے ہیں۔ میں حاضر سے معذور ہوں۔ خط دیکھ کے مسٹر معین الدین خود دوڑ پڑے۔

شوکت کی خاطر سے بھگوانا پڑا۔ دعوت میں اعلیٰ حکام و عہدیدان کا اجتماع تھا اور شوکت اس میں شریک تھے۔ شوکت کی دلی جنتی اور مصروفیت کی انتہا ملاحظہ ہو کہ بھگوانا جس سے بھی معزز کیا یہی کہا کہ آپ جس محل میں بھگوانا کو دیکھتے ہیں وہ اسی کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ جگہ ہے۔ نندناغ پربہ سرزمین۔

شوکت کی بیماری اور سفر آخرت

شوکت بیمار ہوا مرض و علاج۔ جگر پر کینسر طبعی مسالہ کے سلسلے میں نامزد وادوش ہے کا رہتی۔ اس نے ہر طرح کی مصالحت اٹھائے گناہوں کا کفارہ دیا اور رہائشے عالم جاو دانی ہوا۔ یہی نام اٹھا کا۔
حیف در چشم زدن صحبت با ر آخر شد
ہوئے گل سیر زندہ بیم و ہمار آخر شد

تاریخ انتقال

دل خون گشت در فغاں آمد خاک بر فرق این دایں کردم
نالہ چوں گشت ہم رو لیف زباں یخیز در صفت آساں کردم
بہر تار بج رطبت شوکت
سینہ از داغ گشتاں کردم

مسکراہٹوں کا سفیر

ماہنامہ القادری

اللہ تعالیٰ کی اس میں بڑی قلبی محبت پنپاں ہے کہ یہ نوستیل کا علم میں وہاں روزی آدمی سنے دے کہ جو کہ
 اس میں بھی قلمی طور پر حکم نہیں لگا سنا کریا ہوا بہ عالم خیب وبتہ۔ صورت اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ خطاب اللہ کے برادر
 کسی کو زیب نہیں دینا۔ یہ خوش فہمی کہ وہ سنا لے گا اور وہ دینا جو سنا لے سنبھلے کے حالات بنا کر خوب مانتی تھے
 میں اور میرے میں اگلے سے تہ جاتے ہیں۔ سونٹا نے چوک لگے۔ ایک سو نہشت ٹھیک لگ گیا اور اس ایک نشا کی شہرت
 موعاتی ہے۔ کوئی بچہ بڑے نہ کر کہ جائے گا اس کا حال کسی کو نہیں معلوم!

آج جو دنیا میں مشاہیر کیجے جانے چمنا اپنی زندگی اور شعور کے آغا زمین وہ نہیں جانتے تھے کہ جو بڑے ہو کر نے بڑے
 اسی پر جایش لگے اور یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جو دوسرے کے بعد زندگی کا آغاز کسی بڑے سے سوتا ہے وہ سنبھلے میں جا کر
 مرگئی کی یہ لائق ہی جمل جاتی ہے۔

شوکت قانوی مرحوم قانہ جہان کے رہنے والے تھے۔ یہ تعصب حضرت شرف علی قانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت
 میر جھولی شہرت رکھتے ہیں۔ یہاں خانقاہ امدادیہ جی ہے جو کم و بیش نصف صدی سے دولت ارشاد و اخلاق کا مرکز رہی ہے۔
 شوکت مرحوم مجھ سے بیان کرتے تھے کہ وہ اپنے بچپن میں بارہ حضرت عرفان قانوی کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور ان کے
 دست شفقت سے مس ہونے کی سعادت انہیں حاصل ہوئی ہے۔ خانہ جہان پہلے ہی سے مشہور تھا۔ شوکت قانوی نے اسے
 اور زیادہ مشہور کر دیا۔ مرانا قانوی ندیس مراد کی ہم وطنی اور زیارت و محبت کا براہ راست شوکت نے اسلامی قدروں پر بسنے والے
 غیر متاثرہ ادیبوں اور شاعروں کی طرح طنز نہیں کیا۔ وہی سے وہ ذہنی و فکری نگاہ رکھتے ہیں۔ ان کی خواب گاہ میں رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ دھڑ باریک کا نقشہ آدیناں رہتا تھا اور دفتر جانے سے پہلے وہ اسے آنکھوں سے لگاتے تھے۔

شوکت قانوی نے کئی مرتبے میں کہے ہیں۔ ڈاکٹر یار عباس صاحب کے یہاں کراچی میں سال کے سال بڑی دھوم
 کی ہمیں ہوتی ہیں۔ شوکت ایک دن اپنا کہا ہمارے پڑھتے اور سننے والوں سے بہت کچھ دانتیں وصول کرتے۔ انہوں نے کہتے ہیں
 میرا بیٹا کے پستہ وہ لاما صاحب مروج، پیارے رشید، فائق اور دوسرے مشہور مرد مرثیہ خوانوں کو پڑھتے سنا تھا۔ اس بلے

شرکت صاحب کی مرضی خروانی میں وہی ہلک پائی جاتی تھی۔ بعد کی ترمیم کا بند نہ پڑھتے تو اپنے ہاتھ کر اس طرح اٹھتے جیسے پہ پڑے تو انہیں کہنی ہوتی ہے۔ آواز دے مار تھی جو سخت غلط ہے۔ کہتے بہت عذر تھی۔

نصبہ تھا نہ بھری عورتوں اور عورتوں کی شہرستی ہے۔ وہوں کے ایک پولیس انفر کے گھوڑی ایک بچہ پڑا ہے اس کے جسم میں یہی سر پا جاتا تھا کہ وہ بڑے پر راز و مروی بنے کا نظر پر بس کا کوئی عہد یار! عربی کی مشہور ضرب ہنس بھی ہے اچھوٹا ستر لایہ۔ مگر بڑی میں یوں کہتے ہیں۔

ACHIL TARES AFTER HIS FATHER.

اچھوٹا

ہندی اردو میں یہ کادوت اس طرح مشہور ہے۔ --- آپ پر پوت پتا پر گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا مگر --- شرکت قادی ایک صاف نگار کی حیثیت سے شہرہ پانے ہیں۔ شروع شروع میں وہ اخباروں میں سنجیدہ کلام لکھ کرتے تھے۔ یہ ان کا ریاض شہاب تھا۔ نئی جرانی کا اٹھان! جب وہ کھتر پہنچے ہیں تو ابھی عربی میں بیگ چلی تھیں۔ ان دنوں روزنامہ ہندم کے ایڈیٹر تھے۔ دہلی کی صاف نگاری اور اخبار نویس کی بڑی دھوم تھی۔ شرکت قادی کو اخباری دنیا میں یہ باب کی طاقت میرا آئی اور پس رفاقت سے انہوں نے پڑا فادہ اٹھایا۔

شرکت قادی کی شادی کا آغاز بھی سنجیدہ، غزل کرتی سے تھوڑا دوسرے شماروں میں وہ غزلیں پڑھتے تھے۔ ان کی غزلیں لابی شدت میں چھپ چکی ہیں۔ جناب شہرہ میں، مگر بادی، سبکی میرا پتا نہ کھول! اگر اکا بیاں ہے کہ ان کے والد حضرت بہت اکابرین دھوم نے شرکت قادی کے اس جوڑ کو کلام کا تار کئی نام لکھا تھا۔

شرکت قادی شادی میں موینا صاحبہ سی آتھی کھنڈی سے نسبت لکھتے تھے۔ اس کا روتے حضرت اتحق لکھتے تھے کہ جو داغ کے شکر ہیں اور اشرک کے فضل سے ابھی تک بقیہ حیات ہیں ان کے نام کے ساتھ ہر غزل میں لکھا جاتا ہے۔

مولانا عبدالباری آتھی ضلع میرٹھ کی ایک سبکی، اللہ ان کے رہنے والے تھے۔ دھلی کی نسبت کے ساتھ ان کا نام یوں لکھا جاتا تھا۔ عبدالباری آتھی اللہی۔

آسی مرموم کے کانوں میں یہ جو پہنچی کوئی اُسی کے نام کہ آتھی اللہی پڑھتے ہیں نہیں، اللہنی کی بجائے عربی کا صوفی تحت ال، ساکت اور وال، مشدود، اس طرح، دنی، فقط کرتے ہیں، انی، عربی میں سندھ کھیر اندکس کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد آتھی صاحب اپنے نام کے ساتھ اللہنی کی بجائے کھنڈی لکھنے لگے۔ کھنڈی کا وطن ثانی تھا۔ نوکھتر ایک دہو سے طاقت کا تعلق تھا۔ شرکت قادی اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ جناب آتھی کھنڈی سے انہوں نے شروع میں مشورہ اور ساتھ ساتھ لکھا ہے۔

شرکت قادی مرموم کا غالباً پہلا افسانہ جس سے وہ دنیا سے اُردو میں متعارف ہوئے، اُردو کا چوتھا ہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب مختار موسیٰ کی لکھی اُردو بہت پسند کی جاتی تھی۔ اور اُردو زبان و ادب میں قادی موسیٰ شاید پہلے شخص ہیں جن کے مضامین کا موازنہ دیا جاتا تھا۔

شرکت قادی کے مزاحیہ افسانے اور قشعے رسالوں اور اخباروں میں آنے لگے۔ یہاں تک کہ سڈیشی ریل نے انہیں خاصا مشہور کر دیا اور اس کے بعد ان کی جو کتاب بھی مارکیٹ میں آتی وہ مقبول ہوتی اور مایاب و مقبول کی نئی نئی کتابوں کے مشاق اور منتظر رہتے۔

دودھ خراج نگاروں میں زانیہ اور مردہ صاحب زبیر مسیح سنوں مرزا فرحت، شریک ل فریوں میں ہوتا ہے شوکت قاضی
مردان کے ملازم بہت زیادہ ملا کرتے ہزاروں کے ازان بنان کو کھار کر پیش کرتے تھے۔ ان کی قریب میں زنی بھانڈا اور ہارم بنایا
سہ چھ جہت کو دیکھ دیتی، نازک اور ہنسنا بانی کی دلکش ہیں کہ، اور رضی میں بھی پڑھ دے، اور اس پر سنا پڑے
اور ان کو لکھ کر کہ اسے، شوکت کے اندر میں پڑتے، وقت موزوں پہلے ساغہ مسکرات آجاتی ہے، اور کبھی کبھی نہیں، اور قبقرنی
انہی لکھ جاتی ہے، اس کا پہلے کیا بھادوب، وہ ہے، آہ نہیں ہے، مگر بہن زانیہ اور تہ کا متعلق تہہ، وہ ان کا شیب، کا
نب عالم ہے۔

شوکت قاضی ہر چیز کا مشاہدہ زنی گہری نگاہ سے کرتے تھے، شوکت ان سب کو ہاں سر پر نگاری اور منظر کشی میں ایک
رہ کی تصویر مٹی ہے، طرز مضامین میں بعض مصلحت پر تو کیا محسوس ہوتا ہے کہ زنی نے غلوہ کے مسکن قاضی جہت مند، وہ بھی
اور شوکت میں ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ طرز نگاری میں قاضی جہت مند کے متعلق ہے، اور غیر شوکتی طرز پر لکھنے سے، مابین کبھی کبھار
بہن، قاضی شوکت نے اپنی شخصیت، فنی کاری اور شہرت و مقبولیت کی دنیا خود بنائی تھی، اور کسی پد پلیدی کے سارے مشور نہیں جو
ان کا فن، ان کی شہرت کا سبب ہے۔

بعض شاعروں اور فنکاروں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اسی شہرت میں آ کر رہ جاتے، ان کی ہمارے ان کے ہمارے ان کے ہمارے ان کے ہمارے
ان آجاتا ہے، مگر شوکت قاضی پاکستان میں ہندوستان کی شہرت حاصل کرنے کے، دیکھ پنے اس کے، وہ یہ دیکھ ہے ان کے
ان وقت ہرنے کی، اب وہیں قاضی بہت انسانی کو دیکھیں تو اس کو ان انسان خالی سے، اس مضمون کا لکھنے، وہ سب پہلے چھ کو دیکھیں
اور حیرت کراتا ہے، شوکت قاضی بھی انسان تھے فرشتے نہ تھے، اب سے سات آٹھ سال پہلے کی بات ہے، مابین میں شاعر تھا،
نادر میں کو نڈلنے لکھنے میں شاعرے والوں کی طرف سے، غیر مرگئی، شوکت قاضی اس پر اس قدر دہم ہوئے اور، اتنے جگہ کہ ہم دیکھ
نادر میں کو غلوہ پیا گیا کہ ان کی برہمی کے سبب اس سے سادہ کی رسم میں کہیں کھڈت نہ پڑ جائے۔

تقسیم جہ سے پہلے شوکت قاضی مزاجیر شاعر کی مثبت سے متعلق نہیں تھے، سب نے انہیں کسی شاعرے میں نہیں
دیکھا، انہوں نے اس زمانے میں کھڑے ایک بہت بڑے شیعہ مجتہد کی موت پر ایک طنز مرثیہ، بہت کہتا تھا، جسے وہ پاکستان لکھنے کے
بعد بھی خاص محلوں میں سناتے تھے۔

یہ اس دور کا ذکر ہے جب ہندوستان میں صفی کھنوی کے بانی عتیق کھنوی اور احسن چھوڑ دی کی مزاجیر شاعری کی بہت شہرت
تھی، سر سید رام جبر میں یوپی، یلجیٹر کونسل کے سپیکر رہے ہیں اور پاکستان میں ہندوستان کے ان کی کثرت بھی تھی، ان کی مہارت میں ایک
شاعر تھا، اس شاعرے پر عتیق کھنوی نے اپنی غزل کا مطلع پڑھا ہے

زہہ یا مادہ عجب ترکیب ہے اس نام کی

کچھ حقیقت ہی نہیں کھلتی ہے سید رام کی

پاکستان بننے کے بعد شوکت قاضی ایک مزاجیر شاعر کی حیثیت سے منظر عام پر آئے اور دیکھتے دیکھتے مشہور اور مقبول ہر گئے۔

بہن اور دنی کے شاعروں میں بھی ان کی کار بار ابھرا گیا اور شاعرے میں کا عجب ہے۔

عظیمہ خویاں دیدہ ام - یحییٰ قریب سے دیکھی
 فخری کا صبر کس قدر بھی - محض اور برقی استوار - اس ایک صبر نے صاحبِ شجاعت کے احوال صبر
 و صبر اور مصداق و سکنتِ ثبات نہال کر رکھا ہے - یہ صبر و شکرِ خافری نے منتخب کر کے دیکھنا و سنا کر لکھنا
 ہے اس کی توفیق ہی نہیں ہو سکتی - مگر کس نے ان کے دہان و زوق کی عفت کا بھی اندازہ ہوتا ہے

شکرِ خافری اور میں کس شخص میں کیا کرتے "فوں عرب سے خوب چھڑا چھاڑا - فخری نے بھی - بعض اوقات
 ناہول میں وہ لکھے اس قناعت کے ساتھ کہتے : - - - حضرت : ہر عیب کا معجز ماننے کے لئے اب حضرت ہوتا
 لای آہلِ قناعت کی عزت ہی جاتی ہے - - - حضرت امام کا ج کی - ح - کا قرأت کیا کہ گفتار کرتے ہوتے -

ایک شخص میں ہوئے - - - سب لوگ اہل حق سے تاملیں جیسے میں اور ہوا (میری عزت اشارہ کرتے ہوئے) ہر دوسرے
 ایساں جاتے ہیں -

شاعروں میں اکثر و بیشتر ہے - جن کا اندازہ پڑھنے کی ذائقہ ہوا کرتی ہے - اس نظم کا فخری شریہ ہے -

لے بُت کوہِ ہند کے بے ترے ہرے بُت !

بخشم ، نگاہ تو سہرند و بخارا !

میں نے ایک مہینہ نشست میں یہ نظم نہائی تو شکرِ خافری ہوئے : آج تم نے فخری معرہ پڑھا کس کلاسی - پہلی لڑکی کہ
 بگایا - اس مہینہ کی پچھڑیاں تو وہ ہر شخص میں چھوٹے رہتے تھے -

تھی مال پہے کی بات ہے - - - کراچی میں : ایشیائی شاعر - تھا - میں نے باہر سے آئے ہوئے شاعروں کی دعوت کی -
 شکرِ خافری کو کس دعوت کا ہم ہمارا شکایت کی کہ تم نے مجھے نہیں بگایا - میں نے کہا کہ کہانی - میرے طبیعت کا جو مردانہ کردہ ہے اس
 میں چھوٹا آدمیوں سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے - بلکہ کی کہی کی دیر سے آپ اور بعض دوسرے اہلِ کلمہ کو بھی تکلیف نہ لے سکا - اس دلی کے
 بہرِ جب وہ بچے تو خزاں کا کرتے تھے - - - میرا شہان چوہ (۱۴) آکروں میں ہر گاہ یا چند ہاں سو ہاں ہنر ہے :

سلاطین میں مغرور (آنا دیکھ) میں خاصا شاعر شاعر ہوا - سب شاعروں نے اسطیث دیکھی میں سزا کیلئے سارے تھے تو بڑا
 دلچسپ اور غرض خیز - مگر جب جلدی جلدی مڑتے ہیں - ماحول میں شیب فراز بھی - بعض مافوں کو چکر آجاتے ہیں اور طبیعت بڑھ کرنے
 لگتی ہے - کہہ مری لہر کو لہر کے مڑان میں یہی طبیعت گزرتی شروع ہوتی - یہاں تک کہ دیکھی کہہ لگا پڑا اند میں نے نیچے اتر کر تے کڑا لے
 استرخان کے بیاضیت دیکھی ہو گئی - جب ہم سادہ پر کر نماز ہونے لگے تو شکرِ خافری جیسے ہونے :
 "تم نے بڑی جرات کے ساتھ کی -"

سب لوگ چنے لگے اور میں بھی کچھ تھلا کر ادیکھ مشکار کر گیا -

شکرِ خافری خود اپنی ذات سے مجرمہ لطافت و لطافت نے اور ساتھ ہی بعدِ مازاد لطیفہ کرتے - دوسروں کی کیسی بھی
 نقیصہ محض میں کرتے - ایک دفعہ کھڑکی پر ان سمجھوں گا ذکر میں پڑا - یہاں تک کہ وصل بگایا لکھ لکھا ہم - معیار میں آگیا شکرِ خافری

نے کہا یہ شخص بڑا ہی دلکش و حسن عیب پر عطف حسرت کثرت تھا۔ ایک بار چند مشوار کسی شادی میں جا رہے تھے چار باج بکشتی پر ایک فریاد اٹھ اٹھی اہل رہی تھی۔ سب مددگاروں نے دھن بھرائی ہے مگر اس لڑکی کا نہ چوم تو کس رہیہ ہاتھ کے ہاتھ تھری ہاتھ کا جائیں گے۔ اس شخص نے بڑی ہنری۔ سب لوگ حیران رہ گئے کہ ایسا دیکھ کر ہے۔ سب اب سے چاہیں پس پچھ کی اس ہے جب نیم اٹھریز ریوے ڈرائیو سے ہاتھ لاسے میں بندو تیاروں نے ہاتھ ملا جتے تھے۔

دکھل بھرائی اس انگریز لڑکی کے پاس پہنچے۔ اے غریب دیکھتے جا رہے ہیں اساتھ بڑھتے جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر جا کر وہ پلٹ آئے۔ اس لڑکی کے دو گھر دیکھنے لگانے شروع کئے اور پھر ایسا ہی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر اس کاٹھ چوم لیا اور نہ پھٹنے کے بدلے لگے۔ بیٹ فارم پر دوسرے مسافر اور اس لڑکی کے ساتھی سب ایک جگہ اکٹھے ہو گئے۔ کھل صاحب کی گاڑی آستوں میں ترچوئی تھری ہے اور بھرتی ہوئی آواز میں کہہ رہے ہیں۔ میری لڑکی کا میں میں بھی ملے گا۔ اصل اسی طرح کو ایک نقشہ۔ ایسا ہی ہوا ساتھ اس جہاندار کی اتنی ہی عروسی جب وہ اٹھ کر تھری ہوئی ہے۔ شرکتِ تھانوی کہتے تھے کہ دھن بھرائی کی اس حرکت پر کسی قسم کا خوش فہم قیام صرف دبا اس لڑکی کے رشتہ دار و کھل صاحب کے ساتھ جہد دی کا انہار کرنے لگے۔ وہ دودھو کر چہرہ دوتوں کے پاس آئے اس دھم دھم کی دھن وصول کی۔ اور جن لموں پر نادی آہ و فریاد تھی ان پر اب بھی مہنی کی لہری دوڑ رہی تھیں۔

جے ٹکھن کی ٹھکانوں میں شرکت کی کتنی ہی عروس ہوتی ہے۔ ان کی نظروں کی نقل بعض جہاب کرتے ہیں مگر وہ بات کہاں آتی ہے۔ پاکستانی بننے سے پہلے دوبارہ سے ملاقات ہوتی تھی مگر یہ بہت ہی سرسری اور مدعا روی کی ملاقات تھی۔ ان سے بے غفلت پاکستانی بننے کے بعد ہوتی۔ کیا ہی سنجیدہ اور ثقہ آدمی کیوں نہ ہو اسے بے غفلت کرنے میں شرکتِ تھانوی یہ حوالہ دے سکتے تھے۔

دل میں، لاری میں، بس میں اور ہوائی جہاز میں۔ دہلی کہاں کہاں پیران کا ساتھ اور مہنری رہی ہے کتنی ہی من ایک جگہ ٹھہرے ہیں۔ کیا باغ و بہار آدمی تھا، مزاج میں کس درجہ خوشی اور محبت میں کس قدر شگفتگی تھی۔

ایک بار میں نے اسے کہا کہ میں نے "لیٹل سی" (LITTLE - SEA) میں غزل کہی ہے۔ بہت دیر تک سر چمکے کہ میں نے "زبانِ لاد" میں کیا کہہ دیا۔ یہ دیکھ کر کہ یہ بھارتی ہے حل نہیں ہو رہا ہے میں خود بول پڑا۔ "چھوٹی جڑ" میرے اس کہنے پر نعرے تھپتھپا لگا۔ میں نے چہرہ کہا میں نے تھارے نام کا بھی انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ بے کیا؟ میں بولا (GRANDEUR - OF POLICE STATION) اپنے نام کا انگریزی ترجمہ کس کو وہ سننے میں تو بیٹھے ہی رہے۔ وہ ذرا نہ جگت کے ٹکڑی کالم میں اس واقعہ کا ذکر بھی کیا۔

شرکتِ تھانوی بہت مہنس کلمہ، فضا را در غوش مزاج تھے۔ مغلظاتِ طبیعت اتنی سننے ترچہ ترسکا جاتا۔ اپنی ذات پر تنقید کم ہی برداشت کرتے۔

شرکتِ تھانوی مرحوم نے اردو زبان و ادب کو قیقہ، مسکراہیں، ٹپکیاں اور گدگدیاں دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو پربہادہ ان کی احسانت کو جہنم دار بنا دے اور جنت میں بھی وہ سعدوں کے ساتھ شوخیاں اور ٹھٹھکیاں کرتے نظر آئیں (راہیں)

آہ شوکت تھانوی

امین سلوئی

اردو ادب کے ایسے نادر شعرا میں سے ہیں جو صرف پنج دہائی کی گزرا نے، اسے شوکت تھانوی ۱۸۷۳ء میں زرخیز ہیت کے نئے مراہر بن گئے۔ ہماری سچ انجمن خاموش برہمنی اور ایک سناٹا چٹیا نہیں یہ۔ اطلاع ٹینک اس وقت ملی جب کہ چھوٹے کھنڈ میں قید تھانوی سے رفقہ نادر حیدر کے لئے حیدر گاہ میں موجود تھے۔ اس وقت چھ دوڑوں پر کیا کیفیت جاری تھی اور میں کیسے کھلم کھپا اور اسے رخنہ لکھ کر برخواست کیا۔ اب یہ بتانے کا وقت نہیں بقیہ خداوندی سے کون دانتا ہے۔ اور اسی کا نام ہے۔

شوکت تھانوی ایک جند پیر مزاج ناکہ۔ انھار نویں ادیب اور شاعر تھے۔ یسٹیم ان کی زندگی میں نہایت پرچار اور بابر تھانوی کے قلم سے خواہ کتنا ہی سنجیدہ مضمون لکھا جائے۔ ان کی نظری مزاج ناکہ کی صد جیتیں خدایں ہو کر رہیں۔ شادی بوری، فخر ہو تو پھر ترک کی متیں مزاجی نظریات پر مردہ سے پڑا مردہ انسان کو بھی میسر نہ آئے نہ رہتی تھی۔ مگر انھوں نے اسی شوکت تھانوی کا ایک مختصر حالات کے بعد انتقال ہو گیا۔ کافی عرصہ پہلے جب کہ مرحوم نے ایک خط کے ذریعہ اطلاع دی تھی کہ انہیں حکومت نے قضا امتیاز عطا کیا ہے۔ اور اسی قضا امتیاز کے حاصل کرنے کے لئے وہ غالباً راولپنڈی سے لاہور آئے۔ اور چرہ انہیں جانے کی بہت محنت نے نہ دی۔ جب وہ ہسپتال داخل ہوئے تو چرخ کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ جنھوں کو کڑی عارضی زارینہ نے دیکھی وہ تو ان کو سنبھالنے والے پٹنے دوستوں اور عزیزوں کو سوگوار بنا کر رخصت ہو گئے۔

شوکت مرحوم کا آخری خطاب انہوں نے راولپنڈی سے ۸ فروری ۱۹۲۲ء کو کیا تھا۔ وہ بھرپور ۱۳ فروری ۱۹۲۲ء کو مرحوم ہر اخطا کا انکار ایسا تھا کہ اب بھگ میں آیا کہ وہ ان کا میرے نام آخری خطا جس میں انہوں نے اپنی عادات کے مطابق پیارے امین لکھ کر مخاطب کیا تھا اور اپنی آخری کتاب تکچہ یاد ہی اور کچھ باتیں مرتب کرنے میں مجھ سے یہ خواہش کی تھی کہ اس کے لئے کھنڈ لکھ دو۔ حضرات جن سے مرحوم بے تکلف تھے۔ اور اس میں اولیت میرے نام کو دی گئی تھی اور اس کے بعد سیر انہوئی۔ مرنے والے۔ سید غالب و دہری۔ وصل بگراجی، رفیع احمد خاں، سراج کھنوی، قدیر کھنوی، ظریف کھنوی، حکیم ڈاکٹر محمد امین، عبد الرؤف عباسی، ڈیٹر سٹی۔ سٹراٹیس احمد عباسی، ایڈیٹر حقیقت، صباح الدین، مرد و فرہ، حضرت کی تصاویر، فرہ انجیا کروں۔ اور اپنی عادات کے مطابق خطیں لکھا تھا کہ پیارے امین۔ خیریت اور عافیت کے تمام تلفات کو چھوڑ کر اپنے چند محلات مجھ پر قربان کر دو۔ اور اچھی یہ نام

کہ وہ کہ ان حضرات کی تعداد یہاں تک کہ اس کے متعلق اور تفصیلات بھی جو مدد نہ کر۔ مروجہ پیشہ کی فتح کے خلاف کڑے سے
اور چھوٹے لوگوں میں کسی گھبراہٹ نہ تھا اور یہ قویہ ہے کہ وہ جب تک ہوں۔ یہ کہ ماڈرن نسیم انجونیئر اور مروجہ (تقدیر)
نہاں پہنچے۔ جگہ اسے لوگوں نے یہاں تک شہرت دی کہ جس لوگوں نے باپ بیار روح القدس والی ذات کی کہہ ڈالی۔ اور اگر
ان کے ہاتھ میں رہ جانے سے اس کا دشمن نہیں ہوگا اسرار نہ پڑا۔ مگر حکایہ اتحاد شکست خیز ہوا جس کی ابتدا سنہ ۱۹۰۲ء میں
کے اجراء سے ہوئی تھی۔ شوکت عمر میں اور نسیم انجونیئر کو ایک دینا ایک جان تین توب کبھی تھی اور تھا بھی تھی۔

میری اور ان کی ملاقات باطل ذرا دانی انہوں نے ہوئی تھی۔ میں اس زمانہ میں ساراٹھ کی ادارت کر رہا تھا اور شوکت سے
بازیر لوگ شہرت حاصل اور دونوں ایک دوسرے کو بہادر رک اور بڑا جذبہ دیکھتے تھے۔ یہی ایک دن پروردہ اٹھا دوسم دونوں
ایک دوسرے کے سامنے تھے۔ وہاں ملاقات کے نتیجے سے خود کو ذریعہ حق پر بھیجی جب ایک دوسرے کے سامنے
تھے تو دونوں حیرت میں تھے شوکت نے کہا کہ اسے آپ اپنی سوزی میں نے کہا کہ ادا آپ وہ شوکت قاضی ہیں۔ وہ خط
میں کام کرنے والے لوگ بھی اس بات کو دیکھ رہے تھے اور نتیجہ تھے کہ کیا ہے۔ دونوں کی دونوں میں درچار سالہ فانی
یہ حال ایک دوسرے سے ملے اور چہرہ دوستی و ملاقات اور وقت تک قاضی۔ شوکت بڑے ذہین انسان تھے لکھنے پڑھنے
میں وہ بالکل مدلی سے مطابقت رکھتے تھے۔ لیکن ان کا فانی ذہنی شعری درمیان غازی و سادہ نظر کے ذریعے پہلی دنیا کے
ملنے آیا۔ اور پھر اس کے بعد جب انہوں نے نسیم انجونیئر نے سارا نکات میں ان کے مضامین شائع کئے اور ان کا کلام
بھی شائع ہوا۔ میں شوکت مروجہ انجونیئر دینا میں ترقی ایک سادہ ہے۔ روزنامہ بعد میں سید جالب دہوی مروجہ کی حمایت اور
جہانی جمہور میں پریکٹس رہی۔ شوکت نے وہاں دو دو باتیں ملنے شائع کیں۔ اور میں نے وہی خبروں کی ذمہ داری سنبھالی۔ اور
اس کے بعد کھنڈ کے سب سے لمڑھے اور وضع و اجازت اور اجازت میں جمہور میں ایک ساتھ کام کرتے رہے۔ وہاں بھی
شوکت مزاحیہ کام لکھتے تھے اور مجھے ادارہ پر یہ دیکھا کہ کھنڈ میں سترام لال دراجو۔ روزنامہ سنج کے ایڈیٹر تھے۔ انہوں نے کھنڈ
سے روزنامہ ہفتہ نامے کے نام سے اخبار جاری کیا میں اور شوکت دونوں وہاں بھی ساتھ تھے۔ اور سبھی میں متعلق طور پر جمہور میں کام
کرتے تھے۔ اور چھ شوکت نے خود بھی ایک روزنامہ طوفان کے نام سے جاری کیا خبر ہے کہ شوکت کا اخبار تھا۔ میرے اور پوری
ذمہ داری تھی۔ سرنیخ نے دور میں بہت توجہ ایک ہی ساتھ سفر کیا۔ ایک ہی ساتھ ہوا ادا اٹھنا بیٹھا اٹھنا پانا اور دوسرے خط اور صحیح مثال
جی حامد طور پر چمک دلی۔ یہی سفر کرتے۔ اور بعض لوگوں کے واسطے ہوگی میں جیسے کہ رات جہر میں متعدد مضامین لکھ کر سپرد کرنے تھے
وہ ایسے لوگ تھے جن سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا تھا اور انکار کس سے کیا جاتا نہیں دیکھنے اور لکھنے کھنڈ سے اہل کاسٹ کیا جاتا تھا وہ وہ
یاد آتا ہے۔ دل روتا ہے۔ وہ بھی کیا دن تھے۔

کھنڈ میں جب آل انڈیا ریڈیو کی بنیاد پڑی تو شوکت مروجہ متعلق صدر آل انڈیا ریڈیو میں شامل ہو گئے۔ اس زمانہ میں جو لوگ ریڈیو
کے عملے اور ملاقات میں تھے سبھی ادیب، سبھی اعلیٰ اہل علم و کردار کے مالک لوگ تھے۔ انہوں نے اس اسٹیشن سے مزاح اور طنز
لکھنا شروع کیا۔ کبھی کبھی میرے اور شوکت کے درمیان آل انڈیا ریڈیو سے دو تہی مزاحیہ کلام بھی نشر ہوتے تھے۔ اور ہم دونوں مختلف
نوع کی غلیظت برابر پیش کرتے رہتے تھے۔ جب تک کھنڈ میں آل انڈیا ریڈیو کا اسٹیشن قائم نہیں ہوا تھا ہم لوگ وہی اسٹیشن پر رہے۔

کھادہ انہیں تیار کرنا شروع کر دیا اور تعاون کا مقصد معاوضہ حاصل کرنے سے نہیں پرانا رہتا ہے۔ یہی شوکت سے تعاون کوں گنجی
مہنے نظریات چند برسوں کے وسط فروخت کرنے پر تیار نہیں ہوں۔ اور میں نے ان کی غلط فہمی بھی دود کی خود شوکت مرحوم کا قول
تھا کہ میرا تعاون انہیں رستہ میں حاصل رہتا ہے۔ بہر حال میرے اور شوکت مرحوم کے درمیان جو تسکات قائم تھے وہ بار بار قائم
رہے۔ اس میں کسی کوئی کمی نہیں ہوتی

آج شوکت کی موت نے ایک زبردست حلا پید اکیا ہے۔ اور اس کا پرہیزگار نہیں ہے۔ جب تک وہ کھڑی ہے
 طرز مزاج کی دنیا میں گھڑے بڑے مرنے والے۔ اور سوئی کے ذریعہ مزاج کا۔ دن کا ایک وسیع حلقہ رہی گا۔ خدا اور اس حلقہ
 کے لوگ کبھی کبھی عنوان مقرر کر کے مزاحیہ مضامین لکھتے اور حلقہ کے جبرائیل کے آواز کی دعوت دی جاتی تھی۔ اور اکثر مضامین اسی سلسلہ
 میں لکھے گئے۔ سودیشی عنوان کے تحت شوکت نے سودیشی ریل لکھی ہیں۔ سودیشی اردو لکھی کسی دہانے سودیشی کونسل لکھی۔ مزاحیہ
 ایک لہجہ تھا۔ ایک ڈیجیٹل شادی کا شروع ہوا اور اس کی ابتدا میں نے کی۔ اور تم شوکت کی۔ اور دریا میں اس سلسلہ میں خیم انڈیا
 دیوانہ برہمی۔ نظر برہمی خیم ہو۔ ی۔ سیم نندوری وغیرہ نے حمد لیا۔

نقصت میں دو نہری شہر دشاعی کے مضمیں گرم رہتی تھیں۔ میں بھی شرکت تھا۔ وہ مولانا عبد الباقی اسی سے شرف کلمہ حاصل تھا۔ جب شوکت مرحوم ابتدائی دور میں مجھ سے ملے تو انہوں نے بتایا کہ وہ کسی سے اصلاح نہیں لیتے ہیں۔ شوکت مرحوم سے کہا کہ شہر دشاعی کی دنیا میں اگر اتنی کئی جگہ حاصل کرتا ہے۔ تو پھر یہ فرد۔ ی ہے کہ ہم کسی سے رجوع کریں۔ شوکت مرحوم نے دریافت کیا کہ مضمیں کس سے پاس جائیں۔ اس وقت بے اختیار میں نے مولانا اسی کا ایک شعر سنایا۔

دل ایسی چیز کو غلط ادا یا خواست پرستوں نے

بہت عجیب و غریب کہ ہم نے آئیں دغا بدلا

شوکت مرحوم نے یہ شہر کرچوک لکھے۔ اور اسی وقت انہوں نے خواجہ شیخ کی تدفین کے واسطے چلے۔ یہ واقعہ مرحوم شوکت خانوی نے اپنے آخری سلسلہ کچھ یادیں اور باتیں نے ابتدا ہی میں میرے حوالے سے اخباروں میں لکھا ہے۔ اور وہ ثابت ہو چکا ہے کہ کس طرح وہ مولانا آسی کی خدمت میں پہنچے۔ اور اُسے مرحوم شوکت نے اپنے مزار امجد انداز میں اسے پیش کیا ہے۔ اور پھر یہ سلسلہ قائم رہا۔ شوکت اپنا تمام کام مولانا آسی کی خدمت میں پیش کرتے اور اصلاح دیتے اور اپنا ایک عہدہ و گہر تاج کے نام سے مرحوم نے بھیجا یا بھی۔

شوکت شاعر تھے۔ ادیبانہ اور طنز و مزاح دونوں ان کے حصہ میں آئی تھی۔ بلکہ میں یہ کہوں گا کہ اگر شوکت طنز و مزاح کی فاعلی پر زور دیتے تو اربع ان کا باریب بہت بلند ہوتا۔ اس نے وہ طنز و مزاح نگار تھے۔ وہ اٹھنے بیٹھنے جاگتے، سوتے طنز و مزاح کے موتی بکھیرتے رہتے تھے مجھے بھی مزاح سے دلچسپی تھی۔ مگر میں سست و غائر تھا۔ اور شوکت تیز و فائر و قلم برداشتہ کھنے کے عادی اکثر مجھ سے انہوں نے سر پر سوا بھر کر کھرایا ہے۔ آہ! اُس دور کی سیکرٹوں اتنی آج یاد آتی ہیں۔ اور اپنے دل و دماغ میں محض نظریں لیکن یہ وقت ان تفصیلات کا نہیں ہے۔ کبھی انہیں یادوں پر ہنستا ہوں اور کبھی مذاہن میرے اور مرحوم شوکت کے درمیان کوئی پدمہ تھا ایک دوسرے کے گھر میں آمد و رفت تھی۔ اس لیے ہر ایک بے تکلف تھا۔ جن لوگوں سے ظاہر اس پر ایک کتاب مرتب کی

بے پرواہی ہوئی، اچھے تھے ایسا ہی تعمیر کے کھول، ایک میں سب سے خیال کے سارے تھیں سے عطا کر کے ہر دوسرے
 کی خیریت کو فکریہ سے میں اپنے مدعوں اور صاحب کے کچھ کر دوں۔ میں خدمت کرتا رہی وہاں کہ شریک نے نہیں ملے
 وہ وہاں آئے شریک کے کچھ کچھ کچھ میں۔ اگرچہ روم نے کچھ بار انہوں میں وہاں کے کچھ سے رقب کرنا اور کچھ خدمت
 میں خدمت کچھ میں۔ اب سوچا کہ انہوں نے روم دوست کی یہ میں سے رقب کرنا کچھ کچھ میں سے دل وہاں میرا ساتھ
 سے جائے۔ شریک کے ساتھ ہر سے کچھ کچھ کی دنیا کافی دیر میں تھی۔ کچھ کچھ خدمت میں اپنے یادوں کے تاج میں
 بے کاؤں؟

شوکت اور نسیم

نسیم انہوری

تمبرائے کی ایک قلم ہم باپ بیٹے روح القدس یعنی امین سلوی شوکت قاضی اور راقم الحروف حسب معمول طعنہ کے اوجہ بادرک میں بیٹھے تھے کہ میں نے وہ منصوبہ شوکت قاضی صاحب سے بیان کیا جو اس کی دم موجودگی میں میں نے نہیں کیا کے غور سے بنایا تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ ایک ٹیٹ قائم کی جائے۔

شوکت نے کہا: ایسا ہی ٹیٹ پرستی کا شوق ہے تو ہنس کر مزید ٹیٹ وقت سے قائم ہے۔

میں نے کہا: وہ ٹیٹ پرانی ہو چکی ہے۔ اور پھر جاری ٹیٹ اس سے مختلف ہوگی۔ ہم کسی مذہب کی نہیں ایک ہفتہ دار اجا کی اشاعت کریں گے اور جس کلام لکھ کر ہنسنا کہ اس کی زندگی بڑھانا ہوگا۔ اس وقت ایسے اخبار کی اشاعت درست ہے جماعت کے بدلتے ہوئے رجحانات کے ساتھ طنز و مزاح کو پیش کر سکے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب اودھ پنچ کا دور جدید بھی دم توڑ رہا تھا۔ اس لئے کہ اس نے حال کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ اشاعت ہوتی تھی مگر کڑے دار اور یہی سب سے بڑا سبب ہوتا ہے کسی اخبار کے بند ہو جانے کا۔ اودھ پنچ کی جگہ کوئی اودھ پنچ نکلا اس وقت موقع کی بات تھی۔ جو میرے کاروباری داغ میں پیدا ہوئی تھی۔ اس لئے کہ انکشافات کے لغتیں فہر کی مقبولیت سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ اگر کوئی اخبار یا رسالہ شوکت صاحب کی ادارت میں شائع کیا جائے تو یقیناً بہت مقبول ہوگا۔ اس وقت تین سال تک انکشافات اور ۹ ماہ تک حریم نکالنے کا تجربہ تھا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ اگر شوکت صاحب ماضی ہو جائے تو ایک مزاحیہ اخبار نکالا جائے۔ امین سلوی صاحب اس میدان کے تجربے سے بھی پرانے کھلاڑی تھے۔ اس لئے میں نے اس سے بھی رائے لی۔ اور انہوں نے نہ صرف اس خیال کو پسند کیا۔ بلکہ تعاون کا بھی وعدہ کیا۔ اس کے بعد ہم نے اسلم شوکت صاحب کے سامنے پیش کی تھی۔

شوکت صاحب ادارت کے لئے راضی ہو گئے اور تمام تجویز کرنے کے پانچ کاغذ فرمادی تھے۔ اس میں شوکت صاحب کی تجویز پرنٹر لگا کر پنچ لکھی اور کھنٹی پر چاک لکھتے ہوئے میں نے ایک مکان بھی موجودہ دفتر کے قریب ہی کرائے پر لے لیا تاکہ اس میں دفتر قائم کیا جائے۔ ابھی تک حریم کا دفتر نیا نہ صاحب کے دفتر نگار ہی کے ایک گوشے میں قائم تھا۔ تمبرائے میں سر پنچ کا دفتر کھلا۔ ایک میز اور چند پرانی کرسیاں خریدی گئیں۔ پہلا پرچہ ۲۰۷۶ سال کے ۱۶ صفحات پر شائع کرنے کے اختتامات کے لئے لکھے۔ اس

روز میں دوسرے مضمون نگاروں کا نام دیا جی جی جی میں یہ بات مکتبہ خیریت سے عمل پیرا ہوئی۔! ٹیڈی سے ملنے منتہا سات ملک
بہت ہی خلوت صاحب نے لکھے۔ کہ کچھ لکے طبع پر نیکو قریب کا تب اسے وہاں کی سب سے صاحب نے لکھتے کی۔ اور یہ وہ چھ ایک
کے تھے اور یہ چھپ کر بیٹھوں کی کچھ دیکھو۔ اور جندی ہفتوں میں اس کی کتابت پر ہزاروں سے ہزاروں کڑی کھلتے صاحب
۔ ایک تقریر نے کھڑے ہی دھڑکی۔ پچھلے ایسی قیمت بخش دی تھی کہ دوسرے انہوں کو برسوں میں نہیں ہوتی۔
اس روز میں خلوت صاحب اخبار جہد میں کام کرتے تھے کہ جب انہوں نے خلوت صاحب نے پچھلے نکالے تھے کہ ان
۔ یہ اپنے مضمون لکھا دیں کہ انہیں یہی صاحب۔

[illegible]

اسی طرح کی تفصیل یہ ہے کہ سرخج اس وقت سہارنپور کی تھوڑی سی چھٹی کے باوجود اس توہن نہ خانہ عورت صاحب کو اتنی غلامی دے سکتا جس سے اس کی گورنر اور اخلاقی ہو سکتی۔ اس نے جہم کے بعد اودھ، بنارس، جے پور، سرخج کو اسی کے پورے وقت کی مزدورت بھی نہ تھی، مگر وہ دماغ ہونے کے ساتھ ہی عورت صاحب زود نویس بھی تھے اور بسیار نویس بھی۔ آپ یقین فرمائیں کہ جس روز سرخج نکلا ہوا اس سے ایک روز پہلے وہ قلم و کاغذ لے کر بیٹھتے اور کتاب کو کھینچتے اور صرف چند ہی گھنٹوں میں امر ٹوریل سے لے کر ختمات تک سب کچھ دیتے اور اخبار نکلی ہو جاتا۔

سرخ کا دفتر قائم ہوتے ہی وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اسی عمارت میں آ گئے تھے۔ بعض جہت اور محی شوکت دہلی کے تصرف میں تھا۔ اور باہر کے دو کمرے دفتر کے لئے وقف تھے۔ اور حبيب راسخ میں دفتر بند کر جانا تو یہ کمرے بھی شوکت صاحب ہی کے اختیار میں دیتے۔ شوکت دہن اس وقت پردہ کرتی تھیں۔ مگر پھر سے ان کے تعلقات کہہ ایسے سرور پر پہنچ گئے تھے کہ وہ میرے سامنے آنے لگی تھیں۔ اور میں ان کی نظروں میں ان کے گلے دیور سے بھی زیادہ ملازمت تھا۔

ادود کا ایک ہفتہ وار اخبار جو کسی معتد بہ سرمایہ کے نفاذ کی ہر کھسی اس قابل نہیں ہو سکتا کہ تین خوش پوش گھرانوں کی کفالت کر سکے۔ اس لئے ایمن صاحب اور شوکت صاحب دونوں ہی ادود اخبار سے متعلق رہے۔ کچھ ہی دنوں بعد ایمن صاحب کی دلچسپیاں کم ہو گئیں اس لئے کہ انہوں نے انڈی پینڈنٹ نیوز سروس قائم کر کے اردو اخبار کو روکی خبریں فراہم کرنا شروع کر دی تھیں۔

اس کے لئے انہیں ہارنت سے چھ ماہ نام وقف صرف کرنا پڑا تھا۔ وہ کام سادہ اور ذریعہ حیات سے منہ می نکھتا رہا۔ مگر امام نام تو شوکت صاحب ہی کہتے تھے۔ انہیں اس سے ڈر نہ پڑا تھا۔ وہ اسے حشون ہی کہتے رہے۔ اور میں بھی ہمارے پیچھے کے ساتھ بہ سنا ہوں کہ مجھے شوکت صاحب سے جو حشیت، قہمت اور غصہ تھا اسے صرف شوکت ہی جانتے تھے۔ بھرپور غصہ، ان سناں سے واقف تھا۔ جو ہمارے قریب تھا۔

شوکت صاحب کی قابضیت اور زہانت سے کسی کا فکر بھی اٹکا نہیں ہو سکتا۔ اس کے باوجود ان کی غمروں میں میلوت لگاتار تھا۔ میں نے انہیں مشہرہ کرنے کے لئے سلوم نہیں کیا کی کہ خود سرخی کی ادارت نے جہاں سوچ کو شہرت بخشی طاق خود انہیں بلکاس سے سارا جھنڈا ہی جان لیا۔ اور ان کے جو برابر اجاگر ہونے لگے۔ اس لئے کہ اس وقت بھی شوکت صاحب کے علم میں اتنا دور تھا۔ جو نکتہ کاروں کی تحریریں بھی کثرت ہی ہوتا ہے۔

ایک ہی سال بعد سوچ کا دفتر چلا پڑا۔ اب ہم اس عمارت میں آگئے تھے، جہاں آج کل نسیم بک ٹیپا کا دفتر قائم ہے۔ اس کے نیچے تھے۔ دو میں دفتر تھا اور ایک حصہ شوکت صاحب کی رہائش کے لئے وقف تھا۔ اس میں کئی سال تک شوکت صاحب رہے۔ اس کے بعد انہوں نے خود اپنا اخبار طوفان نکالنے کا منصوبہ بنایا اور سامنے کی ایک کشتہ عمارت کو اپرے کر اس میں چھ گئے تھے اس اخبار کے لئے انہیں قادیانی تھی ہے ایک معتد بہ رقم مل گئی تھی۔ لیکن افسوس کہ وہ اخبار کر اپنے زور و علم کے باوجود نہ چلا سکے۔ اخبار کے لئے اب بھرتی منظم، زیر پر سے زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں شوکت صاحب بالکل کار سے تھے۔ کر سے ہی نہ تھے بلکہ اپنی خلص مزاجی اور زور و جہاں کے باعث اشاعت کا تعاون بھی حاصل نہ کر پائے۔ اور انتظامی خرابیوں کے باعث طوفان کا زور بہت جلد کم کر ختم ہو گیا۔ شوکت صاحب کی "اب" کیفیت کا یہ عام تھا کہ وہ اپنے دفتر میں ایک بہت بڑے افسر کی حیثیت سے بیٹھتے تھے۔ نوکرانوں کو ہر طرح کے ضابطہ اور قانون کا پابند رکھنا چاہتے تھے۔ نوکر کی سولی سے بات بھی انہیں اس درجہ شتمل کر دیتی تھی کہ وہ اسے فوراً درخواست کر دیتے تھے۔ خواہ وہ کتنی ہی عمدہ کام کرنے والے ہوں نہ ہو۔ ان کا یہ طرز عمل ایک ایسے چھوٹے ادارے کے لئے کبھی مفید نہ ہو سکتا تھا۔ میں نے سوچ کا دفتر قائم کیا تو ان سے یہ تھا۔ کہ میں چپرا سی، عموک، اور منیجرب ہی کی عزت کرنا تھا کیسی ان کے پاس جاتا اور وہ احترام کرتے ہوئے چاہتے تو میں انہیں ایسا نہ کرنے دیتا۔ ان سے میری ایسی بے تکلفی تھی کہ کوئی نیا شخص دفتر آتا تو ایک نوکر کی تیز نہ کر پا کہ وہ پیر کا لکھا میں دفتر ہی میں کھاتا تھا۔ اور یہ کھانا اتنا آنا تھا کہ میرا اسٹاٹ بھی میرے ہی ساتھ کھاتا تھا۔ میرے اس بتاؤ کا یہ اثر ہوا کہ میرے سادہ و دو گار یا میرے دست و بازو میرے ملازم ہر حالت میں میرا ساتھ دیتے تھے۔ اس وقت سخت مالی مشکلات تھیں۔ صوف بارہ پیر سے میں نے اپنا کام شروع کیا تھا اور جیسا کہ شوکت صاحب نے میرے متعلق مضمون لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ میں منگول ہیں یہاں کھیتا تھا تو قی کا ہے۔ میری جیب میں دس روپے ہوتے اور کام ہزار کرنے لگتا لیکن یہ سب کچھ میری نرم مزاجی، ضبط و صبر اور رسالت کا طفیل تھا کہ گاڑی چلتی رہی۔ میں کبھی کسی نوکران کی ایسی باتیں بھی صحتی برداشت کر دیتا تھا جیسی کوئی دوسرا برداشت نہیں کر سکتا لیکن شوکت صاحب نے ان باتوں سے کوئی سختی نہ لیا۔ وہ بلا سوچے جگے ہر کام کرتے۔ در نتیجہ غراب ہی نکلتا۔ درجہ ان کی فطرت تھی۔ جو نہ ہے بدلی نہیں جاسکتی۔ وہ برابر والے کی بھی کوئی بات برداشت نہ کر سکتے تھے۔ جو باجائیکہ نوکر شوکت صاحب سے میں نے اتنی مدت تک کس طرح نباہا۔ کہ توں تو ایک طریق مضمون اس حدت پر جو جاتے گا۔ بس مختصراً اتنا کہ لیجئے کہ میں بتاؤ شوکت صاحب

عزیز تھا۔ دینی کسی سے نہیں ڈرا۔ جس طرح کھڑا ہے جی نہیں۔ اگر پی تو پاس دیکھا نہ کے، اسکا نام کا تو معلوم نہیں۔ جی جتنی بے کسی دیکھ رہا تھا دیتا۔ حالت یہ تھی کہ کسی شرکت صاحب کا ان کی پیروی سے جی بڑا مزاج دیکھتا تھا۔ اور پھر اس کی پیروی کرتا تھا کہ شرکت صاحب کو جانتے ہیں یہ شخص ہے ان ۵۵ روپے کی خدمت نہیں تھا۔ خواہ میرا کشتہ کی خدمت کیوں نہ ہو جائے۔

شرکت صاحب کا وہی تھے اور ادیب محمد انسا دیکھا وہی تھے اور صفائی بھی۔ جس نے تیری کے ساتھ وہ ایک شرکت تھے تیری سے تو جی جی کر سکتے تھے۔ لیکن وہ ۵۵ روپے کی خدمت پر تھے۔ جو کچھ جی لکھتے، اسے سنائے عزیز ہوتے اور یہ وہ شرکت صاحب سے زیادہ جی پرکرتا تھا۔ اس لئے اس وقت کہ سے زیادہ وقت کسی کو حاصل نہ تھی۔ سوچنے کے لئے وہ زیادہ وقت میں لکھتے تھے اس لئے صبح جب میں دفتر آتا تو سب سے پہلے کام یہ ہوتا تھا کہ شرکت صاحب کا کچھ برا مضمون سنوں۔ اس لئے یہ سب کچھ گوش ہر زمانہ وہی ہوتا۔ بالکل نہ تھی کہ اس دور کا یہی سولی کی طرح جی کسی مصلحت پر تھی۔ میں اس وقت اپنا مضمون لکھ کر کے بیٹھ جاتا کہ اور کسی کی لکھی چیز نہ ہوتی۔ اس وقت وہ دیکھ کر لکھی جاتی تھیں کہ شرکت صاحب کا مضمون لکھ کر میں ایک جام ہوتا۔ میں کبھی ایسا بھی کرتا کہ دفتر تھے ہی عام شروع ہو جاتا کرتی بات پوچھنے کا تب یا دفتر، حرکت یا سبیر میرے پاس آ جاتا۔ لیکن میں دیکھا کہ شرکت صاحب نہ ہوتا۔ تو یہ کہ اسے دیکھتا ہی نہ خدمت اس لئے شرکت صاحب تھے کہ ان کا مضمون سننے وقت میں اور کسی جی بات کہ اپنے ذہنی اختراع میں نہ لے دوں۔ یہ کہ کبھی کبھی ایسا جی ہوتا کہ میں جتنے بھی گوش بناتا ہوں۔ مگر میرا مدعا کسی اور الجھن میں ہوتا۔ اور زیادہ سستی مجھے شرکت کا مضمون سننا پڑا۔ خصوصیت کے ساتھ اسی وقت میں بڑی مشکل میں گرفتار ہو جاتا تھا۔ جب ایسے موقعوں پر لکھی موز فکس جام سے آ جاتا۔ چنانچہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار جب شرکت صاحب نے اول بڑھیں کا سودا اچھے سنا ہے تھے۔ ایک ڈپٹی کلرک صاحب آمد لکھے۔ یہ سرخ لکھے واس میں تھے۔ اور ان کی عادت میں میری جائیداد ایک مقدمہ بھی اسی زمانہ میں چل رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان کی آمد پر بھی میں شرکت صاحب کی شرکت متوجہ نہیں رہ سکتا تھا۔ میری توجہ ڈپٹی صاحب کی طرف ہر گزنی کھڑے ہو کر میں نے ان کا غیر مقدمہ کیا اور انہیں عزت کے ساتھ چھوڑا۔ محفوظ رہا ہشت سے میرے پرے سے کا ایک ڈپٹی تھا۔ میں نے شرکت صاحب کی طرف دیکھا جواب مسودہ سیز پر رکھ کر غاموش ہو گئے تھے۔ ڈپٹی صاحب سے ان کا تعلق نہ کیا۔ مگر شرکت صاحب نے یہی مسئلہ ہٹ سے دیکھا دیا اور اٹھ کر اپنے دانشوریت میں چلے گئے۔ میں ڈپٹی صاحب سے باتیں کرتا رہا۔ اور اس سے پہلے کہ ڈپٹی صاحب رخصت ہوں۔ شرکت صاحب کا نوکر ایک پرچہ لے کر آیا۔ یہ چوہا وہی تھا جس کی مجھے امید تھی یعنی اسٹنٹا۔ لیکن ان کے استغیثے سے میں زیادہ گھبراتا نہ تھا۔ وہ جہاں آتا ہوا درجہ کے تنگ مزاج اور زور دہی تھے وہاں دل کے اتنے صاف تھے کہ بڑے سے بڑے واقعات کو بھی چند گھنٹوں یا دنوں میں اس طرح فراموش کر دیتے تھے۔ جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ سوچنے کی اشاعت کے بعد ہی میں نے شرکت صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے مضامین کا نامی شکل میں مرتب کریں۔ اور نسیم بک کو دے اس کی اشاعت کی جائے۔ شرکت صاحب نے میری اس رائے سے اتفاق کیا اور میری قسم کے نام سے اپنے ابتدائی منتخب مضامین کو مرتب کر کے دید۔ اس کی اشاعت ۱۹۱۶ء ساگر پر ہوئی۔ پورے کھڑے کی بددینی اور سبیر کے الفاظ میں کتاب کا نام چاہا گیا۔ جس طرح شرکت خاوی کا نام میرے قنادی سے چلی بار کسی اخبار پر ڈپٹی کی حیثیت سے لکھا گیا۔ اسی طرح یہ فریج بھی

لوہا کیس ان کی پہلی کتاب کا پیشرو تھا اور اس کے بعد نے شرکت صاحب کی دیگر کتابیں مرتبہم، بڑھوس، مصحفیاتی، اکران، ہندی کھٹے سوتیا چاہ، خاتمہ خاں، اولیہ صلیک اور شیطانی، اسی، بید، وغیرہ بھی شائع کیں۔

اودھ کی شری میں مجھے شادی سے بھی دلچسپی تھی۔ چنانچہ اگست کی اوڈیشی کے زمانہ میں شرکت صاحب سے جب میرے منکشت دوست تو ہیں ان کے ساتھ ہی شادی میں جا کر رہا تھا۔ وہ مجھ سے نہ صرف یہ کہ میں بڑے تھے۔ بلکہ ذات و ذکاوت میں بھی ہنسٹھے۔ ان کا کام اس وقت بھی سہاری ہوا کرتا تھا۔ وہ کھنڈ کے مشہور رئیس، صاحب اس کے خاوند تھے۔ میں بھی ان ہی صاحب کی خدمت میں جا کر کھانڈ کبھی ان سے اصلاح لیں۔ ان شرکت صاحب نے ان کے لیے افسانوں پر اصلاح کی اور کبھی کبھی جب وقت کی کمی یا اور کسی دشواری کے باعث میں غزل مغل نہ کہہ سکتا تھا شرکت صاحب اپنی غزل کے چند اشعار مجھے دے دیتے۔ یہی نہیں۔ اکثر قصوں میں میری غزل پڑھتے تھے۔ شرکت صاحب ہی تھے اس لئے کہ وہ ذہین و دانشور کے ساتھ ہی آواز بھی مہتمم رکھتے تھے۔ سادہ ان کے پڑھنے کا طرز آنا دلکش ہوتا تھا کہ وہ شادی و شادی کے وقت یا کرتے تھے۔

صبحِ تبسم کی اشاعت کے بعد میں نے شرکت صاحب نے ایک نو۔ یہ جس میں چاندی، شاہجہان پر وہ چیز کا دورہ کرتے ہوئے ہم دونوں بھولالہ پہنچے۔ اس زمانہ میں بھولالہ سینٹر میں ڈاکٹر زبیر صاحب انچارج تھے۔ شرکت صاحب کے چچے ختم تھے۔ انہیں کے ساتھ ہم مدوزن نہیں مل پیدل آتے تھے۔ اس سے پہلے ہم نے غزلیں پڑھیں تھیں۔ تمام دن وہاں لی میرے کہ ہم پھر بھولالہ واپس آ گئے۔

اس زمانہ میں صبحِ تبسم کی صد ہا صدیوں فروخت ہو گئیں۔ کتاب اپنی زحمت کے اعتبار سے بہت پسند کی گئی۔ اس وقت صرف مرزا اعظم سید حسنی کی چند کتابیں شائع ہوئی تھیں۔ مزاح پر یہ بھی ان کا ایک شوکت صاحب کے نج سے بالکل مختلف تھا اور چھٹی چیز دیکھنے میں زیادہ دلکش ہوتی ہے۔ صبحِ تبسم کی کامیابی کے بعد بڑھوس، بچہ، اودھ بھی پسند کی گئی۔

شوکت صاحب کو غرض کھینچنے کا بہت شوق تھا۔ اسی زمانہ میں شرکت صاحب جو بات پڑھتے تھے اس سے انہیں دل لوں یا خود اس سے پرہیز کر دے۔ تقریباً ان کی باقی توڑ کر کوئی، اہمیت نہیں۔ اختیار۔ اور اس میں کوئی نہ ہو کسی دیکھی کھیل سے دلچسپی نہ رہی۔ ہمارے لئے اگر میں شرکت صاحب کی خاطر ان باتوں میں حصہ لیا کرتا تھا جو انہیں پسند تھے تو کوئی ایسی بات نہ تھی۔ حیرت کو مجھے یہ ہے کہ شرکت صاحب نے مجھے بے نمازی ملک بنا دیا تھا۔ خدا منفرت کرے اور مجھے بھی معاف کر دے۔ اب سوچتا ہوں تو سخت زحمت ہوتی ہے۔ ایک انسان کی خاطر مجھے مسودہ حقیقی یا ناسطی کا بھی خیال نہ ہوتا تھا۔ بات یہ تھی کہ میں جو ملک دینا ہوں۔ ایک بہت ہی شقیں اور پرہیزگار رہا ہوں۔ والدہ حرم کی نماز کبھی قصا نہ ہوتی تھی۔ پھر پر بھی اتنا اثر اس زمانہ میں ہو گیا تھا۔ جب میں حرمِ دروغی خلق کرتا تھا کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھوں۔ لیکن شرکت صاحب اس وقت نماز پڑھتے ہی نہ تھے۔ اس لئے وہ مجھے بھی طرح طرح سے روکتے تھے۔ مثلاً میں صبح پڑھوں اور قبل اس کے کہ میں مسجد میں جاؤں۔ شرکت صاحب لٹا لٹا کر مجھے کی جگہ دیکھ دیتے۔ کبھی گڑھی اٹھا کر جانا پڑے آتے۔ کبھی جانا لازمی الٹ دیتے۔ غرض ان کی ان حرکتوں سے عاجز آکر تو بہت توبہ، اخوت، خدا زحمتوں کرتے ہوئے غبر، صبر اور صبر کی غازیں ہی چھوڑ دیں۔

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ کہہ یہ رہا تھا کہ شرکت صاحب کو غرض کھینچنے سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس لئے میں نے ان کے اس

ایک جیسے دانت سے پکڑ کر صرت کرتے ہیں۔ میں نے بدھ کی پردہ زنی اور کھنڈھو بھی لکھ ایک مرتبہ ہندو مت کو
تجربہ کیا۔ کچھوں کے لیکن صاحب کا کام تھا کہ وہاں کسی تجارتی طور پر کیا تھا۔ کئی ہائیڈروکاربون اور صرت
معدنوں کو دیکھنے اور ان سے ملنے۔ آخری مرتبہ تم خود سو روپے نئے نئے مال لے گئے تھے۔ پھر سال اس میں میرا حصہ نہیں۔
بہر حال یہ سب میرے ساتھ تھا۔ حرم کا چشم بزمی حجت فراموش تھی۔ مرتبہ ان عزرات سے ملنے گیا ہے۔ جو اس قدر ہی حجت
اور مروت کے تھیں کہ بعد سجادہ نشین بنے بیٹھے ہیں۔ اب ذرا اپنے گریباں میں تم بھی منہ ڈال کر دیکھو، وہاں کچھ
ہو کر رہا ہے۔ کتب لاہور میں ہے۔ حرم۔ غلام احمد دہلوی اور بھائی اور نئی پکی کے۔

وہ اپنے پرانے سویری سے مروی کے شاکی میں، ان کی ملاستی کے لئے میں دعا کرتا ہوں کہ جب میں زندہ ہوں
تو ان کی میری صرت اور دعا ہو گا، اگر کچھ ترسوا سے
طرزی صاحب کو تسلیم۔ غمخواریاں کو پتا۔ اور پکی کو بہت بہت پیار۔

جادو ہم پتا ہم نہیں تھے۔

میں نے اس خط کا جواب دیا اور بعد کر لکھا کہ کھنڈھو آپ اُسے دتی کھینچ رہی ہیں سب سے اہم مسئلہ ہے آپ
کی زندگی کا۔ غیرہ وغیرہ اور اس کا جواب شریک صاحب نے ۲۰ اپریل ۱۹۵۷ء کو لکھا کہ یہ پاکستان سے کیا
جو حسب ذیل تھا۔

بدوہم نسیم صاحب آپ کا خط۔

لکھا تھا کہ خاندان حجت کو بھلا دیتا ہے اور بدھ کی نون کو ختم کر دیتا ہے مگر مسوم ہر اکہ بدھ گمانیں جہانی اور بدھ کی فضائل میں
بھی پدماں چڑھتی ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تم میرے غمخواریاں کے کبھی قابل نہ ہو۔ اور میرے پرورش کے طور پر مجھ سے
غموں ہستے رہتے ہیں۔ حال تم اپنی خود نہ چھوڑو۔ اپنی وضع نہ چھوڑیں۔ اور یہ تعلقات یوں ہی چلتے رہیں۔

یار ایک بات بتاؤ۔ مجھ ایسے لعنت زدہ ہستی کو بھول جاؤ۔ مجھ کو کر مرگیا۔ وہ بدھ نام کئے دغا اور صبر کرلو۔
تھا اور تھاری خود اور کا خط پڑھنے کے بعد میں اپنی نظروں میں جس حد تک گراہوں اس گہرے غار سے تیرے تم خود
کو نہ نکال سکو گے یہ معاملہ ہے میرے ان جذبات کا جو تمہارے لئے دل میں تھے۔ یہی اور بدوہم جو اس قدر افرانی
کے ہمیشہ رہیں گے۔

تمہارا بھائی
شریک

میں نے اس کا جواب بھی لکھا اس لئے کہ اب شریک صاحب سے میرا خفت دور ہو چکا تھا اس لئے کہ نہ سوچنے کے
اور نہ تھے نہ ہی اپنا کوئی نامل مجھے اشاعت کے لئے دیتے تھے۔ کھنڈھو آتے تو ان لوگوں کے یہاں قیام کرتے جو صرت
رہا کے تھے ان کے دوست تھے۔ پھر کوئی دھند تھی کہ اب بھی میں ہی بات بچتے ڈرا۔ میرا خط لکھ کر شریک
صاحب نے پھر مجھے ریڈیو پاکستان سے ۲۴ مئی ۱۹۵۷ء کو خط لکھا تھا۔ وہ حسب ذیل ہے۔

عزت موجود رہے میں سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اچانک بد آجایا کہنے میں غم ہانی ایک مرتبہ نہیں گئی مرتبہ ہی جس سے
تصور میں آجی چکی ہیں۔ اور یہ ایک روحانیت کا مسئلہ ہے کہ اسی افراد سے روحانی تسبیح ہو سکتی ہے۔ وہ اسی قسم کا
مستطعم و دلدادہ ہوتا ہے۔ بلکہ جانی کہ جس سے جو وحدت ہے۔ وہ اس قلبی اور روحی تسبیح کا نتیجہ ہے۔ خدا اس کو پہلی
خوش نصیب سہاگنی رکھے۔ اور ہم اس کے لئے سلامت ہو۔ نا باب اب میری اس دعا کا مضبوط و داغ ہو گیا ہوگا کہ۔
میری دعا بھی تم کو ملے۔

قیم کرنے میں جو وہد سے صحت کے ساتھ کشتی رومی ہے اس سے میں بے خبر نہیں ہوں۔ اور تم کو زندہ ہی حرم کا
افسانہ بکھتے ہوں۔ یہ وہ قدر قائم رکھنے کے لئے بیہوشی کے ساتھ دست سرائی۔ و از کئے تم نے اپنے احوال سے کو زندہ
دل کر سوزہ کیا ہے مگر تمہارے اس اہول اور اس محنت سے میں دور رہوں کہ صحت کی ذمہ داری سے خلعت و
برتن شریع کر دو۔ بات یہ ہے کہ یہ تو آدمی میرا ایسا ہے جیسا کہ

غم ہائے روزگار کو آسائیں بس دیا

جو سسٹم کا اسی کو جہنمی میں اڑا دیا

مگر تم یہ بات نہیں سمجھتے۔ تم آدمی ہو جس میں اور نعمت غم شریعت میں۔ بعد اتم بیت نازک، الجین کی حیثیت ملنے
ہو۔ مناسب یہی ہے کہ اب اپنی خلعت خود کر دو۔ غم و غم اب باغ ہو چکا ہے۔ قافلہ آج ہی سے ہے اس سے
نہوڑ لڑیاں سنیں۔ یہ کھڑائی اور خود ذرا آرام میں کیا کر دو۔ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ تم تندرست اور زندہ رہو۔
خدا اصل بظہاری کے شوق میں مبتلا ہو کر کئی کئی نذر زندہ رہو۔

اپنی عزت کو اموں جان کی دعا میں چنچا دو۔ غم اس کو اور تم کو پیا ر شویاں کر دو۔ دعا اور پیار و دوزں جادو
کو آداب۔

میرے پیالہ میں سب اسی قسم کی باتیں کہہ رہے ہیں۔ طرزی خبر جی ضرور۔

تمہارا شوکت

اس خط سے پہلے ہی طرزی صاحب کے انتقال کی خبر پڑھ کر شوکت صاحب نے دفتر جنگ روپڑی سے، بھونک کر لکھا تھا۔

پیارے نسیم

خدا تم کو سلامت رکھے۔

آج صبح ناشتہ کرنے بیٹھا اور چائے کے پہلے ہی گھونٹ کے ساتھ نظر پڑی۔ انہار میں اس شخص خبر پر جس نے چائے
کی اس گھونٹ میں حق میں چھنا دیا۔

محبوب طرزی ہمارا ایک خلوت و جلوت کا ساتھی اس طرح ہم سے بچھ گیا۔ کاش تم یقین کر سکو کہ آج دن طرزی
عالم تصور میں کھنکھوتی ہیں رہے ہوں۔ ہر اس شخص میں جس میں طرزی کا تصور لے گیا۔ اٹھ جانے تم آج کل کھنکھوتیں ہریا
جنی نال میں بہر صحت کسی طرح میری تعزیت اس لئے پس ماندگی ہم پہنچا دو۔ مجھے اس کا پتہ معلوم نہیں۔ مگر آج

شوکت تھانوی سویشی ریل کے بعد

ملکیم یوسف حسن

۱۹۲۶ء کا زمانہ تھا۔ متحدہ ہندوستان پر برطانوی پرچم ہوا ہے تھے۔ بھارت میں سویشی تحریک ندروں پر تھی، چٹ پٹ فٹ اور اخبارات کے صفحات پر حکومت پر شدید کٹر چینی کی جاتی تھی۔ ہندوستانی رائے عام کو بہادر کر کے سوار راج حاصل کرنے کے لئے اُسے تیار و متحرک بنا رہا تھا۔

ہندوستان کی ادبی فضا پر نیرنگ خیال ایک کامیاب تجربہ ثابت ہوا تھا۔ اس کے صفحات پر نکال، بہادر، یو پی، حیدر آباد، بمبئی اور پنجاب کے چوٹی کے ادبا اپنے رسالت کلمہ پیش کرتے تھے۔ اس کی کامیابی اور مقبولیت غیر متخوات تھی۔ ہم نت نئی باتیں سوچا کرتے تھے۔ پرچہ کو آگے بڑھانے اور یہ لکھنا کہ توڑ فیر لگانے کی دھن ذہن پر سوار رہتی تھی۔

ذہن نے ایک نیا لفظ ایجاد کیا۔ یہ مختصر ماحفظ تھا تاہم نہ۔ ہم نے گرا انگریزی لفظ Annua کا صحیح ترجمہ کیا تھا تاہم نہ۔ کہ دوزی پر سالانہ مگر یا سال بعد کا نمبر نہ پانچویں۔ نیرنگ خیال نے سب سے پہلے سال ۱۹۲۶ء میں شائع کیا۔

یہ خیال ۱۹۲۶ء کے آخر میں سوچا۔ ذہن رسا اس کے لئے قسم قسم کی جدیں سوچنے لگا۔ مثلاً اس کا سالانہ عام رسالے سے بڑا ہونا چاہیے۔

اس کا مائٹیل شے انداز پنخاص قسم کے فائدہ پر عین چھا جائے۔

مشہور مصور، حیدر علی چٹائی اس کے لئے ڈیزائن عطا کریں۔

کتابت اور طباعت بڑی دلکش اور دیدہ زیب ہو۔

چھ رسالت ڈرائنگز (آرٹ کی تصاویر سے اسے مرصع کیا جائے۔

متعدد بات ٹون ہلک چھاپے جائیں۔

اس کا اشتہار خاص انداز سے جاری کیا جائے۔ اور سب سے کثیر الاشاعت روزنامہ زمیندار سے مساعلات کر لئے جائیں۔

ایک کام مخصوص ہو اس پر عنوان ہو۔

سالانہ نیرنگ خیال ۱۹۲۸ء۔۔ اور پھر اس کے نیچے ان تمام اہل نظم کے نام دیئے جائیں جو اس میں مضامین کو سہے ہیں۔

ترتیب پر لکھنے والی کتابیں ایک نام پر جمع ہوتی ہیں۔ اور قریباً ہر نام پر ایک نام کا خاندان
بنا ہے۔ یہاں تک کہ ایک نام پر نام ہیں اور ایک نام پر نام ہیں۔ اور ہر نام پر ایک نام ہے۔
اب نام کی خاطر کسی نام پر نام ہیں۔ اور ہر نام پر ایک نام ہے۔

آپ لکھتے ہیں اس قسم کے اختصار کے ساتھ کہ یہ نام پر نام ہیں۔ اور ہر نام پر ایک نام ہے۔
جو خاندانوں کی کتابوں کی اور نام پر نام ہیں۔ اور ہر نام پر ایک نام ہے۔

آپ نے سب سے زیادہ نام پر نام ہیں۔ اور ہر نام پر ایک نام ہے۔ اور ہر نام پر ایک نام ہے۔
اور ہر نام پر ایک نام ہے۔ اور ہر نام پر ایک نام ہے۔

اور ہر نام پر ایک نام ہے۔ اور ہر نام پر ایک نام ہے۔ اور ہر نام پر ایک نام ہے۔
اور ہر نام پر ایک نام ہے۔ اور ہر نام پر ایک نام ہے۔

خود ہی جزئی لکھنے والے اور ہر نام پر ایک نام ہے۔ اور ہر نام پر ایک نام ہے۔
جو خاندانوں کی کتابوں کی اور نام پر نام ہیں۔ اور ہر نام پر ایک نام ہے۔
اور ہر نام پر ایک نام ہے۔ اور ہر نام پر ایک نام ہے۔

ان لوگوں کی۔ حضرت شکوہ قاضی کی!

ان دونوں شکوہ ایک ذخیرہ نام ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔
یہ قاضی کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔
اس طرح قاضی کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔
کھنڈوں پر لکھنے والی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔
ان لوگوں کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔
جو خاندانوں کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔
مقاصد میں لکھنے والی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔
یہ قاضی کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔
ایک ایسا خلائی اور فنی عمل پیش کرنے والا ہے جس میں ہر نام پر ایک نام ہے۔
جو خاندانوں کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔
کیوں نہیں! اس میں شکوہ قاضی کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔
ہر نام پر ایک نام ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔ کہ یہ قاضی کی کتاب ہے۔

اور بعض ارجح سے اصلاح لے لینے پر بھی مجبور کرتے تھے۔ نامور اور استاد قلم کے اہل قلم سے جا ملا تو قلم و سری ذمیت لکھنے لگا۔ انگریزی چٹا بھادو اور ٹیڑی کے پھیلنے میں محفوظ رہتے تھے۔ اور ہم وقت و وقت پہاڑ سے کام لیا کرتے اس کام کا کہتے تھے شوکت صاحب نے کہا افناد کھول!

میں نے کہا افناد! افناد نے تو بیت آجاتے ہیں۔ اور نظموں کے لئے تو جگہ نہیں نکلتی۔ نثری طبع کے کم تھے میں بھی اگر آپ مزاحیہ یعنی مزاح افناد نکھیں تو بات دلچسپ رہے گی۔ اس مذازیں کہنے والے محتاج ہیں۔ اور آپ میں بڑی صلاحیت ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ایک مزاح افناد جب پوری کوشش سے لکھا جائے تو وہ کلیات نہ ہو۔ ذرا ذہین ہندو سے کر کوئی چٹا سرچے۔ اور مزاح فارنگ بھرتے جائیے۔ اور چرچہ لکھنے کو شوکت کے نام لانا بجا ہے یا نہیں؟

ہم نوجوانوں کو اکتاتے رہے۔ شوکت نے ایک گہری ٹھنڈی سانس بھری اور کہا میں کوشش کروں گا۔ اُس وقت میں بھی نہیں جانتا تھا کہ میں سودیشی ریل کے مصنف سے بات چیت کر رہا ہوں۔ یا میری اس قویک کے نتیجہ میں ایک شاہکار مضامین کی تخلیق ہونے والی تھی۔

نیرنگ خیال کے اس سال میں بڑے پارے کے مضامین تھے۔ مگر جو چار سو سودیشی ریل کا ہوا وہ کسی دوسرے مضامین کو نصیب نہ ہوا۔

۱۹۲۸ء میں گیندی حکومت ہندوستان پر اپنا تسلط مضبوط کرنے کی فکر میں تھی۔ اور ساتھ ساتھ وہ اہم تمام مذاہر اور ذرائع کو دیا سیٹ کرنا چاہتی تھی جو سواراج حاصل کرنے کیلئے اختیار کئے جا رہے تھے۔ سودیشی ریل جس کا وہ ادب میں مزاحیہ رنگ میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ وہ دشمنان آزادی و ہندوستانوں کے سواراج حاصل کرنے پر اس ملک کی حرکت بننے کی اس کے فقوش دکھانے کے لئے بطور دلیل کے پیش کر رہے تھے۔

سودیشی ریل کا بے ساختہ پی۔ ہندوستانیوں کی تحریک سودیشی کا پیمانہ کرنے والا ثابت ہوا۔ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا ریلوے جس کا اس مضامین سے بہت متاثر ہوا۔ اور فکر اطلاعات حکومت ہند نے اس مضامین کے انگریزی قیام مختلف ذمہ دار افراد کو گردن اور دھڑکائے کو بھیجے اسے کیونکہ اس میں سودیشی تحریک کا مضحکہ میں انداز میں اڑایا گیا تھا وہ حکومت کے اٹھ مضبوط کرنا تھا اور انہیں سودیشی ریل جیسے متعدد مضامین کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

میں سو فیصد یقینی ہے کہ شوکت تھانوی کا ذہن اور دماغ اس قلم کی آلائشوں سے پاک تھا۔ اور انہوں نے سودیشی ریل میں مزاح افناد اور مزاحیہ بنیادوں پر استوار کی تھی۔ اُسے سیاسیات سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ لیکن انگریزی حکومت کے اسباب ملنے مٹانے اس سے جو تاثر لیا اور اس سے اپنے مقاصد میں حیرانہ حاصل کی اس سے اس کا مصنف ناواقف تھا۔

حکومت ہند کے فکر اطلاعات کے سربراہ ایچ ڈنل ملا مر جھڑی تھے جو بڑے تدبیر اور مشہور اہل قلم تھے۔ اس مضامین کی وجہ سے شوکت تھانوی کا تارن جھڑی صاحب سے ہوا۔ اور بعد میں یہ تارن شوکت صاحب کے سوگ پبلیشنگ ڈیپارٹمنٹ میں منسلک ہو جانے کا باعث بنا۔ جھڑی صاحب نیرنگ خیال کے نہروں و ادب تھے۔ بلکہ سرپرست بھی تھے۔ اور خود بھی نیرنگ خیال میں رہنا دیکھتے تھے۔

سب سے ہلکے نہ ہوتے تھے۔ وقت بے وقت، بلا ضرورت، جبراً کچھ لکھتا پڑتا ہے۔ یہ آمد نہیں آمد ہوتی ہے۔ نہ تو کامران
ہمیشہ مقدم ہوتا ہے۔ چروائی کے لئے جو ادب لکھیں کیا جائے گا وہ یقیناً بہت پرگا۔ وقتی طور پر چند منٹ ہٹا کر دیکھنے کے لئے
تو آجاتا ہے۔ کمرے کو مستقل شکل نہیں دی جاسکتی۔ ریڈیو کی شدید ضرورت نے شوکت خانوی کی اڑا دی کہ کچھ کڑا لے لے۔ وہ
وہ تمام حاصل نہ کر سکا۔ جو وہ اعلیٰ اور سکون سے لکھی ہوئی تحریروں سے حاصل کر سکتا تھا۔

شوکت خانوی۔ ابتدائی سب سے اوس شاعری تھی۔ اس کے بعد افانہ لگا دینے اور آخر میں مزاج نگار ہوتے بہت
لوگوں کو علم ہو گا کہ شوکت خانوی اچھے شاعر تھے۔ اب بھی جب کسی شاعر میں مدح ہوتے تو پانچام سناتے تھے جو پندرہ ہاتھ اگر آپ
مزاج نگار نہ ہوتے تو یقیناً ایک نامور شاعر ہوتے۔

۱۹۳۳ء کا سال مزید ایک خیال میرے سامنے ہے اس میں جس شاعر کا کلام درج ہے اس کے کلام دیکھیں۔ کبھی چٹا کوئی
ماغظی، جلیقہ، آبادی، آرزو کشوری، اسرار گوشتی، جلیل خدوائی، تپیش لاہوری، جسٹس، ہر دی، آزاد انصاری، مایہ کھنوی
ہادی صبی، مرزا یاس، شوکت خدائی، سید عابدی، اختر شیرانی، حضرت سیاب، دہلوی، شاعر، گھوٹا، سہائے فراق، سید الف شاعر
سیکس، ضیافے آبادی، احسان علی دانش، اکبر جہوری، محمد اسرار علی۔ ان سب کے دوش بدلتے شوکت خانوی مرہوم ہیں۔ عزت
شوکت خانوی کی غزل ملاحظہ۔

نوائے شوکت

ذیب ذوق کو ہر جگہ میں عیاں دیکھ
جہاں جہاں تجھے دھونڈا دہاں دہاں دیکھا
جب اپنے آپ کو آدھ خاں دیکھا
تو درد عشق نے لرزہ میں آسماں دیکھا
وہی ہے دشت جنوں اور وہی ہے تنہائی
تسے فریب کو اسے گرد کارواں دیکھا
عجب یہ دل ہے جسے باد جو دتہائی
گھرا ہوا ترے جلوں کے درمیاں دیکھا
جنوں نے ذوق محنت مٹ دیا دل سے
کچھ اب تو یاد نہیں ہے کیسے کہاں دیکھا
ہے برق کو بھی کوئی لاگ نامرادی سے
گر کھڑپ کے جہاں اس نے آئیاں دیکھا

شوکت میرا دوست

سید عطا حسین کلیم

سودیشی ریل کے مصنف سے ملاقات کی فتاکس کو نہ ہوگی۔ جس میں شوکت تھانوی کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سودیشی ریل کھڑے شوکت تھانوی نے ہندو ساہراج پر بہت گہری چوٹ کی تھی۔ اس کی اسسٹنٹ کے بعد عوام کی نگاہوں میں ہندو کا ٹکس کے سودیشی راج کی کوئی وقعت باقی نہ رہی تھی۔ اس سے تو صغیر میں بھی راج کے منصوبے خواب پریشان ہو کر رہ گئے اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شوکت تھانوی کی سودیشی ریل نے پورے ملک میں ہلکے چاڑھا دیا تھا۔ اور وہ لوگ بھی جن پر اس میں طنز کیا گیا، اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ شوکت تھانوی سے ملاقات کی فتاکس بھی محض اس لیے تھی کہ میں اس شخص کو دیکھوں جس نے اپنی صرف ایک تحریر سے شہرت و ناموری کے تمام مراحل اس قدر جلد طے کر لیے تھے لیکن جب میں اس سے ملا تو سودیشی ریل ہمارے درمیان موجود نہیں تھی۔ وہ ایک سنجیدہ اور متین، ہمدرد اور غمگسار دوست کی طرح ملے اور پھر ہم اس وقت تک ملے رہے جب تک موت نے ہمارے درمیان ایک نہ گرنے والی دیوار حائل نہ کر دی۔ یوں تو شوکت تھانوی سے میری یادداشت بہت مدت سے تھی لیکن جب وہ راولپنڈی میں ”جنگ“ اخبار کے مدیر ہو کر آئے تو ہمارے تعلقات اور بھی آسترا ہو گئے دن جو بات روزانہ ملاقاتیں رہتیں۔ کبھی بالمشافہ اور کبھی شلیفون پر۔ وہ ایک سچے دوست کی طرح میری زندگی میں داخل ہوئے اور مرتے دم تک میری ہر مشکل کو اپنی مشکل اور میری ہر تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے رہے۔ پچھلے سال جب میں بیمار ہوا اور مجھے ہسپتال میں داخل ہونا پڑا تو اس کے باوجود کہ وہ خود پاؤں کے درد میں مبتلا تھے ہر شام اپنی بیگم کے ہمراہ عیادت کے لیے ہسپتال آتے رہے۔ ان کے اور میرے تعلقات اب ہمارے گھروں تک پھیل گئے تھے۔ ہم ایک دوسرے کے دکھوں سے واقف ہو چکے تھے لیکن یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ شوکت نے اپنے سینے کے اندر اس نامراد بیماری کا جو دکھ پالی رکھا تھا اسے اس نے کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ شوکت تھانوی بہت کم آمیزانہ سانحے تھے لیکن شہرت اور ان کے قدرواؤں کا حلقہ بہت وسیع تھا وہ جس سے ایک بار بھی ہٹتے وہ انہیں عمر بھر اپنا خیال کرتا۔ شوکت زندگی کے ہر معاملے میں نفاست اور ایک خاص قسم کے دکھ رکھاؤ کے پابند تھے ان کی مالی وضع داری اور کم آمیزی زبان زردعام تھی لیکن اس کے باوجود کوئی بھی انہیں غور و انداز کا عنصر نہ

نہ سنا تھا۔ شوکت قاضی ایک بزم آغا افسان تھے باریں کتنا زیادہ بچے جو کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے جس کے ہر جہتے زندگی جبکہ اعلیٰ بات کرتے ہوئے ان کا ہر ہمیشہ پر سکون اور سنجیدہ رہتا، ہر شوق ہر ایک صدمہ کے باعث کھینچ کر آتی اور اسے رنگ کی صینک کے نیچے آنے کی تمکد میں ایک نہ بچنے والی جگہ پہنچنے والوں کو نظر سے اوجھل دیتی، کسی بات کا غمزہ کرنا اور اسے دلش ہر نہ جہاں عطا کرنا ان پر ختم حادہ صوب ایک نکتے پر چھو کر داستان بنا لیتے تھے ان کی باتوں سے دگر کے دلوں میں گدگدائی ہونے لگتی تھی گوشت و عطران بن جاتی تھیں وہ خود ہیں پر سکون اور سنجیدہ بیٹے رہتے جیسے کوئی بات ہی نہ ہوتی ہو۔

بچے شوکت قاضی کی رفاقت میں متعدد مشعوذوں میں شرکت کا موقع بھی ملا، وہ تو ہر جگہ ان کی طبیعت کی تشنگی اور حاضر جہاں نے سفر کی لوریت کو آرام اور سکون سے بدل دیا۔ مگر مظفر آباد کی شہر سے تو ہر جہاں یاد رہی گئے۔ مولانا میر تقی میر اور صاحب دہلوی سے مرحوم کے دیرینہ مراسم تھے مولانا سے ان کی محبت اور بے غلی کی بعض اوقات گستاخی کی حدوں کو چھو بیٹھی تھی مگر چونکہ وہ دونوں جانب یکساں خلوص اور محبت کا رذیل تھے اس لیے بھی ہر مزرگی کی نوبت نہیں آئی۔ مظفر آباد کے مشاعرہ میں مولانا میر تقی میر اور صاحب دہلوی سے پہلے وہ کامیاب ہو کر کے شہنا پھران کی سادہ لوحی کو کسی فرسٹ جموریہ اور شاعر کا جھانڈے کے صریح ملک عشقیہ اشعار سننے رہنا یہ سب شوکت کی زندہ ولی کے مظاہرے تھے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ شوکت مولانا کی عزت نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی تادیبوں کی جا سکتی ہے کہ شوکت کی سدا بہار طبیعت انھیں جہاں سے چھیننے نہ دیتی تھی اور ان کی حاضر و ماضی سنجیدہ سے سنجیدہ گفتگو میں بھی مزاح کے نکات کا جھونڈا لیتی تھی۔ مری میں گد شہد

سال جیٹو مری کے سلسلہ کا سالانہ مشاعرہ تھا دیگر شعرائے۔ ساتھ شوکت، سید محمد جعفری اور میں بھی مدعو تھے مختلفین سے ملے۔ یہ پایا تھا کہ ہم فیضوں برائے لینڈ ہوئی ہیں اگلے شہر کے شوکت نے پہلے تو یہ شہر کے کی کہ شام کے وقت جب ہم مال روڈ پر گھوم رہے تھے ایک بہت طویل القامت افسان کو جب ڈرامائی انداز میں پکڑ کر لے آئے اور اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے پھر عرض کی "بندہ بدور ہمارے زندگی و باں ہو گئی ہے کیا آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں آپ کا کرم ہو تو ہم اس مصیبت سے نجات پا سکتے ہیں"

وہ شریف آدمی حیران ہوا کہ یا الہی یہ ماجرا کیا ہے شوکت قاضی جیسا مشہور ادیب اور گفتگو کا یہ انداز! خدا جلنے انھیں کیا مشکل در پیش ہے اس دوران سید محمد جعفری طبعی نظروں سے اسے دیکھنے رہے جیسے کہ رہے ہوں بھائی خدا کے لیے ہمارے مدد کر مظلوم ہیں بہر حال وہ صاحب قدم پریشان ہو کر گویا ہونے "فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں" "بس آپ تھوڑی دیر کے لیے ہمارے ساتھ تشریف لے چلیے وہیں معاملہ طے ہوگا۔ شوکت نے کہا "میں ڈاکخانے کے سامنے جہاں کھڑا سوچ رہا تھا کہ خدا جانے ان دونوں پر کیا افتاد پڑی ہے جو اس طرح ایک اجنبی کی خواہ مخواہ منت سماجت کر رہے ہیں۔ اب جو دیکھتا ہوں تو شوکت

اور جعفری اُن صاحب کو ساتھ لیے میری سمت چلے آ رہے ہیں۔ قریب پہنچ کر شوکت نے حکارہ کر کے صاحب کی طرف سے اب بات کر نہ گی، اجیرن کر دکھی ہے چھ فٹ قین اچھ قد کیا ہوا ہائے بے صحبت بی گیا جھلاب میں کے سنے تیرا کیا حقیقت ہے اور اُن تعارف کے بلے یہ بھی سن لے کہ یہ حرج یہ حق کی اولاد میں سے ہیں۔ میرا ہنس کے ہائے بڑا حال تھا اور وہ صاحب ہنسنے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی نظر آ رہے تھے وہ ترکے جیر گزری اور تھوڑے میں در شہر کی ایک ٹولی اور آٹھ اٹلی اور معاملہ رخ و رخ ہو گیا۔

لاہور کے ایک مشہور میں ایک دہائی قسم کے باریش بزرگ سید محمد جعفری کو ہر صبح پر بڑھ بٹھ کر دوائے ہے تھے کہ شوکت کو جو شرارت سوچی تو اپنی جگہ سے اٹھ ایک مہا چکر لاکھ کر مولانا کے پاس پہنچے مولانا نظم سننے اور داد دینے میں عورتے کہ شوکت اُن کے قریب سنبھلے جا کر دے۔ شرم تو نہیں آتی آپ کو انہیں داد دینے ہوئے۔ وہ بزرگ بہت جذبہ ہونے اور فتنے میں کہنے لگے یہ کیا وہ تندی ہے منہ بھال کر بات کر دینا ہم نہیں تو مشاہیر میں کیوں آنے ہو اب شوکت نے دو مرادار کیا۔ حضرت یہ شہد ہے۔ اب کیا تھا مولانا ایسے چپ ہوئے جسے سانپ سونگھ گیا ہر اور مشہور کے انتقام تک پھر کس نے اُن کی آواز نہ سنی۔ شوکت تھا تو ایک جگہ ہفتید مسلمان تھے۔ خیر، سنی، دہائی کے امتیازات سے بااثر۔ اُن کے بہترین دوست سید محمد جعفری اور غریب جلیبی کی حشر کی رفاقت اس امر کی شاہد ہے کہ کسی فرقہ کی دل آزاری اُن کے نزدیک گنا و عظیم تھی اس کا مظاہرہ انھوں نے ایک مشہور کی صدارت کرنے ہوئے بھی کیا تھا شوکت زور و زنج بھی تھے اور جلدی میں بھی جانتے تھے میں نے انہیں وہ ستر کے لیے پکڑنے دیکھا ہے۔ میرے علم میں ایسی کئی مثالیں ہیں جب انھوں نے اپنے آرام اور فائدہ پر دوسروں کے فائدے کو ترجیح دی وہ شہر میں شوکت کے قتل کی نہیں تھے لیکن جب کسی مشہور میں بلائے جاتے تو اپنی طرف سے تمام شرائط اور رعایات کھیلنے سے تصفیہ کہیتے اور چر منگی کی طرف سے اس معاملے میں فدا اس کو تا ہی بھی گوارا نہ کرتے۔ عام طور پر وہ مشاہیر میں تھا جابا کرتے لیکن اگر کبھی دوسرے دوستوں کو اُن کی رفاقت میرا آتی تو نہ صرف یہ کہ سفر بہت مددگی کے ساتھ کھٹا جگہ اُن کے فہم کو ہر قسم کا آرام بھی ملتا اور شوکت خود تکلیف اٹھا کر بھی اُن کی آسائش کا خیال رکھتے۔

شوکت تھا تو ایک کو قدرت نے ایک سدا بہار ذہن عطا کیا تھا۔ وہ ایک ہی بات کو سوطر و بیان کرنے پر قدرت رکھتے تھے، اُن کی نظم میں بے ساختہ ہی ہوتا تھا اور اُن کی نثر بے غمی اور بے باکی کی مظہر تھی۔ طنز و مزاح پیدا کرنے کے لیے انہیں کسی تکلف یا بناوٹ کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ وہ مزاح میں طنز کے ساتھ ساتھ اصلاح کو بھی پیش نظر رکھتے تھے۔ اُن کا کردار، قاضی جی، دہلیو پاکستان کے جس ایشیائی سے بھی وابستہ را قوی اور ملی سائل کو سلجھانے میں بہت مددگار ثابت ہوا۔

قاضی جی اگر ایک مزاحیہ فخر تھا لیکن اس میں شوکت تھا تو کلاوی پدی شدت سے دھڑکتا تھا۔ وہ قوم اور وطن کی اصلاح و تعمیر کے لیے اس کے حاد کے روپ میں کچھ اس طرح نمایاں ہوئے کہ عوام اور خواص یکساں اُن کی شخصیت سے مانوس و متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

شوکت قاضی مر گئے یا نہیں ————— لیکن یہ ایک اذیت ناک حقیقت ہے کہ اب وہ ہم میں موجود نہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہمارے رائٹرز گڈ کے جلسے آؤں گے بغیر سونے پڑے ہیں ہمارے شاعر سب کبھی پر ہمارے ریڈیو کے ”قاضی جی“ کہیں نظر نہیں آتے اور جنگ اخبار کا کالم ”پہاڑ تھے“ اپنے قارئین کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو گیا ہے۔

دنیا نے ادب کی طرف سے شوکت صاحب کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ لیکن میں سوچتا ہوں مجھے کیا کتنا چاہیے میں کیا کہہ سکتا ہوں اور پھر میرے سامنے ایک بھیانک خلا پھیل جاتا ہے جس میں سوچتا ہوں یہ خلا جسے شوکت کی موت نے پیدا کیا ہے کبھی پُر نہ ہو سکے گا۔ ہم اس بہت ہی پیارے دوست کو اب کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔ اور اس احساس کے ساتھ ہی بے اختیار میرا دل ڈوب جاتا ہے میری ٹپکیں جھپک جاتی ہیں۔ ڈھاکے والی سی پر میں ڈھور ٹھہرا تھا۔ اپنی بد نصیب بھانج زہرا شوکت سے ملنے گیا ہم دونوں مرحوم کو یاد کر کے آنسو بہاتے رہے پھر میانہ کے قبرستان میں گیا جہاں دنیا نے ادب کا یہ درخشاں ستارہ دھند لکوں میں کھو گیا ہے۔

ایک گچی قبر دنیا اور دنیا داروں کے عہدِ محبت کی نا استواری پر فوج کشاں ہے اور صبح و شام کی آوازیں شوکت کے طنز و مزاح کی جاوداں گفتگو پر خندہ زن نظر آتی ہیں۔

بیگمات نے کہا

عہد طفیل

نکلے اندر کا فرد کی دنیا میں، اگر کسی کو نانات حاصل ہے تو وہ اپنی تمہی ہیں۔ جو اپنے فن کے بستے پر سبوں زندہ رہتے ہیں اور رہے ہیں۔

شوکت تھا فنی جسم کے اعتبار سے، اس دنیا میں موجود نہیں۔ مگر وہ کسی رنگ میں موجود تو ہیں۔ عہد کیوں ول کی دنیا میں

فہم کے لیے مدد کی جنہیں؟
ان دونوں میں اپنی دلی بیگمات کا اظہار کاغذ اور قلم کی مدد سے آپ پر فریض ہیں کر سکتے ہیں کہ اسی مرحوم مگر زندہ
نصیحت پر لکھنے کے لیے، جس دن گڑھے کی ضرورت ہے۔ وہ بے مینہر ہی نہیں۔ جس تو یادوں کے ہجوم میں خود ہی گم
ہو جا رہا ہوں۔

میں جس حال میں بھی رہا۔ انہوں نے میرا ساتھ دیا۔ وہ لمبے چھوٹا جانی کتے سے۔ میں انہیں بڑا جانی سمجھتا تھا۔ مگر انہوں
نے میرے ساتھ تعلقات کو کچھ ایسے بنایا کہ جیسے وہ لمبے اپنا چھوٹا جانی سمجھتے تھے اور میں انہیں بڑا جانی سمجھتا تھا۔
ادیب کی حیثیت سے میرا سب سے پہلا واسطہ شوکت صاحب ہی سے پڑا۔ اُس دن سے کرسنے کی گھڑی تک اُس سے
کو بنانا کہ آسان کام نہ تھا۔ اس عرصے میں ہم متعدد بار روئے، متعدد بار خوشیوں نے، مگر آخر میں ہے شوکت صاحب پر کہ وہ ابھی
روشن تھے اور ابھی مایہ جلتے تھے۔ اگر یہ خوبی اُن میں نہ ہوتی تو ہم دو برس بھی ایک ساتھ نہ چل سکتے۔

شوکت تھا فنی کون تھے۔ یہ آپ بھی جانتے ہیں۔ میں بھی جانتا ہوں۔ مگر کیا تھے؟ یہ سب نہیں جانتے اور یہی بتانا ہے
بھی مشکل، اس مشکل کو حل کرنے کے لیے، میں نے مرحوم کی بیگمات سے مضمون لکھوانے کی کوشش کی۔ مگر بے کامیابی نہ ہوئی۔ اگر
میں مرحوم کے بارے میں باتیں بھی کرتا تھا تو آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔

باتوں باتوں میں، مختلف اوقات میں، میرے تجسس نے ان کے آنسوؤں کے درمیان جو کچھ دیکھا اور سنا وہ آپ کو بھی
دکھائے اور سناٹے دیتا ہوں:-

داس وقت میرے سامنے شوکت صاحب کی بڑی بگم سیرِ فنا توں میٹھی ہیں۔ میں ان سے کلک لکھنے سے واقف ہوں
اُس وقت سے کہ آج تک میں نے انہیں حدودِ جہنم، اندکھ، کھٹکھٹوالی اور مصلے تسبیح والی خاتون پایا۔

بھائی! یہ تو تائیں آپ کی شادی کس میں ہوئی تھی اور اس وقت آپ دونوں کی عمر کیا تھی؟

منیل بھائی! میرا نکاح ۱۹۵۶ء میں ہوا، تاریخ اور مہینہ ٹیک سے یاد نہیں اور بد قسمتی کے سبب ۱۹۵۷ء میں ہوئی۔ رخصتی کے وقت ہم دونوں کچھ بہت کم تھے۔ شوکت صاحب تقریباً بائیس سال کے تھے اور میری عمر تقریباً سولہ سال ہوئی۔

چھ سال کا فرق قلیل ٹیک! کیا شوکت صاحب آپ کے رشتہ دار بھی تھے؟ یا یہ بندھن ایسے ہی انسانی برہمروی کا حصہ تھا۔

جی ہاں! شوکت صاحب میرے رشتے کے چچا ہوتے تھے۔ میرے والد عظیم مولوی سجاد حسین صاحب شوکت صاحب کے

قریبی رشتے کے خاندان بھائی تھے۔

بھائی گستاخی معات! یہ تو بتائیں آپ کی شادی میں کچھ بات شوکت صاحب کا بھی قایا یہ شادی بھی قرینہ خاں کے قاصدے کے مہاجن ہوئی تھی؟

منیل بھائی! شوکت صاحب قرینہ خاں کے قائل نہیں تھے اور یہ شادی سولہ آٹھ ان کی اپنی پسند سے ہوئی تھی جس کا ذکر قرینہ خاں نے اپنی کتاب بدولت میں کیا ہے۔ کہ وہ کس طرف میں پوری میرے گھر آئے، کچھ کو دیکھ کر پسند کیا اور مہینے میں باپ سے کہہ کر شادی کا پیغام بھجوا دیا۔ حالانکہ اس وقت تک میری بڑی بہن کی شادی نہیں ہوئی تھی اور میرے والد صاحب کی خواہش تھی کہ پہلے بڑی لڑکی کا عقد ہو جائے اس کے بعد منیل کی نسبت پر غور کیا جائے۔ لیکن شوکت صاحب کی ضد کی وجہ سے والد صاحب کو پچھلے میری ہی شادی کرنا پڑی۔ لیکن ابھی صرت نکاح کی رسم ادا ہوئی تھی، والد صاحب قبلہ کی خواہش پر غمی کہ شوکت صاحب جب انٹرنس پاس کر لیں گے تو اس وقت رخصتی کی رسم ادا کی جائے گی۔ شوکت صاحب کو یہ شرط منظور تھی لیکن مٹو کے ہی مرض بعد شوکت صاحب کی بے قرار طبیعت نے ایک بار پھر والد صاحب کو مجبور کر دیا کہ وہ شوکت صاحب کے انٹرنس پاس ہونے کا انتظار نہ کریں اور میری رخصتی کر دی جائے۔

یہ بات تو ٹیک ہے کہ شوکت صاحب کو جس بات کی دھجی سوار ہوئی تھی اس سلسلے میں جلدی کے قائل تھے۔ پھر یہ معاملہ تو شادی کا تھا (جب میں نے یہ فقرہ کہا تو مجھے بڑی شرم آئی مگر میں آنکھیں میچ کر کہہ ہی گیا) اچھا یہ تو بتائیے اس وقت شوکت صاحب کیا تھے؟ اور آپ کی ان کے بارے میں کیا رائے تھی؟

اس وقت وہ صرت عہد مرتے شوکت تھانوی انھوں نے فنا شروع کیا تھا۔ شاعری اور مضمون نگاری کی طرف ان کا رجحان ہو چکا تھا۔ نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے ان کا پہلا مزاحیہ مضمون جس کا عنوان ”میٹھے چاول“ تھا۔ امین سلوونی صاحب کے ریلے ”ترجمی نظر“ میں شائع ہوا اور کافی مقبول عام ہوا، مجھے بھی بہت پسند آیا۔ میری اس وقت عمر ہی کیا تھی جو میری دلتے کی کوئی اہمیت ہوئی مگر جب میں نے ان کا یہ مضمون پڑھا تو نہ معلوم میرے صماغ میں یہ کیوں چھڑ گیا کہ شوکت صاحب ایک بڑے ادیب ہیں اور میں اپنے آپ ہی ان سے بے اتہا متاثر ہو چکی تھی۔

یہ بتائیں کیا شوکت صاحب آپ سے ڈرتے تھے؟ بابدولت میں بھی اس امر کا سراغ ملتا ہے اور ان کے دوسرے مضامین بھی اسی امر کی چٹنی کھاتے ہیں؟

منیل بھائی! مجھے خیال میں بابدولت میں کسی جگہ بھی یہ تاثر پیدا نہیں ہوا کہ وہ مجھ سے ڈرتے تھے۔ آپ پھر اسے غور سے

جس کا آپ کا ملازم ہو گا کہ ان شکات میں درمیان میں آ کر کوئی شائبہ نہ ہو کہ صاحب ملک حق ادا ہو۔ اس لیے کہ وہ کسی قیمت پر میری دل آزاری نہیں چاہتے تھے اس لیے اکثر وہ انیس سو اسی سال میں میری ملازمت کی کا سبب بن سکتی تھیں وہ مجھے چاہے جاتے تھے۔ وہ مجھے بہت سے ان کے جن میں کی طرف اشارہ کیا ہے تو اس کو بھی صرف جنون تو ہی کہیں، بخیرہ زندگی میں ان وقتوں کا کوئی حق نہیں تھا۔ ان کا قصد صرف ہنسنا تھا، کبھی بچے چھیڑ دیا کبھی آپ کو گرہ لگا دیا اور بھی خود مدھنہ اور لوگ ہنس رہے۔

ان ہنسنا ہنسنا قرآن کی زندگی کا حصول ہی تھا۔ گرمی یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ شوکت صاحب آپ کے ڈوٹے نہ صرف مابدوت میں صاف مشکوں میں سب کے لگا ہوا ہے۔ چہرہ دوسری بات یہ ہے کہ ان کو فاضل میں ڈوٹے فیصد شوہر بیسے ہی تو ہیں جو اپنی بیویوں سے ڈوٹے ہیں۔ چھپتے اس خفیہ کو چھپانے کے لیے ڈوٹے کرتے کہ یہ۔ گرمیہ جو کچھ آپ نے ان کو حاجی زندگی کی کئی لیا تھا نہ ہمیشہ خوشگوار رہے مانجانے چھے جانے کا سا انداز تھا؟

ہماری لازوالی زندگی بڑی پرسون حق اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ حق کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بے حد شہرت۔ کونے تھے اور کسی قیمت پر بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ دونوں میں سے کسی کے بھی جذبہ تبارع ہوں اور جہاں یہ جذبہ ہو وہاں ناخوشگوار کی کاسوائی کی کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن چہرہ اگر میں یہ کہوں کہ ہماری زندگی ہمیشہ خوشگوار رہی تو یہ بھی مبالغہ آرائی ہوگی۔ برتن چن ہستے ہیں تو کھڑک ہی جاتے ہیں بس احتیاط یہ ہے کہ ڈوٹے ہیں۔

ان صاحب برتن خود کھڑکے ہیں۔ ویسے ہی زندگی نہ ادب پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کبھی کبھی برتنوں کو کھڑکا دی دیا جائے۔ جہانیت ہی کیسانیت سے خواہ وہ غلوں اور پیار ہی پر مبنی کیوں نہ ہو۔ اس سے آدمی بدمذہب جاتا ہے۔ میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ صرف پیار ہی پیارا، وہ بھی ایک بے حس کے لیے، کیا بد مذاقی ہے۔ دیکھ میں نے یہ تو محسوس کیا اور دیکھا کہ شوکت صاحب کو اپنے بچوں اور رشتہ داروں سے بڑی محبت تھی۔

شوکت صاحب کو اپنے تینوں لڑکوں سے انتہا پیار تھا اور ان کی کوشش ہی ہوتی تھی کہ بچوں کی ہر خواہش کو پورا کریں اھاسی بات پر میری ان سے جھڑپ بھی ہو جاتی تھی کیونکہ میرا خیال تھا کہ اس طرح بچوں کی ہر ضرورت پوری کرنے سے بچے خواب ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس معاملے میں شوکت صاحب میری ایک نہ سنتے اور بچوں کی ہر جائز و ناجائز ضرورت کو پورا کرتے رہتے۔ خود ان کے ساتھ بچہ بن کر کھیلتے تھے یا وہ ان کے اپنے تینوں لڑکوں میں سے کسی کو مارا بھی ہوا اگر کبھی کسی بات پر ڈانٹ بھی دیا تو خود ہی بخوشی و دیر میں گے لگا کر چکار بھی دیا رات کو جب تک کوئی بچہ ان کی بھل میں نہ بیٹے ان کو نیند نہیں آتی تھی وہ دھڑکے بچے بھی گھر سے زیادہ ان سے مانوس تھے۔ شوکت صاحب کا اپنے رشتہ داروں سے سلوک بہت شگفتہ تھا اور وہ اسی وجہ سے تمام رشتہ داروں میں ہر دو عزیز تھے۔

ان یہ بات تو ٹھیک ہے کہ شوکت صاحب ہر دو عزیز سے حدت اجاب کے دونوں میں بھی ان کے لیے ہمیشہ ہی جگہ رہی۔ مگر شوکت صاحب اپنے دوستوں سے ایسے ایسے ہی مذاق کر لیا کرتے تھے جو محدود درجہ خطرناک ہوا کرتے۔ گھر میں ان کا کیا عالم تھا؟

جی ہاں! جب ان کا مذاق کاموڈ ہوتا تھا تو وہ گھر میں بھی کسی کو نہیں چھوڑتے تھے چاہے والدہ بھل چاہے بن، بچہ سے

بچتے تھے اور وہ یہ کہ لوگ چاکرے سے بھی غافق کرنے سے نہیں چکتے تھے اور وہ اس وقت ایک شریر لڑکے کی طرح ہر ایک کو چڑھتے پھرتے تھے۔ میں غار پر چڑھ رہی ہوں تو میرے گلے میں ہینڈ بیگ لٹکا دیا۔ اب نہ میں روک جا سکتی ہوں نہ جھڑپ میں ایک عجیب قصہ میں جان ہے اور وہ ہیں کہ لطف سے رہے ہیں اور ایک ایک کو جاکر قاتلہ دکھا رہے ہیں۔۔۔ یا یہی غار پر چڑھتے پہنچے جیسے چوکی سے اٹھا کر زمین پر کھڑا کر دیا، کبھی میں جھڑپ میں ہوتی تو کسی بچے کو میری پیٹ پر سوار کر دیا اور میں جھڑپ میں رہ گئی۔۔۔ اپنی ماں کے کان میں نہ معلوم کیا بات کہہ دی کہ وہ ان کے پیچھے مضبوط، کجنت " کہہ کر وہ وڑیں۔ اسی طرح ایک دفعہ بھڑپ میں ایک دھوڑی کے گھر کوئی تقریب تھی۔ شوکت صاحب کی بڑی بہن سمن سے کہا کہ "دھوڑی کے گھر کے ماش اور چاول کھانے کو بھی چاہ رہا ہے" یہ سننا تھا کہ شوکت صاحب چپکے سے اُٹھے ماش دھوڑی کے گھر جا کر کہہ دیا کہ "ہماری بہن صاحبہ ماش اور چاول مانگ رہی ہیں" اور یہ کہہ کر غائب ہو گئے۔۔۔ غور سے دیر بعد دھوڑی ماش اور چاول کا حال یہیے دروازے پر تھا۔ اس شخص پر ان کی بہن صاحبہ جیلوں جو میں، تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ یہ سب شرارت شوکت صاحب کی ہے۔ اور وہ گھر سے غائب ہیں۔ کبھی ذکر کو بڑا کیا کہ لاؤ تھا مارا شیو بنا دوں، احساس کی موٹھیں، بھوس اور ٹیکس تک موٹھ کر رکھ دیں اور وہ بیمار ہو گئے منہ چھپانے پھر رہا ہے۔ اسی طرح سمن قصہ کہہ کر بھی خطرناک شرارت بھی کر جاتے کہ جس سے سارا گھر پریشان ہو جاتا تھا۔ خٹکھٹے کا ذکر ہے کہ ایک دن پتہ نہیں کیا سوچی کہ ایک دم اپنے ہاتھ پیر ٹنڈے کے بیٹ گئے۔ آنکھیں ادھر کو چڑھائیں دانت بھیجے، پکارا تو پتے نہیں پاؤ تو جنبش نہیں، پانی کے چھینٹے دیے تو بھی کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ سارا گھر پریشان ہو گیا کہ یا اللہ یہ ایک دم سے کیا ہو گیا۔ بڑے تینوں چھوٹے، دھیران دھیر پریشان، گھبرائے ہوئے ایک دوسرے کا منہ جک رہے تھے، میں گھر میں بالکل تنہا، جھرم میں سیر کیا تھا کہ کیا کہوں بے حد پریشان ہو کر بڑے بڑے سیدھے کہا کہ "میاں جاؤ جلدی دوڑو سارے کی کوٹھی میں احتجاج کر دو کہ تمہارے آبا کی طبیعت جھڑپ ہے فوراً کسی ڈاکٹر کو فون کر کے بلا دیں"۔ ابھی سید جانے کے لیے نڑا ہی تھا کہ ایک نذر دار نقہ لگا کر اٹھ بیٹھے۔ اب ہم لوگ ہیں کہ ان کا منہ جک رہے ہیں اور وہ ہیں کہ ہنسے جا رہے ہیں، یہ ان کی اتنی خطرناک شرارت تھی کہ انھیں دیر اور قائم رہتی تو میں اپنے احساس کو چھوٹی۔

جی ہاں، خود تفریح کا موڈ ہوتا تو دوسروں کی پریشانیوں کا مطلق خیال نہیں رکھتے تھے۔ میرے سامنے بھی ایسے بہت سے واقعات ہیں مگر میں آپ سے وہ کیا کہوں۔ جبکہ آپ کی معلومات مجھ سے کچھ زیادہ ہی ہوں گی۔ یہ تو خیر شوکت صاحب کا سلوک اپنے دوستوں اور اپنے غنے و غناؤں کے ساتھ تھا۔ خود آپ کی شوکت صاحب کے دوستوں کے بارے میں کیا رائے تھی، یہ میں نے اس لیے پوچھا ہے کہ بعض تو ان میں سے ایسے تھے جو ہر وقت کے "سمن" (ری کیٹنے والے) تھے۔ بعض ایسے تھے کہ صرف ہا ہا ہو ہڑ اور سبحان اللہ، جیہاں لٹھ کوٹے تھے۔

خیل جان! شوکت صاحب کے دوستوں کی فہرست بہت لمبی چمڑی ہے اور میں ان ہی لوگوں کو جانتی ہوں جن کا کہ میرے گھر آجانا تھا لیکن کچھ پوچھے بھر کسی کو بڑا نہ لگے تو ان دوستوں میں سے کوئی بھی ایسا نظر نہیں آیا جو کہ دوستی کے معیار پر پورا اترے وہ سب شوکت صاحب کی تفریحات کے ساتھی تھے جیسا کہ ابھی آپ نے کہا کہ بعض تو ان میں سے ایسے تھے

جو ہر وقت کے "بچے" تھے۔ جس صورت حال سے ان کے سامنے تھے اور جن میں ان کی زندگی گزرتی تھی وہ بچے کی زندگی تھی۔
پھر یہ میری زندگی کے حق کیا رہے ہو سکتے تھے۔ لیکن پھر یہی چند ایک شخصیتیں تھیں جن کی زندگی میں ان کو شکر و محبت کا ہرگز خاص
دوست نہ تھا۔ ان کے لیے ان کی زندگی میں تو ایسا ہی گنتی ہوں اب پتہ نہیں شکر و محبت کی خود کیا رہے تھی۔

بڑا شکر ہے کہ ہر قسم کے اچھے بڑے بھی ختم کے دوست بنے ہیں جن میں "وقت" بھی اور جانتے دینے والے بھی، یہ
انتہائی شکر و محبت صاحب کے ساتھی نہ تھے۔ ساری دنیا کو اسی سوال میں اپنی زندگی گزار رہی تھی ہے۔ سبیاں بیکس اور بیکس
سالانہ ہیں۔ اگر آپ اس پر مدنی شکل میں تو بڑا اچھا ہو۔ وہ سوال ہے کہ ہر قسم کو کئی لمحے کا بڑا ہوا کا خدا وہ جانتے
نے کہ خط سلسلہ، جو یہی باتیں کہنے کے لیے اپنی فوقیت اپنے ہم چٹوں پر جتنے رہیں۔

میں جانی! آپ جو سے یہ سنا لکھی ہو ہیں تو بہتر ہے کہ یہ ہو سکتے ہیں کہ میں اپنے جواب سے آپ کو بعض نہ کر سوں۔
بات یہ ہے کہ مجھے آپ کے اس سوال کی فیکوری پر اعتراض ہے۔ اسٹے خاٹے نے شکر و محبت کو ہر ماہ سے اس قدر
دراقت کا بے اختیار ہوئی گمانے کی جگہ کیا ضرورت تھی ہر حال پھر بھی ہو سکتے ہیں انہوں نے اپنی باہر کی مصلحتوں میں تھوڑا سا
ایسی باتیں کی ہیں کہ جن سے آپ نے یہ اعانہ لایا۔ لیکن میں ان باتوں سے اعلیٰ جا رہی ہوں۔

اں صاحب! ہر روز کے اتنے حوصلے کہاں کہ وہ کسی سے اپنے شکر کی بڑائی سن سکیں۔ ویسے چاہے جو ہزار بڑیاں نکال دیں
کہ وہ کسی دوسرے کی بات نہیں سن سکتیں۔ آپ شکر و محبت کی اتنی تقریریں کر رہی ہیں۔ وہ سب شکر ہے۔ مگر خود شکر و محبت
ایک خط ایسا چاہا ہے، جس میں انہوں نے کہا ہے کہ میرا ایک حور سے غیر تہی تھی ہی رہا ہے۔ آخر وہ حور کون تھی؟
ہی اں! وہ آل انڈیا ریڈیو کھنڈ میں ایک ڈرامہ آرٹسٹ تھی وہیں شکر و محبت کی اس سے ملاقات ہوئی اور مراسم پیدا ہو گئے
جسے جس وقت اطلاع ہوئی تو شکر و محبت اپنی اس لغزش پر بعد پشیمان تھے اور اس سے بے تعلقی کا لہر کر چکے تھے۔ میرے خیال
میں اس بات کو میں پر غم کر دیکھے گندی باتوں کو کر دینے میں کچھ مزہ نہیں آتا۔

واقعی بڑی باتوں کو کر دینے سے تو بڑا، مگر میں ایسی ہی ہوتی ہیں کہ اگر ان پر سوسے سے خود ہی نہ کیا جائے تو اس کے نتائج چپ رہنے
سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ مجھے اس منبر کی ترتیب کے مسئلے میں یہ وقت پیش آئی ہے کہ بیشتر مضمون نگاروں نے اس بات کا ذکر کیا
جو کہ ذکر مناسب الفاظ میں نہ تھا۔ اس لیے میں نے ان باتوں کو حذف کر دیا۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ اس بات کا کچھ تو میرا ہے۔ اچھا جی
یہ ذکر کچھ تکلیف دہ ہے اس لیے ہم کیوں نہ ہر قسم کی خوبیوں کا ذکر ہی ہر کے کر میں۔

آپ نے ایک مختصر سوال کیا لیکن میرے جواب کے لیے ایک مضمون پیدا کر دیا ہے۔ شوہر جیسا کچھ بھی ہو لیکن ہر بھی کو اپنا
شوہر نہیں ہو گا ایک جہت ہی نظر آتا ہے۔ اب مجھ میں نہیں آتا کہ ان کے کس کس پہلو کی خوبیاں اجاگر کروں کچھ خوبیاں تو ہیں
کی ایسی ہیں کہ جن پر آپ بھی اتفاق کریں گے مثلاً ان کی فحاشت پسندی ہر پہلو میں نمایاں تھی، لباس بھی فحاشت سے پہنچتے
اور اس پر بلا کے جامہ زیب تھے کیا مجال جو کسی کپڑے پر کوئی داغ، وجہ یا شگن پڑ جائے۔ کھانے کے مسئلے میں بھی حال
تھا، اچھا کھانے کے شوقین تھے اور اس سے بڑھ کر کھانے کا سلیقہ تھا اسی طرح ان کی تقریر میں بھی آپ ہی دیکھیں گے۔
ان کا لہجہ مناسب تھا ان کے ساتھ ساتھ خط نہایت نفیس تھا اور ان کی تقریر میں آپ کیس کاٹ چٹائیں نہیں دیکھیں گے۔

خود اٹھادی کا یہ حال تھا کہ ایک بار کھراہی کر رہی تھی دوبارہ نہیں پڑھا جیسے کہ ان کو عین بد وقتا کا ان کے ہم صنفیہ کوئی نظر بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ دھن کے پکتے تھے امد یہ ان کی مستقل مزاجی کی تھی جس کی بدولت وہ خود گھر سے شادی نہ کر سکتے تھے۔ "ماہریت" میں ایک جگہ انھوں نے خود ذکر کیا ہے کہ میں نے جو پہلی غزل اپنے ماہر سے سب کو سنائی وہ چھائی تھی۔ یہ اس بات کا باعث ہے کہ اس وقت کو مٹانے کی خاطر خود کچھ لکھنے کی کوشش کی، مگر اپنا کامی ہوئی لیکن بہت دیر ہی بعد اس کے کہ ان کا شمار چوٹی کے شاعروں میں ہونے لگا، پھر جب مزاج نگاری کی طرف رخ کیا تو بڑے بڑے مزاج نگاروں کا دل مان گئے۔ پھر یوں میں غلام ہونے لگا۔ "قاضی جی" جیسا ایک زندہ و جاوید کردار جو شکر کے لیے چھوڑ گئے، جب صحافت کے میدان میں قدم رکھا تو ایک نیا رنگ پیدا کیا۔ غلامی کا یہ عالم تھا کہ اس کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے سے نہ چمکتے تھے۔ جیسے یا وہ کہ ۱۹۴۲ء میں جب شوکت صاحب پہلی آرٹھر ٹیکس میں ملازمت تھے تو ایک زیر عملی غم کی لکائی میں پہلی نمٹ کے جہن۔ پھر دیوان سرداری لال نے شوکت صاحب کی غیر موجودگی میں ان کی کھی ہوئی لکائی میں کچھ مذبذب لکھ دیا۔ کسی کے سنو سے پر اپنے ہم سے تو وہ رد و بدل کر سکتے تھے لیکن بھلے یہ کیونکر بھاشت کرتے کہ ان کی غیر موجودگی میں کوئی اور ان کی قریب میں تو داخل کر دے۔ تجربہ کہ فوراً استغناء سے دیا اور لکائی سلفے لے کر گھر پہنچ گئے۔ اس وقت مالی طور سے حالات بہتر نہیں تھے لیکن وہ اپنی خود نگاری کو کسی قیمت پر بھی بیچ نہیں سکتے تھے۔ آخر کار وہ دین سرداری والے سے معافی مانگی تب نہیں جا کر انھوں نے اپنا استعفیٰ دے دیا۔ صاف نوازی کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی دشمن بھی صاف بن کر آجائے تو وہ اس کے آگے بچے جاتے اس کی خلا حالات میں کوئی کسر نہ اٹھا سکتے یہ تو دشمن کے ساتھ سلوک تھا اور اگر کبھی خوبی نصرت سے کوئی دوست صاف بن کر آجائے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انھیں کوئی خزانہ ملی گیا ہو، اسے خوشی کے پورے نہیں ملتے تھے۔ مالی حالت جیسی ہی ہو لیکن خاطر مدارت میں کسی نہ ہونے پاتی چاہے اس کی خاطر جو کچھ بھی کرنا پڑے۔ جیسے یا وہ جب شوکت صاحب کھڑے میں سا گھپ پٹی آرگن نر کی حیثیت سے تعینات تھے تو ان کے ایک دوست کا آل انڈیا ریڈیو وی سے کھنڈ تباہ ہو گیا۔ شوکت صاحب تو اس کا ش ہی میں رہتے تھے کہ کوئی دوست آئے امد وہ اس کی صاف نوازی کریں بس اب کیا صاف ان کو پا کہ اپنی سرسری ہو کر نا شروع کر دیں۔ خیال یہ تھا کہ جب تک انھیں کوئی مکان نہیں ملتا وہ پام سے ہی گھر رہیں گے۔ لیکن شوکت صاحب کی پُر خلوص شخصیت نے ان کو اپنے جال میں ایسا جکڑا کہ پھر وہ اپنے لیے مکان نہ ڈھونڈ سکے اور جب تک وہ ملے قائم رہا اور ہم لوگ اس سرکاری کوٹھی میں رہے وہ ہمارے ہی ساتھ رہے اور اس طرح جیسے کہ وہ صاف نہ ہوں بلکہ ہم لوگ ان کے صاف ہوں اور مزے کی بات یہ کہ جب وہ ملے ڈھا اور وہ سرکاری کوٹھی خالی کرنا پڑی تو شوکت صاحب کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ ہم لوگوں کے لیے دوسرے مکان کا کیا بندوبست ہو گا کھر تھی تو یہ کہ ان کے ان دوست کے رہنے کا اب کہاں انتظام ہو گا۔ حاضر ہوا ان کا یہ حال تھا کہ جس محل میں بیٹھے تھے سب کو جواب کر دیا۔ پاک و خیر میرے چھوٹے رشکے رشید کے محل میں کچھ حلیت تھی ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ خدود بڑھ گئے ہیں اس لیے آپریشن کروا دینا چاہئے۔ شوکت صاحب آپریشن سے بہت گھبراتے تھے سوچا کہ لاڈیونانی علاج کر کے دیکھیں لہذا رشید کو لے کر حکیم نیر داسلی صاحب کے پاس مشورہ کرنے کے لیے گئے۔ حکیم صاحب نے بت ہی توجہ سے رشید کو دیکھا اور ایک ایلو پیتھک نسخہ تجویز کر دیا جس میں آپریشن کھانا

وہی تھا کہ صاحبِ مہر نے ایک عورت کو دیا کہ جس سے شوکت صاحب کو غالب اس وقت سنا تھا کہ ہم نہیں تھے یہ
نہیں کہ کو بہت سی ہیں جو کہ حکیم صاحب نے مسکرا کر "شوکت صاحب آپ میرا نہیں ہیں بہ نوز میں نے بہت سچ کہا کہ
جوڑ کر لیا ہے۔ شاید آپ کو یہ معلوم نہیں کہ میں تو حاکمِ آزاد خان فیروزیوں "شوکت صاحب نے بڑی صہبت سے جو صاحب
دیا تو قبلہ پہلے فیروز سے ہمیشہ کی ہوتی ہے یہ سنا تھا کہ حکیم صاحب جس سے شوٹ پرٹ ہو گئے وہی وقت نذر چار کے بالائی
وہی نوع کر دیا۔ اس صاحب سوخیوں کی ایک غریب ان کی "اجدات سے اپنی خامیوں کا اس لیے ہیں سے ان کو کرتے
چلے گئے ہیں کہ جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ اپنی غیروں کا اس طرح احزان کر لینا کھار کی بہت بڑی غریب ہے۔

جانی مرا گیا۔ آپ نے اس شخص میں بڑی تفصیل دے دی ہیں۔ کیا آپ اس معانی کے ساتھ ان کی کہہ کو تاہوں کے پاس میں بھی ہے بلکہ
کیا یہ مردان کی تعریف ہی کرتی ہے جائیں گی!

ہی ان! ہر انسان میں خوب سے ساتھ ساتھ کہ خامیاں بھی ہوتی ہیں اور جہاں کوں سلطان ایسا ہے جو ہر انوں سے بلکہ
مہر کو قدرت کا کچھ اصول ہی ایسا ہے کہ ہر پر سے سے شہ اس میں کوئی نہ کوئی غریب ہوتی ہے اور ہر جیسے ہے بلکہ
انسان میں کوئی نہ کوئی برائی ضرور پائی جاتی ہے اور جب کہ شوکت صاحب اپنی برائیاں خود دیتے تھے تو میں
بیان کرنے سے نہیں جھکتے تو مجھے کیا تلفظ ہو سکتا ہے۔ شوکت صاحب کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ جہاں وہ ہر ایک سے
ہر طرح کا مذاق کر لینے لگتا تھا وہ اپنے لیے کسی اور کا مذاق برخواست نہیں کر سکتے تھے۔ شوکت صاحب اس قدر خوشی تھے
واقع ہوئے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کی جنونی کیفیت بھی ان کا کہہ سنی جاتی تھی اور اسی بات ناگواری اور مقامِ گھر
کو سر پر اٹھایا اور اس ختم میں وہ اکثر اپنا بڑے سے بڑا نقصان بھی کر لیا کرتے تھے ماں باپ کے بعد وہ ڈھلے اور
بڑے عاز و غم سے ہمدرد ہوتی تھی اور جب کہ وہ ہمیشہ میں اکثر بیمار رہتے تھے اس لیے ان کی ہر جائز و ناجائز عہد ہی کی جاتی
تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی ہر ضد منوانا ان کی عادت ہی گئی اور بچپن کی خوشامد پسندی کے جیسے کہ وہ عادی سے ہو کر
رہ گئے تھے اور جو شے ہر کہیں ان کی طبیعت میں شامل رہی اور جہاں ان کو یہ چیز نہیں تھی تو یہ ان کی طبیعت پر ناگوار
گزرتا تھا۔ ان کی ایک کمزوری یہ بھی تھی کہ جو کام بھی وہ کریں اس کو سب سراہیں اور کسی قسم کا اعتراض نہ کریں۔ اسی
طرح ایک دفعہ وہ ایک بہت ہی خوب صورت چلنے کا سٹ خرید کر لائے جو مجھے اور میری مرحومہ بن راجہ کو بہت پسند آیا ہم
دونوں کی تقریب سے بہت خوش ہوئے لیکن جب انھوں نے اس کی قیمت بتائی تو میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ جتنا اچھا
بیٹہ ہے۔ انہی قیمت بھی تو ہے؟ یہ سنا تھا کہ ہر ناہم چہرہ ایک دم سے آگ برسانے لگا اور اس بیٹہ کو فٹ بال کی طرح
اوپر اچال دیا اور وہ چل کر چر ہو گیا اس جبین بیٹہ کے ٹوٹنے کا مجھے اب بھی انوس ہے۔

ماں صاحب! ان کے ختم سے تو مجھے بھی ڈر لگتا تھا۔ مگر میں نے اس کا ایک علاج ڈھونڈ رکھا تھا کہ جب مرحوم ختم میں ہوتے تھے تو
میں ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیا کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ خود ہی شور و درجہ کے چپ ہو جایا کرتے تھے۔ وہ بارہوٹے تھے تو پچھلے بخش
کا ذکر تک نہ کرتے تھے۔ انہی باتوں سے تو میرا خیال بھی ہے کہ مرحوم بڑی دلچسپ شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا ان کا مطالبہ ساتھ دیا۔
آج وہ چار باتیں اس نوع کی بھی سناویں۔

ضلع بجائی شوکت صاحب کی تمام زندگی دلچسپوں سے بھری ہوئی ہے اس سے پہلے بھی میں نے جو باتیں بیان کیں۔ ان میں بھی بعض شوکت صاحب کے دلچسپ واقعات ہیں بہر حال پھر بھی اس سوال کے ضمن میں ایک واقعہ اور سن لیجئے میرے انہوں کی بات ہے کہ جب شوکت صاحب آل انڈیا ریڈیو کھنڈ میں ملازم ہوئے تھے ہم دو گوں لاٹھر سرخو اخبار کے دفتر کے باطل ماسٹروں میں سرخو اخبار کے دفتر میں ایک ہندو رہتا تھا، نام ٹیک سے لے لیا نہیں۔ بہت نہیں ماضی کیا سوچی کہ اس بھارے کو بچے تو اس خوش فہمی میں مبتلا کیا کہ تم بہت سو بہت ہو، بہت حسین ہو، ڈیاں تم پر جان دیتی ہیں اور پھر اس فطری میں ڈال دیا کہ میرے گھر پر ایک شیم تھی شوکت صاحب کی سیل ہے اور قادی ایک جھلک دیکھ کر تم پر سوجان سے خدا ہو چکی ہے اور یہاں سے اب شوکت صاحب کا ذرا شروع ہوا کبھی فرضی شوکت کے نام سے پہچانے لگے جلد ہے میں کبھی اغیرے میں برآمدے میں پڑی ہوئی پکے کے نیچے سے دوپٹہ نکال کر باہر نکالیا جا رہا ہے جب اس دھچکے کو اچھی طرح مجھوں بنا لیا تو یہ جاننا اچھا تھا کہ یہ فرضی شوکت کی شیم اور یہ اس کے خور و زیاد سب شوکت صاحب کی کی لکھتا ہے اس واقعہ سے وہ بھارا اس قدر شرمندہ ہوا کہ منہ چھپا کر ایسا جالاکا کہ پھر نظر نہیں آیا اور یہی واقعہ پھر شوکت صاحب کی کتاب "خاتم خانہ" کا چلا بن گیا۔

ابھی میں باتیں کر رہی تھیں کہ بجائی اپنے خیالوں میں ڈونڈا لگ گئیں۔ اس کے بعد میں نے بڑی کوشش کی کہ یہ جیسے کہ باتیں ملے گی مگر میں اپنے ادا سے میں کامیاب نہ ہوا ایک چپ سی لگ گئی۔

"بجائی! — میں آپ سے باتیں کرنے آیا ہوں؟"

"میں اس وقت آپ کی کسی بات کا جواب نہ دے سکوں گی؟"

بجائی سیدہ بھی میرے سامنے ایسے ہی خاموش ہو گئیں جیسے شوکت خانوی، اس فرق اتنا تھا کہ ایک میرے سامنے بھی تھیں اور دوسرے کو اپنے کندھوں پہ اٹھا کر دلی کر آیا تھا۔

(۲)

ابھی بجائی زہرا کی شادی نہیں ہوئی کہ دو خواتین ہمارے دفتر تشریف لائیں اور انہوں نے شوکت قادی کی خود نوشت سوانح "مابدلت" طلب کی۔

اتفاق کی بات کہ اُس وقت شوکت صاحب کے منجھلے صاحبزادے خورشید عمر بیٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: "مابدلت چھوڑ کر کیا کیجئے؟"

دل پہ چنگ سب کچھ جیتے ہیں؟

سب صاحب، رنگ دیکھ نہیں جیتے، جیسے تو دن میں غارتے ہیں:

ہر گھنٹہ تو میں گنگا کا۔۔۔ خود شیدائی باتیں کر لی جا رہی:

بد میں محکم ہمارے تو فراموشی میں ایک رہا نہیں۔ جو جہ میں زہر، شوکت ہوئیں۔ میں سے اس کی تصدیق آج تک نہیں کی۔
سودت کا کمال تو اس صاحب کے کوئی دوسرا جہر شوکت صاحب نے جیتے ہو چکا تھا۔ آپ نے ان خوبصورت کی ان خوبصورت
سب کیا باتیں کر رہی تھیں؟

شوکت صاحب جھنجھٹے ہوئے تھے اس لیے میں نے بات نہیں مذاق میں لائی۔

جب پہلی بار میری زہرا شوکت سے وقت ہوئی تو یہ بھی تھی جو صورت سی، خندہ سبک، ہنسنا جو ہنر، بڑا سب
ہم۔۔۔ قراب بھالی دوسری نہیں رہی۔ شوکت صاحب کی زندگی میں بھی دوسری نہ رہی۔ پہلے پنجاب کی کڑی، کٹی قصیدہ صاحب ہو۔ پہلی
نے کسی گھرنے کی حالتوں کو کٹی میں نہ لی تھی، بلاں تو وہ رنگ، پان نہ، وانت۔۔۔ خاص نے بھی اپنے آپ کو خوب اٹھا۔ شوکت صاحب
جانی نہ جیتے مگر یہ گھنٹی بن گئیں۔

شوکت صاحب کے انتقال سے انداز میں بھاویا ہے۔ وہ دیر ہے۔ اسے مستقبل کے اندھروں میں اکیلے نہیں۔ تین سوسو گھنٹوں
کا ہاتھ بھی ہے۔

زندگی کی ایسی اندھیری رات تھی جب کہ بھام، زندگی کا اوج سفری ملے ہوا ہو۔ کیا کیا نہ دوسرے آن گھیرتے ہوں گے۔ مگر
ان کی زندگی کا سماجی تیشاں تو ہیں۔ جو آرتی پرتی، دل کی تسکین کا ہمانہ ہیں۔ دل کی جراثیموں کا ہوا ہیں۔ بچن کی تیشی کا اور بس
انہیں خون کے آغوش تاتا ہو گا۔ مگر بچن کے غورنگار مستقبل کے خواب میں جگن کی روشنی بھی ڈھارس بندھاتی ہو گی۔
شوکت صاحب جو ی کی زندگی امید و ہم کے جن دوسروں سے دوچار ہو رہی ہے۔ اس کی قصیر زہرا شوکت ہیں۔ حال تکلیف سے،
مستقبل خلک!

جس نے زندگی بھر بنایا ہو، اس کا تذکرہ مذہب کے گنا کے اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ مگر کیا کریں۔ کس طرح ہنس کے ڈھکوں
کھال دیں؟

کوشش کرتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لیے، ذہنی کو جھلک کر زہرا شوکت سے باتیں کروں بے شک۔ آپ بھی سنیں پڑھ لیا ہے۔

مہبالی! شوکت صاحب بڑے کٹر قسم کے یونانی والے تھے، پھر انہوں نے اپنے شادی کیوں کی، جبکہ آپ کا تعلق ایک پنجابی گھرانے سے ہے؟
مہبالی صاحب! میں نے شادی کے بعد شوکت صاحب کو کٹر قسم کا یونانی ملا نہیں پایا۔ دوسرے آج کل تو ایسی بہت سی شادی
ہو رہی ہیں۔ پنجابی گھرانوں میں یونانی کی بونیشیاں آ رہی ہیں اور پنجاب کی بونیشیاں یونانی دلوں کے ان بیانیہ جا رہی ہیں؟
مہبالی میری غلط فہمی قد ہوئی ساقی! اب میں طلاق لے لیا ہوں پھر انہیں چاہئے۔ اب ہم سب پاکستانی ہیں۔ سب ایک ہیں۔ شادی
کے وقت آپ کی اور شوکت صاحب کی ہر کیا تھی؟

”جو صن شربت گہراؤں کی میاں اور بیویوں کی ہوا کرتی ہیں“

مجاہلی! آپ نے تو بڑے خوبصورت انداز میں ٹال دیا۔ مگر بنا دینے میں حرج تو کچھ نہ تھا۔ آپ بے شک اپنی عروہ چار سال کم تھیں۔
مگر کچھ بتائیں تو؟

”میں اُن عورتوں میں نہیں ہوں، جو اپنے آپ کو لڑکپن کے فریب میں مبتلا رکھنے کے خواب دیکھتی ہوں۔“

چھٹے آب کی منطق کی روشنی میں عروہ کی بات گول ہوئی۔ ”جی خود ہی اندازہ کروں گا کہ شادی کے وقت آپ کی عمر کیسے بائیس سال ہوگی اور شوکت صاحب کی عمر پچاس سال ہوگی (حالانکہ سب کے مطابق اس وقت شوکت صاحب کی عمر ۴۰ سال تھی)۔ اگر عروہ کی طرح۔ معاف ہی راز کا نہ تو تباہی بنا دیجئے کہ شادی کے وقت، جو شرائط ملے ہوتی تھیں۔ وہ کیا تھیں؟

”میں صاحب معلوم ہوتا ہے نہ آج جو آپ کھڑے کھڑے مجھ سے باتیں پرچھ رہے ہیں تو وہ ضرور چاہئے کہ یہ پوچھ رہے ہیں۔“

مجاہلی! ویسے تو میں یہ باتیں اپنی معومات کے لیے پرچھ رہا ہوں۔ اگر چاہے مجھے تو حرج بھی کیا ہے۔ میں نے تو شوکت صاحب کے پاس سے جتنا کچھ آپ جانتی ہیں اتنا سہرا لیا تو نہیں مانتا۔ لہذا جرم میں پوچھوں، وہ جاتی چلی جائیں۔ اس لیے کہ ادیب قوم کی امانت ہوتے ہیں۔ ان کی باتیں قوم کی امانت ہوتی ہیں۔ انھیں عام لوگوں کی طرح خاندان کی حریت نہیں سمجھنا چاہئے۔
”یہ بات تو ٹھیک ہے۔ اسی خیال سے اپنی ذاتی مگر نام میں لکھنے والی بات بتانے دیتی ہوں۔ شادی کے وقت شوکت صاحب نے بہ طور شرائط میں جو کچھ لکھ کے دیا تھا۔ وہ یہ ہے۔“

(۱) میرا نام محمد عمر ہے۔ لوگ مجھے شوکت خانوی کے نام سے جانتے ہیں۔

(۲) میرے والد مرحوم کا نام صدیق احمد صاحب تھا۔ جو بی۔ پی پورس میں اسپیکر اور بیرونی میں اسپیکر جنرل پورس تھے۔

(۳) میں بیچ خاندانی ہوں۔ خفی ہوں۔ میری عمر ۲۵ سال ہے۔

(۴) قاتلہ بیون خلق مظفر نگر کا رہنے والا ہوں۔

(۵) میری تعلیم انٹرمیڈیٹ تک ہوئی اور بعد میں انٹرمیڈیٹ کا متن بھی پڑھا ہوں۔

(۶) میری خواہ اس وقت ساڑھے چار سو روپے ماہوار ہے۔

(۷) میرا خاص مشغلہ کتابوں کی تصنیف ہے۔ جس سے اس سٹاڈو سو روپے ماہوار آمدنی ہے۔ اس وقت تک پینتالیس کتابوں کا مصنف ہو چکا ہوں۔

(۸) میں اب تک چھ روزانہ اخباروں کا اور چار ماہنامہ کا ایڈیٹر رہ چکا ہوں۔

(۹)

(۱۰) مجھے اس عقد کے سلسلے میں تمام شرائط منظور ہوں گی اور میں عروہ کو کبھی بے ہوش کی کھا پڑی کیلئے تیار ہوں۔

(۱۱) رہائش کا انتظام ایک کمرے کا۔ میری زوجہ ثانیہ کو پہلی بیوی سے کوئی تعزیری قسم کا نہ ہو گا۔

سوال: اسی بات سے بہت سی نئی باتوں کا اجماع ہوا ہے کہ اگرچہ وہ کلمہ جو کہ خود کا خدا کو کہیں نہ سب نہیں سمجھتا اس لیے
سے اس بات پر ان کو اطمینان ہے کہ یہ بات سب کے لیے درست ہے۔ یہ بات سب کے لیے درست ہے۔ یہ بات سب کے لیے درست ہے۔ یہ بات سب کے لیے درست ہے۔
مفسر و شاعر:

نہیں شکر خدا جبکہ اپنی شرافت میں ایک ہی بات پر محو ہے، ذکر اس کا بھی ہوا، پہنچنے جس باتوں کے اختلاف میں لڑائی کی تشریح ہے، آپ کو تفریق کا ثبوت نہیں ہے۔

مسئلہ! ہم یہ جانتے ہیں کہ اگر منصفہ پہلا ہی کا اقرار ہے مرنے کوں گا۔ میں دو تین شوک میں بہن کا باعث بننا میں چاہتا ہی جو ہے کہ میں نے لکھتے صاحب کی علی علی لکھتے ہے اور دوسری دوسری کے ہاتھ میں پوچھ لکھ میں تاکہ نہ ہی۔ لکھتے ہاتھ پڑھے۔
تیری اختیار میں ہوتی ہیں۔ ان کے باوجود خدا آف کا انجام ضرور ہے؟

جہاں! انہیں گمیری پہ گانے ادا کرتے، لہذا میں آدم ٹوہر کی باتوں میں ان وقت غریب نہیں کرنا چاہتا۔ جس کے نوپ یہ بتائیں کہ۔
تیس کے میں شہرت صاحب کی کچھ دکر کرتی تھی، اور وہ کچھ دفت کی تھوڑا سا عورت تھی۔

انہ کے لئے کہ وہ لہری دہلی اور ایلینا کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ بعض اوقات ایسا ہی ہوا کہ سبے شور مچا رہے ہوں اور وہ گھر سے ہیں مگر وہ قہر مکر کے اوقات میں ایسی خداداد مددگاروں کی وجہ سے کھنے پر قادر رہتے تھے۔

سوکت صاحب آپ کو ہر فعل میں سے جانتے تھے۔ اس کی وجہ کیا تھی۔ آپ کا اصرار ہوتا تھا کہ میں نے ان کی خواہش پر ہوتی تھی؟

• شوکت صاحب مجھے ہر فعل میں نہیں سے جانتے تھے۔ صرف وہی سے جانتے تھے یہاں میرا جانا مناسب تھا۔ خدا کے بارے میں ایک کاک تیس پادری میں غلطی سے چلی گئی تھی وہاں پہنچ کر میری طبیعت خراب ہو گئی۔ اس کے بعد سے ایسی معززانہ دعوؤں میں کسی شریک نہیں ہوئی۔ چونکہ شوکت صاحب کو بھی شراب سے نفرت تھی۔ اس لیے وہ بھی ایسی دعوؤں سے بچا کرتے تھے۔

• بہر حال میرا دعوؤں میں شریک ہونا نہ میرے اصرار پر منحصر تھا نہ شوکت صاحب کی خواہش پر بلکہ یہ منحصر تھا دعوت کی نوعیت پر یا صاحب خانہ سے مراعات پر۔

شوکت ماحصب کے مذہبی خیالات کیا تھے۔ میرا خیال ہے، انھوں نے کبھی ناز میں پڑھی۔ نہ روزے رکھے، مگر ب ثروت ماحصب کے دوست کہہ رہے ہیں کہ وہ بڑے مذہبی آدمی تھے ؟

”شوکت صاحب نے نمازیں بھی پڑھیں۔ روزے بھی رکھے۔ وہ واقعی ذہناذہبی قسم کے آدمی تھے۔ گوروزے نماز کے معاملے میں پابندی تو نہ کرتے تھے مگر امتداد رسول کا نام لیتے ہوئے آبدیدہ ہو جایا کرتے تھے۔ بقول سید محمد جعفری کے۔ ”شوکت صاحب کہا کرتے تھے کہ جب میں اپنے خالق کے حضور میں نماز کے بعد دعا مانگا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حرم کعبہ میں کھڑا ہوں۔ کعبہ کا چہرہ اٹھتا ہے اور اس نے میرے سر پر سایہ کیا ہے اور اس سے مجھے سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔“ اس کے علاوہ ایک واقعہ اور بھی ہے کہ جب ماہِ پینڈھی میں غلات کعبہ کی زیارت کرانی گئی تو ان دنوں شوکت صاحب بڑے بیمار تھے۔ اور وہ اپنی بیماری کی وجہ سے طوعے جاکر نھن کعبہ کی زیارت نہیں کر سکتے تھے

اسی وقت کئی دفعہ میر خلیل اللہ علیہ السلام کو جب شوکت صاحب کی اس آئندہ کامیابی اور انھوں نے شوکت صاحب سے کہا۔
جب ظلمت کبر کی زلزلت ہو چکی تھی تو میں رات کو جا کر غلاموں کو کعبہ میں سے آؤں گا!۔۔۔ جب میں میرا اہل میر صاحب نے
گھر سے آئے تو اُسے متوجہ رہا انھوں سے لگایا اور پوچھا اور اس کا اظہار کیا کہ میں دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہوں؟

جہاں جیسے باتیں سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ مگر میرا خیال یہاں نہ تھا اور یہ غیر تھی ان کی آخری عمر میں آیا۔ اس لیے کہ انھوں نے جب تک جہاں
کی حدود کو بڑھاپے کی حدود سے چھو نہ لیا۔ انھوں نے اپنی خوشیوں کو غیر باوجود نہ کیا۔ خوشیاں مذہب کے معاملے میں بھی رہا کرتے تھے
اھل زندگی کے باقی معاملات میں بھی، سب سے اس بات کی تائید شوکت صاحب کی پہلی بیگم کے بیان سے بھی ہوتی ہے کہ جب وہ غارِ بھارت
تھیں تو کبھی شوکت صاحب ان کے گھر میں ہی نہ بیٹھ سکتے تھے، اور کبھی انھیں چوکی پر سے اٹھا کر زمین پر کھڑا کر دیا کرتے تھے ہلال
بے دن کے جو جوہر خیالات سے بھرپور تھی ہوتی۔ جس کا مطلب ہے اس سے پہلے نہ تھا۔ چنانچہ یہ بات ہو گئی، ان کے مدد بھی خدا کے ہاں
میں اس اچھی بات کے ساتھ ان کی صحبت میں بے حد فخر ہی تھا۔ آپ کے خیال میں کیا وہ بجا وجہ تھے جو بایا کرتے تھے بابا جہنم
ہوتے تھے؟

”یہ وقتی جوش اور عارضی جذبہ ہوا کرتا تھا۔ وہ ایک دم بڑک کر ایک دم نرم ہو جایا کرتے تھے اور یہ سب کچھ دنیاوی فطرت اور دنیاوی
انجمنوں کی بنا پر ہوا کرتا تھا۔ ان ہی آخر انسان ہے۔ وہ ابھی باتوں سے خوش ہوتا اور پری باتوں سے کبیدہ خاطر رہتا ہے
وہ بھی اس سے متاثر تھے۔ جو کنبے حد حساس تھے۔ اس لیے برہم بھی ہو جایا کرتے تھے اور جب انھیں اپنی عقلی کامیابی
کا بایا کرتا تھا تو بعدِ مدام ہوا کرتے تھے۔ پھر وہ بلا تفریقِ مرتبہ اور عمر کے معافی میں مانگ لیا کرتے تھے؟
شوکت صاحب سچ نا جھوٹ بولا کرتے تھے۔ ایسا وہ کیوں کرتے تھے؟“

”آپ کا یہ سوال بڑا چھوٹا سا ہے۔ مگر اس کے جواب کے لیے مجھے سوچنا پڑ گیا ہے۔ اگر آپ کی مراد دردِ مصیبت آمیز سے
ہے تو اس کی مرکب ساری دنیا ہے۔ آپ بھی ہوں گے۔ اس میں اکیلے شوکت صاحب کا کیا تصور ہوا۔ وہ یقیناً ایسی باتوں
کے سلسلے میں جھوٹ پڑتے تھے۔ جن باتوں کے سچ کہنے سے کسی کی دل زاری ہوتی ہو۔ وہ کسی کے خوف یا اپنے دل کے لیے
جھوٹ نہیں بولا کرتے تھے۔ بعض اوقات محض تعجباً بھی جھوٹ بول دیا کرتے تھے۔ تاکہ خدا لعنت ہے۔ ایک واقعہ بتائی
ہوں۔ رات کے بارہ بجے ہوں گے کہ ایک دفعہ شدید زلزلہ آیا تھا۔ حدودِ رجب کھر کھر اٹھ کی وجہ سے بڑا ہیایا کم ہوں
تھا۔ شوکت صاحب ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ مجھے گھبرائے ہوئے انداز میں آواز دی اچھا بچا۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ میں نے کہا زلزلہ ہے۔
کہنے لگے تپ رہا لا الہ الا اللہ زلزلہ آیا تھا۔ چلا گیا۔ مگر شوکت صاحب کی گھنٹوں سا فز بھولی رہی۔ حدودِ رجب پریشان رہے
مگر یہ سوچتے ہوں کہ ہجر زلزلہ نہ آجائے۔ اتفاق کی بات کہ اُن دنوں میرے دانت میں تکلیف تھی۔ دوسرے دن
میں شوکت صاحب کے ساتھ ڈاکٹر کے ہاں گئی۔ وہاں زلزلے والی پرکھلاہٹ کا قہقہہ میرے نام سے منسوب کہے گئے مگر میرا
کوئی تادیب۔ میں دانت کے حد کی وجہ سے منہ دبانے بیٹھی تھی۔ بولنے سے مجبور تھی۔ مگر وہ جھوٹ بول کر بھی لعنت لے رہے تھے؟

شوکت صاحب میں ایسی کیا انسانی بڑائیاں تھیں۔ جن کی بنا پر وہ اتنے ہر دلعزیز تھے؟

”اس کا جواب خود آپ کے پاس ہی ہے۔ مگر آپ ہر بات کا جواب مجھ سے چاہتے ہیں۔ یہ ابھی زبردستی ہے شوکت صاحب کی

سولہ آٹھ پوری ناخبریں — جنہے میں، صلوات میں! — نگرنا تریں، دیکھ بھٹے۔ میں نے آپ کی خاطر کتنے خط لکھ رکھے ہیں۔
 سچا یہ کہ رہے ہیں کہ شوکت قانونی مر گئے۔ ایسے ہی ہو گا، اگر میں تو یہ سن رہا ہوں کہ آج کے واقعات اس امر کی
 بھی کوشش کر رہے ہیں کہ ہندوؤں پر سبیلے کی آوازوں کو بھی سنا دیا جائے۔ جب انسان کسی نہ کسی روپ میں مانتی ہے تو پھر
 اُسے تودہ کیوں کہیں؟

میں انسانی کی عظمت اور اس کی صلاحیتوں پر یقین رکھتا ہوں۔ اس کے باوجود یہ کہنے کی جرات کروں گا۔ آدمی نے
 اس جبرے جنگل میں شوکت صاحب ایسے لوگ بہت کم پیدا ہوں گے۔

میراجھیا

خاتون ارشد

میراجھیا پہنچ ہی سے ذہین تھا۔ عربید عجیب سرکینیں میں تھیں وہ بھی ایسی جی سے دوسرے لوگ جلنے تھا ہونے کے
 ہنسنا شروع کر دیتے۔ میں جتنا کہتا جا رہا تھا وہی وہ لکھ سنا آ رہا تھا۔ میں جو اس کی شراروں کا جڑا چٹو
 رہتا تھا۔ آئی آماں تھیں۔ جباری کاؤں سے بہرہ اور عربید وہ نہ لے لی وجہ تھی کہ میراجھیا پہنچ ہی سے میراجھیا
 نووہ شرور میں سے تھیں جباری سے آج جو برابر آجائے تھے تہ ہوتی ہندوستان سے باہر چلے گئے تھے اور وہ
 ۳۰ برس سے لندن میں مقیم تھے۔ اس واقعے نے آئی آماں کی داخلی حالت خراب کر دی۔ چروچی وہ ان کی واپسی کی کوئی
 جتنی تھیں۔ محمد مریمین شریک کی عمر کوئی ۱۱ سال کی تھی۔ ایک سہرتی اس نے ماہوں یاد چھوٹے جاتیوں کو اکوہ کیا کہ اندھا
 کہو کہ بار آجائے۔ اور خود سوٹ میں کران کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ مغرب لاوت تھا کچھ اندھیرا ہو چلا تھا آئی آماں چپو
 کو یقین لایا کہ کچھ ایسے کے میل گئے۔ اور خوش خوش پیٹھ کے پیٹھ لیں اور سر پر سے وہ پٹا لٹھے پر چھپا کر گھر ٹھٹ
 کی طرح کر لیا۔ کچھ منٹ انتظار کرنے کے بعد گری ہو کر کس انجیل دست دلجا۔ تو نتیجے کو دیکھ کر پیٹھ پر دو تھرا دیکھ کر
 ہلنے چلا ہے۔

اسی طرح ایک دن ایک کاغذ پر کچھ خطنے بنائے اور اس میں کچھ ہمد سے لکھے اور تعویذ کی طرح موڑ کر ان کے ٹیکے
 میں لکھ بیٹے۔ جب دوسرے دن دھرتی کو کپڑے بیٹے جلنے لگے اور ٹیکے کا غلاف آٹا لگیا تو وہ تعویذ نکلا۔ آئی آماں
 بیجاوی پڑنے زمانے کی حور تھیں تعویذ گنڈوں اور جادو۔ ٹھٹے کی بہت معتقد تھیں۔ بدحواس ہو کر رونے لگیں۔ کہ کسی
 نے میرے اوپر سخی عمل کیا ہے۔ اب مجھ پر کچھ بھجے گی۔ میری آماں آئی دیوانی تھیں اور ان کی پریشانی بہت فزاک
 تھی اس لیے کہ وہی ان کو ساتھ رکھے تھیں۔ اور کفالت کرتی تھیں وہ پریشان ہو گئیں کہ کہیں ان کو یہ بدگمانی نہ ہو جا
 کہ میرا لوجھ ٹٹٹنے کے لیے دیوانی نے تعویذ گنڈے کئے ہیں۔ ان کو پریشانی دیکھ کر میں نے کہا ہر نہ ہو یہ حرکت محمد مر
 کی ہے۔ ساعد زاد بھائی جو ان کے ٹھٹے کے ٹھٹے تھے وہ کیوں بتلے۔ آئی آماں کو میں نے سمجھا یا کہ ان کے پاس تو یہ تعویذ
 دستاویزی ثبوت موجود تھا۔ میں نے اسے لے کر دیکھا اور فوراً کہا اسے یہ تعویذ تو مسلمان الاؤشد کے لیے مامول گئے
 تھے (مسلمان الاؤشد میرا بڑا لڑکا اس وقت شیر خوار تھا) یہ میں کیوں لکھ کر بھول گئی تھی پھر انھیں کے سامنے کپڑے میں بانڈ کر

سلطان کے گلے میں ڈال دیا۔ تب جا کر تائی آماں کو سکون ہوا۔ اب بھتیجا کی گوشائی بھی کرنا تھی۔ وہ مجھ سے ہار پانچ سال چھٹا تھا۔ میں جتنا چاہتی تھی اتنا ہی فاشتی بھی رہتی تھی۔ بیچہ سے جا کر خوب پچھٹاوا۔ اور کہا کہ اگر آپا کو خبر ہوگی تو خوب پٹائی ہوگی۔ ان حضرت کو چھٹی ہی سے صاحب ہندو بننے کا بہت شوق تھا آماں آپا سے اور قوسب ضد۔ پوری کر لیتا تھا۔ مگر داد صاحب (مٹی صدیقی، محمد) اس شوق پرکتے تھے کہ جب تک تم میٹرک نہیں کرو گے سوٹ نہیں پسکتے۔ ۱۵ سال کی عمر تھی یہ میرے پاس اتھار آئے۔ یہ ریاست بھوپال کا ایک بڑا خانہ ہے۔ اور میرے شہر راوشہ تھا نویں جو شوکت کے چچا زاد بڑے بھائی ہیں وہاں سب انپکڑتے۔ شوکت نے ان سے کہا کہ بھائی جان میرے لیے ایک سوٹ سلوا دیجئے۔ ارشد صاحب خود آپا سے ڈرتے تھے۔ کہنے لگے چچا جان تھابوں گے کہتے تھے شوق قبل اذنت مقدمے کرتے ہو۔ لیکن میری سفارش پر انھوں نے سوٹ بھی تیار کر دیا اور میرے کہنے پر ہیٹ بھی منگوا دی۔ بھیا بہت خوش ہوئے ان کے بھائی جان (ارشد تھا نویں) ان کو گھوڑے کی سواری بھی سکھایا کرتے تھے۔ آدمی لگام کو کھینچتا رہتا تھا۔ پھر بھی شوکت اس سے کتراتے تھے۔ مگر سوٹ پہن کر ہیٹ لگانے کے بعد خودی سائیس سے جا کر گھوڑا تیار کرایا۔ اور سوار ہو کر قصبہ میں گھومے۔ واپس آئے تو مجھ سے کہا کہ باجی دیہاتی عورتیں بچے گھر لے پرتے دیکھ کر گھبرا گئیں اور ایک دوسرے سے کہنے لگیں ہٹو ہٹو صاحبزادہ بات۔ میں جانتی تھی۔ یہ بات غلط ہے۔ نواح بھوپال میں صاحبزادہ کوئی نہیں کہتا یہ پوری بولی ہے۔ مگر اپنے بھتیجا کا دل رکھے کو میں نے کہا۔ تم مجھے بھی تو صاحبزادہ معلوم ہوتے ہو۔ ایک روز ان کے بھائی جان نے کہا کہ صاحب اگر شیر کا شکار بھی کرتے ہیں تم صاحب تو جو گئے ہو مگر بہادر نہیں بنے آؤ تمھیں بندوق چلانا سکھائیں پھر تم صاحب بہادر بن جاؤ گے۔ خانہ کے بیچے ایک میدان خادوں سے جا کر اپنے آگے بٹھایا اور بندوق ہاتھ میں لے کر شوکت سے چلوادی۔ اس کا ایک ہلکا سا بھٹا کندھے کے قریب چھاتی پر لگا بندوق پھینک کر دوڑ کر گھر میں میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ بھائی جان سے کہدیں کہ میں صرف صاحب ہونا چاہتا ہوں صاحب بہادر بننا نہیں چاہتا۔ پھر کبھی بندوق کی مشق نہیں کی اور گھر لے پر بیٹھا بھی چھوڑ دیا۔ یہ سوانح کا ذکر ہے۔

۱۹۲۶ء کا ذکر ہے۔ شوکت میرے پاس سیکلون آئے۔ یہ ریاست بھوپال کی ایک سوہ رافقا وہ تحصیل ہے۔ ارشد صاحب وہاں تحصیلدار بھی تھے اور مجسٹریٹ پر گئے تھے۔ اتفاق سے تحصیل کی عمارت کی مرمت ہو رہی تھی۔ اور ارشد صاحب سکونت مکان کے بیرونی حصے میں اجلاس کیا کرتے تھے شوکت وہاں جا کر بیٹھ جاتے تھے اور مقدمات کی کارروائی دیکھتے۔ ایک دن ایک ہندو عورت کا بیان لیا گیا اس کو سن کر عورت نے ہندی میں تیزی سے دستخط کر ڈیئے۔ شوکت یہ دیکھ کر تیزی سے اندر آئے اور مجھ سے کہنے لگے باجی کمالی ہے۔ یہاں کے دیہات کی عورتیں بھی انگریزی جانتی ہیں شوکت نے دور سے یہ دیکھا تھا کہ عورت نے ہائیس سے دائیں کو ظلم چلایا۔ انگریزی اور ہندی کی تحریر بھی اسی رخ سے ہوتی ہے وہ اس کو انگریزی سمجھا جب رات کو کھانے پر ارشد صاحب اس کا ذکر ہوا تو انھوں نے اس غلط فہمی کو باقی رکھا۔ اور شوکت کو جو اسکول میں زیر تعلیم تھے کہا جب تم روانی سے انگریزی لکھنے لگو گے اور فر فر انگریزی بولنے لگو گے تو سیکلون

اسی طرحی وہاں لڑکی سے تمہاری شادی کر دی گئی۔ اس وقت شوکت کچھ سوچ کر چپ رہا اور بعد میں یہاں کو
 رہنے لگا۔

کھنڈ میں جب یہ خبر پہنچی تو کھنڈ میں سے ان کو چھڑا کر دیا اور ان کو کھنڈ پہنچا دیا۔ اس سے بددشت
 میں ہوتا تھا۔ یہ تو اس کے لڑکپن کی باتیں ہیں۔ جوانی میں بھی ان کی ترقی نہیں ہوئی۔ وہ کسی کے ساتھ جاری رہی۔ بھڑیل
 نے سنان طراپور کا تعلق ان کو بہت پسند تھا جب وہ یورپی نے سنان کی بیٹی اغیار نے جس کو کھنڈ میں تو اس کے لیے
 جو پل کا قلعہ بھی بنی تھی۔ پھر سے خانہ زادوں کی سروری کے خلاف صاحب کی بہت دوسری تھی۔ ان کے لیے
 میں تعلق سے تھا۔ جب کھنڈ میں قلعہ کھنڈ میں تھا۔ وہاں ان کا حصہ ملک کرتے باقی خرچ کر دیا۔ اس وقت
 شوکت سے کہا کہ دیکھو نہ بھلا تمہارے حصہ میں سے نہ چرانا۔ اس پر شوکت نے کہا آپ کو کچھ دوسرے نہیں تو چائی
 ٹھان کے جسے کے ٹکڑے مل کر رکھ دیجئے۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب دوسرے روز ان کو کھا کھانے سے شوکت نے آکر دوسری پر کچھ منی چیز
 بھی تو ہونا چاہیے۔ پھر خود ہی کافی مقدار میں قلعہ کر لیا۔ اس سے کچھ کر لیا کہ کھنڈ کا قلعہ تو ختم
 ہو چکا تھا۔ قلعہ ضرور بھائی تھا۔ والا قلعہ خراب ہے۔ شوکت نے جواب دیا کہ آپ اپنے تعلق کے ٹکڑے دیکھ کر لگ
 لیجئے۔ الماری کھول گئی تو ٹکڑے تعداد میں پائے گئے۔ پھر میں کچھ ٹکڑے اور اسے آٹا کر دیکھا تو اس کی موٹی کر تھی۔
 جناب سنان کی بیٹی اغیار صاحب کی رات لڑکی وقت آٹا کر کر کے آدھے آدھے ٹکڑے جاتے تو اسے تراش بیٹھے
 راز فاش ہونے پر شوکت بولے یہ آٹا کل کی بھی ہیں کہ جاتی کی بدوہ پرشی کرنے کے بھانے اس کو عزم باقی ہیں۔

اس سے بھی زیادہ مزید بات ہے کہ ارشد صاحب کھنڈ سے بھڑیل سند بڑے لڑکوں کے گرائے۔
 یہ لڑکے بطور ٹھکانے کے وہ دور کے شہروں تک جاتے ہیں اور وہی ہانڈیوں میں لکھ کر فروخت کیا جاتا ہے۔ ہانڈیوں کی
 تہ پر لال کپڑا لکھ کر ڈوری سے باندھ کر گرہ پر لکھ کر تھر لگا دی جاتی ہے۔ بھڑیل آکر دو حرج ہوتی ہیں کہ ۴۰
 روپے بعد فراہ صاحب کی جتن ساگرہ جس شرکت کی عوض سے شوکت بھی گئے۔ کھنڈ میں بیٹھے کھا نا کھا بیٹھے تھے کہ
 ارشد صاحب نے کہا کہ قیسری ہانڈی بھی کھو لڑ شوکت جلدی سے بولے میں اس میں سے لڑو کھا چکا ہوں میں نے
 حیران ہو کر کہا کہ یہ تو سر ہر ہے۔ اور کھنڈ سے جیسی لائی ہوئی دیسی ہی رکھتا ہے کیوں بھڑیل بولتے ہو۔ شوکت نے کہا
 اچھا آپ کی نہیں نہیں آٹا تو کھول کر لگی کہ دیکھ لیجئے کہ ان کی تعداد پوری ہے یا کم ہے۔ میں نے ہر دیکھی تھی ہوتی تھی
 ہانڈی کھولی تھی اور گنتے لگے تو مقررہ تعداد سے واقف ہو گئے۔ اب سب کو حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کیا جلدو کیا
 ہے۔ آخر ان ہی حادو گر صاحب نے بنا لیا کہ کھنڈ میں جب یہ ہانڈیاں خریدی گئی تھیں اور روانگی سے ایک دن پہلے کھر
 میں رکھ دی تھیں۔ تو میں نے آدھی رات کو آٹا کر ہر ہانڈی میں سے لڈو لڈو نکالے۔ اور پھر دوسری نیچے سے اپنی
 ہر لکھ لاکھ لگا دی۔ اب آپ کو تو سر پر تھیں کیسے شہر تھیں پر ہم لوگ ہنسنے لگے کہ ماشاء اللہ جیسا کہ چوری کا سلیقہ
 عموماً ملتا ہے۔ حالانکہ مقصد قلعہ لڈو کھانا نہیں ہوتا تھا بلکہ سب کو حیرت میں ڈالنے کے لیے اس قسم کی حرکتیں ہوتی تھیں

بعض دفعہ مجھ کو بھی جوائی حرکتیں کرنا پڑتی تھیں۔ جیسا کہ ایک دفعہ ہوا۔

جب وہ لاہور پہنچی آرٹ پچھریں قدموں پر لپکی ہو کر آگئے تھے۔ ان کے ساتھ ہی شہ نمر کیا گیا۔ یہ واقعہ ذرا سنگینہ لگتا ہے۔ جس کی ضرورت سے کھنڈھنی دہان میراٹو کا عمران اور شہ پھٹا تھا وہاں ہمارے معلوم ہوا کہ شرکت میں میری جالوج بھی اپنی جگہ تھی۔ اور شرکت کی جگہ پر جلد ہر سہا پس جا رہی ہیں۔ میں اس تقاضیہ ملاقات پر خوش بھی ہوئی اور جب سنا کہ دوسرے دن ہر جا رہی ہیں تو تمکین بھی کہ میں آئی اور تم جا رہی آٹھ دن کے کیا آپ بھی ہر چلے جاتی سے مل کر چل جائے گا۔ میں نے کہا صرف ایک ہفتہ کے لیے آئی ہوں پھر نے بچوں کو چھوڑ کر زیادہ دن کیسے لگا دوں ہر جاؤں گی تو شرکت جلدی سے واپس نہیں آئے گا۔ ان کا اصرار بڑھادول میرا بھی جاتی کو دیکھنے کو ترپہ ہوا تھا۔ عمران اور شہ دربار کا ہنہ کہا ہفتہ میں بھوپال آتا کو لگے دیکھا کہ ماہوں جلن کو دیکھنے ہر چل گئیں۔ میں تیار ہو گئی اور مسجد شرکت واپس اور بابا میاں درو شہد عمر مسکمر مراد ہر کے لیے روانہ ہو گئی ریل میں ہم نند جالوج نے ایک پروگرام بنایا اور بابا کو بھی جو چھوڑا تھا پیار محبت سے کھایا کہ آبا کو نہ بتانا کہ پھر بھی اتنا آئی ہیں۔ میں نے کہا شرکت بہت تنگ کرنا ہے اب کی اس کو بھی ستانا ہے جب ہر شش استو شش قریب آیا تو برف کے نقاب اچھی طرح ڈالی۔ جب ہر کا اسٹیشن آگیا تو شرکت اور منجھلا درو شہد اسٹیشن پہنچے تھے میں سے متعدد خواتین اتریں ان کے ساتھ میں بھی اتری۔ اور چند قدم فاصلے سے دوسری عورتوں کے ساتھ گیسٹ ٹک آئی بس ایک غلطی ہوئی کہ میرا ٹکٹ بھی مسجد شرکت واپس کے ہاتھ میں تھا۔ جب وہ ٹکٹ سکر گیسٹ سے نکلے گئیں تو شرکت نے کہا یہ دو ٹکٹ کیسے گھبراؤ گئیں کہ ماز نہ کھل جائے مگر سنبھل کر کہا ایک بیوی میرے ساتھ آئی ہیں اس کے ساتھ کوئی نہیں ہے یہ ان کا ٹکٹ ہے۔ میں نے جب یہ سن لیا تو پھر ساتھ ساتھ چلنے لگی جب تاگھو گئے جانے لگا تو جالوج نے کہا تین کر لو ان کا سامان بھی ہے۔ اور جب سب جیتنے لگے تو میں کھٹ سے جالوج کے برابر بیٹھ گئی وہاں شرکت خود بیٹھا چاہتے تھے۔ برا لگا مگر دوسرے تاگھو میں بیٹھ گئے بابا کو بلا کر بٹھانا چاہا تو ہم نے اس ڈر سے کہ یہ ناگھ جو ہر رہا ہے پھر گرہ نہ کرے اپنے پاس ہی بیٹھا رہنے دیا شرکت چیں بہ جیں ہر ہے تھے کہ بیوی نے ایک غیر عورت کو اپنے پاس بٹھایا، پھر کو بھی سنا نے دیا۔ اور میں دل میں خوش ہو رہی تھی کہ بہت دوسروں کو یہ خوف بنا کہ خوش ہوتا ہے آج میں بھی خوب تنگ کر دوں گی حضرت کے عہد بدلے ہوئے تھے اور ہم وہاں کو پہنچ آ رہی تھی۔

شرکت دوسرے تاگھو میں پہنچی کی طرف چل بیٹھے اور ہم لوگ سید سے گھونچ گئے اور زور شینہ نے تاگھو سے اترتے ہی کہا۔ اتنی جان ایک تاگھو واپس نہ کر دوں میری طرف اشارہ کر کے کہا، آپ کو ماڈل ٹائون بھی پہنچا ہے (مسجد نے رستے میں کہا تھا یہ ماڈل ٹائون جائیں گی) شرکت واپس پر نہیں جاتی اشارہ سے کہا چلے وغیرہ سے فانیہ کو کہ پھر لے کر جانا۔ زور شینہ کو بہت ناگوار گزار گزارا تھا کہ ماں کو تو دیکھو کیا ہو گیا ہے زور شینہ نے گھر میں جب سب آگے سامان اتر دیا تو اگلے میں ماں سے کہا آپ کو معلوم ہے آبا خوش ہو رہے ہیں اسی لیے سید سے گھر نہیں آئے

ہے کہ تھیں ان کے کیا غضب ساتھ لگائے ہیں اور پھر اس حرکت کے چلک تھیں میں میں جاتا ہوں جب یہ
نزدیک پہنچاں جب وہ شریک شریک دھنسنے لگا دیکھتا ہوں یہاں سے اس بھاری سے ساتھ کوئی نہیں آیا نہ اسٹیش
نے کر کے آگیا آپ کے ہاتھ لگایا ہے پہلا آگیا۔ میں اس وقت بیٹہ روہ میں چلی گئی تھی۔ اور شوکت کی آمد کی اطلاع
میں پہلے لڑکھے پہنچے تھے کہ کوئی دیکھ کر ملے اور جھانڈا پھرتے تھے۔ خوشامیڈ نے کہا اتنی جان آپ نے غضب کیا
آکر دہاں ہاتھ لگے کپڑے تبدیل کر کے دہاں کہیں بٹھا دیا وہ سب سے کہیں میں بیٹھ گئے۔ ہمارے شوہر سے
شرکت نہ آکر کا انتظار تھا جب آدمی ملے گا تو کہہ دے گا کہ وہ بلا گئی بااچھی ہے خیر گھر آئے تو بیوی نے کہا آپ دستہ بہ دستہ
سناٹے تھے۔ اشارہ سے بیوی سے پرچہ دے گئی۔

میں نے سوچا کہ کہیں پھر گھر سے نہ حضرت چل دیں اب کھیل ختم کرنا چاہتے ہیں نہ مجھ سے اگر وہ دونوں آج
پر ہاتھ لگے بیٹے پھر پھر لگا تھا مضبوطی سے آنکھیں نہیں بند کر سکتی تھی لیٹ کر مجھ کو دیکھا تو دیرانہ وار بیٹ گیا
اس میری ہاتھ تم کہاں سے آکر لگ گئیں مجھ کو ان پریٹلن کہیں نہ کر گیا ملا۔ بیوی سے کہا اتنی کوفت دی ہے
دل چاہتا تھا میں حرکت کا جتنی فریاد اور دنگاں دونوں ہم دونوں نے کہا کیا ہوتا ایسا تو چہرہ کامیاب ہوتے
باری اسکیم فیل ہو جاتی۔ بہت یلں سب کو سلاتے ہیں آج پتہ چلا دوسروں کو کتنی کوفت ہوتی ہے تم کو مزہ
آتا ہے۔

بیوی سے کہا اتنی کوفت تم نے دی انھوں نے کہا ایک تو آپ کی ہیں کو لے آئے اور آپ کو خفتہ آدھا تھا
کہنے لگے پتہ بھی ہو کہ میری بااچھی لگے میرا زخمتے کے لئے برا حال تھا اچھا ہوا اور نہ اب اور تم لوگ تنگ کہتے
تو بغیر کھانا کھاتے چلا جاتا کہ اب اس بلا کو گھر میں ملے رہو جب چچ جانے گی تب آؤں گا۔ اس پر میں نے کہا آج
ہی باقی ہمد مجھ کو سہارا کھدو کہنے لگے ہاں جتنا مجھ کو تنگ کیا اتنا ہی تنگ کر کے ہٹے دوں گا۔ میں نے کہا اچھا
اب شوکر راستہ میں یہ سب پر دگرام بنا یا اور نہ مجھ سے کہاں ضبط ہو رہا تھا۔ کہنے لگے جی ہاں مجھے تو تنگ کیا ہے۔
ورنہ ہمیشہ وعدہ کر لیٹ جاتی تھیں۔ اب آسانی سے تھوڑی جانے دوں گا نہ بدلہ لیا ہو تو شوکت نہ نہیں اب ایک سال
رہنڈی لگے گا۔ میں نے کہا نہ بھیا چھوٹے پھولے پتوں کو چھوڑ کر آئی ہوں کہنے لگے آج ہی بجائی جان کر لکھتا ہوں کہ
ہٹے یہاں جب تک وعدہ کہہ رہے نہ آئے لڑکی بھی نہیں جاتی کہ کتا ہوں جب تک کہہ لینے نہ آئیں گے نہیں بیچوں گا۔
اور میں کیا کیا ارشد صاحب کا جب جلد نے کا خط آنا کہ لڑکیوں گھبرا رہی ہیں یہاں سے خط جاتا خود گولے جلیے۔
عدہ نہیں بھیج سکتے۔ ہراری لڑکی کو تکلیف ہے ہم نے میکہ میں بیٹھا لیا ہے۔

غرض ارشد صاحب کو آنا پڑا بجائے۔ اوروں کے ۲۵ روز روکے رکھا، روز بستر نہ تھا نہ چارناشتہ تیار
ہوتا تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتے ہیں ناشتہ سب کو کھلایا جا رہا ہے بستر کھولا جا رہا ہے۔ صبح کو جاگنے سے پہلے
ایک صاحب جو گھنٹوں کے تھے اور پچھلی میں ستار بجا یا کہتے تھے اور وارڈ سی رکھنے کی وجہ سے شوکت ان کو مولا
کہتے تھے ان کو پابند کیا تھا کہ دفنانہ ستار لاؤ اور بجائی جان کے سر لانے کھڑے ہو کر بکاؤ۔ پہلے دفنا انھوں نے

بیکھنا شروع کیا تو شوکت نے کہا کہ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ میری لاشیں وہاں کے کھانے کا یہی طریقہ ہے۔ حد نہ جانی جا
 نہیں جاگیں گے۔ اس پر چائے نے بھانا شروع کیا اور شد صاحب آواز سن کر جاگے اور کہا شوکت یہ کیا دھڑسا رہی ہے
 شوکت بولے ہمارے یہاں تندرست پکا رانہیں جاتا۔ ایسے ہی جگایا جاتا ہے۔ غرض دن رات یوں ہلتے گزرتے
 رہتے۔ وہ دن یاد آتے ہیں۔ اور مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ میرا بھائی اب بھی زندہ ہے۔ اپنے منہ سے اس کو کیسے
 کوسوں پھپھی سے لے کر اب تک اس کی زندگی میری غمروں کے سامنے بھر رہی ہے۔ شوکت کیا بھے پاتا تھا اور اس کی
 ہر چیز ہر بات سے میں کبسا کب خوش ہوتی تھی۔

وٹکیں میں سب سے پہلے جب سائیکل چلانا سیکھی تھی تب مجھے پکارا تھا کہ باجی۔ باجی جلدی آئیے دیکھو مجھ کو
 سائیکل چلانا آگئی اور باجی اپنے بھتیجی کی ہر بات سے اسے خوشی کے پھولی نہ سماتی۔ دنیا کا کوئی ایسی بات نہ تھی جس میں
 باجی سے مشورہ نہ کیا جاتا ہر باجی اور بھائی جان اس کی چیزوں سے جتنا خوش ہوتے اور کوئی نہیں ہر سکتا تھا جتنی داد
 ہر نئی ذہانت کی اس کو میں اور ارشد صاحب دیتے اور کوئی نہ دے سکتا بڑے ہونے پر بھی وہ ہمارے ساتھ بچہ ہی جاتا
 اور ارشد صاحب بھی اس کے ہم چلی ہی جایا کرتے تھے حالانکہ وہ اس سے ۸ سال بڑے تھے۔

ایک ارشد میں جب کھنڈ سے میرے پاس آیا تو ہم لوگ ریاست بھوپال کی ایک دور افتادہ تحصیل میں تھے
 اسی لیے امان نے بھوپال اور بہت سے پھل بھیجے تھے اور شوکت اپنے دونوں بھائیوں سلطان اور سلطان کے لیے گینداد
 دھڑا اور نئے حمران کے لیے نھا بڑا سا کھلنا لائے۔ بڑی بھڑی جو کو قیامی بھی کہتے ہیں۔ پھلوں کے ٹوکے پر آ جا رہی
 تھیں ایک بھڑا دھڑائی جہاں ہم سب بیٹھے تھے۔ ارشد صاحب ہیٹ لے کر کھڑے ہو گئے بھڑک مارا وہ بچے گرا
 اور پاؤں بڑھا کر توتلے کھل دیا۔ اب بھلا شوکت سے کہاں صبر ہوتا دوسرا ہیٹ لے کر وہ بھی کھڑے ہو گئے اور
 جس طرف بھڑیں آ جا رہی تھیں اس طرف جا کر کہنے لگے آئیے بھائی جان مقابلہ ہو جائے دیکھیں کون زیادہ بھڑوں کو
 مارتا ہے پھر کیا تھا دونوں بھائی جٹ گئے کچھ نہیں کچھ نہیں تو سوسا سوسو بھڑیں مار ڈالیں اگر چائے نہ لگا دی جاتی تو
 معلوم نہیں کب تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ لیکن قیوم کسی کے حق میں نہ نکلا بغیر راجیت کے پر باڑی ختم ہو گئی۔

ایک روز بستی میں گھومنے گئے وہاں کچھ ہندوؤں کو جو سر کھیلنے ہوئے دیکھا گھبرا کر بولے ہم بھی چور کھیلیں
 چور سنگرائی گئی اور کھیلنے والے کو بلا کر اس کے قاعدہ سیکھے اور کئی روز تک یہی مشغلہ رہا۔ لکھنؤ جاتے وقت مجھ سے اس کی
 بسات سلوائی اور کہا کہ کوڑیاں اور گوٹھیں کھنڈ میں خرید لوں گا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کا خط آیا کہ بھلیس کے علاوہ میں سنہ
 شریچ کی بھی مشق کر لی ہے اب کے آپ لکھنؤ آئیں گے تو اس پر بھی میری ذہانت کا اندازہ کیجئے گا۔ اور جب کچھ
 عرصے کے بعد ہم لوگ گھنٹے تو شوکت اپنے بھائی جان کے ساتھ بھلیس بھی کھیلنے رہے اور شریچ بھی پھر جلدی آگئے
 ادنیٰ قدر کی ٹیکیں کا وقت ضائع ہوتا تھا شوکت اور میں مزے مزے کی باتیں کرتے اور پھر وہ قلم لے کر بیٹھ جاتا اور مضمون
 لکھتا ہم دونوں میں جو باتیں ہوتیں اسی پر مضمون تیار ہو جاتا میں بھوپال میں چلی آتی تھی اور جب وہ مضمون چھپ کر آتا تو خاص
 طور سے مجھ کو بھیجتا۔

اپنے بھائی جان کے اتنے شائق و زار تھے کہ ہاں نہ دھند نہ آواز نہ کھنکھار، آج بھر بھلا اڑا، سلطان مارش
 راز میں کھنکھار میں تھی۔ ماں نے کہا اپنے بھائی جان کو اطلاع داریں دو۔ کھنکھار تو چر تو خیریت سے ہیں۔ آپ کو
 شد صاحب کو بکنے کا موقع ملے گا۔ راز میں ایسی طرف سے ترسیم کر دیں راجہ سخت بیمار ہیں فوراً آئیے اور شد
 صاحب نے گھر کا سپیشل جھٹی لکھنے پہنچے جلد ہر اسب پریت ہے۔ صبح ہو چکا، ایسا مار کھوں دیا تو شوکت
 نے ماں آپ کو بلانے کو بھی چاہ رہا تھا۔ اس سے مری و اسٹنگل فایر مارے کو میرے لڑکوں میں۔ ان خصوصیات ایک
 سود میں بڑا لڑکا سلطان ماموں کی طرح غرور و وحی ہے دوسرا سلطان خوش اعتمادی۔ بدن سخی خوش لباسی میں بالکل
 ماموں کی طرح ہے قیسرا عمران اس میں ماموں کی وہ سنجیدگی ہے جو چٹکی لینے کے بعد وہ اعتبار رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
 نے شرکت کو بھی ۲ بیٹے دیئے ہیں ان کے نام میرے اور ارشد صاحب کے ملے ہوئے ہیں لیکن شرکت کو راز کی قیامت ہی بہت
 ہے۔ ایک دفعہ کھنکھار سے خدا میں کھنکھار کی پیدا ہوئی ہے زچہ بچی بھرت میں مگر گزرا بہت ہے۔ شرکت کو معلوم تھا کہ
 جب تک سعید عمر نہیں پڑا تھا تو جانی کی اور وہ کی ہیں کہ کتنی قیامتیں وہ ان لڑکوں کے ہونے کے بعد باجی زویا۔ وہی تھا
 کہ جیتی جی ہو اسی لیے یہ کھنکھار میں خوش ہر عاؤں کی سبک لکھا جب کھنکھار میں کی دھان سے راز کی دکھاؤ گے کھنکھار
 دو نہیں بد میں کھنکھار دو نکا کہ ختم ہو گئی تو عاؤں کے منہ سے نکلا خدا نہ کہہ سکتے تھے اچھا ہوئی جی نہیں اور بڑا ماتھو ہو۔
 خلیفہ اس کی یہ قیامت بعد کو قہری کر دی لاہور میں جب زہرہ خانوں سے شادی ہوئی تو سب سے پہلے قیامت ہوئی جس کا نام
 رسول پہلے سے میں نے شکوہ رکھ رکھا تھا۔ اس کے بعد وہ صرف باجی فوزیہ پیدا ہوئی پھر قیسری شاہدہ۔ اس طرح اسانیت
 کا حساب برابر دلی یعنی پہلی جہری کے ۳ لڑکے سعید عمر، خورشید عمر، رشید عمر۔ دوسری جہری کے ۳ لڑکیاں شوکیہ فوزیہ
 شاہدہ، پچھلی بڑی پابری معصومہ میں مگان پر سے اللہ میاں نے باپ کا سایہ جلد اٹھایا۔ ان بچے بچوں سے اس لیے
 مجھ جھٹ ہے کہ ان میں بہت چیزیں شرکت کی ہیں۔ اور خود اپنے ہوتوں میں جب یہ خصوصیات دیکھتی ہوں تو ان کو بھی اس لیے
 چاہتی ہوں کہ میرے بھائی کی یہ چیزیں ان میں موجود ہیں۔ شرکت کو اس لیے چاہتی تھی کہ اس میں بہت سی چیزیں ابا کی تھیں
 آج اب یاد دہانے تھے تو جانی کو دیکھ کر دل کو تسلی دیتی تھی کہ باپ نہ سہی بھائی تو موجود ہے۔ اب میں کیا کروں کیسے یقین
 رکھوں میرا بھیا ہمیشہ کے لیے مجھ سے روٹ گیا۔ میں بد نصیب اپنی شدید غلامت کی وجہ سے دیکھ بھی تو نہ سکی کیسے دلی کو گھلاؤ
 دلی یقین نہیں کرتا کہ وہ ہمیشہ کے لیے چلا گیا میرے باپ کے گھر کا چراغ لگی ہو گیا۔ میرے دلی پر قیامت گزرتی ہے مگر پھر
 سوچتی ہوں نہیں اس کے لڑکے اس کی لڑکیاں سب اسی چراغ سے چراغ روشن ہوتے ہیں ان کو کیسے سے لگاؤں دلی کو
 بھلاؤں نے چھوٹا تو کہاں ہے تیری ماں جانی ترپتی ہے تو صرف تنہا بھائی تھا بتا کیا کروں کچھ تو کس طرح بھلاؤں
 ہنے میرا بھائی کہاں چلا گیا۔ رات رات بھر آنکھوں میں کاشمی ہوں۔ کچھ تو کسی نے یہ کہ نہ بتایا کہ ماں جانی سخت
 بھلا ہے۔ اسے سوچتا ہوں گا کیسی بہی ہے جو نہیں آئی۔ معلوم نہیں کیا کیا سوچتی ہوں روتی ہوں کیا کروں، اللہ تو بتا
 کیا کروں۔ سعید، خورشید، رشید، شوکیہ، فوزیہ، شاہدہ تم نہ دیکھو کہ دہانے دو اپنی پھر بھی کو دھانکے ہاں نہ دو
 تھپنے وہ۔ میرا صرف ایک بھائی تھا اب کچھ نہیں۔ تم بچے ہو تم چھ بھائی بھی ہو اپنی قابو کی تو سبیاں دو ان کے کیچھ

سنگ جاؤ جو شہ پہنچنے کی کوشش کرو۔ میرا دل تڑپ رہا ہے۔ اب کھا نہیں جاتا کیسے یقین کرو کہ کسی مسعدہ دل کو کھائوں۔ دل چاہتا ہے اُنکے کھل جانے اور یہ سب خواب ہو میرا جانی زندہ ہو کاش ایسا ہو سکتا۔ کراچی سے ملے کے بعد میں نے دیکھا ہی نہیں بہت دل کو کھاتی ہوں کہ وہ تو پنڈی میں ہے نہ یقین کروں اسے میرے قلم سے آج تک لفظ مرحوم نہیں لکھیں لکھیں لکھوں۔ میں نے تو یہ وگرام بنایا تھا کہ لڑکیوں کی پچھلیوں میں پنڈی جاؤں گی اب کس کے پاس جاؤں پیارا جانی اب کبھی دیکھنے کو نہیں مل سکتا۔ کبھی نہیں مل سکتا۔
 اسے شوکت تو کہاں چلا گیا !

شوکت سلسلہ

(جواب مرحوم منظور ہو گیا)

ارشاد تھانوی

• طفیل صاحب! شوکت نے کہے ہیں کہ گھر کا اہل ہے بعض صاحب
ساتھ مصروف سے، انہوں نے کریم شریعتی ہیں۔ ذرا غم آئے ہیں۔
ارشاد

لوگ اچھے ملی جوتے ہیں، اور کبھی بھی، مردوں میں بھی کچھ اچانیاں ہوتی ہیں اور انہوں میں بھی کچھ راماں شوکت میں
نہیں بہت زیادہ تھیں اور انہوں نے بہت کم۔ اگرچہ یہ سالہ سال کے استعمال سے بہت مایوس ہو گیا ہے مگر گھر شوکت
بہ زیادہ سے مل رہی جاتا ہے کہ

خدا بخیرے بہت سی خیریاں تھیں مرنے والے میں

وہ ناظم بھی تھا، انار بھی شوکت بھی کتا تھا، مٹا بھی کتا تھا۔ ریڈیو کی نشریات میں بھی: التزام صبر لیتا تھا۔ فیروز اس نے
کئے۔ ڈرامے اس نے کئے، مختصر اس نے اس نے کئے، ناول اس نے کئے، اقتصاد و زمانوں کی ادارت اس نے کی اور طنز و مزاح
کا ایسا اسلوب اس نے پیدا کیا جس نے ہندوستان و پاکستان کے ہر صاحبِ ضمیر کو اپنا کردیہ بنایا۔ خواص تو خواص حرام بلکہ مسموم تھا
کئے دلوں کا دل بھی اس نے مرہ لیا تھا۔ اس پر خاص فرمائی کہ تاہم یہ ہے صاحب نہیں ہے۔ یہ دوسرے اہل قلم کا موضوع
ہے۔ وہ میرا جان سے زیادہ عزیز چھٹا بھائی تھا لیکن حقیقی نہیں بلکہ کم زاد۔ اگرچہ۔ مرنے پر اس کو میرا حقیقی بھائی سمجھا جاتا ہے
اور اس کی نفی کرنے والے، بعض حضرات اب تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ میرا بیٹا تھا۔ ساغر نکالنے اپنے
مجموعہ مکتوبات میں اسے میرا سوتیلی بھائی لکھ دیا۔ اس غلط فہمی کے اسباب کی بنیاد ہمارے خاندانی روابط اور معاشرہ ہم آہنگ ہے
شوکت نہیں ہیں، یہی گرو میں کھیلا، طفریت میں میرا بہن اور بہن، شوکت کو پہچان کر اپنے آپ کو "تھانوی" کہنے لگا حالانکہ وہ تھانوی
میں کبھی نہیں رہا۔ کم سخی تھا ایک بار صرف ایک دن کے لیے خانہ بدوش گیا، پھر جوازی میں اپنی رفیقہ جیات سبیدہ خانم کو فوجیوں
اور سے روشناس کرانے کے لیے صرف دو دن اپنے آبائی وطن میں رہا۔ واقعہ کے طور پر وہ تھانوی نہیں کہنوی تھا۔
چچا جانی منشی صدیق احمد صاحب (شوکت تھانوی) نے والد، ایک رومانی ناکالی کی وجہ سے نو عمر ہی میں تھانوی مرنے سے پہلے کچھ

حسد وادبک ٹھہرے ہیں عازمت کسکے ٹھہرے ہیں رہے اور ٹھہرے ہی کے ایک تازہ صحتی خاندان میں شادی کی خبر سے حسد وادبک ٹھہرے ہیں عازمت کسکے ٹھہرے ہیں رہے اور ٹھہرے ہی کے ایک تازہ صحتی خاندان میں شادی کی خبر سے حسد وادبک ٹھہرے ہیں عازمت کسکے ٹھہرے ہیں رہے اور ٹھہرے ہی کے ایک تازہ صحتی خاندان میں شادی کی خبر سے

برکد آمد عازمتے فسادت
رفت منزل بدیہے پداخت

۱۹۲۶ء میں میری شادی شرکت کی بٹا میں غور و خاطر علیکم صاحب سے اسی زرد کوٹھی میں ہوئی اور دونوں اسی کے اڈانہ میں میرا قیام رہا۔ میرے والد شیخ سلطان احمد بھوپال انیکورٹ کے مشورہ دیکل فصداری تھے۔ ۱۹۰۵ء میں ان کو اپنے چھوٹے بھائی صلیق احمد کا تارک کہلا کر چکا پیدا ہوا ہے۔ ان دنوں تھل جاں بندہ ای ضلع تھل میں کو قال تھے۔ میرے والد نے ان کو ہوا کا نام "تغیر احمد" از روئے احاد ابجد نکالا جس سے ۱۲۲۳ء برآمد ہوتا ہے۔ چچا جاں ان کی بیگم اور دوسرے افراد خاندان ایک تارک الدنیا بزرگ کے جو بیٹے مولانا صاحب کہلاتے تھے، بست متھے تھے۔ ان ہی مقدس انسانی کے صاحبزادے حضرت مولانا میں اقتضاہ بانی مدرسہ قرائی تھے جہاں سے خانہ و قرائی کی دیندار چاعتیں اب بھی نکلتی رہتی ہیں۔ چچا جاں کے بھائی شادی کے بعد مدرسہ و تارک اور نہ ہوئی، بڑے مولانا صاحب سے دعا کرائی گئی اور ۱۹۰۱ء میں چچا جاں کے بھائی بکھتہ ضلع اگل میں ایک مینی پیدا ہوئی۔ چونکہ بھائی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اولاد بڑے مولانا صاحب کی دعا قبول فرما کر دی ہے، انہی سے نام رکھنے کی استدعا کی گئی، انہوں نے "ظہور" نام تجویز کیا۔ میرے والد نے بیٹی کے نام کو سلیمان کا پنا کر اپنی بیٹی سے دی اور ظہور کو غور و خاطر علیکم بنا دیا جس سے سنہ ۱۳۱۸ء برآمد ہوتا ہے۔ اس بچہ کا نام بھی بڑے مولانا صاحب کے ارشاد کے مطابق محمد عمر رکھا گیا۔ اس محمد عمر یا تغیر احمد کی پیدائش کے چند ہی روز بعد چچا جاں ریاست بھوپال آ کر پہلے میونسپل بورڈ کے سرکاری چیئرمین ہو گئے، پھر قسطنطنیہ کے صدر پر تقرر ہو گیا۔ یہ صدر سرٹیفکیٹ ضلع اور انیکورٹ بورڈ کے درمیان وراثت کی زیر نگین ہوتا تھا۔ شیر عمار محمد عمر بھی اپنے والدین کے ساتھ واپس چلا گیا۔ میرے والد چار بھائی تھے، سوائے مجھے اور کوئی تارک ان بھائیوں کے بھائی نہ تھا۔ مجھے یہ مدد دیتا تھا، بہت ہی اچھا لگا۔ میں خود بھی نو عمر بیٹی ۱۸ سال کا تھا اور ریاست کے قوانین مثرت کر امتحان و کثرت کی تیاری کر رہا تھا۔ اس مصروفیت سے جتن وقت ملا مدد دیتی تھی جو کہ کی ناز برداری میں گزرتا۔ اسے ٹھنوں پر بٹا کر جو بھر کرنا، کندھے پر بٹا کر صحن میں ٹھکانا، دونوں ہاتھوں میں لے کر اچھا کرنا، جب وہ کھلکھل کر تھکتی تھیں بھی باغ باغ ہو جاتا۔ کرہ میں ایک منتقلی گھڑی لگی ہوئی تھی، ایک طرف کا بند کھل گیا اور کپڑا نیچے جھک آیا۔ میں نے حسب معمول نے ہمایا کو پھانٹے، کھاتے اوپر اٹھا کر جھٹ گیری سے لگاتے ہوئے کہا، "آج تھے آسمان پر پہنچا دیا، بچی جاں جو رعایا کی تھکت سے بالاتر نہ تھیں، گھبرا کر وہیں سامی ہی خال زبان سے نہ نکلا۔ میں نے جواب دیا کہ یہ بری نہیں بلکہ فرخندہ خال ہے، شہرت و عزت کی خال! آپ اسے بچی خال کیوں کہتی ہیں۔ کاش بچی جاں عربی کی انتہائی تنگ نہ تھکتی تھیں۔"

اپنے ہاتھ کو ہر نیم بعد چھانچا، سناہن شہت پر نادمہ و رشتہ و نہیں اور یہی اس زنجیرِ تہل کی تکی جو باتیں۔ اس بھی
 شروع ہی سے اس کے آگاہ نہیں تھے۔ وہ جھگڑتے ہی کہ موت کے دواں پائے ہی نہ نظر آتے ہی۔ لکھنؤ پر پورن جرحِ صدق
 آئے۔ دو سال جسے۔ لی گزشتہ نے چچا جی کو ریاست سے دہر صوبہ کر دیا۔ چوہدری جی ان کو ایک وسیع حق بجانب
 لی گیا تھا اس لیے وہاں اگر اٹھنے کی دیکھی میں ان کا دل نہ لگا اور میں رفت میں نے کر چوہدری آگئے۔ کہ وہ صوبہ کا بھی حکم
 نے ایک اہم خطی خدمت پر اصرار کیا۔ اس وقت وہ دہلی میں پریس کا خود حق بدل لیا تھا۔ پی پی پریس کے ایک مدیر کو یہ کار
 کردہ دارغالی بادر شاخ لکھنؤ وراٹھک جیوں مقرر ہو کر ریاست میں آئے تھے۔ دراصل لکھنؤ پریس کے لئے سے صلیق، شہت
 اس کے نائب مینیجنگ ڈپٹی ایڈیٹر ہرل سارہوے۔ ان کے دونوں کھاتہ۔ ایک ایک تھے۔ چوہدری دونوں میں بخش ہو جاتی تھی اس
 آباد دہلی جی انوں پر بھی استدار ہوئی ہو گئی۔ اس پر اصل یاد دہا رہے تھے۔ اس وقت وہ کافی عرصے سے دہلی میں مقیم تھے۔ چوہدری نے دیکھتے
 پر خطاب لگاتے ہوئے سر کے بال بہت جھلنے مشینی لکھی سے کرتے تھے۔ رشتے تانہ سبھی زیادہ غایاں رہے۔ ایک بڑے چچا
 ان کے بنگلے پر تھے وہ بنگلے پر کمرہ تہہ بیٹھتے تھے۔ اب اس پر اصل صاحب ان اطلاع پہ کی جرح باہر مل آئے۔ چوہدری نے دیکھتے
 ان کے سادہ انداز میں کہا۔ میں غریب، آپ نے نقل نقل بدلنے سے آئے لی بہت لی۔ ان پر ملنے کی نہیں تو۔ چچا جی ہم
 سر صباں کا پسینہ جو لگا ہوا ہے اس سے میں نے کہا۔ ان پر اصل صاحب نے تیر کر سر پر دھریا۔ معاف کیجئے گا سفید جھوٹے
 انوں پر بچے صبا کے کہیں کا شبہ تھا۔ ان پر اصل اس جہتی کو کچھ تو کیا ٹرسٹائی ری ہا۔ کہیے جیہ جواب دیا۔ آپ کی نظر زیادہ گزرو
 ہو گئی ہے۔ پھر غلیہ کیجئے مگر جو مسئلہ نے تو غضب ہی کر دیا۔ آخر تو برسی ہو جی مگر جی بڑوں کی کسی دی۔ ہوا یہ کہ اپنے آبا سے
 بچہ کر رہے ساتھ بازار تھے۔ واپس پہنچا جانے لے چچا کو بانہ ہرستے ہر لکھنے جواب دیا۔ جی ان آواز ایک جگہ آپ کے
 ان پر اصل ہیٹ پر ٹھہری ہانسی کھڑے تھے۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک ٹھہری والے کی دو لکی پر ایک موٹے سے سٹی کا جھیر کا تھا جو
 کوٹ تیلوں پہنہ کو نہ لکے کھڑا تھا اس پر گھڑی کا ڈاک بنا تھا۔ یہ جہتی خاں بہادر لکھنؤ سرور پر اس قدر صباں ہوئی کہ

زیب دیا ہے اسے جس قدر اچھا کہنے

چچا جی اور عالی مرتبت سر یاقت علی نے جو اتفاق سے وہاں بیٹھے تھے اس کو دیکھ کر دیکھا اور بیٹھے بیٹھے ہٹ کر
 گئے۔ یہاں تک کہ ایسے لوگوں کی نہیں ہوتی جو "ما شراب خوردہ بن، نہ نہ زکوہ" پر عمل کرتے ہیں۔ چچا جی ان کے حاشیہ نشینوں نے
 جو ان پر علی کے القات کے ملی جواں رہتے تھے، موصوف کو بھی یہ خبر مزید حاشیہ آمانی کے ساتھ چچا جی۔ انوں نے بہت بڑا مانہ
 ملی کیبلیگ اس قدر جی اور باجی تھی نے اس قدر شدت اختیار کی کہ چچا جی کو مستحق ہو کر کھنڈ چھوڑا، آٹا، ایکیم انٹ رلٹہ خاں نے
 فزائو لٹے اودھ کے دھوی نہایت پرانجب کہ کر اپنے حق میں جو کانٹے بوٹے تھے ان صاحبزادے نے اپنے والد کے حق میں
 بڑے لیکن اسی فائنٹ اور تیزی میں سے اپنی زندگی میں خوب پھلے پھولے اور ادب اور وہیں وہ شابکار چیش کئے جو اپنی جگہ
 انفرج فائڈ کا دوجہ رکھتے ہیں۔ اگر اس کی حرمی محمد عرف محمد سے کھنڈ آکر نشوونما پاتے تو وہ جہاں میں رہ کر قلعی ایسے شریک قادی
 نہ بیٹے جیسے اپنی صلاحیتوں کے استعمال سے بن کر رہے۔ کھنڈ کی شری نفا اور شری ماحول نے ان کی ذہنی قوتوں کو اجازت شروع
 کر دیا۔ ادنی زبان تو کھنڈ کی ریگاتی زبان کے افروں میں پروان چڑھ رہی تھی، کھنڈی معاشرت میں پورے طور پر اثر انداز ہونے لگی۔

جس کے میں گھر تھا وہاں زیادہ تر عامیہ چھتے کے اصحاب رہتے تھے اور ہم سے سب کے تعلقات عزیزوں جیسے تھے اور یہی شوکت کریم اپنی والدہ کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ کسی مجلس میں ایک ذاکرہ نے مرثیہ یا مسموم بصحت متربوہ پڑھنا اس پر غور کرتا ہوا گھر کیا۔ ان کے آباؤ اس وقت کسی کا ذکر کر رہے تھے کہ ”وہ بھڑگئی نہ گر گئے پھرتے ہیں شہ سے“ شوکت نے اسے سننا دجیا مصر و قرار دے کر فوراً اٹھا کھڑا چلا کر دیا۔ جاس کے آگے۔ جو باطل فتنہ بچ گیا۔

وہ بھڑگئی نہ گر گئے پھرتے ہیں شہ سے

جاس کے آگے

میں نے اس سے پہلے ہی اس کا ایک غیر ارادہ شرفا جھٹکی کر کا تھا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر ضرور شاعر ہوگا اور دلت آنے پر یہ ہونا ضرور شاعری نہیں اٹھا پھانسی ہوگی۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ میں نے غنی غمرہ علی کے نام اخبار پھیل جاننا کرا دیا تھا۔ ہند کی چٹ چھی ہوتی تھی۔ جب چھوٹے بھائی نے اردو پڑھے لکھنے کی ترقی سی استعداد پیدا کرنی تو مجھ فرمائش کہ میں طرح باجی کا نام چھاپا آتا ہے میرا نام بھی اخبار میں چھپا دیکھئے۔ میری ایک مختلف مجلس میں جو شوکت سے ۹۰ ماہ بڑی تھی دونوں بھائی ہیں آپس میں بہت مانوس تھے۔ اس نے بھی بڑی ملک سے یہی بات کہی۔ یہ اس وقت کا قصہ ہے جب چھپا ہوا ہسپتال ہی میں تھے۔ میں نے دو کمائیاں دو دن کے نام سے لگ۔ لگ کہ کر بیچ دیں۔ حزن تھا۔ بڑھیا کا لڑکا نہ بچتا۔ طرف سے اور دوسری کمائی ”سفید قی“ افسر عظیم کی طرف سے۔ جب وہ پھپھ کر آئیں تو میرا غم دے جو اس وقت شوکت ہار کا نام تھا۔ دو ٹپے جو میری اپنی ماں کے پاس گئے اور کما۔ دیکھتے اماں! بھائی جان آپ کو بڑھیا کہتے ہیں اور پھیل کے شروع صفوی فرست مضافہ دکھا کر بولے۔ یہ دیکھتے کھا ہے ”بڑھیا کا لڑکا“ محمد عمر۔ اور ”سفید قی“ افسر عظیم۔ جب میں باہر سے آیا تو یہی بات مجھ سے کہی کہ ہماری امی زیادہ عمر کی تو نہیں جو آپ نے مجھے ”بڑھیا کا لڑکا“ کہہ کر چھپا دیا۔ میں نے کہا۔ تو بڑے شہر پر اپنی فدا نت جسے الفاظ کا مطلب پھیل دیتے ہو۔ تم خوب کہتے ہو کہ کمائی کا نام ”بڑھیا کا لڑکا“ ہے اور کھنے والے کا نام ”محمد عمر“! چچی جانی یہ سن کر منس پڑیں۔ اس دن سے حضرت نے افسر بھی کہ ”سفید قی“ کنا شروع کر دیا۔ عظیم صاحب فرمائش تے ہسپتال نے شاہی خاندان اور معزز عمدہ داروں کے لئے ایک ابتدائی درس گاہ۔ ”نہلی اسکول“ کے نام سے قائم کی تھی۔ محمد عمر بھی اس میں داخل تھے۔ دو پہر کا کھانا گھر سے ایک ارمن لے کر جایا کرتا تھا۔ محمد عمر اپنا مزے دار کھانا اپنے ہم جماعت دوستوں کو کھاتے اور چچی ہونے پر بڑے آؤ کے یہاں یعنی ہمارے گھر بھوک سے بلبلتے جھٹے آتے اور آتے ہی کہتے۔ ”سفید قی! لسن کی چٹنی ہو!“ میری وہ حقیقی بنیں جو دونوں سے بہت بڑی تھیں کتیں سامن سے کہیں نہیں کھاتے۔ انشا اللہ لو کباب ملگا دیں بہ معلوم نہیں سفید قی اور بڑھیا کے لڑکے کو کیا دھن تھی کہ لسن کی چٹنی مزے لے لے کر کھایا کرتے۔ یہ روز کی بات تو نہیں تھی سفید قی و لکب بار ایسا ضرور ہوتا۔ ان کی امی کو خبر ہوئی انہوں نے بھی سمجھا کہ اول تو ہمارا بیجا ہوا کھانا وہ سروں کو نہ کھایا کرو اور اگر کبھی کھلا بھی دو تو گھر آکر باڑے آبا کے گھر جا کر وال سالن سے روٹی کھایا کرو دیکھ لسن کی چٹنی کے چھارے سے وہ ہانڈہ لے لے میں لسن کی بو سے بہت چٹنا ہوں۔ میں نے کما سنوئی محمد سے تم لسن کما کر میرے پاس نہ آیا کرو۔ تم باتیں کرتے ہو تو مجھے لسن کی بدبو آتی ہے۔ ایک روز آپ کو مجھ سے کچھ کنا تھا۔ چٹنی روٹی کھا کر بیٹھے تھے، مجھے دیکھ کر جلدی سے لی کی اور بڑی امان سے

تیار کیا تھا اور اس مصروفیت سے ہمارے کیا کر رہے تھے۔ اسی کے ساتھ ہمارے ہمارے
 مگر ماسٹر پر بھی کہ وہ جو اس پر گیا ہے اور دنیاوت ڈانوں ڈول جو رہے ہیں۔ جو سے شادی کر دینا چاہتے ہو کہ جو رہے
 دیکھ رہے ہو گیا اور خاندان ہی میں ایک صاحب عزیزہ سے شادی کر دی گئی اور حرم شریک کہہ دیں تک اس مقام تک پہنچے
 رہ کر پھر اسے جانی جان سکریا۔ سے بیہوش گئے۔ یہ نقد تو بہت بعد کا ہے مگر تو اس وقت کا ہے جب پہلے ہل اندر
 اجازت پہلی میں اپنا۔ مگر ہوا دیکھ اور نو سے مرید فرمائیں ہیں۔ علاوہ چول انار کے ہیں کے ایک ماہر ہے اور
 ان کی طرف سے جلی چکی لٹیں کھیرا ہیں۔ ان کے ان کی تسلی ترقی میں اور۔ اس قدر اور جہیز شریک ہنسنا اندر ہی اندر
 پاتا اور انصار عمر کے ساتھ حلقہ طبرست سے اس کا اظہار ہوتا رہا جیسا کہ اپنی کھلی ہوئی۔ کہہ دوں کہہ ہوں۔ میں انہوں نے جو
 کہ۔ وہ میری فریج۔ یا شخص جو کہتے ہیں میں پڑھنے سے۔ میں سے جب پہلے میں ان کے شخص شریک ساتھ کہہ کہہ پانی جلی
 کا نام کیوں ہرایا جان کی جتنی کوئی ساتھ ہی جی تھیں۔ ان کا نہ شریک جہاں ہے تو یہیں مگر شخص شریک نے بتایا کہ ایک
 ارشد کے وزن پر ہے آسانی آپ کا متاع شریک کا قطع میں خانہ سے دوسری بات ہے کہ مل برادر میں کی اعلیٰ شخصیت سے
 نسبت دینا چاہتا تھا۔ مگر محمد علی کے نام سے تو شخص بنائیں با سکا ہونا شریک علی کے نام سے دولی ہے۔ یہ صہبت
 علی کی کافی عرصہ کے بعد میری اور اپنی تصویر پر اپنی سونری سے رسالہ میں ساتھ ساتھ اس نے چھپائی کہ اس کے نیچے مل برادر۔ ان
 کے اتناج میں۔ "قاری برادران" کہہ سکیں اور روزانہ لکھنے کے ایک حصہ اجاب میں ہیں قاری برادران ہی کا جانا۔ اور
 ان کی بری جن سے ۱۹۱۰ء میں ہوئی جب ۱۲ برس کے تھے۔ اس جدید شے سے برادر جن نے فائدہ اٹھا کر اپنی حوی
 شریک و شریکات کا استعمال پھر پھر بھی شروع کر دیا اور وہ کل کھانے کے مجھے کنا پڑا۔ اسے روشنی میں تو برادر شریک میں کیا نہیں
 گھر کا کوئی فرد ہاں۔ آپ بہن، بھائی خاندان کے ذریعہ ولبہ افراد اس کی دھپ اور۔ برمل فقرہ بازی سے محروم رہتے مگر خلیفہ
 ہونے لگے۔ ۱۹۱۸ء کا ذکر بہت گفتگو میں ایک کھڈی پیپٹنڈنٹ سردار لی گھر کو قوال شریک تھے۔ ختمے شریک اپنے اپنے کے ساتھ
 کبھی کبھی ان کے یہاں جاتے اور ختمی باطنی بیٹے جوتے دیکھا تھا۔ میں بھی گفتگو ہوا تھا۔ جوتے گرامی مجھے دیکھتے ہی بار بار
 ہونے لگے کہ ان کی فائزوں کی داد گھر جری میں ہی دیا کرتا تھا۔ بے پہن تھے کہ موقع ملے تو کوئی کارنامہ دکھا کر وہاں کہہ کر
 یہ داد بیشتر مفلح کے ساتھ ادی صورتوں میں بھی جوتی تھی۔ اتفاق سے میری جیوی باہ خانے پر جا کر نہانے لگیں۔ جب نہانے تو
 کسی ضرورت سے گفتگو خادموں کو پکارا، جن کی آواز سن کر بطور صداقت مندی آپ اوپر چلے گئے اور وہاں ہاتھ میں جوتے کو مجھے
 پکارنے لگے۔ بھائی جان! بھائی جان! جلدی آئے۔ یہاں گھر اگر زینہ پر چڑھا کہ نہ معلوم کیا غیر معمولی واقعہ پیش آگیا۔ دیکھا تھا کہ
 باجی نے سر کے بالوں کو نچر ڈکڑا تھے کہ اوپر جوڑا سا بندھا ہوا تھا۔ چادر اوڑھے چوکی پر بیٹھی تنگ حوی والا سوتی شروع
 گھٹناؤں ہاتھوں سے کھینچ کر رہی تھیں۔ شوکت بولے۔ دیکھئے بھائی جان! سردار مل سگھ برس برس پہن رہے ہیں۔ ان کی باجی نہیں کہ
 سوڑا باجی، بد معاش بننے لگیں اور حضرت جنتے ہوئے جاگ لگے۔ ان ہی دنوں کا ذکر ہے، میرے ایک دوست ابو القاب شخص
 پر مرتب مجھے ملے آئے۔ کہنے لگے اب کے بہت دنوں میں گفتگو کی طرف توجہ کی کوئی تازہ غزل سنائیے میں نے بیاض اشاکر
 ایک مطلع پڑھا، وہ کچھ جو تک سے پڑے مگر کما کچھ نہیں۔ میں نے بعد کا شعر پڑھا۔ بولے "ذرا شہوت ہے غزل آپ نے کب کی ہے"

اس کے بعد شرکت برائے شخص نہیں بلکہ کام نہ کر کے اور مشاعروں میں دھڑلے سے جانے لگے۔ پہلی کجی
پہلے روج کو تھمتے۔ ایک بار جب ریاست بھوپ کے ایک بیدار و قد میں تحصیلدار، گھنٹے سے آئے۔ چھتہ تھمتے
لگے۔ چھتہ کے مشاعرہ میں ہارے۔ ہارے دیکھتا ہوں، گھنٹے دیکھتا ہوں، روینہ و قافیہ ہے مگر عنوان دیکھتا ہوں نہیں نہ
میں نے ذرا تالی کے بعد کہا، یہ شکر کیا رہے گا۔

پڑھا ہے میں نے ہر افسانہ عشق

تو کو نہ سب عنوان دیکھتا ہوں

پسند کر کے اپنی بیاض میں، ایک دن پر گمیری ایک او۔ خزل ہے۔

مجاہد علی کی تو ہی ہے مجاہد

”اس میں خواب نہ کر، بھی ہونا چاہتے ہیں نے کہا۔ تمہارے رنگ سے قہر نہیں ہے، چاہو تو کہہ دو۔

مجھے اذیتوں بیداری و دوا نہ دے

دکھا دکھا کے مجھے اہتمام خواب نہ کر۔

کھنے لگے۔ ہر صورت قافیہ تو آگیا۔ یہ تو شرکت کی ابتدائی مشق کی باتیں ہیں، پھر تو اس نے اتنی خزلیں کہیں کہ چند سال بعد ہی دیوان
مکمل کر لیا۔ ہر بعد میں ”گورستان“ کے نام سے چھپ کر شائع بھی ہو گیا۔ اگرچہ شاعری میں اسے کون اقبالی مقام حاصل نہیں ہے۔
پھر بھی ایک خاص انداز اس کا ہے۔ ۱۹۳۶ء میں گھنٹوں ایک عظیم الشان ناشر ہوئی، نواب جتاری کی سدارت میں مشاعرہ
ہوا۔ خان بہادر مین الہی کلٹر یا ڈپٹی کلٹر اس کے باضابطہ سیکرٹری تھے مگر اس کے تمام خرافات شرکت انجام دے رہے تھے
بھی مشاعرہ میں چلا گیا تھا۔ شرکت کی دن رات کی مصروفیت دیکھ کر میں بھی اندہ بنے لگا۔ شرکت نے مجھ سے کہا، ”غالب کا معیار
سے دیکھو، ہم کو تقلید تک ذرا منسور نہیں۔ مجھے فرصت نہیں مل رہی ہے جو سکون سے بیٹھ کر خزل کہوں آپ ہی بہت
لیے خزل کہہ دیجئے میں نے کہا، میری کئی ہوں خزل کسی دن نہیں ہو سکتی۔ شرکت نے کچھ سوچا، پھر کہا، ”اچھا، طور کا قافیہ تو
موزوں کیجئے۔“ میں نے کچھ سوچا پھر کہا، سنو۔

جلوہ یوں عام ہو تیرا مجھے منظور نہیں

میری دنیا میں کہیں برق نہیں طور نہیں

شرکت نے اتنی دیر میں خود بھی مطلع کر دیا تھا۔ کھنے لگا میں نے اس طرح سوچا ہے۔

بے حجابی ہی تری بزم کا دستور نہیں

ورنہ وہ کونسا ذرہ ہے جو طور نہیں

میں نے نہیں کہہ کیا جس طرح مشرق، مشرق ہے اور مغرب، مغرب! اسی طرح تھمتے بھولی، تھمتے بھولی ہے اور دھڑلے، دھڑلے
تم اپنی خزل خود گھما دو میں اپنی خزل آپ۔ شرکت نے کہا، ”شک ہے اپنی اپنی ڈنڈی اپنا اپنا رنگ! حقیقت یہ ہے کہ لپٹا
کو موزوں طبع تو سمجھتا ہوں مگر شاعر نہیں، یہی رائے میری شرکت کے متعلق بھی ہے۔ آخر میں شرکت بھی اسی نتیجہ پہنچ گیا تھا اور غید جیانی

کیا ہے غلطی نہ ہو چکی تیس وہ بیری اجمیت اپنے مقابوں کیسے ان تیس۔ کئے گئے تھے بھائی صاحب کی بیری ہے نہ۔
 ہا کہہ دیتے ہیں، یہاں پہلی شہر میں 'آس پاس کے قصبات' منظور، خانہ بھون، چھوٹ اور کہ دہلی گننا ہے، ان کے پیچھے کرشمے
 درست کر لیا ہے۔ تھام سے شہرہ دور است کرتے رہے ہیں، تو ہی اعلیٰ و حاکم اور۔ میں دور بیٹھا جس بھائی کی ہاتھی نو۔ اس اند
 قہو کہ ہلنے فرماؤ اور شرکت سے کہا، طبعیات کو بھی انہی نے رنگ کی نسبت سے دھانی کا ہاتھ ہے۔ میری بوری اور میں گچھڑ
 میں اکیلا پیارے نام کی لستی ہے۔ میں نے کہا، نہیں مناسب گفتو اور اس گفتو میں جو حاصل شاہی گفتو اور امانت نے اندر سا کمر
 قلمی چیز پر لکھی ہے۔

محور ہوں شوخی سے شرارت سے بوری ہوں

دعائی مری پوشاک پہنے میں سبز ہری ہوں

شرکت نے یہ شعر میں کو اصل بات کا رخ تفریح کی طرف پھیر دیا اور نیوے مال بدلتے پھر چکر لگنا شروع کیا۔

محور ہوں شوخی سے شرارت سے بھرا ہوں

دعائی مری پوشاک پہنے میں سبز ہری ہوں

ہم سے پرانہ شوکت نے فوجی میں بنایا تھا، ایسی نینٹ سے تذکیر کا قیاس مفکرماتہ برس کی عمر میں بنایا۔ جوں میں شرکت کے
 لئے کہ میں بیٹھے ہوتے میں نے ذکر کر کے کو آواز دی۔ کٹے، لکھتے، اذہرہ بیکر شرکت کی پنجالی دھن نے کرہ سے نکل کر چھ بھٹی پڑ
 آپ کیا کہ۔ ہے ہی؟ "ڈرکے سے چائے باٹ کو کھاتا؟ شرکت چھ گئے کہ بیری مراد کی قی نہیں کہنے گئے، اتنی پنجالی میں حرکت
 کو نہ ورکتے ہی مگر ڈرکے کو کھانا نہیں کھاتے تھے۔ شرکت کی ادبی دیانت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بیری پوشتہ کمانوں، خولوں، فیر
 کے اپنے ہم سے شائع ہونے کا اندازہ پائی کتابوں اور مضمون میں: رہا کیا ہے۔ اگر وہ اس جرات و استقلال سے کام نہ لیتا تو میں بھی اس
 مضمون میں ان کو حذف کر دیتا۔ جب اس کی سادہ جیت پر سے مور پرانے جراتی تو بڑے بڑے ادبی بیٹھے نظر آتے اور شہرہ و زوں میں اس سے
 سرزد ہوتے۔ ایک بار خواجہ عزیز الحسن جو برہنہ تھے نیک نفسی دینی کلکری کرتے کرتے کو شش کر کے ان پیکر آف اس کو س کے عمدہ منتقل
 ہوئے اور خان بادر ہونے پر کبھی اس خطاب کا استعمال اپنے نام کے ساتھ جائز نہ رکھا، وہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
 کے مرید اور خلیفہ تھے۔ مشاہدہ میں غزل پڑھنے بیٹھے، مہذب و مقص کرتے تھے اور بڑی وارنگلی کے عالم میں غزل پڑھتے تھے، اہل غزل
 ہر تن گوش تھے۔ مجذوب صاحب نے مطلع پڑھا۔

کیا سے کیا تو نے یہ اسے شوق منہ اداں کر دیا

چلے جاں پھر جان جاں پھر جان جاں کر دیا

یہ سن کر شرکت سے ضبط نہ ہو سکا۔ خواجہ صاحب کو روک کر کہنے لگے پہلے میرا مطلع سن بیٹھے۔ حاضر ہی مجلس نے بت کہ کہا کہ
 غزل پوری کہہ دینے دیجئے پھر آپ ارشاد فرمائیے مگر شرکت کہاں ماننے والے تھے، آخر اہانت مل گئی تو پہلے آپ نے خواجہ صاحب کا
 مطلع دہرایا اور معروضات پر زور دیا کہ پہلے جاں، پھر جان جاں، پھر جان جاں اور کہا میں عرض کرتا ہوں۔
 کیا سے کیا پریم کو اکبر تو نے اس اداں کر دیا چلے جاں پھر جان جاں، پھر جان جاں کر دیا

شخصیں کے اپنے آپ سے بہت ڈرنے لگے تھے۔ یہ تو مذاق کے سبب ہی نے بغیر کسی دلی آؤ گئے تھے۔ ملاقات علی گڑھی پہنچا
 منت حامی جی یہ عرض وہ انہوں کو دیں گے اور آج شمس ہو کر یہاں آئے ہیں یہ گولی مار دیں گے۔ میں نے وہ کہیں نہ کہہ سکا
 چچا جان کے احسان سے خاندان اور ایتھن دینی کی ضاعت کرنا میری طبیعتی ذمہ داری ہے۔ یہ عرض تو بہر حال ادا کرنا ہی ہے۔ لفظ
 کہہ گئے میری نافرمانی کا علاج ہے۔ کچھ ادا کرتے ہوئے ہوئے میں آپ کے دوست کی مخالفت میں کہنے لگے گا۔ تمہارا ہم
 ہر تو آپ سرپرست کی کو رجزی نہ کریں گے۔ چنانچہ سادہ طور پر گیا لیکن شرکت نے میری نیا دلی کا استحکام ہی میں ہمارا اس طرح یا
 کہ ایک بار میں جیوں کو کھنڈ پہنچ کر بھوپال واپس آ۔ انا شرکت اور ان کے صاحب زادہ جانی محمد اسم محمد محمد اور میرے
 ۱۹۱۱ء کے پہچانے اسبستی نے نقل نے سادہ گاڑی میں رکھا میں بیٹھ فارم پر ان لوگوں سے بدلی میں مطلق تھا شرکت نے میری
 میرا سامنے رکھوا رہے تھے وہاں ایک مرد مقول اور بیٹھے تھے شرکت نے ان سے کچھ کھنڈ کر کے اور جب میں ٹوپی میں سوار ہوا تو
 مشترکوں کو پہچان کر نہ رات کے ۱۰ بجے تھے۔ پہرہ کہہ کر یہے جوتے کے تھے کہہ گئے تھے کہ آرام سے بیٹھ کر رہ جاتے۔
 میں نے کہا جی کہ یہ سعادت مندی کیوں فرماں جا رہی ہے۔ بلی معصومیت سے باقی کے رخصت ہو گئے۔ جب ٹیپی میں اور
 میں مضبوط کھانے کو ڈیہ کھول تو ایک گھوڑی ان ہم سفر کو بھی چلی کی۔ انہوں نے سر کو نیچے ہاتھ جوتے ہوئے بٹلے نہیں میں پہن
 نہیں کھانا۔ حالانکہ ان کے سوچا بہت ان کے پان خور جوتے کی گواہی دے رہے تھے۔ میں اس زائر میں ٹکریٹ میں بیٹھا تھا
 تھوڑی دیر میں میرے ٹکریٹ کیس ان کی طرف بٹھیا کچھ دیکھنے کے بعد میں اس سے بھی اٹھا۔ کیا۔ وہ اک باقی میں تو کچھ
 محل سے جواب دے کر اور سرکہ کر بیٹھ گئے۔ میں یہ سوچ کر چپ چورہ کہ وہی سے آؤں گی۔ جب گاڑی کا ٹھہر کے قریب لگا
 کے بل پہنچی تو میں دیکھنے لگا تھا کہ باغی میں سچ آب کیا دلچسپ منظر ہے تو وہ صاحب کھنڈ کے آگے کھنڈے جوتے اور
 کہنے لگے۔ آرام سے بیٹھ جوتے جاتے نہیں۔ اب تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ صاحب ضرور کے جوتے ہیں۔ میں نے لائنٹ کر
 کہا جی کہ آپ کوئی نصابی فوجدار ہیں مگر وہ مزاحمت نہ رہے اور عاجزانہ درخواست کرتے رہے کہ کھنڈ کی سے مراد کھنڈے۔ میں یہ
 سوچ کر چپ چورہ کہ ذرا متصل معلوم ہوتا ہے کہیں الجھنے پڑے اور گاڑی کا ٹھہرنا شیشی پر رک کر آگے روانہ ہو گئی۔ میں سو گیا۔
 ٹیپی لیٹ ہو گئی مٹی جھانسی پہنچنے سے پہلے ہی دلی نکل آیا۔ ایک صاحب کسی درمیان شیشی سے سوار ہوئے اور وہ بھی میٹ پر دماز
 ہو گئے تھے صبح ہوئے ہی وہ اٹھے میں بھی ہیلار ہو گیا تھا۔ مجھے عجیب دیکر وہ صاحب بٹھے تھاک سے بٹھے اور اسلام علیکم کہہ
 ہوئے غصیلدار صاحب آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ یہ صاحب سیافند علی اکسار انڈیکٹر اور میرے ملاقاتی تھے میں نے
 بتایا کہ جیوں کو پہچانے ایک ہفتہ کی رخصت پر کھنڈ کی تھا۔ وہ مرد مقول جن کا رویہ مجھ سے بہت ماحول تھا جیوں پر کہہ جان
 باقی سنتے گئے، پھر معذرت آئے یہیں کہنے لگے صاحب معلوم ہوتا ہے مجھے بیوقوف بنایا گیا تھا۔ یہ صاحب جو کھنڈ شیشی پر
 بہت ہی ادب و اجازت سے پیش آ رہے تھے وہ کوئی تھے؟ میں نے کہا "شرکت قانونی" بے ساختہ کہ اٹھے "ارے!
 کیوں بہر شرکت قانونی شرکت قانونی جو ٹھہرے۔ جناب کا اہم گواہی؟ میں نے کہا "ارشاد قانونی" کہنے لگے وہ تو آپ
 کے چھوٹے بھائی جیوں نے کہا "جیوں! ہم زاد" مزید بیان نہ کیا جیوں میں کہہ رہے اور بتایا کہ آپ کے سوار جوتے سے پہلے
 انہوں نے مجھ سے بڑے نیاز مندانہ لہجہ میں کہا تھا کہ آپ اگر وہ رنگ جا رہے ہوں تو ان کا خیال رکھتے گا۔ بہرہ بہرہ بھائی

نہ ہوا ایسے سخت تارک، الصلوٰۃ کو میری پہلی سعید سے مازی بنا لیا۔ نہ کو چاہئے خاک کو چھو کے، باؤ میں اگر خود آگیا نہ نہیں خود بھی کو چھو تارک الصلوٰۃ بنا دیتے۔ جہاں چاہے کربہ استغفار کے دل کا ہی جاتے۔ اس وقت تو یہ بات اکی تو ہی ہوئی مگر ۳۲۰۳ برس جد شریک نے بہت ہی پُرکھٹ طریقہ پر اس کا اعادہ مشر مسیحی اللہین کی کوئی پکا ہی کیا۔ پُرکھٹ اور مشاہدے کے جب سب ہی راجل طے ہو گئے تو شریک نے کھنڈ کی روشنی والی حدوں کی نقل بھی کی مہر کی کوئی تصویریں کی کتاب کے ورق اٹھتی ہوئی گنتی جاتی تھیں، یہ لہذا فاطمہ کا دوسرے جس سے وہ وغیرہا کرتی تھی یہ اس صورت کی تصویر ہے جس نے اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر غیرت کو روک دیا۔ اب دو سانپ اس کا وعدہ چلی، پہلی وغیرہ خدو شریک نے یہ سب دہوتے ہوئے کہا۔ اور یہ سب کچھ جہزی کی تصویر ہے جس نے خدا کے حکم سے خاوند چھی نہ رسول کے حکم سے نہ ان باپ کے حکم سے مگر جہزی کے حکم سے بلا چلا دیا وچرا غار پڑھنے لگے۔ قیامت کے روز ایک قادی کے لئے پڑھوں سے پڑا ہوا اٹھ چکے گا، دوسرے جگہ کی دم۔ اس آخری فقرہ پر ساری نعل گشتہ و حزان بن گئی۔ مدتوں پہلے کہ وہ باتیں جو یہ بلورزان کہتا تھا شریک اپنے لطیف اخافوں سے کہیں کہیں پہناتا۔ ۱۰-۱۹۲۵ء کا ذکر ہے۔ ریاست بھوپال کے ایک دور افتادہ سب ڈویژن میں بحیثیت تھنڈار، منصف و جج سٹیٹ پگڑ میں قیادت تھا۔ فخر شریک وہاں گئے۔ میرا مستقر یہاں تک کہ نام کی بستی میں تھا۔ وہاں سے ریوے اسٹیشن، باغیچہ، کاغذ دوس بارہ میل تھا۔ ریل گاڑی میں جاتے جاتے تھے۔ شریک نے واپسی کا قصد کیا اور کہ کھنڈ ملنے والی تھی شام کو چار بجے جاتی ہے۔ میں ابھی سے باغیچہ چلا جاتوں۔ ان کی باجی نے کہا دو پہر ہو چکا ہے، صوبہ کی تیزی میں نہ جاؤ۔ میں نے کہا شام کو جانا۔ اسٹیشن ماسٹر میرے ملاقات میں وہ پیٹے فارم ہی تھارے ہنگ بچھوادیں گے۔ مات کو امام سے سنا سہرے تھاری گاڑی ملے گی۔ ضروریات سے فارغ ہو کر چلے جانا شہ کے ساتھ تازہ جاتے بھی وہی پلاویں گے۔ جہڑا اسٹیشن ہے وہاں چاہئے وغیرہ نہیں ملتی۔ شریک بڑے قریبی بھی ساتھ چلیں۔ اگر اسٹیشن پر پہنچے خند نہ آئی تو وہ کہنا بن سنا کر کچھ سلا دیں گی۔ میں نے کہا، کاش برا جہزی خانم ہا سہرہ کی اسٹیشن ماسٹر تھیں تو ہمارے بیا کو بہت آرام ملتا۔ اسٹیشن میں بیا کو دیر ہوئی تو اپنے محروسے (محمدر) کے لیے وہ آئی ہوئی تھیں کو بہت دیر روکے رکھتیں۔ اس پر سب جہزی خانم کی اسٹیشن ماسٹر، ان کے انتظامات پر بہت مشکوٰۃ نگاہ کر کے جھنجھتے رہے۔ باتیں شریک کے حافظہ میں مدت تک محفوظ رہیں اور ایک وقت ایسا آیا، لاہور کے ایک رسالہ میں، سودھی دین کے عنوان سے ایک بہت ہی پُرکھٹ ہوا مضمون شایع ہوا جو بہت ہی مقبول ہوا۔ مولوی محمد حنیف صاحب نے جو شریک کے قریبی رشتہ سے خالہ زاد بھائی اور شریک دہن کے چچا تھے، چودھری رفیع اللہ سے پایا۔ چودھری صاحب ان دہن و اشارے کی کوشش کے محب تھے۔ انہوں نے شریک کے اس مضمون کو سرکاری سطح میں موضوع بحث بنایا۔ سیاسی نقطہ نظر سے اس وقت کی غیر ملکی حکومت کے لیے یہ مضمون بہت کارآمد تھا۔ شریک کو ایک موقوف سادہ دیا گیا۔ نظر ثانی اور کچھ اضافے کے بعد کئی بیعت میں اس کی اشاعت ہوئی، انگریزی میں ترجمہ ہو کر لندن میں شایع ہوا۔ یہاں ایک اور لطیفہ یا ناگیا۔ جہزی خانم ہا سہرہ کی مزاح داں اور مرقع شناس، امانتی اور ہندوئی ان کی مشیر خاص کی حیثیت اختیار کر لی تھی یہاں تک کہ خانگی معاملات میں بھی اس کی رائے کو بہت دخل تھا۔ میں اسے خاطر میں نہیں لاتا تھا اور شریک میرے قدم قدم چلنے کی وجہ سے اس کے گھر جاتا تھا۔

سہ روز گئے تھے، اس پہلے پہلی بھگت کے قصہ کو سنا کر ہر دل کے گوشے میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ اس کی خاطر وہاں کا عہدہ دار ایک صاحب نے ایک کتاب خریدی اور اس میں اس قصہ کو لکھوا دیا۔ اس کتاب کے نام سے یہ قصہ ہر دل میں پھیل گیا۔ اس کی وجہ سے اس وقت کے لوگوں میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ سے اس وقت کے لوگوں میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ سے اس وقت کے لوگوں میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

یہ شخصیت ہمیشہ خود کے ذریعے مجھے اطلاع دی کہ میں سے روزنامہ "ہند" کے ایڈیٹر لی اسٹاف میں غائزت کر لی ہے۔ میں بھی ملحق ہوں۔
 صحافتی کام کر کے وہ انوں کا مستقبل اُس وقت کی ملحق فضا کے اعتبار سے یہ امید فرماتا کہ کتنا خیر، افسوس کہ کسے نہ گیا۔ اس کی تعمیر میں
 لائی اسٹاف کے آٹھویں دیں دوسرے تک تھی۔ لیکن اٹھ تھانے نے اس کو دائمی و ذہنی صلاحیتیں اس قدر زانیہ فرمائی تھیں کہ اس
 قانون میں اُس نے روز افزوں ترقی کی اور میں ہر اعتبار سے اُس سے پیچھے رہ گیا۔ جب اخباری قانون سے نکل کر ریڈیو سے وابستہ ہوا،
 اور جوبال کے شاہی مشاہدہ میں باباؤ سر سچر اور دین داری قانون و اصلاح کے نیم سرکاری اجلاس میں ایک اہمیت پلک منقولہ مشاہدہ کی ہیں اس
 کی رشوت کے لئے انہی اہل رتبہ جس جو ملانہ رقم لے لی رہی ہے۔ آپ اس سے کوئی قیمت پر لے کر چاہتے ہیں اس کا بہت ست لکریہ
 محرم ہستی فضا میں صدمہ نہ لگا جو خون بہتا ہے، اُس کی مثال میرے سامنے جاتی جان دار نہ تھا فاضل ہو چکے ہیں۔ اب میں سوچتا ہوں کہ
 اگر وہ تحصیلدار ہو جانا اور آگے ترقی ہی کرتا۔ تو یہ ضرورت بہ ہر دہائی اور یہ وقار جو آئے اپنی خوشگوار و ذہنی زندگی میں حاصل ہی رہا
 حجاز حشر بھی میرے آتا۔ اُس کی نرم و ذہنی اُنھیں اوسے فرائض اور طرزاتی فیدہ بندیں گھٹ گھٹ کر ختم ہوجائیں۔ یادہ برضا و سبب
 ہونے پر مجبور ہوتا۔ اس کی زبان جب گھبر کے بزرگوں اور خاندان کے چھوٹے بڑوں کو نہ ملتی تھی، تو یہ سنی ظالمانہ ذہنیت رکھنے والے
 اصحاب کی بارگاہ اس سے بچ سکتے تھے۔ نتیجہ نظر ناک ہوتا۔ اگرچہ اُس کا مذاق اور غمزہ مزاح بہت لطیف، باواقعہ اور تندرست ہوتا تھا
 کہ موضوع شخصیت ہی داد دیے بغیر نہ رہی تھی، اسی کے ساتھ حقیقت پر مبنی پرور خاطر رکھتا تھا۔ مجھ سے انتہائی بے تکلف اور ہمدرد
 ہونے کے باوجود ادب و احترام کو کبھی ماتحت نہیں جانے دیا۔ اس کے ماشائے تین ہونمار اور سادہ فضا میں اپنے کام میں سچید
 ہے، جواں اور باپ دونوں کے ناموں کا مرکب ہے۔ دوسرے کا نام خود رشید، بلحاظ قافیہ ان کی چوبھی (خاتون) رشید ہونے لگا۔
 جب تیسرا بیٹا ہوا اور شوکت نے مجھے تادیر اطلاع دے کر نام رکھنے کی استدعا کی تو میں نے اپنے نام پر اس کا نام رشید، عزت جویر
 کیا چونکہ میرا نام رشید احمد ہے اور چچی چاچا سب مجھے رشید کہتے تھے اس لیے شوکت اور اس کی بیگم نے اپنے بچے کو رشید کہہ کر پکارنا
 میری بے ادبی سمجھا اور اُسے بابا کہنے لگے، اب وہ خدا کے فضل سے جوان ہو گیا ہے۔ مگر سب اُسے بابا ہی کہتے ہیں۔ کیسی رنبدہ
 بات ہے کہ ان خصوصیات کے باوجود رشید میں وہ اپنی بہن یعنی میری بیوی اور اسی کے ساتھ مجھ سے سخت کشیدہ ہو گیا، اور
 مرتے دم تک یہ آزدگی رہی۔ حالانکہ اُس کی اصرار ہمیشہ ہی پر میں اپنے ارادے سے کچھ پہلے ہی پاکستان آیا تھا۔ اور ہم دونوں کے بیٹا
 پہنچنے پر اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ شوکت ان دنوں لاہور میں تھے اور ریڈیو اسٹیشن سے متعلق میرے لیے انھوں نے ایک
 اوبی و ملی کا ردا باغلی چھانہ پر چلنے کی تجویز سوچ رکھی تھی مگر بعض خانگی سلسلوں کی بنا پر شوکت کی مرضی کے خلاف میں گراچی چلا
 آیا اور ریڈیو اسٹیشن سے وابستہ ہو گیا۔ مگر شوکت کی آزدگی کا سبب یہ نہ تھا۔ حقیقت کچھ اور ہے۔ یکم ایک سلیقہ مند کفایت شعار اور
 معاشرتی ربط و ضبط سے محتاط رہنے والی خاتون ہیں، شوکت محدود رجحان، احباب قرار، عزیزوں رشتہ داروں کی دل کھول کر ملازمت
 کرنے والا میر چشم بلند نظر انسان تھا۔ اس لیے بیاں بیوی کی افتادہ جمعیت میں ذرا لمحوں تک نہ تھی، شوکت جو ابتدا میں عرصے "باد و ستل
 قطع باد شمنان ملال" پر مائل تھا۔ اپنی شریک زندگی کی خاطر شکلی کیے گوارا کرتا۔ اُس نے اپنے احباب کی پذیرائی کا جہد لگانا نہ انتظام
 کر لیا۔ اس کی سن گن پر ناگواریاں پیدا ہوئیں۔ دو ایک بار میں نے ان ناگواروں کو خوشگواروں میں تبدیلی بھی کر دیا۔ مگر ہر آنے کے
 بعد شبستان میں آخر شوکت نے لاہور کی ایک کچی پڑھی خاتون سے عقد کر لیا۔ اس سلسلہ میں سیدہ خاتون سے بھی پیدا ہوا اور اس

جائے شوکت اپنی کمال ہلکائی شامہ کی بھائی کو مٹی چھڑک کر گھر میں مٹا دئے۔ ایک جوان نے اس سے کہا کہ میں نے یہی سنا ہے۔ اس وقت سے اب تک کہ ہندوہ سال کا عمر گزر چکا ہے۔ ان ہاں بڑی سنے ایک وہ سہ سے کی صورت نہیں دیکھی۔ یہاں تک کہ جب شوکت مرضِ علوت میں مبتلا ہوئے تو ہسپتال میں مہر دھارے لے، غالباً، انہوں نے کے مشورہ پر (سیدہ جی) سیدہ جی کا خون ان کو لے لیا۔ مگر یہ بھی کسی غصہ کے اظہار سے نہ تھی۔ بلکہ وہ دھارے لگتی رہیں۔ چروغات ہو جانے پر بھی سببِ جان نہ تھی۔ وہ دھارے لگتے ہی نہ کبھی زہرہ بیگم دن رات، یعنی شوہر کی بیٹی سے لے لیتی رہیں اور جنات سے اُسی کے گھر پر جانے کے دو تین بھر گئے۔ دسے نے جان خیریں جان آفریں کے سپرد کی۔ اس ہندوہ سادہ سیدہ کی کے دوران میں میاں بڑی کے مدد مان ماست وہ سہ ہادی سہ اور شوکت ایک رقم بانی بڑی بڑی کو بھڑکی پابندی سے ماہ ماہ جیتے رہے۔ شوکت کی سنی میں سے کھٹ پٹ کی۔ ان کا اصرار تھا کہ اس بے تعلقی کو ختم کر دو۔ وہ دونوں کے ساتھ رہنے سے ہیں۔ نصاف کرو، میں جی اسی بات پر نہ دیتا تھا۔ کبھی بے بیگم زہرہ بیگم دسے گھر پر نہ جاسکتے تھے، ریڈ پرائیڈ پر ضرورتاً ماکر لی لیتے تھے۔ پھر جب وہ روزنامہ جنگ کے ادارہ میں کراچی آکر شامل ہوئے تب بھی ان کے بیٹے ان کے گھر نہ جاسکتے تھے۔ چرچی یا خالد کے پاس رہتے اور دفتر دوتہ۔ جنگ میں جا کر لگتے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شوکت کو اپنے بیٹوں سے محبت نہ۔ جی جی۔ وہ راج سرے سے اس کا ستے تھے۔ انہوں کی بہو کا پوری شدت سے خیال رکھتے تھے۔ ایک سوچ پر بندہ دے کر سیدہ کو دے دیا۔ اسے نصاف سے کام نہ لیا۔ مٹی۔ اسے کے شعبہ انجینئری میں بھرتی فرمایا۔ جہاں اب وہ آٹھ سو روپیہ ماہوار ملتا ہے۔ سہ سہ کے بیٹے کو پاؤں میں ایک سونے جگہ دلوائی۔ دونوں کی فطرتوں میں شریک تو نہیں ہوئے۔ مگر مصارف کے لیے بڑی بڑی رقمیں ان کے سر کا شعبہ ہے۔

سیدہ زہرہ بیگم نہ ہے مل و گھر کا سہرا

ہے سیدہ کی دعاؤں کے اثر کا سہرا

زہرہ بیگم بقول شوکت "ابھی عورت ہے" اس کا ثبوت یہ ہے کہ شوکت کے جس رشک سے ایک بار اپنی سوتیلی ماں کی منت دین و تدبیل کی تھی، جب وہ اپنی بیوی کو لے کر شوکت کے دورانِ طاعت میں ہسپتال گیا۔ تو اس کی دین کو زہرہ بیگم نے چھاتی سے لگا کر پیار کیا۔ مٹائی رنگ کر ساتھ کی۔ اور کہا دس نم ایسی جگہ می ہر کہ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ میرے تعلقی اگرچہ یہ حقیقت نہ تھی۔ شوکت میرے منحن یہ یقین رکھتے تھے کہ سیدہ کی طرف داری میں، میں زہرہ بیگم کا محنتِ محافت ہوں، اسی لیے جب ان کے بیٹے کسی مردمِ شفقت کی شکایت دفتر جنگ میں جا کر کرتے تو ان کو یہ بدگمانی ہوتی کہ میں نے ان کو بھڑکایا ہے۔ اور وہ میری شکایات ان کو زہرہ بیگم سے پاس نہ مہر نے کی۔ یہیت کرتے بااں بہر سہرے احترام و محبت میں کوئی کی نہ آتی تھی۔ میں لے۔ میں کراچی میں سخت غلیل ہوا اور ماہر سی آمیز خط لکھا، یہ چند سال پہلے کی بات ہے شوکت نے جواب میں میں لکھا کہ ہمیں نہیں سلائے ہے علی برادران کی تصویریں اخباروں میں چھپا کرتی تھیں تو میری اور آپ کی تصویریں بھی "مٹا فوی برادران" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی آپ اطمینان رکھئے کہ صورت کے مسئلہ میں بھی ہم "مٹا فوی برادران" علی برادران ثابت ہوں گے۔ یعنی چھوٹے بھائی مولانا محمد علی کی وفات پہلے ہوئی اور شوکت علی بعد میں فوت ہوئے۔ اسی طرح پہلے میں مروں گا اور بعد میں آپ کا مہر آئے گا جب تک میں زندہ ہوں۔ آپ نہیں مر سکتے۔ شوکت کے شفیق ترین عمن، دستِ جناب احمد سلمان صاحب کو یہ خط دکھایا تو وہ بوسے بڑی سہل تنہائی کی

بنت ہے، لیکہ اس نے یہ پیش گوئی کسی بھی احساس سے کی تھی جو مرنے سے پہلے کوئی ثابت ہوئی۔ ۷۹ برس کا محمد حازمہ ہوا۔
 ۵۹ برس کچھ ماہ کی عمر میں دایہ مغارت دے گیا۔ جس اخبارات و رسائل میں اس کی عمر ۵۵-۵۶ سال ہی سنائی دیتی ہے۔
 دوسرا متحدہ کرنے کے بعد اس نے قرار دے لی تھی اور مختلف کے بجائے سلسلہ کے ۵۰ فروری کی پانچ ماہ پیدائش منایا تھا۔
 پہلے اپنی کتاب مبدوء وغیرہ میں خود اپنا تاریخی نام تمغیر احمد اور ۱۲۳۲ سنہ ولادت لکھ چکا تھا۔ فرنگی ہری میں جو ضرور
 قدیم و جدید کی فرست شامل ہے، اس میں شوکت کا سنہ پیدائش صحیح لکھا ہے۔ اسی طرح مختلف اور دیگر کتب میں اس کے زبیر
 رہنے کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اولڈ ہوا انرا سوسی ایشن میں تفریحی سہنے کے لیے ضرور تا بعد میں مختلف کر لیا تھا۔ اس کی عمر
 پر عمر کم ۵۵ سال کی بھی زیب دیتی تھی اور اس کی زبان و قلم سے اولڈ ہونے کے بجائے کی تائید بھی ہوتی تھی۔ جن لوگوں نے ماہی
 کو ریڈیو پر سن سنا کیا وہ کہہ سکتے تھے۔ کہ یہ آواز محمد عمر کی تھی اور اصل قاضی کی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ گھنٹوں تو وہ خاص گھنٹوں
 تھا ہی۔ جہاں میں جہاں اکثر افغان کے زبیر کو زیر کر دیا جاتا ہے۔ باطل جو بالی بعد میں بدلتا تھا اور قاتلہ جون کے کوئی بزرگ جیسے
 تو اسے نصف صدی پہلے کی مشہور زبان استعمال کرتا تھا اور کسی کے لیے اچھی نہیں تھا۔ بقول حافظہ سے

مقوق بالشیورہ ہر کس برابر است

باما تیراب خورد و بناد نماز کرد

مرحوم نے خواہ اپنی عمر کسی وجہ سے کم کی ہو، اگر زیادہ بھی ہوتی تو بھی کچھ فرق نہیں پڑتا۔ وہ آخر وقت تک جان تھا۔ اس
 دل جان تھا۔ اس کا دماغ جوان تھا۔ اس کی زبان جوان تھی، اس کا قلم جوان تھا اور مجھے تو وہ ہمیشہ ایک جلیلا لڑکا ہی نظر آیا۔ اکثر اس سے
 باتیں کرتے بچے میں اپنی طفولیت کا کوئی واقعہ بیان کرتا تو کہا کرتا تھا۔ شوکت جب میں تھاری برابر تھا تو وہ ہنس کر کہتا۔ جانی جان
 اب میں لڑکا نہیں رہا۔ اب میں تو لڑکوں کا باپ ہوں، چوٹی بیوی زبیرہ بیگم کے بطن سے اس کی تین لڑکیاں ہیں۔ بڑی بھی کامیاب ہوئی
 ہے، منجلی کا فوزیہ اور جھٹی کا فیضیہ۔ شوکیہ ترکی غلط ہے، جس کے سنی تاملانی اور درخشندگی کے ہیں، اس نام کی بھی ایک خاص وجہ
 ہے۔ جہاں سے کسی زمانہ میں ایک سنوئی رسالہ الجواب کے نام سے نکلتا تھا۔ اس میں ایک ترکی افسانہ کا ترجمہ شائع ہوا۔ شوکیہ
 اس کا محفل تھا۔ شوکت کی باجی کو یہ نام بہت پسند آیا۔ کہا کرتی تھیں کاش یہ نام میرا ہوتا تھا۔ جب اُن کے بچپانے اپنا گھنٹا شوکت
 لکھا تو انہوں نے کہا، میں اس کی چچی کا نام شوکیہ رکھوں گی۔ شوکت بھی باجی کے اس خیال میں شریک ہو گئے، مگر ان کے متواتر رہنے نہ
 ہوتے رہے، لڑکی کوئی نہ ہوئی اور ولادت کا یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ شوکت اور ان کی باجی کی یہ خواہش دل کی دل ہی میں رہی، یہ نام
 اگرچہ نظر نہ بھی ہوتا تو بھی شوکت کو متنی بیٹیا کو کھلانے کا بہت شوق تھا۔ میری لڑکی شہرناز بہت ہی چھوٹی سی تھی، شوکت جنہیں سالگرہ
 کے مشاعرے میں جہاں آئے، جب تک گھر میں رہتے، نخی جالی کو گود میں لیے رہتے۔ ایک روز نخی محمد کرم تحصیلدار کے بیان میں
 مشاعرہ تھا۔ شوکت شہرناز کو بھی لیے گئے اور مشاعرے میں پہنچ کر اپنے گھنٹوں پر شہرناز کو لٹا دیا۔ جگر صاحب ہار بیٹھے تھے۔ جب
 جگر صاحب خزل پڑھ چکے تو شوکت نے شہرناز سے کہا۔ بیٹی تم بھی شعر کہا کرو۔ نخی بانو نے فوراً پوچھا۔ کسے؟ شوکت کے ذہن میں بھی نہ تھا کہ
 بچی شعر کو شیر بجھے، ہنس کر جگر صاحب کی طرف اشارہ کر دیا۔ اب شہرناز انشا اللہ شہری ہو گئی۔ ایم۔ ایس۔ بی۔ ایچ ہے۔ مگر شوکت اس کو ابی
 لکھ شیروالی بالوتے ہے۔ مگر انہوں نے ان کی یہ آواز پوری کدی۔ جب انہوں نے عدو ملحق کیا اور جیتی پیدا ہوئی تو بن کو خط لکھا۔ اللہ کا شکر ہے

نہ دنیا کے بعد کفر ظاہر آئے سب سے خوب شکر کو لیا خبر کہ اس کا چاہنے والا آپ بھی بھی خداؤں کو دل میں سے بدی نیند سے رہا ہے۔ شو کہ
نہ پستانہ خلیج میں بھی جان (دخاتون مدخرا کو کھلا ہے۔

”ہم چھوٹے ہیں باکو یاد کر کے رہتی ہیں بد ہر وقت ہاکی محبت کی باس یاد آتی ہیں۔ کئی بار باکی قبر پر زمین میں
ہوں گے ساتھ گھبراہٹ میں ہوں گے کہ کسی طرح پہنچے آنا کہ دیکھیں مگر کتے دھکے کھاتے ہیں، وہ کرنا میں جانتی ہیں
پر یہ اسباب ہی کام سے آنا ہیں، کام سے یہ کہ وہ بچے نہ

پر ہی چلتی جاتی کے صدمے سے صاحب ذراں میں ان کا اور میرا دل ان صدمہ میںوں کی بھی پر گزرتے گزرتے ہو گیا۔ ان صدمہ میںوں میں
نوں کی بات پر کیا گشتی ہو گی میں کا آدمی جیتے ہیں سب کو ڈیڑھ سال تو بھی ان میں گھبرائی کی گمانست، وہ بدوش کا بوجھ اس پر پڑا
وہ ہیں مجھ پر وہ ہر وقت سسکا کر اس وقت ہر اخیر مقدم کر لی تھی جب میں ہندو سن سے دور آیا۔ قیام توکان بارک دلی تو میں غلہ رہا
اسے مگر میں گنہگار نہیں تھی وہ میرا کھانا، یہ دے کے ساتھ کھانا، اور رات کے کھانے کے لیے شوکت دہرہ دے گئی سے کرمی شاہ آکر کھانے
لا پانڈ کر کا خاص طور سے پڑھنے کھانے کے ساتھ باہم سے تعلق کرتی، محل میں ضرور رہتے اور دسترخوان پر تفریبات میں میری حالت
بیشے سے چوڑی فورس ڈال کر کھانے کی سبب کھنڈ کی تہذیب میں اس کو گوارا نہ تھا، سب سے پہلے دن جو میں کھانے میں تھا، وہ دھن سے
بیشے میں چاؤ تھا۔ دہرہ دہرہ نے مجھ پر کر فورس میں اندر لیا۔ اس نے تو اپنی تہذیب کے مطابق مجھے رخصت سے باہر تھا میں کج شرکت
نے میری حالت سے حاکم کر دیا ہو گا۔ مگر جب میں نے دیکھا کہ شوکت کہ مٹ میں بھی دہرہ نے فورس ڈال دیا تو اس نے حسب شوکت صاحب سے
اللہ تعالیٰ کیا آپ بھی میری طرح گوارا پر اختیار فرمانا پسند کرتے ہیں۔ دہرہ نے جہاں سے بوجھ، کیا بات ہوئی، میں نے کوئی بد مزہی کی کہ میں نے
کہا کہ تم نے کھنڈی الاصل قادی خوبر صاحب پر مشر تو سے سے سالن کھانے کو سبھا جھڑپ کھا کرتے ہیں۔ دہرہ بولی، جدو اور تو سے کا تو
جوڑ ہے میں نے شوکت سے کہا، سنو وہ کیا کہہ رہی ہیں۔ شوکت نے بہر دوشی تو کیا کی، کسی قدری شعر کا سبنا اس کا اس

علم زہرہ دہرہ دہرہ از حکم خدا است اچھا میں زہرہ دہرہ دہرہ دہرہ

میں کہ لعین غلاموں نے یہ فضا ہی بدل دی۔ آخری مرتبہ جب شوکت راجپنڈی سے کراچی آئے اور بنو دوشی کے کسی مٹ جو
میں میری ملاکیاں میں تو وہ دونوں کو چھاتی سے لگایا اور بہت دیر دونوں پیسوں کو ساتھ لے کر اپنے کا دیکھتے، اور حال صاحب صفی پوری
سے جن کے ہاں مٹھے تھے آکر کھانے شہر باؤ، ہر پانویں تھیں، مگر باجی اور جانی جان نے مجھے چھوڑ دیا اور جوت بھوٹ کر دھن لگایا
واقعہ ہے کہ اس کی زندگی کے تیسرے دور نے اس کی باغ و بہار زندگی کو اندر دنی اور پر خزاں آکر وہ بنا دیا تھا۔ وہ آخری دور حیات میں شدید
دماغی کھٹکھٹ اور ذہنی الایت کا شکار رہا۔ جن شخصیتوں سے اس کے دل کی گہرائیں میری محبت تھی، زبانی ان سے نفرت کا اظہار کرتی تھی
جن امور کی طرف جذبات کھینچتے تھے، قصہ و تولات ان سے روگردانی کرتے تھے، اس کے اندر دنی تقاضے کچھ اور تھے اور بیرونی اصدارات
کچھ اور اس میں مانا بالکل نہیں تھی لیکن اپنی شخصیت کے وقار کا حد درجہ لحاظ اور پاس اس درجہ کہ اس کے لیے جیتے ہی قربانی سے دی
اُسے جگہ کے سرخان کا مرض ہو گیا تھا، اگر نہ ہوتا تو اس کے دل کے ناسور سے زیادہ زندہ نہ رہتے دیتے۔ میرے سامنے تو اس کی گھڑیل
اور نئی زندگی ابتداء سے رہی، اس لیے سب کچھ جانتا، سب کچھ جانتا ہوں لیکن اس کی اندرونی اہم پذیری کو اس کے باغ نظر اجاب ہی
محسوس کرنے لگے تھے، مالدار حضرت حنیف جاندھری نے اپنی تعزیتی ریڈیائی تقریر میں اس کے متعلق دو شعر ایسے بھی پڑھے جن میں اس کی

عجمی اور بنوں کی طرف اشارہ کرتے تھے اور جناب قدوت احمد صاحب نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ "شوکت عاقبتی نے سب سے بڑا واروں میں سے ایک اس کے اپنے ڈکھ اندھی اندر ناسور بجھتے گئے۔ یہاں تک کہ اس ناسور نے چلیے چکے گھن کی طرح اس کی زندگی کو کھانسی سے بھر دیا۔" معلوم ہوتا ہے کہ شوکت کو ایسی موت کے دن کا اور آگ ہو گیا تھا۔ ان کا بڑا بیٹا سید مراد باپ کی طاعت کی طرف سے بڑھ کر گیا۔ باپ کی حالت دیکھ کر رخصت اور بڑھائی۔ جب وہ جی ختم ہو گئی اور بھاپہ شوکت کی حالت متعجب ہوئی معلوم ہوئی تو اس نے کیا اور باپ سے دعا کی کہ اجابت چاہی تو شوکت نے کہا، میں بیٹے ایک دن اور صبر جاؤ، سید نے سلطان کا سفر متوی کر دیا۔ اس کے اندر تک باپ کے قریب بیٹا۔ شوکت نے کہا، جاؤ یہاں میں سو، سو، شب بخیر، خدا حافظ۔ سید کو مئی شاہ سے اپنی جان کے گھر پہنچا۔ راستہ پر وہ دن سویرے جب زہر کے مکان پر آیا۔ اس کے پیچھے کے بعد منت مات کو خدا سے خدا کہنے والے باپ کی روح نفس مغربی سے پرواز کر گئی۔ ان کو جنازہ اٹھا اور بوں میر کے قبرستان میں بیٹے نے باپ کے جد بے روح کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا، شاید اسی آخری خدمت بت شفیق باپ نے بیٹے کو روک لیا تھا۔ پھر دھندلے حکیم سید صاحبہ ہونی سے جو کہ جی سے حیات کے لیے وہ بھگتے تھے اور خدمت دہر سے اس وقت اپنے سرسالی گھر میں آچکے تھے۔ ان کے کمرہ قیام کی خدمت محسن کو کہہ کر اس کو ایڑ کٹہر دینے کے لیے کہا تھا، لیکن اگلے دن اس کی ضرورت باقی نہ رہی، اور اسی شام کو یہ جی میر و خاک کر دیا گیا۔ بیٹے نے اکہ و لہذا آگے ساتھ بیٹے وقت کہا، بابا آپ کی اس آواز گاہ کا بڑکھ بند کرنے کی ضرورت نہیں۔ باقی

ہم نے موت رخصت ہوئی قبر بند کھلا اب کہ کوئی کس کا نہیں
مگر شوکت کے لیے یہ کہنا غلط ہے، اس کے سب کوئی ہیں۔ اس کی ماں جانی، اپنے بیرن کی توفیق نہ بیماری کی طبعیت سے ہی صاحب فراش ہوئی
اور بہت دن گزر جانے پر بھی ہنوز زمین ہے، اس کی بڑی بیگم پکیر ہے، چھوٹی بیگم کی حالت تو ناقابل بیان ہے۔ بیٹے، بیٹیاں بچے
باجیاں، سب ہی تو اسے اپنائے ہوئے ہیں جتنا زندگی میں بھی نہ پایا تھا۔ میں انہیں بھلنے میں لگا رہتا ہوں کہ یہ
مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

ہندوستان اور پاکستان میں اس کے دوست، اس کے قد شناس جن میں حوام و خواص، اعلیٰ و ادنیٰ سب ہی شامل ہیں۔ حاکم
سے باہر ہیں، سب ہی تو ماتم گسار ہیں اور دھڑلے حضرت میں مصروف، اکثر استعدا، دونوں سے نکل ہوئی یہ دعائیں اللہ تبارک تعالیٰ نے منور
دل کی بھونگی، کیونکہ مرنے والے نے مخلوق خدا کے دلوں کو مسرت و راحت پہنچا کر حاصل کی ہیں، اور اللہ تعالیٰ جو بڑا رحیم و کریم ہے، اُسے
ری مسرت و شادمانی عطا فرمائے گا۔

پیشید مکر حقانوی

اپنے دلدار کو بھیجی چاکر و درون دہانے وہ بہت جیتوں سے وہ نبوہ کی پڑا تھا۔ طیارہ روحی دہانہ ہوا۔
 نفس کا یہ نام کیا ہو کہ وہ نفس کا نام نہیں ہے۔ کہ جس کی طرف سے غرضی و آجہان کی طرف سے یہ
 جس کی کسی تکلیف کا اظہار نہ کیا۔

دندان بھر جس کے جو سے اور دوسٹ ہوں برائے اسٹ میٹ نہیں کے چھوڑے ہوئے ٹکڑوں سے ریجانے
ہوئے ہرے گل اٹھے۔ اب وہی ٹکڑوں کا میٹ اپنے روگ سے اپنے دکھ دوسے دوسوں میں نہیں نہ رہتا یہ ان کا شیوہ
نہ تھا۔ وہ خود اپنے ہی دکھوں کے روبرو تھے دنیا گناہ اور رنج عذاب میں جنوں نے اسی سختی پھیلو جسے دوسرے دل کے ہوں
نہیں دیکھ رہے تھے۔

سب سے شوکت قاضی چمن کی مجلس سے میرا باب ۔ سب و سب کی وفات و رانی لکھی ۔ اور شفقت شاکت تھنرا
قواب بھی زندہ ہے ۔ اور مدقوں اپنی تھانف سے پرے میں زندہ رہے گا ۔ میں میوہ باب : ۱۰۰ --- یعنی نمبر ۱۰۰ ہے ۔
شکلی فیذہ ، چمن کی نمیند ، جس میں نہ تو اسے نفس کی تھانف ہے کہ مران مانس ہے مستحق ۔ ت گور : زندہ و درود ، زندہ
زندگی کی تمناں جو آخر کا بلکہ کا ، سو : بن کا جری اب میں کس سے نہیں کہ کوئی اسے میں نمید سے پرنا : سے اور میرا چمن چارٹ
آئے اس مرڈ پر ۔ جب میں اپنے پتھر سے پرین چمن یا دتھ کا اگوٹھ چوستہ در آخوں آخوں کی گردنیں گردانا آتے
اور دوسری سے "بابا" کہہ کر پکارتے ، میں اپنی نام معد فیت جھڑ اس مانس آواز کی طرف دھیان دیتی ، تو میرے سینے پر جھک کر
اپنی انگلی میرے ہونٹوں پر رکھ کر کہتے : میرا بابا ہے ، بتو ہے ، لکھو ہے ۔ ان کو اپنے پر جھکا رکھ کر میری چمنی ٹو سے دھک جاتی میں
کھٹکھٹا پڑتا ۔ اور اپنے ہاتھ پر جانے لگتا وہ مجھے اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر بڑے بڑے کہہ کر چلتے ۔ دن سوم کیا کیا کہتے چر جھپانے
پرنا دیتے اور میں انہیں آخوں آخوں کہنے لگا کرتا اور سوچا کہ یہ کوئی حضرت ہیں ، انہاں سے آئے ہیں ، ایک کس میں چرمی بجے آوی اچھے
کتا چاہتے ہیں ۔ بھی تو ، اس طرح زبان باز چلی ہی جا کر : بابا ، بابا کہہ کر پکارتے ہیں ۔ جب وہ مجھے پتھر سے پرنا چھوڑ کر چلتے تو
مجھے دھک دھتا اور میں اس کا اظہار اپنے منہ کا پراد ہانہ کھول کر مختلف شروں سے کرتا ، کبھی کبھی میرے انسو اڑتے اور کبھی
ان آنسوؤں سے پہلے ہی آبا چٹ آتے ۔

اتنی جان نے اب اپنے حوصلہ کو رہنا شروع کر دیا۔ اور اپنی گود میں بھیج کر باقی طرف اشارہ کر کے کہیں۔ "ابا۔"

موتی بانیوں کو ٹھہرا کر دیں۔ بچہ کی تاجب آباؤ فرما تے وہ۔ مجھ سے گاہوں کی فرمائش کرتے مہم میں کہانی کی کہندوں کہ۔ وہ مہم میں
اور وہ کی پہلی کتاب۔ سب سے پہلے درستی جانی ان کے ہاتھ میں لکھا چاہیے کہی ہو چاہے سوئی ہو چکی ہاتھ میں رکھ کر ضروری تھا
مجھے بھی اس کی کوڑی سے ڈانڈیں اور جب وہ چاہے اسے چل بھی سکے۔ اتنی جانی کہ۔ رکھانے کے بعد شمس کے ہاتھ سے
بھٹوٹا ہوا ہست۔ درود کوڑی ہست کے بعد تا کے انتظار کی گھڑیاں شروع ہو جاتیں۔ پھر آتا آتے اور میری مایوس سے زیادہ جب
ساری خوبصورت سرورق والی کہانی کی کہانی ہوتے ہیں آبا سے مارے خوشی کے پست جاتا۔ آبا خوب پیار کرتے چرمی انی نہ ہو۔
میں جب تک ہر جانا اور سوچتا تھے اچھے ہیں ہمارے آبا۔

میرزا خلیل صاحب دہلوی دارہ فرخ اردو لکھنا آتے پاس آتے تھے جب ان کو آبا کے مسودات لے جاتے وہ تو بہت
پوچھا کہ آبا یہ آپ کے کتھے ہوئے کاغذ کیوں لے جاتے ہیں۔ آبا سے سوچ کر ان کاغذات سے آبا کا دل چھوٹا آئی کہ ان
چھوٹے کی اور میری نہیں یہ کیسے برکتا تھا۔ اب میں بہت وقت خلیل صاحب کا انتظار کرتا کہ وہ آئیں اور میں ان کی کہنے کے لئے تیار
تھو کہ وہ خلیل صاحب آتے تو کاغذ لے چہرہ نہ لے خلیل صاحب کے ہاتھ سے لے کر دیتا اور اپنی چھٹی ہوتی کتاب کا انتظار شروع
مہبتا۔ آبا سے برابر اپنی کتاب کی بہت پوچھتا اور آبا سے کہتے "بس جی چھپ کر آجائے گی۔"

جب میری رٹی شرات، ضرورت کے وارز سے بہت کم ہوتی تھی میں جانی تو آبا سے خطا ہو جاتے میں بھڑکنا
خود میں بھی ہاتھ نہیں اٹھا یا۔ میں زیادہ سے زیادہ یہ کرتے کہ میرا دستہ گولی کی تحصیل میں اٹھ آئے رکھتے اور ہاتھ پیچھے رکھتے تھے۔
جائے۔ پہلے آبا کی طرف روٹی صورت بنا کر دیکھتا لیکن ان کے دوبارہ کہنے پر چل دیتا۔ کہاں ہاں بیکل کر گھر کا ایک چکر لگاتے پھر کسی چکر
سے اندر آ جاتا اور کہیں چھپ کر بیٹھ جاتا۔ تھوڑی دیر بعد آبا لے گئے میں ہاتھیں ڈال کر اس سے سانی انگ لہتا آبا مجھے نہ صرف سانی
چٹا لیتے بلکہ اپنی جیب سے کچھ شے نکال کر بھی دیتے اور تھوڑے ٹکڑے دقت کی آفتی اس کے علاوہ ہوتی۔ ایک دفعہ جانی کی بہن
پر لٹی دقتی جی بھر سے سرزد ہوئی اور آبا نے ایک آفتی میری تحصیل پر لٹی اور گھر سے نکل جانے کو کہا۔ مجھ کو جو دھنک پڑا کہ غشی کا ہنر
کاٹا اور کوٹھی کے پیچھے نوکر کے پچھاڑیں چھپ گیا۔ کافی دیر جب گھر میں پریشا بیٹھا تھا کہ میں تو سوچا کہ چوٹری و دروازے سے
اندر جاؤں اور دیکھوں کہ آبا دفعہ پہلے آئے یا نہیں۔ اب جہاندر جانا تو کر کے میں کوئی نہ تھا۔ وہاں سے ہٹ کر گیارہ کے چوڑے
کوٹھی سے آگے دیکھا تو آبا کوٹھی سے باہر نالے کے بل پر کھڑے تھے۔ اور اتنی جان ان کے ساتھ تھیں۔ اتنے میں سید جانی، خورجہ جانی
اور اتالی ناموں و قابل صفی چوڑی اپنی اپنی مائیکھیں لے کر آتے اور آتے ان سب کو غصت محسوس ہو رہا نہ کر دیا۔ آبا کے چہرے
سے پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ میں بے خیال میں اب بھاگنے کی بجائے ان دونوں کے بالکل سامنے ٹھکراتے میں اتنی جانی کی نظر مجھ پر
پڑ گئی۔ میں پھر چھپ گیا۔ لیکن دوسرے لمحے اتنی جان مجھ تک پہنچ گئیں اور مجھے گھر لے گئیں، جو نہی آبا کو دیکھا میں نے مذکورہ شروع کر دیا اور
انہوں نے مجھے گود میں اٹھ لیا میری چھپاں رگ گئیں۔ اور میں پہلے کی طرح شاداب ہو گیا۔

جب میرا بچپن اور جوانی آپس میں گھٹی رہے تھے، میری میں بھاگ رہی تھیں تو آبا کی ٹکر سناش انہیں کراچی لے گئی۔
اور وہ مذکورہ جنگ کراچی کے مدیر ہو گئے۔ میری تعلیم نے مجھے لاہور ہی میں رکھا اکثر آبا کی یاد اس وجہ تھی کہ دل چاہتا کہ میرے
پر ملک جانی اور میں اڑ کر اپنے پیارے آبا تک پہنچ جاؤں۔ گریوں کی پھٹیاں ہوئیں تو ہم سب کراچی چلے جاتے۔ میں گھٹنوں آبا

کے ذہن میں چٹا۔ چادر میری صحت بہت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ جب وہ گھنے میں مصروف بستہ تو میری پارہ جری نظروں سے ان کو مٹا بندھ کے محنت میں ہوتا اور میرے پیار سے۔

پھر جب روزانہ تنہا تہہ پہنچنے سے بھی گھٹے کا قریب ہو پڑی اٹھنے اب اس کی جھپٹوں میں روپی جانے کی وہ لکڑی ختم ہو جاتی تھی۔ لیکن سیدھا ان کو اپنی ہی میں دھرم میں۔ اس سے قیامی کے ساتھ روپی جانے کی پانچ سو روپی جانے سے پہلے ہی کم از کم ایک ہفتہ کے لئے کوہ دی نہا جاتا۔ قیامی کا نقطہ بہت ہی خاص تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو تعلق میں ہی جانے سے پہلے روٹی چھٹی میں ایک دن ان کی صحبت میں نہیں رہتا۔ اس میں وہ بھی محنت میں رہتا تھا۔ جس اپنی خواہش سے ہنستے اور کبھی صحت خاص پر لڑ گئے۔ ان انھوں سے دیکھتے کہ جس میں وہ صفت کی جھلک ہوئی چھڑی سے ایسی بھی ایک دن ایسا ہی گزرا۔ ان کی اپنی ترقی کا جو۔ اتنے برسوں سے ملے۔ وہ بھی بنے موت کو آتے جب بھی انہی پر پناہ مصروفیت کی دہ سے ہر دہ میں سے ہے۔ غیر روٹی چھٹی پہلے جاتے تو ہم سب کو بہت دکھ ہوتا۔ اور اس وقت شایرین سے جو روٹی چھٹی۔ فلا شہر میں لکھ مسلوہ ہوا لکھنا لکھنے کے موقع پر آتا کہ روٹی میں تھے۔ جی ہر دہ میں سے ملے نہیں۔ وہ لکھ بہت دکھ ہوا۔ اور میں نے فوراً ان کو شکایت کی تھی۔ میں نے جواب میں وہ برسوں کے علاوہ لکھ دیں نہ ہا۔

میں میدان نے ملے سے ہیں جہاں سب کو قیامی کا قیامی پر ایک ہفتہ دی دیا جاتا ہے، ایک نو رات کے قیامی کے غیر میں سے روزانہ کو دیکھتے تو ہمیں فوجی کاہر چھڑا۔ اس کی شام کو پانچ بجے ہوا کی جہاز سے ہفتی واپس آگئے۔ میں وہاں کسی سے زنی سنا نہ ملنے کا وقت تھا۔ یہ واقعی جہاز ہے کہ اس سے جب ہفتہ کی چھٹی ملے کہ ہر چھڑوں اور اپنے روٹھے ہونے چھڑوں کو جیسے سے کارن دن طریر یا ریخ شیش بیت صلا کس نے پوری نہ ہر کس کی کہ انتہا بہت سر نہیں۔ اور سے بھی دلی سے ملے چھٹی سے چھڑوں۔

اور چھڑا ایک سال کی مدت کے بعد آباد قیامی کاہر آئے۔ ہم لکھتے سے کارن نے ملے سے نہیں جھلوت سے لگے ملے کے لئے۔ اپنے روٹھے چل کرانے کی جانے وہ مذہم سے روٹھے گئے۔

ہر صبح کو سورج طلوع ہوا اور اپنی کرنی میں رات کی سیاہی کے ساتھ ساتھ ہر دن کا جہاں جی جھلوت لے گیا۔

اب چھڑا کے سے اتنی جان کی چھڑیاں کوٹیں اور چھڑا ہوتی ہے آب کی طرح تپتی رہیں۔ اور پھر ہر شہادت نشانیوں کو لکھا اور آتا کہ ابارت خدا کے گھر چل دی۔ وہ ابارت جس میں خوشی کے شادیاں نہ تھے بلکہ صوب کے بیچا نسا۔ جرتی چھڑاں۔

انہی کو لکھ داتی زبان سے کہتا پڑا ہے۔ "کتنے اچھے تھے ہمارے آبا، کتنے پیارے تھے ہمارے آبا۔ اتنے پیارے کہ خدا کو پیارے ہو گئے۔" اپنے کہنے پر یقین نہیں آتا۔ اس وقت جی کو نسا یقین تھا۔ جب اپنی آنکھوں سے ان کے بے جاں پہرے کو دیکھ اپنے کا نہ ملے پر سہارا دے کہ ان کو ان کی آخری آرام گاہ تک لے گئے؛ اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈالی۔ جب سب کہتے ہیں تمہارا باپ مر گیا۔ تم یتیم ہو گئے تو بچتے آنسو ان کی اس بات کی صداقت تسلیم کر لیتے ہیں۔

خسرو کی ستانی

میری عمر اس وقت بارہ سال ہے۔ آج سے آٹھ سال پہلے کی کچھ باتیں تحریر کرتی ہوں۔ جب میں پانچ برس کی تھی تو مجھے کونینت سکول میں داخل کیا گیا۔ آٹھ روزہ روٹین پر تھے ہی۔ اسکو ل آیا کہ ایسے ہیں جو خدا اس لئے اُن کے ساتھ آنے جانے میں بہت خوشی محسوس کرتی شام کے وقت فرسٹر پر گھوڑا بٹلا ہم کو اپنی بیٹی پر سوار کرنا آتا کا خاص شغل تھا۔ جب بیٹھ کر بیٹھا کر ادھر ادھر جوتے تو اتنی کو ہمارے گرنے کی بہت فکر ہوتی لیکن آیا جنتے ہوئے کہتے کریں اس نسل کا گھوڑا ہمیں جو رک رک کے گرنے پر بسیم اندر چڑھتا ہے اور حوث نہیں گھتی تین سال کی عمر میں ہم نے گھر میں ایک کتہ پالی رکھا تھا۔ جس کا نام بیگی تھا۔ ایک دن میں نے آبا کی ڈبا جس میں پان کتا اور چوٹا تھا اپنے چوری اٹھا کر بیگی کے پاس سے کئی اور جا کر پھینک دیا تو کوٹھا کھانے گی۔ آبانے مجھے دیکھ لیا اور گرد میں اٹھا کر کہنے لگے میری بیٹی بہت مہان توانہ جنہ کی ایک مرتبہ جگر صاحب مرحوم ہمارے گھر آئے۔ مجھے دلایا گیا۔ میں جگر صاحب کو دیکھ کر سہم گئی۔ اور ان کی گود میں جلنے سے ان کا ر کوئیہ آبا کہنے لگے یہ تمہارے بٹے آبا ہیں۔ میرے منہ سے نکل گیا کہ یہ دنیا کے آبا ہیں۔ دنیا اُن دنوں بڑے جیسے جیسے بالوں والی ایک گھٹیا ہمارے گھر میں تھی۔ اب اس مشابہت سے سخت نملائے۔ لیکن جگر صاحب بھانپ گئے اور کہنے لگے شرکت یہ تو کی بڑی ذہین نکلے گی۔ اور وہ

ہارٹ نکال کر دیا۔

۱۹۵۹ء میں آبادیت چھ گئے احمد دہس ارجنگ میں غربت کی وجہ سے ہسپتال میں لایا گیا تھا۔
 لایا گیا میں میں کمر میں رہتا تھا۔ اس کی اولیٰ منزل میں پچاس سو روپے سہتے تھے جو کوئٹہ کے اور ہمارے کمر پر
 سہات میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں تھا۔ اس نے وقت بیت ابھی طرح کوڑنے کا لیکن لڑائی کا آب و ہوائ اور ایسی معن
 ل صحت پہنچا اثر ڈالا شروع کر دیا۔ لکچر پر ہر چ سگری کی تبدیلی اور غذائی برگی۔ سماں کے دل پر بیت فرما رہے تھے
 سے دھاک دیا تھا مجھے میرے چنانے کے پاس بھی دو۔ لکچر لکچر ایسا ہوا لڑائی کو جاسے۔ رویشی دارا خدا زین گیر ہونا جنگ
 میں روپنڈی سے لکچر شروع ہو گیا۔ ریم انجی لڑائی سے روپنڈی آئے۔

روپنڈی میں جو میں لکچر وہ بیت چونا خدا میں جو بھی آتا بیت خوش تھے اور بت تھے بلے رہا۔ پ۔ ہوا بیت پسند ہے۔
 ڈھائی مال کی دستکش لے کر یہیں آئے۔ بیت اچھا تھا۔ جو کہ دلچسپی بیت بصورت تھا۔ لیکن ہمارے بیت خوش
 ثابت ہوا۔ اور اس میں ہمتی سے پار پیچے ہی رہے۔

پہلے پھینچے میں اسی سال میں بد فکری ہوئی ریم سے ساتھ سخت حادثہ پیش آیا۔ میں ہانے سے نئے فصل خانے میں گئی کہ میں نے جو
 پانا اثر کیا کہ میں جوش ہر زمین پر گر پڑی۔ اس حادثہ کا آبا پر بیت اثر ہوا۔ اور رات کو مجھے اٹھ کر دیکھتے رہتے تھے۔ مارچ میں آتا
 کو بخار اور کھانسی نے آگیا اگرچہ علاج کرانے سے بخار اور کھانسی آرام تو آئی۔ لیکن باوجود اس کے آہستہ آہستہ بخار رہنے لگے تھے
 جہر مندوں بعد ہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ کھانسی بخار ہوتا اور کبھی آرام آتا۔ فروری دن بدن بڑھتی ہی تھی۔ اپنی دونوں ٹھنک
 کی زیارت ہندی میں ہر سہی تھی۔ لیکن آتا اپنی کزوری اور لوگوں کی بے پناہ بھڑکتے ہوئیوں سے ہونے۔ اور انی سے کہنے لگے میری
 قسمت میں زیارت نہیں ہے۔ خیال صاحب بھی آتے ہوئے تھے۔ کہنے لگے کہ شوکت حکومت کر رہے ہیں جس کے ختم ہونے پر خلافت
 آپ کے گھر کا کاپ کی خواہش پوری کر دوں گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ ابالی خوشی کا کوئی ٹھکانہ تھا اس کو جو۔ انکھوں سے ٹاپا دیا۔ اور
 سب کمروں میں لے جایا گیا۔ کہنے لگے میں کھانا خوش نصیب ہوں کہ میں نے گھر پر ہی زیارت کر لی اور کہنے لگے شوکیہ ڈاکٹر میں
 اور تھادی اتنی دواں جا کر کج کے موقع پر بھی زیارت کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کرے منظور نہ تھا۔

۲۳ مارچ کو آتا اپنا تھکا متیاز حاصل کرنے کے لئے لاہور تشریف لائے اور ان کی درخواست تھی کہ میں اپنا مکمل علاج
 لاہور جا کر ہی کر دوں گا۔ ۲۴ مارچ کو جب آتا لاہور دیوے اسٹیشن پر اترے تو اسی وقت ان کو۔ بخار تھا۔ اور میری جان میں بھی
 کے لئے آئے تھے۔ دوسرے دن آتا کو۔ بخار تھا اور گزشتہ دنٹ ڈاکٹر صاحب اسی حالت میں آپ دواں گئے۔ دواں آپ
 کی ملاقات نیا نیا صاحب سے ہوئی۔ جو کہ آتا کے خاص دوستوں میں سے ہیں۔ نیا صاحب ان کی حالت دیکھ کر سخت حیران ہوئے
 اور کہنے لگے۔ کل میں آپ کو اپنے دواں بلاؤں گا۔ میرے ان ڈاکٹر صاحب میں جو کہ پاکستان کے چند ڈاکٹروں میں سے ہیں۔ دکھایا جائے
 گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور ڈاکٹر صاحب محاذ کے بعد اس فوج پر پہنچے کہ جگر میں پھوٹا ہے۔ ہسپتال داخل ہو جانا چاہیے۔ لیکن آتا
 کا صراحتاً کہ نیا صاحب میں ہسپتال میں داخل نہیں ہوں گا۔ اصرار پھر ہی علاج کراؤں گا۔ کیونکہ آتا انجکشنوں اور دواؤں سے
 صحت لگے آئے ہوئے تھے۔

گھر پر کرنی پرست کا علاج شروع ہو گیا۔ لیکن کئی دنوں بعد ایک اور ڈاکٹر صاحب کے عاجز ہوا اسے مذمت میں سختی سے
میر ہسپتال کے پتھر جی جی میں مایہ کیا۔ کہ آپ فوراً ہسپتال میں داخل ہو جائیں لیکن اباب تک اس بات پر بضطہ کہیں کسی قیمت
پر ہسپتال میں نہیں جائیں گا۔ آخر جب گھر پر کسی قسم کا اتفاق نہ ہوا۔ (آپ کے چند خاص دوستوں نے صراحت کیا مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر آپ نے
کہا کہ شوکت صاحب اگر آپ اپنے لئے نہیں تو کم از کم اپنے بچوں کے لئے ہی ہسپتال میں چلے جاتیے۔ رضامند ہو گئے۔ لیکن اس شرط پر
کہ میرا اپر چیف نہ ہو۔ ڈیرل والا باہرٹ و دیگر فہرہ میں بہر معالجات پر ہیٹ گئے۔ اور علاج شروع ہو گیا۔ اتنی دن بیت محنت کی
ملات دن بھر دارو کا کسے کسے عری ریتی تھیں اور دوا کئی دہن تھیں۔ لیکن اثر نہ ملے کچھ اور جی منظور تھا۔ ہسپتال میں اب آ کر
دیکھنے کے لئے آپ کے دوستوں اور عزیزوں کا ہر وقت جھگڑ رہا تھا جس سے زہریں بیت گجراتی تھیں۔

۱۹۔ اپریل کو ڈاکٹروں کا ایک بورڈ میٹنگ ڈاکٹروں نے کینسر جھنے کا اعلان کیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اس بیماری کا مکمل علاج
تو ہمارے پاس ہے نہیں۔ البتہ جو انجینیئر ہم نکال رہے ہیں۔ ان سے شوکت صاحب کچھ حصہ کے لئے اور ذمہ وہ سلیں گے جس سے
ہم سب مالوس ہو گئے۔ اور آپ کی زبردست خواہش کے مطابق ۸ مارچ کو گھر لایا گیا۔ گھر آ کر آپ بیت خوش ہوئے اور ہر روز مختلف
کا علاج شروع کر دیا۔ تقریباً چھ دن پر علاج ہر ایک کی طبیعت دن بدن گرتی ہی گئی۔ ۲۰ اپریل کی شام کھانا بیت نازک ہو گئی۔ ۲۱
منٹ تک یہ ہوشی سے عالم میں کھڑے رہے۔ جب ہوش آیا تو اتنی نے پوچھا کہ آپ کو کیا ہوا تھا۔ تو بچنے لگے شوکت میرے سامنے آ کر
بیٹھیں تھی۔ اور اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اسے دیکھ کر مجھے محسوس ہوا جیسے میرے دل پر انگارے پڑیں۔ اس لئے میں بے بس ہو
گیا۔ اور بعد میں مجھے ہوش نہیں تھا کہ کیا ہوا۔

ہم جی کو صبح پانچ بجے امی کو گانے آواز دی۔ اس وقت امی مسلسل بانگنے کی وجہ سے سو رہی تھیں۔ میں جاگی ہون اور اباب کے
کمرے میں گئی۔ آپ بچنے لگے اور میری پی پی سے پاس بیٹھو۔ اور بتاؤ کہ اس مرتبہ عید کا کیا پر ملکا ہے۔ میں نے کہا کہ اس مرتبہ تو امی نے ہمارے
کپڑے بنائے اور یہ خواہش ہے کہ آپ کے ٹھیکہ اور تندرست ہونے پر راد پھنڈی جائیں گے اور وہی جا کر میلاد شریف کرائیں
گئے اور سننے پر سہم نہیں گئے۔ اسی دوران اتنی بھی جاگ اٹھیں اور آپ بچنے لگے ہاں بیٹی صوف ایک گھنٹے کا پروگرام ہو گا۔ اس کے بعد
امی نے تھوڑا میٹر لگا دیا۔ لیونڈ ڈاکٹر صاحب نے حال بتانا تھا۔ اتنی نے ناشتہ دینا شروع کیا کہ چچا بھڑکی کے لڑکے علی بھڑکی شریف سے آئے
اور بچنے لگے۔ مجھے مثل حالت بتانی جائے تا کہ میں اباب کو جان کر بیان کر سکوں۔ خالو نے کہا آپ اندر جا کر خود ہی دیکھ لیں۔ کیونکہ اباب اس وقت
بالکل نادم تھے۔ اور کچھ کانپ رہے تھے۔ خالو نے امی سے کہا کہ باجی دیکھیں یہ کانپ کیوں ہے۔ اس پر صوفی گھر کے سب لوگ
اٹھ پڑ گئے اور اتنی سے نجف آباد میں دو مرتبہ کچھ کہا جو کچھ میں نہ آیا۔ اور میں مائیں میں شروع کر دیں۔ اسی وقت کو راجن ان کے
منہ میں ڈال دیا پھر نے اموں ڈاکٹر کی طرف بھاگے۔ لیکن ڈاکٹر کے آنے سے پہلے آپ ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئے۔

پیائے آبا

نور شید شوکت

جوانی ملا لڑکا غالباً آخری ہفتہ ہو گا۔ تین مہینے سے بچے نہیں۔ یہ حال ان دونوں میں ایک روز، سینے دھرتے وقت
ہمے فرصت پا کر پہنچنے والے ساتھیوں کے ساتھ خوش گپیں بین معروف تھا کہ کسی نے دروازے کو آہستہ سے کھٹکے۔ باہر میں نے بڑی
بدامی کے ساتھ بہت ہی افسرانہ انداز میں کہا "YES COME IN"

دواڑہ آہستہ سے کھٹکا اور دیکھا کہ آبا سونپتے ہوئے کمرے میں داخل ہو رہے ہیں۔ آبا کی اس غیر متوقع آمد نے مجھے کچھ دھکیلا
اور میری نیچے جلی ہوئی کمرسی گرت گرتے چلی۔ آبا کے ساتھ ان کے لاڈلے نسیم ممتاز سید جی تھے جن کو آبا بڑے سہارے
پر لہا کرنے لگے تھے۔ حالانکہ ان پرچا سے کاہنہ دوق کی کوئی سے کہیں ڈوڑکا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اگر بچے معلوم ہوتا کہ یہ میری اور آبا کی آخری ملاقات ہے تو میں کیوں ان کو انی حد ہی جانے دیتا میں ان کو لے کر نہیں
رہائی میں جلا جاتا جہاں میرا بچپن پھر ٹوٹ آتا، میں ان کی گود میں سر رکھتا، ان کے بالوں سے کھینچتا ان کی گردن میں باہیں لٹا کر
صدا بھرنا ان سے اتنی بہت ساری باتیں کرتا، اتنی بہت ساری باتیں کہ جو کبھی نہ سمجھتی تھیں۔ لیکن محسوس کہ میں کوئی خاص بات
نہ دیتا تھا۔

میرے سامنے آبا سے ملنے کے بے حد متنتی تھے اور اس وقت کی غیر متوقع ملاقات سے بہت خوش تھے۔ دوران کی خوش
حالی کہ اس حشر سے وقت میں زیادہ سے زیادہ باتیں کر میں اور میں خاموش بیٹھا ہوا بڑی فراخ دلی کے ساتھ ان کو یہ موقع فراہم
کر رہا تھا۔ لاش میں جان سکتا کہ یہ لمحے میرے لیے کس قدر قیمتی ہیں۔

میں خاموش تھا لیکن میری آنکھیں آبا پر تھیں اور دماغ زندگی میں پہلی مرتبہ آبا کے جسمانی تغیر پر حیران تھا کہ ایک دم سے
کیا ہو گیا۔ بال سفید۔ آنکھوں میں چمک کی بجائے ایک مستقل سوچ۔ چہرے پر جھڑیوں کے آثار بکھلے ہوئے شانے۔ ایک دم سے اتنی
ضعیف پتہ نہیں کیے ان پر ٹپک پڑی تھی۔ آخر مجھ سے نہ رہ گیا اور میں نے پوچھ ہی لیا۔

"آبا آپ کو یہ ایک مہم سے کیا ہو گیا ہے، آپ اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتے شاید؟"

آبا نے میرا مطلب سمجھ لیا اور مسکراتے ہوئے بولے "بہا صحت کا خیال تو رکھتا ہوں لیکن عمر کی رفتار کیسے روک سکتا ہوں
اس کے بجائے تو کچھ تقاضے ہیں جو پورے ہو رہے ہیں اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟"

ابنے کے اس جواب سے میں مطمئن نہ ہوا۔ میں اس موضوع پر زیادہ دیر لکھ کے میں آبا کو کسی دہی اختیار میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس سے باندھیں یہ ختم ہو گئی۔

توڑی دیر بعد جانے کے لیے اٹھے تو سیرکال پر بڑے بیاد سے ایک جلی سی چپٹ ٹکٹے سے بوسے : سیدہ! اب چند دھوپ میں دو دن بن جائے گا۔ تم اب دلن لا رہے ہو؟ میں سنہ نہ ماکر نظریں جھکا میں۔

اپنے بچہ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہ: بچے جناب! انھوں نے تو جی سے تمہارا شروع کر دیا یہ آبا وائیں لگے تو کچھ دین کے بعد آبا کے خط : نا کھنت بند ہو گئے۔ میرے لیے یہ کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ آبا دیا ہو۔ تاکہ کافی دنوں کے لیے آبا غوطہ کھا جائے تھے اور میری تہ چلتا تھا کہ میں باہر مشا عر و غیرہ میں لگنے ہوئے تھے با اسی ہی کوئی خاص مصروفیات تھیں کہ جو اتنے عرصے خد نہ کھ سکے۔ لہذا میں بھی خاموشی کے ساتھ ان کے خط کا انتظار کرتا رہا۔ اُن ہی دوران آبا نے میری عید صاحب سے ملاقات ہوئی جو ایک دن پہلے پنڈی سے لاہور تشریف لائے تھے۔ عید صاحب صاحب کی رہائی کے لیے اس بات کی اطلاع ملی کہ چھ دنوں آبا کی طبیعت کافی خراب ہوئی ہے اُن کے پیر کے انگوٹھے میں گاؤٹ ہو گیا ہے۔ خلافت توقع آبا کا خط جو انھوں نے ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو لکھا تھا۔

پیاد سے غور مشہد جیتے رہو

میاں محمد کو گاؤٹ ہو گیا ہے۔ پیر کے دنوں انگوٹھوں نے لہ کو "گلوٹم بدھ" بنا کر رکھ دیا۔ مرض خطرناک مزور ہے مگر مطمئن رہو کہ اب میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا ہوں۔ چڑھے کا جوتا تو ابھی نہیں پہن سکتا۔ گر بڑکے جوتے پہن کر رینگ رہا ہوں۔ پر میری نہایت شدید پرورد ہے صرف ابی ہوئی حرکیات کھاتا ہوں۔ گوشش یہی ہے کہ یہ مرض دل تک نہ اٹکے اند میں اسے پیر ہی سے شکر اداوں اور ہیر کے ٹینگے ہی پر مار دوں۔ تم نہ خود گھبراؤ نہ کسی کو گھبرانے دو۔

دھن کو میری بے پناہ دعائیں پہنچاؤ آبا کو بھی دعائیں اور اپنی اُمی کو نہایت اوجے آداب۔ خط مختصر اس لیے لکھ رہا ہوں کہ اس بیماری نے ذرا کام چھوڑ دیا ہے۔ بہر حال تم کو میری خیریت کی ضرورت ہے وہ تم کو مل گئی۔ یہ عذر تنگ نہیں ہے بلکہ عذر تنگ ہی وہ اصل میرا مرض ہے۔

تمہارا شرکت

اتنی جان کو جب سے آبا کی اس بیماری کی اطلاع ملی تھی وہ بید پریشان تھیں اور ہر وقت آبا کی صحت و تندرستی کی دعائیں مانگتی رہتی تھیں۔ آبا کے اس خط نے بھی اتنی جان کو مطمئن نہ کیا اور انھوں نے پیر آبا کو خط لکھا کہ اپنی اس بیماری کی پوری تفسیلات لکھے ساتھ ساتھ اتنی جان کو جواب میں ایک مفصل خط بھیجا جو ۲۷ نومبر ۱۹۱۷ء کو لکھا گیا تھا۔

بگیم صاحبہ!

آداب۔ آپ کا خط موصول ہوا۔ آپ میری بیماری کی تفصیلات پوچھنا چاہتی ہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ

بر تہیبت نہ پچھیں اس لیے کہ میر جاوی خطا تک بھی ہوتی ہے ، ارادہ نامیہ جو سر رکھاں نے تو کوئی بھی نہیں
نہیں۔ ہر صورت جس طرح میر اپنی طرف سے کھینچاں میں چاہا ہوں کہ آپ بھی اسی طرح رہیں۔ وہ ہے :
گذاشت آپ کے لیے جیسا کہ آپ کے لٹا جانے کی بجائے نہیں ہے۔ وہ بھی میر کی سب سے بہتر باتوں کا انتخاب
تھا۔ لیکن یہ سوچنے کی کوشش کیجئے کہ اگر یہ میری نہ ہوتی تو میری اور میرا سے کیا ہوتا۔

وہ اہل ہوا ، ان سے ہم میں " سب سے زیادہ تیز" ہوتی ہے وہ۔ تر و تازگی سے زیادہ بڑھ چکا
تو ہم کے کسی نظمی نفعی میں معیج ہو جاتی ہے اور بڑیوں کے "ی جزین" تحفہ پیدا کر دیتی ہے ، اور اس کے
ذرت خون میں شامل ہو کر دوراں حوان سے ساتھ دوسے می نہ رہنے کے ہیں لہذا اگر اس کا کوئی ذرہ دل سے
نہ لڑے گا ، اور ایک ہٹانے تو مروت ہو سکتا ہے۔

مگر کچھ امید ہے کہ یہ نوبت شمار اندر آئے پاسے کی صلیبے تعلیف ست حد یہ ہے۔ کچھ دن پہلے
تو یہ حال تھا کہ چت چرنا کی معنی ، تر و تازگی اس سے بھی کوئی کمزور جاتا تھا تو اس نے میر کی طرف سے
میری جان پر جاتی تھی چہرے میں مظلّم غم تھا نہ کھسمانے لگا ، اور نہ رشتہ اس قابل ہو گیا کہ بڑا جوتا پن پر
تھرا بہت چلی چر سکوں۔ ب میں ہی چر سکتا ہوں۔ میری دیر سے یہ دفتر ہی آجاتا ہوں ، وہں بھٹکے کے لیے
ایک آدھ چائوں میں ہی شرکت کر لیتا ہوں ، گلاب تک اس قابل نہیں ہوں کہ چائے کا جھکا پن سونہ پر کر کے
دونوں انگوٹوں میں بھی درو موجود ہے۔ کھانے کا ٹوش۔ "ش کی دال"۔ گوشتی۔ آٹو۔ ادوی۔ کرم۔ کاغذ
اسی قسم کی دوسری چیزیں مع چاول نے زندگی بسر کے لیے حرام کر دی گئیں ہیں اور آج کی تو چر میر اتنا سخت
ہے کہ ڈیڑھ مہینے سے صرف آبی ہوتی ہے سالہ چیزیں کھا رہا ہوں۔ حد یہ ہے کہ کھانے کے ساگ کا نہایت
بہترہ سوپ تک پینا پڑتا ہے جب تک یہ درو موجود ہے یہی کرنا چاہیے گا اور اس درو کے جانے کے
بعد بھی شدید احتیاج میں کرنا پڑیگی اس لیے کہ یہ کھن خواب تک ہی چلے ہے۔

دفتر وادوں نے فی الحال یہ اجازت سے رکھی ہے کہ میں کم سے کم کام کروں اور جتنا کام چاہوں گھر
پر کروں اور جتنا چاہے دفتر میں کروں ہر صورت امید ہے کہ اپنی احتیاجوں کے بہار سے چلتا رہوں گا۔
میر میری بہن کے مبارک تھم ہیں کہ میں اس سخت جھٹ سے بچ گیا اور خورشید اس سخت حادثے کے باوجود
محفوظ رہا۔ خدا کرے خورشید اب بحریہ میری دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔

بچوں کو میری طرف سے شکریہ بھرنے دیجئے گا اور یہ واقعہ بھی ہے کہ خطرہ بڑی حد تک ٹل چکا ہے
بس اب دعا کیجئے کہ دوسرا حملہ نہ ہو۔

معلوم نہیں دلس لاکھ میں ہیں یا گراہی روانہ ہو گئیں۔ سید کو چاہئے کہ جب تک کوئی معقول ملو

منزل انتقام نہ کر میں وطن کو نہ بائیں بہر حال وہ خود بھاری سے کام میں گئے۔
وطن غور شید اور بلبل کو بہت بہت دعا میں۔

خیر اندیش شوکت

اچانک میری شادی کا پروگرام بنا بنا کر تاریخ سے مطلع کیا گیا۔ مگر میں شادی کی جس پہل مٹی اور ہر شخص بڑی سبے جی سے آباد مندرہ کہ شام کی ڈاک سے ایک خط آیا کہ جانی جان کے نام سبھی اور گھر کی ساری پہل پہل جیسے سو گئی۔ خط کا مضمون تو مجھے یاد نہیں لیکن وہ خط جانی جان کے نام تھا اور ان ہی کے پاس محفوظ ہے۔ بہتہ یہ ضرور یاد ہے کہ انھوں نے لکھا تھا کہ وہ شادی کے دوسرے روز ولیم میں ضرور شریک ہوں گے اور میرے سرے کے کچھ شعر لکھ کر بھیجے گئے جو میری زندگی کا ایک عظیم سرمایہ ہیں۔

خود نہ نہ لڑا میرے تار نظر کا سہرا میرے بیٹے میرے غور شید ہر کا سہرا
نیم روز کا ہے نہ ہے محل و گھر کا سہرا ہے معیتہ کی وفاؤں کے ان کا سہرا
گوند حشے دل ہی مرا سہرے کی دھڑوں پر کئی کیوں نہ ہو یہ ہے میرے تخت جگر کا سہرا
ہٹے دیتے ہیں سیتہ اور کھلے جاتے ہیں عیتہ دیکھ کر جانی کے سر پر لگی تر کا سہرا
چاندنی ایک من اور ہے دولہا غور شید کیوں نہ پھر اس کو کہیں غصے و تر کا سہرا
ہوئے دختر کے فراغ سے سبکدوش حشہ شاد ہیں دیکھ کے اب بیٹے کے سر کا سہرا
ماہی زینت سبکیہ دن کہ ہے دیکھا شوکت

شب امید کی تابندہ سحر کا سہرا

شادی کے روز یہ سہرا میرے چھوٹے جانی بابا نے پڑھا اور جس نے بھی سنا اسے اس قدر پسند آیا کہ اس نے بار بار پڑھنے کی فرمائش کی۔ میرے خسر جناب ایم اے رشید صاحب نے سہرے کو سن کر بے ساختہ کہا: "یہ سہرا کوئی بڑے سے بڑا شاعر نہیں کہہ سکتا صرف باپ ہی کہہ سکتا ہے۔" پتہ نہیں اس سہرے میں کیا بات مٹی۔ شاید جلد بات کی اس قدر فراوانی مٹی کہ جس نے بھی سنا آنکھ میں آنسو بھر لایا۔

میں بھی دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا کہ آبا کیوں نہیں آئے کہ دوسرے روز آبا کا ایک مختصر سا خط پہنچا کہ "بیٹا! میرے نہ آنے پر اپنا دل میلانہ کرنا۔ بعد میں آئے کے لیے بالکل تیار تھا کہ ایک دم بڑے پریشان ہوتا ہوا گیا کہ ڈاکٹروں نے سفر کی قحطی مانعت کر دی اور میں آئے سے مجبور ہو گیا۔ بہر صورت میں اپنی بہو کا خیر مقدم انشاء اللہ جلد ہی کسی اور موقع پر کروں گا اور اس کے سر پر ہاتھ پیوں گا۔ فی الحال تم مجھ کو روحانی طور پر وہاں موجود سمجھو۔"

۲۸ جنوری ۱۹۶۲ء کو مجھے خوب تیز بخار چڑھا اور میں ہسپتال میں شدید درد کے مہتر پر بیٹ گیا پہلے تو ڈاکٹر نے ٹونیکس کیا لیکن جب مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی تو ڈاکٹر صاحب نے بھی اپنی رائے بدلی۔ خون ٹسٹ ہوا، ایک سرے کرایا گیا اور آخر مجھے شدید قسم

شعیری والدہ محترمہ نے میرے بڑے جانی جان سے میرا اچھا جانی ڈباا، مجھے میرے خسر کا نام

یہ بن بنا دی گئی۔ ایک لہو اسپر پانی میں غرق ہوا تھا۔ سارا گھر پریشان تھا، انہرے پھر رہے تھے، کسے یہ بچے بستر پر، یا یہ تھامیں
دوست کی طرف سے بے حد کھرمند تھا اور درد کر اپنی جان بھانے لگے، جبار کا کہ "ایا ادا رہے ہیں" اپنی جان نے میری یتیم
نہت آبا کو لکھ کر بھیج دی تھی جس کے جواب میں آبا نے ۱۶ جنوری ۱۹۷۱ء کو راولپنڈی سے بچے یہ خاک کھا۔
پایا سے بیٹے خورشید۔ بیٹے رہو

تم نہایت چوقہ آدمی ہو کہ جباری و جباری کے مسئلے میں طاقت سے پریشان ہو گئے ہو۔ تم اہمیان
رکھو کہ تمہارا باپ تم سے فوراً ہی تم سب اس کی دعاؤں سے بہت قریب ہو۔ میں نہ جھلنے سے تم سب کی
صحت اور زندگی کی بیک ناکگنا۔ جتنا ہوں اور بچے پورا اتفاق ہے کہ میری یہ دعا میں وہ بے نیاز قبول ہی کرنا ہے
میں نے ابھی حکیم نیر و اسی کو خط لکھ دیا ہے وہ ضرور تم کو کر دیکھیں گے۔ میں نے صفر میر صاحب کو بھی
خط لکھ دیا ہے وہ بھی تمہاری رخصتوں میں تم کو نقصان نہ پہنچنے دیں گے۔ اور ہر اقدار سے اللہ کا فضل ہے گا۔
تم ہرگز نہ گھبراؤ اور پھر ہی طرح اہمیان رکھو کہ تم کو انشاء اللہ میری زندگی میں کوئی نقصان نہ پہنچ سکے گا۔
میں نے مناسبہ کہ تم روتے رہتے ہو۔ نہایت اہم ہو۔ تمہاری دامن بھی کیا کتنی ہو گی کہ کینا دنیا میں
ٹاپے۔ اپنے دل کو مضبوط کرو۔ علاج اور ہر چیز کا خیال رکھو۔ طاقت کی فکر نہ کرو۔ اللہ کا حکم ہے۔ یہ سنکر
تمہاری نہیں میری ہے۔ اچھا میں آج سے تم یہ یقین کرو کہ تم اچھے ہو رہے ہو اور اللہ اللہ بہت جلد اچھے
ہو جاؤ گے۔

میں غریب لاہور آکر اپنے بیٹے سے ضرور ملوں گا اور تندہ ست بیٹے سے خوش لگا۔ بابا کو حکیم صاحب
کے پاس بھیج دو وہ ان کو لے آئے اور طبعیون پر ان سے وقت مقرر کرے۔ اپنی اتنی کو اتنی دو۔ خود بھی لینا
رکھو اور اپنی دامن سے بچنے بھی نہ کرو۔ اس کے آنسو پونچھو۔ دلا کر اس کا اور شک ہو جاؤ۔
سعید دامن کو اور خورشید دامن کو دعا میں لکھو۔ بابا کو پیار کرو۔ اپنی اتنی کو ادب لکھو۔

تمہارا دعا گو بابا

شوکت

آبا کہ اس خط نے مجھے بہت بڑا سارا دیا اور میں نے جلدی جلدی سننا شروع کر دیا۔ حکیم نیر و اسی صاحب مجھے آکر دیکھ گئے تھے اور
بھائی جان بھی میری بیماری کی اطلاع پا کر کراچی سے چھٹی لے کر لاہور آ گئے تھے۔ علاج پورے زور شور سے ساتھ ہمدرد قلم ہر دوسرے
تیسرے روز میری غیریت معلوم کرنے کے لیے آبا کا خط اتنی جان کے پاس آ آ تھا۔

۸ فروری ۱۹۷۱ء کو آبا کا ایک اور خط میرے نام پہنچا۔

میری جان۔ میری عمر بچے لگے۔

خورشید خدا کے لیے یقین کر لو کہ میں راولپنڈی میں ہوں مگر میری روح تمہارے پاس ہے کہ نہ جلد میرے
لیے تندرست ہو جاؤ گے۔ دیکھو میں تم کو بناؤں۔ تم کو یاد ہو گا کہ میں میرے ایک دوست سے برکت لے رہا تھا۔

میں کو شدید پوری مٹی خدا کے فضل سے اب تک ڈنڈے پہلنے پھرتے ہیں۔ خدای جان سے خود راہ جگر صاحب کو
شدید پوری مٹی مگر انتقال قب کی وجہ سے ہوا اور نہ جانے پوری کے کھنڈے میں بنش گئیں کہ تندرست ہو چکے
ہیں۔ میرا چاند بھی اسی طرح ضیغ ہو جانے کا انشاء اللہ۔ حکیم نیر داسلی صاحب کا ایمان بخش خط لکھ کر مل چکا
ہے۔ سقیم کا خط بھی مل گیا ہے مگر میں جس قدر بھی جلد ہو سکا اپنے بیٹے کی دیدہ جوئی کے لیے آؤں گا۔ ضرورت
یہ ہے کہ تم جیسے تندرست ہو۔

اچھا اب ایک کام در آ کر دو کہ بابا کو بلا کر حکم دو کہ وہ میری کتابوں اور تصویریں وغیرہ میں ڈھونڈ
کر خواہ گروپ میں ہوں یا عیدہ عیدہ مندرجہ ذیل لوگوں کی جتنی تصویریں بھی مل سکیں فوراً رجسٹری کے ذریعے
بیچ دے ایک کتاب کے لیے شدید ضرورت ہے۔ بیٹے! یہ کام میں تم سے یقیناً گرم جوار ہو تو اپنی گزائی ہوئی
بابا سے یہ کام کروادو۔ جن لوگوں کی تصویریں دکا رہیں وہ یہ ہیں: ۱) سدا آتشی (۲) سید جالب پوری (۳) بھلا بگڑی
۴) ابن سونی (۵) نسیم انواری (۶) سراج (۷) قدیر (۸) رفیع احمد خان (۹) ظریف کھنوی

ان میں سے سب نہ سہی جن جن کی تصویریں میں اور میری اگر پرانی تصویریں ہوں تو بیچ دو۔ شفا مار چٹلی
تصویر بہت ضروری ہے۔ میں یہ سب تصویریں ہلاک یا ختم ہوا کر داپس کر دوں گا۔ میری کچھ دوسرے کی تصویریں
بہت ضروری ہیں۔

اچھا اب تم تندرست ہو جاؤ اور میری بقیہ عمر کا تحفہ قبول کرو۔ اپنی اتنی کو تسلیم کہ سناؤں کو مطلباً کہنا
تمہارا بابا شوکت

میری طبیعت بہتر ہو رہی مٹی سس کے باوجود ابابا کی غیر موجودگی کی وجہ سے میں نے آساؤ ہو کر میں نے خط لکھا جس کا بابا اب نے اٹھا
۱۹۶۳ء کو لکھ دیا۔ جو کہ میرے نام ابابا کی زندگی کا آخری خط ہے۔ بلکہ میرے نام کیا غالباً اس خط کے بعد انہوں نے کسی کو خط نہیں لکھا
اور یہ ان کے خط کی آخری تحریر ہے اگر پیراس کے بعد کسی اور کو خط لکھا ہو تو میرے علم میں نہیں ہے۔

۸ مارچ ۱۹۶۳ء

پاپا سے خود شیعہ سلامت رہو!

تمہارے ہاتھ کا لکھا ہوا خط میرے لیے بہت بڑی نعمت ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ تم کو صحت عطا فرمائے۔
میں نے بھی حامد جلال صاحب کو خط لکھ دیا ہے تم کوئی فکر لازمیت وغیرہ کی نہ پالو جان ہے تو جہاں سحر
میاں کاش میں تم کو لکھ سکتا کہ میں صحت کے سلسلہ میں کئی حالات سے گزر رہا ہوں۔ صحت بگڑتے بگڑتے
اس حالت پر اب پہنچ چکا ہے کہ اب پندرہ دن سے بالکل صاحب فراش ہیں۔ بخار تو نہ جانے کب سے شام کو ہو جایا
کرتا تھا اور اندھ ہی اندھ مجھ کو گھل رہا تھا مگر میں نے اس کی پروا نہ کی۔ لاہور کے مشاعرے میں گیا تو بابا اور شیدھا
کو خود دکھا دیا تھا کہ لودیکھ لو بخار اس وقت بھی ہے۔ بہر حال اس بخار کے بعد کاشی اور کاشی کے بعد بطن
کے صاف ہونے اور نہ جانے کیا کیا شروع ہوا اور مجھ کو بالکل ٹھیک دیا گیا۔ مجھ سے اب تک کہا تو یہی جارا ہے کہ کوئی

نہیں بہت نہیں کوئی عذر کہ بہت نہیں گریستیں تھیں، خدا ہر عین زوں اور انہوں سے چہاں ہوں کہ رب کا
خواہ غلام پریشان کیوں نہ کہیں۔

میں ہفتہ ہفتہ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ تم کو خوش رہنے کا موقع ملے، تم پر ہر نظر نہ ہونا۔ ۲۲: ۲۳
کہ تمہارا ہونا کہ تمہارا صاحب دعا کریں گے کہ تمہاری ۲۳: ۲۴ دعا تو کسی نہ کسی طرح ہو رہی ہوں گی۔ چہاں ہو کہ
ڈاکٹروں سے اپنا سائنس بھی کر ڈالو۔ اس دوران تم سے بھی انشاء اللہ ضرور حوں گا۔ سب کو سلام دعا کہہ دو۔
بابا کو پیار۔ اپنی دین کو بے حد دعا میں ہو

نہاں — خواتین

آج کے اس خط نے سامنے لکھ کر کہ جو اس کرویا۔ اتنی جان نے خیریت مہم رہنے سے فوراً ایک خط راہ پنڈی روانہ کیا جس کا
پہرہ بی جواب نہیں ملا۔ دو یا تین دن بعد ۱۹۳۳ ع بھی آگئی کہ جب آتا کو کہہ دیتا تھا۔ مہم حمار چ کی بھی اخبار سے یہ اطلاع ملی کہ
ان آتے گزرنا تو میں گورنر صاحب سے تعذرا جازیا ہے۔ اس خبر سے قدرے اطمینان ہوا اب ہر لمحہ آنا کا انتظار تھا۔ جب
تین چار دن گزر گئے تو میں کو توں نے کہہ دیا کہ آتا میں پنڈی چلے گئے کیونکہ متنے وان پنڈی سے فیہا عذر رہنا آتا سے یہ سب
مشکل تھا۔ میں اس خیال سے کہ آتا چہریم کو توں سے ملے بغیر و اس پہلے گئے بہت فتنیں تھا۔ اس دوران میں نے ایک خط آتا کو
لکھا شروع کیا لیکن پتہ نہیں کیوں وہ نام مل رہا تھا اور آخر وہ کس گزری بھی آگئی جب مجھے آتا کی تشویشک حالت کی اطلاع ملی۔
یہ کہہ اپریل ۱۹۳۳ کی بات ہے۔ میرا چھوٹا بھائی بابا اپنی جا بھی فریدہ کے ساتھ ل کر اپنے دوستوں کو فرست اپریل فوٹ بندھ تھا
اسی نوٹیں کھیر کھائی جاتی اور کسی کو بیان میں پہنچتی ہوئی سرخ مرچ ڈال کر کھلاتی جاتی اور کھانے والا "خود بخود" کر کے جاتا۔
رات کے ۱۰ بجے ہوں گے کہ مجھے اطلاع ملی کہ اب اس نئی صاحب تشریف لائے ہیں۔ نئی صاحب میرے پاس کر سے میں
تنگے اور بابا و فریدہ نے جلدی جلدی ٹینس کھیر تیار کی لیکن اس سے پہلے کہ نئی صاحب وہ ٹینس کھیر کھاتے انہوں نے یہ کہہ کر ہم
و توں کے حق میں تیزاب اٹھل دیا کہ "شرکت صاحب کی حالت بہت تشویشک ہے۔ ان کے جگر پر پتھر پڑ گیا ہے اور وہ اس وقت
کڑھی شاہو اپنی چھوٹی بیگم کے گھر پر زیر علاج ہیں۔ مجھے نہیں یاد کہ میرا اس کے بعد میں نے نئی صاحب سے کیا باتیں کیں یا انہوں
نے کیا کہہ کیا۔ جب میرے ذرا حواس درست ہوئے تو نئی صاحب جا چکے تھے اور بابا بیٹھا ہوا کھجور کھا رہا تھا۔ جانی جان اپنے
آپ کو سنبھالنے، دیکھنے آپ کی طبیعت خود شیک نہیں ہے اگر آپ نے اتنا اثر لیا اور خدا نخواستہ آپ کی طبیعت چہرہ گڑبڑ ہو گئی
تو کیا ہو گا۔ اللہ پر ہر وسوسہ رکھے انشاء اللہ یہ خبر غلط ہو گی۔"

اتنی جان کو جب آتا کی بیماری کی خبر ہوئی تو وہ ایک مہم سے اپنے حواس کو بٹھائیں اور ہر وقت جھولی پیلائے اللہ کے مانگے
لوگوں کو اتنی رہتیں ان کی حالت بھی نہیں دیکھی جاتی تھی رات دن جاتے غناز بچائے یعنی دور رہی ہیں اور آتا کی صحت و تسکین کی ڈانگ
بانگ رہی ہیں۔

جانی جان کو بھی بابا نے اطلاع دے دی تھی اور وہ لاہور آنے کے لیے چھٹی مائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ڈاکٹر نے
ابھی تک کہہ چکے تھے کہ جاننے کی اجازت بالکل نہیں دی تھی اور میں آتا کو دیکھنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔

۴۔ پرل سٹریٹ کو آتا یہ ہسپتال امیر۔ رُخسہ داخل ہو گئے۔ میں آبائی بیماری اور اتنی جان کی جرحی صحبت تمہارے۔
میرا نہ رونا کو جان جان بھی ہر پہلو گئے اور آتے ہی آبائی بیماری میں مصروف ہو گئے۔ جانی جان صبح ہسپتال جلتے ہوئے۔
گئے گھر میں آتے۔ آتا اور رشتہ بھلا کا ہی۔ بد وقت اسپتال ہی میں گزرتا یہاں گھر پر اتنی جان فریدہ اور دھوٹ اندر کے سر
گھر گزرنے سے۔ میری زبان پر تو جیسے یہ کہہ دو ہو کہ حاکم۔ خدا میرے آبا کو اچھا کر دے۔ خدا میرے آبا کو اچھا کر دے۔ میں
حاکم سے ہر وقت ہی کہہ رہا ہوں۔ آخر مجھ سے نہ۔ آگیا اور اب روزوں ڈاکٹر سے زبردستی اجازت لے کر جانی جان کے رشتہ۔
کو دیکھنے ہسپتال پہنچ گیا۔ اب میں کیا بتاؤں وہاں بائیں میں نے کیا دیکھا۔ ایک بڑیوں کا ڈھانچہ چٹک چڑھا ہوا تھا۔ اگر جانی جان سے
ساتھ نہ ہوتے ہر جگہ نہ بتاتے تو میں۔ بائیں کے پاس سے گزر جاتا اور اسی نہ چہان غلط آکا کو اس محل میں دیکھنے کے لیے میں۔ مکان
نہ تھا اور مجھے اپنے آپ کو سنبھالتا نکل چکا۔

آپنے مجھ کو دیکھا تو اکھڑ میں تنہا ہو گئے۔ اور جانی جان بڑی آواز میں بولے۔ بیٹا تم کیوں آتے۔
جانی جان نے جلدی سے آگے بڑھ کر آنا کو تسلی دی کہ میں ڈاکٹر کی اجازت سے ہسپتال آیا ہوں اور اب مجھے ڈاکٹر نے
اجازت دے دی ہے کہ میں غوراً بہت چل سکتا ہوں۔

اتنے آنکھ کے اشارے سے مجھے کرسی پر بیٹھ جانے کو کہا۔ اور پھر ان پر غشی عاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد انھوں نے آنکھیں
اشا۔ سے سے جانی جان کو بلایا اور بہت ہی آہستہ بولے۔ بیٹا تمہاری دماغی کراچی میں ہے خور شید کی دماغ کو دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔
جانی جان نے آبا کا ہاتھ سلاتے ہوئے کہا۔ خور شید تو آج ہی فریدہ کو ساتھ لا رہے تھے لیکن میں نے دیکھا کہ یہاں
ڈاکٹر زیدہ آئے ہوں پھر اعتراض کرتے ہیں برا حال کل فریدہ بھی آجائیں گی۔

میری تینوں بہنیں شوکیہ، فوزیہ اور فیضیہ بھی اپنی جہاں سے ملنے کے لیے بے سبب تھیں۔ میں نے سوچا کہ کل ضرور فریدہ کو
لے کر آؤں گا۔ اتنے میں میر صاحب دھیم متا زبیدہ بھی آگئے۔ ان بیمار سے نے تو آبا کی محبت میں اپنے کو بالکل وقف کر لیا تھا۔ آبا سے
بیم صاحب کو دیکھا تو اشارے سے اپنے پاس بلایا اور بڑی محبت سے بولے۔ سید اپنے ہاتھ سے ایک پان تو کھلا دوستا بدستہ کے ہاتھ
کا پان کھا کر شفا ہو جائے۔

اور اتنی جان کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی تھی کسی بات کا ان کو ہوش نہیں تھا نہ کھانے پینے کا اور نہ کپڑوں کا۔ دن میں
دو تین بار اختلاجی دھڑکنا اور بڈ پریشاں کی کم خطرے کی حدوں میں پہنچ گیا تھا اور وہ پل رہی تھیں کہ کسی طرح مجھ کو اپنے آبا کے پاس
اسپتال پہنچا دو جبکہ ڈاکٹر ادا با کے دوستوں کی قلعی دے نہیں تھی کہ اس عالم میں اتنی جان اسپتال آئیں قلعی ممکن تھا کہ اس حال میں آبا
کو دیکھ کر وہ ہسپتال کو نہ سنبھال پائیں اور پھر اس کا اثر مریض پر کتنا خراب پڑے گا۔ اس لیے ہم لوگ ہر طرح سے اتنی جان کو ٹال رہے
تھے کہ ابھی آبا سے ملنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔ ہم لوگ بھی باہر ہی باہر سے خیریت معلوم کر کے آ جاتے ہیں۔ سارا ان کی ہیئت سنبھل جائے
پھر جا کر دیکھ جائے گا۔

دوسرے دن جب میں اسپتال گیا تو فریدہ بھی میرے ساتھ تھی۔ شوکیہ، فوزیہ اور فیضیہ بڑی دیر سے اسپتال میں اپنی جہاں کی
نظر تھیں جیسے ہی ہم دونوں کو آنا دیکھا تینوں دھڑکنا اپنی جہاں سے پٹ گئیں۔ آبا نے فریدہ کو دیکھا تو اسے محبت کے اکھڑ میں نہ ہونے

تھیں۔ سینہ کوٹھے کی تھیں۔ بال فوطہ کی تھیں اور ہر ایک سے لپٹ لپٹ کر یو پیر رہی تھیں۔ جاؤ یہ کیا ہوا۔ کہہ دو کہ بھر فطرت جو بھی جان کی یہ حالت دیکھتا جھوٹ جھوٹ کر رہنے لگا۔ سو شید ہوا۔ غریبہ اور غریبہ کی حالت۔ وہ بھی وہی تھیں اور عاتقی جان کو بھی سرور کی تھیں۔ آباؤ بیکارہ ایک طرف ہیں۔ عاتقی جان مجھے سینے سے لگانے لکھتے خود رو رہے تھے اور میرے آنسو پورے نہ تھے جب میں زیادہ ٹھہرا ہوا تھا تو جانی جان مجھے پڑا کہ دوسرے کوسے میں لاکر بھانے لگے۔ عورت شید ہوا کہ لوگ تو خوش قسمت ہیں ایسے شخص کے بیٹے ہیں کہ جس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور جب تک سوکت خا فوری کا نام زندہ ہے ہمارا بابا زندہ ہے۔ اور اگر تم اس طرح نہ ہو گے تو باقی روح کو اس قدر تکلیف ہوئی۔ تھیں یاد ہے ابک غلاموں نے تم کو گھسا گھا کہ میری بقیہ مراد غلاموں کو دے۔ اہل نے اساتذہ کو سکویا۔ اٹا، بندھی ان کے لیے دھننے معصرت کر دی۔

میں نے کہیں سے جوتے پاؤں کو ڈیرا اٹھا لیا اور بے ساختہ میری زبان سے نکلا۔ خدا میرے آباؤ بی کو دے؟

”جو نہ مرتا کوئی دن اور —“

عادل رشید

[illegible]

۱۳۶۶ء میں طرغیہ صاحب طہنہ لے کر بمبئی پہنچے جہاں ان کے دو صاحب دوست تھے۔ ان کے ایک صاحب دوست نے ان کے ساتھ ایک سال تک رہا۔ ان کے ایک صاحب دوست نے ان کے ساتھ ایک سال تک رہا۔ ان کے ایک صاحب دوست نے ان کے ساتھ ایک سال تک رہا۔

میں اپنے مولیٰ صاحب سے باب الف و ذیہاج اور جہ و ذیہر بنی پڑھ رہا تھا اس وقت شرکت خانوی صاحب کی شہرت دلی دہلی مات جو گئی کے حساب سے پڑھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ جب میں پینس ڈلی اسکول، ٹھکی کالج "ار اہد میں پانچویں جماعت کا طالب علم تھا تو شرکت خانوی صاحب سرمنشی کھنڈو کے درمخترم جو کہ اپنے مزاج سے لوگوں کو بالائی اور دیرانہ بنا رہے تھے۔ ہر منہ "سرمنشی کھنڈو کی آمد کا انتہائی بے صبری کے ساتھ انتظار کیا جاتا۔ اور جب نئے ہفتہ کا سرمنشی "ابجا تو لوگ ہنس ہنس کر اور ہتھکڑا لگا کر باگلی ہوتا۔

ایک مفروضہ شرکت صاحب کی اس مزاح نگاری نے ہم سب پر بڑا اسباب کیا۔ ہمارے صاحب اور اردو کے ماسٹر صاحب نے جتنی مزاح دیکھے، چیکے اور دہرائے، خاں صاحب کے ہونانی تھے۔ وہ کلاس جیتے قوم سب کا ڈور کے مارے خوں خشک ہو جاتے۔ وہ کسی نہ کسی بات پر ہم لوگوں کو گتے کی طرح پلینے لگتے تھے۔ صاحب کا غصہ دایا اور وہ چکر کھانے لگا، ہمارے اعدا و دشمن کی شکل میں ہماری کلاس پر چڑھا اور ہر سوسے

ہم سب اپنے اپنے چہرہ پر ہوائیاں سے اوردہ ملی ہی دلی جیتی جلی تہ جہاں تو کا دھیفہ مٹتے ہوئے اٹھ کر کھڑے ہو گئے ہم سب سرج
سجے تھے دیکھیں آج صبح سے میرے سب کجھوت کی موت تھی ہے۔ اے بیکار کی کاس میں: تھے ہی اپنی کڑکھٹے پاس فـ۔
اگر سکو اتے چہرے مٹتے۔ اُن کے اوتار کڈا جاتا تھا۔ وہ اُسے ہم سب کو دکھا کر مٹا گئے ہوتے ہوتے۔
”جانے بری کیا ہے۔“

پھر وہی فریاد نہ لے

”ہر طرف ہے، کھنڈہ بھرت روزہ مرا، حیرانہ۔“

ہم سب دم جو دھڑکتے تھے حیرت، اور تجلستے سر پہ تھے اس تار کونک سے تھے اور صبح سے تھے کاس۔ ہی
میں تازہ کون سی دیوار، جھپٹا ہوا ہے جسے دیکھ دیکھ کر مارتے خاں صاحب اپنی سدا کی خوشنوار اور غری صحت پر سنا نہیں جیتا۔
کھڑے ہیں۔ کہ وہ بلانے کی کڑی پر پٹھانے سنا کر ہم سب سے بڑی شفقت کے ماقبے۔
”بیٹھا جاؤ۔“

ہم صبح بیٹھ گئے۔ حیرت و تجلست میں غرق ہو گئے۔

”غزل نام نہاد ہے بھی۔“

”جی ہاں۔“ میں انتہائی ڈر سے اوسے کہہ رہے تھے۔ اُن میں مری ہوئی آواز سے بولا: ”غزل آج اسٹول نہیں آیا۔“ صاحب
اس کی درخواست آئی ہے۔ وہ یہاں ہے۔“

”اے چٹپ۔“ وہ سنا رہے تھے ہستے ہستے ”میں اُس کدھ شوق کی بات نہیں کر رہا۔ میں ہندوستان کے راجہ کا شوق
خاوی کیا بات کر رہا ہوں۔“

میری طرف خور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”جانے برقم شوق خاوی کر۔“

”جی نہیں۔“ میں ڈرتے ڈرتے ادب سے بولا۔

”کہہ رہے ہو۔“ انہوں نے فیصلہ سنا تے ہوئے کہا۔ ”سنو تم لوگ، میں شوق خاوی صاحب کا ایک مضمون تم لوگوں کو سناتا ہوں
مجھے افسوس ہے نہ مجھ اس وقت یہ یاد نہیں آ رہا کہ وہ شوق خاوی صاحب کا کون سا مضمون تھا۔ لیکن اتنا یاد ہے مجھے کہ وہ مضمون
”تادہ لپس تھا کہ ہم لوگ جو کہ ان مضمون صاحب کو شیر پیر اور بھیر پیرا بگھتے ہوئے بیٹھ اُن کے سامنے چہروں پر ہر ایاں لے ڈرے ڈرے
رہتے تھے۔ یکدم سے منکھڑے تھے۔ اور پھر ہم سب ان شیر پیر اور بھیر پیرے صاحب کے سامنے اُن کی موجودگی میں شوق خاوی
صاحب کی مزاح نگاری کے جادو سے مفر ہو کر زور زور سے ہنسنے اور قہقہے لگانے لگے اور یہ گھنٹہ یہ پیر پڑی ہوئی جھٹے
جھٹے ختم ہو گئے۔“

جب پھر اسی سہمہ میں لے بس لگے ہوئے گول گھنٹہ پر ایک زور کی ضرب لگائی اور گھنٹہ کے ختم ہونے کا اعلان کیا تو اسٹو
صاحب جو کہ خود بہت ہنسنے پاگلی ہو گئے تھے۔ جن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اپنے رومال سے اپنی آنکھیں دھو گئے ہوتے ہوئے۔

نہیں۔ سنا کہ وہی کے چھان کا ایک شخص نے ڈراہجی نہ : کتاب کے لئے بعض اوقات تجھ کو مصدقہ - دہائی ایک خط بھی میرے نام
 خاص میں ملتی تھی۔ خدا کو کہیں ہنسی۔ نئی جے پناہ مصروفیت کی وجہ سے دیکھ کا سرور : کے دو بار دینی نہیں میں نے سہرا دیکھ
 کہ جس کا حق تارک ہے کہ ایک شخص نے سہرا دینی بھی دیا ہے۔ تو شاید نے شاید ہی نہیں نے شال کرو۔ یہ پنی خدا جیٹ کے لئے
 یہ ان کی ہنر ہے۔"

یہ مضمون اتنا دلکش تھا کہ دلچسپ اور قیمتی قارئین کا دل بھی پھینے کے بعد اُسے جیسے اردو، موزی، جی، غنی صاحب نے اپنے
یہ اس کتاب پر غزلت خاوری کے بعد بھی دل کا ہلکا ہلکا جھٹ سے لٹائی کی۔
اس کے بعد کچھ عرصے خاوری صاحب کا دل دوبارہ گواہ بن گیا اور اسے خود کچھ نئی ریمیں پاس آنے رہتے تھے۔ یہی کچھ
ہی۔ اس سے آگے نہ بڑھے اور نہ ہی بڑھا۔

۱۹۴۴ء میں میر صاحبؒ میری ایک کتاب نائن ہرنی ہے۔ پر پیر سے مراد میر صاحبؒ کا مجموعہ تخییریہ کا خزانہ نہیں کہ اپنی اس پہلی کتاب پر میں شکر و تعزیر میر صاحبؒ سے دیا جو کھوڑوں۔ چنانچہ اس غرض کے لئے میں نے شکر و تعزیر میر صاحبؒ کو نقداً ہی صاحبؒ آدہ کی کتاب کا مسودہ انہیں بھیج دوں وہ اس پر بڑی خوشی کے ساتھ دیا جو کھوڑوں کے۔

میں نے وہ مسودہ شکر و تعزیر میر صاحبؒ کو کھوڑوں دیا۔ مسودہ کی رسید ڈال گئی۔ یہی دیا جو کافی دیر گزرنے کے بعد میر صاحبؒ نے اپنا ترمیمیہ انہیں اصرار کے ساتھ یہ کھوڑوں کے بغیر دیا جو کھوڑوں کے مسودہ واپس کر دیں۔ بڑی ہشامشہ کے بعد مسودہ مجھے کھوڑوں سے بھیج دیا گیا۔

ماتر میں شکر و تعزیر میر صاحبؒ یہ غلطی کا کردہ اس پر دیا جو کھوڑوں کے چاہتے تھے۔ یہی یہی غلطی تھی کہ اس کے بعد مسودہ بخیرہ دیا جو کھوڑوں کے دیا جائے۔ انہوں نے مسودہ کھوڑوں دیا ہے۔ غلطی انہوں نے اخیر کی غلطی اس بنا پر کہ غلطی نہ وہ مالک پیشی آرگنٹر غلطی کے لئے میں بہت معذرت کرتی۔ اور اس تاہم میں وہ کھوڑوں سے تقریباً ہر ہے۔ یہ۔ ہذا آخر ہوتی۔

میں نے اُن کے اس حوالہ کو انہیں کرنی جواب نہ دیا۔ یہ کتاب میر صاحبؒ نے بھیجی سے کہہ سکتا تھا کہ میر صاحبؒ کی طرف سے میر صاحبؒ کے دیا جو کھوڑوں کے ساتھ چھپ گئی۔ قصہ ختم ہو گیا۔

تیر صاحب چھپنے کے کچھ دی بدعجب میں جو پال گیا تو مجھے کسی کی ذہنی معلوم برا کر شوکت صاحب نے اس کتاب پر دیباچہ اس نے نہیں لکھا کہ وہ ایک کمزور کتاب تھی۔ کہنے والے نے کہا کہ یہ خدا شوکت صاحب نے اس سے کہا تھا۔

مجھے پرسی کہ حال برا، غصہ آیا۔ اس نے نہیں کہ شوکت صاحب نے میری اس کمزور کتاب پر دیباچہ کیوں نہیں لکھا یا یہ کہ انہوں نے میری اس کتاب کو کمزور کیوں بتایا۔ بلکہ اس نے کہ اگر واقعی تیر صاحب "کچھ مضامین جس کی تھی یا کمزوری تھی تو انہوں نے مجھے اپنا تجھے ہرے کی طرح میری تصویر منہ کیوں دکلائی۔ غیروں کی طرح وہ گولی کیوں چمکے۔

کچھ دوائے نئے یہ بات کہہ کر وہ یکن وہ نہیں سمجھ پایا کہ اس کی اس بات سے کتنی بڑی بات پیدا ہو گئی ہے۔ مجھ شوکت صاحب کی اس بات پر غصہ آدھرا اٹھ اٹھا، جب میں بیٹھیں والے پس آیا تو میں نے اس کے ناول "بکواس پرورش" اور ایک انتہائی سخت قسم کی تنقید لکھی۔ تنقید بہت کڑی تھی۔ بعد از شش۔ لیکن میں شوکت صاحب کو آئینہ دکھانا چاہتا تھا کہ وہ خود کیا ہیں۔ لہذا یہ تنقید چھپ بھی گئی۔ لیکن چونکہ میں اپنا نام لکھ کر شوکت صاحب کو بہت زیادہ افسردہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لہذا یہ تنقید عادل رشید کے نام سے نہیں لکھ کر اے آر وائی میگزین

کے ہم سے اپنی ہفتہ وار اجازت ختم میں شروع ہوئی۔ نظام کے سربراہ نے خود اس صاحب کے جو معمول ہیں کے لئے دے دیے۔ اور ہم سب کے ماننے والوں میں سے تھے۔ میں نے اُنکی سے اس راز کی راز داری کا وعدہ لے کر یہ تحقیقاتیں تمام میں لیتے رہے۔ اُنکی بھی انہوں نے ظہور کیا۔ جب یہ سنا۔ انہوں نے شوکت صاحب کو جگہ پر مقرر کیا۔ ایک عوامی گودال پر تعینات کیا۔ اور صاحب کو دینے۔ حیدر نے آپ پر کی ہے۔

ظاہر ہے کہ شوکت صاحب سے کراس سے حال برا اور انہیں جو صدر مہینا میں بات سے کراس نے اُن کی کتاب کو اس پر اتار کر لیا۔ جس کی ہے۔ میں انہوں نے مجھے اس سلسلہ میں پھر نہیں تھا اور میں ان تمام باتوں کی طرف سے انہیں ہی رہا۔ شوکت صاحب میں میں نہیں تھا۔ شوکت صاحب بھی اس سالک پہنچنے کے سلسلہ میں دلی آتے ہوئے تھے۔ اور حیدر جادو صاحب نے پاس نہیں تھے۔ انہیں اپنے جادوگران اور شمس معلوم ہوا کہ میں دلی میں ہوں۔ انہوں نے عراقی سے کہا کہ مجھے یہاں دلی میں موجودگی کی اطلاع دیں اور مجھے اپنے ساتھ لے کر آئیں۔

ابا جب عراقی نے مجھے کہا کہ وہ دلی میں ہی اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ تو عراقی کے ساتھ قریب ان سے ملنے کے لئے نام کے وقت حیدر صاحب کے جگہ پہنچا کر میری اور شوکت صاحب کی بات چیت فون پر ہو گئی تھی۔ اور وہ میرے منتظر تھے۔

شوکت صاحب نے مجھے لگے گا یا درمیں نے انتہائی سادہ مندی کے ساتھ انہیں اپنا بڑا بھرا کر اُن کے گھر لے کر ہم سب میں عراقی حیدر جادو صاحب اور شوکت صاحب بلکہ نے فون پر کر سکیں پر بیٹھے تھے۔

شوکت صاحب مجھ سے باتیں کر رہے تھے۔ اور بار بار میرے پاس کو اس اشارتے دیکھ رہے تھے جیسے کہ وہ میرے پاس سے بھر رہے ہیں چاہتے تھے۔ اُنکی گفتگو میں اپنی طافات کے بعد پریری اُن کی دوسری طافات تھی، میں اُنکی وقت انتہائی فضا اور بدینتی کر شوکت پہنچے ہوئے تھا۔

مجھے شوکت صاحب کی یہ پروکھو اچھی نہیں معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن میں خاموش رہا۔ اور اس کے علاوہ میں کچھ بھی نہ کہتا تھا۔ اپنے دلی میں دلی میں یہ ضرور سوچا کہ وہ آج اپنی جائی کی شادی کے پورے ماٹھے چار سال بعد اپنے والد کی حیثیت کا اعزاز اس نے لباس سے لگا رہے ہیں۔ اب ابیکہ بقول تھکے۔

اب پچھانے کا ہوت، جب چڑیاں پٹ گئیں کھیت

انوں کے درمیان شوکت صاحب نے مجھے کہا۔

دلیاں بگٹنے، ہر جگہ کہ تم ہمارے دادا دینے ہو اور اب ہم تمہاری شہسوار دانوں نے نہیں دیکھی بھی نہیں ہے۔ گفتگو میں

بھی تھا۔ یہ بہت جلدی شہسوار ہے۔ میرے ساتھ گفتگو چلو۔

پھر سکڑا کر لہے۔

مسلمان تھوڑے جتنی سین مایاں میں تھیں گی۔ مایاں سے پھر پناہ کرنا انسان کے مال اب سے سلامی وصول کرنا اب کہہ کر

ہی ————— میں نے اُن کی اس بڑا بھرا پر دلی میں دلی میں اُن کی شگفتہ مرزا بھی کا اعتراف کرتے ہوئے سادہ مندی سے

کہ سید اور خود خدائے ناکے جا ہے میں
سید اور خود خدائے ناکے جا ہے میں
خوشنوع کے حارس ہوں۔

بہی۔ ۱۰۔ میں جی ہاں میں کنی دہ سے وہ۔ ۱۱۔ جی ہاں۔

یہ وہ بد و گناہ ہو گئی ہیں: اتنی تھی کہ طوطا صاحب نے سید احمد خان دروہا کے ہر بڑے اشارے کے شرعاً کر دینے کے لئے
نئے پہلو شورشنا۔ چہ در سر پہ چہ تیرا۔ اب میں ہوں دہ سے غلہ چڑا رہا ہوں۔ چہ بڑے پر ہاں ہاں آؤ یہی کہ میری حور
خوڑے دیکھ کر ہلے۔

۱۱۔ ۱۰۔ یہ بد و گناہ — خدایا اور تو وہ۔ تم تو چوٹی کی دہیں کی طرح گھنٹوں میں سر دے رہے ہو
اور میری حالت اس لئے اور جی زیادہ خراب ہو رہی تھی کہ ارشد قاضی صاحب میرے بارہری بیٹھے تھے۔ اس مجھے
رفتہ کے جانی بھی تھے اور دوست جی۔ میری ریشائی دہی آؤ ہو رہی تھی کہ انہوں نے سید احمد خان کا شہر خوشتر قدم قدم چہ گے۔
دہانی کی — خدایا اور ہلے۔

یہ خوشتر خدایا پسند آیا ہر گاہ کیوں ہے خدایا اور دشمن۔
۱۱۔ جی ہاں۔ ۱۰۔ مجھ کو راجھے جی ہاں کہ پڑا۔ وہ بے سارنہ ہلے۔ ۱۱۔ اس میں نہ رہے جالیاتی دہی کہ ہر گاہ چاہتا ہوں۔
چہ در آہی دہا رکھ صاحب کی طوطا صاحب ہلے۔
ہمیں ہے: جانی ہاں — ۱۱۔

بیشک صاحب۔ ۱۰۔ ارشد صاحب دہن چاتے ہوئے ہلے۔ ۱۱۔ اس رنگ میں ریش احمد خان کا جواب نہیں تھا۔ ۱۱۔ انہل سے
میرا کہ شورش کی۔

۱۰۔ صاحب: بہت بڑی قیمتی چیز بہت بڑی بات ظاہر نے بھی ہے۔ حقیقت ہے۔
اور پھر نتیجہ کہ خرم اور خدائے کسی مددک ہلائے طاق رکھ کر گئے ہیں اس شورش عوی میں دہی میں پڑی۔ طوطا صاحب
نے میری اس قدر بے تکلفی کو غصہ کیا۔ یہ خوشتر ہلے اور چہ بہت سے خوشتر سنا ڈالے۔ ۱۱۔ اپنے جی شورش سے اور دہی ۱۱۔
خان کے جی پھر سے خدائے ہوئی۔

۱۰۔ تم جی اس رنگ میں خوشتر ہو گئے۔ سنا دہیاں ۱۱۔ اپنے جی شورش: بہت کی باہیں چھوڑیں ہم سب آپس میں دوست ہوئے
وہ بہت ہے اور میں حضرت کرتا رہا۔ لاکھ بے تکلف بننے کی کوشش پر جی میں ارشد صاحب کی موجودگی میں جاہل کا جاہل
ہم راہ میری جہانگاہ گئی۔

ایک دن دسترخوان پر انہل نے اسی قسم کا ایک لطیفہ اور سنا ڈالا۔ دسترخوان لگ چکا تھا پیش گد میں تھیں اور کھانا ادا
تھا کہ انہل نے اسی قباب صاحب کا ایک لطیفہ سنا ڈالا جو دسترخوان پر آگڑوں بیٹھے تھے۔ اور جی کی میان کھل گئی تھی۔ اپنی بیگم کے
ہوں، ہمیں کے انہل سے پڑا انہل نے گردن چھکا کر نیچے دیکھا۔ بڑی ادا کے ساتھ ہلے۔ کام چہ رازا لے حاضر۔

پہلے وہ اپنے صاحبزادے کا بیوی بچہ و ان کی صحبت و خیال سے بے نیاز ہو گیا۔ اور درخت خان پر مہربان ہو گیا۔
 یہی حال صاحب میری خوش حالی کا حال تھا۔ اور وہ میری عزت و تکریم سے بے نیاز ہو گیا۔ اور میری صحبت سے
 بے نیاز ہو گیا۔ اور وہ میری عزت و تکریم سے بے نیاز ہو گیا۔ اور میری صحبت سے بے نیاز ہو گیا۔

مافی جہاں کی تیرہویں پل پل پہلے پرستے تھے۔ یہ وہ بنایت ہی حسرت سے ڈال رہے تھے۔
 "دوستی! ہماری زندگی اس سرور و مافی جان کو پہاڑ سے تھوڑا بہتہ تھے۔ مافی جان : ہم سیدہ ہے اور وہ حرکت کرتی
 جی ابھی مافی ہی کو کام چھوڑ کر اسے مافی کا بیٹھ جی ان کی دوست میں بے یار ہے۔"
 فی اور اپنا سر اور سر اور سر صاحب پرست رہے تھے۔ اور میں شریک صاحب کی مافی و مافی کی دل میں اس
 پروردگار کا حاکم مافی جان نے نور کرنا تھا۔

”تو کیا انت کاٹ کر ہے جو ہر سے باہر نہ بیٹھ سکا۔۔۔“

بہارِ نبیؐ ہونے لگی۔۔۔

بعض مہلکیں قمر کے چنے سے مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غلبہ وقت نہ ہے۔

جی۔۔۔ اتنا چوم بڑا۔۔۔ بالکل یہی۔۔۔ میں نے دس چار بار وہاں سے گئے۔ یہ جی۔۔۔ یہ ستر و تتر چار گھنٹے پہلے جی۔۔۔
 کہیں کسی کو غصہ ہی نہیں دینی تھیں۔ اور کہاں یہ حالت کر دی ہے۔۔۔ انہوں نے کہا کہ غصہ دس دن دھرا ہے۔ انے کے بعد سے وہاں نہیں جیتا
 رہی۔۔۔ لیکن میں نے دیکھا تھا کہ یہ تھاری انگلی پڑے پکے ملے چلی جا رہی تھیں۔
 انہوں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

’جانتے ہو۔ ہیرے دل پر کتنے زور و کھوسہ پڑا تھا۔‘

میری جان میں جاوے۔ یکن قحی۔ اور اب میں مسکرا رہا ہوں۔ نہ اب سرد ہو۔ کھینچ کر لے۔

”اگر یہاں سکرانہ، خوب منہو، اپنی فتح اور دوسروں کی شکست پر توں اسی طرح سکرانے ہیں۔

غنیلہ یارب غنہ کے دن اور بری غنہ کی راہیں شکر سب کی بڑو سخی اور شکر تہا جی سے بدعا دہا۔ جی ہوئی تھیں۔
 مجھے کہاں آئے ہوئے آٹھ دن ہو چکے تھے۔ کہ ایک دن جو انوش گرا یا بد صبح وقت تھا۔ میں میز کے سامنے بیٹھا بیورو راہا شکر
 صاحب اسی کمرے میں تھے۔ اور نشست پر بیٹھے اپنی کتاب پر میرے سے آؤ گراٹ کر رہتے تھے۔ کہ میں نے خورشید سے کہا۔

”مردشد جان لانا تو کی ہیں۔ دیکھیں جاوے ماروں جان نہ جاوے خے نیکیا کھتا ہے۔“

خود شہ نے ایک کتاب لاکر مجھے دی۔ یہ شوکت صاحب کی کتاب تھی۔ لکھا تھا: "اسی جرم میں کہ عادل بھانجی کے شوہر ہیں۔"

کتاب کے چھ صفحہ پر عین بری کیسے بچے اُنہوں نے یہ فقرہ لکھا تھا۔ یہ منکرانے لگا۔ دوسری کتاب پیش حل تھی۔ کتا قد۔ عزیز کے لئے تاکہ وہ بکواس کی قسم کا ایک تبصرہ اس پر بھی کریں۔

اس کے بعد سے شوکت صاحب کی میری حالت بدتر ہوئی۔ خدا کی بات بھی نہیں ہوئی۔ اں مگر جب میں وہی وہاں جا رہا تھا تو وہ مجھے سی۔ آت کر نے کے لئے پیشانی آئے تھے۔ اور بیت سے میرے دماغ اور دوست تھے جو مجھے اندازہ تھا کہ نے پیشانی پر موجود تھے۔ اور صاحب رات بھی تھے اور سیدہ ملو شید بھی تھے۔

میں بہت پریشان اور گھبراہٹا ہوا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ میری برادر زادہ بیٹی تھی۔ صرف سیکڑے کو اس کا حکم میرے پاس تھا۔ اور مجھے یہ خبر دے دی کہ میری حق کی لڑائی برحق حال نہ ملے گی۔ کہ ات میں کسی طرح گزاروں گا۔ جیسے کسی نے یہاں سیکڑے کو کسی کے ایک کپڑے میں رکھ دیا تھا۔ اس کی پادشہ کے سامنے اس سب کے ساتھ لڑا تھا۔ اور اب وہ تھا کہ شوکت صاحب میری الجھ اور ہتھی کرت کا اذمانہ ملاتے ہوئے بک کر رہے۔

”اں تم عجیب و غریب مایاں۔ اگر مجھے کوئی بے قراری سر کے بل کر دے کہ لڑی طرح اس کو میں سفر کر دے کہ لڑائی خوش قسمتی پر شک آتا ہے اور تم مجھے نہ بنا رہے ہو۔“

بات دراصل یہ تھی کہ سیکڑے کو اس کے اپنے میں انتہائی حسین حسین قسم کی کٹی ہوئی میٹھی تھیں۔ جو خوبصورت اور خوش دل تھیں اور بڑے گھر کی خدمت میں تھیں۔ وہ چرچا کرنے لگی۔

یہ قسم نے میں سمجھ کر کہ اپنی جگہ جنت کا ٹکٹ لے رکھا ہے۔ اندر جوں ہی تیار ہی منتظر ہیں۔“

پھر وہ ارشد صاحب کی طرف متوجہ ہوئے۔

”نہیں بھائی جان! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔“

”اں صاحب۔“ ارشد قاضی صاحب مسکراتے۔ ”ایک سے ایک مدعا بھی ہیں۔ عمو میری مالی اس عرصہ میں پڑ رہی ہے۔“

دیکھو نا ایک سے ایک پہلو موجود ہے۔“

”اور یہ حضرت ہیں کہ کفران حق فرما رہے ہیں۔“ شوکت صاحب خورشید کی طرف مخاطب ہوئے۔ ”میاں تم اپنا اتنی جان

سے جا کر کہہ دینا کہ آبادی پنے گئے۔ میں تو مری جا رہا ہوں۔“

مجھے ہنسی آگئی۔ شوکت صاحب بولے۔

”میاں ذہنی پہنچ کر اپنی خیریت کا خط ہم لوگوں کو مزید رکھ دینا۔ در دہارا بھی لگا رہے گا۔ کیا پتہ کوئی حسینہ تھیں اپنے منہ کے جادو

سے سینہ صاحب کو اپنے پیچھے پیچھے جانے پر مجبور کر رہے۔“

پھر گڑی چھوٹ گئی اور میں اپنے اموں جان شوکت قاضی سے جُڑا ہو گیا تھا۔ ساتھ ساتھ جُڑا تھا۔ میں مجھے یاد آتی رہی اور

میں اُس بکر اس دالے کو لنگر دار حد پر اندر کرتا رہا۔ اُسے آ رہا۔ راہ گیر پہنچے ختم آتا تھا جس نے اتنے پیار سے

پیار سے انساں، ہنسا ہنسا کر دینا دالے ادیب پر تنقید کھٹی تھی۔ سخت قسم کی تنقید میں سے دوسروں کو ہنسانے والا خود کبھی یہ

خاطر اور غصہ ہو گیا تھا جسے ایسا عموں ہوا تھا۔ کہ اچانک اس کا ہاتھ کرٹ پڑ گیا ہو۔

میں نے اس واقعہ کے بعد سے اسے آ رہا۔ راہ گیر کے نام سے پھر کبھی کبھی لکھا۔ کوئی معذرت نہیں۔ کوئی تنقید نہیں۔ میں نے اس

اسے آ رہا۔ راہ گیر کو زندہ زمیں میں دفن کر دیا ہے جس نے ہنسا ہنسا کر دینے دالے شوکت قاضی کو اندر اور غصہ کیا تھا۔ میں نے

بہت دور ہوں جس واسطے ذہنیت مجھ میں پیدا مئی اسی روز
خدا نشی کروں گا۔

میں بہت دلی طبیعت ہے۔ یہ بہت بھگتا چل کر انسان کو اگر دوش
 کسی پر تودہ نہ چڑھ کر رہ جائے۔ میں بچوں جیسے انسان کی جی حسرتی
 کو الی بھگتا ہوں۔

میں نے آج تک کسی کو یہ نہیں پایا۔ حالانکہ غیبی میں رہتا ہوں۔ جہاں کا علم ہی سیکھتا ہے۔ میں آپ کی خدمت سے معذرت کروں۔

میں خانہ بیدار شوق صاحب لاکڑی خانے کسی نہیں ملا۔ اور چار سے دواںم اندرون طوطہ پر کچھ خواب پر کئے۔ ”یہاں سے
 دوستوں صاحب کو ناپا میہ دعوں اور سے نام سے میں چوٹا ہوسے گی۔

عائشہ بی بی دہلی میں پیشینہ راہ دہ کا نفرین تھی۔ اور چرواس کے بعد ہی اندھوپاک پھول کا نفرین بھی تھی۔ میں ان کا نفرین میں دعوت پر پہلی سے دہلی گیا تھا۔ اندھوپاک پھول کا نفرین کے سسر میں پاکستان سے خواتین صاحبہ جی آئے تھے۔ ایک دن وہاں یہ کا نفرین ہو رہی تھی، ہماری جوانی کی ملاقات بہت ٹھیک ٹھیک کی مدت تک اور بس۔

ماصاحب بھی تھے۔ اتفاقاً ہم دونوں بیکھڑہم سے نکلے۔ چہ تھے کہ جا یا آنا سنا رہا ہو گیا۔

”مجھے تم سے ایک بڑی شکایت یہ ہے کہ تم خشتِ ناز میں کھنکھان آئے۔ تمہارا پر راجہ خدا ان تمہارے ساتھ تھا۔ خدا را!
تمہارے بچے تم کا ہر دس دن رہے۔ یقیناً تم مجھ سے ملنے کے لئے ماؤ چنڈی نہیں آئے۔
میں بڑی طرح سٹ پیانگی۔“ نہ نے کہا۔

”وہ بات دراصل یہ تھی کہ میری محبوبہ نے مجھے شامینہ تنویر بیگم کہتی تھی۔ اور۔۔۔۔۔“

انہوں نے میری بات اُچک لی۔

”یہ دو باتیں ہیں۔ وہ قدرے حل کے ساتھ ملے۔ تم اوردہ غذا کی کچھ کم لگوں سے کڑی نہیں چاہتے۔ یہ اوردہ لہجہ کدوہ یا تو درم سے باہر آگئے۔ میں جی اٹھا۔ اس کے لہجہ جاری کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ حالانکہ ہم لوگ وہاں اس کے بعد بھی کافی دیر تک رہے۔ اور یہی میری اندر شرکت کا حساب کی آخری ملاقات تھی۔“

دوسرے دن یونس دہریہ در شمع کی کوٹھی پر پکانی اویسیں کا ایک ڈونٹھا۔ اور اس ڈونٹھیں ہندوستان کے ارود کے چیدر ادیب بھی موعوتھے۔ میں بھی مدعو تھا۔ یونس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر تم آئے تو میں تمہیں جہان سے مار دوں گا۔" ایسا کس نے زور دیتے ہوئے کہا۔ "عادل جانی، دیکھو آجے گا مسرور۔ ورنہ جاری آپ کی کٹھی۔"

لیکن اس ڈرن پر ہی جان بوجھ کر اس نے ہنسی کی کہ میں اُسی رات ایک دوسری جگہ پر مدعو تھا۔ امدید ڈرن بطور خاص میرے لئے انتہائی کی گئی تھی۔ اور ڈرن نے دلائل کا نقشہ کی طرح بڑا آدمی نہیں تھا۔

دست بردارے ہیں سزاؤں کے لیے صدر پر ہنسنا کی ہلکی بادی۔ اسٹیشن سے نکلے گا تو یہی یہ ہوتی۔
شوکت صاحب کے جہوں میں بے ساختہ کہتی ہے۔ بے گشت نہیں۔ سید چاقو فرق انہیں دوسرے مہمان گاہوں سے ممتاز
ہوتا تھا۔

آپ فیر سے شوکت بھی تھے۔ سنجیدہ شاہی کی بات تو میں اس نے نہیں کہی تھی۔ وہ تادمی بری خان سے بہت کمزور
ہے۔ اسٹیشن کی ایک نظم کی پی کی میں کا ذکر بھی ہے۔ میں میں انڈیا کی شہریت تھا آپ بھی پالتا ہے۔ اس شعر سے شوکت کی فخر
سے فخریت ہوتے تھے۔ اس وقت سرحد وادان جو راجہ گرونت کے چیت سڑتے تھے۔ اسٹیشن پر جس وقت بھی جادو صاحب سے
ہا ہر ہی دوسرے صوفے پر بیٹھتے تھے۔ اور وہ تادمی خان کی کھسے اور بات ہے۔ لیکن یہ بھی شوکت صاحب کے ایک شعر پر آتا ہے
تھا کہ شوکت کوٹ پٹ ہو گئے۔ اور آپ نے مقررہ مادیات اور کادو کو بھی لگایا۔

شوکت صاحب نے اپنی نظم راجہ کی لہجہ میں لکھی کی کہ میں میں آتا ہے۔ تادمی جیڑا ڈالنے سے چھپتا تھا۔ ذرا تے ہیں۔
"اتحاد میر تقی کو جب بارے جسم میں بھل ہوتی اور ہم نے کچھ تا چاہا تو دوسرے کو بھار رہے ہیں۔"
اس مفہم کا یہ شعر ہزاروں سننے والے شوکت صاحب کے اس شعر پر ورنے پر لکھے۔ چاروں جیسے اور دوسے مادیات
نے اس شعر کی اتنی داد دی کہ جتنے جتنے دہانے ہو گئے۔

شوکت خانوی کی موت یعنی طور پر اردو ادب کے لئے ایک ماحول عظیم ہے۔ یہ موت شوکت خانوی کی اپنی ہی موت نہیں
ہے۔ بلکہ یہ موت اردو ادب کے ان ہزاروں لکھوں پڑھنے والوں کی مسرتوں، خدا کا بنوں اور قہقروں کی موت بھی ہے۔ یہ شوکت
خانوی کی موت لکھنؤ سے جنم لیتے رہے تھے۔

وہ غنیمتیں اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سوتی ہوئیں جو شوکت خانوی کی وجہ سے کشت زخمی بنی رہتی تھیں۔ جہاں وہ شمع مغل
بنے ہوئے ہر خاص و عام کی توجہ کا مرکز بنے رہتے تھے۔ اُسی کے قہقروں سے دنیا حال ہو گئی۔ اور آج لے اٹھ جانے سے اب بہت
دیر ہو چکی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کہ اصل اسٹاک سنوٹوں اور دیرانیوں سے دو چار ہو گیا ہے جیسے — ہاں شوکت
مغفل گاڑی کہہ جانے کے بعد۔"

یہ دلی بار بار بھٹتا ہے اور یہی چاہتا ہے کہ میں شوکت صاحب سے کسی طرح بڑے پیار کے ساتھ پوچھوں۔
"کی تیرا بگڑا جو زمرہ لکھنؤ کی دنیا اور"

شوکت بھائی

اقبال صفی پوری

شوکت بھائی جنہیں 'مروم' کہتے ہوئے صرف دل پارہ پارہ ہر جا پر جگہ روحانی لذت بھی محسوس ہوتی ہے مروم نثر نگاری میں مدھونے رکھتے تھے ان کی نثر نگاری کا بیج اندازہ اپنی حضرات کو ہو سکتا ہے جنہوں نے انہیں نثر لکھنے ہوئے دیکھا ہے۔ ان کا قلم صفحہ قرطاس پر اس دانی بیباکیت سے خاکہ دیکھنے والے کو حیرت چڑھاتا ہے۔ وہ جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے ہر تکلف سے بچتے ہیں اور ان کی عبارت اور قدرت کا یہ عالم تھا کہ ایک روحانی صفت جس صفت لکھنے کے بعد بھی کوئی نقطہ نہ لکھتے تھے نہ ہی کوئی فقرہ تبدیل کرتے تھے۔ انہیں اپنی صلاحیتوں پر کامل اعتماد تھا اور جو موضوع ان کے سامنے آتا تھا وہ اپنی اعلیٰ ذہنوں کے بن پر اسے تشہید تکمیل و چھوڑتے تھے بلکہ جس چیز نے انہیں پر صغیر ہند و پاک میں غیر معمولی تہذیب و حکمت و علم کی وہ ان کا مضبوط رنگارنگ اور مخصوص انداز مزارع تھا۔

شوکت بھائی کا یہاں سے کہ بہاؤ نہیں اچھا نثر اور بہاؤ نہیں اچھا شاعر نہیں ہوتا بلکہ شوکت صاحب کی تصانیف، ادارے، ادبی مضامین، مقالے، خاکے، فلاں کالم اور ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر تمام نثری کائنات پر نظر ڈالنے کے بعد یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی نثر میں کوئی دلکشی نہ تھی۔ بلکہ ایک ایک لفظ اپنی جگہ لکھنے کا کام دیتا ہے۔

شوکت بھائی ایک کامیاب اور صاحب طرز نثر نگار ہی نہیں تھے۔ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ ان کی غزلیات کا اولین مجموعہ 'گہرستانِ پستے' کے بعد اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے ذہن و رسا اور قلب سلیم عطا کیا تھا ان کا غزلوں میں سوز و گداز، کیف و اثر، لطف و بان و بیان، مختصر یہ کہ وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جو لازماً غزل میں ہونی چاہیے۔ بات یقیناً باعث حیرت و استحباب ہے کہ وہ ایک کامیاب مزارع نگار بھی تھے اور ایک نخبہ غزل گو بھی۔ چند سال سے انہوں نے اپنی نخبہ غزل گوئی کا رخ مزاحیہ شاعری کی طرف موڑ دیا تھا۔ اس کا سبب غالباً شوکت بھائی کے غزوہ ترین مددست اور ملک کے شہر واد و مزارع و وطن نگار شاعر سید محمد جعفری کی رفاقت اور دوستی تھی۔ لیکن اس میدان میں بھی انہوں نے اپنی ذہانت کا سکہ بٹھا کر چھوڑا۔ پاکستان و ہندوستان میں ایک وہ نہیں رہے جو ان کے مشاعرے پڑھے اور وام و خواص سے داد و تحسین حاصل کی ان کی ہمہ گیر طبیعت اور خوبیوں کا اندازہ صحیح طور پر انہیں کو ہو سکتا ہے جو ان کے بے تکلف و رفیق خلوت رہے ہیں اور جنہوں نے انہیں قریب سے دیکھا ہے۔

دماغ سوزی۔ عرق ریزی۔ اور شانہ روزِ محنت کی ہے۔ اور یہ اس کو شش و کاوش اور پر خلوص شوق کی توجہ تھا کہ وہ جس کے سامنے طرزِ اہلِ علم تسلیم کئے گئے اور انکی شہرت کا آفتاب نصفِ انبار پر جلوہ گر ہوا۔

شوکت جہاں روحانی انجمن۔ حاضر جوابی اور طنز و مزاح کے رنگ میں وہ ہے ہر نئے صفت و ہر نئے عمل جہاں سے تہجد میں ہر شخص کو اپنا گویہ بنا لیتے تھے۔ وہ ہر شاعر کے انداز میں اسکی کامیاب نقل تار سکتے تھے۔ آواز و لہجہ ہی نہیں بلکہ پس کے آثار و چھٹاؤ سے وہ محض کوثرِ عطرانِ زار بنا دیتے تھے لیکن چند مخصوص احباب و افراد کے علاوہ شاید ہی کسی کو اس کا علم ہو کہ وہ شخص جو دوسروں کو جہاں نے اور محفلوں کوثرِ عطرانِ زار بنا لے رکھا تھا۔ خود اندرونی طور پر کسی قدر لگن و محنت کی تھی۔ لیکن جہاں نے انجمنوں اور آقاؤں و مصائب کا مدفع تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قوتِ برداشت عجز و عطا فرمائی تھی وہ اپنی اندرونی مشکلیں اور ذہنی الجھنوں کو چھپانے میں عیروں کی محفلوں میں ہمیشہ کامیاب رہتے۔ اسلئے بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں۔ چونکہ شوکت جہاں سے مجھے نسبتِ قربت و ادا رہی ہے۔ وہ یوں کہ انکی پہلی عظیم عہدہ خاتون میری رشتہ کی بیوی تھیں جو میں اس بنا پر مجھے انکی بھی زندگی بوجھنے کا موقع ملتا رہا۔

شوکت جہاں قیامِ پاکستان سے قبل ہی محض کوثرِ عطرانِ زار بن چکے تھے اور بخوبی آؤٹس سے وابستہ ہوئے تھے۔ مجھے اس صدفِ کاشی کا عیدِ خلق تھا۔ اسے اتفاقاً سے تعمیر کئے گئے میری خوش قسمتی سے کہ جون شمسٹھ میں جناب یس۔ ایم تو فقیہ صاحب مرحوم سابق چیف جج ریٹائرڈ لا بورڈ کے برادرِ خور و مشرک یس۔ ایم۔ فقیہ جو میرے عزیز و دوست ہیں حورِ اچھے وطن کا عید میں مقیم ہیں۔ انکی بارات میں مجھے کامیاب و تازہ باراتیوں میں مولانا حسرت موہانی صاحب مرحوم اور سلاکار سراجی صاحب بھی شامل تھے۔ شوکت جہاں کو ہر صے بارات میں شریک ہوئے۔ مجھ سے ملکر عیدِ خوش ہوئے اور کہنے لگے اب ہمیں نہیں واپس نہیں جانے دیا جائے کہبات انکی گئی ہو گئی۔ اب میں نواح کے دقت زدکی۔ ابوں کا طرف سے شرکت کے لئے جناب سید سعید جعفری سی۔ ایس۔ بی جو اس وقت احمدیوں کے فائر فوڈ ڈیپارٹمنٹ کے عہدے پر فائز تھے شریف لائے۔ جعفری صاحب نے بھی مجھ سے اصرار کیا کہ میں مستحقِ پاکستان آ جاؤں۔ شوکت جہاں نے انہیں واپس ہی کیوں جانے دیا جائے۔ جس سے موصوف نے اتفاق کیا چنانچہ دونوں حضرات کے اصرار پر مجھے سپر انڈان ہونا پڑا۔ بارات دوسرے روز واپس گئی اور میں شوکت جہاں نے مکان نمبر کینال پارک میں منتقل ہو گیا۔ میرے بارات کے ساتھ واپس نہ جانے کی وجہ سے فقیہ صاحب کو ایک مدت تک شکایت رہی۔

جعفری صاحب نے چند ہی دنوں میں میرا فقر و فوڈ پر چیز انپکڑی حیثیت سے کر دیا اور فرمایا کہ اب جا کر بیوی بچوں کو لے آؤ۔ چنانچہ میں ہندوستان گیا اور سب کو ہمراہ لے کر ۲ ہفتے میں لاہور واپس آگیا۔ لاہور آنے کے بعد۔ میں۔ میری بیوی اور میرا ایک بیٹا شوکت جہاں کے اس وقت تک مہمان رہے جب تک کہ اسی کو طبی کا نصف حصہ مجھے الاٹ نہیں ہو گیا۔ میرے اور میری شریک زندگی کے مسلسل اصرار کے باوجود شوکت جہاں اس بات پر عمامہ نہ ہونے کہ ہم لوگ اس فقر و محنت کے لئے اپنے خور و نوش کا عین عہدہ انتظام کر لیں۔ یہ انکی محبت۔ خلوص اور فراموشی کا ایک روشن ثبوت ہے۔ چونکہ کوثری کا نصف حصہ مجھے الاٹ ہو گیا اس لئے ہم لوگ انکے رہنے لگے اب وہ ریڈیو پاکستان لاہور سے منسلک ہو چکے تھے۔ ہم دونوں اپنی ملازمت کے فرائض انجام دینے کے بعد کس لطف سے دقت گزار تھے آج بھی اسے یاد کر کے دل بے چین ہو جاتا ہے۔ یوں تو ان کی زندگی کے نہ جانے کتنے دلچسپ واقعات و ہن میں محفوظ ہیں اور بھی ہیں

بات ہے کہ انہیں یاد رکھنے کے طور پر ہانپ کر دیا جائے گا۔ کبھی کبھی اتنی فرصت برسر آئے کہ میں یہ فرض ثبت طریقہ احسن
دیکھ سکوں کہ ایک ہفتہ ہر ہفتہ کے اقدار سے نہایت دلچسپ بھی ہے۔ تاہم ان کا دلچسپی کے لئے تو میرے ہاں
میں ہفتہ کا دلچسپ نہیں ہے کہ میرے ایک دوست نے جس میں جھوٹ بولنے کی نیاں لکھی تھیں نصف آٹا تھا شوکت بھائی
میں پہلے سے قہر ایک بات ایسی یاد کی جس کا انہیں قہر آگیا لیکن جب انہیں اس بات کے جھوٹ مرنے کا علم ہوا تو
صرف انہیں نہایت ہوئی بلکہ اذیت پہنچی کہ ایک شخص نے ان مجھے دیکھ کر ہر طرف ہانپا۔ جتنا خواہوں گے سنا
انتقام لیا وہ نہ صرف ان کی ذرا بات پر ہی دھڑکنے لگا تھا۔ بلکہ اس کا ایک مضبوط یہ بھی ہوا کہ ان صاحب نے
ملا باندھ کر بھر کیلئے جھوٹ نہ بولنے کا عہد کر لیا۔ جھوٹ کی کئی قسمیں ہیں کئی مصلحت جھوٹ دیتا ہے تو کئی مجبور۔ تو وہ
جھوٹ دیتے ہیں اس کا ہم مجبور ہو آجے کہ وہ یہی بڑا ہی ذرا دیریت جتنے کے لئے ہی کہتے ہیں جھوٹ دیتے ہیں تو وہ
رفتہ دوری چھو جاتے ہیں جن صاحب سے متعلق یہ واقعہ ہے وہ جھوٹ دے اس قسم میں آئے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ میں جی میں سے ہونے لگا کہ وہ یہی کہہ رہا کہ ایک روز میرے ہندوستان کے ایک ہفتہ
کے ساتھی اور عزیز دوست کا راجستھان سے تار خیا کر وہ کل میں سے ہوا ہوا تھا۔ ہے میں اس غیر متوقع تار کے لئے ہی میں خوشی سے
پھل پڑا اور میں نے شوکت بھائی سے اپنی مسرت کا اظہار کیا ساتھ میں اپنے لئے والے دوست کا غائبانہ تعارف بھی کیا۔ یہ
ہندوستان کے ایک باغی اور ہندوستان سے متعلق۔ کچھ میں ان کے بڑے بھائی صاحب نے دنوں کا قلم درجہ ۱ جو
اس وقت سلسلہ ملاقات زیارت میں قیام پذیر تھے۔ ان کے خصوصی و ترقی پسندانہ میں کسی ذمہ دار حد سے پر فائز تھے۔ اسل
بات کا بھی تذکرہ میں نے شوکت بھائی سے کر دیا۔ ظاہر ہے شوکت بھائی نے آئے۔ ان کے یہاں کے متعلق ایک اچھی رائے قائم
کی ہوئی۔ سو ان سے ملنے کے متعلق ہو گئے۔ قائد اعظم کی ملاقات کی وجہ سے ہم سب رنجیدہ تھے اور ہر ایک کو ان کی صحت
اور حالت کی صحیح کیفیت معلوم کرنے کی فکر تھی تھی اور ہر شخص ان کی صحت کیلئے درت بہرہ تھا۔

میں اور شوکت بھائی اپنے دوست کو دوسرے روز اسٹیشن پر فریض آئے یہ کہنے گئے۔ ان سے تعارف کے بعد شوکت
بھائی نے پہلا سوال یہ کیا: میں قائد اعظم کا صحیح حال کچھ معلوم ہے ان کا مزاج کیسا ہے؟ میرے دوست جانتا ہوں
تو تو بھائی جان کے پاس ہی تھا۔ زیارت سے پرسوں کر آگیا۔ بنچا اور دوسرے روز یہاں کے لئے جلی دیا۔ زیارت سے
چلنے کے ایک روز قبل قائد اعظم کی صحت کی خوشی میں بھائی جان نے انہیں ڈنر پر مدعو کیا تھا جہاں میری ان سے ملاقات
بھی ہوئی۔ بعد ازاں وہ اب رو بہ صحت ہیں۔ معمولی کمزوری رہ گئی ہے۔ وہ بھی رفتہ رفتہ جاتی رہے گی۔ یہ سن کر شوکت
بھائی کو کچھ مسرت ہوئی اسلئے کہ اس وقت انہماک میں قائد اعظم سے متعلق واضح طور پر کوئی خبر نہ آتی تھی میں اس بیان کی
صداقت سے کما حقہ اداقت تھا لیکن میں نے شوکت بھائی سے فوری طور پر اس دوست کی کمزوری کا اظہار کرنا مناسب
نہ سمجھا جس سے ابھی ابھی تعارف ہوا تھا۔ لیکن اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہ بات کس تک پہنچے گی تو اس کا فوری
اظہار بھی نا مناسب نہ ہوتا۔

میں دہلے اپنے مکان پر آگئے اور شوکت بھائی ریڈیو اسٹیشن چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اس خوش خبری کا شرف
میں آج واحد میں ہر کسی تفصیل کے ساتھ نشر کر دیا۔ لوگ مسرت سے ناچنے لگے۔ مٹھیاں تک تقسیم ہو گئیں۔ اپنے

جرب تمامہ اعظم کی صحت کی خوشی کوئی معمولی خوشی تو نہ ہے۔ بات آسانی پر مبنی۔ لیکن شرمش قسمت تو مہینے کو چھوڑ دے نہ ہی لگاؤ اور
کے استحال پر مدد کی خبر لگائی اور ہر طرف ایک بڑا بچ گیا۔ ریڈیو سٹیشن کو ہر آدمی کی اطلاع دے دی جی ہر جایا کرتی ہے چنانچہ خبر آئے
ماتھی ریڈیو اسٹیشن لاہور کے چھوٹے بڑے افسران نے شرکت بھائی کے کہہ کر ہر سارا بول دیا اور طرح طرح کے سہولیات
کرنے لگے بھائی یہ کس خدمت کرنے کی خبر لائے تھے آپ۔ کوئی پروا نہ آئی بھائی کی کیا مقصود تھی تو ریل میں کئی جاگتی تھی آخر بڑی
شخصیت کو درمیان میں لانے کی کماندورت تھی وغیرہ وغیرہ شرکت بھائی پنا سا سنا رہے۔ کچھ سے بیٹھے اپنے کے پر خوف انداز
اور شرمندہ تھے لیکن ہمارے دوست کے خلاف ان کا جذبہ انتقام بھڑکتا چلا جا رہا تھا۔

میرے دوست کا نظر حکومت پاکستان کے ایک عہدے میں پڑا تھا اور وہ اس سلسلے میں لاہور آئے ہوئے تھے وہ ایسے
عہدے کا چارج ایک روز قبل سے چلے گئے۔ جب شرکت بھائی ریڈیو اسٹیشن سے ٹھہرا واپس آئے تو ان کا چہرہ ان کے جذبات و
احساسات کی پوری ترجمانی کر رہا تھا۔ اتنے ہی اہوں نے میرے دوست سے پوچھا کہ بھائی کی وجہ ات ہے ابھی چند روز قبل صحت
تمامہ اعظم ماشاء اللہ اتنے تندرست تھے کہ وہ آپ کے حالی صاحب کی طرف سے دسی ہوئی دعوت میں شرکت تھے اور آج اچانک ان کا
انتقال ہو گیا۔ یہ کیا ماجرا ہے۔ میرے دوست نے حاور جوابی سے کام لیتے ہوئے کہا شرکت بھائی زندہ ہی دہشت کا کیا بھروسہ
اچھا خاصہ تندرست انسان چلنے پھرنے کا کھنڈہ تھا۔ اور وہیں دم توڑ دیتا ہے۔ تمامہ اعظم تو ضعیف اور کمزور ہو چکے
تھے ہر کچھ ہو میاں شرکت بھائی نے ان کے بیان کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔ مجھے معلوم ہے جا کہ شرکت بھائی رازدارانہ
طور پر بولے یہ حضرت پیچھے ہوئے درویش معلوم ہوتے ہیں۔ انکو جی وہ مز چکاؤں لگا کر زندگی بھر یاد رکھیں گے۔ اور یہ کہ وہ
جھوٹ بولنے کی بہت ذرا کریں گے۔ دوسرے روز شام کو میں اور میرے دوست ملان کے سامنے ٹہر کے کتنا سے چہل قدمی
کر رہے تھے کہ ناگہا شرکت بھائی ریڈیو اسٹیٹن سے واپس آئے ہوئے دکھائی پڑے۔ ہم لوگ جی ان کی طرف بڑھے۔ وہ
بیت خوش نظر آ رہے تھے۔ قریب پہنچ کر انہوں نے مجھ سے کہا "اقبال میں نے تمہارے دوست کو آسمان پر پہنچا دیا ہے لیکن
قبل اسکے کہ میں اس بات کو تلوڑا نہیں سٹائی کھلانے کا وعدہ کرنا ہو گا۔ میرے دوست نے کہا شرکت بھائی آپ کیلئے
مٹھائی ہر وقت حاضر ہے۔ میں نہیں صاحب پہلے مٹھائی کے لئے دس روپیہ کا نوٹ اقبال کے پاس رکھی دو تب
بات بتاؤں گا اور شرط یہ ہے کہ اگر اس فیہ متوقعہ آواز سے تم کو مسرت نہ ہو تو بیٹن۔ دسپنے کی مٹھائی میرے دوست سے رہی
میرے دوست نے بالآخر دس روپے کا نوٹ اپنی جیب سے نکال کر شرکت بھائی نے ایک لفافہ لپیٹ کر
سے نکال کر بلک دقت میرے ہاتھ میں رکھے۔ لفافہ کھول کر میں نے اُپ شدہ خط نکالا اور پڑھ کر اس کی ترتیب پہنچ گیا۔
اور اپنے دوست کی جانب بظاہر رشک کی نظروں سے دیکھتے ہوئے خط پڑھا دیا۔ شرکت بھائی بولے آج سے اٹکا شمار پاکستان
کی چند معصوم اور بلند ترین شخصیتوں میں ہو گیا ہے۔ جیکے لئے یہ تا عمر میرے شکر گزار رہیں گے۔

وہ خط ریڈیو پاکستان لاہور کے اسٹیشن ڈائریکٹر کی جانب سے ان کے چچے ہوئے ریڈیو بیڈ پر تھا اور اس میں
تقریب تمامہ جناب والا ہمیں شرکت متافومی صاحب کے ذریعہ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ کو حضرت تمامہ اعظم سے ان
کی وفات سے چند روز پہلے اپنے بڑے بھائی کے میاں ملے ہوئے عشائیہ پر شرف ملاقات کا حاصل ہوا۔ ہم سنوں ہوں
گے اگر آپ فلاں فلاں تاریخ و بجے شب ایک تقریب ہمارے ریڈیو اسٹیشن سے نشر فرمائیں۔ اور تمامہ اعظم سے آخری ملاقات

یہ تاثرات کا اظہار فرمائیں۔ آپ پاکستان کی اس چند خوش نصیب بستیوں میں سے ہیں جن میں مرحوم سے انکی توفیق
 دیا۔ میں حقائق و شرف حاصل ہو۔ مرے ہاں ہم نے کراچی سٹیٹ یونیورسٹی میں بطور طالب علم رہا ہے۔ وہ کچھ سال صاحبانی
 خدمت میں اس طرح کی تقریر کے لئے گزارا کر رہا ہے۔

مصلحتاً کچھ صفا خاکہ بار کے ہاؤس کے کی۔ میں بھی گئی۔ چہرہ فقی ہوئی۔ یہاں خدمت کر کے گئی۔ یہاں توفیق مولانا
 ہیں ان کو یا ہر کے شریک بھائی جی کہ میں طلب
 ہے کہ چاہا نہیں ہوئے۔

اچھا کیوں نہیں ہوا؟ شریک بھائی نے "میاں سٹانی" سے یہی تو کہا تھا کہ جب میں بچے میں آپ کا
 ہاؤس سے میری طرف ہونے کی خوشی نہ کریں، تو مجھ سے یہ کہہ گئے کہ یہاں رہنا۔ روز سے یہاں نہیں سٹانی اچھی
 کے ہاؤس میں نے اس زمانہ میں رہنا چھوڑ دیا۔ جو کہ آج ہے۔ وہ رہا کہہ سکتا تھا کہ میں نے کاجب تک اس
 چل کر چائے پیتا ہوں۔

شوکت بھائی سٹانی کی کتابات سے آپ درمیان تو دوسری وہ ایک ٹوٹ اور پیش کر دوں گے۔
 میں نے بھی یہی کہہ دیا کہ یہ بہت برا جو یہ ہے۔ دوست نے مرزا درخشاں کو جس کی شریک بھائی
 اور آپ کا رشتہ سونے والے تھا میں سمجھ گیا۔ اس سے یہاں تقریباً پچاس سال ہو چکے ہیں۔ اس میں بعد دوں گا
 در ایسی لکھوں گا کہ وہ وہاں تقریباً پچاس سال رہا ہو گا۔ یہاں تک کہ صرف اس دعوت کی سٹیٹ یونیورسٹی ایک
 پرچہ پر لکھ دو باقی میری ذمہ داری ہے۔ اور میری طرف غلام ہو گیا کہ آپ اچھی تک جس کھڑے ہیں بعد
 جانے اور سٹانی سے گرا ہے۔

چنانچہ میں چل دیا اور تقریباً ایک گھنٹہ میں سٹانی کے گرد ایسے آگیا۔ ہمارے اصرار کے باوجود وہ سٹانی میں
 شریک نہیں ہوئے۔ اتنے میں میری بلکہ جن کو اس ڈرامے کا علم ہو چکا تھا راز دار نہ اور بعد رواں انداز میں
 مجھ سے پولیس آپ دونوں نے انہیں کس عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ جس سے کارنگ زور وچ گیا ہے۔ یہاں پر جو انیاں
 آ رہی ہیں۔ ایسے خاق سے کیا فائدہ کہیں بیٹے کے دینے نہ پڑ جائیں؟

میں نے کہا اچھی محنت کیا ہے۔ ذرا صبر کرو اور تماشہ دیکھو۔ چائے کے بعد شریک بھائی نے ہمارے دوست کی
 طرف کاغذ کا ایک شیٹ پڑھاتے ہوئے فرمایا آپ صبر اس دعوت کی نمایاں باتیں مثلاً قائد اعظم مرحوم کس لباس میں
 طہوس تھے ان کے رہنے ہائیں کون بیٹھا تھا کھانے کے وقت کس قسم کی گفتگو ہوتی رہی اس دعوت میں درکنہ شخصیتیں
 موجود تھیں وغیرہ یا وہ داشت نے طور پر نوٹ کر دیں تاکہ میں تقریر اچھی لکھ دوں اور آپ وہ روزہ میں اسے
 کئی بار پڑھ کر رداں کر لیں؟

ہمارے دوست نے وہ کاغذ لے لیا لیکن پھر شوکت بھائی کی منت و سماجت کرنے لگے اگر آپ نے یہ
 پروگرام منسوخ نہ کیا تو مصیبت آجائے گی۔ میرے اور بھائی جان کے تعلقات خراب ہو جائیں گے اس لئے کہ
 کہہ رہا تھا کہ اس دعوت کو کہیں نہ کرنا۔ میں نے آپ کو اپنا سمجھ کر بتلا دیا؟

شوکت بھائی نے اچھا کہ آؤ اس کو صیغہ راز میں رکھنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

ہمارے دوست رجسٹرڈ بے صل بات یہ ہے کہ آؤ کل بھائی جان کے تعلقات دزیرا علی سے کچھ بہتر نہیں ہیں اور مصروف کو اس میں شرکت کی دعوت نہیں دی گئی تھی اب اگر اس کا چرچا ہوتا ہے۔ اور ان کے علم میں یہ دعوت آجاتی ہے تو بھائی جان کی پوزیشن اور خراب ہو جائے گی۔

سبحان اللہ کیا استدلال ہے! ان یہ دعوت ہوئی تھی کہ تم نے یوں ہی اڑا دیا۔ شوکت بھائی نے بڑا بھلا میرے شیر خوار سینہ سے کچھ اب دیا نہیں صاحب دعوت آؤ در برائی تھی۔ اور عزم فاطمہ جلد بھی شرکت تھیں۔ تو پھر تو یہ بھی ضرور ہوگی میں مجبور ہوں اس لئے کہ ریڈیو کے پروگرام میں فیچر میرے بس کی بات نہیں؟ شوکت بھائی نے ذرا لمبہ بلی کر کہا۔ غرضی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ انہیں علی کا دورہ پڑے پڑے رہ گیا۔ ان کی عدم سرورگی میں میری بیگم اور میں نے شوکت بھائی سے درخواست کی کہ اب اس کی خطا معاف کر دیجئے ورنہ صبح تک اس کا بڑا حال ہو جائے گا لیکن وہ ابھی کہاں صاف کرنے والے تھے۔ انہوں نے کہا کہ خاموشی سے تماشہ دیکھتے تھاؤ۔ وہ واپس آئے تو شوکت بھائی نے سہلات کی پوچھا کہ دی جو کچھ اس قسم کے تھے؟

قائد اعظم کے داہنے۔ بائیں کون بیٹھا تھا؟

مٹن کے داہنی طرف محترمہ فاطمہ جناح تشریف فرما تھیں اور بائیں جانب بھائی جان۔

قائد اعظم کس لباس میں میسر تھے؟

’ڈفرن سوٹ پہنے ہوئے تھے‘

محترمہ فاطمہ جناح کون سا اور کس رنگ کا لباس زیب تن فرمائے تھیں؟

’سبہ رنگ کی ساری پہنے تھیں‘

تو یوں کہنے لگے کہ انہوں نے اپنے بھائی کے سوگ میں ۶۰۴ م پہلے ہی سے مٹی لباس پہن رکھا تھا۔ درد یوں تو بالعموم وہ سفید لباس پہنتے فرماتی ہیں۔ اچھا میں اب سمجھ گیا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں مضمون مکمل ہو گا؟

میرے دوست بڑے شوکت بھائی وقت گزر رہا تھا۔ آپ خدا کے لئے کسی صورت سے گراچی ٹیلی فون کریں اور انہیں روکیں ورنہ اگر کہیں بھائی جان کے پاس اس تقریر کے لئے خط چلا گیا تو غضب ہو جائے گا اور میں کہیں کا نہ بچوں گا۔ اب کوئی ہلچے کا عمل ہوگا۔ میرے دوست کی حالت غیر تھی اور ہر لحظہ بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ بار بار ہانی پیٹتے تھے پھر بھی ہونٹے اور زبان خشک نظر آتے تھے بالآخر میرے دوست مجھے علیحدہ لے گئے اور کہا کہ اگر بھائی جان کی تقریر کو غرضی نہ کرایا گیا تو قیامت آجائے گی۔ میں نے کہا کہ ممکن ہے کہ ریڈیو پاکستان کا خط فرضی اور جعلی ہو شوکت بھائی نے مذاقاً ایسا کیا جو تو فرمانے لگے اتم پاگل ہو گئے ہوئے خط پراسیسشن ڈائرکٹر کے دستخط موجود ہیں۔

(مجھے وہ خط بھیجئے ہوں) بات یہ ہے کہ جب انسان بوکھلایا ہوا ہوتا ہے تو اس کی ساری داخلی صلاحیتیں جواب دے دیتی ہیں۔ اس وقت یہ اسی منزل میں تھے۔ میں نے پوچھا۔ اچھا مجھے تو صحیح بتاؤ دو ڈنر کی بات غلط ہے نا اس ڈھٹائی سے بڑے غلط کون کہتا ہے ڈنر ہو اور میں بھی موجود تھا۔ تو پھر تقریر کرنے میں کیا قناعت ہے۔ جب کہ شوکت

میں نے یہ تقریر لکھ کر دیکھ کر کہے ہیں: کہنے کے بھائی تقریر سے زیادہ درست یہ بات پریشانی کے ہوئے ہے۔ کہ
 بہت عرصے سے بھائی جان کو اس موضوع پر تقریر کرنے کے لئے دعوت دیا گیا تھا۔ میں مصلحتاً اپنا حال مناسب نہیں سمجھتا
 تھا کہ اگرچہ یہ کام دیکھ کر وہ دعوت میں لیکن برا نام کسی صورت سے درمیان میں نہ آتا چاہیے۔

میں دوست کی صحت کے لئے غلط خواب کوئی جا۔ جی تو۔ چنانچہ ہم۔ ب۔ ب۔ ایک۔ بات جو اگر اس کے کیا کہ شوکت بھائی
 اس بات پر ہم لوگوں نے مضامین کر لیا ہے کہ وہ نہ صرف جی۔ پی۔ او۔ ہا کہ کچھ ٹرنک وال کریں گے اور بھائی جان کی تعمیر
 سرخ کیا میں نے بلکہ تہدی میں تقریر مضامین کرانے کی کوشش کریں گے شیطانی تم اس بات کا قرار نہ تم جھوٹ بولے تھے
 وہ بھائی جان کے دیکھیں صاحب تو پہلے وہ اس کی نہیں تو میں جیسے تھے کسی طرح اگر کہتے بات تو اپنی جگہ باطل
 صحیح ہے۔ میں باوجود جھوٹ کیوں ہوتا۔ اب اگر زبردستی آپ لوگ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دعوت نہیں جاتی تو بات دیکھو۔
 اب میں بھی چکا تھا کہ میں جی تو درجہ کا قصد نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی مناسب نہ تھی۔ یہی بات اس کی خیر خواہ
 آدمی جاتی چنانچہ میں نے کھان کر شوکت بھائی سے سب کی سوجھ دی میں کیا کہ صاحب یہ عذر جھوٹ بول دیا کرتے ہیں۔ نہ
 مادہ اعظم کی دعوت ہوئی اور نہ ہی یہ وہاں موجود تھے۔ چونکہ یہ کہہ چکے ہیں اس لئے یہ بات یہاں سے بولے ہیں۔ اگر آپ نے
 یہی تقریر کو نہ رکھا تو ان کے بھائی صاحب سے تعلقات خواب ہو جائیں گے۔ اور ان کی عزت بہت بھی خطرے میں
 پڑ جائے گی۔

یہ سن کر شوکت بھائی اس کی طرف مخلص ہو کر بولے: کیوں بھائی، کیاں جو کچھ کہہ رہے ہیں درست ہے، اس بار
 درالماجت سے انہوں نے جواب دیا اب آپ جو کچھ کہیں ٹھیک ہے۔ لیکن خدا کے لئے اب جملت کیجئے میں تاخیر سے جاتا
 ہوں۔ دس بج چکے ہیں۔ جی۔ پی۔ او۔ چل کر ٹیلی فون کرنا ہے۔ اب شوکت بھائی کو بھی اس کے حال بار پر ترس آ گیا تھا
 اور وہ پہلے کیلئے تیار ہو گئے۔ تاہم آگیا ہم تینوں جب مکان سے نکلنے لگے تو شوکت صاحب کی بیلم صاحبہ نے کہا کہ آپ اور
 ہمارے ہیں تو انارکلی سے موتی چور کے مٹھو در پیتھ آئیے گا۔ شوکت صاحب نے ان سے پیسے مانگے تو میرے دوست نے
 ان کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچے ہوئے کہا کہ پیسے میرے پاس ہیں آپ خدا کے لئے جلد چلیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا
 جب ہمارا ٹانگہ جی۔ پی۔ او کے قریب پہنچا تو وہ خود ہی بولے کہ شوکت بھائی یہ چند روپے ٹرنک کال کے لئے آپ لیجئے۔
 اور جنت بکس کیجئے گا۔ میں اور اقبال اتنی دیر میں اسی ٹانگہ پر جا کر انارکلی سے لڑوئے کرتے ہیں۔ دوسیر لڑو ہم خرید کر کوئی
 بیس منٹ میں واپس آئے تو شوکت بھائی جی۔ پی۔ او کے باہر دروازے پر کھڑے ہم دونوں کا انتظار کر رہے تھے خزانے
 لگے کہ میں نے ریڈیو پاکستان کے ڈاکٹر کٹر جزل سے گفتگو کر لی ہے۔ تار انہیں مل گیا تھا۔ کل صبح تمہارے بھائی جان کو خط لکھ
 دیا تھا تاہم میں نے ان سے کہہ دیا کہ یہ تاکہ کسی غلط اطلاع پر روانہ نہ کر دیا گیا تھا۔ اس پر کوئی کارروائی نہ کی جائے اور اسے
 بالعدم تصور کیا جائے وہ میری بات مان گئے ہیں۔ یہ سنا تھا کہ میرا دوست خوشی سے اچھل پڑا پھر سے پر رنگ آگیا۔ شوکت
 بھائی نے کہا میں ٹون کرنے میں تین روپے دس آنے مزید خرچ ہونے تھے جو میں نے دے دیے ہیں۔ یہ سنے ہی انہوں نے پانچ
 روپے کا ایک نوٹ زبردستی شوکت بھائی جیب میں ڈال دیا۔ حالانکہ وہ تکلنا نہیں نہیں..... اس کی کیا ضرورت
 ہے کہتے رہے۔

ہر لوگ ساڑھے گیارہ کے قریب مکان جا رہا ہے۔ اس وقت تقریبی بیس منٹ لگتی تھی صبح اٹھنے کے لئے دیکھ دی گئی۔ اب شریک جانی نے ہمارے دوست سے کہا کہ آپ کے بھائی صاحب کی تقریر کا مسند وصل پہنچا دیا۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کب تک یہ کیا صورت ہوئی جاوے۔ غور کے توقف کے بعد فرمایا کہ اپنے دفتر سے دو دویم کھنڈہ نکالتے دو۔ ریلوے کے تمام پرہیزگار سفر: وقت ہر پاسی کے ساتھ ہوتے ہیں تیار ہی تقریر پر سونے شب میں ہوتی ہے۔ میں وہاں کہ دوں گا۔ وہ اتفاقی طور پر سخت میل ہو گئے ہیں اور تفریح کرنے کے قابل نہیں ہیں لیکن اس بات کا لحاظ رکھیں۔ ان دونوں دنوں میں آپ مکان کے باہر نہ نکلیں اور نہ ہی کوٹلی کے کان پر کھلی نصائیں جنہیں میں نے کہ ریلوے کے افسر ان کو بھی میرے پاس آجائے ہیں اور اسی نے آپ کو رکھ دیا تو میں جو ناپزوں گا ان کے باوجود کہ ان کی شکل سے لے لو کہ کوئی نہ جی آشنا نہ تھا لیکن کچھ سوچے سمجھے بغیر وہ عرب اس ماضی قہ کے لئے بھی رضامند ہو گئے اور اس صورت سے ہمارے دوست دور روز مکمل فائدہ میں رہے۔

تقریر سے روز میں جس تاریخ کو تقریر ہوئی تھی شرکت صاحب نے دفتر سے دالہ میں ہر ہم سب کو اپنے ڈرائنگ روم میں جمع کیا جس میں بیگم شرکت صاحب کی بیگم۔ ان کے بچے اور میرے دوست سب ہی موجود تھے۔ شرکت صاحب ہمارے دوست سے یوں مخاطب ہوئے "میں اب تو ساری بات ختم ہو گئی؟"

اب اپنی زبان سے بھی کہہ دو نہ دعوت کی بات غلط تھی۔ ہمارے دوست نے شرم سے ہنکھیں تو جھکائیں لیکن زبان سے اقرار جرم نہ کیا۔ اس کے بعد شرکت صاحب نے فرمایا "جھوٹ بولنے کے لئے بھی ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بے ذہن جھوٹ بولنے کے طرح کے نذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے اور عقل مند جھوٹ بولتا ہے تو مستحالی بھی کھا جائے۔ اور عطف بھی دیتا ہے۔ تم جھوٹ بولے تو تیار رہے کم و بیش پچاس روپے خرچ ہوئے دور ذہن شخص میں رہے اور جو تیار رہے دل و دماغ پر کڑی تم سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ اور میں نے جھوٹ بولا تو تم سے روپے بھی لئے اور مستحالی بھی کھائی۔ اسے بعد مبلغ اٹھارہ روپے (یعنی بیس نوں کا خرچ) ان کو واپس کئے اور ان سے آئندہ جھوٹ نہ بولنے کا عہد لے کر اس ڈرائنگ روم کو ختم کیا۔

اسی مجلس کا ایک اور دلچسپ واقعہ یاد آگیا۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ قائد اعظم کی وفات کے ساتھ ہی بھائی گوینڈ نے ریاست حیدر آباد کن پر قبضہ کرنے کے لئے فوج کشی کر دی تھی۔ قاسم رضوی صاحب کی انجمن اتحاد المسلمین کے رضا کاروں نے دلیرانہ انداز میں ایک مسلح فوج کا کئی روز تک مقابلہ کیا۔ اس کا علم کس کو نہیں۔ ہر پاکستانی اپنے محبوب وطن کی بے وقت وفات سے یوں ہی کیا کم رنجیدہ تھا اس پر تہہ بالا کے قہر کا اچانک حادثہ سے لوں پر جو قیمت گزری اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ گنتی کے ہتھے جا بنا ایک منظم فوج کا کب تک مقابلہ کرتے نتیجہ بالآخر وہی ہوا جو ہوتا تھا۔ جس وقت سقوط حیدر آباد کی خبر نشر ہوئی میں اپنے دفتر ہی میں تھا اس خبر سے ہر کس دناکس کو دلی صدمہ پہنچا اور سارے ملک میں دایہ سوس کی لہر دوڑ گئی۔ میں دفتر سے میدان خارج ہو کر اسٹیٹن شرکت بھائی کے پاس پہنچا۔ وہ بھی بہت دہمچید تھے اور اپنے دلی صدمے کا کئی بار اظہار بھی کیا۔ بالآخر ہم دونوں گھر کے لئے روانہ ہو گئے۔ کوٹلی کے لئے۔ ابھی داخل نہ ہونے پائے تھے کہ شرکت جانی تو اس عالم میں ہی ایک مذاق سر جھا۔ مجھ سے کہنے لگے "دیکھو میں ہاتھی بنا جانا"

تھے جہاں مجھے اپنی زبان کو دانتوں سے کاٹ کر کسی کو برداشت کرنا پڑا ایک آنکھ کے شرکت بھائی پٹنگ پر بیٹھے تھے۔ ہم سب ان کے گرد و گرد جمع تھے کوئی پنکھا چل رہا تھا تو کوئی انہیں تسلی دے رہا تھا لیکن وہ جس کی طرف نظر پھرتا دیکھ بیٹھے تھے وہ اپنی جگہ سہم کر رہ جاتا تھا۔ ہر شخص جو کہ متاثر نہ ہونے کے لئے اپنے منہ سے کچھ نہ کہتا تھا۔ اب چاند پوری آب و تاب کے ساتھ رہش برچکا تھا بھائی بیٹھے بیٹھے چاند کو کچھ دیر غور سے دیکھتے رہے۔ اچانک پٹنگ پر ہی کھڑے ہو کر چاند سے پہلا شخصوں میں ہاتھیں کیوں اُسے بعد اپنا ہاتھ کہہ کر کسی مشہور وطنی گانے کا کھڑا جس میں چاند کا ذکر تھا ایسی دھن میں منٹک منٹک کر پون گانے لگے کہ نہ صرف میں بلکہ ان کی بیوی اور بچے بھی ان کی مس حرکت پر اپنی بے تحاشہ ہنسی کو روک نہ سکے یہی اس کے فوراً بعد ہی ان کی بیگم نے اپنے بڑے بیٹے سعید عمر سے کہا کہ کیا دیکھ رہے ہو فوراً جا کر ڈاکٹر کو بلا دو دیکھتے ہو ان کا کیا حال ہو رہا ہے۔ سعید نے قریب کی کسی کو گھنٹوں سے غالباً شوکت صاحب کے خاندانی مصالح ڈاکٹر ممتاز حسین کو کھلی فون کیا اور وہ ماضی گھنٹے کے اندر آ گئے۔ انہوں نے کہ وہ بیمار سے بھی بہن حضرت کو نہ پہچان سکے۔ انہیں بھی شوکت صاحب کو اس حالت میں دیکھ کر صدمہ پہنچا۔ وہ تا دیر شوکت صاحب کو سمجھاتے بھاتے رہے بغیر فیصل حال سننے اور پورے معائنے کے بعد نسخہ لکھ کر وہ ہالکشن لگانے کی فکر اور کوشش میں تھے کہ شوکت بھائی نے انہیں ایسی بھرپور نظروں سے دیکھا کہ وہ بغیر ہالکشن لگانے اور بغیر فیس لئے شوکت صاحب کو آرام کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ اب سعید عمر دو ایجنے کے لئے جانے والے ہی تھے کہ شوکت بھائی نے دوسروں کی نظریں بھا کر مجھے اشارہ کیا کہ انہیں روکو۔ چنانچہ میں نے کہا کہ آپ فون بجنے والے ہیں۔ ماں رو دو اور نارنگی کی دو کانہیں بند ہوتی ہوں گی اسوقت اس مقصد کے لئے سعید کو بھیجنا فضول ہے مہمات گھر نے دیکھے اگر خدا نخواستہ صبح تک ان کی حالت نہ سنبھلی تو دیکھا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کھانے کا وقت ہو چکا تھا لیکن اس پریشانی کے عالم میں کوئی کھانے کے لئے تیار نہ ہوا۔ میری بھی آنتیں قفل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ اب مجھ سے نہ رہا گیا میں نے شوکت بھائی سے کہا کہ میرا کچھ بھٹا جا رہا ہے۔ اب مجھ میں ضبط کا بار انہیں رہا۔ خدا کے لئے یہ دوسو تنگ ختم کیجئے دیکھئے تو سب کا کیا حال ہو رہا ہے؟

میرا یہ کہنا تھا کہ سب سمجھ گئے کہ یہ حضرت بنے ہوئے ہیں۔

۴۱ کی بیگم بہت خفا ہوئیں کہ ایسا خاق بھی کیا۔ اختلاج کے مارے میرا نہ جانے کیا حال ہو گیا ہے۔ بالآخر شوکت بھائی اپنی اصلی حالت اور قدرتی شکل میں واپس آ گئے اور سب سے اپنی جہارت کی داد ماننے لگے۔ سب نے ایک زبان ہو کر ان کی اہلیت کو تسلیم کر لیا اور ان کے فن کی داد دیتے ہوئے کہا کہ اصلی پاگل بھی آپ سے آکر آداب پڑا لگی سیکھے۔ مہمات کے دس بچے جب یہ ڈرامہ ختم ہوا تو سب کو کھانا نصیب ہوا اس مذاق سے یہ ضرور ہوا کہ حیدر آباد کی خیر سے دل جس قدر رنجیدہ تھے اس کا بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا۔

شوکت بھائی کے ساتھ وہ کر مجھے ان کو قریب سے دیکھنے اور بھنے کا موقع ملا۔ انکی بچی زندگی صرف چہرہ اس شعر کے مصداق رہی ہے

اے شمع تجھ پر رات یہ بھاسا ہے جس طرح

میں نے تمام عمر گزار دی ہے اس طرح

یہ سب کی زندگی کی تفصیلات میں ہمارا مناسب نہیں لگتا۔ ہم اتار سمجھ میں نہیں آتی کہ جس شخص کا زندگی میں تنہا
ہو گیا ہے اور وہ قدم قدم پر ناخوشگوار کی لگائی ہوئی اس کے ہوشوں پر حملے کی وجہ سے جس قسم کی زندگی گزار رہا ہے
اور کتنی طرفوں پر اسے حملہ کیا جاتا ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ بہت کم پائے جاتے ہیں جو مصیبتوں، غمشوں، بے چارگیوں
اور دکھوں کا مقابلہ نہایت صبر و ضبط سے کرتے ہیں اور ان کی زبان پر صرف شکایت بھی نہیں آتا۔ شکر کہ جانی میں کے
حق میں اپنی صحیح سطرانے کی بنا پر اگر یہ کہوں کہ

”اے میرے خداوند! میں نے اپنے دل میں نہ جانے کتنے زخم چھپائے ہیں جو تیرے
ہی سے شاید کوئی زخم سرخس کی شکل میں ظاہر ہو کر ان کے صاحبان کے صدمہ میں آجائے۔ پھر ان کے حق میں جادو سی سکون اور
مدد اُن کے دل میں آتے ہیں اور وہ اپنے صبر و صحت سے جانے لیکن نہ جانے کتنے دوستوں، عزیزوں اور ساتھیوں کو سبک دوار
دائیں ہاتھ پر رکھتے۔ غالباً ان کی زندگی کی یہ غمیاں ہی تھیں جنہوں نے انہیں دوسری شادی پر مجبور کیا۔ لیکن ان کے دکھ
و یہ بھی مدد اور نہ سبکی۔ اس لئے کہ اب انہیں ہر طرف کی زبرداریوں نے اپنی گرفت میں لے لیا اور یہ امر واقعہ ہے کہ دو
شائیاں کرنے کے بعد اس دسکون کا شیرازہ جو ہم رہ رہ کر جاتا ہے اگر وہ اپنی پہلی بیوی اور بچوں کی ذمہ داریوں سے بے
خبر ہو جائے تو شاید ان کے مصائب و افکار میں کچھ کمی ہو جاتی لیکن وہ فطرتاً ایک ذمہ دار نہ لیں انفس انسان تھے اس لئے
وہ دوسری شادی کے اور وہ اپنی پہلی بیوی اور بچوں کی طرف سے خائف نہ رہے جس کا اثر یہ ہے کہ انہوں نے ان کی کفالت
کے لئے جو مستقبل رقم مقرر کر دی تھی وہ وہ لڑکوں کے برسرِ روزگار ہو جانے کے باوجود تمام داپس باقاعدگی سے دیتے
رہے۔ یہ بات بتلے ہر کسی کو کہ یہ سب سہولتوں سے ہوتی ہے۔ لیکن وہ لوگوں کے چلانے کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے انہیں
کیا کیا ہاتھ پیرینے پڑے اور اپنے آرام و سکون کا لحاظ نہ کر کے بغیر شبانہ روز میں سخت و جانفشانی سے کام کرنا پڑا وہ ان کی صحت
کے لئے کبھی طرح بھی مناسب نہ تھا۔ غالباً یہ اس بے پناہ محنت اور دماغی کاوش کا نتیجہ تھا کہ وہ ایک وقت دو تین مراض
میں ایسے مبتلا ہوئے کہ جان برباد ہو سکے۔ شکر صاحب کی پہلی بیگم کے بطن سے تین لڑکے جن میں سے دو الحمد للہ
برسرِ روزگار ہیں اور تیسرے نے اس سال ایف ایس سی کا امتحان دیا ہے۔ لیکن قدرت کی قسم ظریفی کا خطہ ہو کہ دوسری
بیوی سے تین کم عمر بچیاں ہیں جو ابھی تعلیم کے ابتدائی مراحل میں ہیں۔“

میں نے ان میں کراچی آگیا۔ مجھے شکر بھائی کا ایک مرتبہ پھر علم برداشت کرنا پڑا۔ ایک بیوی جو خوش قسمتی کہ
کچھ عرصے بعد وہ بھی ادارہ جنگ سے منسلک ہو کر کراچی آئے تھے۔ میری خواہش کے مطابق ناظم آباد میں میرے قریب ہی کراچی پر
مکان لے لیا۔ اس مکان کی باؤنی منزل میں ان کے دوست جناب سید محمد جعفری اور نچلی منزل میں شکر صاحب رہنے
لگے۔ اب ہم لوگ ایک بار پھر اکٹھے ہو گئے اور کافی وقت ساتھ گزارنے لگے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جس دفتر جاتے ہوئے ان
کو کسی ساتھ لے لیتا۔ انہیں جنگ کے دفتر پر چھوڑ کر میں اپنے دفتر چلا جاتا۔ ایک دن صبح میری آنکھوں نے جو واقعہ دیکھا اسے
اگر کوئی دوسرا بیان کرتا تو شاید مجھے شکل ہی سے یقین آتا۔

شکر صاحب کا معمول تھا کہ صبح ضروریات سے فارغ ہو کر دفتر جانے کے لئے کپڑے تبدیل کرنے کے بعد نشے
کا میز پر آجاتے اور ناشتہ کرنے کے بعد اپنا پیٹ پیگ (جس میں ضروری کاغذات کے علاوہ ہان کی نوید مختلف اقسام کے

تھا کہ وہ قوم کا ہونا ضروری تھا) لے کر فرزند ہو جاتے۔ ایک دن صبح میں اپنے گھر سے نکل کر ان کے پاس پہنچے تو وہیں
ناشتہ کرتے ہوئے ایک چائے کی پیالہ زبردستی میری طرف بڑھا کر کہنے لگے کہ بس میں چل رہا ہوں یہ کہہ کر وہ اپنے پیالہ کو
میں چھلکے میں بھیج دیا کہ پیالہ ہاتھ میں لے لوں ہی چلے جیسے چاہا۔ بدھ دوم کے روزانہ سے پہنچ کر کیا دیکھتا تھا کہ وہ اپنی
مصری کے سر پہ آویزاں ایک ٹوٹے کو حیدت کے ساتھ زباناں جوڑ رہے ہیں اور انھوں نے جس کے سر پہ چھڑیاں وہ
چشمہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ جو ان کو میری موجودگی کا علم ہوا وہ ٹھٹھک گئے۔ میری حیرت و حیرت کی کوئی انتہا نہیں عجیب
میں نے یہ دیکھا کہ وہ ٹوٹے کو دو لوں والی ہاتھ سے دے رہے تھے اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی شہ
بدھ تھی وہ روضہ اطہر ہے جس کے خلیق کیا گیا ہے۔

ادب کا ہے است زیر آسمان از عرض مذک تر

نفس کم کر وہ ہی آید مجنید و بایزید ابن ہا

شوک بھائی کی دنیوی زندگی سے کیا حقہ واقف ہونے کے بعد یہ واقعہ اپنی نوعیت کا نہایت عجیب و غریب واقعہ
تھا۔ مجھ اس کے بعد شرکت بھائی کے اس دل پر رشک آنے لگا جس میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس طرح جلوہ
افروز تھی جس کا اظہار بھی شاید ان کی نظروں میں رہا کاری کے مترادف تھا کہ ان کے ہاتھ کی ذات مگر اسی سے اظہار نہ
محبت اور حیدت کا صلہ انہیں وہ طے جس کا خاتمہ عمر کی عبادت و ریاضت کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتا۔ میں نے بڑی حیرت
سے انہیں دیکھا تو کہنے لگے کہ تم کو حیرت کس بات پر ہے۔ میں گہنگا رہی لیکن ہوں تو انہیں کا نام یہ اس مجھ اس بات کو اپنے
دل میں محفوظ رکھنے کے لئے تحقیق کی اور کہا کہ ایک بات اور تم کو بتاتا ہوں جو میرے معمول میں ہے اور تم ہی اسے اپنا معمول بنا لو۔
وہ یہ کہ صبح اٹھتے ہی اپنے داہنے ہاتھ کی چھنگلی کو یوں موڑ دو کہ بائیں ہونڈ آئے اور باقی انگلیوں کو اس طرح کشادہ رکھو کہ
اللہ بین جائے مجھے وہ شکل بنا کر بھی لکھائی۔ بوسے کہ اس ہاتھ کو صبح اٹھتے ہی جو کم کر اپنے چہرے پر مل لیا کہ وہ اس عمل سے
بہت برکت حاصل ہوگی اور تمام دن اللہ کا کرم شامل حال رہے گا۔ اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مروجہ کو اللہ اور اس کے
رسول سے کس درجہ گہرا تعلق تھا۔ خوش نصیب ہیں وہ جنہیں خدا اور اس کے رسول کی محبت کی دولت لازوال
میر ہے۔

ہم لوگ خوش خوش دن گزار رہے تھے کہ ایک روز شرکت بھائی نے میرے گھر آ کر اپنے راولپنڈی تبادلی
خبر سنا لی۔ میر خلیل الرحمن صاحب نے راولپنڈی سے جنگ کے اجراء پر موصوف کو ادارتی ذمہ داریاں سونپ کر وہاں
بھجوانے کر لیا تھا۔ چنانچہ شرکت بھائی نے بادل ناخواستہ و با چشم نم خدا حافظ کہا لیکن کون جانتا تھا کہ یہ عارضی جدائی
لحہ مدت کے بعد دائمی اور یقینی مفارقت میں بدل جائے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی دونوں کی چرخہ خلوص اور بے لوث
ہمت کا نتیجہ تھا کہ ان کی ملاقات کے دوران آخری بار ملنے کی صورت خود بخود نکل آئی۔ میں دھنی کے مشاعرے میں شریک
ہونے کے بعد ہم راولپنڈی کو لا جو رہا پس آیا۔ دھنی کے مشاعرے میں وہ بھی مدعو تھے ان کا وہاں ہے حد انتظام ہوا
لیکن شرکت بھائی نے پہنچنے اور نہ ہی عدم شرکت کا کوئی سبب معلوم ہو سکا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ راولپنڈی میں ہیں
لی۔ میرا پروگرام دوسرے روز اپنے بھائی کے پاس پشاور چلنے کا تھا۔ میرے ساتھ میری اہلیہ بھی تھیں اور ہم دونوں

نے لے لیا تھا کہ شوکت بھائی کے لئے کے لئے مراد پھندہ کا میں وزیر ہا نہیں۔۔۔ یہی کی فام کو ہم لوگ میل سے پشاور روانہ
نے کو پتہ تھا کہ اسی روز صبحے دن کو تار کی میں اتفاقاً شوکت بھائی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے صلیک
صلیک کے بعد سب سے پہلے شوکت بھائی کی تشریف شک حالات کا تذکرہ کیا۔ کچھ سی انداز میں کیا کہ میرا جی دھک سے ہے
یہاں اسی وقت انہی جہی کو ساتھ لے کر ان کی سسرال داغ کر اسی شاہرہ بیجا جہاں وہ سقیم تھے۔ جو یہاں ہم لوگ ان
نے لہے میں داخل ہوتے اور بعد میں لگا میں نہیں نکھوں میں آنسو آگئے اور صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا عجیب
مالم تھا۔ خود شوکت بھائی ان کی دور سے سی بلک میں اور میری ایک چادر دن نکھوں سے آنسو وہاں تھے۔ اور دونوں کی
عجب کیفیت تھی۔ شوکت بھائی کو پہلی اس ماحول میں دیکھ کر دل جو گڑبڑی وہ ناقابل بیان سے مانی بیگم ان کے
ہاتھ اور منہ دھلا رہی تھیں اس لئے کہ وہ بچے شام شوکت بھائی کو سیر ہسپتال کے جایا جاتا تھا جس کے لئے معلوم تھا
کہ وہ پیشگی رضا سند پورے تھے۔ مجھ سے بڑے ادب ان نم جانتے ہو۔ میں نے (ابھی یہی نصف شب رہ رہ کر تے ہوئے)
ان سے زندگی میں اس طرح کا کوئی کام نہیں ہوا۔

اب یہ بے چاری رات دن میں صورت سے میری بیمار دامادی اور خدمت کر رہی ہیں اس سے میرے دل کو بے حد
تکلیف ہے۔ میں اس کا دل ان کو اس سے زیادہ دیکھ دے صفا ہوں۔ تقریبی دوسرے ایک بجے رنجھائے کی کوشش کر دی۔
لیکن بے تحاشہ دے لئے اور ہم لوگ بھی پھوٹ پڑے۔ میں نے نہ کہ شوکت بھائی آپ پریشان نہ ہوں خدا نے چاہا تو آپ
بعد ہی ہسپتال سے صحت یاب ہو کر گھر واپس آجائیں گے اور ہم لوگ اللہ تعالیٰ آپ کے فضل و کرم سے شاد و خوش بنائیں
گئے۔ اور اس کا وقت نہ آیا۔ اس لئے بعد اپنی بیگم سے کہا کہ تم میری فکر چھوڑ دو۔ دیکھو تباہی و دوہیں پہلی اور متبار سے
دیکھ آئی ہیں انکی خاطر و مدارات کرو۔ ہم دونوں ایک نہ رہی ہو کر بڑے نہ شوکت بھائی ہم تو آپ کی عیادت کے لئے آئے
ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دست بردار ہیں کہ وہ آپ کو شفا کے کامل عطا فرمائے۔ اس وقت کسی قسم کی خاطر و مدارات کا سوال
ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تاہم انہوں نے انہی قسم دے کر مجھے اور میری بیوی کو کچھ پھل کھانے پر مجبور کر ہی دیا۔ میں نے
پوچھا کہ ابھی ۳۰ مارچ ۱۹۶۳ء کو آپ سے لاہور کے مشاعرے میں ملاقات ہوئی تھی اس وقت تک آپ بالکل
نذر صحت نظر آ رہے تھے۔ یہ ایک ماہ میں آپ کا کیا حال ہو گیا ہے۔ سہماتے ہوئے بڑے جائی بعد اللہ میں وسیع
الغلبہ ہو گیا ہوں لیکن ڈاکٹر اسے دل بڑھ جانے کی بیماری بتلاتے ہیں اگر وسیع القلبی بھی کوئی عارضہ ہے تو اس عارضہ
کو میں بخوشی قبول کرتا ہوں اب شوکت بھائی کو میوہ ہسپتال کے ہانے کی تیار ہی ہونے لگی چنانچہ ہم دونوں بھی ان
سے باچشم نہر نصحت ہو کر شام کی ٹرین سے پشاور چلے گئے۔ یہ ہماری ان کی آخری ملاقات تھی۔
شوکت بھائی کے قہقہے۔ چہرے و بر محل جیسے اور بے مثل بیٹھے آج بھی میرا یہ گوش و ناخ ہیں۔ ان کی بے
پایاں محبت۔ ان کا اخلاص۔ ان کی شرافت نفس۔ ان کی بے غرضی اور بے لوثی کس کس بات کا ذکر کیا جائے
اور کس کس وصف کو قلم بند کیا جائے۔ شوکت بھائی ایک نہایت اچھے مخلص و درست۔ ایک صاحب الرائے
شفیق اور ایک سچے خوب وطن تھے جب تک اور دونوں بان نہ وہ ہے شوکت زندہ رہیں گے۔ اور جب تک
ان کے احباب اور ان کے علاج باقی ہیں ان کا تذکرہ ہوتا رہے گا لیکن ہر محفل میں اور ہر بزم سخن میں ان کی کمی

محسوس کا حاقی رہے گی۔

یہ ایک ایسا خط ہے جسے گردشِ ماہِ رسالہ کیس پر نہ کر سکے گی۔ یہ ایک ایسی ہدائی ہے جس کے بعد اس دہائی
اب دہائی میں امکانِ وصل ہی نہیں رہتا۔ ہر ایک ایسی مفارقت ہے جس کے بعد تصورِ قرب ایک دہائی ہے۔ لیکن
اس کے باوجود محبت کا رشتہ ایک ایسا رشتہ ہے جو جسم و روح کی قیود و ٹوٹ جانے کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔
شکست جہائی آج بھی مجھے چلتے پھرتے۔ جستے۔ بولتے۔ اور کہتے ہوئے نظر آتے ہیں اور میں اکثر اپنا یہ شعر
گفتار نے لگتا ہوں —

اگرچہ تو دورِ میاں نہیں ہے مگر تری گدگدانی ہے اب بھی
ضباہیں پھیل ہیں نگین میں جو باغِ پردے میں جل رہا ہے

شوکت تھانوی

سید امتیاز علی تاج

۱۹۲۸ء میں جب شوکت تھانوی سے پہلی بار ملنے کا اتفاق ہوا تو مجھے کمان جی نہ کر رہا تھا۔ وہ خدوہ میں جوا اپنے دوستوں میں اخبار پڑھنے کے لیے مصداق تھے۔ تھانوی کی نظروں کے علاوہ میں ڈال کر بھارتی تھے۔ مجھے جوں سے جوں کہ ڈاک کھول لینے کا جرات تھی۔ اس میں جہاں مسکوں تھا۔ وہاں کے مضامین مسکوتہ سے غیر معمولی معلوم ہوتے۔ وہ مجھے یاد رہ جاتے۔ مجھے چنانچہ شوکت صاحب اگر اپنی بھون کی مصروف تھانوی سے تڑپ کر نہ تو فائدہ نہ تھا۔ میں گرجوئی ہوتی مگر تعلقات زیادہ بڑھ جانے کے بعد بھی وہ نہ ہٹا سکے کہ انھیں کیوں نہیں تھے۔ اہل غلامی حاج مجھ سے منافقہ مصروف ہوا۔ اس ملاقات میں میرے متعلق وہ جو رائے ناؤ کر کے گئے۔ اس کا ہر حالوں نے اپنی کتابتیں عمل میں کیا ہیں بعد میں ایک بار خود ہی مجھ سے کہا کہ ان کی وہ رائے صحیح نہ تھی۔

کئی سال بعد شوکت صاحب ایک دو ملاقات میں اس وقت ہوئے جب ۱۹۴۲ء میں وہ لاہور میں پھر لاٹ پھرنے میں بحیثیت مصنف کے آئے۔ افسوس کہ ان کے آنے سے قبل میں پھر لاٹ پھرنے میں نہیں سکری پڑے کچھ عرصہ غم کر چکا تھا اور پرہیز غم کمپنی کے لیے ایک علمی کمائی کچھ کر ڈاکٹر کر کے کی غرض سے نوناے جایا جا رہا تھا۔ اس لیے اس موقع پر شوکت صاحب سے ایک دو سے زیادہ ملاقاتیں نہ ہو سکیں۔ وہ جی بہت مختصر اور رسمی قسم کی۔ پھر جب بعض مجبوریاں میں آجملے سے میرا لاہور چھوڑنا ممکن نہ رہا اور پونا جانے کا خیال مجھے قطعی طور پر ترک کر رہا تھا تو اس وقت تک شوکت پونجی لاٹ پھرنے کی ملازمت ترک کر کے سولنگ پسیٹی کا کام کرنے پر پناہ چکے تھے۔

آخر ۱۹۴۲ء میں شوکت صاحب کے تعلقات زیادہ بڑھنے کی ایک صورت پیدا ہو گئی۔ سوگند پسیٹی کا کام چھوڑ کر وہ دوبارہ پونجی لاٹ پھرنے میں آئے تو اس زمانے میں میں بھی اس کمپنی کے لیے کام کر رہا تھا۔ کمپنی کے مالک نے مجھ سے ایک علمی ڈرامہ لکھنے کی فرمائش کر رکھی تھی جسے میں کمپنی ہی کے دفتر میں اس خیال سے جا کر لکھا کرتا تھا کہ کوئی بات مالک کمپنی سے پوچھنے کی ہوتی وہیں کے وہیں تھا اور خیال کروں۔ وہاں میرے کرے کے برابر کے کرے میں شوکت بیٹھتے تھے۔ وہ اپنے کام سے اگلتے تو میرے کرے میں آجاتے۔ کسی شگفتہ طبع ادیب گفتگو کر کے جس قسم کی فرصت ملتی ہے وہ تو ان ملاقاتوں سے ضرور حاصل ہوتی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں ہم نہ ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہو سکے اور نہ ان کے کمالات مجھ پہنچ

میکے۔ میرے علمی ڈرامے کے لیے گانے لکھنے کا سوال پیدا ہوا تو بہ کار شرکت صاحب کے سیر و گیاہا۔ جس مادہ وہ گاؤں سے اور انداز کے فنون کی کو خود کیا کرتے۔ وہ ایک گانے ٹوٹ صاحب نے لکھ کر مجھے دیئے جس جو میرے پہلے کاغذوں پر کہیں شے پڑے ہوں گے۔ اسی زمانے میں ملک کے سیاسی حالات نے۔ یہ صورت اختیار کر لی کہ یہ فلم مانا شش کے بہادر شاہ کھانہ۔ مگر تقسیم ملک کے بعد پوری آٹ بجڑ کا کاروبار نہ ہو گیا اور اس فلم کے بننے کی نوبت نہ آئی۔ شرکت نے ملازمت سے فراغت پا کر ریڈیو پاکستان لاہور کے اسٹاف میں شامل ہو گئے۔ اتفاق کی بات کہ اس زمانے میں ریڈیو پاکستان لاہور میں ایک ایسا کام نکل آیا جس کے لیے مجھے نئی جیسے معائنہ داروں میں سے بات نہ آئی۔ شرکت کو بلا دیا۔

ہواریوں کا تقسیم ہمارے قہار سے ہی شروع ہوا۔ بعد ازاں اس صاحب نے جو اس زمانے میں لاہور کے ڈپٹی کمشنر تھے ایک موقع پر مجھ سے دیکر کہا کہ میری طرح طرح کی مصیبتیں سر کر کے بڑے حالوں پاکستان پہنچ رہے ہیں اور ان کا دل بچے کچھ اور بچہ نظر نہیں آتا، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ وہ زمانہ اخباروں کے پچھلے صفحے پر کچھ جگہ اس طرح کے لیے ضروری کر دے۔ شش کروں کہ اس میں لوگوں کا مورال کو بخارنے کے لیے آج۔ وہ دار مناسب مضامین لکھنے کی ذمہ داری سنبھال لیں۔ میں نے اس تجویز پر چند روز غور کرنے کے بعد ان کی خدمت میں عرض کیا کہ کئی کئی اخباروں کے لیے یہ خدمت روزانہ انجام دینا نہ صرف بہت محنت طلب کام ہے بلکہ اس طرح بعض محسوسات پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہے اس لیے میری درخواست میں اس سب سے کہہ دیا کہ یہ خدمت روزانہ دیکر ان کے ذریعے سرانجام دینے کی کوشش کی جائے۔ اس صاحب نے میری اس تجویز سے اتفاق فرمایا چنانچہ میں نے ریڈیو پاکستان لاہور سے روزانہ نشر کرنے کے لیے ایک مرکب پر دو گرام کا منصوبہ تیار کر دیا اور پچھلے متعلقہ فیسروں سے اس پر تفصیلی بحث کی۔ انھوں نے میری اس تجویز کو پسند کیا اور یہ وہ مہرے سپر ڈرامہ دینے۔ پروگرام کا نام "پاکستان ہمارا" قرار ہوا۔ ریڈیو پاکستان نے اس کام میں میری ادوار کے لیے شرکت خاوی کو مقرر کیا۔ شرکت صاحب نے بعد میں مجھے بتایا کہ شروع شروع میں انھیں اندیشہ تھا کہ روزانہ کتنے کام کرنے میں اختلاف رائے سے کہیں بد مزگی نہ پیدا ہو جائے لیکن جب کام شروع ہوا تو ایسی خوش اسلوبی سے سرانجام پایا کہ ہر دن ہمیں ایک دوسرے سے قریب تر کرتا گیا۔

ہم دونوں ایک ہی کمرے میں اور ایک ہی میز پر آمنے سامنے بیٹھ کر کام کرتے تھے۔ کام کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ صبح کو دفتر پہنچتے ہی طے کرتے کہ اس دن کے پروگرام کا موضوع کیا ہوگا۔ موضوع کے انتخاب میں اخباروں کی خبریں اور ریڈیو شروع کی رپورٹیں ہماری رہنمائی کرتیں۔ ان دونوں ذریعوں سے اعداد و ارقام طے تو عام حالات کا خیال کرنے کے لیے دوسرے کے مشورے سے کوئی مناسب موضوع خود طے کر لیتے۔ جو موضوع طے ہوتا اس پر کلام پاک۔ حدیث اور تاریخ میں سے ایسی چیزیں نکالتے جن سے اسلامی نقطہ نظر واضح ہوتا۔ اس کے بعد ہنگامی حالات پر توجہ کی جاتی کیپیروں کے واقعات پر مبالغے۔ اسکت۔ نظمیں وغیرہ لکھنا شروع ہوتا۔ یوں بہت سی اہم اور مفید مطلب چیزوں کی ایک فہرست وہم سے پہلے تیار ہو جاتی۔ اس کے بعد ہم کام تقسیم کرتے کہ فہرست کی کون کون سی چیزیں شرکت لکھیں گے اور کون کون

میں۔ کھانا کھانے کے بعد دو ذرا کھینچیں مصروف ہو جاتے۔ وہ بہرہ یک ہوتے ہیں جسے کی قدری بنیاد رکھتے ہیں۔ ایک وہ موسم کو مٹاتے۔ دونوں ایک دوسرے کی چیزوں میں کھینچیں سے انہیں لے کے اور جو قابل ہو جاتا وہ اپنی چیز و بارہ کھاتا اگلی میں مناسب تر سمجھ کر نہ انھیں بہرہ یک کے لیے مسودہ کی وارڈ کو لے دیا جائے انھیں تیار ہونے آتے ہیں تو جلدی جلدی ہم انھیں دیکھتے اور کتاب کی طباعت درست کرنے کے لیے کھینچیں جسے مختلف اور ذرا دیر کے پڑنے کے ان کی رہبریں کرتے۔ انھیں میں رہا کھانا کھاتا۔ اس میں حسب ضرورت جوتے ہیں۔ وہی کے کھانے میں رہنا۔ شوکت فہر کی اس کتاب میں بہرہ یک کے بارے میں ہے۔

اسی زمانے میں میرے سر پر ہوا کہ کوئی صاحب کتاب کو روکا دیا۔ یہ۔ خود آئے میرے جیہ پر کھتے تھے جب کبھی۔ کچھ کسی دوسرے کے نسخے کے سبب جو کتاب میں سر آٹا اور شوب سے بے شمار کرتے۔ اور جو اب ہذا کتاب اور لغت جہاں کوئی تصدیق کرتی۔ خاص موضع کو اب ہے۔ وہ انھیں رہا میں ہی زمین کی کوئی اہم معلومات حاصل ہونے پر ہے۔ اخبار میرے قلم سے نکلتا۔ یہ کتاب کو اعلیٰ کا طباعت پر پہنچے۔ بولے۔ "لغت جہاں" درج و ذمہ دونوں روایات کو مٹا ہے اس لیے علامہ کے لیے ضرورت سے موزوں ہے۔ اس کے بعد میں نے انھیں علامہ کہہ کر محاط کرنا شروع کر دیا۔ چند روز وہ اس لغت سے بے چین رہے۔ بعد میں اس کے ملوی ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ شوکت میں آدمی ملنے نہ تھا۔ یہی ملاقات میں وہ کئی طرح سے تھوس۔ آدمی معلوم نہ ہونے لگے۔ لیکن اگر ان سے کچھ پوچھا جاتا تو پتہ چلے کہ ان کی مصروفیات غیر معمولی ہیں۔

پاکستان ہمارے "کے سلسلے میں شوکت کے قاضی جی کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہم اکثر سوچا کرتے تھے کہ اس میں خلافت کی چاشنی پیدا کرنے کے لیے کیا کیا جہاں۔ سوچ سوچ کر شوکت نے قاضی جی کا کردار تجویز کیا۔ ایک بزرگ جو پاکستان کے سلسلے میں ہر بات پر نامتو فہم کی جیسی کھینچیں کیا کریں۔ جو ہر ایک کو خشک خبر معلوم ہو شوکت نے ان کا ایک اسٹک لکھا اور قاضی جی کا بولنے کا انداز اس زمانے کی ایک مڑی شخصیت سے لیا۔ یہ ایک حکیم صاحب تھے جی سے کئی سال چیتیز میری ملاقات ہو چلا۔ وہ ہاڈ پر ہوئی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد وہ لاہور آئے اور حسن لغات سے مسلم ٹیون میں شوکت صاحب کے ہمسائے بنے۔ میں ان سے اپنی ملاقات اور آدو میں ان کا میزبان بننے کی داستان شوکت کو سن چکا تھا۔ لاہور میں وارد ہونے کے بعد شوکت سے ان کی ملاقات ہوئی تو وہ انھیں بہت خوبصورت شخص معلوم ہوئے۔ ملاقات کے وقت ان کے تازہ کار نامے مجھے منانے پڑے۔ کہیں ان کی گفتگو بیان کرتے تو بات کو نہ بدوہ و بلف بنانے کے لیے بڑے کمال سے ان کے بولنے کی نقل آتے چنانچہ قاضی جی کا خیال آتے ہی شوکت نے فی الفور انھیں حکیم جی کے قلاب میں ڈھال لیا۔ قاضی جی کا یہ دگرام ریڈیو پر بہت مقبول ہوا اور اس نے پاکستان ہمارا "میں خلافت کی مطلوبہ چاشنی پیدا کر دی۔

ہمارے یہ پردگرم حیرت انگیز حد تک پسند کئے گئے۔ ریڈیو اسٹیشن کے اور باہر کے لوگ اکثر ہم سے کہتے کہ اس پردگرم کی ایسی غیر معمولی مقبولیت ریڈیو کی تاریخ کا ایک اہم اور بے مثال واقعہ قرار دی جاسکتی ہے جس نے

پہرہ گراموں کو بعد میں بڑھاتو ان میں بعض خامیاں نظر آئیں لیکن ہمارا غرض اس امر جو شایہ اُن کے ہر عیب کو ڈھانپ لیتا تھا۔ بہر حال حالت یہ تھی کہ اس پہرہ گرام کو تنفس کے سونے میں کئی لوگوں نے شام کے وقت سینا مگس جانا چھوڑ دیا تھا۔ گاندھی نے اسی منظر کی شام کی تقریروں میں میرا اور شوکت کا نام لے کر اس پہرہ گرام کو سراہا۔ اس کی تعریف میں وہ جو خط لکھا اور دن بھر جو فلن ریڈیو اسٹیشن کو موصول ہوتے تھے ان کا ترجمہ یہی رہا تھا۔

مجھے یاد ہے ایک روز صبح صبح ہمیں اطلاع ملی کہ کئی ہمارے جو حکامانہ جیسٹرنے اُن کے باعث کہیں دھرمے والے کے قریب مردہوں کے آسمان سے بڑے تھے رات میں شہر کے جہاں جتن ہو گئے۔ یہ اطلاع پا کر بھی بے حد متاثر ہوئے چنانچہ اُس روز کا پہرہ گرام ہم نے شدید احساس درد کے ساتھ لکھا۔ اس پہرہ گرام کے لیے شوکت نے ایک نظم "بعد از وقت" کہی جس کا مضمون یہ تھا کہ کئی سوشل ورکر کسی ہمارے خود کشی بھی کئے ہیں کس نے کہ پہنچا ہے تو یہی مردہ سے شہر کو ختم ہو چکی ہے۔ نظم موثر تھی اور بہت خوبی سے پڑھی گئی۔ سزا پہرہ گرام میں ایسا تھا کہ تنفس والوں پر اس کا بے حد اثر ہوا چنانچہ اگلے روز بیت المال سے اسٹیشن ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان کے نام فون آیا کہ پچھلے شام کا پہرہ گرام سنی کر لوگ گرم کپڑے اور لحاف اور تو شکیں لے کر اتنی زیادہ تعداد میں بیت المال پہنچے ہیں کہ اُن سب کی لکڑی ہوتی چیزوں کو سمجھانا ہمارے مشاف کے لیے ناممکن ہو رہا ہے اور اس سے بھی زیادہ مشکل اس بات سے پیدا ہو رہی ہے کہ جو چیزیں اپنی طوائف چھڑیاں اور انگوٹھیاں اور بالیاں لے کر آ رہی ہیں۔ دن زیوروں کو وصول کرنے میں کئی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ زیوروں کو ڈالنے یا اُن کی بیچ قیمت جانچنے کا ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں اور اس کے بغیر انھیں وصول کر لیا جائے تو ممکن ہے مجھے کا کوئی شخص بددیانتی سے وزنی زیور لے کر اُن کی جگہ چھکے زیور رکھ دے، اس لیے براہ کرم ریڈیو کے ذریعے خوانین کو ہدایت دیکھئے کہ وہ بیت المال کو لپٹنے زبردنی الحال نہ دیں۔

ہمانا گاندھی پر گولی چلی تو اُس روز ایک پورا پہرہ گرام اُن پر کیا گیا۔ اس میں شوکت نے ہمانا گاندھی کی آواز کی نقل ایسی خوبی سے آٹاری کہ کئی سننے والوں کو شبہ ہوا کہ ریڈیو اسٹیشن کے پاس ہمانا گاندھی کا کوئی ریکارڈ موجود ہے۔ یہ پہرہ گرام بہر عظیم میں بے حد پسند کیا گیا۔ بعض ہندو خواتین نے پہرہ گرام لکھنے والوں کے لیے چیک بھیجے جو شوکت کے ساتھ انھیں واپس کر دیئے گئے۔ راجہ غنصر علی مرحوم اُس وقت مرکز کے وزیر کالیا تھے۔ ہندوستانی ڈپٹی کمشنر سٹرکے۔ اہل پنجابی خاص طور سے راجہ صاحب نے اور کہا کہ میری طرف سے اس پہرہ گرام کی داد لکھنے والوں کو پہنچا دیجئے نئی روز بعد ستر پنجابی نے راجہ صاحب کی معرفت لکھی پریسی دے دیا اور اُس موقع پر کہا کہ اُل انڈیا ریڈیو سے روزانہ ہمانا گاندھی پہرہ گرام نشر کئے جا رہے ہیں لیکن اُن میں کے ایک پہرہ گرام میں بھی وہ اثر و تاثیر نہیں جو پاکستان ہاما کے پہرہ گرام میں تھی۔ میں نے عرض کیا کہ اس کی وجہ تو عیاں ہے۔ سب ریڈیو پر ایک ایسی مصنوعی زبان استعمال میں لاتے ہیں جو نہ دل سے آتی ہے اور نہ دل پر گرتی ہے۔ ایسی صورت میں اثر و تاثیر کہاں سے آئے گا؟

کئی ایک سو پہرہ گرام لکھنے اور پیش کرنے کے بعد شک کہ میں نے فور ریڈیو پاکستان سے رخصت کی اجازت چاہی۔ شوکت کا تعلق چونکہ اس محکمے سے مستقل تھا، وہ اس کام میں برابر مصروف ہے۔

تین چار مہینے کی اس کجائی سے میرے اور شرکت کے تعلقات بہت بڑھ گئے۔ پاکستان ہمارا چھوڑنے کے بعد میں جس کام میں بھی لگتا تھا، بے اختیار ہی پاتا، اوش اس میں شرکت بھی میرے شریک ہوتے۔ ایک بار کوشش کی کہ دونوں کی کمانڈو راء ایڈٹ کو لکھا کر دے، شرکت کو اس پر آمادہ کر لیا، فرصت کی چند دوپہریں ان شغل میں صرف ہی گئیں لیکن کام چلا نہیں۔ آپ علیہ آدو سے بڑے ڈرائے بہت چھپے ہیں۔ ان میں ایسی گرفت نہ تھی کہ ہمیں کام میں مصروف رکھ سکتی۔ شرکت کی باتوں میں لذت زیادہ تھی چنانچہ باقی زیادہ ہوئیں، اور کام کم۔ رفتہ رفتہ باتیں ہی باتیں چمکنے لگیں۔ ڈرائے کا مسودہ لکھنا تک بند ہو گیا۔ یہ صورت دیکھ کر میں نے یہ کام خود ہی پھینک دیا۔ عجب الجھتا ہوں میری سیڈ پر شیشی سے میرا گھر قریب ہے۔ وہاں سے آکر شرکت کو گھر میں آجائے۔ بعض اوقات میں خود انھیں بکارت۔ ٹھنڈا گپ۔ تھی۔ شرکت سے محض آدھ جہاں موجود ہو، انھیں خدا کہ وہاں سے قہقہے نہ سنائی دیں۔ قہقہوں کی آواز سن کر حجاب اور باسین بھی اٹھاتیں شرکت کی انھوں ایسی باتیں شروع کر دیتے تھے جس سے وہ دونوں بھی غلغلو ہوتی۔ اس طرح وہ ہمارے قیمتی مہر سے بے گئے جگہ اس دوران یہ بھی دریافت ہوا کہ میرا ان سے واقعی دور کا کچھ رشتہ بھی ہے۔ میرے چچا بھی زاد بھائی سید سجاد حسین مرحوم کی، جب عمر مرخانہ بخون کی اور شرکت کے عزیزوں میں سے تھیں۔

کچھ عرصہ بعد ایک فلم کمپنی نے مجھ سے اسکرین پٹے لکھنے اور ڈائریکٹ کرنے کی فرمائش کی تو اس کی مکالمہ نویسی میں نے شرکت کے پیر و کردی۔ شرکت ریڈیو کے بہت مشاق مکالمہ نویس تھے جیسی۔ ریڈیو اور فلم کے مکالموں میں بہت فرق ہے۔ ریڈیو کے مکالموں میں ہر عمل کا اختصار لفظوں میں کیا جاتا ہے، فلم کے مکالموں میں کوشش کی جاتی ہے کہ انھوں کی بجائے حتی الامکان عمل سے کام لیا جائے۔ دونوں مکالمے سوچنے کا طریق ہی مختلف ہے۔ اس سلسلے میں میری دلچسپ بحثیں ہوتیں۔ شرکت کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ کچھ بھی کہیں نہ کرتے تھے۔ وہ میں بے حد سختی۔ بات کچھ میں لگتی تو وہ اسے صاحب پر پڑھ گئے اور کئی من حرکت کے مکالمے بہت لذیذ لکھ کرے آئے۔ میں نے کسی جگہ بندی کی فرمائش کی تو کبھی اس سے برائے مانے اور فی انھوں میری مرضی کے مطابق مکالمے میں بندی کر دی۔

یہ فلم خفا تو شروع ہوا مگو نگلیں کو نہ پہنچ سکا۔ لیکن خفوشے ہی عرصے بعد ایک اور فلم کمپنی نے میری ایک پرانی کہانی ”گنار“ کو فلم بنانے کے لیے پسند کیا اور فرمائش کی کہ اس کہانی کو میں لکھنؤ کی معاشرت میں وصال دوں۔ اس کام میں شرکت سے مجھے قابل قدر امداد ملی۔ چھر گنار میں انھوں نے نہ صرف مکالمے لکھے بلکہ میرے اصرار پر اس میں نواب و شاہ کا پارٹ کرنے پر بھی رضا مند ہو گئے۔ شرکت اسکرین پر پہلی بار آ رہے تھے۔ بعض پڑنے، ایکٹر شرکت کو درجہ روشنی سے بہت کم مکالمے پڑتے سنتے تو مجھے کی تازگی اور اچھوتے پن پر حلیتے اور انھیں ڈرانے کے لیے کہتے۔ کرے میں بیٹھ کر مکالمے پڑھ لینا کچھ مشکل نہیں۔ آزمائش کا مقام اسٹوڈیو کا فلوہ ہے۔ جب ایک طرف روشنیاں گھیر کر چلا چوند کا عالم پیدا کر دیں اور دوسری طرف کیمرو گھوڑ گھوڑ کر کے چلنا شروع ہو جائے تو اس وقت مجھے کی سب جدتیں اور رنگائیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ شرکت خاموشی اور بہت بے پروائی سے یہ باتیں سنتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ خود

مجھے میں اندیشہ تھا کہ کیمبر کے سامنے شوکت کہیں بھیجیں نہ جاویں۔

سیٹ پر شوکت کا پہلا شاٹ مجھے بخوبی یاد ہے۔ نہ جانے کہاں سے وہ کسی کھنوی نواب کی تصویر ہلکے سے چھٹکا کر اپنا میک اپ اس کے مطابق کرنا مناسب پڑے گا، لڑکھا، جی ٹوٹی میں بسر با اس کے ساتھ چڑی دار چا جانے اور وصل کی جوتی پہن کر اسے سر پر دوپٹی ڈھکی رکھ کر سیٹ پر گئے اور حریفانہ دیکھا میں کیمبر کے نواب معلوم ہوتے ہیں۔ میں یہ تھا کہ نواب و نساہ صولت کے ہاں سے مصدا حریف ہمت مشورے میں آئے ہیں سڈو سٹیج صولت اور اس کا استقلال کرتا ہے اور اسے ساتھ دو براں خانے میں لے جاتا ہے جہاں محض مشاعرہ کا اہتمام ہے۔ شوکت بڑے اعتماد سے سیٹ پر گئے۔ روشنیوں ٹھیک چلی گئیں ایک۔ وہ جیسے جیو قطر خواہ جو نہیں ادا می کے بعد ٹیک ٹاکر سے آیا۔ ریڈیو میں شوکت کی خود بخود میٹھی دیکھ کر ایک بڑے الجھنے نے ان کا ہلکا سا شاٹ غراب کرنے کے لیے ایک نام سب حرکت کی۔ شاٹ لینے کے لیے جب میں بلند دروازے سے غور سے دیکھتا تھا تو شوکت سٹڈو دیف کے لیے موڈ میں تیار کھڑے تھے تو وہ صاحب لک کہ ان کے قریب بیٹھے، ان کا وہ حریف ہلکے سے لے آئے ان کے ٹھیکے کا دامن ہاتھ میں پکڑ کر کھینچ گئے۔ خوب کپڑا ہے۔ کے دو پہن گز کا ہے۔ لیکن ان حضرت کی اس کوشش کے باوجود شوکت نے اپنے پہلے شاٹ میں ایسی ساختہ بے ساختگی سے کام کیا اور تمام نقد میل کو ایسے مکمل طور پر چھ ادا کیا کہ شاٹ ختم ہونے پر کٹ کی آواز کے ساتھ ہر حرکت سے واہ واہ اور بحان اللہ کی آواز ہی آئے گئیں۔ میں نے بڑھ کر بڑی گرم جوشی سے شوکت سے مصافحہ کیا۔ شوکت اپنی کامیابی سے بے حد خوش ہوئے۔ پھر انہوں نے اپنے لیے ہر حرکت لینے سے شاکٹ لینے کو پانچویں احساس ہی نہ تھا کہ سیٹ پر کیمبر بھی کام کر رہا ہے۔ نواب و نساہ کو کدوار انہوں نے اپنے کمال سے پیش کیا کہ کھنوی نوابوں کی تصویر پر کھنوں کے سامنے آجاتی ہے۔ چال و حال نشست و برخاست۔ حرکت سکنت ہر اعتبار سے وہ کھنوی نواب تھے۔ افسوس اس فلم کی یہ ٹیم بھری مریخی کے مطابق نہ کی گئی کئی اہم جتنے بے دروی سے کاٹ دیئے گئے اور ایڈٹ ہونے کے بعد فلم سنسکرپٹ سے پہلے مجھے دیکھنے کا موقع بھی نہ دیا گیا۔ ورنہ اس کی صورت بہت مختلف ہوتی۔

گلنار کے شوٹنگ کے دوران میں شوکت کے ساتھ وقت بہت لطف میں گزرا۔ وہ سیٹ کے کسی کونے میں اپنے پسندیدہ آرٹسٹوں کے ساتھ بیٹھے گفتگو کی آتش بازی چھوڑتے رہے۔ میں ٹھیک مار کر دم بیٹھنے کو فدا سی ویرا میں محض میں شریک ہوتا تو شوکت جتنا ہنس کر تازہ دم کرتے تھے۔ اس زمانے کی ساری باتیں مجھے یاد نہیں۔ اس خیال سے حافظہ پر ور ڈیٹے کو جی بھی نہیں چاہتا کہ پڑھنے والوں کو شاید ان سے کچھ نہ ہو۔

گلنار کے بعد کوئی کام مل کر کرنے کا موقع ہی نہ ملا لیکن تعلقات ہمارا انداز میں برابر جاری ہے۔ جہاں تک وہ جو چھوڑ کر اچھے چلے گئے۔ خلا میں ضرورت کے سرا کھتا نہیں چنانچہ شوکت سے خط و کتابت نہ رہ سکی۔ اب تو ایک خط نہیں اسی معنوں کا لکھنا یاد ہے کہ میں ہمدی حسن حسن کے ٹھکانے ایڈٹ کر چکا ہوں۔ ان کے حالات زندگی کی تلاش ہے۔ فی کوشش کامیاب نہیں ہو رہی۔ آپ احسن سے مل چکے ہیں ان کی ایک فلمی تصویر کھد کر بھیج دیجئے جس میں آپ ہی کے نام

حلیہ مقصد سے پیش کر دیا گیا۔ جتنے ہی روز اس خدا کا جواب آئی جس میں آئین کی علمی تصویر ملی۔ بر تصویر پر میرے پاس محفوظ ہے۔ ایک بار میں کراچی گیا تو وہاں قیام کا بیشتر وقت شوکت کے ساتھ گزرا۔ کراچی اور چھ ہند سے جب کبھی وہ لاہور آئے تو انھوں نے مجھے کا وقت صرف اٹھ گھنٹے کا کیا۔

شوکت کثیر الاحباب شخص تھے۔ مجھے یقین ہے ان کے کسی دوستوں نے ان کی شخصیت کے نمایاں پہلوؤں پر تنقید سے انہماک خیال کیا ہوگا۔ بعض چھوٹی چھوٹی ایسی باتیں ہیں جن کے سنسن مہرجاں ہے کہ وہ دوسروں کی وجہ حاصل نہ کر سکی ہوں مختصر میں لکھ دیتا ہوں۔

اپنے لباس میں شوکت خاص، تمام سے کام لینے لے۔ شیر دانی بننے، شوٹ، اینڈ کے رنگ اور ڈیزائن سے ہمیشہ اس کی خوش مذاقی کا ثبوت ملتا۔ رنگ پانچا پر پچھلے تو اس کی چھڑیوں میں ملتا ہوا تھا۔ گروہ کی آستینیں بھی چھٹی ہونیں۔ شیر دانی کی ٹاس ایسی شغری کہ دیکھ کر محنت ہوتی تھی۔ شوب پہنے تو بعض کا رنگ شوٹ پر اور ٹائی کا رنگ بعض پر پھینکا۔ ٹائی اور دو ماں اور مور سے ہمیشہ بہت اعلیٰ استعمال کرتے۔ شو جھنڈے پاس سے دیکھ رہے ہوتے۔ شوکت کھانا بڑی لغامت و شائستگی سے کھاتے تھے۔ چائ اور چاول دونوں کا والہ ایسی نکالنا نہ خوبصورتی و احتیاط سے بندے کہ نظر پڑی تو ان کی انگلیوں کے سروں کی کارگر ادوی دیکھتے تھے کو جی چاہتا تھا۔

تقریر و تقریر میں شوکت کی لطافت پر غالباً ان کے کئی احباب، اخبار خیال کریں گے لیکن یہ بات شاید کم لوگوں کو معلوم ہو کہ شوکت طبیعت کی شوخی و ہنس میں پانی تھی۔ ایک بار اپنے والد ماجد محمد عبد بن صاحب کی سہیلی صاحب کے کئی وفات انھوں نے مجھے بتائے، ان میں کا ایک مجھے یاد ہے۔ ان کے والد ایک سو دہے میں جو ہاں پڑوسی میں مل رہے تھے وہاں کے کسی رئیس کے ہاں سری پائے بہت اچھے کھاتے تھے۔ صدیق صاحب نے ایک بار ان سے سری پائے کھانے کی درخواست کی۔ انھوں نے کسی تعطیل کے روز دوپہر کے کھانے پر انھیں مدعو کر دیا۔ یہ کھانے کے وقت پہنچے تو احاطی سے ان رئیس کے ایک ہند دوست دوست نارمل ہو گئے۔ ایسے جم کر بیٹھے کہ کھانے کا وقت آکر گزر بھی گیا مگر انھوں نے سر نہ ہٹا کر کھانا نہ دیا۔ رئیس ان ہند دوست کو جوہ کھانے میں شریک نہ کرنا چاہتے تھے۔ مروت کے مائے یہ بھی منہ سب بچتے تھے کہ انھیں رخصت کرنے کی کوئی کوشش عمل میں لائیں۔ آخر کھانے میں تاخیر ہونے کے سبب مہمانی سے ندامت ہو رہی تھی۔ اور کچھ تو سوچا بھی نہیں کہ فذ کیپڑے پر یہ فقرہ لکھا کہ کیا کروں۔ یہ حضرت سریشی کر چپ گئے ہیں۔ بیچھا چھوڑی تو دوسرے خان بچھاؤں پر یہ فقرہ لکھ کر انھوں نے خاموشی سے صدیق صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ اپنے رفقہ پڑھا تو مسکرائے۔ پھر یہ رفقہ پڑے ادب سے ان ہند دوست کی خدمت میں پیش کر دیا۔ میزبان لا حول و لا قوہ کہہ کر نہ ان خلع کی طرف بھاگے اور ہند دوست غلامت سے پیسہ پیسہ ہمو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

شوکت کی ایک بات مجھے اکثر حیران کرتی کہ بے تکلف احباب کی صحبت میں بھی ان کا دماغ فراغت سے کبھی راحت انداز نہ ہوتا تھا بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ کسی نہ کسی بات کا طریقہ نہ پہلو دیکھنے میں تنہم رہتا تھا۔ ناممکن تھا کہ موقع ملے اور شوکت لطافت کی پھینچھری چھوڑنے سے چوک جاتے۔ جہاں موقع نہیں ہوتا تھا وہاں بھی انھیں بیکایک ہنس کی

کوئی ایسی بات سرچھ جاتی تھی کہ بعض اوقات میں دیر تک اُن کے ذہن میں کل کا تجزیہ کر کے کسی کوشش کو نہ فرماتا تھا۔ حکمرانی و ملت کے بعد پاکستان کے نئے صدر کا اعلان اسی نہ ہوا تھا۔ شوکت سمیت ہم کئی لوگ ریڈیو پاکستان پر غزوہ جگہ سے تھے کہ پاکستان کا آئندہ صدر کون بنے گا۔ ایک صاحب بولے یہ سر آغا خاں صاحب صدر ہونگے وگن شخصیت۔ کچھ ہیں اور پھر ذی اثر اور ہیں الا تو اسی شہر کے مالک بھی ہیں۔ شوکت فی الفور کا سوا سب تو بیک ہے لیکن سر آغا خاں صاحب نے تو قائد ملت کو شاید وزیر اعظم نہ پہنچے دی۔ پوچھا گیا کہ کیوں وہ کے منہ پر اظہارِ غم نہ کر رہے تھے؟ شوکت بولے یہ کسی جو کی دو کی کویت

میں دیکھتا تھا کہ خرافت کی کوئی بات کرنے سے بیشتر شوکت کی آنکھیں فلحالک ہوجاتی تھیں اور اُن میں ایک عجیب سی چمک آجاتی تھی۔ اُن کی بات پر سب ہنستے تو وہ جو جو ہسی میں دل کھول کر شریک ہوتے تھے اُن کی ہنسی بھاری کم ہوتی تھی۔

شوکت کی خرافت پر نقاد حضرات مجھ سے بہتر اظہارِ خیال کر سکتے ہیں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ محض تاریخی ہی وہ اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ اُن کی باتیں اُن کی تحریروں سے زیادہ دلچسپ اور ظریفانہ ہوتی تھیں مگر اُن کی تحریروں کے متعلق یہ نہ بھولنا چاہیے کہ وہ کاروباری مصنف تھے اور اپنی آمدنی میں اضافہ کرنے کے لیے انھیں ہمارا دنا چار تصنیف کا کام کرنا پڑتا تھا۔ لکھتے فلم برداشت کرتے اور ایک ہی نشست میں فل سیکپ سائز کے ایسے کئی کئی صفحے خوشنود لکھ جاتے جن میں ایک سطر تک ایک لفظ بھی کٹا ہوا نہ ہوتا تھا۔

شوکت بہت باکمال نقاد بھی تھے۔ کسی سے پہلی بار ملنے تو باقی کم کرتے تمام وقت اُس شخص کی ایک ایک حرکت اور لہجے کی ایک ایک خصوصیت کا مطالعہ بہت غور سے کرتے رہتے۔ بے تکلف احباب کے ساتھ تنہائی کا مرقع ملتا تو بے حد اعتماد سے اُس کی ایسی مکمل نقل آتارہے یا اس خوبی سے اُس کی ہیر پڑی کہنے کہ اُن کی قوتِ مشاہدہ کا قافی ہونا پڑتا تھا۔

اس کے ساتھ ہی ایک بڑے کمال کی بات اُن میں یہ تھی کہ جب کبھی اُس سے درخواست کی جاتی کہ فلاں واقعہ یا فلاں صاحب کی نقل سنا دیجئے تو انکار کبھی نہ کرتے۔ انھیں یہ خیال بھی نہ آتا کہ جس شخص کی حیات طبع کے لیے ان سے یہ فرمائش جاری ہے وہ اس قابل ہے بھی کہ اُس کی خاطر یہ زحمت برداشت کی جائے۔ وہ صرف فرمائش کرنے والے سے اپنے تعلقات اخیال کرتے اور جلتا ناقل اُس کی فرمائش پوری کر دیتے تھے۔

گمان تک نہ گزرتا تھا کہ اس ہنسنے اور ہنسانے والے شوکت کا چہرہ ایک مددِ کف میں لپٹا ہوا دیکھنا پڑے گا۔ وہ نہ حوں کی نالوائی پر کٹے گا کہ اپنے عزیز دوست کو اُس کی آخری منزل تک پہنچانے سے معذور ہے۔ انھیں اُسے مٹی میں لٹا ہوا دیکھیں گی اور بے ی کے آنسو ہلاتی رہ جائیں گی۔

شوکت تھانوی کے آخری ایام

فضل محمد کریم نضل

میں اٹھاکریں تھ کر بڑھتے تھیں شوکت خانوی بہت محنت کیا جب دیکھے تو لوگ بیٹھیں پڑتے تھیں شوکت شخصیت کا
 ذہن میں تصور کچھ ایسا صحت بخش تھا کہ اس شخصیت سے کوئی کیا۔ یہی سبب رہا شاید ساف۔ درحقیقت شادی میں ڈھارسے سیدھا ہوا
 گیا۔ وہاں نیاز احمد صاحب دس۔ اسی۔ پنی جہیز دے آئے۔ ریوڑ نے بتایا کہ شوکت جب ۱۹۰۳ء کو لاہور آیا تو اپنے ۷ پورے تو انہیں
 بھاڑتا۔ دوسرے دن ایک اونہی نسل میں جی وہ خانہ کی حالت میں شریک ہوئے تھے۔ دوسرے دن بھی یہی ہوا۔ نیاز احمد صاحب نے انہیں ڈاکٹر صاحب
 بھی کہہ دیا جو اتفاق سے وہ پورے ہوتے تھے۔ ڈاکٹر بھی نے بتایا کہ ان کے بھائی مرحوم جی ہے یا چھوڑا۔ اور بھارتا بھائی ہے ر
 اس کا دادا بلی اور چچا پڑوں پر پڑے۔ فوراً سرحان یا چھوڑے کی شخصیت بولنا پڑی۔ اور اسی کے مطابق صاحب۔ یہ ۱۹۰۵ء
 کی بات ہے، مگر جی ڈاکٹر کو بعد میں دیکھا یا گیا۔ انہوں نے ڈاکٹر کی لڑائی سے، تعلق نہیں کیا۔ بلکہ دلی کی شہادت تحریر کی جس کا
 علاج وہ کرتے رہے۔ اور شوکت صاحب کی حالت تیزی سے خراب ہوتی گئی۔ اور اب وہ نضل و حرکت بھی نہیں کر سکتے۔

میں ۱۱۔ اپریل کی صبح کو انہیں دیکھنے گیا۔ کمرہ میں دیکھے پاؤں داخل براتو گئے چنگ پر ایک بدخ و ہمار آدمی کی جگہ ایک باس
 اور پڑا ہوا نظر آیا۔ شوکت نے انہیں پھاڑ پھاڑ کے گلے دیے جیسے چپانے کی کوشش کر رہے ہوں کہ یہ شخص کہاں سے آگیا۔ پھر
 انہوں نے جیسے پیار سے میرا نام لیا۔ اور بار بار ایسے انداز میں جیسے پچھ رہے ہوں کہ تو میں وہی ہوں جو وہ بھڑک رہے ہیں۔ میں نے
 کہا۔ ان لوگوں میں فصل ہی ہوں۔ انہوں نے بڑی محبت سے میرا ہاتھ دیا، پھر کہنے لگے گلے بات کرنا سہی ہے۔ اور کہتے ہی پھوٹ پھوٹ
 کر رونے لگے۔ وہ شخص چہرہ بھول رہا یا کہ غلاب آخر برہانے پر مجبور تھا۔ یہ منظر دیکھ کے دلی ہل گیا۔ اور یہ حقیقت شوکت کے
 اٹھنا بہ ہرے کی صورت میں سامنے آگئی۔ کہ میری اور ہماری حقیقت کیا۔ تندرستی کی حالت میں ہم اپنے آپ کو جو چاہیں تھیں لیکن کئی
 مہینوں کی مرضی آدہ پچے تو پھر ہماری حیثیت اس کبر سے زیادہ نہیں رہ جاتی۔ جسے جی نے اس طرح نہیں بھریا ہر کھڑک جی نہ لے۔
 میں نے ہی کڑا کر کہے کہ بھائی یہ شوکت تو اپنے لئے تھا۔ لیکن یہ صادق آپ کے حال پر زیادہ آگیا ہے۔

غم دوراں کے آگے سدھکا دیں !

اب ایسے بھی گئے گوارے نہیں ہم

طر پر پہننے ہنسنے گزار دی۔ سبکی پہننے سے۔ اب اس مرادی حرف کو بھی نہیں ہنس کے اڑائے یہ طعناور باتیں ہی کہہ خلیل
سکراتے تھے۔ اب لگا جیسے یہ مسکراہٹ نہیں طرز ہے اور جیسے کہ رہی کہ سال پر پھڑکنے بونے والے اور پھر میں ڈھبے ۱۰۰
کی حالت کا یہ اندازہ ہو سکتا ہے۔

ان کی بری سنے لگے پانی دینا چاہا۔ میں نے کہا رہنے دیتے۔ انہوں نے کہا کیوں کیا پانی کا کھانا چھوڑ دینا ہی نہ تھا۔ یہی نہ
صاحب بہادری کے زمانے میں نہیں چھوڑا تو اب کیا چھوڑوں گا۔ لیکن اس وقت اچھا نہیں لگتا انہوں نے کہا میں نہیں چاہیے۔
شرکت صاحب لی لگا تو بھی مجھ سے یہی کہنے لگیں۔ میں نے ایک آخری حد جو حقیقت پر مبنی تھا اور پیش کیا کہ قسم کی شیشی ہو کر
وہ قوام ہاں ق نہیں، نیز قوام کے پانی یہ خاؤں تو پب برکتیں۔ تھوڑی دیر با شرکت صاحب نے اُن سے کہا میرا وہ ایک دینا
انہوں نے پوچھا کہ نہ۔ شرکت صاحب نے جواب دیا وہ دلا بیگم نے ہا۔ اب وہ دوسرے بیگ لیا کیجیے گا۔ آپ کو کام کرنا منیب
شرکت صاحب نے قندے زرد دار آواز میں کہا۔ میں نے ہا۔ اس میں قوام ہے۔ وہ ایک ویش تو کہا۔ کھورو۔ نہیں خادو کھورو۔
کی تھیں۔ قوام کی شیشی رکھی تھی۔ بیگم نے کہا دیکھنے چھپانے رکھتے تھے۔ اجمرت بھی تھے شرکت صاحب نے شیشی اپنے ہاتھ میں لے لی
اور کچھ دیر انہوں میں گھماتے رہے۔ جیسے پس پیش کر رہے ہوں۔ پھر میرے ہاتھوں میں دی اور دیتے ہی مہر لگے۔ اُن کی پو
نے کہا۔ اسے دوتا کا ہے گا۔ اُن کے اچھے ہر جانا تو خوب کھانا۔ میں نے ہا۔ بات نہیں ہے۔ جلد انہیں یہ احساس تار ہا ہے
کہ ایسی حالت میں مجھے تھک بھی دے رہے ہیں تو کیا۔ چری میں نے اُن سے غی جب ہو کر کھانا مارنے ہی یہ تھک اس وقت میرے لئے
جس میں قیمت ہے۔ یہی لے اُن کے اُسوگم گئے۔ اور خیف مسکراہٹ اُن لے ہنزون پو آگئی۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ اس
حال میں بھی یہ ہم یاد ہے کہ ایک قوام کی شیشی فلاں جلد رکھی ہے میں نے چرائی سے کہا۔ ایک وافر میں بھی اسی طرح اپنا ہن کرنا
ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر مل کا حکم خاکبات کرنا اور نہ میں بیٹھے بیٹھے کوئی کتاب بھی نہ پڑھوں اور نہ پڑھوں کے سنوں۔ میں نے دل میں کہا تو
یہ سب نہ کروں تو کیا پڑے پڑے ہی ہر جائروں کہ اب ملک الموت صاحب تشریف لاتے۔ اب انہوں نے کہا دیا اب م
نلا۔ یہ بھی کرنی بات برتی۔ اُن نے مجھے شرمکھنے کا حکم دیا فرمایا ہے۔ میں یوں نہ شرم کہوں۔ بڑے اعلیٰ ان سے شرم کہنے لگا۔ اور
بنا وقت اچھی طرح گندے لگا۔ بلکہ جب کوئی اچھا شعر ہو جاتا تو روح میں ہلیدگی تو انائی کا احساس پڑھو جانا۔ یہ آرزوہ سن
آپ بھی آواز لے دیکھئے۔ یہ آرزوہ سنو آپ بھی آواز لے دیکھئے۔ شرکت صاحب نے اس طرح مسکرا کے نہ دیا یا جیسے
انہیں یہ خوب پسند آتی ہو۔

بیگم نے بتایا کہ اور تو سب ٹھیک ہے مگر نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ اور روز بروز کمزور ہوتے پتے جا رہے ہیں۔
پانی بھی خشک پیتے ہیں۔ ————— اسی وقت ڈاکٹر آئے۔ میں نے پوچھا۔ انار کا تازہ دس دینے میں کوئی حرج
ہے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ اگر یہیں تو بڑے شوق سے چاہیے۔ میں تو فکر تھا یہی ہے کہ انہوں نے خانا پینا چھوڑ رکھا ہے۔ میرے پاس
اصلی قسم کا جما ہر جہ ہو تھا۔ میں نے سوچا اس سے بہتر اس کا استعمال کیا ہو سکتا ہے۔ کہ شرکت کے کام آئے۔

دوسرے دن میں جو ہر جہہ لے کے اسپتال لگا۔ دو انار دس ایک گلاس میں آیا۔ ایک چمچے میں جو ہر جہہ اس میں گھسائی۔
میدان تازہ میں صبح کے بھیتجے نے گھسا۔ میں نے شرکت صاحب کے روبرو پانا پھیرنے ہرے کہ یہ بہتر جو ہر جہہ ہے۔ اسے

حاف تاجا نے کہ انہیں ہر دینی مالک میں سے سب کا پریشانی کرنا چاہئے۔ اس کے بعد ہی نے اسے بائیں گئی اور یہی ہے یا کو ڈاکٹروں اور قریب دینا چاہئے۔ اس کے بعد ہر معمولی ہوئی کہیں وہ نہ جاتا اور انہیں انار کا رنگ میں ہوا ہر سرے کے چانا۔ اودہ پورا چاہئے۔ میری ایک دیکھتے ہوئے خواب میں نے عظیم شہادت کو فوج کی کہ آج میں حسب معمول دی کو نہ آسکوں گا۔ وہ در کدہ دیں تمام کی کہ صحت نے۔ جائزہ دیا کہ میں گاہ تمام رنگ تو صوم جہاں کبیب کی بری رہی چاہئے فیس تو انہوں نے میرے اس سے میں دریافت کیا۔ بتلئے پورا غرض ہر گئے اور مشکل دیکھتے ہوئے میں ایک دن میں پورا تو صوم پر کر جانے کی یہ وہاں ہر دی میں سے لکھا بنا ڈاکٹر ملنے سے جانے کہ کب سے پھر شرکت اور ملک نے کہا۔ انہوں نے تو جہاں تفریح دی گئی کسی طرح نہتے ہی نہیں۔ آپ کے کہنے پر شاید انہی ہر جائیں جی اتفاق سے اس دن میں جیل انہیں صاحب جی آئے ہوئے تھے۔ چہ دونوں کی یہ رائے ہوئی کہ کئی دوا آئے۔ انہوں نے کامیاب کیا۔ چہ۔ ورنہ اس طرح کھڑے جانا تو سرت کو صحت دینا ہے۔ چہ غیر ہمدنس اور بارے رشتہ میں جو صاحب نے انہیں بہت سبیا با بات کہنے سے صوم جہاں شرکت صاحب کو دیکھتے تھا کہ شاید ڈاکٹر ان کا پریشانی کر دیں گے۔ جہاں نے اندیشہ دیکھا تو انہوں نے اپنے بڑے بیٹے میں سے کاسہارا لیا چاہا۔ خود نے بھی جہاں تفریح کی کہنے لکھے۔ اچھا لیکن اگر میرا پریشانی ہر تو میرے جوں کا توں آپ کو گھر کی گردن پر پھر کہنے گئے کہ میں اتنی طاقت آجائے کہیں بیٹھے ہوئے ہر طرف کی کچھ ر دن گاہ۔ دوسرے دن انہیں صحت دیا۔ اودہ پوری دوا۔ استعمال شروع ہو گیا۔ بھارن کی حالت بہتر صوم ہر رات کو فوج میں سے فوجی دیکھتے تھا کہ انہوں نے ناشتہ میں دیکھ کر لکھا۔ اس کے بعد امین کو ساہنے لکے۔ جہاں ۲۳ تاریخ کو کراچی واپس آنا تھا۔ اس دن جب ان سے ملنے گیا تو حسب معمول کہنے لکے کہ بعد اودہ دھڑکی بائیں گئی۔ ورنہ چروں بغیر اسے کوئی اجیت دینے سے اپنے جانے کا ذکر کیا۔ انہوں نے دیکھ پیار سے میرا ہاتھ دیا اور میرے مصرعے فضلی، فضلی، فضلی میرے فضلی میرے پیارے فضلی سے لکھے جہاں ایک کہہ لکھتے۔ ۲۳ تاریخ ملک ان کا حافظہ لکھا اچھا اودہ میں اس صاف تھا کہ یہ مصرعہ جو نصف سنہ لکھے ڈاکٹروں نے مجھے تیار کیا کہ کرتی دوسرے اثر کیا تو چند ہفتے تیار پل جائیں وہ چند دنوں کی بات ہے اس لئے مجھے اندیشہ تھا کہ شاید میں ان کا آخری دیدار کر رہا ہوں۔ لیکن ان کے صاف کی حالت دیکھتے ہوئے یہ امید جی جی کہ جب میں گاہی کو ہر دوا پس آؤں گا تو انہیں اس وقت بھی صحت اور صحت سے خبر دلاؤں گا۔ عظیم شہادت نے یہ جی تیار کیا کہ میری صحت اور میں صاحب نے بیوقوف پر لکھا ہے کہ وہ شرکت صاحب کو ولایت سے جا کر ان کا علاج کا پورا اخراج خوش سے برداشت کرنے کی تیار ہیں۔ اس خبر سے شرکت صاحب کے اعزاء اور احباب میر صاحب کے بچہ نمون ہوئے۔

کراچی واپس آئے پر ایک سے شرکت صاحب کی خبرت دریافت کرنا رہا۔ جہاں ۲۳ مئی کو صوم ہر اکو انہیں ہسپتال سے منتقل کیا جا چکا ہے۔ اس خبر سے بڑی خوشی ہوئی۔ لیکن اس کے یہ سننے تھے کہ کئی دوا نام رہی۔ اودہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔

جہاں تمام کو میرے ان جگہ کی باہر نشست تھی اس میں شرکت صاحب کی ملاقات کا ذکر وہ بالا حال میں نے حاضری کو تفصیل سے بتایا اور دیکھ شرکت جی کی گواہوں کی ملاقات کا ذکر ہوتا رہا۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس غیر معمولی انسان کو کتنی غیر معمولی ہر دوا دی حاصل ہے۔ اودہ آج یہ خبر پڑنے سے سناں کہ یہ طبل ہزار داستان ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ اس وقت صفی صاحب کا وہ شعر بے اختیار یاد آ رہا ہے جہاں انہوں نے پہلے بلا دہ۔ زیر غریب کھنری کی موت پر لکھا تھا۔

جوانہ سکتا ہے سہا سے وہ شور و خروش تھا کے اٹھا ستم ظریفی تو کوئی دیکھے ہنسنے والا ملا کے اٹھا۔

۱۱ مئی ۱۹۶۳ء جنگ کراچی

شوکت تھانوی

(چند یادیں)

عشرت رسانی

• شاعران کے پیٹ سے پکا ہوتا ہے۔ اس قدر کہ اعلیٰ صرف شاعری پر نہیں بلکہ ہر فنکار ادیب پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ یہ قصد کیا کہ شوکت تھانوی پر صادق آئے۔ وہ اپنے شاگردوں کی ایسی ہستیوں میں سے تھا جو شوکت کا شریک نہ تھی ادب میں ہر فنکار اداکار بھی ہے۔ سب کا سب تخلیق ہے۔ اس کی زبان اور اسلم میں وہ ایسی فرق نہیں جس انداز میں انہی کو آتا تھا وہی پرواز پر لکھتا بھی تھا ہر طرح میں چھپا کر بات میں بات پیدا کرنا اور فقرے بہت کرنا اس کی فطری خصوصیت تھی۔ وہی کیفیت قریر میں بھی تھی جس روانی اور تسلسل سے گفتگو کرتا تھا اسی طرح بے تکلف مسلسل لکھا چاہتا تھا جس کو اس کا نظم اس کے تخیل کی مددانی کا ساتھ دیتے سکتا حقیقت یہ ہے کہ جو بدلیشی طور کا ایک صاحبِ طرز حاضر جواب، حاضر و باغ کریم، اصمراع نویس شاعر ادیب تھا۔ قدرت نے زبان و بیان کی جو قدرت عطا کی تھی، اس کا اندازہ شاید خود شوکت کو بھی نہ تھا۔ زبان کے معانی میں اس کا کتب ان کی آغوش ہی تھا۔ جہاں کسی میں اس کی آگے کھل اور شور و سکون کو پہنچنے پر لکھنا ادب میں شہر و ادب اس کا پہلا اور آخری دارِ سلم تھا۔ جس کے اصول نے اس کی زبان کو نکھارا۔ بیان کو روانی دی۔ ادب میں پہلی اور آخری سند تھی جس نے قلم کو شوکت کی شان بخشی اور رزق دے یہ فہم برقی کو لوگ عام طور پر اس نام سے واقف ہی درجے۔ اور یہی لکھنے والے کو نظر ہم کام، تخلص کا تخلص شوکت۔

شوکت کے تخیل کی آمادہ سہولت روی ایک ایسی استثنائی خصوصیت تھی جس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ کبھی قدر جہان کے ساتھ یہ کہنا درست ہر ملکت ہے کہ شوکت کا تخیل اس تیزی اور روانی سے کام لے گا کہ ہر شاعر فقرے آگے آگے جوتے اور سرچ بیچے۔ ایسی ہر فقرہ عمل کے علاوہ تقریر پر نظر پڑے۔ یہ عجیب فقرے شوکت کی سرچ کی پستی کی کرتے جن حشرات نے تھوڑی دیر میں اس سے گفتگو کی ہو لکھنے دیکھا جو اس حقیقت کی شہادت دے سکتے ہیں اور انہیں پرواز پر اندازہ ہو گا کہ شوکت کی قوت تخیل کتنی محتاس اور نادر تھی اور بیان کی خدا داد صلاحیت کس درجہ رواں دواں — اس کے دل و دماغ میں بہت کم فرق تھا۔ اس حقیقت کا ثبوت شوکت کی ہر تقریر ہے۔ جس کی نسبت بلا خوب تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب وہ لکھنے بیٹھا تو جس بے سرچ مسلسل باتوں کے جابا۔ اور ہزاروں سطور لکھتے جیسے ایک سطر

میں ایک شخص جس کی تقریر کرتا۔ یہ اس نہیں مطابق انسان کی حالت کوئی اور حالت بیان کی دلیل تھی۔ شرکت نے طویل مہینوں میں تقریریں
 صحتوں۔ انسانے یاد اے کہ جس کی بھی ان میں سے کسی سزا دے کی نگرانی ہیں کی۔ وہاں چھبر کے کوہر آفرین تھے۔ جس نے جس نے جسے
 سب کے سر پر اپنے داغ میں غصہ کر رہا تھا۔ اور پھر اے اکل کھانا بر۔ علی الاثر دیا بھی ہلکا کا خاں۔ یا مضمون کا چھٹا ہوا سر اور
 دیکھ لکھنے کی دانش کی کئی اور کھانہ شروع جتنی یہ ہیں ایک سزا لعل کی جاتے تھے ہی وقت میں جہاں جہیز شخصوں نے بیان کی ۲۰ سالہ
 موجودہ جہیز۔ خود مادیوں میں سے اب تک کسی صاحب ہزار دیکھ کے اسے ہی ایسی مثال۔ لکھنے یا لکھنے میں نہیں آتی۔ بہتر شہرہ ہزار ہفت
 ڈی ایچ دس نے خود اپنی نسبت یہ شخصیت بیان کی ہے کہ وہ مسلسل لکھ جاتے تھے اپنی قریبی کتیرینت یا لکھ جاتے تھے بڑا کھانا
 کرتا۔ اس کی پہلی قریبی آخری سزا وہ کی حیثیت ہوتی تو ان کے دل میں کوئی قدر مشترک نہیں تھی سچے لکھنے کا انداز کیاں نظر آتا ہے۔
 کھنڈ۔ رنگ۔ جو کا شہر۔ شراداد کا کھارہ۔ آل انڈیا ریڈیو کا اسٹیشن وہاں قائم ہوا تھا جہاں ملک دیکھ دیا اس اسٹیشن کے کارکنوں کی تقریر
 ہوتے۔ کھنڈ ریڈیو کا خاصا ہل ادب کا مرکز بن گیا۔ ملک عیب ہر پروگرام فار کھنڈ تھے اور تمام قدر فرید مستند انسانا مصری۔ جہاں
 لطیف اور محض۔ یزید زنگانی۔ کرشن چندر اور دیگر ناکارہ پروگراموں کے مختلف شعبہ جات کے قائم یعنی پروگرام اسٹیشن تھے۔ شرکت قاضی
 صفت اور صدر کا مقرر ہوئے۔ ہر وقت عقل فکر و فن آراستہ رہتی۔ نئی نئی تجویزیں۔ نئے پروگرام۔ ذات و سب کو نظر ملتی تو یہی
 کہ کوئی ایسی جہت پیش کی جاتے جو سامعین کو حیرت میں ڈال دے۔ اور ان کی پسپوں میں اضافہ ہو۔ سرکاری ذرائع کی دھمکی کا تو
 ہر ایک کی حساس تھا ہی لیکن اس سے زیادہ ہر ایک کو اپنے ذوق کے مطابق ایک ہی مضمون تھی جس میں کھنڈ نظر آتے تھے۔ ریڈیو پیش کیا تھا
 ایک خانقاہ تھا اور یہ سب اراکین ایک ہی خانقاہ کے افراد معلوم ہوتے تھے۔ چونکہ آپس میں سب ایک دوسرے سے پیشہ رہے
 بخوبی آشنا تھے اور ملک کے تمام نامور ادیبوں شاعروں سے مصالحت تعلقات یا محبت ہوا تھے اور سب ان میں شامل کر ہی تھے وہ ہیں
 رہتے کہ ان تعلقات سے جس جس طرح میں ٹپسے کام میں اور پروگراموں میں منت نے بڑے دلچسپاں اور مفید حقائق پیدا کئے سامعین
 کو اپنی طرف مائل رکھیں۔ اس میں کوئی شک کا یا بالی ہوئی اس کے شاہد برصغیر پاکستان دہندہ وہ ہے شہرہ اخبار سامعین میں جو کھنڈ ریڈیو
 کی طرف ہر حق گوش رہتے۔ یہ مقبولیت نشری ملک کے بڑے مذاہب جان میں گئی تھی کیونکہ دوسرے اسٹیشنوں سے صحت مند مصالحت چلک
 اور متبادل شروع ہو گئے۔ چنانچہ کھنڈ کے اراکین نے ہر ملک میں کی کہ اس کا ہر قدم جدت آفرین تھی کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہے۔ لکھنے والوں
 میں میں دوسرے ملک کے شاعر (شاعروں اور ادیبوں) کا تعاون بھی حاصل تھا۔ اور ان کی اعانت ہی نے ہمارے اسٹیشن کو سب سے بڑھتا
 اقتدار بنایا ہوا تھا۔ لیکن بعض پروگراموں کی نوعیت کے لیے ایسی تھی جو خود ساختہ کی ہر ملک کے بغیر قابو میں کہنے والے نہ تھے۔ اس سلسلہ میں
 شرکت قاضی کی نظری ذات اور زندگی میں ہر قدم پہاڑے آئے آئی۔ نیز ان کی فنی صلاحیتیں ایک کامیاب صدا کار کی حیثیت سے
 بھی غیر معمولی تھیں۔ بچوں کے پروگرام میں جو ایک قلابہ کے مزارع سے ہلکے ہنست میں تین روز نظر کیا جاتا تھا۔ شرکت صاحب "چاپا"
 کا مخصوص کردار ادا کرتے تھے۔ وہی اس خاص پروگرام کے خالق تھے۔ خود ہی مستند لکھتے اور "چاپا" کا کردار ادا کرتے۔ بچوں کے پروگرام
 کی حیرت انگیز شہرت اور جبریت کے ملک بنے ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ میں چھوٹے "چاپا" (چاپا کا بھائی) تھا اور تمام قاصد فرید "دھند
 میان" کا تو قلابہ ادا کرتے۔ اس کے علاوہ مختلف ڈراموں، نپوں اور خاکوں کے جواب مستورات شرکت صاحب نے لکھے اور اپنی طبی

نہ تھے وہ بھی خوشی سے امداد ملے کہ اس مادی

"ہذا کے شہدوں میں نام کر میں گے"

۱۰۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب پروگرام کی تفصیل کو کرپ می گئی تو کل کا بڑا چارٹس تیار کیا گیا۔ "یوں سے جی تو کھانا تھے اور جین مٹا رہے۔
کا۔ چنانچہ سچا کیا گیا کہ جسے کسی کا یہ قومی: چا کر اس پروگرام کو جو خاصا سچ کریں اور جیسے کی ٹیڈی سے صورت تھیں، لیکن نہ
صاحب نے کہا: "ڈراموں کی ادھاری لے بہ چاہیں ان کیوں نہ ہو؟ میں نے کہا: "چاہیں یوں کی قوت کہہ لیں آئی، جو تھوڑی سی زیادتی
کی جانے کہ جین نہ ہر جاتی۔ سب نے کہا وہ کچھ: میں نے کہا: "چاہیں پروگرام تک تو وقت پہنچ ہی گئی ہے صورت میں کی کہ
ساتھ پیسے کر کے، ان میں ۱۰ ڈالر یعنی صبح اور شام ایک ایک

یہ بات ناگوار تھی اور وہ ان تائیدوں کی گنجائش ہر گز نہیں اور منتظر ہو رہا تھا کہ جیسے میں ساتھ لگائی ہو کہ پروگرام کو کیا حاصل
کیا جس کی فہرست ترتیب ہوئی، ان میں سے تمام مزاجیہ ڈالرے اور ان کے شرکت صاحب کے فٹے تھے، جب اس پروگرام کا آغاز ہوا تو
پورے ایک چارٹس: "میرا ایک ریڈیو سٹیشن سے ہفتے میں ایک ڈالر لے یا پھر یہ پروگرام نشر ہوا کرتے ہیں۔ ادیبان ایک ایسی ہی دو کی
اصطلاحی: "ہدایت کا حلقہ تھے۔ مگر صد کاروں کی تعداد دو نقصانوں کے باعث پارٹ اور منصات کی تقسیم کرتے ہوئے شل ہوا
تھے۔ ہر ہدایت کا رکن شکر تھی تو یہی کہ اسے بہتر مساوات میں: "دیو سے زیادہ دیر ہر سال کا وقت ملے۔ لیکن حالت یہ تھی کہ پروگرام کی
دیر ہر سال کو بشکل چند گھنٹے میرا لگتے تھے۔ شرکت صاحب کا دفتر صبح نو بجے نشر ہوتا ہے۔ مگر شش شب ان کا ایک سیکل نشر ہوتا ہے اب
وہ کچھ گھر سے نکلتے ہیں ان سات بجے پہلی جلس کے پروگرام سب مول نشر ہوتا شروع ہو چکے ہیں۔ ڈالرے کے صد کار: "ہدایت کا
منتظر کے ساتھ ادھر ادھر گھومتے چہرے ہیں اور شرکت صاحب کا انتظار ہے۔ سامنے سے شرکت کو دیکھتے ہیں ان کے گرد جمع ہونے
کہ ڈالرے کا سترہ دیکھتے تو جلدی سے پارٹ لیجے جانتی نشر کا وقت آ رہا ہے۔ "ہدایت کا راستہ پریشان ہے۔ شرکت صاحب سب ل
نہایت اعلیٰ سے تسلی لینے چہ کہتے ہیں بس اس میں دیا ہوں۔ اور ڈیوٹی روم میں جا کر میز پر پانچ ایک رکھ کر ڈیوٹی سے چار کہتے ہیں: "پروگرام
نکال کر چاہنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ "ہدایت کا رپر جو کسی طاری ہے۔ شرکت مشکوک ہے اس ادنا سامے بیگ میں سے چند کاغذات
نکال کر ان میں ات پارٹ کے دیکھتے اور بلا تلفظ لکھا شروع کرتے ہیں۔ "ہدایت کا راب یہ دیکھتا ہے کہ پروگرام کو نو بجے نشر ہوتا ہے لیکن
سترہ سے کاچھ صوبہ مشرق ہوا ہے۔ ڈالرے کی نشری وقت نصف گھنٹہ ہے۔ شرکت صاحب کی قرینگی ہوتی ہے۔ اس کا طے
ان کو ابھی سترہ مکمل کرنے کے لئے چھ سات صفحات اور لکھنے ہیں۔ آٹھ بجے مکمل ہے۔ "ہدایت کا رادار صد کاروں پر چھ خوش طاری ہونے لگتی
ہے کہ اب ہر گز کیا۔ جب سترہ ختم ہوا، تب نق ہوا اور دیر ہر سال کیس طرح ہوئی۔ اس ڈالرے میں کل چار کار ہیں۔ "ہدایت کا مسلسل شرکت
سے اپنی پارٹ کی اور وقت کی تسلی کا انہماک رکھ رہا ہے۔ آخر وہ اس پریس کھا کر پارٹل دوق اس کے ہاتھ میں دیتے ہیں بطور اعزاز اس
کہتے ہیں: "میری جان۔ گھبراؤ نہیں۔ یہ ۱۰ رقم دیر ہر سال شروع کرو۔ اور میں ایک ایک مدق اس دومان میں تھیں دیا جاتا ہوں اور پھر یہ
کرسب کی کچھ تسلی ہر جاتی ہے کہ ان چار دوروں کی پانچ پانچ گاڑی تقسیم کی جاتی ہیں جو شرکت نے اس سترہ لکھے وقت کاروں کا طے کر
کر لی ہیں۔ سب خوش خوش طاری سے ہنسنے لگی ہیں وہ کل ہر گز اپنے پارٹ پڑھا شروع کر رہے ہیں۔

[illegible][illegible]

ڈیڑھ برس کے بعد میں کئی مواقع ایسے آتے کہ شرکت در ص و لجنے یا انصر صاحب کو کوئی ذراہ کہنے ہے۔ میں وقت ایک
 مسودہ رقم ہے۔ صلاکار پٹنی لئے گئے۔ ابتدائی عقد صلاکاروں کے مداخلت و اجازت و اپنے وقت تقریر یہ ذرا لے گا۔ غازی دیو مصنف
 اسٹوڈیو کے اہر ایک حرفت گیری میں بیٹھا بقیہ حقہ گھر رہے اس کے سامنے نقل نویسی پارت نقل کر رہے ہیں۔ اب پھر یہ جلدی
 جلدی ورق ورق اسٹوڈیو کے اندر چننا رہا ہے۔ اور ڈراما مسلسل نشر ہر رہے

در اصل اس میں صدکاروں کی پختی اور حسنہ دماغی کا حق برابر تھا جو اس محبت کے دوران بیشتر مسعود چڑھے بغیر اپنے اپنے پائٹ اس طرح ادا کرتے تھے کہ سامعین کو کسی بہت قیمت کا احساس نہ ہونے پان کیونکہ کسی کسی سے کوئی غلطی نہ ہو کہ انسان میں نہ تھا صدکاروں میں مقررہ اشانت آڑوں کے علاوہ زیادہ تر مستقل انسان کے اراکین شرکت تھانوی۔ ایک حبیب اللہ نہ صری منظم فرید۔ یہ خاکہ۔ مشرک ہر تھے۔ اور جب کہ اپنے کام پر کامل طور و اعتماد تھا

پھر اس نوع کے پروگراموں کی کثرت یہ تھی کہ اس عجلت اور وارادی کے بغیر جاریہ کام ہی تھا۔ ان میں دو کاموں کا ہوا کام تو مالی میں کئی بار ہونا محسوس ہو گیا تھا اور پھر ب مسدودات سے ہرتے۔ لیکن اس کے علاوہ مختلف انواع پر پروگراموں کا تقرر و تفسیل جاری رہتا۔ اب ریڈیو پاکستان کے ذرائع پروگرام کی حالت زار دیکھ کر جب اسی دور کا خیال کرتے ہیں تو شرم و ذلت سے سوچنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ کیا اسے ان خبروں کی یہ تعبیر تھکتی !

اس وقت ہری دیو اسٹیشن کی ایک خصوصیت خاصہ برقی قوتی مثلاً : ہر سٹیشن خاص طور پر ڈراموں کے لئے مشہور تھا۔ یہاں کچھ دوسرے چاہت کاروں اور صدا کاروں میں جو تیار حضرات کی خاصی تعداد موجود تھی۔ سندھ اتھا علی تاج، وضع پرنادہ، - اے بشیر، وغیر

اصحابِ سنہ سنے ڈالنے لگے اور پیش کرنے میں مصروف رہے۔ ان میں زیادہ تعداد تمام کی تھی۔ دہلی اسمبلی تفتیش کے لئے مقرر تھا۔ جس میں کمالی جماعت کے اہل فہم اور سیاست دان بیرجی تھے۔ اس جگہ وہیں رہتے تھے۔ پروگرام بنایا جلیٹ رکھتے تھے۔ کھڑا اور اس کے قریب دھار میں نظر آ رہا۔ اور میں اور شہزادوں کا بلج تھا۔ انھیں کھڑا کر ڈیویشن پر نہیں اتھارتی سے چاہا بلج فقط کا موجود ہوتے تھے جس سے سر جیسے قسم کے نکالنا زیادہ تھے۔ اور سب کے سب فی کے میدان میں جا لہذا زندگی گزار رہے تھے۔ اس لئے یہاں یہ جہد جاری تھی۔ دیکھ کر پروگرام میں خاص خدمت و خصوصیت شامل ہے جس سے دوسرے پیشگوئی کی طرح اس کی خصوصیت خاصہ غیر متغیر اور میرا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ نشریہ اپوزیشن اس برصغیر میں سب سے پہلے کھڑا رہا۔ اسے شروع کیا گیا کیونکہ سبھی اور میں اور نشریہ مگر رہتے تھے۔ اور صلاح کار مشورہ تھیں۔ پھر میں سے ہو رہے تھے۔ انہیں نشریہ ضروریات کے لئے آسانی سے ترتیب دی جا سکتی تھی۔

اس نفع کے پروگراموں کا آغاز آدھیں تنظیم کا ایک اندر سبھا سے کیا گیا اور اسی کے آغاز میں مشہور اور دوشیزوں میں غیر بدترین ذہن شوق "گلہ اسیم" ترازہ شرقی "و غیرہ کو نشریہ اوپر اس کے قالب میں دھال کر پیش کیا۔ ان پروگراموں کی ترتیب کی ذرا سی شرکت صاحب اور میں نے اپنے ذہن سے کی تھی۔ اور سب بلج کی پیش کرتے۔ سلطان واد علی شاہ کا سہارا تھا۔ اس میں "ادھا کتیا" بھی اسی ذیل میں نشر کیا گیا۔ جب نام مشہور مشنوائت تمام بریکس تو سوجا گیا کہ اب کوئی نئی چیز ہونی چاہئے۔ اس لئے پیکا ایک جدید نشریہ تصنیف کرانی جائے جس سے دیگر پیشیل ہو سکے۔

چنانچہ اس مقصد کے لئے کہانی کا خاصہ دے کہ حضرت جگر آدھیں مروج کی خدمت میں مرصداشت پیش کی گئی اور اصرار دے حاضر کے بعد میں اور شرکت جگر صاحب سے مشنوائی کھوانے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن جگر صاحب نے جو نشریہ لکھی وہ خاص طور پر بڑھ کر لکھنے کے قابل تو تھی جس کے سامانہ خاص کام لائق واقع تھے۔ سب بڑی خصوصیت اس کی یہ تھی کہ جگر صاحب نے مشنوائی کے انداز میں اپنے مخصوص تفریحی ناول کش و رنگین کیفیت پیدا کی تھی۔ لیکن اس کو نشریہ ڈراما بنانا ممکن نہ تھا کیونکہ اس میں ڈرامائی اہم عنصر ماحول حرکت سے مفقود تھی۔ انہیں سوجا کے باوجود بدلیج کیا گیا کہ شرکت صاحب اور میں ہی کہانی پر ایک نشریہ لکھیں اور جگر صاحب سے منصف شہار صاحب برقرار پر مشعل کریں جو ڈرامائی شکل میں ترتیب پاسکے۔ یہ اندھا نامی اس پروگرام کی پیشگی کے ذمہ دار تھے کیونکہ وہ ڈرامے کے انچارج تھے۔ یہ سارا ڈراما واقعہ ہے۔ اس وقت کھڑے سبیش ڈائریٹر مشنوائی سرورپ ملک تھے جو کہ بس ملک کے نام سے مشہور تھے اور ایک باوقوف فکر رہنے کے ساتھ لکھنے کا شوق بھی رکھتے تھے۔ اور پرویز شے نام سے نشریہ ڈرامے اور نڈ کے کھا کھاتے تھے۔ ملک صاحب۔ اندھا صاحب، شرکت صاحب اور میں چاروں اصحاب ایک ماعت سید میں ملک صاحب کے کمرے میں بیٹھ گئے۔ اور یہ مشنوائی (جس کام اہل خاص کردار (ہیروئن) ڈراما کے نام پر "دروازہ" رکھا گیا) کی ہرمت کی گئی۔ تین چار گھنٹے نام سب جڑ کر دلوں بیٹھے۔ میں اور شرکت شروع کر کے جاتے اندھا نامی لکھتے جاتے اور ملک صاحب انہا پر رائے کرتے۔ چلتے ایک چوٹی کرکٹ۔ ان غرض شاذ و تراغیب جاری تھیں۔ ملک صاحب کی حالت یہ تھی کہ جہاں کہیں انہیں کوئی مصرعہ یا شعر پسند نہ آتا ان کو مانگتے تھے کہ کام لینے کے بعد سے صرف بہت سے آتا کہنے پر اکتفا کرتے کہ اسے کسی اور طرح کہہ کر دیکھتے یا شرکت کو یا لکھنے غلطی کے کہہ دیتے۔ کہ

کیا نجل ہے آپ کا۔ میں نے ایک رہے گا۔ کچھ بار اس دوران میں شرکت کی تنگ مزاجی پر گامہ نیز ثابت ہونے لگی۔ کسی موقع پر ہم میں سے

کے کانوں میں اس کی طرزیں گونجنے لگیں۔

غرض کھنڈر ڈیو کا وہ زمانہ اسی قسم کے ادبی فنی ہنگاموں میں گزرتا اور شرکت جاری مجلس لکھنؤ ایک نمایاں روایت تھی کہ عرصہ بعد پھر رکنی پرنسپل آئٹ پکڑنے شرکت کو فکر نگاری حیثیت سے سمجھا۔ اور وہ ہم سے نصف برس کے۔ پھر جگہ میں شروع ہونے کے چند بعد سب سے پہلی آرگنیزیشن کے نام سے حکومت نے ایک ملکہ قائم کیا جس کے سربراہ علی حقیقت جانا اور (ابراہیم) مقرب ہوتے۔ انہوں نے مختلف ملاقاتوں میں ادیب و شاعر و اصحاب کو پیشکشیں مقرر کیا۔ کھنڈر میں شرکت قائم کرنے سے پہلے سنہ ۱۰۰ اور سب سے پہلی کا دفتر اسی کا جو سے متصل ایک محل میں قائم ہو گیا۔ شرکت کا ہر حصہ کھنڈر آگئے۔ اور جنگی ترانے کے تحت کھنڈر نے امداد کی طرزیں تیار کرنے میں مشغول ہوئے۔ یہ کام بہت شرکت کے لئے کیا تھا لیکن انہوں نے اپنی فطری ذہانت اور طباع سے کام لیا اور انہیں چمکنا حاصل کر لیا۔ اور اس فنی دوش اسلوب سے ان ذمہ داریوں کو نبھایا کہ علوم ہوتا تھا کہ وہ ایک مزاج ادیب نہیں بلکہ مٹی یا ہمدرد جسمانی وسیعیت کے گہر تھے۔ مشہور اور برگزیدہ فنی پرانے اہلیت کا ساتھ دیا۔ فطرت کے ادیب سے کھنڈر ہی رہنے کے باوجود ان کی دلچسپی کم ہی رہی۔ کیونکہ اپنے جسم کے ذمہ داریوں کے سلسلے میں ان کو گاہوں گاہوں فطرت کے کوکھوں پھر تپتا تھا۔ شرکت ہر رنگ اور ہر صورت میں ایک فطری فضا تھی۔ اور انہیں اپنی فنی صلاحیتوں کو ہر جگہ نمایاں کرنے کا خاص غرض تھا۔ اور ہر حال وہ ایک فنانڈری شخصیت کے مالک ہی سمجھے تھے۔ علاوہ انہیں ملکہ فطرت میں ان کے مخصوص اصحاب ہر جگہ ہوتے ہوتے تھے۔

شرکت کی دوسری ادبی مصروفیات اس فکر میں رہ کر بھی کم نہ ہوئیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایک فنی ترین ناول "بیری" آئی زمانہ میں لکھا جس کی تصنیفی وقت صرف ایک رات ہے۔ اس ناول کے ناشر بادل کمپنی (مدیر نقوش و مالک ادارہ فروغ اردو لاہور) اس کے شاعر ہیں جنہیں رات بھر شرکت کے ساتھ بیٹھ کر یہ ناول لکھا اور لکھا اپنا شرکت صاحب سے تعلق واقعات بیان کرتے جاتے اور کہیں سے ربط و تسلسل میں فرق نہ آنے پلا۔ جب فنی صاحب لکھنے لکھنے تک جاتے تو اس سب سے پہلی کے ایک فنی لکھا شروع کرتے۔ لکھنے والے تک گئے مگر شرکت کی دماغی اور واقعات کے جوڑ توڑ میں کہیں تذبذب نہ ہوا نہ ہر گز۔ سب کی حالت یہ تھی کہ

انگلیاں فلک اپنی ، خام خون چکاں اپنا

رات کو فنی کھانے سے فراغت کر کے ناول شروع کیا گیا تھا اور صبح سات بجے ناشتہ کے وقت مکمل ہو چکا تھا۔ قدیم شہر میں جہدیں داستان سرائی کا یہی آغاز ہوا کرتا تھا کہ بادشاہ سلامت رات بھر قہقہہ لکھتی سنتے اور داستان گو ماری رات ایک میل داستان فی البدیہہ تصنیف کر کے سناتے جاتے۔ شرکت صاحب کی انتہائی تربیت بلکہ جوانی کا زمانہ بھی کھنڈر کی اعلیٰ میلری فضا میں بسر ہوا اور انہوں نے بھی اپنی ادبی زندگی کا آغاز اسی امان سے کیا۔ شرکت کی تصنیفی قوت واقعی حیرت انگیز اور قطعی مادہ ہے پناہ تھا۔ بلا جالہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی یہ صلاحیت خدا دادا ہلیت اور محالہ سے بہت زیادہ بڑھ چڑھ کر تھی۔ قدرت نے شرکت کو طنز و مزاح کا جو قدرتی تھکے عطا کیا تھا۔ خصوصاً طنز و مزاح کی جو دولت ان کے حصہ میں آئی اور جس فیاضی سے انہوں نے وہ مسودوں میں تحریر اور زبانی ہر طرح تقسیم کی بہت کم دو گئی کہ نصیب ہوتی ہوگی۔ شرکت کو محترم طرافت بلکہ مستحکم طرافت کہنا جاتا تھا۔ اس کی بذلہ سنجی میں مختلف کو دخل تھا نہ دینے کوئی میں تصنیف کی۔ چونکہ کھنڈر میں وہ کہ سب سے شہور کو نبھایا۔ زبان کھنڈر تو کوثر کی دھلی ہوئی زبان و نثر شریع

۳۳۔ مہینہ سہ ماہی کی حالت بدتر ہوا شروع ہو گئی۔ جب ٹاکر ویسٹ ڈاٹر اس عجب ہونے پہنچ گیا کہ انہیں جگہ کے بندہ جانے کی جیاری چھوڑ کر جیڑا ب ہے تو دستوں کو اپنے مخصوص انداز میں خود کھڑکے کر دیں دل کی کوسر ہے تو بدامین ٹیٹل (کلیئر) جگہ کو گھٹا کر ٹوکروں سے ملے یا جھک میری جیاری میں تمام خوابی صورت جگر بڑا باہی کی ہے کسی کو کھٹا۔ سحرے صالحی جاتے ہیں کہ اس نہایت کیجے انھیں جگہ ہوں۔ ملا کر ٹاکروں کی ابتدائی تشیص سے انہیں اپنے باجھ میں باہی پر چلی تھی۔ اور ملا نہیں، دوستوں اور تھک کر گئے ٹاکر کے اختیار رفتے بہتے تھے لیکن سبھی یہ لسنی اور لیڈ کرنی کا وہی عالم تھا۔ رشتہ جاتے بھی کوئی شکوہ ایسا چھڑا دینے کہ مقلوں کو ہنسی آجاتی۔ اصل پلٹے روٹنے کھانق میں اڑا دیتے۔

شرکت طباہیہ دل واقع ہوتے تھے۔ جی کی صورت دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا جیسے ان کے سامنے شیر کھڑا ہے۔ کاپٹے کھتے خستہ پیری کے بہت کچے تھے۔ صولی بنایا تھا تو معلوم ہوتا کہ نہایت شدید باتوں میں ہیں۔ یہ سب بھی اصل حالات کو نظر نہ رکھ کر جگہ پہنچانے کا خاص ہوا۔ کیونکہ ابتدا میں بعض پیری کے فوت سے علاج کی طرف توجہ نہ کی۔

۳۴۔ ہر میں قیام کے دوران میں سب ٹاکروں نے باقاعدہ تشیص، جتنی سائنہ کی مرض سے ہسپتال میں داخل ہونے کی تجویز کی، تو انھیں نے جتنی کی طرح صبر و ادب و شریعت کرنا۔ لیکن سے گزردا کر کھینچ گئے۔ بس مجھ پر ایک اصلی یہ کہ ہسپتال سے پہلے میں ہسپتال میں جا کر مر جاؤں گا۔ میں نے تسلی دی اور منت سب سے کھانے کی کوشش کی کہ ہسپتال میں کوئی صحت نہیں ہوگی۔ ہر قسم کی تسانی منتر آئے گی وغیرہ وغیرہ۔ اس پر ایک روز کھینچ گئے دیکھو میں ایک ناز کی بات یادوں میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں ہسپتال داخل ہوں اور کھینچ رہا ہوں۔ اس لئے مجھے اس خواب سے بچانا ہے تو ہسپتال سے دھڑکھو۔ میں بیان یونانی علاج کرادوں گا۔ اور تندرست ہر جاؤں گا۔

میں نے کہا: اس خواب کی کھلی تعبیر ہے۔ رائٹ رائڈم صحت مند ہر کہ دلوں سے آؤ گے۔ کیونکہ ایک تو ہسپتال میں کوئی مر جائے تو دلوں سے کھینچ پنا کر نہیں دیا جاتا دوسرے کسی بیمار کا اپنے کو مردہ دیکھنا صحت اور نعل کی علامت ہے کہنے گئے۔ اچھا ایک دن ٹھہر جاؤ۔ ذرا صحت کرنا اور کھل کر چلے چلاؤ۔ اور ہم آپس میں باتیں کرنے لگے کہ یہ خواب کی بات بعض افانہ طرازی ہے۔ ہر ہسپتال سے بچنے کے لئے بنائی ہے۔ لیکن بھی نہ تھا کہ شرکت کا افانہ حقیقت بن جائے گا اور اس خواب کی تعبیر زندہ دلی کی موت ثابت ہو گئی۔ بہر حال چند تشریحی عزیزوں اور دوستوں کے اصرار و منت سے شرکت ہسپتال میں داخل ہونے کے لئے رضامند ہو گئے۔ جہاں ہم نے ان کے ساتھ ۹۔ اپریل سے ۲۶۔ اپریل کے دوران اس دنیا کی عبرت ناک سیر کی۔ حقیقت میں ہے ایک نیا اور عجیب جہاں ہے جس کے حالات اپنی بے بسی کے آپ ہی شاہد ہیں۔

شرکت جس روز ہسپتال گئے تو وہ بیٹھا تھا جگہ توڑا چل پھر سکتے تھے لیکن اس کے بعد سے ان کی حالت روز بروز اور پھر لمحہ بہ لمحہ بدتر ہونے لگی۔ تیار دار تیز سے بس بھی تھے۔ مگر واقعہ تھا کہ سبھی کے بس میں بھی کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اہل دہریہ دن رات کالی توبر سے کھینچنے کا علاج میں صرف تھے لیکن کسی کے لئے کچھ نہیں رہا تھا۔ باقاعدہ علاج

مرغن بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی !

یہ کمزور شرکت ہسپتال میں شرکت کے ساتھ تھیں اور ان کی تیار دار و خدمت نگہاری میں شب روز معروف۔ رات دن

ہے جو ہمیشہ گھڑوں میں سے بھیڑا گھٹا نہیں لکھا دم کے پھرتا ہے جس کے مدد و جرات بھاری پٹے کی کلاوی رہی اور خداداد کے لئے کسی کام سے دل میں سے ان کے ہم قریب شرکت کی غیت کا دل ان میں بھاری سنا دیتا۔

چند ہی روز بعد شرکت نے گھر چھ کا امرارشاد کیا۔ ابھی ان سے ہسپتال میں پہنچ کر کہا ثابت تھا آج جسے مفاد اس بات پر بھلا اور کچھ خوشامد کہ کہے کہ اب لے کر سے چلا دو جب میں خانہ صاحب کی راسخہ ہر کے بھا کر بھی ان کی بھڑ نہیں۔ انشا اللہ چند دنوں میں صحت میں جانے کی تسلی ہوگی۔ تو نے لکھا اور گزشتہ صبح چلا۔ حیدر علی اور دوستوں سے یہ کام روس کی میں شکایت کرتے کہ شرکت کو بھڑا، مگر رناتہ کہ کہے ہیں سے ہے۔

چونکہ ڈاکٹروں نے شرکت صاحب کے پاس رگن کو زیادہ آنے جانے سے منع کیا تھا اس لئے اخباریت میں ان کی حالت خود کا خبر تک ہی ہم نہ پائی تھی۔ ہم تو بھی حیدر علی اور دوستوں کو اطلاع کیجے دہری اور وہ آئے سے بیکر بڑھتے۔ چنانچہ شرکت کا درویشیج سے شام تک اچھا نہ ہو سکا۔ شرکت صاحب کو کہے کہ باہر ہی بھا دیا جائے۔ چند گھنٹہ میں ہی ان کے پاس جاتے، جن میں وہ دوسرے کھلا گھڑوں میں سے بھڑا ہوتے۔ اس وقت اب محسوس ہوتا ہے کہ ان کی گلی میں سے یہ رہی ہوگی۔ لیکن دنیا اُن پر قائم ہے۔ اور دیگر بھڑا ہوا شرکت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ حالت یہ ہے کہ شرکت کی حق۔ دوستوں کے بیان اُن پر افزا معلوم دہرتے تھے مگر یہ تو گمان ہی نہ ہوتا کہ شرکت کو صحت آسکتی ہے لیکن آج

رت سے کس کو رستہ ہی ہے

شرکت کی آن کیسے مل سکتی تھی۔ اور ہر سنی قلاذ کو وقت کی گھڑا آجی شرکت نے خواب کی تعبیر لی اور کٹ لفظیت

کے علم میں اس حیران غریب زندہ دل انسان نے صحیح معنوں میں یہ ثابت کرنا کہ آج

مرد دل خاک جا کرتے ہیں

شرکت نے ہسپتال سے گھرا کر دم لیا۔ اور چند روز بعد نہایت سکون و اطمینان کی حالت میں زہرہ اور بچوں سے باقی کرتے

ہوئے دم توڑ دیا۔ ہمیشہ کے لئے آگئیں بند کریں۔ زندگی کی اذیتیں تمام کریں۔ دل کی ہی دل میں زندگی کا کھیل ختم ہو گیا۔ شرکت کو ابھی سکون مل گیا۔ بری اور بچوں کو نکال کر قافی صدر اور بے اندازہ غم، عزیزوں اور دوستوں کو جانی کے رنج و الم اور ستم و ظلمت احباب کو اضافہ طواری کے مواقع نصیب ہوئے۔ شاید بعض اصحاب جو شرکت سے زندگی میں قربت کا دعویٰ رکھتے تھے دھڑلاری کو میں ایسا کہتے ہوئے اس کے مرنے کے بعد بھی اس لئے ہنستے رہے کہ جس نے ہمیں زندگی بھر سنا یا ہے اب دو کہ اس کی روح کو صدمہ کریں پہنچا میں اور اخلاص کشمیں کا ثبوت اپنی مضمون نگاری کے انداز دکھا کر دیتے تھے۔ کسی نے اس کی نجی زندگی کے پیو غلا اور ان کے افلازمی نمایاں کر کے اپنی خصوصیت بتائی۔ ترکیبی نے چند ایسے خطا بر شرکت نے بعینہ راز لکھے تھے شائع کر کے بددیانتی کا اظہار کیا۔

شرکت کی حالات کے زمانہ کی کہانیاں تو اکثر حضرات نے عجیب غریب طریقے سے بیان کیں۔ ایک صاحب نے شرکت

کی بیماری کے زمانہ میں شاید ہی کبھی اس کے پاس آئے ہوں۔ ایک مصلح میں مضطرب و آفہ کہہ کر خا جانے کی ثابت کرنا چاہا۔ فریادیں یہ کہ ہسپتال میں جب شرکت صاحب گھر چلنے کے لئے بند کر رہے تھے اس وقت ایک شیعہ دوست نے انہیں کہا۔ اس پر شرکت صاحب نے جربہ ایک شرکاء جس کا مطلب تھا کہ تم چاہتے ہو یہ بے بگری میں غیور پرست ہو۔ یہ اہم گھر ہے اور کس طرح تمہارے تعصب

اور انتقام کی آگ بجھانے کی؟

اس کے علاوہ اور بہت سی لڑاؤں میں کلباؤں نے لڑائی لڑی۔ یہ وہ حضرات تھے جو شرکت کے سامنے اس کے بڑے گڑبڑ کا جواب دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور اس فاعلش مرد کے منتظر تھے۔ تاہم حکومت نے جو کسی سے انتقام دیا ہوگا۔ ہر انسان جو دنیا کا ایک فرد ہے شرکت کی ذات میں بھی فخر کا کچھ غامض اور کردار میں بھی۔ سہا یا عداوت کسی محقر پاس نے کسی سے ذیول کی ہوگی۔ ایک سب سے بڑی کمزوری شرکت کی بے گمانی تھی۔ وہ بعض اوقات بے سبب محض شک و شبہ کی بنا پر کسی عزیز یا دوست کے خلاف ہرجا مارتا اور سب سے خفہ میں اس کے انتقام لینے کی بھی شوق پاتا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اس کی ذات میں انتقام لینے کی صورت میں ذقی۔ شرکت کی بہت سی کمزوریوں پہلے کے مزاج وہ خلافت نے پردہ ڈال دیا تھا۔ اور اس کی شخصیت اس کی فوری کامیابیوں میں اس قدر گم ہو گئی کہ اس کی غامضیاں بھی پیاری معلوم ہوتی تھیں۔

خدا بخشنے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں !



مرحوم

نادر سیتا پوری

۴۔ مئی ۱۹۲۹ء کی۔ پہرہ انجی ترقی اور دلہنستان کے دفتر میں روانہ نصیباً یہی ہشتی حیدر آباد کا عطران تھا۔ وہیں جاتا تھا۔ انجی ترقی نے شرکت کے انتقال کی خبر سنی۔۔۔ حالت تو کئی دن سے تشریف لے گئی اور اخبارات پر وہاں کی خبریں سے خبر لے رہے تھے۔۔۔ مگر جانے کیوں بھی چاہا تھا کہ شرکت ابھی نہ مرے۔
کئی ٹولہ سڑا سال سے شرکت کو نہیں دیکھا تھا۔ شاید ایک اور دو گھنٹہ سے تھے لیکن میں گھنٹہ سے دہر تھا۔ یہی یہ بھر مل کر کہیں ملاقات نہ ہو سکی۔۔۔ گلاشہ جبری کے آخری جھٹے میں پہلی برکت ہی جانے لگا تھا۔ وہ ہر سہ پہر تو جا رہا تھا۔ جا رہی دیا کہ گفت و بات سب فراش۔ شرکت زندہ نہیں تھی میں نے اور سڑا سڑا کادیڑا نہیں تھا۔ میں نے شرکت کو کہا کہ میں لاہور آگیا ہوں اگر تم آہر تیرے جو توجہ سے اطلاع کروانا۔ اس خط کا کوئی جواب نہیں آیا۔۔۔ انیس خود کا جواب دینا ہمیشہ نقصان کرتا تھا۔ اور غیر ضروری خط و کتابت سے وہ ہمیشہ ڈوب ہی رہتے۔ بہت سی کمایا ہوا ہے کہ شرکت نے جاؤ دست کسی کو خود کھا ہو۔ پھر کچھ پیسے انسان کی بہ ترقی و تفریح کی جی جو ہمیشہ تھوڑے سے خرچے و نقد کے بعد ہر سال کے لئے حساب سے جھڑا جو جاتے۔ لیکن شرکت کی اس بدعلاقہ پر اب کی ہے کر لیا تھا کہ حقائق ہر تہی دو لوگ فیصلہ ہو جاتے گا۔ اور مصافحہ کہہ دوں گا کہیاں!۔۔۔

چو بس ہو چکا تھا۔ تم غالی نہ ہم غالی

مگر اس ملاقات کی فوجت بھی ذاتی تھی کہ موت نے ہم دونوں کے درمیان ایک قطعی فیصلہ کر دیا۔ دو ٹوک فیصلہ

ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔۔۔

شرکت کا ذاتی توجہ نہ تھا، ان کا اہل وطن تو گھنٹہ تھا جہاں انہوں نے شوریٰ آگے کوئی تھی۔ چوئے چوئے نام قدوتی۔۔۔ تھوڑا سا۔۔۔ لیکن مشہور تھوڑے شرکت کا فانی کے نام سے۔ اور وہ مجھ اس شان و شرکت کے ساتھ تھا کہ ان کی جیسی مقبولیت ان کے ساتھیوں میں کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ شرکت سے میرا یہاں تجارت کچھ عجیب و غریب طریقہ پر ہوا، کوئی چونتیس پچیس سال انہر کی بات۔ چغیب میں نے ٹوٹی چوٹی اور میں مضامین لکھنا شروع کئے تھے۔ کوئی مبادی رسالہ تو ان مضامین کو خاک چھاپتا۔ یہ کہیں آگے ہاتھ ملانے کرنے کے لئے دو نام "بدم" ہی پر ہاتھ ملاتے کیا جاتے۔ شرکت اس زمانے میں ہندو

کے امانہ قریب سے وابستہ رہ چکے تھے اور ہر دم کا نکلنا ہیہ کام (اور باتیں) انہیں حلقہ میں بندھا تھا۔ یہی نہیں، شرکت کے راز
مضامین، افسانے اور غزلیں، دیریں ہی شائع ہونا شروع ہو چکی تھیں۔ یہ وہ باتیں تھیں کہ کام میں ترکہ کا کام ہی نہیں ہوتا تھا۔ اگر
یہ سب مضامین امانتوں میں رہا ہوتا تو کم سے کم ترکہ ان شرکت خاویٰ ضرور ہی چکے۔

مرزا، رفیع، عقد، باد اہتم، اور اشرا صد بابا نے کیا کیا کچے — اس زمانہ میں ہر روز ایسا یہ سب سنا۔
انسان کا رخصت ہونے کے ساتھ ہی کچھ کھانا کھا کر اسے جس قسم کی باتوں سے جڑا لیا جاتا ہے۔ یہی سب جب شرکت نے پیوہ دیکھ کر
کے طبقے میں شکر سے غور کیا۔ جب مرزا، اہتم، صاحب ستیا پوری، علاء قیصر، ستیا پور، پتہ کھلکھل، جیوتی، ستیا پور، ستیا پور، ستیا پور
انہیں ٹھانٹ کر ایک مکہ دیکھا کہ پڑو کر کم آئے۔ وہ سب کچے، امانتوں، ہرگز نہ کھنے گا۔

اس وقت شرکت سے میری عداوت نہیں ہوئی تھی اور میں مرزا شرکت خاویٰ کو بہت ہی مرحب کی شخصیت سمجھتا تھا۔
پڑا ہی عجیب و غریب ماڑی ہو چکی۔ غرض سے اُدیا پڑا تھا اور انداز ہی کا بڑا پختہ برعکس۔ گتہ بھی مشعل کی قسم کا تھا۔ بچا ہی
اور ————— اور جانے کیا کیا کچے !

گر چند بعد کھنڈی جب عداوت ہوئی تو اس میں مورانا دیت "کام و نشان یک نظر آیا۔۔۔۔۔ اور مرزا! سب سے بڑے
کچے! ایک باد و نوح فرشتہ و جہان کے کھنڈے میں، تختہ ہذا قاصد مل پل عداوت بہت ہی ادیب، باخبر، قسم کی سچی، کچھ کچھ ہند
میں سے کوئی بھی پھنسا آپ کو۔ سولی ادیب کا ہر کھلے پتہ نہیں تھا۔ اس کے اہل ساترل پر پیوہ دیکھ کر وہی۔ مرزا اور اہتم کا باہمی
کچھ سیاسی عداوت پر عقد و قبضہ فرشتہ، ایک کھنڈے کا اندھیم دھنڈا، ایک دوسرے کو درجوب کر کے کھنڈے کے جڑی جڑی بہت سی باتیں
ڈالیں۔ یہ سب سدا اور بے جڑ سی ————— مگر جب شرکت کے پاس سے اٹھ کر بالکل خالی اٹھا۔ شرکت پر شہرہ برابر میری مٹی مادی
اور اس میں جی جی مٹی۔ جس طرح میرا تیرہ نظر ہو چکا تھا اس طرح شرکت کے کچے بھی کچے نہیں پڑا تھا۔ ابستہ نہیں جب شرکت کے پاس سے
اٹھا اور شرکت کی سی مٹی کی شخصیت کچے کا کافی تاثر رکھتی تھی۔

اس کے بعد شرکت سے فقرہ قاصد کا سلسلہ جاری رہا۔ جب کھنڈا جاتا شرکت سے ضرور ہوتا، شرکت اس زمانہ میں چھٹی
شہزادی کی ڈیڑھ مٹی کے قریب اپنے ذاتی مکان زند کو علی میں سا کر رہے تھے۔ آغا باقر کا ام باڈو بھی زند کو علی کے پاس ہی تھا جس میں
مرزا رفیع سدا کی قبر تائی جاتی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب غاس اور چوک کی مدفن میں کچے ہو چکی تھی اور ایچ آباد کی پہلی پہلی مٹی بدل برص
چل جا رہی تھی۔ "پام دیر" والے منشی نا رشیمن کا یہ شہرہ ہو چکا تھا۔ اب اس طبقہ (چوک) میں مرزا خرابہ جدار و تن عداوت ہی جاتی
رہ گئے تھے جس کی چھٹی کسی کتابوں کی دکان میں کھنڈی نہیں ہندوستان بھر کے ادیب اور شعرا کا جگہا رہتا تھا۔ شبلی، سرتکار، شر
منشی سجاد حسین، رفیع، توپن نہیں تھے ابستہ مرزا، غرض، راجن، اند کھنڈے بہت سے اباب کمال اب بھی کسی نہ کسی وقت یہاں
ضرور پہنچتے تھے۔ امین آباد کی طرف نیاز منیج پوری کے آہستہ کے بعد ایک نیا ادبی مرکز نظیر آباد میں قائم ہو گیا تھا۔ سدا کی مدینتی احمد
کے مدین بکڈ پرستہ سجاد مٹی پر کام شروع کیا تھا اس نے کھنڈی کی ادبی نظام میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ اسی نظیر آباد میں
ایک صاحب نے شبلی بک ڈپو میں قلم کر دیا تھا۔ لیکن کھنڈی کی اس نئی "ادبی پودے" نے "ان کی لکٹ ٹیکڑی" کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز
قرار دیا۔ بسکٹوں کی یہ چھوٹی سی دکان اس زمانہ میں کھنڈے کی بسکٹ سازی کا اعلیٰ مرکز بھی جاتی تھی۔ کھنڈے کی ادبی سرگرمیوں

تو بیٹاؤں کے ملتے جلتے بچے پیدا ہو گئے۔ ان کا نام تھا ایمر محمد، یونس محمد سی، حسین محمد اور سید علی محمد شریف شاہ قاسم پر
نقشہ اور شکل بھی کجیڑا کرتا تھا ۔

سر پہنچے سے شکرست کی عجلت کی آج تک مرتضیٰ ثانی ہے حادثہ یہ عجیب سنائی رہا ہے۔۔۔ سب انہوں نے خود بخود کسی
 کائنات ازیم نہیں کیا قرآن کا "راز و رمی پردہ" ہی۔ ہندو، چوبیسویں۔ یہ حقیقت ہے کہ بارہ سو پہنچے سے الگ پروردگار اپنی ماری
 انا۔ مانتے تھے کہ اسطر بھی یہی ہے۔ جتنا یہ عجیب و غریب لاس۔

”بسیار دوسری طاعت اور مذکور میں چھ ایسی پچاس کی تک ہے کہ زندگی میں ایک بار بھی نہیں پھیرنا اور پھیرنا بھی نہیں۔۔۔“

کب تک اوروں ہے

میں نے یوں کیا ۔

— — —

شوات کا اندوہ فہم و اعلیٰ بہرہ یافتہ ہے ۔

اے جی۔۔۔۔۔ میری عقل دھنس گئی !

میں نے سفیریل کے ساتھ کہا۔

فی الحال تو یہ لوگوں کے منہ کا آغاز رہا ہے۔۔۔ مزاحیہ تعزیت نامے لکھنے کے لیے !

شرکت نے جواب دیا ۔

۱۰۸ — چشم : در :

میں نے نہیں ہونے کا

[illegible]

فنا ۱۳۲۲ء یا ۱۳۲۳ء میں "سرخ" کے سانحے کا اعلان ہوا۔ شوکت بھٹو پر لگے کہ تو میں ہی کچھ نہ کہنے سے۔ چنانچہ ڈپٹی سیکرٹری

میں کو فاقہ مائل ہوا۔ اس پر وہ راز میں نہیں سکتی۔
میر کی اس جذباتی پرمشقی آئی ہوگی کہ مجھے بھی عزت کا یہی جذبہ ہو گیا ہے۔ شرت نے خواہ کر کے اس فنون کی طرف ہی توجہ کی طرف سے
میں لکھنے والوں کو برصغیر دیتے ہیں میں میرے نام کے ساتھ۔ تمام ادب بڑا کام چکر میں نکال دیا۔
شرت بہت ہی بڑا آدمی تھا۔

اتنا بڑا زندگی بھر سنجیدگی کے ساتھ کبھی اپنے کام نہیں آیا۔ زندگی کا بیش قیمت جتہ "یارِ ہاشمی" احمد دہسٹہ فراہم کیا۔
 ملا بہلے، سنبھلے سنے کراہ دہستوں نے اس کے ساتھ کیا کیا دوستوں کے کام، آشوبت کاٹاں وغیرہ۔ وہ دھوڑتے مکر ایسے مرتے مکر
 کیا کرتے تھے کہ یہ اسباب کے کوہِ کام آئیں۔

[illegible]

جی سبکدہانہ — شرکت ہوے : ' گویا میں تہاڑی طرح بکا رہوں — غیر ! چھڑو آدمی کے ساتھ !
 زبردستی پلو کر اپنے ساتھ لے گئے — چلتے مٹھائی : کہنے لگے —

اب تہا ہی 'منڈی' کا کیا حال ہے
 'منڈی'۔۔۔۔۔ میں مدافعی پکڑا سا گیہو طبعی ان کی بات سمجھ میں آگئی۔۔۔۔۔ جب تم نے سرکاری نوکری کر لی۔ میرا 'منڈی' توڑ
 دینا پڑی۔۔۔۔۔ اب اس کام کو طرزی کر رہے۔

شوک منہ کے۔ کچھ دیر تک خان محبوب خان غازی کس تک پارٹ کا ذکر کرتا رہا۔ — چاہے اب ختم ہو چکا ہو
کہنے کے! —

یہ کاغذ ہے۔ — نذا دو چار نکیت کہ ڈال رہے ہیں ۔

گیت۔ - - - کیجے گیت !

میں نے پوچھا —

کے

اماں ایسے ہی فضل سے ، فرجی کم پُنت کہ سنا فامے ، جنہیں شکر وہ مجھ نے کیسے ۔

میں مفضل سے گیت لکھنے لگا اور شوکت اپنے کام میں لگ گئے۔

کوئی ہمیں پھیس منٹ میں یس نے تین چار فضل سے نیت کہہ کر شرکت کی طرف پڑھا ہے۔

نوشی ۵۴۲ شریک

شریک نے کلمہ دیکھے اور ایک سب پہلو کو رکھ کر دیکھا۔ یہ وہ وقت ہے کہ
پس صاحب دھننی سکھ پڑھا۔ اس کی کتاب دیکھی۔

پھر اس چکا۔ شریک چراغ کی روشنی میں دیکھا۔ اس کی کتاب دیکھی۔
ان کے ہاں ایک کتاب تھی۔

ایک ہی وقت میں تھا۔

اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔
اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔

اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔
اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔

اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔
اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔

اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔
اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔

اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔

اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔

اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔

اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔
اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔

اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔
اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔ اس کی کتاب دیکھی۔

دہلی بگرامی بڑے ہی باہمی انسان تھے۔ ان کی بارعب گنجی ڈاڑھی کے کچھ ہمیشہ ایک خانقاہی جاہل و جہل رہیں۔ ان کا ہر دھڑلہ ہی سے کہتی باور کر سکتا تھا کہ یہ بزرگ صاحب کشت و کرامت نہیں ہیں۔

شرکت جی دونی زرد کوٹھی میں رہا کرتے تھے انیس آتے دن اندر کے ایسے ٹیک بندوں سے رابطہ تھا کہ ان کا خاصہ خاصہ یہ تھا کہ اس ایسے شخص کی تلاش و جستجو میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اسی قسم کے ایک صاحب اکوڑ شرکت کے پاس آباد کرتے تھے اور بنائے گئے انہیں یقین پر کیا تھا کہ یہی مرد حق آگاہ انہیں منزل مقصود تک پہنچا سکتا ہے۔

شرکت نے پہلا تجربہ اس کی بڑی کوشش کی لیکن ان کی طلب حق نے نہ تہمت نہ ہادی۔ شرکت تو ان سے ۵۰ روپے ہی لے کر ایک چاقو بنا ڈالا۔ ان سے کہا۔۔۔ دیکھئے صاحب، آج کچھ بڑے قوتی ہوں ایک بزرگ کے پاس۔ لیکن اس کی دفتر داری کھٹا نہیں لیتا کہ وہ آپ کی بہت کی اجازت دیدیں، وہ بزرگ اس پاتے کے ساتھ ہیں کہ کسی قیمت پر کسی کو پانا نہ دے نہیں کرتے یہ بات یاد میں رہنے دیتا ہوں پھر نہ لہے گا کہ مجھے دھوکا دیا۔ وہ آپ کے ساتھ کیا بات کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کا انحصار محض آپ کی طبیعت پر ہے۔ اگر آپ میری طبیعت پر کی تو ان کے ٹھکانے کے اور جو آپ کا سران کے حرموں پر پہنچ جائیگا۔

ان صاحب نے نہایت پُر جوش الفاظ میں اپنی طبیعت کا یقین دہاتے ہوئے کہے۔۔۔۔۔

شرکت صاحب۔۔۔ بس آپ تو ایک مرتبہ ای بزرگ سے طرہ اپنے پھر میں غور نہ پٹ لوں گا۔

یہی تو سنگی راہڑوں صاحب، بعض وقت وہ اتنا بھول میں آجاتے ہیں کہ جو سامنے پڑے اس کی مرست کر دیتے ہیں۔ شرکت نے بہت ہی سنجیدگی کے ساتھ نہیں کہا:۔۔۔ مگر انہوں نے ایک دشمنی اور شرکت نے اقرا کر لیا۔۔۔۔۔ آپ کو ان تک پہنچا دوں گا۔۔۔۔۔ آگے آپ غور جائیں۔

سب سے پہلے ان کے مطابق دوسرے دن شرکت دہلی کے بہاں پیچھے اور نہایت ہی سنجیدگی کے ساتھ ٹھکانے کر: ان صاحب کا تذکرہ کیا۔۔۔۔۔ ان سے کہا کہ..... صاحب سچے ہیں آگے تھے اور کہہ رہے تھے کہ آپ نے کس پر وہ سے ان کا مقصد ثانی کر لینے وہ دیکھا تھا، وہ یہ پارسے بہت پیش میں لکھتے تھے کہ کسی تیرہ دہلی صاحب کے پاس گیا، مگر وہ بل پر ٹال رہے ہیں۔ دہلی نے جیسا کہنا چاہتے اس بات سے قہقہا اٹھا کر لیا۔۔۔۔۔ اور کہا کہ میں کسی ایسے آدمی سے، اتفاق نہیں ہوں اور نہ میں نے کسی سے اس قسم کا وعدہ کیا ہے اور..... اور..... !

لیکن شرکت نے کچھ اس انداز میں دہلی سے گفتگو کی کہ وہ برہم ہو گئے۔ شرکت چاہتے ہی یہی کہتے تھے بڑی سادگی کے ساتھ یہ کہہ کر دہلی کے یہاں سے خفا ہوتا ہے۔

خیر۔۔۔۔۔ نیروداں کا اور آپ کا سامنا کرنا دہلی کا، آپ جانیں اور وہ۔۔۔۔۔ !

اور یہی ہوا۔۔۔ ان حضرات کے کہ شرکت میں اس وقت "بھڑو وارہ لڑوس" (قیصر خان) پہنچے۔ جب دہلی ناز پر رہے تھے شرکت نے انہیں اچھی طرح کھانا دیا تھا کہ آپ کے بارے میں میں نے ان بزرگ سے کہہ دیا ہے مگر وہ "رجوع" کرتے نظر نہیں آتے نہیں آکر وہاں پہنچا تو دہلی کا مگر مجھے ایک بہت ضروری کام ہے اس لئے ٹھہرنا سکوں گا۔ آپ ان سے صحت آنا کہہ دیجئے گا کہ شرکت کا قافیہ نے بھیجا ہے۔۔۔۔۔ اور اگر وہ رجوع نہ ہوں تو آپ بلا تکلف ان کے قدموں پر سر رکھ دیجئے گا۔ اگر خدا کو منظور ہے تو ان کا

پہاڑوں پر جیسے گا۔

شرکت انہی میں ہا کر فراموشی اللہ سے کھٹکتے تھے نہ مایہ زب کا چیرا تو امرت میں نہ بے دعا جہان سے
راگرا دئے ہوئے اچھے تھے۔

شرکت قادی میں لے بیٹھے۔

دشمنوں کو اپنے ہی تھکنے سے بھر پور تھے۔ درحقیقت حوا سے ان سے۔ ان پر پور تھے۔ بلکہ اصل
واپس دیکھ دیکھی۔ غرض کہ وہ ان کے ساتھ تھے۔ ان کو دیکھ کر ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے

شرکت کی زندگی اس قسم کے دلچسپ تھی کہ وہ ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے
ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے
ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے

بہرہ و نسیں اس دنیا میں ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے
ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے
ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے
ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے

جو ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے
ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے ان کے ہاتھ سے

مشاعر کوئی رات نے بارہ۔۔۔ دسے بارہ بجے ختم ہوا۔ تو میں اُن سے ملنے پہنچا۔ ان سے جولائی ۶۲ء کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت کے شوکت قحانوی اور محمود شوکت قحانوی میں زمین آسمان کا فرق محسوس ہوا، نتیجتاً شہر بدکھانسی میں مبتلا اور مجھے چھ۔۔۔ بوں محسوس ہوا۔ کہ یہ شوکت قحانوی نہیں۔ بلکہ وہ پتلا ہے جسے کسان کھیتوں میں

میں بیٹھ گاڑو بیٹھیں۔ کہ ہندو سے فصول کے قریب نہ چھٹنے پائیں۔ شوکت صاحب کا شمار گوشت خور تھے اور کس قدر جسم کے وزن میں کبھی نہ تھا۔ لیکن طبیعت جمہوری۔ ان کی محبت عام آدمیوں سے بہت زیادہ تھی۔ دیکھتے ہیں آئی تھی۔ جگہ جگہ کھوں تو ملے۔ ہو گا کہ اپنی محبت اور اپنے جسم کے اعتبار سے یہ اپنی اصل عمر سے کم عمر ہی دکھائی دے۔ ان کی محبت کو اس درجہ انصافیت میں دیکھ کر وہ کہہ سکتے تھے۔ یہ تو کچھ نہ تو۔ دیکھ اور دیکھ۔ شوکت صاحب بلا کے دین انسان تھے۔ جو ہندو میری راسخ تھے۔ نکل سکی۔ آخر سب سے یہ دونوں جانتے تھے۔ کھٹے تھے۔ ہندو کھوٹے ہوئے تھے۔ ان میں بہت کمزور ہو گیا ہوں۔ بیس پینس۔ جو اس امر سے زندہ۔ ہوں تو۔ تھوڑی سا دیر میں شوکت صاحب کا یہ سبب ہو گا۔ اس کے چند شعر لکھ بھی جاؤں۔

اے کاکا، حیات اس حرفت پہناتے ہیں نہ، دوسرا، مرگ، میں سنہرا کر دی۔ شوکت صاحب نے میرے والد محترم اور جانی جلن کی خبر نہ پوچھی۔ میں نے کہا۔ وہ دونوں خود گھر سے آکر آپ کے ہاتھ میں پوچھنے رت میں تھے۔ آپ اب ہو رہے ہیں۔ لہذا راولپنڈی جا سے سے پہلے کھا کر مارے ساتھ کھاتے تھے اس پر انھوں نے اپنی جھوٹاں زبان کھینچ کر بتایا کہ اگلی ہی صبح وہی لا اور۔ لکھنے میں۔ چوتھ طے ان کو بھی اس سے ہیں نے سمجھا یا کہ بس جاکر کیا ہے گا شام کے چائے سے چلے جائے گا۔ اتنی دیر میں محترم سید محمد عظیمی صاحب جی پہنچ گئے۔ صدر شکر شوکت صاحب اس بات پر رضامند ہوئے کہ اگر انھیں اور سمجھری صاحب کر میں رہی تھیں سببیں دے دوں۔ تو وہ دونوں ہمارے ساتھ دوسرے کھانا کھا کر تھیں کچھ روانہ ہو جائیں گے۔ رات کے ایک بجے کے قریب ہر تینوں ان کے خیمے کی پہاڑی سے نیچے اترے۔ پلاز سبانا کے چوک تک پیدل پہنچے ہوں گے کہ ایک موٹر راشن لائی تھی۔ جس نے ان دونوں کو اس میں روانہ کیا اور اگلی صبح دس بجے ان سے ملنے پایہ و گرام بنایا۔

شوکت صاحب اور جنیدی صاحب کو زینت کر کے میں پہلی قدمی کرتا بیٹھے گھر روانہ ہوا۔ گھر پہنچے تک میری آنکھوں کے سامنے شکر سے شکر تک کا وہ حوالہ عرصہ بھلی کی کسی شمع سے گھوم گیا۔ جب میرا بیشتر وقت شوکت صاحب کی ہر لطف صحبت میں گزرتا تھا۔ یاد نہیں آتا۔ ان سے پہلی ملاقات کب۔ اور کہاں ہوئی۔ غالباً تقسیم ہند سے ذرا پہلے یہ پنجولی آرٹس کالج میں کچھ عرصہ ملازم رہے۔ میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ جند ہم جماعتوں نے فلم "شیر برباد" کی شوٹنگ دیکھنے کی فرمائش کی۔ اور میں انھیں مسلم ٹاؤن والے اسٹوڈیو لے گیا۔ اتفاق سے اسی دن سٹ پر کمپنی کے مالک سیٹھ دسکھ۔ ایم پنجولی (راجپوت) بھی موجود تھے۔ انھوں نے میرا تعارف شوکت صاحب سے کر دیا۔ جو اس سمر کے نکالے اور گلے لکھ رہے تھے۔ بحیثیت مزاح نگار میں ان کا نام بھیجے سے مستحجاب آیا تھا۔ اور ان کا مدار تھا۔ مذا ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ تعارف ہو جانے کے بعد شوکت صاحب نے میرے متعلق فرمایا۔ کہ میری ان کی کچھ عزیز داری بھی ہوتی ہے اسی طرح چندا ہر مختصر ملاقاتیں ہوتی ہوں گی۔ جن کی تفصیل مجھے یاد نہیں۔

شکر سے نومبر میں جب ریڈیو پاکستان لاہور سے قومی تعمیر کا ایک پروگرام "پاکستان ہمارا ہے" نہایت پابندی اور باقاعدگی سے روزانہ نشر ہوتا شروع ہوا۔ تو بحیثیت مصنف اور ریڈیو وائس "مجھے ان پروگراموں میں اکثر

حجتہ بچنے کا رقیطہ۔ شوکت صاحب بھی اس پر دوایم سے خشک تھے۔ لہذا ہر دو سرے سرے ایسے طوفان ہوتی ہیں۔ ان طوفانوں میں برہ کی اور خوردی کی حد و سبب نام نہاں ہے۔

شوکت صاحب نہایت جامع و سبب انسان تھے۔ عام طور پر مشعوذوں ان ادعوں کا خیال آستہ ہی ذہنی طور پر جاتا ہے کسی ذہنی شخص کی طرف جن کے دائرہ میں برہی ہو۔ شیعہ مانہ ہو۔ کیشوں کی طرف سے انتہائی ہمدردی ہو۔ جامہ ہو۔ شوکت صاحب اس اعتبار سے راویب تھے نہ سادہ۔ کپڑے کا سبب اچھا ذوق رکھتے تھے۔ جھڈکا یا جامہ اور شیر والی پہنی تھوڑی۔ پرکھی گئی۔ سوٹ پہنا تھوڑی۔ پہن گئی۔ اچھے لباس کی جھوٹی پھرتی جزئیات کا خیال رکھتے تھے۔ سو کھٹے پہنا ہوا ہوتا۔ تہہ سے بدلی کر لیتے۔ لیکن میں وقت پر خیال آیا کہ عرصہ سے یا ثانی کا رنگ سوٹ کے لیے موزوں نہیں۔ مکی وقت جس کے جلنے والے روٹ۔ کمرس بلڈنگ یا انارکلی پہنچے۔ اور صاحب تک مردہ کافی یا عرصہ رسن ذکر کیا۔ کھانے پر نہ گئے۔

شوکت صاحب اس قدر علمی مذاق بہت ترے تھے۔ ان کی سوتھان زیادہ رہی تھی۔ اور فہرہ سبب کرے تک محدود ہوتی تھیں۔ ذہنی ہی کا پرکھنا۔ ریڈیو پر نہایت شروع ہوا تھا۔ اس کی مصروفیت کا یہ حال تھا کہ کھینچنے والے اسے غیر معمولی دلچسپی سے سنتے اور ذہنی کاموں اور ادا کرنے والے شوٹ خدائی کو دیکھنے اور اس سے ملنے کے خواہش مند رہتے۔ سردیوں کی ایک شام تھی۔ ہم دو گریڈ سس سے فارغ ہو کر ایک میرا سنوڈ پر آ گئے۔ پر ڈرام شروع ہوئے جس اچھی پندرہ میں منٹ باقی تھے کہ شوکت صاحب کے ایک صنف قدم اور عجز ہو۔ ست اسنوڈ پر میں تھی خواہی کہ لے کر ان پہنچے۔ زمانے کے۔ جتنی سونب۔ تہہ نے تو مصیبت میں ڈال دی۔ تہہ۔ فامی جی۔ کا پر ڈرام کیا شروع کیا۔ وہ میں عذاب میں مبتلا ہو گیا۔ جسے میرے تحت تعلقات کا طریقہ ہے۔ وہ بس ہی رہا تھی کہ تہہ کہ جسیں فامی جی۔ تہہ ملو ادو۔ یہ کہ کر پیسے تو انہوں نے سوائے صاحب و اعارف ان خواہی سے کر یا اس کے بعد فردا فردا ان خواہی کو ان سے متعارف کرتے ہوئے بولے۔ ان سے ملو۔ یہ جس تہہ۔ او۔ یہ میں ان لی سا جیروای احیاز۔ ابھی قیسری خاتون کا نام نہ لینے پائے تھے کہ شوکت صاحب جھٹ بول اٹھے۔ ان کا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں۔ میں میں بھر گیا۔ ان کا نام چرکا۔ دارالاشاعت کو۔ شہرہ میرے دادا جان مرحوم وغیرہ شمس العلما مولانا سید محمد زلی صاحب۔ ان کے صاحبزادے یعنی میرے چچا سید اخیار زلی صاحب تاج اور پارسے ادارے دارالاشاعت نیجاب کی طرف تھلے وہ خود تہہ تو ظاہراً اس لئے کہ مجھ نہ سکیں۔ میں جو صاحب تعارف کرتے آئے تھے۔ وہ چونکہ اس بیٹھے کے پس منظر سے بخوبی واقف تھے۔ لہذا بے انتہا غلط ہوئے۔

شوکت صاحب نے قبل کا سادہ لباس یا ہاتھ۔ دو مردوں کی تکلیف سے بہت فخر ہو جاتے۔ شہدہ کی گریوں میں خدا بخشے میری والدہ ماجدہ مرحومہ مرض الموت میں گرفتار ہوئیں۔ اس تعلق خاطر کے پیش نظر جو شوکت صاحب کو ہمارے خاندان بھر سے تھا۔ یہ اکثر ان کی مزاج پس کے لیے آتے۔ وہ کبھی سر کی مرلیضہ تھیں۔ ڈاکٹر حکیم۔ ہرمیو بیٹیس جو اب شہر کے تھے۔ لیکن شوکت صاحب آتے گھنٹوں بیٹھے۔ بیٹھے سنتے۔ باتوں کی پچھڑیاں چھوڑتے۔ نتیجہ یہ کہ ہمارے گروں کی وہ نہیں

در پہنچنے والوں کی حالتیں جان بے شمار بہت بریں۔ وہاں شوکت صاحب کی سجدہ گری کا ذکر ہو جاتا ہے تو خوشی پہنچنے والے پہنچ جاتے۔ حالانکہ وہ عزرائیلی ہو کر تھے اور انھیں بھی جانتی تھی۔ ان کی صحبت و ملاقات پر حاقی۔

۴۴ پرتیز شریف کو والدہ صاحبہ نے صاحب کو دیا۔ ان کے پاس میں صحت کا شہدہ رہی۔ خود شوکت صاحب ہی کہہ کر حکم صادر کرتے تھے۔ ان کو ان کا انتقال ہوا۔ ان کو جس پر وہ رہا تھا۔ ان پر میری بات اور شوکت صاحب کا ہرگز اتم کا خیال ہی نہ تھا۔ ان کا انتقال تو دیکھ کر میں میں۔ یہ وہی تھا کہ وہ جس جوتے پہنچے شوکت صاحب ہرگز انھیں نہ دیکھے۔

چند ہی دنوں بعد اس فرما دیا۔ وہ سے غائب ہوئے اور انھوں نے اپنے انتقال پر غور کیا۔ انھوں نے میں سے غیبت و غور پر غور کیا۔ انھوں نے اس کے ساتھ میں منہ ہوا۔ وہی انھوں میں انہی انھیں اپنے اپنے جانا معلوم نہ کیا۔ کسی نہ کسی کو کہے بنائے۔ ان کے ساتھ وہاں بہت کھڑے تھے۔ اور ان کی خدمت کو شش ہوتی کہ لے جاتے رہے۔

لے کر نہ تھا کہ ایک۔ وہ اس وقت میں ان کے پاس آئے تھے۔ اس وقت میں انھوں نے مجھ سے نہ کیا۔ شوکت صاحب نے مجھ سے بنا کر نہ دیا تھا۔ انھوں نے اس کے ساتھ میں منہ ہوا۔ وہی انھوں میں انہی انھیں اپنے اپنے جانا معلوم نہ کیا۔ کسی نہ کسی کو کہے بنائے۔ ان کے ساتھ وہاں بہت کھڑے تھے۔ اور ان کی خدمت کو شش ہوتی کہ لے جاتے رہے۔

میں ایک نہ غیبت ہوا تھا۔ جس کی بالائی میرا میں شوکت صاحب نے لے۔ ان کے ساتھ میں منہ ہوا۔ وہی انھوں میں انہی انھیں اپنے اپنے جانا معلوم نہ کیا۔ کسی نہ کسی کو کہے بنائے۔ ان کے ساتھ وہاں بہت کھڑے تھے۔ اور ان کی خدمت کو شش ہوتی کہ لے جاتے رہے۔

وہ جو بھی بیٹے تھے۔ شوکت صاحب سے ہوئے اور انھوں نے سلیڈ پر آج کرتے۔ ان کے ساتھ میں منہ ہوا۔ وہی انھوں میں انہی انھیں اپنے اپنے جانا معلوم نہ کیا۔ کسی نہ کسی کو کہے بنائے۔ ان کے ساتھ وہاں بہت کھڑے تھے۔ اور ان کی خدمت کو شش ہوتی کہ لے جاتے رہے۔

بچہ کسی کار کا بارن سنائی۔ وہ میریوں باتوں میں آئے تھے کہ وہ میریوں پر شوکت صاحب سے ہوئے اور انھوں نے سلیڈ پر آج کرتے۔ ان کے ساتھ میں منہ ہوا۔ وہی انھوں میں انہی انھیں اپنے اپنے جانا معلوم نہ کیا۔ کسی نہ کسی کو کہے بنائے۔ ان کے ساتھ وہاں بہت کھڑے تھے۔ اور ان کی خدمت کو شش ہوتی کہ لے جاتے رہے۔

جائے۔ لیکن میں خباں تک۔ ان کے ساتھ میں منہ ہوا۔ وہی انھوں میں انہی انھیں اپنے اپنے جانا معلوم نہ کیا۔ کسی نہ کسی کو کہے بنائے۔ ان کے ساتھ وہاں بہت کھڑے تھے۔ اور ان کی خدمت کو شش ہوتی کہ لے جاتے رہے۔

وہ لکھا گیا ہوں کہ آج ان کے انتقال ہوئے۔ ان کے ساتھ میں منہ ہوا۔ وہی انھوں میں انہی انھیں اپنے اپنے جانا معلوم نہ کیا۔ کسی نہ کسی کو کہے بنائے۔ ان کے ساتھ وہاں بہت کھڑے تھے۔ اور ان کی خدمت کو شش ہوتی کہ لے جاتے رہے۔

انھیں جو آتے دیکھا۔ انھیں کئے۔ ان کے ساتھ میں منہ ہوا۔ وہی انھوں میں انہی انھیں اپنے اپنے جانا معلوم نہ کیا۔ کسی نہ کسی کو کہے بنائے۔ ان کے ساتھ وہاں بہت کھڑے تھے۔ اور ان کی خدمت کو شش ہوتی کہ لے جاتے رہے۔

بڑے کی خبر کرے۔ اس کی بات کرنے کا ارادہ نہ کرے۔ ہم نے ہمیشہ غریبی پرانا۔ قصداً کسی کی مدد یا داری نہ کرنے تھے۔ یہاں
پر گنگ بھی۔ ان کی فہرست دہی کو گھس نہ رہے

بیس ایک ملک باب۔ یہ بھی کہہ رہا ہے۔ ان کے منہ سے تو یہ حد سے بھی نکلا دے کہ جلتے۔ نہیں ہو رہا۔
گافان رہا۔ کہہ سکتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی شخصیت کا ایک سلسلہ شروع ہو رہا تھا۔ کہ خود اپنے ہر
عرب میں کہے۔ اور جی چاہے کہے۔ ایک روز میں نے شربت کو پہنچا۔ وہ بات کا زمانہ تھا میرے ہاتھ پر
اور میں نے وہ عورت کی حد تک و شوک سے جب حلقہ دور ہوئے تھے۔ لیکن جب میں خود ناک تھوڑا
اور بھی کی جھک کر دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت گھبرائے۔ یہ تو شہر کو اور مجھے بہت بات فرمائی۔ کہ کھڑکیوں کے پرانے پر۔
کبھی دسے خاص۔ لیکن گھر کے تے و لیکن ہے۔ ان کی بات۔ ہر کی۔ جس لیے بہت تعجب ہوا۔ میں نے سکر سکر
پر چھ۔ تو بہت کہہ رہے تھے۔ ہوں نے کہا۔ مانا۔ ان کی بات میں بہت کی حد سے کہہ جس کا بھی دور
کے اور ان سے چاہا ہوئے۔ میں نے سنا کہ صاحب کے جو بھی۔ تو اس۔ صاحب منہ سے دانت لگے۔ آپ جی تو
ہیں۔ آپ نے ہمیں مشہور کہ بھی پہلے سب و رنگ کی خبر نہ کرنی ہے۔ ان کے رنگ کے میں نے گری۔ وہ کہ
دوسرا کہہ دیا۔ وہ جانتے ہیں۔ وہ کہیں ہو۔ لیکن یہ رنگ لے رہے ہیں۔ وہ خود وہ شربت لگے
نہ ہوتے۔

احمد حسن صاحب تو بڑے بڑے جرنل رہے۔ پاکستان۔ سابق۔ ان کے کہی میں نئی کو غنی۔ لیکن۔ انھوں نے
دو ایک بار فراموش کی۔ کہ کسی درجے سے خاص شرف سے وہ بے پورے راجہ محمد دہ۔ میں۔ جی۔ جی۔ فکر میں
کہ کوئی جان سمجھ نہ والا کراچی جانا۔ تو ان کے ہاتھ پر سے روانہ کر دیں۔ کہ ایک دن۔ نکل صرف تو ان سے
کی صاحبزادی۔ میری عزیز ہیں۔ یہ کہہ کر حلقہ پڑا۔ سے بیٹ۔ وہ فٹ لگے۔ و شوک صاحب کو طے لگا کر کی۔ نہ
کتاب کی جس قدر بھی تھی۔ ابھی نہیں جی۔ ان کے ہاتھ پر وہ دونوں پر۔ کہیں۔ خصوصاً کالے کلاں کے۔ بہت
و میں کراچی جاتے ہوئے۔ لوگ لاہور۔ نہ تھریں گے۔ واپس کی تاریخ اور ٹرین سے۔ یہیں ملے گی۔ پورے
اخیں لاہور۔ یہ سے اسٹیشن پہنچا دیتے ہیں۔ آؤ۔ ایک۔ نہ صرف خط و خبر ہم دونوں کو ملا۔ نہ پہنچے ہی شوک
صاحب قانون آیا کہ میں ان سے فوراً ہوں۔ تاکہ لاہور کے تمام خبروں کو کھٹکا جائے۔ اور اچھے سے اچھے کتاب کے
جو پورے مستند ہو سکیں۔ وہ فراہم کئے جائیں۔ سارا دن ہم دونوں ملا رہے ہیں۔ مائے پھر سے جس نے میری پرست
"کالے گلاب" کے پورے طلب کریں۔ تو ذخیرے والے ہمارا زمانہ دیکھئے۔ گویا اس سے کوئی ایسی چیز طلب کی جا رہی ہے
جن کا میرے سے وجود ہی نہیں۔ کالے کے علاوہ باقی جس قدر نہیں ممکن ہو سکتی تھیں۔ بہت خاص کر رہی۔

سمان صاحب قبلہ تو میرے بے انتہا شفیق بزرگ تھے۔ انہیں سمجھا دیا جاسکتا تھا۔ لیکن ذریعہ سے منتنا آسان
نہ تھا۔ ایک طرف وہ میری عزیز ہیں۔ تو دوسری طرف شوکت صاحب کی لاڈلی بیٹی تھیں۔ میں نے شوکت صاحب سے کہا۔
کہ آپ کی ادھر میری دن بھر کی دوڑ و دوڑ رہا تھا۔ لیکن بڑی شکر ہے۔ اچھے سے اچھے جس قدر پورے

اس زمانے میں رمضان بھری گزیرا تو میں جو کہ جسے میں آیا۔ ہم تینوں نہایت پابندی سے صومہ رکھتے۔ دو چاندیوں کے بعد گری کی شدت نہ ہوتی تھی۔ مگر ہم دونوں برابر اس فکر میں بیٹھے۔ کہ روزہ تو کھانے کی سہولت میں بارش کا سلاطین کوئی اور بنے۔ اور۔ تو دور اس کی فکر کریں جو تینوں، اپنی بیٹ کے پاس کے کدو کے دھندے رکھتے رکھتے پورا رمضان شریف گزرا جاتا۔ مگر مہر کے روزوں میں مجھ سے بارہ ایک بجے کا وقت آجوں۔ و فتری صومہ فیات میں گزرا جاتا۔ لیکن وہ بہت سادہ گزرتا جوئے ہر گز کے مذاق پر نہ تھا۔۔۔ جانتے ہیں میں نے کس نے یہ تجویز پیش کی۔ کہ روزانہ سہ پہر کا میٹھی سوا کھا جائے۔ تو یہاں میں جوتا تھا۔ کہ وہ منظر ہو گئی۔ اور اگلے ہی وقت نہایت پابندی اور باقاعدگی سے اس پر عمل درآمد میں شروع ہو گیا۔ اور گھر گھڑی نے جی چاہے اور صومہ میں ہوں۔ آج دونوں کی شجرت نے بیٹا کاڑھ کیا۔ مے سے فاضل فاضل غنی۔ مقصد یہ کہ دلت کہ رہا تھا۔ غم اچھی ہوئی۔ لطف اندوز ہو گئے۔ جزانہ آیا تو آؤنگہ کر۔ اور سکر۔ منت کر رہا۔ جوتہ جوتے جوتے فاضل غنی کا وقت ہو جاتا تھا۔

انہ کے بعد نہایت اور انھوں نے اس پر نہایت سے رفیق کرنے کو بھی ڈرائیو اور سیر۔ تو سیر کا سہارا دیا۔ نظامی صاحب نے کو بھیس بن کر۔ جنے کیسے ڈھونڈا۔ نکالا کہ وہاں سنگھ کا رہنے کے دروازے کے پاس اور دل محمد دھو۔

نکڑے پہلے آئیں کریم منہ والا اپنی دوکان ایک رہا۔ یہی پر ہر شام جاتا ہے۔ فقیر نظامی صاحب کا پورا بھر میں آکر سب سے اچھی اور سب سے سستی تھی۔ یہ معلوم ہونے کی وجہ تھی۔ کہ ہم پانچوں نے ہر شام وہاں دھاوا بولنا شروع کر دیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ آئیں کریم اچھی تھی اور سستی تھی۔ لیکن نہ جانے وہ اس میں پرورد۔ ایک ہی ایفیس ڈانڈا پالکا کرتا تھا کہ مراد وہاں بیکساں ہوتا۔ شوکت صاحب کہتے تھے یہی بات علی گڑھ یونیورسٹی کے پرنسپل کے کھانے میں تھی۔ ترقی سے لیکر ہر موسمی سبزی تک کوشت میں ملتی تھی۔ لیکن کھانے میں مطلق فرق محسوس نہ ہوتا تھا۔

جب روزانہ ایک ہی طرح کی آئیں کریم کھا کر ٹھنک آئے۔ تو ہم نے آئیں کریم ہانڈے سے کہا کہ بھئی ام کی آئیں کریم کھینچ نہیں بناتے۔ لیکن وہ ٹانڈا رہا۔ فالہا اس لیے کہ آموں کا سیزن شروع نہ ہوا تھا۔ اور وہ خالص چنگے تھے۔ ایک دن جو ہم پہنچے۔ تو آئیں کریم کھا کر واقعی بہت لطف آیا۔ اسے داو دی امد اس سے پوچھا۔ اس میں خاص بات کیا ہے۔ آدہ بولا۔ صاحب آج میں نے اس میں بہت سے آم لگائے ہیں۔ میں یہ شوکت صاحب پر حبت دے۔ نظامی صاحب۔ آم کے آم گھلیوں کے دام کی مثل کا مفہوم دے اصل آج مجھ میں آیا یہ شوکت صاحب کو اس کے گھیرے۔ کونا بہت پسند آیا۔ امد کی پوچھے تو آئیں کریم سے زیادہ وہ اس اصطلاح سے لطف اندوز ہوئے۔ جو صے تک ہم پہنچنے والے یا ڈالنے کے مفہوم کو گھیرے۔ یہی کہتے رہے۔

ہم تینوں کی دوسرا اور قریب لوگوں کے لیے حیرت کا موجب غنی۔ خصوصاً ان دونوں سے ہماری قربت۔ کہ میں نہ ان کا زہم میں۔ نہ ان دونوں کی طرح علم و ادب کی دنیا میں میرا نام۔ بہر حال دوستی غنی۔ اور دونوں کے آخری دم تک قائم رہی۔ اب آپ انہیں میرے بزرگ فدا دوست یا دوست فانی نہ کہ کچھ ہی کچھ بیچنے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں۔ ان کی بیگمات۔ ان کے بچے۔ ان کے بزرگ سب کے سب مجھے "بھائی" کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ میں جگت بھائی کہہ کر کہیں گیا

مادہ ششہ میں ایک دن میں سوک جہاں سے ملے گیا کہ ان سے پتہ رسالے چوں ٹکڑے ہونے کے سلسلے میں مفید مشورے دیں۔ سوک نہ جیت نہ صرف بہت کمی مشورے دیتے بلکہ اس کے ساتھ ہی ہر مضمون لکھنے کا وہ بھی فرمایا اس کی کتاب اور طباعت کا پروگرام بھی دیا کہ کس دن تک مضمون لکھا جائے گا۔ ان کے رسالے میں ہر وقت چھپ سکے۔ مشورے کی حد تک ذخیرہ میں آدہ تھا۔ کہ ان میں سے جو کافی عملی ہو سکے۔ اسے ضرور کام میں لائیں گا۔ لیکن تب انھوں نے مضمون لکھنے کی سزا کٹ لی۔ وصاف مانا ہے میں فدا ہر نشانہ ان کے متعلق دیگر کا عالم ناگزیر بھی تھا۔ کہ لکھنے نہ دینے کے معاملے میں وہ ہتائی کا درباری۔ ادیب ہیں اور انھوں نے اپنے عزیز ترین عزیز کے لیے بھی نہیں لکھنے کی تحویل دی۔ اس کے بعد وصاف میں سے شہوت صدر جیسا ادیب کے بچان کے شہابی شہنشاہ صاف کی ادائیگی میرے لیے ممکن نہ ہوئی۔ اس سے پہلے کسی جگہ ساگر ویر۔ کسی خاص خبر کے لیے میں نے ان سے مراسلت کی تھی تو انھوں نے انرا کہم نہ دیا۔ مضمون میرے حوالے نہ کیا۔ اب جو انھوں نے باقاعدگی سے لکھنے کی ہتائی تو میں ڈر سکتا ہوں۔ مناسب بھی معلوم ہوا کہ انھیں باوجود ان کی کڑاؤں۔ خود اس دور پر مصروف انسان ہیں۔ کہ خود ان کی طرف سے یاد رکھنے کی روش ہی نہیں ہو سکتی۔

میں نے مضمون کے لیے جو آخری دن انھیں بتایا تھا۔ اس دن دو میر کو رڈ پر اسٹیشن سے ان کا فون آگیا۔ کہاں غائب ہو و تمھاری امانت رکھی ہے۔ اگرے جاؤ۔ مجھے تعذبات دے گا۔ کہ اس امانت سے ان کی راجھڑک ہے۔ میں کچھ مصروف تھا۔ ان سے کہا۔ لکھے دن ہوں گا۔ لیکن انھوں نے تاکہ دیا کہ شہ کو صبر و گھبراؤ۔ ہند میں شام کو ان کے گھر پہنچ گیا۔ جاتے ہی انھوں نے اپنے بگ رحمان کے نوٹر اور کی جیت رکھا۔ اور ہر وقت ان کے ساتھ رہتا تھا۔ میں سے چٹل کے چار مضمون کا مضمون نکالی کر میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے اس کا طبیعت سمجھ کر سلسلہ ادا کیا۔

لکھے دن خوشنویس کو کتاب کے لیے دیتے وقت جو دیکھتا ہوں تو آخر میں "باقی ہے" لکھا ہے۔ اگلے بجھے اس مضمون میں نے اس سے ملنا عہد چاروں کیا۔ لیکن ان کا فون آیا۔ اور انھوں نے چہرہ ملا۔ اور مضمون کی مدد سے میرے حوالے کی۔ جب میں میں چار قسطیں شائع ہو گئیں۔ تو ایک دن تمہارے کہ میں نے معاوضے کی بات پھیر دی۔ کہ فی حق کہ وہ ایک سو پانچ سو روپے ہو گئے کہ اگر معاوضہ دے کر مضمون لکھنا ہے۔ تو لاہور میں بے شمار لکھنے والے ہوتے ہیں۔ ان سے لکھو آؤ۔ صاحبزادے۔ کا یہ کھول کر سن لو۔ اگر تم نے پیسے کی بات کی تو میں مضمون لکھنا بند کر دوں گا۔ اور ششہ ششہ گشت ششہ ششہ شریک صاحب بہت پابندی اور باقاعدگی سے چھوٹی کے بلکہ ہر جیسے مضمون لکھتے ہیں۔ دھڑا ایسا ہوا کہ مصروفیت کے سبب دن میں انھیں لکھنے کا موقع نہ ملا۔ اور آخری دن سر ہوا گیا۔ چونکہ تکلف تو درمیان سے اٹھ چکا تھا۔ لہذا میں انھیں مضمون لکھنا یا دولا۔ ریڈیو اسٹیشن سے "قاضی جی" کا پروگرام ختم ہونے کے بعد میرے شام کو اپنے ساتھ گھر لے جاتے۔ وہاں جا کر مجھے اپنی بیگم اور بچیوں کے پاس بٹھا دیتے اور خود دوسرے کمرے میں چلے جاتے۔ میں بچتا ہوں ہے کپڑے تبدیل کرنے لگے ہوں۔ آدھ ہوں لکھنے کے اندر یہ تازہ تازہ

[illegible]

تو وہ ان سے قریب میں نہیں۔ کامی و ناکامی جیسے رسوا کرتے ہیں میں بڑھ جاتا ہوں۔ جو جس میں ہمارے
میں مضمون نویسی کی ابتدا کی تھی اس محفل دور ہر طرف سے ساتھ نے سب صاحب کو مجھے ہے۔ وہ جس وقت کہ وہ یہ ہم
وہ ان کو اگر کہیں باہر جاتا۔ جو ناگہانوں پہنچتے۔ ساتھ ان کے ساتھ۔ وہ ہر وقت کے ساتھ ساتھ ہر وقت ہر وقت
ناتے۔ نظامی صاحب دوسم کو ایک دن مجھے ملے۔ جانے کیا ہو گی۔ وہ ایک باہر۔ سامنے کا حاکم۔ وہ میں یہ کہنا ہے
فون کے کہ فوراً دفتر پہنچنے کو کہا۔ اور میرے سامنے ایک اسکیم پیش کی۔ کہ عام روڈ پر میٹروں کی چندہ خریدیں تو اس
اور دوسرے مضامین سے حقیقی ایک رسالہ نکال دے۔ سو کہ صاحب اس کے اہم ہوں۔ میں اس کا مشورہ تو وہ نظامی
صاحب اس رسالے اور ریڈیو پاکستان کے ارمان۔ افسر ہوں۔ سو کہ صاحب نے اسی وقت اس کا نام ہر اس جو
دیا۔ اسی دن تمام دو افسر بخاری صاحب کو تمام روڈ اٹھی گئی۔ چند دنوں بعد بخاری صاحب کا جواب آیا کہ
خیال اچھا ہے۔ مگر اب لاہور آ رہے ہیں۔ مزید مشورہ اسی وقت ہو گا۔ لیکن بخاری صاحب۔ جو جلد نہ بھیج سکے
اور اس طرح یہ اسکیم دھری کی دھری رہ گئی۔

راولپنڈی میں میرے اور شوکت صاحب کے ایک مشترکہ دوست مفتاح اللہ ملک ہیں۔ فوج میں تو وہ کا محمد میر
 ہے۔ لیکن علم و ادب کے مہذب ہیں اگر غلط فہمیش نہیں تو کم از کم انھیں مجھ جیسا کہ ضرور کہا جاسکتا ہے۔ مردِ صوفی نہیں کہتے
 لیکن اچھے مصوفی کے دل سے قدر رکھتے اور داد دیتے ہیں۔ خود شعر نہیں کہتے، لیکن اچھے شاعر کی ہر ضرب انھیں پسند
 ہے۔ شاعر ملک انھیں ہر سال دورہ پڑتا۔ اور بہ راولپنڈی میں شاعرہ کہتے۔ مشاہیر کیا، جھاناسا سید، زہر پوتا تھا۔ کئی
 نشستوں پر مشتمل۔ ایک غزل کی محض ہے۔ خود سری نشست نظم کی۔ پھر ایک محفلِ مزاحیہ سماعی کی۔ ایک نشست افسانے
 کی۔ اور آخر میں ایک تنقیدی محفل۔

[illegible][illegible]

تین چار دن بعد میں راولپنڈی سے واپس آیا۔ شوکت صاحب نے گنگا نالہ سے ملے گا کہ ان کی بات بھی یہ ہوگی۔
 میری پہچان تھی کہ کب تک وہ واپس نہیں آیا۔ اس سے وہ اب وہ نہ جانتے ہوئے فارما کر دیا۔ یہ ہونا
 دعائیں نے پریشان کی۔ واپس پر تب فارموز بکڑا کر آئیں۔ بالکل ٹھیک آئی۔ اُس دن اس شخص سے بہت خوش ہوئے۔
 مضمون بیان تک لکھ دیا۔ کہ شوکت صاحب کی مذکورہ بات، وہ بعد ازاں گنگا نالہ سے ملنے کی خبر ملی
 ان پر حرم نے سوئے نام کی من بہت سے ایک مسلسل ناول، نسیم مرزا نے حوروں سے سرکار، مروج کیا۔ یہ پروگرام اسکو
 لکھا جاتا رہا۔ اور اس سلسلے کی کوئی پھر نہیں، قاعدگی سے ہر مہینے میں۔ شوکت صاحب نے اس کے مرکزی کردار
 کے لیے مجھے منتخب فرمایا۔ پروگرام کے وقت سے کوئی کھٹہ ڈیزل کھٹہ پیسے ہم پر ہر سال سے بن چکا ہے۔ ایک
 دن جو ہم پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک آرٹسٹ موجود نہیں۔ اگر کوئی آرٹسٹ دف کی باندی نہ کرنا تو سوت صاحب
 سمجھا جاتے اور ان کا فارموز بکڑا جاتا۔ جس ان کی اپنی اصلی حالت پر واپس لانے کو مافی آرٹسٹ باتوں کا سلسلہ شروع
 آیت۔ کسان کا دھیان ادھر سے ہٹ جائے۔ میری ہوشامہ آئی تو میں نے یوں ہی برسبیل مذکورہ ایک خاتون کا
 اچھے پڑ دیا۔ اور تھما کر عجیب اتفاق ہے کہ مختلف اوقات میں ان کے جن مختلف اصحاب سے تصورات ہے۔ وہ سب کے
 سب "تعمید" نام تھے۔ میری اس تحقیق پر آرٹسٹ جبرائیل سے مجھے کہہ دیا تھا کہ اس میں سے کسی کو بھی اس بات کا خیال
 نہ نہ آیا تھا۔ شوکت صاحب پروگرام کی طرف سے ناراض تھے۔ آرٹسٹ پہنچے نہ تھے۔ لہذا انہوں نے میری بات پر کوئی
 دھیان نہ دیا۔ ایک ڈرامہ آرٹسٹ نے ان کی توجہ جو میرے اس انکشاف کی طرف دلائی۔ تو ان کا فارموز ایک دم درست
 ہو گیا۔ مجھے داد دی۔ اور باقی لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: اس انکشاف کا جس انہیں نہیں۔ تو اور کسے پہنچا۔ بات یہ
 ہے کہ بھائی جان یعنی ان کے والد محترم کا نام بھی زعمید علی ہے۔ صاحبزادے کو فکر یہ لاحق ہوئی ہوگی کہ نگاہ انتخاب کہیں ان

ہاں! اب غازی صاحب صرف دعاؤں پر مانے کہ صاحب علی رات سوکت صبح تک میں بیٹھنے مارے
نہایت سے مانتے ہوئی تھی اسی لیے ہی علامہ پر ہوں "مخزن محاسن" میں "نکیر و نہایت چابی نہ داری
اسنے میں دیکھ دو صاحب غازی فرمادیں جو سوکت صبح سے ہی بے لکھیں۔ بہن محو صاحب نئی طرح وہ
دعاؤں پر ہونگے۔ انھیں تو یہ کہہ لے جسے وہ مانا نہ تھا۔ کچھ میں آئی آپ نہ۔ جہاں رہا تھا؟
دعاؤں کے فحش ہوتے ہی نہایت صاحب دونوں صاحب و صاحبہ رات سوکت صبح سے۔

مکرم و گلزار حکیم نہ۔ سلی صاحب مرے بے بہا سوس رنگ ہیں۔ آخر تیری۔ جو ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا
۔ ہر سال ان کی برسی۔ وہ تہہ نہ تہہ سے ملے۔ کچھ خیر کے صلہ میں کسی خوش گویا ہونے کو
وہ نے ہر کھانے کے بعد ان کی دکان سے آخر تیری دعا مانگا تھا۔ غازی شش و ہر دوں عورت کے کچھ صاحب
سہ نے کچھ سے فرما دی۔ وہ جسے بے شکور ٹھکانا تھا۔ سلسلہ عورتوں۔ جو یہ مقدمہ داری و میں یہ
نہایت صاحب غازی کوٹے دار چلے۔ ان کا کامنت صحت جو یہ ہے۔ تو جینی ہوئی تھی۔ ہر دوں کو چاہی تھا کہ
انھیں اپنے اپنے کی خاص رعایت تارے ہیں۔ تو وہ کچھ کی دکان سے بہت تعداد خواہ ہوں گی۔ نہ میں وہ
پر ہر صدمہ کیا گیا۔ کہ میں ہی خاص بنائے غریب ساہنے چلے۔ جو میری اس صاحب میں ہی پہلے ساہنے پر
صاحب ہر گئیں۔ حکیم صاحب کے مطلب کا پورا ڈونگہ کر۔ وہ کاش ہوں کہ ہم میں ملائی کی عرض سے کماں
وہ ہیں۔ اندر چہ قدم رکھتی ہیں۔ دیکھ دیکھ کر گھبرائیں۔ اب نہ۔ مکی ہی چلی گئیں۔ لہذا انھیں یاد رہا

کھانے سے مانع ہو رہا ہے وہ ماس کی گئی نہ خیرا و نہ تھا۔ ایک صاحبہ حیرا و نہ مانع ہو کر
ان کا گلا بھی اس قابل نہ تھا۔ ناچ بہت اصرار کے حد۔ آخر تیرے حرم کی ایک سون سنہ سے۔ یہ صاحبہ ہو گئیں۔
حشر کا کلام۔ اس پر حشر سکرے حزن و نہ ہر شخص انداز۔ کئی غازی کے باوجود ایک سال بندہ تھا۔ اٹھاسا
کا غزل کا مطلع تھا ہے

میں دکان نہیں جوں ساں۔ قریب سے

نہ سے کچھ نہیں ہے۔ گوشت سے

جب یہ غزل خیر کو کہیں تو شوکت صاحب جو ان کے بالکل قریب بیٹھے تھے بولے: "مخازیر حکم۔ حزل کا ایک
مصرع تو آپ بھولی ہی گئیں۔" وہ بہت حیران ہوئے۔ اور پوچھنے لگیں: "کون سا مصرع؟ سوکت صاحب نے اب یہ
فرمایا ہے

"پہلے دوا گلے کی تو نے جو عیب ہے"

آغا صاحب کی غزل کی زمین میں یہ مصرع ہوں محسوس ہوا۔ گویا انگشتی میں ٹکھنے۔ شوکت صاحب نے ذرا فاصلے پر میں
بیٹھا تھا۔ میں نے عمر بھر کبھی شعر نہ کہا تھا۔ نہ جلنے اس وقت ایک مصرع کیسے سوچ گیا۔ میں نے کہا: "شوکت صاحب
یہ تو پورا شعر تھا۔ مصرع ثانی تو آپ نے یاد دلایا۔ مصرع اولے غالباً آپ بھی بھول گئے۔" شوکت صاحب نے ہزنی

سے پرچھا : چھوڑو کون سا مصرع ہے ۔ نہ اس میں جو قوسوں میں ہے اور اس کو کہہ کر
شکوہ نہ دے دے دی ہے جیسے ۔ وہ ایک ۔

یہ سننا تھا کہ شکر صاحب ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے اور فریاد کرنے لگے : اب کی یہ چھیڑاؤ کون کر رہا
شعر بھی کہے ہیں : پھر اس شعر کو خود پڑھا ۔

شکر نے اپنے دوست جیسے ۔ وہ ایک

پہلے دو اٹھ کی تو نے وہ ایک

مغل میں جو حضرت مجھے تھے ان سب میں دل بھر کر داد دی شکر صاحب ماؤں سے ہیں غل سے کارہ تھے
تھے ۔ دو مصرعے تھے سے کوئی اچھی حمد مل جانا ۔ کوئی اچھا شعر تھے ۔ وہ ہرگز اچھے نہ دے سکتے تھے ۔ صاحب دے
آپ کی صحبت شعر کہنے کے ہے بہت نوزوں ہے ۔ شعر کما کھینے : "نیلین وہ دن اور آج کا دن" پھر شعر نہ لکھا یہ اور
سے دلچسپی ضرور ہے ۔ شکر جیسے شعر میں نیز بھی کر لیں ہوں ۔ وہی مصرعوں کو کہہ

برصیت اور نہیں آتی

خاندان اصحاب کی صحبت کا بیض تھا کہ میرا دماغ بھی شعرو شعر کی طرف جلی نکلا تھا ۔

مشاعروں کا یہ حال عرصہ ہوتا ہے ۔ اس زمانے میں لاہور ۔ لائل پور ۔ راولپنڈی اور ملتان میں مشاعرے
دہائی صورت میں منعقد ہوتے ۔ ہر پنجاب سے تھوڑا سا حصہ لیتے تھے ۔ ایسے موقعوں پر شہرت حاصل کیے بہار میں
مخملیں ہوتی ۔ جگر صاحب ۔ سید محمد حنفی ۔ خلیفہ جلیپوری ۔ حصار دہلوی ۔ ادیب سہیل بھٹی ۔ صاحب فرہان ۔
ذہیر شاہ ۔ حماد ہارہ ہنگوی سب شکر صاحب سے جمع ہوتے ۔ ان میں سے بعض حضرت سے لگے یوں تو نیاز و مل
تھا ۔ لیکن قربت شکر صاحب ہی کی وجہ سے ہوئی ۔ سادہ کو ان کے بہانہ جلا جانا اور دیکھنے ہی دیکھنے شام کے دھندے
رات کی تہ کیجی میں ڈھل جاتے ۔

مجھ سے زیادہ لوگوں کے لیے اور لوگوں سے زیادہ خود کسیر لیے یہ بات حیرت کا موجب بنی رہی ۔ کہ میری اور شکر
صاحب کی دوستی اور قربت میں کیا قدر مشترک ہے ۔ دور کے ملک میں تو سمجھ کہ نہیں سکتا ۔ لیکن جان تک میں سمجھتا ہوں ۔ اس
کی وجہ اس کے بسوا کچھ نہ تھی کہ ایک تو جب بھی میں ان سے ملا ۔ میں نے حلف مراتب کا خیال رکھا ۔ دوسری بڑی وجہ غالباً یہ
تھی کہ انھیں مجھ سے کسی قسم کی "ہینہ و راز و قات" کا اندیشہ کبھی نہ ہوا ۔ اپنے ہم عصر ادیب اور مشاعرہ دوستوں سے وہ
بظاہر ہنس بولی کرتے ۔ لیکن نفسیاتی طور پر ان کے تحت الشعور میں یہ بات ضرور رہتی ۔ خدا نہ کرے اس سے میری مراد
یہ نہیں کہ وہ منافقانہ طور پر اپنے دوستوں سے ملتے تھے ۔ میں نے انھیں اس عالم میں بھی دیکھا ہے ۔ کہ اپنے ہم حصروں میں
ان سے کسی بہت کم عمر شاعر نے کوئی اچھا شعر کہہ دیا تو دل بھر کے داد دی ۔ بار بار وہ شعر سنا ۔ اگر انی الٹا بھی کسی سے
متاثر ہوئے تو خلوت و جلوت میں اور ای صاحب کی عدم موجودگی میں بھی ان کی وفات کو سراہا ۔ ان کے شعروں کی تعریف
کی ۔ لیکن بعض ایسے ادیب اور شاعر بھی تھے ۔ جن سے ان کے مراسم تھے بہت قربت بھی تھی ۔ لیکن ان کی تحریروں سے

ممی کے تاثرات

ڈاکٹر میمون زیدی صاحب

[illegible]

دوسرا یہ ان لوگوں نے بتایا کہ حالتِ گمراہی ہے لیکن ایمانک سر زمین پر امید رہی۔ پھر الھیناق اور سب الھیناق کی سب سے بڑی غلطی۔ دل پر ہتھکڑیاؤں کے لئے جلاؤں۔ لیکن گمراہوں کو مسخرفیات نے اس کا روتہ دیا۔ پھر یہ جی تو مسخروں کا یہ سب کچھ ہی بدد
برہانے گا لیکن غرض کہ انے والی جہنم اپنے ساتھ اس عرین کی موت کی خبر سے کرائے گی۔ ان کی قدر ہے کیفیتِ حیرت۔ روتہ
کہ انھیں بددوان اور یہ ہمیشہ کے لئے غامض ہو گیا۔

ادیب و شاعر کی حیثیت سے شہرت کا نثری لی کیا فتوحات ہیں۔ برابر مرموع نہیں۔ میں نے یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ ان کے اس بے انتہائی دور میں اس سرائیکی و مغلغار کے زمانہ میں انہوں نے اپنے اذکار کو کس طرح نبھایا۔ ایک خاص زاویہ نظر سے کام لیا۔ اس میں کہاں حاصل ہوا کسی کسی کا نام ہوتا ہے۔ وہ بڑے اعلیٰ ادیب تھے اور ہمیشہ کے زود نویس۔ تقسیم سے پہلے ہی نئی ورجی کتابوں کے مصنف تھے۔ اپنے مخصوص زمانہ میں بڑے پتے کی بات کہ دینے کے عادی۔ سیریشی ریل ان کے اس دور کا شاہکار ہے۔ ان کا ادیبوں میں ہیں کہ اس زمانہ میں ان پر عبور و سکوت طاری نہ ہوا بلکہ اس آشوب میں برپا ہونے والا ہر اقداری کی سمنہ جمع پر تازیانہ ہوا کرتا تھا۔ ادیب تازیانے انہوں نے قاضی جی کی شکل میں مجتمع کر دیے ہیں۔ اس دوران میں انہوں نے جو کتابیں لکھیں وہ ہمارے قومی کردار کی تھیں۔ انہیں پر تنقید ہی نہیں بلکہ تمجید میں بڑی معاون ہیں۔ ان تصانیف میں ظرافت و مزاح کے ساتھ ساتھ طنز کے نشتر بھی چھپے ہوئے ہیں۔ ان آئینوں میں ہم قہقہے لگاتے ہوئے اپنے خط و خال میں دیکھتے ہیں لیکن قہقہے کی ایک نئی ہر اس طرح آتی ہے کہ طبیعت کے تمام گتہ اپنے ساتھ ہالے جاتی ہے۔ یہی ان کا نثر ہے اور یہی اسلوب۔

شرکت خاویجہم کی اس سہ ماہی نہ تھی۔ ہمارا دل اس پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم
 کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع
 پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔
 خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع
 پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔

مذاہب اور اصول فقہاء نے شرکت خاویجہم کے سید محمد علی کو یہ پتہ چلا کہ خاویجہم کے سید محمد علی کی عقل و احباب کا طبع
 پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔
 خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع
 پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔
 خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع
 پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔

شرکت خاویجہم کے سید محمد علی کی عقل و احباب کا طبع پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع
 پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔
 خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع
 پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔
 خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع
 پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔ خاویجہم کے ہر ایک آدمی کی عقل و احباب کا طبع پر غور و فکر بہت طویل تکلیفی تھے۔

شرکت صاحب کے آتے ہی خاویجہم شروع ہوا اس کی صدارت ڈاکٹر صفحہ حسین صاحب نے کی جو ان دنوں جہلم گورنمنٹ کالج
 ہاکی میں پڑھ رہے تھے۔ اور آج کی تقریب میں شرکت کی غرض سے پٹنہ آئے تھے۔ شرکت صاحب کی اطلاع کے بغیر ہم نے یہ فیصلہ کر لیا
 کہ اگرچہ سیکرٹری کے فرائض شرکت صاحب انجام دیں گے چنانچہ صدر کے تعاون کے بعد مرحوم سے درخواست کی کہ وہ شروع کی
 اور دینی انجمنوں میں ان کے لئے ہر اعلیٰ خلافت ترقی تھی۔ بلکہ بغیر کسی ہرزہ مندرت کے انہوں نے درخواست قبول کی۔ یہی شاعر ہے
 ۱۹۶۲ء کی عید سے ایک دینی قلم نامہ آج شرکت صاحب کا انتقال ہوا۔

میں مٹائی شہرہ کے حدود، ان شہزادوں نے جی، پناہ کا ہم پر چاہا جو کسی انصاف سے ہڈی میں نرم دھتے ہو رہی جنبہ پاک شہزادہ
 مشہور جن ستم، خدا اس کا خزانہ موت وہی لوگ نکالے نہ جو بڑبڑا کر تھکے تھے، اس کا جوے کی وہاں کا سہا سہی لے رہیں
 شہزادہ خانوی مرحوم کی ذرا بچی کے سر پہ، جنہوں نے بہشت کا کھلے رکبتہ و مغربہ، انداز میں خدمت کر پایا، کہہ رہی تھی کہ
 لکھ، اس وقت تا، بھی کرب و معلوم ہو گا، زور و کھڑکی اس نشست نے تو یہاں گھڑی میں چلی گھینپا، اس دو ماہوں پر
 مرحوم شہزادے پر پڑے رہے، شہزادے نے سے تپ، اور، بچی سے اس کی نصحت کے وقت لوگ کام سے، زیادہ ان غزوں کے مشافہت
 جو اس کے بارے میں شہزادہ خانوی مرحوم کی زبان سے، ادا ہوتے تھے، کھنکھن پر مسد جاری رہا، نہ مابھی قلم، اور، دبی مرحوم سے
 وہ بچی، اور، غارت کے کھلے فائدہ کی کمی، یہیں چند میں جہود، ہوئی۔

شہزادہ خانوی مرحوم کی صاحب جی تھے شہزادہ خانوی نے اطلاع لیا

۔ اب میں فانی پڑھنے کے لیے نکل رہا ہوں زبانی کا۔

شہزادہ خانوی مرحوم کی صاحب جی نے کام سنایا، ان کے لیے اطلاع بھیجی۔

۔ اطلاع سے جہود سے درخواست ہے، وہ اپنا کام سنائیے

زادہ خانوی مرحوم کی صاحب جی نے فرمایا تھی، دوسری مرتبہ کام کی درخواست اس صاحب کی۔

مہنہ خانوی مرحوم کی صاحب جی نے فرمایا، زور و کھڑکی کے کھلے کر تے ہیں کہیں وہ جا رہا ہو، اور، صاحب کی کر، مسرور ہو
 ہے، زلیخا سخی جنہوں نے کہہ کر وہ، جان، حوی کے لکے دو، ان خوش بھیج دیا کرتے ہیں، تو میں اس سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی بات
 مطابق دوسری فرم میں سنائیے۔

مہنہ خانوی مرحوم کی صاحب جی نے فرمایا، انصاف انصاف یہ شہزادے میں، انہم کی کیا تھا کہ لوگ کسی پر چڑھ کر پہنچا
 نہیں، میرے صاحب بیٹے کو جی بہت سے کھڑے ہوئے لوگوں سے، پہنچے ہی رہتے ہیں، ان کی تشریف آوری پر مرحوم نے اطلاع کی۔
 انہوں نے منہ سے یہ بڑی بات کرنے والا ہو، اب میں صاحب میرے درخواست کرتا ہوں وہ تشریف لائیں۔

مہنہ خانوی مرحوم کی صاحب جی نے فرمایا، اس میں میرے صاحب کی صاحب جی نے فرمایا، شوکت صاحب نے پھر کھڑے ہو کھڑے رہ گئے۔
 صاحب کی صاحب جی نے فرمایا، اب میں صاحب میرے صاحب جی نے فرمایا، شوکت صاحب نے پھر کھڑے ہو کھڑے رہ گئے۔
 یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔

مہنہ خانوی مرحوم کی صاحب جی نے فرمایا، انصاف انصاف یہ شہزادے میں، انہم کی کیا تھا کہ لوگ کسی پر چڑھ کر پہنچا
 نہیں، میرے صاحب بیٹے کو جی بہت سے کھڑے ہوئے لوگوں سے، پہنچے ہی رہتے ہیں، ان کی تشریف آوری پر مرحوم نے اطلاع کی۔

انہوں نے منہ سے یہ بڑی بات کرنے والا ہو، اب میں صاحب میرے درخواست کرتا ہوں وہ تشریف لائیں۔
 مہنہ خانوی مرحوم کی صاحب جی نے فرمایا، اس میں میرے صاحب کی صاحب جی نے فرمایا، شوکت صاحب نے پھر کھڑے ہو کھڑے رہ گئے۔

مہنہ خانوی مرحوم کی صاحب جی نے فرمایا، انصاف انصاف یہ شہزادے میں، انہم کی کیا تھا کہ لوگ کسی پر چڑھ کر پہنچا
 نہیں، میرے صاحب بیٹے کو جی بہت سے کھڑے ہوئے لوگوں سے، پہنچے ہی رہتے ہیں، ان کی تشریف آوری پر مرحوم نے اطلاع کی۔

انہوں نے منہ سے یہ بڑی بات کرنے والا ہو، اب میں صاحب میرے درخواست کرتا ہوں وہ تشریف لائیں۔
 مہنہ خانوی مرحوم کی صاحب جی نے فرمایا، اس میں میرے صاحب کی صاحب جی نے فرمایا، شوکت صاحب نے پھر کھڑے ہو کھڑے رہ گئے۔

میں اور شوکت بھائی

یٰۤاَیُّهَا خَیْرُ شُعَبٍ حَقِیْقًا جَالِدِی

حکایت میں بدیش کے بعد : خداوندی ہی ہو چکے کہ ۔ نوے سال تک اٹھائے اور خبر کر جب محمد سے عاشق ہو
بڑی خوشگوار کی ہے کہ کم تر نہیں آتا خداوند منکر دشمن کو بھی مہربان دیکھائے ۔ زنجیروں کی بیخ و بن کھینچ کر
خیم حوزہ میں سوئے خداوندان ماموں کے باطن کت کر مگنے تھے اور جو کچھ وہ سوئے بانی رہ گئے تھے ۔ ان کے حریفانہ ب
ان کو اس بڑی محنت میں دیکھ کر حجازی مامور کر رہے تھے ۔ بہت سی فزہ و نسیمیں سے آئی جا رہی تھیں اس پر وہ ک
نام میں سب ٹرک تھے ۔ کسی کا پناہ میں نہیں تھا ۔ کان چڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی ۔ چاروں طرف خوشگوار کی بھٹی تھی
۔ ریوے کے پیش پر ہزاروں کے بعد گرے ماموں کی انڈسٹری جو رہی تھی کہ تھیں نام کا مرد ۔ یا عورت موجود ہو تو وہ ہلاک
ہیں دیگہ دم میں آجائے ۔ اُس کے رشتہ دار اس کا بے بی بی سے انتظار کر رہے ہیں ۔ میں نہ اپنے کانوں سے اپنے
ہم کی انڈسٹری بہتے سنا کر کانوں پر نہیں نہیں کیا ۔ جب بھی ہمارے آواز کی کہ اگر خیر شہید کلمہ اور ہر آواز شہید میں موجود ہوں تو
وہ فوراً اپنی خیریت کی اطلاع دے گا ۔ پیش پر ٹیلیفون کے ذریعہ ہوں ۔ مامور میں یہ خبر لوگ کی طرف پہل گئی تھی کہ بے رہی کے سفر
کے بعد ان قتل کر دیا گیا ہے ۔ اس خبر سے میرے ساتھ کام کرنے والوں کو بتا دیا ہوا ۔ میرے ڈیڑھ ڈیڑھ کثیر سیم شاہ سیر کے
ساتھ ان کے کھنڈر پر توڑ کئی روز تک میرے کام کی انڈسٹری کرائی ۔ یہ آواز سننے کے بعد بھی میرے حواس متعلق ہو رہے ہیں
ہے تھے ۔ افسوس کہ یہ بھی اسے دھشت تک مامور نے ان آٹھوں سے کہتی تھی کہ وہی تو یہاں ہی کمر میں آیا
دیکھا ۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگ اپنے عزیزوں کا ماتم کرنے کے لیے پیش پر موجود تھے ۔ میں نے شکل اپنے حواس درست
کئے اور ریوے کے پیش سے ہی ریوے کی پیش ٹیلیفون کیا ۔ ٹیلیفون پر شوکت صاحب بولے ۔ یہاں نام سن کر انہوں نے بہت
خوش کا اظہار کیا ۔ اور فرمایا اسات کے سب فرد آپ کی خیریت چاہتے تھے ۔ خدا کا شکر ہے آپ اور آپ کے سب اہل خیریت
سے پہنچ گئے ۔ میں آپ کی خیریت کا پیغام آپ کے پیش میں بھی پہنچائے دیتا ہوں ۔

دہلی میں شوکت صاحب اور امتیاز علی تاج صاحب کے بہت سے دوستوں میں میں نے عرض کیا ہے۔ شوکت صاحب کا مولانا میر صاحب کی بقرعیدۂ امدان کی کتاب سودیشی ریل یہ دونوں مجھے بہت پسند تھے۔ اکثر اقدار صاحب اور شوکت صاحب سے ملنے کو دل چاہتا۔ مگر خدا نے کرم ہنگاموں کے بعد ان دونوں ادیبوں کی شکلیں دکھائیں۔۔۔ دہلی سے ویردک کئے میں

جن عادتوں سے وہ چار ہو تا ہوا۔ ان کا دل پر کافی گرا اثر تھا۔۔۔ میں اپنے گھروں اور چند من ماحول کی سی تھی جی۔۔۔
 بہت بدلتی سی ہو گئی تھی۔ نہ جانے کیوں۔۔۔ کے بغیر کے۔۔۔ یہ تہ بندہ گئی تھی کہ کچھ سب سے پہلے پرانہ من میں۔۔۔
 مگر میرے ہا ہر آسے کے کوئی چندہ دن بعد کے یہ پہلا کار بندہ صاحب سب ترشوں کو لایا کہ پہلے میں۔۔۔
 روز کے بھی جا گیا۔۔۔ میری بخاری صاحب کا نام سن کر ان کی بینک میں شام ہو گئی۔۔۔ بندہ صاحب نے جو سب۔۔۔
 آتشوں سے ولی پھر دی کا اعتماد کیا۔۔۔ بہت سی نفسی نشئی نے بعد یہ سب ترشوں کو کہ جو درجہ لازم ملکہ دیا گیا۔۔۔
 حکم تہ۔۔۔ میں بھی جو سب ترشوں کی بڑی اہمیت تھی۔۔۔ یہاں میں ہم کو انفس بھی کیا۔۔۔ اس عزت کے ذکر کے۔۔۔
 ایک چھوٹا سا لکھنؤ آ گیا۔۔۔ جب کے ہمدرد یہ جو ہر درجہ کیا گیا تو بندہ صاحب کی تھانہ موسم میں کہ ہم سب۔۔۔
 حقیقہ پر شیار پوری کے پاس میں۔۔۔ وہ اوپر کی منزل کے کمرے میں بیٹھے ہیں ان سے اس جا کر دستہ کر دیں۔۔۔ ان دونوں میں۔۔۔
 کا عالم بھی کچھ کم نہ تھا۔۔۔ میں اوپر کی منزل میں کئی کمرے میں شوکت جانی اور حقیقہ پر شیار پوری دونوں آئے تھے۔۔۔
 تھے۔۔۔ میری ان دونوں سے یہ پہلی طاقت تھی۔۔۔ ان میں کمرے میں داخل ہوئی اور حقیقہ پر شیار پوری کے صاحب پر۔۔۔
 "جی حقیقہ پر شیار پوری کو جس سے کمرے میں بیٹھے ہیں بے کراہت پر دستہ کوئے ہیں۔ حقیقہ صاحب نے بہت خشک منہ بنا کر انت
 اسے آجائے۔۔۔ اور شوکت جانی کی بے ساختہ ہنسی غلج بڑی۔۔۔ بے دیکھ کر کمرے ہو گئے۔۔۔ لڑی پہنچنے کو لگا اور حقیقہ پر شیار
 سے فرمایا۔۔۔ آپ نے اپنی تعریف میں لاد کر کمرے کی۔۔۔ تھے تو یہ پوشیدہ پوری گرج کے شکار پر۔۔۔ رہ گئے ہیں۔۔۔
 غلطی پر شرم آئی مگر شوکت جانی نے اس شرم کو بھی اپنی سید اور باتوں سے جھوٹا دیا۔۔۔ عزت کے بعد یہ حقدہ کھڑا کر۔۔۔
 ڈراموں کا دور پھر اس ہے۔۔۔ ڈراموں کے بدلے ایک اور فخر پر درگرم روزانہ پیش ہو رہا ہے۔۔۔ جس کا حوالہ ہے۔۔۔ پارک میں بار بار
 یہ یہ فلم شرت جانی، میں لیٹ اور من اور خود اختیار علی تاج صاحب تھے۔۔۔ پیش کرتے۔۔۔ اس پر درگرم میں میں خود بخود قابو۔۔۔
 افسان کے نتیجے نسیم تھا۔۔۔ اور کبھی کبھی وہ اس میں حصہ مین۔۔۔ یہ ہر دو گرامات آٹھ بجے سے ساڑھے آٹھ بجے تک نشر ہوتا تھا۔۔۔
 کا وہ ایک اور پروگرام بڑا کثرت ہوتا۔۔۔ لوگوں کے نام پینام ریڈیو کے فدیہ دہے ملوں میں ان کے حریفوں کو پہنچاتا۔۔۔ ان کی
 غیریت کی صلہ دینا اور یہ بتانا کون کہاں ہیں۔۔۔ بے اس پروگرام میں میں حصہ مین چڑھتا تھا۔۔۔ آخر کار رضا کو کے یہ صحبت کے۔۔۔
 ملی گئے تو کہ ہمدرد یہ میں بھی روشنی کی کرن نظر آتے تھے۔۔۔ وہ کرن تھے شوکت قاضی۔۔۔ شوکت جانی نے ایک فخر پر درگرم خود
 اور پیش کرنا شروع کیا۔۔۔ جس کا عنوان تھا "قاضی جی"۔۔۔ حوالہ نے شوکت جانی کے قاضی جی کو بت ہی پسند کیا مگر قاضی جی
 کی شرت لاپرواہی چاقا عرض قاضی جی ہی بہت مقبول ہوا۔۔۔ شوکت جانی قاضی جی کا رول خود کرتے تھے افسان کی ڈھلی الگوئی زہرہ بن
 کردار میں ادا کرتی۔۔۔ ان کی بیوی مومنی داس تھی۔۔۔ اور بیوی کے جانی کا پارٹ مقبول احمد ادا کرتے۔۔۔ لاہور سے قاضی جی سات
 سال تک ہر ہر پیر کی شام سما آٹھ سے ساڑھے آٹھ بجے رات تک نشر ہوتا رہا۔۔۔

ان ہی دنوں شوکت جانی نے حور قند کے پروگرام میں خالد جان کے نام سے ایک فخر پر درگرم کھنا اور پیش کرنا شروع کیا۔
 جس میں فلم ایڈیٹر میں جو خالد جان فنی تھیں افسان کی باغی کا کردار میں کرتی اور خود شوکت جانی ایک بیکار نااہل امیدوار کے کا
 رول کرتے تھے جو خالد جان کی چھٹی باغی سے شادی کرنے کا خواہشمند تھا۔۔۔ لڑکا جب بڑا ہوا اس کے ساتھ پیش کیا گیا تو اس کی

تھی۔ جسے دل کربت غرض پڑے۔ خوشی سے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ اس وقت تک میں یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ
 جیسا کہ جانی کی حرکت جانی نے چند باتیں کہہ لیں۔ تمہیں یہ بڑے کیوں کہ ان کوئی اختیار کرنا نہیں چاہیو۔ میری جانی کی
 وقت لگتی تھی اس کربت پیار کیا اور کہا یہ اپنے آبا کی بدبرہم کل ہے۔ جس کے پیشہ اس قدر میں خوش ہو گیا۔ میری
 جس کے بعد وہ مجھے مدد کرنے والی پوزیشن میں سے۔ حقیقت صاحب کو اگر کسی مشاعرے میں شامل ہونا پڑا تو میری مدد
 ہوتی ہے کہ میں بھی ان کے ساتھ جا کر ان کی نانی ان کا کام سوں۔ وہ پھر کے مشاعرہ کا ایک چھوٹا سا ٹیپو آگیا۔ جب
 میں بھی وہی وہی ہونے لگی تو جانی بھی میرے ساتھ جاتی تھی اس کی عمر تقریباً تین سال کی تھی۔ اتنی ہی جانی کا مات کے ساتھ
 جانی بھی مشکل سے ٹھہرتی تھی اپنے ابا جان کا کام سننے کے شوق میں جاتی رہی۔ شہرت جانی مشاعرے کی صحت فراموش ہے
 جب ان کی باری آئی پڑنے کی تو انہوں نے سب سے پہلے اپنی شہرت "مے میرے بچے تو پیارا ہو" پڑھی۔ جانی یہ نثر
 شہرت کربت خوش ہوئی۔ غیر طرے تو جانی سرگئی۔ میچ رقص کے ابا جان نے کہا: تم اور تمہاری اسی میں اس کی بہت پسند
 کر رہی تھیں۔ رات بھر تم جانتی رہیں تھیں تعلیم ہی ہوئی۔ اس بات پر یہ تہاڑی رات تمہیں کیا ناست اور تھیں کیا پسند کیا کرتا
 نے کہا ابا جان مجھے تو سب سے زیادہ وہ شاعر پسند آیا جو مشاعرے میں پتھر پیدا کرتا تھا۔ جانی کی اس بات پر ہم دونوں خوب
 تھے۔ ہفتاز سے کہہ دیر بعد ہی ہمارے کربت میں شہرت جانی افریقہ چھوڑی اور سید جعفری یہ تینوں حقیقت صاحب کے پاس
 آئے۔ حقیقت صاحب نے جانی کی پسند شہرت جانی کو بتائی۔ اور کہا ہم تو تم کو پسند کرتے ہی ہیں۔ ہمارے جانی کے خواہے وہ کچھ
 اس سے بھی زیادہ اچھے ہیں۔ شہرت جانی بھی جانی کی بات سن کر کربت خوش ہوئے وہ نندہ دل اور مغلطہ طبیعت کے انسان تھے چند
 برس سے صدر بیٹھے تھے اور مناسنہ اور جانی کو بہت پیار کیا۔ اُس کی ذہانت کی تعریف کی۔

جن دنوں شہرت جانی کو حکومت سے پہلی بار اجازت۔ یہ خبر پڑ کر مجھے بھی بہت خوشی ہوئی۔ حقیقت صاحب ان دنوں
 کراچی تھے اور میں لاہور۔ کسی کام سے میں نے کراچی حقیقت صاحب کو ٹیلیفون کیا اور سہ ماہی یہ خوشخبری بھی سنائی کہ حکومت
 کی طرف سے شہرت جانی کو بھی اجازت ملے ہے۔ اس اجازت کے سننے کے کچھ دن بعد ہم پھر لاہور مشاعرے میں گئے حقیقت صاحب
 نے شہرت جانی کو یہ کہہ کر بلا دیا کہ یہ خبر مجھے سب سے پہلے میری بیوی نے سنائی تھی کہ شہرت جانی کو بھی صاحب کے اجازت
 ہے۔ شہرت جانی یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا میں کا رشتہ بہت بلند ہے۔ انہیں زیادہ خوشی ہوئی ہوگی۔ آپ بنوئی ہیں آپ
 کو بھی اس رشتے کی وجہ سے خوش بننا لازمی تھا۔ یہ کہہ کر ان کے چہرے پر مسکراہٹ چلی گئی۔ کچھ شہرت سوچی۔ خوشی
 سے فرمانے لگے۔ آج میں میری صحت کر رہا ہوں۔ میں آپ کے نام کے ساتھ اناؤنس کر دے گا کہ اب میرے بنوئی حقیقت صاحب
 آپ کو اپنا کلام سنائیں گے۔ کیونکہ آپ اس رشتے سے کسی صورت بھی شکر نہیں ہو سکتے۔ حقیقت صاحب نے فرمایا جو اب حوا میں
 میں کہوں گا یہ میرے سامے ہیں اس بات پر ایک دم سب کے قہقہے بلند ہوئے۔ جتنی دیر شہرت جانی ہمارے کمرے میں بیٹھے
 رہے کمرے کی فضا ہی بدل گئی تھی۔ ہر ایک خوش۔ ہشاش بشاش نظر آتا تھا۔ توں کو ہنسانے والے شہرت جانی۔ مردہ دہلیز میں
 پیدا کرنے والے شہرت جانی۔ آخری بار جب وہ لاہور کے مشاعرے میں شریک ہوئے تو ان کی آمد کی اطلاع مجھے اخبار کے ذریعے
 تھی۔ میں نے سید جعفری کے حال کے جان پر شہرت جانی کو فون کیا اور گھر آنے کی دعوت دی۔ مگر شہرت جانی نے اس وقت

شوکت تھانوی

جب قاضی ہی ہوتے

اردو نثر کی ایک آئینہ نگار تھی

اختر جہاں

جب میں کتابوں کی دُنیا سے آئے۔ ہونی شوکت تھانوی کا نام میرے شعور میں ایک سدا بہار پھول کی طرح لطافت اور ان کی نصائح و نصیحت کے کرداروں کے قاعدی پیکر میرے دہقان ایک نرس باس گئے کی طرح بہتے۔ ان کی کتابیں پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا تھا جیسے میری زبوں میں جہاں خون کے فتنے، ڈوڑھے ہیں ان کی غریب کی شکستگی اور شخصیت کی اُمید داری۔ وہ اپنی تحریر میں جس جہے لگتے درپے ہوتے تھے۔ کہ ان سے کبھی باعثِ فتنے کا شدت سے اشتیاق نہیں ہوا۔ لامرہ کاچی اور آجریں راولپنڈی سے شوکت تھانوی کا انہماک مقبول پروگرام قاضی ہی تھی یہی پروگرام کے خصام پر انا وفسر کی یہ آواز تھی کہ یہ فخر شوکت تھانوی نے قیام دہلی میں کر کے تھے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ کہ ایک عظیم فن کار کی دوبارہ آواز سے قانون کو چھو کر گئی ہے۔ کبھی گمان میں نہ ہوتا تھا کہ آجریں میں ہی اس پروگرام پر حصہ لیا کروں گی۔ ادا علی فوہر سلاٹ میں۔ ڈیڑہ پاکستان راولپنڈی سے میرے نام بلدا آیا۔ قاضی جی کے بے سوائی آواز کی ضرورت تھی میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ قدرت نے بالکل اتفاقیہ شوکت تھانوی سے ہر نفس نفیس طے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن پر پہنچ کر معلوم ہوا شوکت صاحب دوسرے کسی میں تلف رکھتے ہیں دوسری خواتین کے ساتھ جو آواز کے DITION کے لیے آئی تھیں۔ میں بھی اسی کمرے میں جا کر کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ یاد ہے شوکت صاحب اس وقت میرے سلام کا جواب دیا میں نے پہلی بار، جس چوڑی دار پانچلم اور سرئی رنگ کی شہروانی میں دیکھا۔ اس وقت مجھے وہ بہت سنجیدہ باوقار اور ضرورت سے زیادہ بڑے بار نظر آ رہے تھے۔ مجھے غور ڈی مایوسی ہوئی کیونکہ میرے ذہن میں ان کی تصویر اس سے مختلف تھی۔ بہر حال دو چار روز بعد جب مجھے اس پروگرام کے لیے انتخاب کی خبر ملی۔ تو میں پھولی نہ سکتی تھی شوکت تھانوی جیسے ادیب و شاعر اور فن کار کے ساتھ ہر ہفتے بولنا میرے لیے ایک مژدہ مانگنا تھا۔ پہلے پروگرام میں۔ میں گھبرا گئی مائے رعب کے ذہان بڑھ کر لگے جاتی تھی دوسرے ہفتے مسودہ کی ریڈنگ کے بعد شوکت صاحب نے خود بھی کما پیچھی مرتبہ آپ کی آواز میں تکلف تھا گھبرا جئے

میں نہیں اگر غلطی ہوگی تو میں سنبھال لوں گا باطل نہ ہو کر رہے۔ شرکت صاحب کا فقرہ ہے اس پر وہ بڑے
 رفت میرے لیے ہیں، پتھکڑوں سے ان کی تار میں رہی ہوں۔ وہ سزا ہو کر مجھ سے بہتر ہیں، شرکت صاحب
 جادو انجاء کیا میرے لیے ہے، وہ رفتہ رفتہ بڑا کیا، بہت کچھ بھی ہو کر ام کے دواں شرکت صاحب نے
 نئے وجود کی کا احساس ہو کھڑا تھا۔ برصغیر ممتاز دیوبند، قناریہ احساس ہو۔ اونٹنوں کے گھرانے، برغان
 جے روز چھ شرکت صاحب کا بھندہ، اندھ کر دھڑکی ہوئی تو میرے خاں میں زور ہو، رفت جے رفتہ ہوا پڑ
 جے دواں میں تھے وہ وہ جو کئی گنتی آہستہ آہستہ ان کی اصل ذات نہ رہی۔ نہ بزرگ عصمت کے جوہر تھے کچھ نہیں
 سال مسلسل ہر جہت۔ قاضی جی۔ میں جہت میں ہی وہ میرے سزا دہندہ تھے، ان کے ساتھ نہ داخل ملک
 کے بارے میں نے سحر سے جس صفت ایک ذوق تھکا کھینے، کچھ نئے بے عیسیٰ کئی سہولت کی بات پر
 شکم قسم جو تھے۔ اس لیے میں نے کچھ شک سے سبب قسم منہ کرنا تھا۔ ہاں سے ہی لوگوں کے لیے
 نہ ویشائی کا گاہ ہے جس وقت سے سبھی گت نروں کی شرکت صاحب کی ہر بات براہ راست کاغذ
 ب دلجو اور آواز کو نہیں غور و اور ان سزا سب کچھ نروں کے ملنے ہے۔ چرنے کا بیک اندھ میں ہے
 سی سرٹ میں کئی دلی شیر دانی میں زمین میں اکثر محل لا کرتے رہتے ہوئے تھا۔ ڈوٹی مدہ کے مدہ سے بننے والے
 سب کا سلام تھے ہونے میرے پر بیک رکھ کر کسی پر میٹھا جاتے تھے اور لوگ آئے تو اگر پروگرام کے
 ہونے کر پکڑ جو ہونے زچے ریڈنگ کر میں گتے ہونے آتے تھے ہونے، میں عام مجھ سے شرکت صاحب
 پتے ہی ریڈیو سنسن پنچا جاتی تھی، رفت کی پابندی سے بہت خوش ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کے ذرا پر جو گویا
 شرکت صاحب کو ڈوٹی دروم میں بیٹھے دیکھ کر کہے دیر کا احساس ہوا۔ بہر حال میں نے اندر ان پر کچھ سے ہی کہا
 صاف کیجئے آج کے ذرا پر جو گویا شرکت صاحب کے روایت مخصوص انداز میں چند جواب دیا۔ صاحب کے
 صاف کیجئے میں آج جلد آگیا تھا۔ یہ فقرہ سیدھا سادہ ہے لیکن ان کے کہنے کا انداز دلیر ایسا تھا کہ سب ساتھ
 اس بیٹے۔ اس طرح ایک مرتبہ میرے سامنے ایک شخص نے اپنے مکان کی پریشانی بیان کی، بھی طرح یاد میں ر
 تھک گیا تھا۔ شاید کوئی اس کے مکان میں رہنے کا خوش وغیرہ تھا۔ شرکت صاحب نے اس شخص میں اس کے مدد و مدد
 کہا اس شخص نے جانے کے بعد آہستہ سے بولے۔ لوگ میرے نام کے ساتھ عازری سن کر کہے تھانیدار نہیں بھر لیتے :
 اگر ایسا بھی ہوتا تھا پروگرام شروع ہونے میں دیر ہے۔ ریڈنگ سے فارغ ہونے کو باقی چھ گھنٹیں۔
 سیاست کی بات۔ اور صحافت کی باتیں ہوتے ہوتے چھوٹے مٹے تھے اور چھلے شروع ہو گئے۔ شرکت صاحب
 کا مرنے بیان طنز و مزاح اور بذلہ سخی معمولی لطیفوں کا لطف دو ہلا کر دیتی تھی۔ ان کی باتوں میں ہم لوگ ایسا کہتا
 تھے کہ ٹام کا بھی خیال نہیں رہتا تھا۔ کئی بار میں پروگرام کے وقت ہم لوگ چونکے بگے یا دے ایک مرتبہ جلد کے
 رونق پر ہرگز نہ چور ہوا تھا۔ اسی دوران اچانک اسٹوڈیو کا دروازہ زور سے کھلا شاید کوئی شخص غلط سے ادھر
 آگیا تھا۔ وہ اُسے حاضر و ناخی شرکت صاحب سامنے ہی کھڑے تھے فوراً قاضی جی کی آواز میں بولے اچھا میاں،

دیکھ کر اچھوڑ دیں لیکن کیا ہو گا۔ نکال دیا۔ ہر کوئی۔ اندر دیکھو۔ ہر ایک کو یہی نظر آتا ہے۔ ہر ایک کو یہی نظر آتا ہے۔ ہر ایک کو یہی نظر آتا ہے۔

ایک دن ایک صاحب سے ملنے گئے۔ اس اکثر آپ کا پریشان ہوا ہوا ہے۔ ہر ایک کو یہی نظر آتا ہے۔ ہر ایک کو یہی نظر آتا ہے۔ ہر ایک کو یہی نظر آتا ہے۔

سوا سال میں تقریباً ساٹھ ہفتے ہوتے ہیں۔ ساٹھ ہفتوں کا یہ خیال اہم جس میں شرکت صاحب کی ہفتہ ہفتہ کی صورت میں ہیں۔ زندگی سے جو پروردگار کی تخلیق کا منظر آتا ہے۔ اس اہم کی آخری تصویر، ایک منظر کی ہے۔ اس منظر شرکت صاحب منظر اور خاموش سے تھے جس نے مزاج پر سی کی، بہت مختصر سا جواب دیا۔ میں ڈر گئی۔ کبھی کبھی شرکت صاحب کو راہ کر پہلے جاتے تھے اور بار بار کھانستے تھے۔ لیکن پیشانی پر کئی ناگاری کے آثار نہیں تھے۔ ہر دو گرام اگلے ریکارڈ کئے گئے۔ ۱۶ مارچ کو ریڈیو اسٹیشن سے شرکت صاحب کے آخری قدم گئے اس کے صدر میں شرکت صاحب کو نہ دیکھ سکی۔ گھر پر گھنٹوں کی وجہ سے وہ جہی نہ جاسکا۔ ساٹھ ہفتوں کا یہ اہم شرکت کی جیتی جاگتی تصویروں کا ہے۔ میر نے انہیں بنزیر ملامت پر نہیں دیکھا۔ میرے ذہن میں ان کی بیادیں یا موت کا کوئی تصور نہیں۔

۴۔ منی ہفتے کا دن تھا۔ یعنی قاضی جی کے ہر دو گرام ملوں میں ریڈیو اسٹیشن کے ڈرامہ سیکشن میں ٹیلی جی جی تھا کہ اچانک جعفری صاحب کرے میں آئے میز پر مسودہ لکھا آہستہ سے برائے شرکت صاحب کا انتقال ہو گیا جیسے کسی نے بے خبری میں زناٹے کا ٹاپچہ کھینچ مارا۔ میرا سر جھکا گیا۔ شرکت صاحب جہی جیسے کسی اور کی طرح آواز

[illegible]

خطوط

بنام۔ بڑی بیگم

آل انڈیا ریڈیو کھنہ

۱۰ اگست ۱۹۴۷ء

ڈارنگ۔ تمہارا شک تمہاری محنت اور زندگی کا حصہ ہے۔ تمہارا خط ملا اور مجھے بڑی غلطی ہوئی کہ تمہیں مدد پر طلب کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جہاں تم جو دواں تمہارے پاس کافی روپیہ بچنا چاہتے ہو کیا کروں کہ میں کافی مدد پر کام بند کر دیتا ہوں۔ بہر حال جو کچھ ہو سکا ہے وہی ہو۔ خدا کرے بچے جانے اس طریقہ پر بھی خط لکھ کر ضرور ہے مگر اس کے علاوہ صحت ہی کیا ہے۔ مئی آؤ رہیں ماننا سب نہیں سچا اور نہ جبراً ہی بھجنا۔ بہر حال اللہ مالک ہے۔ اللہ اللہ بچے جانے گا۔ تم نے بہتر فرمایا بہت اچھا کیا۔ تمہارے بڑے لکچر اور میوزک کی فکری نہ کرنا اب تمہاری اپنی بات میں نہ ماننا۔ خداوند کریم میری جوت کو بچنا اور خدا صاحب کرے اور وہ بہت بڑی عمر ساتھ زندگی کے پاکر خوب اوروں سے اور رہے۔

میں بالکل اچھا ہوں اب کھانسی بالکل نہیں ہے اور نہ حرارت ہے مگر گویاں جو ڈاکٹر نے دی ہیں وہ برابر استعمال کر رہا ہوں۔ میری طرف سے بالکل اطمینان رکھو۔ اب تمہارا حال ہے کہ اب کیا حال ہے؟ تم نے ذمہ کیسے ہیں۔ یہ تم نے ٹھیک کہا ہے آج کل تمہارے کام کوئی اعتبار نہیں اس تکلیف کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اور اللہ اللہ تعالیٰ اس تکلیف کے ساتھ ہی ساتھ کم ہی ہوگا۔

اچھا جناب اب یہ فرمائیے کہ شریعت اور کب کب سے ہے۔ یہ نہ سمجھتا تھا کہ میں جلد پاؤں بلکہ اس خیال سے پھر رہا ہوں کہ آپ جو کچھ کہیں اسی کے اعتبار سے پہلے لال کو گھیرا جائے وہ اپنی بیوی کو بیٹے شاید پہلی ہی تاریخ کو جانے والے تھے میں نے ان سے کہا ہے کہ میں آپ کو خط لکھ رہا ہوں اس کا انتظار کریں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ نے بھی مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ کو پہلے سے لکھ رہا ہوں۔ اس لیے لکھ رہا ہوں۔

سعید اور خورشید دونوں خدا کے فضل و کرم سے اچھے ہیں اس وقت سہمہ ہے ہیں اگر جانتے ہوتے تو آپ کو خط لکھتے مگر میں ان کو بھجانا نہیں چاہتا بہر حال ان کی طرف سے اطمینان رکھنے۔ خود شید کے دل سے ہے کم ہیں۔

ایک لازم مل تو گیا ہے اور کام بھی کر رہا ہے مگر مرضی کے مطابق نہیں اذلی تو بد صحت ہے۔ دوسرے کے شہرت معلوم ہو چکا ہے کہانا پکاتا جانتا ہے۔ میں نے فی الحال اسے رکھ لیا ہے۔ اگر کوئی اور اچھا آدمی مل گیا تو اسے رکھوں گا۔



خطوط

(پروگرام ہفت روزہ)



سچے سچے لوگوں کے دل میں سے نکلا گیا ہے۔

ایک ہی وقت میں۔

فدا پرست
شوکت

آل انڈیا ریڈیو۔ کلکتہ

درتبر منگتہ

سدا ڈرنگ۔۔۔ کل تھا راجدھری ہے یہی اور تیری تحفے سے انسانی پریشانی کی حالت میں۔
تو اسے جو تحفہ تم کو اب بانی پر وہی تیار ہو جائے اور میرے یہ خط پہنچے تمہاری میری جان سے کچھ بھی نہ ہو۔
باقی تندرست ہو آجی

تمہارے گھر آئے یا پریشان ہونے کی آخر کو مٹی بات ہے۔ اس کو تو گھبراہٹ ہی نہ جاہنے جس کا کوئی پہنچو اور جو دستہ
بکر گزشتہ تھا اور انہما پرستار ہے۔ وہ اصل نہ گھبراہٹ میں ہوتا تھا۔ خبر کو گھبراہٹ سے مدد نہ ہو کر گھر سے چلا آیا تو اسے خبر کو قہقہے
بانا جو وہ سن گا اور اسے خبر کو وہ اس سے محراب کی دعا کی سیرا دلا دے گا کہ یہ خبر ہی کہہ دے کہ وہ جانا گھبراہٹ سے کان کی پہنچ کر
سے آئے تھے وہ درتبر کو جاہنے میں لدا رہی کو روٹی ہوئی۔

آج صبح کے والد کا خدمت لو آج صبح تھا۔ صبح صبح کی حالت اپنی نہیں ہے۔ عروس نے سدا کو یہ کہہ کر صبح کو صبح کو
سینی نویم میں داخل کر دیا جائے۔ جانی زہیر کے ہم چلے سے خدا کا خاص سے خود بھیج دیا ہے۔ اگر صبح کو جانی جانی تو آپ پر وہ نہ
کچے تو اس کو کہہ لیکن تو جانی زہیر سے کہہ ہی دیجئے گا کہ ان کو ہر قسم صحت ہم چانی ہوتے۔

صوم نہیں آپ کو روپے جو اس سے پہلے خود میں بیٹھے ہیں یہاں نہیں اس کا حق تو اب آپ کے دل کا ہے خود میں معلوم ہو گا۔
تو اسے وہ روپے بھی گئے ہیں۔

تمہارے بچے بغیر تھلا بالکل ابھے ہیں اور جراتی جائے کے یہ بیک ایک دن بن رہے ہیں۔
تم ہر طرح اطمینان رکھو کہ میں انشا اللہ کوئی تحفہ نہ ہونے دوں گا۔ ایک مشرف ہے ڈاکٹر کی کے پاس سے سے کر
ڈاکٹر رکھا ہے۔ مگر کوئی ہتھ ڈال گیا تو اسے رکھ لوں گا ہر حال میں اطمینان رکھو۔

میرا یہ خط کہہ دو ستر کر کہ تم اب اس کا جواب کیا کرو گی دے کر۔ میں خود ہی خندہ انداز ستر کو بھیج جاؤں گا۔
تمہارا۔ شوکت

پچھلی آدھ پچیس۔ مسلم ٹاؤن۔ لاہور

ار مارچ منگتہ

ڈاکٹر سنگ ستو! خدا خدا کہ آج ڈاکٹر کو ملے ہیں مدد نہ ایک طرف تو لاہور کے ہنگام سے صحت

مجلس

— 2 —

جہاں تک میں نے جی نہیں مانی کہبت ہے
نہاں ہوش نہاں سخن نے جہاں ہے

آپ کا یہ شعر بھی وقت پر آئیا ہے۔ یہ صرف اس لیے کہ آپ نے۔ کسٹیاں کی طرح بائیں کرتی ہیں۔ کل تو دفتر میں بیٹھی تھیں۔ آپ کا خط ابھی آج صبح اس کو پڑھا تھا۔ بسند و غمی آپ کی بسند میں، باتیں انوں کی طرح ہوتی ہیں۔ جیسی میرے بچہ پرچہ ہے۔ غم اٹھا تو شہر کے آؤں گا۔ وہی گھنٹی بجی رہے گا کہ اب یہ کہ کوئی غم بھی جس سے ہے اور کل میں سے مدد جو کہ سخت قسمت کی۔ دن جو کروا دے جس میں جہد، تھکن ہوئی اس سے کہ کوئی جگہ جگہ نا چاہیے نہ عام میں داخل آجھاؤں۔ آج کے کاروبار بدل دیا۔

آپ میری صحت کی طرف سے باطل تھیں۔ دیکھنے میں تھا آجھاؤں اور آج بندہ بہت بٹاؤں ہوں۔ آپ کا حکمت پر ملاحظہ ہے۔ میری ایستادن آج بھر کس قدر ہے۔ کچھ عرصہ والی کو بہت تندرہ اور خوش رہے۔ آمین۔

خدا بھلی آنے لگی اور چٹے جی گئے۔ آج رات کو نہ سہے سوئے گی جی جانی تھان کے بیان آئیں گے۔ ان کی مدد سے کھانا

تو بہت گئے وہ میں بار بار چاہتی تھیں۔ میں نے ماں دیا اس بات کہ خاتون کے ایسڈ میو کو آخر وہ دیکھ کر حیران و حیرت ہوئے کہ وہ کیسا

رہا۔

مذہب اہم ہے خدا کا عبادت گاہ اس لیے کہ میں دفتر سے باہر ہوں گا۔ اب تجھے دفتر کو اٹھنا چاہیے تو جبر کرے گا۔ آپ
بہل تیار رہے یہ خیال ہے کہ میں م۔ ۵ بجے آپ کو اپنے آسکوں میں ٹھہر کر صبح کی بات قیام کر سوں گا اسی سے زیادہ غصہ، لیکن یہ
کسی میں ہم پر کہ بچوں کا اور دوسرے دن صبح آپ کے کام میں جبر ہوا گا۔

معلوم نہیں جگر بھر پاں سے واپس آئے یا نہیں۔ بہر حال اب تو اس کا جواب بھی آپ دوسری تاریخ کو دینے لگے اب میں آپ کو
 نہ کہ خط لکھوں بلکہ موقع ملا تو دل ہی شاید خط لکھوں۔

آج کل میں اس خیال سے بہت خوش ہوں کہ میں آپ کی ایک خواہش کے پورا کرنے میں غفلت قدمے کامیاب ہو گیا۔ یعنی آپ خدا کے فضل سے اپنی مرضی کے مطابق دو بیٹے میں پوری میں گود چکے۔

سندہ: اب ہم جہی کا پتہ نہ پائیں گے اب تو ہم سندہ کا پتہ پائیں گے جلد ہی سے ایک پتہ دو۔ شرفاتی کہیں ہو۔! اچھا یہ خط شروع ہے آخر تک تینا کو ضرور دکھانا۔

تہاں اور صرف تہاں

تہا سے لاد کی کاغیر شوکت

کے گلے سے ہم سب کو پیشاں بندھو دیں۔ پہلی جان کے انور میں کہ مروی قسم کے لوگ بھی تھے، انھیں لے کر ہمیں چھوڑ کر
 دیں اور تھوڑی دیر کے بعد تو یہ حال ہو گیا کہ خود کو اتنی جہاز کے گلے سے بندھا کر اس طرح کر دیں کہ وہ تھوڑے ہی عرصے
 پر گیا کہ آخر وہ اتنی جہاز کا راستہ بدلتا ہے اور اس حال بظلم تمام ہونے کے بعد یہ کیفیت ختم ہوئی۔ وہ جہاز جس جگہ پہنچا وہ تھوڑی دیر
 کے بعد اٹھ کر اتر گیا۔ اور میں نے بعد شکر ادا کیا۔ یہاں آکر یہ بدکردار صوم جہاز سے کس وقت ہم لوگ ایک جگہ لاکھ کے
 جا رہے ہیں۔ کل بیچ ڈھاکہ کے تاجر کی مخالفت دیکھیں گے۔ سہ پہر کو گورنر سے گرفتاری میں ہیں گئے اور اس کے بعد پورے
 میں دوش چاند سے طاقت ہو گی۔ سہ پہر کی چائے گورنر کے ساتھ ہے اور سات کو چوٹی میں ڈانکا کر اسی وقت صبح میں سے
 صبح روانہ ہو جائیں گے۔ جس چوٹی میں اس وقت میں ہوں وہ ڈھاکہ کا خیر ہوئی ہوگی۔ بہر حال کہ اس سے پہلے ڈھاکہ کے زندہ رہ کر
 تھا۔ چنانچہ میں اپنی مصوم بچیوں کے لیے اور اپنی پیاری بیوی کے لیے زندہ ہوں۔

شوگر اور فوریہ کے اسکول جانے اور آنے میں پوری احتیاط برتنا۔ شہد بابا کو باطل تھوڑے عرصے بعد ان کو تیسیم اور سہ
 کو دھانی۔

تھارا
 شوگر

دختر زہرا بیگم
 کراچی۔ لاہور شہر

میری روح۔ میری جوت

تم سے نصرت ہو کر میں اس طرح کراچی پہنچا ہوں کہ جیسے روح کا ہر دم میں چھوٹا گیا ہوں۔ یہاں ایشیہ پہلی صبح کا
 تاج پادری اور جینا وغیرہ کے موجود تھے۔ ان کے ساتھ گھبراہٹ۔ سون صاحب نے گھر بدل دیا ہے۔ یہ گھر دو گھر پر گھر ملی ہوئی ہو سکتی
 ہیں ہے اور نہایت کٹا دہ ہے۔

منزل نظامی نے یہاں پہنچتے ہی صلاص حاصل کر لی ہے یہاں سب کے کہہ دیا کہ میرے یہاں آنے ہی کیا کیا گاؤں میں نہیں
 اور آپ کی ساری پریشانی کا ذکر کیا۔ چنانچہ وہ جہ کو میرے سکڑے سے پکڑ کر لے گئے اور کہنے لگے کہ تم ذہرہ کو خدا جادو سے لکھو کہ
 وہ رہنے کے خیال سے نہیں بلکہ عارضی طور پر آجائے اور یہاں آکر خود امانہ کرے کہ حالات کیا ہیں اور ہم لوگ اس کا ساتھ کس طرح
 دیتے ہیں۔ پادری نے کہا ہے کہ میں ذہرہ کو اسی مکان میں فی الحال رکھوں گی اور اوپر کا کوئی موصوفانہ وغیرہ کے ٹیک کر لائے دیتی
 ہوں تاکہ وہ یہاں رہ کر یہ فیصلہ کرے کہ اس کو کھانا کھانے میں رہنا ہے یا یہاں۔ یہ گھنا بیکار ہے کہ طبیعت سخت دیر میں ہو رہی ہے۔
 طبیعت اچھا ہے اور دل سخت گھبرا رہا ہے کہ نہ جانے کب اور میں کیا ہو رہا ہو گا۔ خدا کرے آپ سب اور میری بیٹیوں کو کھانا لکھتے
 ہوں۔ آمین

ان کو تیسیم کئے۔ بھائی جان۔ بھائی۔ خالہ وغیرہ کو کتاب۔ شوگر۔ فوریہ اور شہد بابا کو چارہ۔ جالی۔ چوری۔ یہاں اور فوریہ کو
 دھانی۔ ناچی اور دختر زہرا بیگم کو دھانی۔

حضرت مولانا محمد رفیع
 صاحب مدظلہ العالی
 مدظلہ العالی

五

خاکستار پرست نام و ہر سنگا کی ہیں اور میری قبریں کھنڈہ حریت نام ہیں۔
اب یہ ہے کہ حالت تھے۔ میرے لیے جس ملک کا وہ لوگوں نے خد نام کیا تھا۔ وہ ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اس
میں اہلکے میں ہی اگل تین کروڑوں۔ سب سے بڑا کوا تائی ہے۔ قند بڑا اور کے گھر سے وہ کروڑوں میں جانی رہتی ہیں۔
میں ہمارا کمال کرو۔ ہمارا کہ اس سے خد بڑا سا چھوٹا ہے۔ تیر میں تائی گھر میں آپ کی میں ہمارا کے غریب ملک۔ ایک
چوڑا سا گھر ہے اس کے چاروں طرف ہی خد ہے۔ ڈیڑھ میں ایک خد ہے۔ جس میں نہ ہے ہمارا میں کوئی نہ کہ کر پانچ میں گتا
ہے۔ لاکھ لاکھ کا یہ ہمارا ہے۔ میں ہمارا مکان کی کچی تو ہے۔ آگ ساہاں آجائے تو اسی میں ہمارا ہمارا کسی کو ملک
کی خوش میں ہیں سنگا کی تو اچھا ہے۔ ہندی گھر میں ہمارا پڑے گا۔ اسی کو دست کیا جائے گا۔ تیری زبانوں کے جواب
دیاں ہی تو۔ کہ خد سے زیادہ خد نہیں ہے۔ میں تائی گھر جتنا ہے کی لاسی دے مکان سے صرف طیشی۔ سلی وائر میں صرف
ہے۔ جہاں کشو خد کے بھی بنگلیں۔ خد اچھا ہے۔ ہمارا مکان بے ترک ہے۔ بہت گراں میں ملک میں رہنا پڑا تو اسی گراں کے
خد سے خد ملک کرانا چاہیں گے اور اسی کا خد دست کرنا پڑے گا جو نہایت خد حالت میں ہے۔

اب آپ ماسٹے دیکھئے کہ کیا کروں۔ مگر آپ کے ساتھ دو چور سے کوئی قازم تھا جسے زہرہ کی ماں بچوں کے لیے تہائے
تعبت اچھا ہے۔ ملا بیڑی میں گرانی بست ہے جس کا آذان اخبار سے کپ کو بچہ جسے گوجر میں سے جانی جان کے نام چوری کر دیا ہے۔
اب یہ ہے کہ انھی رات بھر گا۔ میری عیب حالت ہے نہ کہنے کا چورش ہے نہ بچنے کا۔ کسی وقت کھانا مل گیا تو کھا یا نہ کھی انکو رکھا کر تیک
کر لی۔ کبھی ایک گودہ ٹوسٹ اور ایک تھوڑا سا کھانا لیا۔ تھوڑا سا آج کی صبح جاسٹولی۔ تیس بجے پھر چائے پی اور دو ٹوسٹ اور دو اشہ سے کھا
رات بھر گودہ کھا کر لائے گا شکر ادا کیا۔

اب آپ مجھے تفصیل خط لکھئے۔ اور یہ بھی لکھئے کہ نذرہ وغیرہ کیا ہے۔ خدا کے کہ آپ بالکل ٹھیک ہوں۔ اور میری بھیاں بھی ٹھیک ہوں۔

کتنّا اچھا ہے کہ اگر آپ کے ساتھ اماں بھی کچھ دن کے لیے آجائیں اور آپ کا گھر ٹھیک کر دیں۔ سلطان کی بیٹی کہاں ہے؟ وہ سلطان کو تک پہنچے گا، شریعت سے بوجھ کر گھٹے۔
آپ کا بڑا دینی جان

آپ کا پر وِسی میاں
شوکت

شوکت تھانوی ایک صحافی

احمد علی شاہ

شوکت تھانوی پیدائشی صحافی تھے۔ سن ۱۹۲۲ء میں ان کی صحافتی زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوا تھا۔ اس وقت وہ گرفت حسین آباد ہائی اسکول لکھنؤ کی سازش جماعت کے طالب علم تھے۔ ان کی عمر مشکل ۱۹۱۱ء برس کی ہو گئی تھی۔ اسکول مدرسوں کے لیے ایک قلمی رسالہ نکالتے تھے اس کے بارے میں ماموریت میں ملے جاتے ہیں کہ۔۔۔

”اس زمانے میں ہم نے اپنے اسکول و مدرسوں کے لیے ایک قلمی رسالہ بھی جاری کیا تھا۔ اس رسالے کو خود نہایت خوشنود لکھتے تھے۔ اس میں کارٹون بھی تھے نقیصے بھی کرتی تھیں اور احباب پر چڑھی ہوئی نقیصے یہ قلمی رسالہ حلقہ احباب میں بہت مقبول تھا۔ اس کا ہر نمبر صرف ایک ہی ہوتا تھا۔ احباب کے پیاں ایک ایک دی جان رہتا تھا۔ گشت خرم کے پھر ہائے پاس آجاتا تھا۔ پندرہ دن بعد دوسرا نمبر نکلتا تھا۔ مگر اس کے غالباً چار ہی پانچ نمبر نکل سکے۔“

رسالہ حسن ادب لکھنؤ کی ادارت اس کے ۵ سال بعد سن ۱۹۲۵ء میں کی، پیدائشی قلمی سے خالی نہیں تھی واحد مل لطف لکھنوی اس رسالے کے چیف ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، مشینیں ہیں مصیغ سنگ اور خوشنویس، غرض سبھی کچھ نئے پائے تھے۔ لکھنؤ پر ان کا دوسری پریس اور رسالے کا ساٹھ روڈ ٹکا ہوا تھا۔ خوشی صاحب موجودہ ایڈیٹر سے مطمئن نہ تھے۔ شوکت تھانوی رسالے میں اشاعت کے لیے مضمون دینے لگے۔ انھوں نے مضمون اتنا پسند کیا کہ ان کو رسالے کا ایڈیٹر بنا دیا، شوکت تھانوی اس سے قبل کسی رسالے کے سرورق پر ایڈیٹر کے بجائے ”رئیس التحریر“ لکھا دیکھ چکے تھے لہذا رسالہ حسن ادب کے تازہ نمائے کے سرورق پر ایڈیٹر کی جگہ ”مکمل تحریر شیخ محمد عمر شوکت تھانوی“ لکھا گیا۔ چونکہ اس رسالے کا سرورق نہ تھا اور خوشی صاحب اس پر اس قدر حاوی تھے کہ جہاں سے چاہتے رسالہ شروع کر دیتے اور جہاں چاہتے ختم کر دیتے۔ پھر ان کے جیسے سیدانی آدمی کے لیے خوشی صاحب کی نادر وادریاں ممکن نہ تھیں لہذا چار پانچ اشاعتوں کے بعد یہ رسالے سے علیحدہ ہو گئے اور رسالہ حسن ادب ہند ہو گیا۔

گھنٹی، جو سید جالب دہری صاحب کی داریت میں نکلتا تھا، پٹ پٹ کر
چو کہ وہ ایک فطری انشا ہوا، اور مزاج نگار تھے، اس لیے پٹ پٹ کے فرائض کے
ساتھ ساتھ مزاجی غنیمت کہ لکھ کر سید جالب کو دکھاتے تھے، شروع شروع میں سید
صاحب ان کی ساری عبارت کو ترغ و دوشتاں سے قلم زد کر کے فون غنیمت میں لکھ
جاتے، آپ ٹائپ کئے، یہی کام آپ کہیں جس کا نہیں ہے، بیوقوف شریعت
نے اُن کی اس ڈانٹ ڈپٹ کی پیدا نہ کیا، اور بار بار اُن کی ڈانٹ ڈپٹ کھلے میں
اُن سے اصلاح لیتے رہے، "شرکت قناری کے لطائف"

نسیم احمدی دیر سڑک کے نام جو دہری رحم علیہ الہامی سابق مدیر معذ نامہ ہمد گھنٹہ کے ایک عالیہ خلیفہ نسیم
اس مسئلہ میں طحطہ فرمائیے۔

اعادہ کلمے صاحب تمام جان سٹریٹ ول۔ ۶۔
۲۳ مئی ۱۹۲۷ء
مکرمی نسیم صاحب

سلام علیک! "حرم" میں آپ کے سفر و چل کا حال پڑھ کر
حیرت ہوئی کہ آپ ولی تشریف لائے اور میرے پڑوس میں قیام فرمایا اور مجھے اطلاع
مک نہ ہوئی پھر شرکت مرحوم کی تعزیت جو آپ نے کی ہے، اس میں تمام حالات مختلف
ہونے کے باوجود آپ نے وہ حصہ حذف کر دیا جس میں میرا کچھ ذکر آتا تھا۔

آپ کو معلوم ہے کہ جب جالب صاحب مرحوم کے بعد میں نے ہمد لکھا جان لیا
ہے اس وقت شرکت صاحب شعبہ اشتہارات کے لکھ گئے تھے، میں نے سائے غنیمت سے
مختلف کام کے شرکت صاحب کو صرف دو دو باتیں لکھ کر کام لکھنے پر مامور کیا۔ اور اسی
میں سبک چلے، سودیشی ریل، پیچی جس پر میری اصلاحیں بھی تھیں بعد میں پھر اسکالر
بٹھا کر شائع کیا گیا۔ اس قدر جلد آپ نے مجھ بالکل ہی اپنی یادداشت سے غافل کر دیا۔
باقی ہر حال اللہ کا شکر ہے۔

نیا زمند

رحم علی الہامی

ایضاً بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۰ اپریل ۱۹۲۷ء شرکت قناری کے مالک کے انتقال کی تاریخ

سید جالب دہری ایفون کھاتے تھے اس لیے ان کی ساری گھنٹہ فون غنیمت میں شریعت میں تھی۔

کے یہ ثابت قانون ہیں کہ فزیری و فیم ہنگامہ صحت و ثبات و لوگ شہر اشتہار و ترقی و ترقی ہنگامہ
 یں است و شوق اشتہار و ترقی کے ہنگامہ و فیم ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ
 ہے کہ ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ
 بہت سے ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ

- پہلے سواہ حروف کی حالت پر ان کو ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ
 میں ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ
 ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ
 ایسا ہو گیا کہ ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ
 گئے تھے۔ ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ
 مگر یہ بھی نہ ہوا کہ ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ و ترقی ہنگامہ
 ہر جگہ اصلاً و عمداً اکثر و اصلاً و عمداً اکثر و اصلاً و عمداً اکثر و اصلاً و عمداً اکثر و اصلاً و عمداً اکثر
 کے واسطے ہم نے لکھا تھا ایک جگہ۔ نقطہ نگاہ۔ آپ نے اس کو اس کے کھڑے
 دو یہ نگاہ۔ نقطہ نگاہ۔ آپ نے اس کو اس کے کھڑے دو یہ نگاہ۔ نقطہ نگاہ۔ آپ نے اس کو اس کے کھڑے

- آپ نے۔ نقطہ نگاہ۔ آپ نے اس کو اس کے کھڑے دو یہ نگاہ۔ نقطہ نگاہ۔ آپ نے اس کو اس کے کھڑے
 ہو گیا۔

مر جھکتے ہوئے وے۔ بہت بڑا فو ہے دو فو میں نقطہ نگاہ۔
 تینوں کے موقیع ہاں سماں ہونا ہے گویا آپ کی نظر و سرفوق کے ساتھ ایک خط
 نقطہ ہے اور زاویہ نگاہ۔ میں شک کا احتمال باقی رہ جاتا ہے۔ گویا نگاہ نے
 نقطہ تک پہنچنے کا ایک زاویہ تو بنا لیا ہے مگر ابھی وہ نقطہ نہیں دریافت کیا ہے جس
 موقیع پر آپ کے کھڑے ہوں۔ زاویہ نگاہ۔ زیادہ جھلکے آپ نے کھلے کھلے سنا
 کیش کے متعلق ہمارا۔ نقطہ نگاہ۔ یہ ہے کہ حکومت نے اپنے قدر کے فقدان کا
 ایک اور ثبوت دیا ہے۔ اگر ہاں زاویہ نگاہ۔ نکھر دیکھتے تو آپ پر قہج کی ضرورت نہیں
 رہتی اس لیے کہ بہت ممکن ہے کہ سائنسی کیش کا مقصد پھینکے پر ہنگامہ میں ترقی
 ثابت ہو۔ اس وقت اگر زاویہ نگاہ۔ نقطہ بھی ہو جائے تو چنداں مضائقہ نہیں مگر
 نقطہ نگاہ۔ کا خط ہونا ایک صحافی کی موت ہے۔ اپنا سامنے کر چلے آئے
 مختصر یہ کہ اس قسم کی اصلاحوں کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا۔

فرض ہمد میں دفتری امور ترجمہ اور شہادت کے ساتھ ساتھ اخبار کا مزاجیہ کام۔ دو دو باقی بھی کھنڈن

کہ سید صاحب نے اس کے کالم کو سراوان اور حیدر افزائی کی رفتہ رفتہ یہ کام مقصود تشریف فرما ہوئے۔
 انھوں نے محبت سے "دودو باقی" کہنے والے کو اپنے کالموں میں "باقی کے نام سے یاد کرنا شروع کیا۔
 افسوس کہ مزاحیہ کالموں میں شرکت قضاوی صرف رضا عبدالحمید صاحب کے "گام و وارث" کی حالت معزفر
 سے متاثر ہوئے ہیں کہ انھوں نے جلیجلی اپنی تحریروں میں احترام بھی کیا ہے۔ دودو باقی کی مقبولیت بڑی
 کہ وہ سب سے اخیر اس کالم کو نقل کرنے لگے اور اس کالم کے فضیلت لوگوں کی زبان پر چڑھ گئے۔ دودو باقی
 غور نہ کیے۔

دودو باقی (روزنامہ بہار کھنوپھلا دور)

فراس ابھین کے تشریح ہم نے کچھ نکتے سے کتاب کوئی نہایت ہی جامع مضمون
 با شروع بزرگ ہوں گے۔ بڑی سی دائرہ میں ہوگی۔ بس یہی سبب رکھتے ہیں گے بلا سامعہ
 ہند سے مجاہد وغیرہ ہوتے مالک رمضان شریف کی طرح۔ دن پر سہا تشریف دینی گے
 اور خود اپنے اسلام حکیم سے اپنی آمد کا اطلاع دیں گے لیکن جب ۸ مارچ کی صبح کو
 شہر بند ہوا کہ "فراس ابھین آگیا۔ فراس ابھین آگیا" تو خاکسار باقوی نے ہر شہر
 کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا مگر جناب مولانا فراس ابھین لاکھوں چہنہ نہ
 وہ کس راستے سے تشریف لائے اور کہاں گئے، جسے لوگوں سے دریافت کیا تو پتہ
 چلا کہ آپ اخبار پانچیر میں تشریف رکھتے ہیں۔ اب جو پانچیر دیکھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ
 لاخدی ہے پیریں ہر پیکر نصیر کا

بہر حال ہم نے شروع سے آخر تک اس فراس کو دیکھا اور کچھ کی کرشنش کی، اس میں کوئی
 ایسی بات نہ تھی جو ایک معمولی سی گھڑ کے انسان کے ذہن میں نہ آجاتی جو جابجگہ ہم مختصر
 کہ ہم نے اس کو ایک مرتبہ دواں اور دوسری دفعہ پنج ٹھمنوں کے پڑھ کر بخوبی سمجھ لیا اور
 اس نتیجے پر پہنچے کہ اب چپ رہو ذرا دیکھو تو دوسری بڑی بڑی کھوپڑیوں والے کہا فرما
 ہیں بھگت اس مسئلہ کے اس کے بعد میاں باقوی تم بھی اکثریت کے ساتھ ہیں اس کا ملودینا
 بھی بخاری والے ہرگی اور دراصل بھی محفوظ ترقی دے رہے ہیں بلکہ موجودہ زمانے کے تذکرہ کا
 وار اسی ایک نکتہ میں نہیں ہے کہ انسان اقلیت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں کچھ
 سے اکثریت کے ساتھ ہو جائے وہ نہ قیہ بھی ہوگا کہ قلم و نیا انگشت نمائی کرے گی اور
 اس انگشت نمائی کی تاب ظاہر ہے کہ صرف وہی لوگ لاکھتے ہیں جو کچھ کے پڑے گئے
 ہوں اور بہر حال اپنے لیے اسی میں ہے کہ جو سب کی رائے دی بہاری دوسرے اختلاف

فہم کہ ہم مذاتہ اخبار ہے اور یہ گشتے دار چھ دنے ہشتاد اخبار اس کے مدد شکر کیلئے لکھتے ہیں۔
 بارہا جو سب سے سب سے ہشت کے بال ہر دو سالے گزرا کر پہلے : کتابتہ : آگے سے

ادب باقی ہے اور ہشتاد باقی ہے
 نقد طافرتوں کی فکر ہر دو باقی ہے
 کوئی ہمد کے باقی سے ملے نہیں
 کہ شہار مرگے اس کی گولہ باقی ہے

ہندو قوم کے بزرگ اس ناخوشگوار بحث کو ختم کرنا چاہتے تھے چنانچہ چودھری، مہتمم، الہامی و دیگر
 نے اس جنگ کو ختم کرنے کے لیے شرکت قذافی سے امر کیا۔ شرکت قذافی نے سالانہ پیادہ میں شہر کے تدار
 غزل پر سخت تنقید کرتے ہوئے ان کے مصلحت کو چکیوں میں اڑتے ہوئے رطلہ نہایت کا مصلحت یہ تھا۔ کتابتہ
 میں فطرت کا تسو ہے (لکھ دیا کہ) اب حکم مولانا نے خود اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے اب ہم کو مولانا کے تسو کی
 نہیں کہتا ہے اور آگے سے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

رسالہ انکشاف "کھنڈو خریف نمبر" انکشاف کے ایڈیٹر نسیم انورزی کو شرکت قذافی سے
 نسیم انورزی انکشاف کے لیے مضمون بھیجے تھے اس ملاقات کے بعد دونوں میں جلیں برصا شروع ہو گئیں
 کہ وہ ایک دوسرے کے ہمیشہ کے لیے جبری دوست ہو گئے۔ شرکت قذافی کے مشورے پر نسیم انورزی نے انکشاف
 کا سالانہ حریف نمبر کی صورت میں فردی سنگت میں بڑے دھوم دھام سے نکالا اس نمبر کو شرکت قذافی نے
 مرتب کیا تھا اس نمبر میں ہندوستان کے تمام مذہب مزاح نگار شریک تھے۔ اس مضمون دار نمبر کا ادارہ شرکت قذافی
 نے۔ بیگم کے عنوان سے لکھا تھا۔ جن کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

کس کی جبری اعد کو نڈائے گھاس یعنی رسالہ ایک آنڈ کا، ایڈیٹر اس کے بیان پر
 اور شدات کہیں مولانا شرکت قذافی، اگر با مولانا شرکت قذافی نہ ہوتے تو یہ کے
 بلکہ بیگم کے ٹوٹ ہو گئے۔ کہ چاہے خن میں جوت دیا، چاہے ناگھوں لگا دیا، ہم کو دکلی
 چنے سے کام، یہ رمضان شریف کا زمانہ دیکھئے، یہ عید کی آمد اور اس سلسلہ میں ہندوستان
 کے رسائل کے عید نمبر ہیں ہمارے مضامین کا شریک ہونا ملاحظہ فرمائیے اور پھر میرے پر مشتمل
 یہ شدات لکھا دیکھئے، شدات کیا لکھتے ہیں حق و دنی جگت ہے ہی؟

انکشاف کا خریف نمبر بے حد مقبول ہوا مگر اس کے ساتھ پالیس سے انکشاف کی ہمارے نسیم انورزی انکشاف
 سے کنارہ کش ہو گئے اور اسی کے سال بعد شرکت قذافی کے مشورے سے "سرخ" ہفتہ وار نکالا اس کی

شرکت قدر کے ہو گئے۔

شرکت قدر کے ہو گئے۔ بعد از ہمدوم روز یک خانہ اور کے ساتھ میں شائع ہو گیا
 ہر آدمی کی ہر چیز کے لئے کراہت تھی۔ ہر آدمی کی ہر چیز کے لئے کراہت تھی۔
 ہر آدمی کی ہر چیز کے لئے کراہت تھی۔ ہر آدمی کی ہر چیز کے لئے کراہت تھی۔
 ہر آدمی کی ہر چیز کے لئے کراہت تھی۔ ہر آدمی کی ہر چیز کے لئے کراہت تھی۔

دو دو باتیں (روزنامہ ہمدوم کھنڈہ سرا اور)

ہم فرما رہے ہیں کہ یہ سب کچھ کہ ایک سو تین سو اسی سال کے ہیں جو کے
 مہر اکیں ہندوستان اور ہندوستان کے لئے ہندوستان کے لئے ہندوستان کے لئے
 ہے لیکن وہ بنا کی توئی کے ساتھ ہندوستان کے لئے ہندوستان کے لئے ہندوستان کے لئے
 راز افشاں ہوا ہے کہ وہ انسان بھی شرف اخراجات ہونے کے ذمہ میں مقید ہے اصل
 کیا ہے اور کیا ہے کیا ہے مادہ بعض اوقات وہ ان تحقیقات کے نتائج معلوم کر کے
 اپنے انسان ہونے پر حیرت منگاتا ہے اور یہ قصہ حق باطن میں ہے آپ یہاں تک کہ
 وہ انسان جو ہند کی اولاد ہو، اگر انسان میں ہے تو کمر لہام کا اس کے آباؤ اجداد تو وہ
 وہ ختمی ہوں اور ان کے لئے جانور تھے جن کو آج ہم اور آپ جانے پتہ دیکھ گئے
 کے لئے تھے کہ کہہ کر بگڑ گئے ہیں اور جو درختوں پر نہیں چھلانگیں مار رہے تھے
 ہیں ہمارے اس بیان کی تصدیق اس طرح سے کی جاسکتی ہے کہ کسی ہندو کو اپنا ہندو گنہگار
 دیکھا جائے اور یہ بے کر لیا جائے کہ ہم اس کی اولاد میں سے ہیں پھر دیکھئے کہ خود انسان اپنی
 قدروں میں کس قدر ذلیل ہو جاتا ہے اور اس کے اشرف اخراجات ہونے کا فہرہ کس جی
 طرح ملکتا چلتا ہے۔

خیرہ تر ہند ہی کو آباؤ اجداد بنائے کا قصہ غلاب ملاحظہ فرمائیے کہ عجیب اہواز کو بار
 کے باشندے اپنے کتے کی نسل سے کہتے ہیں اور اس کی پوجا کرتے ہیں یعنی ڈاروں صاحبے
 تو انسان کو ہندو کی اولاد کہا تھا لیکن نکو ہار کے باشندے کتے کو اپنا جدِ اعلیٰ سمجھتے ہیں ان کا
 بیان ہے کہ سب سے پہلا انسان جو نکو بار میں آیا وہ مرد تھا اور اس کے ساتھ ایک کتیا تھی،
 اس اشد کے ہند نے نکو بار میں سکونت اختیار کر کے اس کتیا کو اپنی اہلیہ محترمہ بنالیا
 بعد اس کتیا سے تھوڑے دنوں کے بعد ایک صاحبزادہ تولد ہوا جس نے اس سلطنت کو آباد کیا

ہر حرکت کی کوجب نام خدا جوں پر ہے تو اپنی مالہ ماہدہ کہیں چلا دیا اس لئے ہر
زندگاری میں کتیا کے معزز شوہر کو ذرا ڈالا اور اپنی مالہ کے بلا شرکت کسی شہر میں
چلا گیا اب جتنے بھی شوہر کے جس باشندے میں وہ اسی نسل سے ہیں جس سے وہ نکلا
اب تک نہیں جوتے ہیں اور کتوں و گھوڑوں کو نہایت عزت و احترام سے دیکھتے ہیں
کرتے ہیں اور وہی سلوک اس جانور کے ساتھ کرتے ہیں جو کوئی مسکے عند فرزندہ
کے ساتھ کر سکتا ہے ان کے یہاں کتے کو مارنا جائز ہے اور واقعی گستاخوں سے
ملاحظہ فرمائیے کہ ابھی تک تو صرف ڈارون صاحب نے ہندو ہی کو باب کہا تھا لیکن یہاں
کتیا کر بھی آماں کئے دئے موجود ہیں لیکن باوجود اس کے انہی ہے کہ لہذا شرف لکھتے
ہونے کے گھنڈ میں اگر اہی جائز ہے وہ تو کیے کہ شوہر کے باشندوں نے صرف ہندو ہی
کتیا کا جنا کہا ہے ڈارون کی طرح تمام دنیا کو ہندو کی بودا نہیں کہا دہم ہم ان کو ہندو
کا بھی کیا بنا لیتے اگر وہ اپنے ساتھ ساتھ تمام دنیا والوں کا کتیا کے بلوں سے پیدا ہوا
کتے اس لیے ہم نے تو ڈارون کی اس گالی کو بھی خندہ پیشانی کے ساتھ صاحب اس نے
ہم سب کی ایک سر سے ہندو کا بچہ کہہ دیا اور ہم اس کا بال بھی بیکار کر کے نہ اس پر کسی
خفہک عزت کا مقدمہ دائر کیا اور نہ کوئی شرافت اور نجات کا دعوہ دار اس پر لایا
کہ ڈارون کی اور اپنی جاتی ایک کر کے تو جناب ہماری شرافت سے یہ کب جید تھا کہ ہم
نگو باری کتے کی نسل سے کتے اور ہم ناموش ہو جاتے مگر یہ ابی شوہر کی شرافت حق کو قبول
نے اس شجرہ نسب کو اپنے ہی تک محدود رکھا اور باقی تمام دنیا سے عنایت فرمائی کہ کسی
کا شجرہ کتوں اور کتوں سے نہیں ملا یا۔

انسان کے متعلق یہ دعوہ مانتی تو غیر چوکی لیکن ہم کی مذہب ہے کہ ہر
لگے لگے دیکھتے جوتا ہے کیا

اور ہر وقت ہم کہتے رہتے ہیں کہ خدا جلنے پر تحقیق ہم کو کیا ثابت کہ دکھائیں اس سے آپ
اطمینان رکھیے کہ ان چھان بین کہنے والوں سے کوئی باطل جید نہیں ہے جب ہماری گے انسان
کو ہندو کا بچہ ثابت کر دیں گے اور جب ہماری گے یہ کہہ دیں گے کہ صرف نگو باری نہیں بلکہ تمام
دنیا کے انسان کتیا کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں جس میں ہم کو تو یہ دعوہ کرنا چاہیے کہ خدا ان
محققین سے ہم کو نجات دلائے اور عزت آبرو کے ساتھ جیسا انسان ابن انسان انسان
ابھ انسان پیدا کیا ہے اسی طرح انسان ابن انسان انسان ابن انسان اس دنیا سے اٹھائے
وہ نہ خدا جانے انسان پیدا ہو کہ کس جائزہ کی اور دین کی ہم کو دنیا سے اٹھنا پڑے۔

اسی سلفوی رسالہ ترجمہ نظر، نظر، اودھ اخبار اور انڈیا نٹ بخود سروس کے اڈیشنر ہلکے کے طور پر
دریاد اور جفر شہباز شہادت جی تھے۔ اس کی ذات کی دائری - شب نامہ - کے جن میں سے
یہ گیت تھے اور جی کے لیکر "فردینخ آردو" جو "دینا میں جیم" کے نام سے چھپ چکا تھا۔ سڑک کے حضرات، اس
جی ان کے بے شمار مہینے میں بکھرے ہوئے ہیں۔

منور آقا جنوں کھنوی پستل شائع ہوتے تھے ہر ملو سے۔ اس کے ہم شاعر جی اور سڑک کا گڑی جی در
جنوں کے ذکر کے بغیر ناممکن رہے گا۔

احتشام ماہلی سڑک کے باقاعدہ مزاج نگار اور اس کے بچوں میں سے تھے۔ اودھ اخبار شادی میں تیری طور
کتبتے تھے۔ اس کے رنگارنگ مضامین مثلاً "اسٹیل کا شیطن"، "سیاہ جی"، "مشاعرے"، "قانونین پن"، "ہنگامہ داند گیر"،
ایڈیٹر، "مرد روی"، "وصال ہو گیا" اور "مستور" جی وغیرہ اب جی سڑک کی جلدوں میں محفوظ ہیں۔

جسٹس ناصر جی تھے۔ ہر سادہ سڑک میں پچھلے پچھلے بر سڑک کے ہر ہنگامہ میں آگے آگے
جسٹس ناصر جی تھے۔

سڑک برادری جی خواجہ حسن نظامی، نیاز فتح پوری، حکیم نثار حسین شانی، مولانا عبدالمجید ملک، اہلس
رشید احمد صدیقی، علامہ جمیل مٹھری، سلطان حیدر جوس، ایم اسلم، دیوانہ گرد کپوری،
فلک پیا، نازش بدایونی، سید بہادر بزم، اوشہ قذافی، آوارہ حیدر آبادی، حامد شاہ بہا پوری، تاجی کھنوی،
مہر محک واپی، فرقت کاکوروی، حافظ طازی پوری، باسند بسوانی، فر نظامی، دیوانہ بریلوی، امیر احمد طوی،
خضر گرامی، رسوا سیوانی، درو کاکوروی، غایت دہلوی، قلاصنوری، فقیر بریلوی، شہم بیلوری، سلیم ندودی،
خان محبوب طری، علامہ ہنٹر، عتب دریا آبادی، بوم ہارڈی، مسٹر عابدی، مظفر احسانی، شجاع کھنوی، شرف
کھنوی، ناکارہ حیدر آبادی، ماہر مظفر محمد خاں وغیرہ اس کی برادری یا پہچانیت میں شامل تھے۔

سڑک کے ادارے بڑے ذہین تھے اور وہ حادہ حادہ ہوتے تھے۔ ان میں بلا کاسنر اور گری ہوتی تھی، کبھی کبھی
مزاج کے چھینٹوں کی وجہ سے ان جی دھواں آگھٹا جی نظر آتا ہے جس سے ایک نئے شکاری
کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ دیکھئے شرکت تھانوی سڑک کے ادارے میں آگھٹے کے بالے جی کیا تھے ہیں۔

انگلے

یہ انگلے وہ نہیں ہیں جو اگلے گلے کے بعد کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں
بلکہ ہمارے مقصد انگلے سے وہ کتاب ہے جو اسجل اخبارات کا دلچسپ ترین اور مسلم اخلاقیات

کا ہم تو یہ بحث ہی ہوئی ہے ۔۔۔۔۔ اس کا دلچسپ لکھنا ہے کہ دل تک سب سے پہلی
 وہ گیا اور ہم منتظر ہو کر ہم نے آخر اس دیکھے ہوئے ہم کو بھیجی کیوں تھا ۔۔۔۔۔ کتاب
 وہ اصل دوسری اصل اور ہے کہ فسادوں کا ایک سے دوسرا بار دوسرے جس کو ایک سے دوسرا
 تین دوسرے کی انتہائی کہ سختوں سے مرتب کیا ہے ۔۔۔۔۔ افسانے، سجادہ خیر کے ہیں،
 وہ افسانے احمد علی صاحب کی اولیٰ پرستی کا مجموعہ ہیں اور افسانے و شہدائے صاحب کی
 انشاء پر وازانہ حضرت فاضل نے ہیں اور ایک افسانہ گورو افسانہ صاحب کے لکھے گئے ہیں۔ ان
 دوسرے افسانوں کو چہ کر اگر کسی رسم کو شخص اس سے پہنچے جانے کے لئے دیکھے کہ
 کھنڈے اور پڑھنے والے نے کیا پڑھا ہے تو اس سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بری یا
 اگلی کے پڑھنے والے کا منہ ہے گا اہل زبان میں ہو گا ۔۔۔۔۔ اور ان افسانوں کو کوئی
 شخص بار بار پڑھے تو وہ بھلا بھاری طریق صرف اس سے پہنچے سکتا ہے کہ کتاب صرف
 ایک صنعت کے تحت لکھی گئی ہے جس کو صنعت بدھو کہہ سکتے ہیں جیسا کہ لکھنے
 نے صرف یہ کیا ہے کہ قلم آخاکر ماضی پر لکھا شروع کر دیا اور بعد یہ سب سے لکھے کہ وہ کیا کہ
 ہے جس لکھنے پر چلے گئے ہیں، مگر لکھنے تو لکھنے والی قوم سے نقل گئی تو نقل گئی، مختصر کہ
 ۔۔۔۔۔ یادہ گوئی کہ طرح گو یا ان حضرات نے یادہ نگاری سے لکھا کہ ان افسانوں میں لکھنے
 ہیں ۔۔۔۔۔ ہم نے اس جتنی حیرت کو ادبی، اخلاقی، معاشرتی اور دیگر حیثیتوں سے بھی صرف
 پایا ہے اس میں تین شرفا اور ایک شریف راوی نے جو جو حیا سوز مناظر پیش کئے ہیں ان کو
 دیکھ کر آبرو باختہ سے آبرو باختہ ہستی بھی انتہائی نفرت سے لا حول پڑھنے پر مجبور ہو جائے گی
 خداوند کریم اور رسول مہم کی جو توہین ہوئی اس کا سوال تو اس وقت پیدا ہو گا جب ان مصنفین
 کی جیج الدماغی نسیم کر لی جائے گی لیکن ہمارے خیال میں وہ مجبوراً خرافات سوائے اس کے
 اور کوئی اہمیت نہیں رکھنا کہ واقعی ان انگاموں کو خاکستر کر دیا جائے ۔۔۔

(مرتب ۲۳ فروری ۱۳۳۷ء)

کچھ وقت شرکت تعاونی کھل کر اپنے اصلی رنگ میں آجاتے تھے۔ دیکھے شذرات
 سرخ کے شذرات میں انگامے پر پانی کیسے پھرتے ہیں اور جی ٹوٹے دیکھئے ۔۔۔

انگامے پر پانی جن اوٹ پٹانگ ۔۔۔۔۔ تصنیف کے متن گذشتہ کسی پرچہ میں ہم
 انگامے پر پانی تفصیل کے ساتھ عرض کر چکے ہیں اس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ غلطی
 حافظہ ہایت حسین صاحب ایم ایل سی نے کوشل میں نہ صرف سوالات کئے بلکہ انہیں ہر دم مہر
 صاحب اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس ۔۔۔۔۔ کتاب کے پرنٹر بیشتر کوئی عرصہ تک

نے طلب بھی کیا تھا مگر جس حد ات نے یہ شرط کافی فرمائی ہے وہ تو بالکل قصید میں پرچون
چیں بہر حال ذاتی وہ معنی اور ایک معتد صاحبہ ہندوستان کے اہل حق خیرات کے ستر
تو حکومت خود کچھ نہ کچھ کرے گی اللہ اعلم ضرور پیدا ہو گئی ہے کہ ۱۰۰ اس ہائی کے پڑے
کے بعد یہ انگٹا کھنڈے زیادہ کچھ نہ رہ جائیں گے ۔

تلاش گمشدہ عزیز و سگہ بنا بہ یقیناً فرام صاحبہ سرکار کا قسطنطنیہ میں گئی ہیں
کیس بہت ہی مس چلتا نہ تو کچھ چاہا کی معرکہ آرائی میں ان کا سینہ
شباب اور پکی اس جتنی بیادوں میں سنے آئے اگر کسی اللہ کے ہندو کے کچھ کچھ
معلوم ہو تو ہم کو مطلع فرمائیں تاکہ ان سے دریافت تو کیا جائے کہ انہوں نے کس کس ملک میں
و بائٹ پیسہ واقعی سادہ کاغذ ہے

و بائٹ پیسہ کی معنوں سے ہندوستان میں
دھوم مچی رہی تھی ہندوستان کے پچھو
کی زبان پر سوس کو بیک کے بعد اگر کوئی نیا لفظ چرچا کا فوہ ہی و بائٹ پیسہ جس طرف
دیئے اسی کا پرچا تھا اور جس کو دیکھئے اسی کا منتظر تھا۔ آخر وہ صبر آزما دستاویز کے سینے
آئی جس کے بے دق گئے جاتے تھے لیکن اب حال یہ ہے کہ سب لوگ آنکھیں لٹی کر مٹے
نکا لگا کر بدخود ہیں کہ موصی اس مسودہ نو دیکھنا چاہتے ہیں لیکن ان کو کچھ نظر نہیں آتا اس کا
نام و بائٹ پیسہ ضرور تھا مگر یہ تو واقعی سادہ کاغذ نکلا ۔ اس آئینی دستاویز میں
سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ گھما چکر ہندوستان کو دیں دیکھ ہے جہاں وہ غریب
اب تک میٹھا ہوا منہ بسور رہا تھا۔ لیکن اس سیاسی حال کا جواب ۔ زبان اچھا نہیں
بلکہ اس اینٹ کا جواب یقیناً پتھر سے دینا چاہیئے ۔

ہندوستان میں بحر ہند کی آمد کی حد میں ہند جو رہی ہیں بعض مقامات پر فطرت
کے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں اگر خدا نخواستہ سندھی حال کچھ روزہ اور رہ گیا تو اس کے معنی یہ ہونگے
کہ یہ ملک بحر ہند میں شامل ہو جائے گا اور کووالید مٹ نام کا کوئی جزیرہ اس ملک کی بلوکار
کے طور پر باقی رہ جائے گا۔ اڑیسہ، آسام، بنگال اور پنجاب وغیرہ بطرف مشرق ہوتے ہیں
کہ بادلوں نے سمندر راغریل دیا ہے۔ اڑیسہ کے قریب کوڑا باشندے خاندان بریاد ہونگے ہیں
اور یہی حال دیگر سیلاب زدہ مقامات کا ہے اس کے معنی یہ ہونگے کہ اسکل ہندوستان میں بحر ہند
صاف آیا ہوا ہے حالانکہ ہمیں کو کچھ نہ کتنا چاہیئے لیکن عبور اکتفا پڑتا ہے کہ
جل تو حلال تو آئی ہلا کو ٹالی تو

شرکت قاری کا سرکاری دودھ کا پلا مزاجیہ خلیج ہے جس میں سبک زیادہ مزاجیہ کام
 سرخی کے مزاجیہ کام تھے۔ سرخی کے ان دھڑوں دار کالوں کی طرح کلام ذہنی کی تدریس عید عید
 اس اجیت تھی۔ سرخی کے خاص اور قابل ذکر کام دودھ باقی، قنار، چلیں، تبرید، کھسٹان دیوار
 مقہ ان گم، خندوں مے پر کی، لک شب، ٹیل فون، وکٹ میں، حضرت عشق، ام غم، جنتان، تلوں میں
 دھر آدھر کی، اپنی پیک ڈائری، اندر کی رام کمانی) سننے کی شرط نہیں اور اقوالی دودھ کا سرخی تھے۔
 دودھ باقی کا کام شرکت قاری ہند، بہت اودھ اظہار اور ہند میں لکھتے تھے انہی میں سے یہ سرخی
 میں نقل ہوتا۔
 قنار حج معنی میں سرخی کا مزاجیہ کام تھا۔ اس کا ایک نسخہ دیکھئے :-

قنار

ہم اپنی نگہ بندہ اشاعت میں زبان آرد و کی مختلف قسمیں بیان کرنے میں سرکاری
 آرد و کی نئی پیداوار کا ذکر خیر بھی کر چکے ہیں۔ حال میں ہمیں اس ادب لطیف کے چند
 تہہ خیز شاہکار دیکھنے کا شرف حاصل ہوتا ہے جس میں سبک پڑے ہم ایک پھنسائی کش
 نظر کرتے ہیں جس کا نام "رہبر حاجیان حجاز" ہی سے فصاحت و بلاغت سلیقہ جملوں کے
 مینہ کی طرح برس رہی ہے۔

پچھلے دنوں حکومت ہند کے شعبہ عظیم و صحت عامہ نے زمزمی حرم کی سموت کے بے ذہنی
 انگریزی میں ایک مفید پمفلٹ شائع کیا تھا: "رہبر حاجیان حجاز" میرے سرکاری آرد و میں اس
 پمفلٹ کا ترجمہ ہے۔ ہم حیرن ہیں کہ اس حکیم انسان ادبی غریبہ کا کون سا جوہر یہ پمفلٹ کے
 سامنے پیش کریں۔ کو سامنے نہ کریں۔ کہہ لیں جس طرح جناب میں چٹائی کا ہر من "اقبال" کا
 ہر شعر "شاہکار" ہے اسی طرح اس پمفلٹ کا ہر لفظ شاہکار ادب اور غائب و مومن کی
 رگوں کو تڑپا دینے والا شعر ہے۔

منگہ صحت قنار بابت اعتراض جڑ دینے پلنے اور کتاب "رہبر حاجیان حجاز" کے
 اس لیے مازہ سکتا ہے کہ سرکاری آرد و میں قانونی پہلوؤں کا ضرور سبک زیادہ خیال رکھا جاتا ہے
 اور حکومت نے اس خیال سے کہ لوگوں کو کہیں یہ شبہ نہ ہو یا سرکاری آرد و کے الفاظ میں
 "یہ مشہد نہ کیا جاسکتا ہو یا یہ شبہ آئندہ نہ کیا جائے گا" مسلمانوں کا فریضہ حج سوائے ہرگز
 حجاز کسی اور مقام پر بھی ادا کیا جاسکتا ہے "اسی کتبہ کے نام میں حاجیان" کے ساتھ لفظ
 "حجاز" کا دم چھلا لگا نا ضروری تھا۔

سردق آٹھنے کے بعد ہمیں بابت وہ پانے کی "پیم قلم" دیا جس میں ایک سہ ماہی ہے جس میں سب سے زیادہ دیکھا دینا یہ قلم ہے جس کو انگریزوں سے ترجمہ کرتے وقت حکومت ہند کے فاضل مترجم نے دینا ضرور دیا ہو گا۔ رسالہ مذکور کی نظر ثانی اس وقت تک طوی ہے کہ جب تک کہ قانون جس کا انھما کہیں کی سفارشات پر موقوف ہے پاس نہ جاتا ہے۔

سبحان اللہ! اور ہائے نہیں کے پانی میں داخل ہوتی دیکھیں ہے اس کو خودی کے ساتھ قانون کے انھما کو کہیں کی سفارشات پر موقوف کہ ہے انھما سائنس کے حکومت ہند کے ایسے جیسے بالکل مترجموں کی قدر شناسی کر رہی ہے وہ نہ یہ مترجم صاحب اگر کہیں ہمارے دفتر میں ہوتے تو وہ مہرے دن کان بکا کر موقوف کر دیتے ہوتے۔

ایک مقام پر حکومت ہند کا یہ فاضل مترجم سرکاری آراء کے حامیوں سے اس مسئلہ پر بھرتا ہے۔

پہلی مرتبہ مسلمانوں کی بربرنگائی میں صاحبوں کے لئے لکھا جاتا رہا تھا۔
 - "لا مشای آردو" میں - "سیتہ اللہ کی رات" اور "جی قہمت کاون" - "قوشا ہی تھا" -
 یہی اس سرکاری آراء کے تصدیق میں ہمیں زیر نگائی میں کی گئی ترکیب معلوم ہو گئی۔
 اس سرکاری آراء کی غلطی کے سرکاری مترجم پر غیر سے وہی مثل صادق آتی ہے کہ چونکہ پتہ دی گئی ہے کہ "آپ خدا کے فضل سے زبان عربی کے جی نہ صرف نہ ہوتے" ہاں بلکہ فنی وضع اصطلاحات کے دستاویز بند - اے قریہ بیٹ پر اس معلوم میں جیسا فرمایا ہے انگریزی سے آردو ترجمہ کرتے وقت انہی طبیعت و ہمدانی کے جوش میں من کو - "منا - عرفات کو حواف" - "عبدہ کو" - "ایرو" - "علم کو" - "علم" - "نعمت کو" - "نیامت" - "جہیں کو" - "سجالی" - "ذہب کو" - "زباب" - "اداسی کے وزن پر و باب کو" - "جب" - "بنا دیا۔"

مترجم صاحب کو اپنے فضل و کمال کی نمائش اور زیادہ منظور ہوئی تو رمضان کے اچھے خلعے میں مسلمان سرکاری آراء کے ہنگامے سے شہدہ کر کے "رام دانی" بتائی لا - خوب طبع نہیں کہہ کر ان کے آراء قلم سے ڈر کر، مطرا افغان "جنا پڑا، خدا کا شکر ہے کہ" - "میر" کا پردہ مسلمانوں کے آراء سے آیا اور نہ سرکاری مترجم نے تو حجاز کی مقدس سرزمین کو دہلی کا چاند ڈی بازار، گھنٹہ کا چوک یا کانپور کا مول گنج بنانے میں کوئی وقفہ باقی نہ رکھا تھا۔

قابل ستائش ہے وہ قدر شناس حکومت جس کو اپنی مطبوعات کے لیے ایسے ایسے قابل انشاء پردازوں کی خدمات حاصل ہوں۔

چٹکیاں بعد میں یہ کام "تیر و مدف" کے عنوان سے مقبول ہوا۔ اس میں خبروں کی سمرخیلی پر عاشرہ آرائی کی جاتی تھی۔

پچکیاں (تیسری صفت)

ایک فرما کر رہی ہے ————— جو وہاں رہا کرتی ہے
 ————— یہ میں کا یہ اور اور وزیر عروں سے گھنے کاں ہے
 ایک بڑا گھروں ہے ————— وہی بھنگی کی پیشانی پر گئی ہے
 ————— خیریت ہوئی رہا ہے اس ہاں کے گھر
 ایک فرما کر رہی ہے ————— عروں کا یہ بھنگی سا گھروں کو رہی ہے
 ————— اور بڑا گھر ہے

کھلکستان ہدی سے کی شہر نہیں، اور اور گھر میں نہیں ہوتا، اس کے خت احانت اور ان کا انتہا
 ہر اٹھا۔

کھلکستان (بہنے کی شرط نہیں دیوار قمتہ)

ایک عورت جب ساڑھوں عروں ہر نے لگا دیا اس نے نے ہر نے بچانے پہلے اس پر
 چھوڑے جتے ہوئے

— اٹھیں شوہر پر
 اس کاٹ بھٹکے ہر سے ایسی گھوڑی کے لیے مسہر ہیں۔ ایک، عمار میں اس کاٹ بھٹکے
 خلاف مضامین شائع ہوئے تھے۔ ایک اس کاٹ ہر سے نے اس اخبار کے بڈیر کو کھا کہ
 — اگر تم اسے اخبار میں اس کاٹ لکھ دیا تو اس کے خلاف مضامین لکھ بند نہ کرو گے تو میں تمہارا اخبار
 ایک کر پٹھنا بند کر دوں گا۔

شوہر، میری ٹوپی کہاں ہے؟
 میری، ٹوپی ہوتی کہاں؟ معاشے سر پر ہے،
 شوہر، اچھا ہوا تم نے بنا دیا، اور نہ میں لگے سرو فر جلا جاتا۔
 میری، (دینا نہ بھلتے ہوئے) پیاسے اب تم کیا چیز سنا چاہتے ہو؟
 شوہر، دیندہ اچھا ہونے اور بے ترے نموں سے بیزار ہو کر، پیاؤ کے بند ہونے کی
 لطیف آواز!

ایک محمدی بڑے نے ایک لڑکے سے پوچھا: تم مد لکھوں ہے ہو؟ لڑکے نے جواب دیا: میرے
 باپ نے ایک تپا صابی ایجاد کیا ہے جسے ہر لڑکے کو دیکھانے کے لیے وہ ہر وقت لکھ دھرتا رہتا ہے؟

گر ماگرم کے عنوان سے حالات حاضرہ پر چٹ پٹا تبصرہ کیا جاتا تھا۔

گر ماگرم

دہشت کش گلاہ کے راجہ صاحب کی سہ جزائی کا عقد چھٹنے والا ہے اس کا خربٹا کے لیے روایات چند لیا جا رہا ہے۔ راجہ صاحب کی صاحبزادی نے برٹش جدید قلم کا نظم لکھ کر ہو گئیں۔

لامہ میں ایک نوجوان نے اپنے پڑوسی کی چہ چار پائیاں چرائیں۔ چہ پائی کا فرقہ یہ ہے اس بچک اب پتہ سے پڑے نکالت چھڑی ہڑا کر رہے۔

اطلاع وصول ہوئی ہے کہ خدا نخواستہ کت منظم پر مردی کا خیف سا حملہ ہو گیا ہے۔ اس ضمنی میں انگلستان نے خندے ملک میں آخر کیوں رہتے ہیں؟

سختے ہیں کہ چین اور جاپان میں بھرتہ تو ہو گیا ہے۔۔۔ بیک اقام کو ہمد سے باہر آ جانا چاہئے۔

عقلمندیوں کے تحت اشتہارات، واقعات اور سرکاری احکامات وغیرہ کے صفا پہلوؤں پر نہ جو بند دل کیوں

عقلمندیوں

ایک برقی کتبہ پر حسب ذیل اشتہار چھپا دیا گیا ہے کہ۔۔۔ خطرہ۔۔۔ کتبہ خیرہ بنے سے فوراً موت واقع ہو جاتی ہے خلافت ورزی کرنے والا گرفتار کیا جائے گا۔ بے پردگی اور بعد میں کپ شپ کے عنوان سے ادبی ہوائیاں نہ کی جاتی تھیں۔

بے پردگی (گپ شپ)

ایک تازہ بے تار برقی پیغام منظر ہے کہ حضرت خواجہ حسن نظامی اور آغا حشر صاحب کاشمیری میں کوئی ایسا معاہدہ ہو گیا ہے جس کے تحت آغا حشر صاحب اپنے تمام ڈراموں کا حق تصنیف خواجہ صاحب کو دے دیں گے اور خواجہ صاحب اپنے تمام مرید آغا صاحب کے پھر دے دیں گے۔ واضح ہو کہ یہ ایک قسم کا معاہدہ تبادلاً نہ سمجھا جائے گا۔

معلوم ہوا ہے کہ جناب مشیر احمد علی کے یکایک وارٹھی نکلنا شروع ہو گئی ہے اس مرض کی وجہ خود ان کو بھی نہیں معلوم، ان کا بیانی ہے کہ میں کچھ عرصہ سے امراضِ جنم میں مبتلا تھا لیکن وارٹھی کی خود دئی پر خود مجھ کو بھی تعجب ہے۔

کشتہ میں کے خزانے سے دوسرے، ساقی، عبادت کی زبان و بیان کی اختلاط کا پوسٹ مارٹم ہوتا تھا۔

کٹ ہمیں

خضر کے ایک معصوم وار، خدا کے ایک مضمون کی مرنی ہے :- بکار آمد نہیں تہ۔
 سبحان اللہ! غالباً اخص قابل اندیشہ کے یہ جملہ بھی برس کے جو مدارِ عمر پر مشور ہیں۔
 - سب وہ پاک کے لکھنے کی لکڑیاں - - - برگِ شریفہ کی پتی - - - اللہ الیم کے رخت کا پیشہ و مردہ -
 حاضر پر تاب کی ایک نمرہ خزان ہے - - - جلد کے پٹاؤں نے جاں لے لی - - - اس میں کتاب
 کی کیم - کیم مصلیٰ نہ در ہے - - - یا تو شبِ برات کے پٹاؤں برس کے دورہ عید کی سیواں -
 حضرت عشق کے کاہنے وقت عشق کے محکم پہلوؤں کو لٹائف کی صورت میں اہلکار کیا جاتا تھا۔

حضرت عشق

ہمیشہ - - - تھا وہ مجبور کے عشق و محبت کا اب کیا حال ہے - - - ؟
 پاں - - - محبت کا معاملہ تو ختم ہو چکا - - - اب ہم دونوں کی مشادی ہو گئی - - - !
 الم غلم کے خزانے کے تحت معاصرہ سے مختلف مسائل پر چھڑ چھاڑ جاری رہتی تھی -

الم غلم

- آرد و سے دھرمِ عیش رکھنے والوں کی سیوا میں پراگھنا ہے کہ وہ مسٹر برہنہ امریکی پرستارِ عظیم
 ان حضرت نے ایک دلچسپ افسانے میں بیڑا کین ہے کہ ایک باشندہ امریکی جب مرتع میں پہنچا تو
 اسے معلوم ہوا کہ وہاں کے پہنے والے ہماری دین کے عاملوں سے کہیں بڑھ چڑھ کہ ہوشیار ہیں،
 مرتع والوں نے طرح طرح کے عجیب و غریب آلات ایجاد کئے ہیں ان حالات کی مدد سے ان کو پہرہ
 چل گیا ہے کہ باشندگانِ اراضی جتنی زبانیں بولتے ہیں ان میں سب اہم صرف چار زبانیں ہیں آرد
 چینی، انگریزی، اردو و سی، جن ہمارے شہوں اور ہمارے تاجروں کی طرف ہمارے سفیر ہے ان کو سب
 ہے کہ مسٹر برہنہ کی خبر اچھے پرکار سے میں تاکہ صاحب بہادر اپنے مددوں کا کچھ کر چھپا تاپ کر لیں
 اور انہیں کہ کیول حندی جہاں شاہل جارت نور سیدوں کی باتر جانتا ہے اگر مقدمہ چلنے کی ہمت نہ ہو تو
 کم از کم ایک پتر لکھ کر ان کو قابلِ معقول کریں ہمارے مفروضوں کو عمل بجا منت یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سب
 چپ پہنے کا نہیں ہے اگر ہمارے مترادف ہوا تھا تو دوسرے چپھے ہے ادد یہ او متریکل گیا تو پھر امریکہ
 والوں کی طرح اور جانتاں بھی آرد و کا پکشن لینے گئیں گی آتش ہے کہ ہماری پراگھنا پر کل ہمارے پتر دھیا

تو میں نہیں، جس میں جناب کے ضمن کے تحت شرکت خازن عدوی کے جواب پر صبر کرتے۔
تو تو میں ہیں اچھتیاں

نہ ہے کہ آپ کے وہ شکوہ نصف ہو۔ کب ہو گا کہ آپ کے سرور کی جگہ
 احجاز منزل مقصد ہے۔ نہایت بات۔ میں جواب ایک بات۔ اور جواب۔ وہانی ہے اور وہی ہے
 کہ صاحب اس کے لیے اور یہاں وہاں کھانا لگا دیا گیا۔

شہرہ پور کی ایک بات۔ نری نو۔ اصل باطل حاکم ہے جس میں یہاں نہیں ہے کہ وہی میں
 باطل چھانگو ہو۔ یہ حال کوئی صاحب اس کے ضمن میں خصوصاً صورت کو متنبہ کر رہا ہے۔

اور اوہر کی کے ہمیں صنف جہوں پر یہی ہے۔ رنگ میں سب حادی بصرہ لگے۔

اور اوہر کی
وہی سب جیتے تو گدھوں کے کان لیے

یہ تو حق ایک میں نہیں، بارہوں نے اس کو اس کو دیکھا، بارہوں سے دلی سے جب کوئی نہ ملے
 تو اب یہ یہ کہہ کر دیتا، لگتا ہے کہ جہاں موقع پاؤں تو رات کے نکلاٹ لیے ٹھہرے۔ بناؤں۔
 ٹھہرے۔ فیص آباد کے درمیان مقصد و اوقات ہو چکے ہیں۔ اب جس کا یہ نتیجہ ہو گیا ہے کہ گاڑیوں
 اوقات میں خلل پڑنے لگا ہے ہم پہنچتے ہیں کہ جہاں یہ کون سی بات ہے اور اس کا کیا خاتمہ ہو سکتا ہے۔
 ایڈیٹر کی ڈائری اس عنوان سے شرکت خازن سرانجام دے رہے تھے بعد میں اس کا عنوان بدل کر ایڈیٹر کی ڈائری
 بھی ہو گیا تھا۔

ایڈیٹر کی ڈائری (ایڈیٹر کی رام کہانی)

۲۳ ستمبر۔ غیر دلچسپ واقعات لکھنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم بھی گویا اپنے وقت کے خواجہ حسن نظامی صاحب
 مدظلہ بن جائیں۔ جبکہ دلچسپ واقعات ہر وقت اور ہر روز پیش نہیں آتے۔
 ۲۶ ستمبر۔ آج بعد لکھنے سب غیر بہت رہی لہذا کوئی خاص بات قلاب تحریر پیش نہیں آئی۔
 ۲۹ ستمبر۔ غیر دلچسپ واقعات تو ہوتے ہی ہوتے ہیں مگر آج کوئی دلچسپ واقعہ بھی پیش نہیں آیا۔

۹۔ اکتوبر - آوار کاؤں کا حذر فرمائیے اور آج ہی بخار بھی آگیا۔ بخار کے بعد اور کیا دلچسپ بات آپ سننا چاہتے ہیں۔

اقوال مولانا سر سخی اس کام کے تحت سدا تا شرکت تھادی اپنے تیار کئے تھے۔

اقوال مولانا سر سخی

○ شادی کے بعد سسرال میں رہنے پہنچے تاکہ کچھ عرصے کے بعد عین کی نذر ہو سکے۔

○ دوسروں کی بیویوں کو اپنی والدہ جگہ تاکہ آپ کی بیوی کو بھی لوگ والدہ سمجھیں۔

○ بچہ زورو سے کم پر شکر ادا نہ کیجئے ورنہ آتش مہاں بجھیں گے کہ یہ بندہ مال اور لدائی میں خوش

بچا ہے اس سے بہتر کھانے کیوں دیئے جائیں۔

○ وقت کا پابند ہونا جس دوام کی سزا ملے گی کے برابر ہے۔

○ کھانا خوب چھا کر نہ کھائیے۔ اس سے دانت گزدر ہو جانے کا امریشہ ہے۔

○ آج کا کام کل پر ڈالئے اس لیے کہ ممکن ہے کوئی کام برسوں پر چل جائے۔

سر سخی کے خاص نمبر - سر سخی اپنے خاص نمبر میں دھوم دھام سے نکالتا تھا۔ سر سخی کے غم ایڈمیشن کے عہد

میں - اپریل فول نمبر، سالی نمبر (سویچ گزٹ) اور عید نمبر - بغیر خاص طور پر قابل

ہیں - جو میں مبارک کے عنوان سے عید نمبر کا ادا کیا کھانا تھا اور اس پر یہ شعر اپنی مبارک کھانا ہے

سر سخی پڑھے مالوں کی برود عید ہے

سر سخی: عید اصل میں بس تیری دید ہے

سر سخی گزٹ - سال نو کے موقع پر مزاج نگاروں کو قاعدہ خطابات تقسیم کرتا اور ان کے دلچسپ اور دلکش کرتا۔

سر سخی گزٹ

(فہرست خطابات سال نو)

مناجبات ادارہ سر سخی

بمقرب سالگرہ اعلیٰ حضرت حضور پر نور ہمنو عبید بن مالک جناب سر سخی بہادر دام اقبالہ و مضافتہ

عبد القلم - رشید احمد صدیقی

قسم نواز جنگ - شوکت تھادی

قلیل القلم - پھریس بخاری

جہنم نواز جنگ - امین سلووی

لیڈہ القلم - ملا رمزی

غرافت الملک - زحمت اللہ بیگ

نکلت جنگ - تمکین کاظمی

الہ صیب اللہ ہر مراد زحمت اللہ بیگ حیدر آباد مدرسہ رشید احمد صدیقی علی گڑھ - حکیم ممتاز حسین عثمانی لکھنؤ

قرعاس بہین آسٹریلیا کے متصل ہے

ڈاک کی غلطی سے ہندوستان آگیا

ہندوستان کا قرعاس ابین آسٹریلیا کی

ماتنا گاندھی کی تازہ خبر محبوبہ غنیمت کی خاص بہنے سرخی

اک اٹھ بی بی ہے اک اٹھ بی بی ہے
 بد نام تیرا ہے اور چوہہ وہ اگلا ہے
 نے جانی اچھو، تم سدا ہی ہائے ہو
 نگہ می، جو جانی کھد دھن ڈونگہ ہے
 میں جیل کے اندر ہوں اور جی ہے مٹی ہے
 میں ہوں مری تیرا ہے اک تم کا رو ہے
 گاندھی کو نہ چھوڑاؤ گاندھی کو نہ چھوڑو تم
 مرتے ہو تو مر جاؤ، وہ جی سے لیا ہے

سر پنچ کے انتخابات، پنجپیت، حلوائی کی دکان، بربھٹ کر کے ہے ایک مستقل کام
 پنجپیت کے عزائم سے خارج ہیں۔ حلوائی کی دکان، بربھٹا، سید اقبال علی تاج، پیرس بھاری، کشید، محمد
 صدیقی اور مولانا عبدالجبار سالک وغیرہ کی تحفیات خاص طور پر اس عنوان کے تحت ٹھیک کی جاتی تھیں پورے کچے بہن
 لکھے اور رشید احمد صدیقی، سید اقبال علی تاج کے مضامین سر پنچ ٹیکسٹ میں نہیں لکھے تھے بلکہ سر پنچ کے
 مضامین اس نام کے تحت اپنے یہاں نقل کرنے میں اپنے کو حق بجانب سمجھتا تھا۔ اس کام کے اوپر علی حروف میں
 شمار ہوتا تھا کہ اس باب کے ماتحت تمام ہزوری سے بے تعلقی برقی جائے گی کہ جہاں سے جو ہیں ایسی جس
 سمجھ کر لیں۔

سر پنچ کے کارٹون اور سر پنچ کے بعد بھی کارٹونوں کا سب سے بڑا خزانہ شرکت تحافی کے سر پنچ
 ہی میں ملتا ہے۔ سر پنچ کے کارٹون بہت ذکیے، لکھے، جاندار، بستے ہوئے اور
 ولادینہ تھے۔ کمال کھنڈی اور سین فرنگی علی اپنے لیے جیتے تھے یہ سیاسی، سماجی، ثقافتی، ادبی، مذہبی
 اور معاشرتی موضوعات کو بہت بناتے تھے۔ خاص نمبروں میں ذراں نگاموں کے کارٹون بھی ہوتے تھے۔ چوڑیاں اپنے
 ہوئے لے لیں۔ حامد کاہر، مولانا شرکت علی، افتخار مٹانی، عنایت دہلوی، مدیر ریاست اور بیگ اقوام
 کے کارٹون اس میں بے حد مقبول چوتھے تھے۔ سر پنچ اکثر انگریزی رسائل و اخبارات کے کارٹون بھی نقل
 کرتا تھا۔

اور قوی رہتاؤں پر نکتہ چینی کی جاتی تھی۔ فراب زام پیر کے نام، اسی کالم میں ادب کے علاوہ سے بہت سے
وجہ پختہ شائع ہوا تھا۔ سرخ میں شائع ہونے والے خطوط کا ایک سونہ دیکھئے۔

ڈاک خانہ (سرخ ڈاک)

انی ڈیڑھ لکھ صاحب،

لکھ صاحب چوٹی کی جان چھوڑ دو۔

نہیں چیز چارہ رو جانے۔ بے زبان جانور کو سستا نا اچھا نہیں پڑتا۔

رفیع احمد

رفیع احمد صاحب ٹیمنہ نسیم

”جو چوٹی کو چھوڑ دوں، بہت اچھا کروہ تو مفت یا منسلک کے روز

سہ ذکر کے چھوڑا جا سکتا ہے۔ بہر حال آپ کے علاوہ دوسرے احباب کی جی سی سی کے سے کہ

سرخ کو چوٹی کے سے چھوڑ مار نہ جانا چاہیے اور ہم خود جی سی سی سوچ رہے ہیں کہ اب پھر کی کھڑکی

کھول دی جائے۔

سرخ

اودھ اخبار لکھنؤ میں جدم اخبار نہ ہونے کے بعد سرخ کے ساتھ ساتھ غنی نوکشی رہے اودھ

اودھ اخبار مال بہ زوال تھا۔ اس کے ایڈیٹر مسٹر نور الحسن کے جانے کے بعد شوکت نھانوی اودھ اخبار کے ایڈیٹر

مقرر کئے گئے مگر کچھ عرصہ کے بعد اخبار سے غلغلو ہو گئے۔ اور کچھ دن بعد اودھ اخبار کو رٹ آف وارڈ کی غریب میں چلا

گیا۔ اودھ اخبار میں ان کی گرفت کا نوہ دیکھئے۔

دو دو باتیں (روزنامہ اودھ اخبار لکھنؤ)

”چاہیے والی دنیا پٹن کمپنی کے نام سے ناواقف نہ ہوگی۔ اس لیے اسی کمپنی کو چاہیے نوٹس دنیا

کے یہ میخان کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن اس کمپنی نے جو ادبی خدمات انجام دی ہیں، اس کا بہت کم لوگوں

کو علم ہے۔ نہ کہ وہ خدمات پر وہ راز میں ہیں بلکہ یہ غیر فانی حیثیت سے علم ادب کی دنیا میں جگہ رہی

ہیں۔ پٹن کی چاہیے نے دوسری زبانوں کے لٹریچر پر جو احسانات کئے ہیں ان سے ہم کو کوئی شکوہ نہیں

بلکہ اب اردو ادب میں اس ادب نواز کمپنی نے جو مقبدا ضائع کئے ہیں ان کا اعتراف نہ کرنا چاہیے

انتہائی ہے ادبی ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ پٹن کمپنی نے اردو کی وہ خدمات انجام دی ہیں کہ انہوں نے زبان

اور اردو زبان کو اپنی مادری زبان کہنے والا طبقہ اس کمپنی کے احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

کرمین کمپنی کی کیمت کے طے کرنے کا یہ دور قریب مسمرہ ہونے پر کسی طرح مسدود نہیں۔
 روزنامہ ہندو لکھنؤ۔ روزنامہ ترقی و ترقی کے اخبار سرسید اور دوسرے نئے نئے اخبارات ہندو لکھنؤ میں ہونا چاہئے۔
 کے تحت ہندو لکھنؤ کے نام سے ایک روزنامہ اخبار جاری کیا اور اس میں ساری کے بارے میں اور اخبارات کے بارے میں تمام اخبارات
 شرکت ترقی کی اخبار کا نائب ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔ ہر ماہ کے ہر ماہ کے اخبارات کے بارے میں اخبارات کے بارے میں ہر ماہ کے اخبارات
 کی وجہ سے ہندو لکھنؤ میں جو شرکت خاوی نے حدود و انیس کے مزارعہ کا کام جاری رکھا اس کا ایک سہارا

دو دو باتیں (روزنامہ ہندو لکھنؤ)

لکھنؤ سے ایک ہفتہ وار پختہ اخبار شروع کرنے کے نام سے ساری ہے اور خدا تعالیٰ کیوں جاری ہے۔
 نہیں وہ کہیں لوگ ہیں جو اس اخبار کے مقررین کے لئے کیڑے بولتے ہیں اور اللہ ہی ہندو لکھنؤ
 ہے کہ کن ہندو لکھنؤ کو اس اخبار کا مذاق پسند ہے کہ تو یہ ایک مذاق اخبار ہے لیکن اس کے مذاق
 واصل مذاق کی وجہ سے ایک دوسرے والا لکھنؤ مذاق اور ہندو لکھنؤ کے مذاق اس نام سے ملتا ہے
 اخبار کی خصوصیات ہیں۔ اور اخبار کی دنیا میں اس کو وہی وجہ حاصل ہے جو ہندو لکھنؤ میں سمجھتے ہیں
 کو حاصل ہے حال ہی میں ہی اسے مذکورہ مقررین نے اس اخبار کا جوہر ہے۔ جوہر ہے اور
 جس بڑی حیرت اس فاضل ہندو لکھنؤ ہے وہ واقعی ایک حیرتناک سہارا ہے۔

فصلہ اصل میں ہے کہ ہندو لکھنؤ کے مایہ ناز خریف شہادہ مقررین کے نورین سید علی حسین
 صاحب خریف لکھنؤ نے ایک ہندو لکھنؤ کے بہت سے مقررین کے لئے زبان کی حق چوڑی ہے
 میں پڑھنے کے بعد لکھنؤ کے ایک ترقی کی زبان پر آگئی اور ہندو لکھنؤ کے بیشتر اخبارات اس منزل کو نقل
 کیا۔ لیکن اب وہی غزل اخبار چوڑی میں ہر چوڑی جناب صاحب دہلی کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ
 چھٹی نظر آ رہی ہے۔ اور لکھنؤ معاہدہ ہندو لکھنؤ کے ہر خود حیران ہیں کہ اس غزل کے بعد سرق ملکیت کس
 طرح یہاں ایک خریف صاحب خریف صاحب کی طرف منتقل ہو گئے۔ ہندو لکھنؤ آج تک اس علم شان
 توارد و بچا ہے کہ پوری کی پوری غزل لڑ جائے نہ ہونے اور مایہ ناز لکھنؤ کے کسی مذہب شہر شہر
 کا کلام چڑا کر شائع کر دیا جائے اور نہ یہ ویدہ و لیری ہماری نظروں سے گزری ہے کہ چوری کی غزل علی
 حروف کے ساتھ ہندو لکھنؤ کے مقررین پر اس طرح مچا پی جائے کہ گویا آب ہی کی توتہ ہے۔

چند دلاور مست و زلف کے کہ کبھی چلوغ وارو

خریف صاحب کے مذکورہ بالا غزل کے کچھ شعر ہم کہہ کر بھی یاد ہیں جو حالی ہی میں چوری کی گئی اور جس کا چور
 معاہدہ مقررین نے لکھنؤ کے چھپے ہی چھپے لکھتے ہیں کہ غدار کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے وہ اشعار
 وحشت میں ہر اک نقشہ آتش نظر آتا ہے۔ مقررین نظر آتی ہے لکھنؤ آتا ہے

بیماری های مزمن

مسرحی و سرزمین زلزلہ و بحیرہ

- دیکھو بڑے دلیر بھی عورتیں! کون سا مذہب آپ کا ہے؟ اے ہمارا صاحب گنبد
یہ تو جو انسانی طرح علاج، یہ عروج و زوال کی سی طرحی سہارا۔ خود کو چھوٹے
مجھے کہتے ہیں وہ جتنی ڈالرز کا صاحب ہیں بازار میں، گاؤں والے ہیں۔

اب، مجھے کہتے ہیں کہ وہی ذالکریا صاحب کھنڈ کا رہنے والا ہے۔
 نامنا سر کا منات لکھتے ہیں۔ مرنے سے پہلے شریک قرار و تقریب حاصل ہوا ہے۔ وراثت کے لئے ادا ہیں۔
 بعض نرائیوں کے نسب میں شہادتیں ہیں جو کہنے، چنی، چنائی، دیکھنے، دوران، خوار کے دور، نرمن، ماجہ، نرمن
 کے ایما پر شہادتیں ہیں۔ ان کے منات - شہادتیں اور شریک قرار کی منات - شہادتیں ہیں۔ محو - شہادتیں ہیں۔
 کہہ دو، نند کر دو، باک - کانت میں ملک کے منات - دیوان کی منات - شہادتیں ہیں۔ منات - شہادتیں ہیں۔
 حاصل سے بہت شہادتیں ہیں۔ منات - شہادتیں ہیں۔ منات - شہادتیں ہیں۔ منات - شہادتیں ہیں۔
 منات میں شہادتیں ہیں۔ منات - شہادتیں ہیں۔ منات - شہادتیں ہیں۔ منات - شہادتیں ہیں۔

روزنامہ طوفان لکھنؤ۔ روزنامہ جس سے جن صاحبوں نے جو شکر خانہ کو تعمیر کرایا ہے اس کے سرپرستوں اور دوستوں کے ہمدردی سے یہ دستِ مصلحتی بنی گئی۔ مرحومہ اللہ تعالیٰ عوام تھیں۔ جواب
سر محمد نزل اللہ خاں، خاں بہادر سید حسن الدینی، خاں بہادر سید محمد حسین، مسٹر محمد علوی، شیخ احمد علی اور فیض محمد خاں
وغیرہ کی مدد سے یکم جون ۱۹۳۲ء کو شوکت خانہ کی بنیاد پانی اخبار "طوفان" کے نام سے جاری کی۔
طوفان کا آغاز بین الاقوامی سطح پر شروع کیا گیا اور اقلیتوں کی فہمائشوں کی طرف متوجہ رہا۔
شوکت خانہ کی تحریک کے بادشاہ تھے مگر منتظم نہ تھے جب مولانا محمد علی جیسے عظیم الشان انسان کا جبار شخص تحریک کی حوصلے سے
بے چل سکا تو جلالہ طور نے کہا چلتا۔ آزادی جمہور کے چند بھونٹے اس پاؤنی اور اجارہ داریوں کو اڑائے گئے، اخبار ایک
سال چل کر بند ہو گیا اور طوفان گزر گیا۔ طوفان کی پالسی کا اندازہ لگانے کے لیے اس کی طوفانی طرافت کا مختصر نمونہ
دیجئے :-

- سنا ہے کہ کانگریس کا اجلاس منعقد کرنے کے لیے کئی صوبے تہہ بہ تہہ ہیں۔ کیا کانگریس بھی بغیر جات ہے؟
- انڈیا ہاؤس کی فائش میں شاہ شہو مسلمان کی کپڑی اوڑھ بیگرا اور دھکا دوشالہ رکھا گیا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد گاندھی جی کی لنگھٹی میں ان تادیبی چیزوں میں شامل ہو جائے گی بشرطیکہ جھنوں کے گریبان کی

میں کہہ چکا تھا کہ ایک سو دو تھوڑے دنوں میں اس کے سارے اعضا کی طرف دھنک دینا ہی چاہئے تھا۔
 اس پر گتہ میں دیکھی جوتی میں اور اگر جو شہید کی عمارت نظر آئے، وہ جتنا بڑا ہے وہی جوتی میں گئے اور
 جب وہ توں نہ ہوئے اور اسے بڑا ہی کا نام دیا۔ وہ جوتی میں گئے اور اسے بڑا ہی کا نام دیا۔
 وہ دو ایسے ہی تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔
 وہ دونوں لڑکے تھے۔ اس میں سے دو دو صرف تین تین تھے۔ اس میں سے دو دو صرف تین تین تھے۔
 عزیز ہیں کہ گتے میں جوتی میں تین تین تھے۔ اس میں سے دو دو صرف تین تین تھے۔ اس میں سے دو دو صرف تین تین تھے۔
 محفل کا منت

وہاں پہلے تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔
 اس دوران دو دو تین تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔
 ہی تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔
 اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔
 چوتھے تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔
 میں تین تین تھے۔

مگر میں تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔
 تین تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔
 بھائی کے کہہ ضروری ہو رہی تھی، اس نے تین تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔
 جن میں سے ایک تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔
 یہ بھی سو سنی تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔
 بھائی کی کوششیں تھیں۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔ اس کے بعد اس کے تین تین میں سے تین تین تھے۔

روزنامہ جنگ راولپنڈی - دارالحکومت کی آمدنی کے بعد، روپوش ہوئے، جسے بھی جنگ، اندسٹا سرائے پورا۔
 سرکٹ خانہ کو اس کا بندہ بنا کر بھیجا۔ انھوں نے اس میں پہننے کے عنوان سے جنگ کا ماحولہ لکھنا شروع کیا۔ اس کا ایک نمونہ دیکھئے۔

بہاڑے (روزنامہ جنگ راولپنڈی)

ہمارے اسکول کے بچوں سے خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں اگر آپ یہ سوال کریں کہ تم کو ہائیوں میں
 سب زیادہ کیا بات پسند آئی؟ تو وہ فوراً جواب دیں گے کہ "ہم کو تو ہائیوں میں سب زیادہ پسند یہ کہ
 آتا ہے کہ...." "مرے راجہ کا جنگل میں راج ہے"

اس سے اگر یہ جس کو۔ اگر اعظم کے ہمد کا کوئی باقی فراموش کار نہ رہا ہو کہ وہ فوراً کس نے کہ ہم کو صرف ایک ہی کارنامہ یاد ہے کہ کبہ کا وہ بار بار مستند ہے شاہزادہ سلیم ایک بار کوئی پریشا ہے خود اگر کثرت سے ہی ہر جگہ افروز میں قلم اٹھنے وہ بار نہایت ادب سے بچے ہیں کہ وہ جو بالاجرا مار گئی ہوئی ہے نافع نثر ہے ہر جگہ اور وہ شاہزادہ سلیم کی طرف اشارہ کرتے کافی ہے۔ جب بیمار کی تو ڈرنا کہ

ان سے اگر آپ در یافت کریں گے کہ سرزادہ غالب کو کون فقہ؟ اور وہ جواب دہ نے زمرہ غالب وہ فقہ جس سے مٹنے کہ جو حکیم نے اپنی بیٹی زور جہاں کو سختی سے منع کیا تھا۔ ہمارے یہ عام علم جس قسم کے مذہب اور آبی حوالے سے نصیب نہیں بلکہ غلو سے رہتے ہیں۔ اس سے کہ ان کو جو جہور غلوں پر حاصل ہے وہ اپنی دوری کیوں پر ہرگز نہیں حاصل ہے ان کو پہنے سفند اس قدر کا کلام کو خیر یاد نہیں ہے۔ البتہ وہ یہ اس موقع پر جہاں پہلے سادہ ملے ہوئے کے اشارہ پڑے یا کئے جاتے تھے اب عمومی قانون کے بول: سفیناں کہتے ہیں مثلاً ایک سہ جزا سے بنے والے نمزہ کو خط طحا کہ آیت مجھ سے خط نہ لکھے لی حدیث کی ہے: ہر میری طرف سے یہ شبہ کی جاتا ہے کہ جس آپ کو جہول کیا ہوں وہ اس آپ کو معلوم ہوتا کہ میں آپ کو کس قدر یاد کر رہا ہوں نہ تو یہ حال ہے کہ آپیں نہ جہول شکوے نہ کئے کہ جہول نہ رہا ہو۔

ہم وہاں کو پکڑ کر جھوٹے جو تیرا کسی نے نام لیا

میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ جلدی سے چھٹی ہو اور میں آپ کی خدمت میں یہ کہتا ہوں صاحبہ جہاں کہ

نہ جگہ جگہ جہول نہ۔ ان ہم بھری نگر یا آئے

اسکوں کے ان بچوں کا کیا قصور ہے جب ان کے گھر کا ماحول ہی یہ ہو کر رہ گیا ہے کہ والدہ محترمہ کو دیکھتے ہیں کہ درزی کپڑے کی کہ لانا اور وہ اس کو ڈانٹ رہی ہیں کہ تم نے غارت کر کے رکھ دی یہ قیص، میں نے تم سے کہہ بھی دیا تھا کہ یہ بالکل اس وضع کی ہونا چاہیے جیسی لیکن اس وقت پہن بھی تھی جب وہ فارہی ہے کہ تو میں بچا میں ناچوں کی

یہ تو تم نے ڈھیل ڈھالی بالکل اسی ہی بناوی جسی فلم کھانا میں تو ٹیکم نے پہن رکھی ہے تم سے یہ کس نے کہنا تھا کہ میرے لیے رشتہ کی پیشوا زسی لاؤ، میں نے تم کو نکٹ کے دام میں بیٹے تھے کہ پیسے جا کر فلم بدین دیکھو۔ اس کے بعد بیل کی نوٹے کی قیص سی کہ لاؤ تم نے مجھے بھی کوئی سنسنی سمجھ رکھا ہے کہ میرے لیے یہ ڈھیل ڈھالی بد قیص سی لائے ہو۔

وہ میری طرف سے ہمشیرہ محترمہ دوڑتی ہوئی آئیں کہ دیکھنے می مجھے سسپنی نے حوض میں دیکھیں دیا ہے میرے ملے کپڑے جیک گئے معلوم ہوتا ہے جیسے۔

عزیمت شکر

۱۔ ناول کے ایسے مفرد مزاج نگار ہیں جن کا ایک ایک عقوبتی جگہ ان میں
ہو جو ہر شے کو اپنے ہی دور پر ہے کہ شوکت خانوی سیلک ہے عقوبت

بھائی (ناول) کے ہر حصے اس قدر کچھ کر دیا ہے کہ ان کے لئے یہ آب انجانی ہیں۔ ایسا بلوغ و بار
کو در اور شوکت خانوی کا انداز بیان۔

عزیمت میں مزاج تو ہے ہی اس لیے کہ اس کا مصنف شوکت ہے کہ مزاج کے طالع اور ملی ہے
کچھ کٹھن، کچھ بد و بند کچھ سرفروشی اور کچھ خدا۔ ست حیرت و استہراب۔

نیو فرما انداز و فرما دہانی ہے۔ مگر یہ دینی و دہی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ وہی مٹی و ہمت
نیو فرما کی حکایت ہے وہی سرفروشی کے لئے ہے جسے وہی دہی و دہی پھر پھر ہوا ہے جو دل میں اُترتی جاتی ہے
خدا نخواستہ (ناول) جو آپ ہیں تو کیا ہو؟ اس کا جواب شوکت خانوی کے لئے۔

مولا نا (ناول) بول میں شوکت خانوی سے ہم ادب آپ ایسا ایک صاحب کو خدا کو خدا مولا نا کہ جو اس کی
گت بولتی ہے۔ نہ کسی کی نہ بنانے۔

گتیا (ناول) گتیا پاتو جو یہ جگہ جو مٹی خود ہے۔ اور اگر کاشٹ تو دماغ پر خاص اثر پیدا کرتی ہے۔ اس
گتیا نے ہر دماغ پر یہ اثر کیا کہ ہم مسلسل بنیں رہے ہیں۔ اس لیے کہ یہ بات گتیا ہے نہ
جنگ۔ بلکہ یہ دراصل شوکت خانوی کے ایک مزاحیہ ناول کا نام ہے۔

سایج کو آج یہ ناول ان مہاجرین پر ہے جو ہندوستان میں مٹی تک کو عاجز تھے اور پاکستان کی ترقی کر رہے
آپ کو فوج بننے اور کھانے لگے۔ یہ ناول ایسی ہی دلچسپ حکایتوں پر اس انداز میں لکھا
گیا ہے کہ پڑھ کر اس سے ہنس کے پیٹ میں بل بوتہ پر جاتے ہیں۔

سسرال اس ناول کا کچھ حصہ مابناہ نقوش و پور میں چھپ چکا ہے۔ جسے سب نے اتنا پسند کیا تھا کہ ہم اسے
جلد سے جلد مکمل طور پر کتابی صورت میں شائع کر سہرہ پرور ہو گئے۔ یہ ناول اتنا دلچسپ و دلچسپ
ہے کہ اسے پڑھ کر ذہن جھوم جھوم اُٹھتا ہے۔

کارٹون (ناول) شوکت خانوی کا نوٹش ہیں اس لیے کہ ان کے ایک صاحب مزاحیہ ناول کا نام کارٹون
کا رہا ہے۔ اس ناول میں شوکت کا نظم کہیں بھی آدھ کا شکار نہیں ہوا ہے۔ وہی روایں اور سبک
وہی بے ساختہ اور بے تکلّف مزاج ہے۔

مضامین شوکت لکڑی شخصیت شوکت قاضی کی کتابوں کا مجموعہ ہے جس میں ۱۰۰ مضامین ہیں جو شوکت قاضی کی قلمی شخصیت اور ان کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ بھی خاصیت ہے جو شوکت قاضی کے آرٹ کو زندہ بناتا ہے۔

شوکت قاضی کی یہ نئے انداز کی تصنیف "آئندہ" آپ میں داخل ہو چکی ہے۔ اس کتاب کے لیے قاعدہ کے بی بی نعمت انور کے ہمدردی سے ہی نکتہ کے دلچسپ تصنیف کو کرپٹ میں لے کر آئے۔ اس کے منسلک کا شمار حاصل کریں گے۔ اس کتاب میں آپ کو ان سے آؤ نہیں پڑھایا گیا۔ بلکہ اس کے امتیاز میں لکھا گیا ہے۔

شوکت قاضی کی چند اور نئی کتابیں

ہنس مکہ — انسانوں کا بوم
چٹخا سرے — انسانوں کا بوم
قاضی بی (چام) — ریڈیاں

قیمتوں میں تخفیف

ہم کتاب	سابقہ قیمت	نئی قیمت	ہم کتاب	سابقہ قیمت	نئی قیمت	ہم کتاب	سابقہ قیمت	نئی قیمت
خسہ الہ	۶/-	۴/-	بابر دلت	۲/-	۲/-	کارٹون	۲/۵۰	۲/۵۰
نیو فر	۶/-	۴/-	جوڑوڑ	۴/-	۲/۴۵	بقراط	۲/۵۰	۲/-
بجالی	۴/۵۰	۳/-	دغیہ وغیرہ	۲/-	۲/-	مضامین شوکت	۶/۵۰	۱/۵۰
مروا	۲/۵۰	۲/۴۵	فاجیکوٹ	۲/۵۰	۱/۵۰	نکسری	۲/-	۲/-
بار خاطر	۴/-	۲/۴۵	بے قاعدہ	۲/-	۱/۲۵	قاضی بی (دول)	۲/۵۰	۲/۵۰
خدا خواستہ	۲/-	۲/-	سودھی دین	۲/-	۲/-	قاضی بی (دوم)	۲/۵۰	۲/۵۰
کتیا	۳/۵۰	۲/۴۵	سلی کو آٹھ	۲/۵۰	۲/۵۰	قاضی بی (سوم)	۲/۵۰	۲/۵۰
سرسا	۲/۲۵	۱/۵۰						

ادارہ فروغ اُردو ایکسپریس وڈ (انارگلی) لاہور

شوکت قاضی کی کتابیں پڑھیں
اور فکروں سے آزاد ہو جائیں

اگر خود بچے کو - بیا ہوتی ہوتی پائینری...

بہت سی باتیں ہیں جو بچوں کو پائینری میں پائینری کا
خود بچے کو پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا
پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا
پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا
پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا
پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا
پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا
پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا

خدمت اپنا اختیار
بر ماسٹیل پر اعتبار



بہت سی باتیں ہیں جو بچوں کو پائینری میں پائینری کا
خود بچے کو پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا
پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا
پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا
پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا
پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا
پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا
پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا پائینری کا

نقوش

پنا ۱۰۰ واں شمارہ

ایک کا نامہ کی صورت میں پیش کیے کا

اور وہ کا نامہ

آپ بیتی نمبر

کی صورت میں سامنے آنے کا

اُن تمام بھٹکا دیسوں کی آپ بیتیوں کا جامع تذکرہ، انہی کے الفاظ میں ہوگا
جو آج سے پہلے کبھی نہیں اور جن سے ملک قوم کی سیاست، ادب اور
تاریخ متاثر ہوئی

اور موجودہ دور کے تمام بڑے ادیبوں کی غیر مطبوعہ خود نوشت سوانح عمریاں ہونگی
جو آج ہی نہیں کل بھی دستاویزی حیثیت رکھیں گی اور جو خود اپنی جگہ اتنی
دیکھ رہی ہیں کہ افسانوی کردار ان کے سامنے گردِ نطنس آئیں گے

آئندہ شائع آپ بیتی نمبر ہی ہوگا

یہ کتاب اُس تاریخ کو جو سب سے اخیر میں ڈالی گئی ہے
 ہوا پس کرتی ہے، ورنہ پانچ پیسے روزانہ کے حساب سے
 ہر جہانہ ادا کرنا ہوگا

For 20 years

Will you

7A-1 0796 VERM

توضیح: مدیر مسئول

شکریہ

